تاریخِ قیام و

مقتل جامع سید الشہدا علیہ السلام

جلد اول

گروہِ محققین
زیر نگرانی: حجۃ الاسلام والمسلمین استاد مہدی پیشوایی

ترجمہ و تلخیص: غلام یٰسین

فہرست

پہلی فصل

مقتل کی کتب کا مختصر تعارف، ابتدا سے دور حاضر تک

دوسری فصل

امام حسین علیہ السلام کی شخصیت اور حالات زندگی

تیسری فصل

شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بارے میں، انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کے بیانات

چوتھی فصل

امام حسین علیہ السلام پر گریہ و عزاداری کی

پانچویں فصل

قیامِ امام حسینؑ کا فلسفہ

چھٹی فصل

حکومتِ معاویہ کے مقابلہ میں امام حسینؑ کا موقف اور سیاسی مبارزہ

ساتویں فصل

یزید کی ولیعہدی

آٹھویں فصل

امام حسین علیہ السلام مدینہ میں

نویں فصل

امام حسین علیہ السلام مکہ میں

دسویں فصل

کوفہ کے سیاسی اور مذہبی حالات

گیارہویں فصل

امام حسینؑ کوفہ کے راستے میں

بارہویں فصل

کربلائے معلّی پہنچنے سے روزِ عاشورہ تک

چودھویں فصل

بنی ہاشم کا جہاد اور شہادت

پندرہویں فصل

سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کا جہاد اور شہادت

مقدمہ ناشر

دین اسلام، انسان کی دنیوی اور اخروی سعادت کے لئے علم وحکمت والا دین ہے۔ آیات وروایات میں سیکھنے، سیکھانے اور علم ودانش کی بہت تاکید کی گئی ہے اور علماء کا مقام عابدوں اور زاہدوں سے بلند شمار کیا گیا ہے۔ دینی تعلیمات کے مطابق، انسان کی عظمت بھی علم ودانش کی بناپر ہے۔ قرآن مجید میں واضح بیان ہوا ہے کہ ملائکہ اور دوسری مخلوقات نے علم ودانش کی وجہ سے سرجھکا کر انسان کی تعظیم کی ہے۔[1]

انبیائے الٰہی، رسل اور مبلغینِ دین اس لئے آئے، تاکہ انسان کے علم ودانش کی منزل کو بلند کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قرب صرف علم اور عمل کے ذریعہ ممکن ہے؛ جیسا کہ دنیوی طاقت اور ظاہری حکومت کا عمل میں آنا بھی علم ودانش کی بنیاد پر ہی ممکن ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

«اَلعِلمُ سُلطانٌ، مَن وَجَدَهُ صالَ بِهِ، وَمَن لَم یَجِدهُ صِیلَ عَلَیهِ».

علم قدرت وطاقت ہے؛ جو علم حاصل کرلے، اُس نے غلبہ پالیا؛ اور جس نے علم حاصل نہ کیا، اُس پر غلبہ پالیا گیا۔

اسی نظریہ کی بناپر اسلامی جمہوریہ ایران کی حکومت نے جامعہ المصطفی العالمیہ کی داغ بیل ڈالی، تاکہ مہذب علماء اور مفکرین کی تربیت کے ذریعہ دنیا میں اسلامی تعلیمات کے فروغ کا راستہ ہموار کیا جائے۔

اس تعلیمی ادارہ نے ایران اور دنیا کے مختلف ممالک میں تعلیمی اور تحقیقی مراکز قائم کرکے علم ودانش کے لئے بڑے پیمانے پر خدمات انجام دیں، جن میں ایک لاکھ سے زیادہ طلاب، ہزاروں کتابیں، دسیوں مجلے، کانفرسز اور علمی نششتیں قابل ذکر ہیں۔

المصطفی بین الاقوامی تحقیقاتی مرکز، ایک ایسا تحقیقاتی ادارہ ہے جو اسلامی تعلیمات کے فروغ اور اسلامی اور انسانی علوم کی ترویج کے لئے تاسیس ہوا، اور اس کی بنیاد سنہ ۱۳۸۷ ہجری شمسی میں رکھی گئی۔

۱۔ ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ (سورہ بقرہ: آیت ۳۱)۔

اس وقت اس مرکز کے تحت پانچ تحقیقاتی مرکز (علوم اسلامی تحقیقاتی مرکز، علوم انسانی تحقیقاتی مرکز، ادیان ومذاہب تحقیقاتی مرکز، علاقائی مطالعہ تحقیقاتی مرکز، اسلام اور مغرب تحقیقاتی مرکز، درسی متون کی تدوین اور ترجمہ کا ادارہ) کام کر رہے ہیں اور اسی طرح ادیان ومذاہب اور سالانہ شیخ طوسی فیسٹول بھی اپنی ذمہ داری نبھا رہے ہیں اور اب تک ایک ہزار علمی کتب مختلف زبانوں میں تالیف وترجمہ ہو چکی ہیں۔

ترجمہ کا شعبہ، المصطفی تحقیقاتی مرکز کا ذیلی ادارہ ہے جس کی ذمہ داری تعلیمی، تحقیقی اور المصطفی کی ضرورت کی کتابوں کا ترجمہ کرنا ہے، جس میں اب تک ۱۰۰ سے زیادہ کتابیں دنیا کی ۱۶ زبانوں، مثلاً عربی، انگلش، فرنچ، اردو، ہوسا، ترکی، آذری، کُردی، پشتو، فلپائینی، سندھی، اٹالین، اسپینش میں ترجمہ ہو چکی ہیں، جن میں سے بہت سی کتب شائع ہو کر شائقین کی علمی پیاس بجھا رہی ہیں، جبکہ کچھ کتابیں نصابی اور تحقیقی ہیں جو ایران اور بعض دوسرے ممالک کے تعلیمی نصاب میں شامل ہیں۔

یہ کتاب، امام خمینی علمی وتحقیقی مرکز کی تالیف شدہ ہے، جس کا موضوع مقتل امام حسین علیہ السلام ہے اور یہ کتاب ایک تحقیقی سرمایہ ہے۔

المصطفی بین الاقوامی تحقیقاتی مرکز نے جس کے اردو ترجمہ کے لئے جناب غلام یٰسین صاحب کی خدمات حاصل کیں۔ جس کے بعد جناب رئیس شاہد اعظم صاحب اور جناب مظفر عباس بٹ صاحب نے نظر ثانی کی اور جناب سید توقیر عباس کاظمی صاحب نے ترجمہ کی نوک پلک سنوارنے کی زحمت اٹھائی۔

المصطفی بین الاقوامی تحقیقاتی مرکز، ان تمام احباب کی قدردانی اور شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ، اس کتاب کو تمام صاحبانِ ایمان اور محبانِ اہل بیتؑ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔

المصطفی بین الاقوامی تحقیقاتی مرکز

سخنِ مترجم

اپنے بزرگوں کی یاد منانا اور اسے سپردِ قرطاس کرنا زندہ اور پائندہ قوموں کی علامت ہے۔ یاد منانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ یادگار، لوگوں کی غفلت اور طاقِ نسیان میں چلے جانے سے محفوظ رہ سکے اور اس پر غور کرنے سے سبق حاصل کیا جاسکے۔

واقعہ کربلا کی یاد نہ صرف مسلمانوں، بلکہ ہر قوم وملت کے لیے یکساں مفید اور سبق آموز ہے۔ لہٰذا اسے بیان اور قلم کے ذریعے زندہ رکھنا ہر قوم کا فرض ہے۔

مسلمان مؤرخین اور خاص طور سے شیعیان اہل بیت اطہار علیہم السلام نے کما حقہ اس فریضے پر عمل کیا۔ جہاں یادگار کربلا کو قوم کے سامنے بیان کیا وہاں اپنے قلم کے ذریعے اسے محفوظ کرنے کی بھی کوشش کی۔ البتہ یہ عظیم واقعہ جہالت، تعصب اور خود غرضی جیسے اسباب کی بنا پر تحریف سے محفوظ نہ رہ سکا۔ علمائے کرام نے تاریخ کے مختلف ادوار میں تحریف زدائی کے عمل کو جاری رکھا اور کربلا کی صحیح اور حقیقی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی۔ تاہم موجودہ زمانے میں ایک جامع تحقیق کی ضرورت تھی جو واقعہ کربلا کے مختلف پہلوؤں کو مزید وضاحت اور دلائل کے ساتھ بیان کرے اور تحریفات کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کا تجزیہ و تحلیل پیش کرے۔ کتاب **تاریخ قیام و مقتل جامع سید الشہدا** علیہ السلام کو اسی مقصد کے تحت لکھا گیا، جسے تاریخ اسلام کے ماہرین کی ایک ٹیم نے مل کر تالیف کیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ شرف بخشا کہ اس بیش بہا خزانے کا ترجمہ اور تلخیص قارئین کی خدمت پیش کروں۔

۱۔ مقتل جامع کا تعارف اور اہداف

اس حوالے سے کتاب کے مقدمہ میں بیان کیے گئے اہداف کا اقتباس، سادہ الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے: عرصہ دراز سے مصنف کی آرزو تھی کہ ایک ایسی جامع اور مستند مقتل لکھے جو علمی ہونے کے ساتھ ساتھ تحریف سے پاک و منزہ ہو، عصر حاضر کی ضروریات کو پورا کرسکے اور جدید طرزِ بیان کی حامل بھی ہو۔ اگرچہ واقعہ کربلا میں ہونے والی تحریفات کے خاتمے اور اس واقعہ کی صحیح تصویر پیش کرنے کی غرض

سے چند کتابیں لکھی جاچکی ہیں؛ لیکن مقتل کی کتابوں پر تنقید کرنا اور ان کے ضعف اور تحریفات کو بیان کرنا کافی نہیں ہے بلکہ ایک جامع مقتل کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ "امام خمینیؒ ریسرچ سنٹر" کے شعبہ تاریخ کے زیر اہتمام اس کام کے ابتدائی مراحل کا باقاعدہ آغاز ہوا اور چند سالوں میں یہ گراں بہا خزانہ قارئین کرام کے ہاتھوں تک پہنچا۔

۲۔ کتاب کی خصوصیات

اس کتاب کی چند اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ یہ مستند اور جامع کتاب ہے جس میں صرف تحریفاتِ عاشورہ، قیام امام حسینؑ کا مقصد، شہدا کی شہادت کی کیفیت اور مصائب کو ہی بیان نہیں کیا گیا، بلکہ یہ مقتل کی ایک استدلالی کتاب بھی ہے، جس میں واقعہ کربلا کو شروع سے آخر تک جامع اور مستند انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح ضعیف روایات کی تحقیق اور تجزیہ و تحلیل پیش کرنے کے ساتھ ساتھ، صحیح روایات کو بھی بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۔ مقتل کی دیگر کتابوں کی نسبت اِس کتاب کا ایک منفرد کام یہ ہے کہ دوسری صدی سے اب تک لکھی جانے والی مقاتل کا تحلیلی جائزہ لیا گیا ہے اور ان میں سے صحیح اور ضعیف روایات پر مشتمل کتابوں کی طرف رہنمائی بھی کی گئی ہے۔

۳۔ یہ کتاب علما، محققین اور عوام الناس کے لیے یکساں قابل فہم اور مفید ہے، جبکہ اس کے اصلی مخاطب، نوجوان مبلغین اور خطبا ہیں۔

۴۔ یہ تاریخ نویسی کے عالمی معیاروں کے مطابق لکھی جانے والی مقتل کی پہلی کتاب ہے، جس کی تدوین میں صرف مقتل کی کتب ہی نہیں، بلکہ مختلف ابحاث کے تناسب سے دیگر کتب مثلاً: حدیث

،معاجم، ادعیہ اور زیارات، علم رجال، علم نَسب، جغرافیہ وغیرہ کی ورق گردانی بھی کی گئی ہے؛ نیز تاریخ نویسی کے مشہور اور رائج قواعد وضوابط کالحاظ بھی رکھا گیاہے۔

۳۔ترجمہ کے بارے میں

یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد میں چار حصے ہیں اور ہر حصہ چند ابواب پر مشتمل ہے۔ چونکہ یہ کتاب بہت مفصل تھی یعنی دونوں جلدیں تقریباً دوہزار صفحات پر مشتمل تھیں اس لیے ہم نے ترجمے کے ساتھ تلخیص بھی کی ہے اور تلخیص میں کوشش رہی ہے کہ کتاب کے اصل مفہوم کو پوری دیانت داری کے ساتھ کماحقہ بیان کیاجائے۔

۴۔ترجمہ کااسلوب

کسی بھی متن کودوسری زبان میں ترجمہ کرنے کے اسلوب اور معیارات مختلف ہوتے ہیں۔ترجمے میں سب سے اہم چیز اس معاشرے کو مدنظر رکھنا ہے جس کے لیے ترجمہ انجام دیا جاتا ہے تاکہ وہ معاشرہ کتاب کے مطالب کواچھی طرح سمجھ سکے؛لہٰذااس وجہ سے ترجمے کے معیارات مختلف ہوجاتے ہیں۔

کبھی مترجم کی کوشش ہوتی ہے کہ کتاب کے مطالب کا صرف مفہوم مخاطب کے سامنے پیش کیا جائے۔اس اسلوب میں مترجم الفاظ کی قیدوبند سے نکل کرترجمہ انجام دیتاہے اور کبھی ہر لفظ کاجداجدا کا ترجمہ کیاجاتاہے اور کبھی تلفیقی انداز سے ترجمہ ہوتاہے؛یعنی مترجم جہاں لفظی ترجمے کی ضرورت محسوس کرتاہے وہاں لفظی ترجمہ کرتاہے، اور جہاں مفہوم پیش کرنے کی ضرورت دیکھتاہے وہاں صرف مفہوم پیش کرتاہے، اور یہ تلخیص کی ایک صورت بن جاتی ہے۔ ہم نے بھی انہی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے ترجمہ وتلخیص کی ہے؛نیز کوشش کی گئی ہے کہ عبارتیں آسان اور سلیس ہوں، تاکہ معاشرے کے ہر فرد تک مطلب پہنچایاجاسکے؛تاہم انسان سے خطاکاامکان رہتاہے، لہٰذاامید کرتاہوں کہ کسی طرح کی غلطی کی صورت میں قارئین محترم رہنمائی فرمائیں گے۔

پروردگار سے دعا گو ہوں کہ بندہ ناچیز کو دین مبین اسلام کی صحیح سوجھ بوجھ، اپنی اطاعت، اسلام اور اپنی مخلوق کی خدمت کا شرف عطا فرمائے۔ آمین

الاحقر: غلام یسین

۱۵ شعبان المعظم، بروز اتوار، روزِ ولادت باسعادت مُنجی بشریت حضرت بقیۃ اللہ الاعظم عجل اللہ فَرَجَہُ الشَّرِیف،

۱۴۴۰ ہجری، ۲۱ اپریل ۲۰۱۹ء

انتساب

کتاب کا مقدمہ ۱۵ شعبان المعظم ۱۴۴۰ ہجری قمری کو مکمل ہوا ہے اسی مناسبت سے یہ کتاب مُنجی کائنات حضرت بقیۃ اللہ الاعظم، امام زمانہ عجل اللہ فَرَجَہُ الشَّرِیف کی ذاتِ اقدس کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ امید ہے کہ امام رؤوف علیہ السلام اس حقیر ہدیہ کو قبول فرمائیں گے اور یہی ہمارے لیے باعثِ عزت و سربلندی ہے۔

پہلی فصل

مقتل کی کتب کا مختصر تعارف، ابتدا سے دور حاضر تک

مقدمہ

کوئی شک نہیں ہے کہ ابتدائے اسلام کے دور میں پیش آنے والے واقعات میں سے، واقعہ کربلا سب سے اہم اور مؤثر ترین واقعہ شمار ہوتا ہے اور مختلف جہتوں سے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل بھی ہے۔ اس تاریخی واقعہ کی اہمیت ہی اس بات کا سبب بنی کہ ابتداء سے ہی اسے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا۔ واقعہ کربلا کو بیان کرنے والوں میں دو ایسے چشم دید گواہ ہیں جو کسی طرح سے کربلا میں موجود تھے اور انہوں نے اس واقعہ کو قریب سے دیکھا تھا۔ ان میں سے ایک طرف حسینی قافلے کے باقی ماندہ افراد تھے جو سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں اور جن میں سے اہم ترین شخصیت امام سجادؑ ہیں اور دوسری طرف دشمن کی فوج کے کچھ لوگ بھی تھے۔ اس کے علاوہ ائمہ معصومینؑ کی روایات بھی ہیں جن میں واقعہ کربلا کی جزئیات بیان کی گئی ہیں۔

جب تاریخ اور دیگر اسلامی علوم، احادیث سے جدا نہ ہوئے تھے اور احادیثی دستاویزات میں مختلف موضوعات سے مربوط احادیث شامل تھیں، اُسوقت واقعہ کربلا سے مربوط روایات بھی کتبِ احادیث میں دیگر بہت سی روایات کے ساتھ موجود تھیں؛ لیکن رفتہ رفتہ جب روایات کو موضوعات کے مطابق ترتیب دیا گیا تو "مقتل الحسین" یا اس سے ملتے جلتے عناوین کی حامل کتابیں معرض وجود میں آئیں اور ان میں وہ روایات شامل تھیں جو کسی نہ کسی اعتبار سے واقعہ کربلا اور اس کے پیغامات پر مشتمل تھیں۔ اس زمانے سے لے کر اب تک "مقتل نویسی" اسلامی تاریخ نگاری کا ایک اہم حصہ رہا ہے۔

اصل موضوع میں داخل ہونے سے پہلے، دو مطالب کی وضاحت ضروری ہے: اول یہ کہ اس کتاب کا محور وہ منابع اور آثار ہیں جن میں واقعہ کربلا کیتاریخ، امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کی شہادت کی تفصیل بیان کی گئی ہے، چاہے وہ "مقتل" کے نام سے ہوں یا کسی اور نام سے۔اسی طرح تحقیق کو جامعیت دینے کے لیے وہ منابع بھی محور قرار پائے ہیں جن کا زیادہ حصہ تاریخ کربلا کے ساتھ مختص ہے اور تاریخی اعتبار سے قدیمی ہیں چاہے وہ ائمہ علیہم السلام کی تاریخ ہو یا عمومی تاریخ ،تراجم ہوں یا زندگی نامے؛ اگرچہ ان کتب کو اصطلاح میں "مقتل" نہیں کہا جاتا۔

دوسرے یہ کہ اس کتاب میں ساتویں صدی تک کی ان تمام کتب کا تعارف کروایا گیا ہے جو تاریخ کربلا سے مربوط ہیں کیونکہ اس صدی تک لکھی جانے والی کتب میں کچھ واقعات ایسی قدیمی کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں جن کا اب کوئی نام و نشان باقی نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں ساتویں صدی تک مقتل کی بعض پرانی کتابیں مثلاً ہشام کلبی ، ابن ابی الدنیا، ابوعبید قاسم بن سلام ہروی اور ابوعُبیدۃ مَعمَر بن مثنیٰ کی مقتل کی کتابیں، تاریخ کربلا کے مؤرخین اور مقتل لکھنے والوں کے پاس موجود تھیں اور انہوں نے اپنی کتابوں میں ان سے استفادہ کیا ہے۔اگر انہیں نظر انداز کر دیا جائے تو گویا تاریخ کربلا کی پرانی کتابوں کو نظر انداز کر دیا جائے گا کہ جو اصل شکل میں باقی نہیں رہیں۔ البتہ آٹھویں صدی کے بعد لکھی جانے والی کتابوں کے بیانات حقیقت میں وہی پرانی مقتل کیکتابوں کے بیانات ہیں جو محفوظ رہیں یا ان کے بعد والی جو اپنے منابع کی وجہ سے معتبر جانی جاتی ہیں۔

مقتل نویسی کا تاریخی جائزہ

مقتل نویسی اور تاریخ کربلا کی تحریروں کو دو ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا دور دوسری صدی ہجری سے ساتویں صدی ہجری اور دوسرا دور آٹھویں صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری پر مشتمل ہے۔

پہلا دور: دوسری صدی ہجری سے ساتویں صدی ہجری تک

اس حصے میں تاریخ کربلا کے متعلق حوادث زمانہ سے محفوظ رہنے والی بعض کتابوں کا مختصر تعارف اور خصوصیات بیان کرتے ہیں:

۱۔ تَسْمِیَةُ مَنْ قُتِلَ مَعَ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنْ وُلْدِهٖ وَاِخْوَتِهٖ وَاَهْلِ بَیْتِهٖ وَشِیْعَتِهٖ

فضیل بن زبیر اسدی رَسان کوفی

اس کتاب میں فضیل بن زبیر نے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہونے والے افراد کے نام ذکر کیے اور بعض مقامات پر ان کے قاتلوں کے نام بھی بیان کیے ہیں۔ انہوں نے شروع میں اہل بیت علیہم السلام کے بیس شہدا کے نام ذکر کیے، جن میں سر فہرست امام حسین علیہ السلام ہیں اور پھر امام علیہ السلام کے ساتھ شہید ہونے والے ۸۶ اصحاب کے نام ذکر کیے۔ انہوں نے مجموعی طور پر ۱۰۶ شہداء کے نام ذکر کیے ہیں۔ آخر میں اہل بیت علیہم السلام کی اسیری اور ان کے بعض خطبوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اگرچہ فضیل بن زبیر، محدث تھے اور پانچویں اور چھٹے امام کے اصحاب میں سے شمار ہوتے تھے؛ لیکن کچھ علمائے رجال کے عقیدے کے مطابق یہ زیدی مذہب کے پیروکار اور برجستہ صحابی اور مبلغ تھے اس کے باوجود (علمائے رجال نے) ان کی مدح کی ہے اور قابل وثوق جانا ہے۔

فضیل بن زبیر کی وفات کا سال یقینی طور سے معلوم نہیں؛ لیکن شاید دوسری صدی کے دوسرے نصف میں ان کی وفات ہوئی ہو۔ آج اس کتاب تک ہماری دسترس صرف المرشد باللہ یحیی بن

۱۔ سعد بن عبداللہ اشعری قمی، کتاب المقالات والفرق، تصحیح محمد جواد مشکور، ص ۷۱؛ سید ابوالقاسم خوئی، معجم رجال الحدیث، ج ۹، ص ۲۶۲۔

حسین(۴۷۹ ق)[1] کی کتاب" الامالي الخميسيه "اور مصنف حمید بن احمد محمد محلی (۵۲ق) کی الحدائق الوردیہ [2] کے ذریعے ممکن ہے۔

۲۔ مقتل الحسین علیہ السلام

ابو مخنف لوط بن یحیی بن سعید بن مخنف بن سُلیم اَزدی غامدی(۱۵۷ ق) [3]

ابو مخنف لوط بن یحیٰ ازدی کوفی دوسری صدی کے مقتل نویس ہیں جنہوں نے کتاب" مقتل الحسین علیہ السلام" لکھ کر اپنا نام مشہور اور قدیمی مقتل نویسوں کی فہرست میں شامل کیا۔اگرچہ انہوں نے ایک قدیمی شیعہ خاندان میں پرورش پائی؛ لیکن اس کا شیعہ ہونا ثابت نہیں ہے۔مشہور شیعہ عالم رجال نجاشی نے اپنی کتاب میں ان کو استاد اور کوفہ کا بزرگ اخباری عالم کہا ہے جو ان کے شیعہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔[4] بعض محققین نے ان کے شیعہ نہ ہونے پر ایک شاہد یوں ذکر کیا ہے کہ غیر شیعہ علمائے رجال نے ان کو "رافضی" نہیں کہا کیونکہ یہ اصطلاح عام طور پر عقائد کے لحاظ سے شیعہ افراد کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔[5] ابن ابی الحدید نے بھی ان کے شیعہ نہ ہونے کی تصریح کی ہے۔[6] البتہ بعض علمائے رجال ان کے شیعہ ہونے کے قائل ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ بعض سنی علمائے رجال نے ان پر شیعہ ہونے کا الزام لگایا ہے۔[7] بہر حال

۱۔ رجوع کریں: فُضَیل بن زبیر، تسمیۃ مَن قُتِلَ مع الحسین علیہ السلام من وُلدہ واخوتہ واہل بیتہ وشیعتہ، تحقیق سید محمد رضا حسینی جلالی، تراثنا، ۱۴۰۶ ہجری، ش ۲، ص ۱۵۷، حاشیہ نمبر ۱، منقول از: المرشد باللہ، الامالی الخمیسیۃ، ج ۱، ص ۱۷۰ تا ۱۷۳۔

۲۔ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیۃ فی مناقب الائمۃ الزیدیۃ، تحقیق مرتضی محطوری حسنی، ج ۱، ص ۲۱۲، ۲۰۷۔

۳۔ یاقوت حموی، معجم الادباء، ج ۱۷، ص ۴۱؛ محمد بن شاکر کتبی، فوات الوفیات، ج ۲، ص ۱۷۵۔

۴۔ نجاشی، رجال النجاشی، تحقیق سید موسی شبیر زنجانی، ص ۳۲۰، ش ۸۷۵۔

۵۔ رجوع کریں: ابو مخنف، وقعۃ الطف، (مقتل ابی مخنف) ، مقدمہ و تحقیق محمد ہادی یوسفی غروی، ص ۱۹۔

۶۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، ج ۱، ص ۱۴۷۔

۷۔ عبداللہ مامقانی، تنقیح المقال، ج ۲، ش ۹۹۹۲۔

ان کے مذہب سے چشم پوشی کرتے ہوئے انہیں موثق ثابت کیا جا سکتا ہے، کیونکہ نجاشی نے ان کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے: "وَكَانَ يُسْكَنُ إِلٰى مَا يَرْوِيَهٗ" یعنی وہ جو روایات نقل کرتے تھے قابل اعتماد اور مقبول تھیں۔[1]

کتاب "مقتل الحسین علیہ السلام" کی خصوصیات

یہ کتاب درج ذیل خصوصیات کی وجہ سے خاص اہمیت کی حامل ہے:

۱۔ موضوع کی اہمیت: واقعہ کربلا دوسرے واقعات کے مقابلے میں اور خاص طور پر شیعوں کے نزدیک ایک خاص مقام و منزلت رکھتا ہے۔

۲۔ مصنف اور کتاب کا عصری اعتبار سے واقعہ کربلا کے قریب ہونا: ابو مخنف نے عینی شاہدین کے ذریعے یا ایک دو واسطوں سے روایات نقل کی ہیں۔ اسی لیے یہ کتاب بعد میں لکھی جانے والی مقاتل کی نسبت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔

۳۔ اس کتاب کی طرف بعد کے شیعہ و سنی مؤرخین کی توجہ اور اس کی تمام یا اکثر روایات نقل کرنا: ایسے مورخین میں ابو مِخنف کے شاگرد ہشام بن محمد بن سائب کلبی (۲۰۴ یا ۲۰۶ ہجری)، محمد بن جَریر طبری (۳۱۰ ہجری)، ابو الفرج اصفہانی (۳۵۶ ہجری)، شیخ مفید (۴۱۳ ہجری) اور سِبط بن جوزی (۶۵۴ ہجری) شامل ہیں۔

۴۔ مصنف کا مقام و مرتبہ: نجاشی کے بقول، وہ کوفہ کے بزرگ محدث اور تاریخ نویسی میں مہارت رکھتے تھے؛ لیکن بعض قرائن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابو مِخنف نے یہ کتاب دوسری صدی کی تیسری دہائی میں لکھی ہے؛ چنانچہ حضرت مسلم بن عقیل کے کوفہ میں حضرت مختار ثقفی کے گھر میں داخل ہونے کے بارے میں کہتے ہیں کہ ابھی تک یہ گھر "خانہ مسلم بن

۱۔ نجاشی، رجال النجاشی، تحقیق سید موسی شبیری زنجانی، ص ۳۲۰، ش ۸۷۵۔

مسیب" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔[1] اور مسلم بن مسیب سنہ ۱۲۸ہجری میں شیراز میں یوسف بن عمر کا نمایندہ تھا۔[2]

اسی طرح یعقوبی نے لکھاہے: ۱۲۱ ہجری قمری میں،زید بن علی کی شہادت کے بعد،خراسان کے شیعہ، جذبات میں آگئے اور پیروکاروں کو تلاش کر کے پیغمبر اکرمؐ کے خاندان پر بنی امیہ کے مظالم لوگوں کو بتانے لگے اور ایک کام جو انہوں نے انجام دیا وہ (ملاحم) کتابوں کی تدریس اور بحث و مباحثہ تھا۔[3] البتہ ان کتابوں سے مراد مسلمانوں کی جنگوں سے متعلق لکھی گئی کتابیں ہیں جن کا واضح مصداق بالخصوص مقتلِ امام حسینؑ تھا۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی زمانہ تھاجب ابومخنف نے مقتل امام حسینؑ لکھنے کا مناسب موقع سمجھا چنانچہ بعض محققین نے کہا ہے کہ بنی امیہ کے فسادات اور ظلم و ستم کی ترویج کے درپے، عباسی حکومت کے بعض دعوے داروں نے ابو مِخنف کو ترغیب دلائی اور بنی امیہ کی حکومت کے ضعف اور زوال کی وجہ سے اہل بیتؑ پر ڈھائے گئے ظلم و ستم کو بیان کرنے کا مناسب موقع فراہم ہوا۔یہی وجہ تھی کہ ابو مِخنف نے واقعہ کربلا کی روایات کو اکٹھا کر کے مقتل لکھنے کا اقدام کیا۔[4] پس کہا جا سکتا ہے کہ ابو مخنف کی مقتل تقریباً جابر بن یزید جُعفی کی مقتل کے زمانے میں لکھی گئی۔

افسوس کہ یہ کتاب، زمانہ کے گزرنے کے ساتھ مفقود ہوگئی، اوراگر اس کتاب کی روایات، تاریخ طبری، مقاتل الطالبین ابوالفرج اصفہانی، ارشاد شیخ مفید اور تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی جیسی کتابوں میں نقل نہ ہوتیں تو آج دوسری بہت سی کتابوں کی طرح اس کے نام کے علاوہ کچھ

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، ج۵، ص۳۵۵۔

۲۔ سابقہ حوالہ، ج۶، ص۳۹۔

۳۔ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص۳۲۶۔

۴۔ ابومخنف، وقعۃ الطف، مقدمہ و تحقیق محمد ہادی یوسفی غروی، ص۱۷۔

باقی نہ رہتا۔ البتہ ممکن ہے اس کے نابود ہونے کی اصلی وجہ، ابو مخنف کا شاگرد "ہشام بن محمد" ہو کیونکہ اس نے اپنے استاد کی کتب سے تمام یا بعض روایات اپنی کتاب "**مقتل الحسین** علیہ السلام" میں ذکر کی ہیں جس کی وجہ سے آنے والی صدیوں کے مؤرخین اور مقتل نویسوں نے آہستہ آہستہ مقتل ابو مخنف کو فراموش کر دیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ابو مخنف کی روایات

تاریخ گواہ ہے کہ ہر قیمتی کام، مصیبتوں اور آفتوں سے دوچار رہا ہے۔ مقتل ابو مِخنف بھی معتبر اور قدیمی کتاب ہونے کے باوجود آفات سے محفوظ نہ رہ سکی۔ یہی وجہ ہے کہ چھٹی صدی ہجری کے بعد، واقعہ کربلا کے متعلق لکھی جانے والی بعض کتابوں کو ابی مخنف کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو زیادہ معتبر نہ تھیں یہاں تک کہ آخری صدیوں میں ابو مِخنف کی اصل کتاب "مقتل الحسین علیہ السلام" کے مفقود ہونے کی وجہ سے اسی نام کی ایک کتاب ابو مِخنف کی طرف منسوب کر دی گئی جبکہ اس کتاب میں اور تاریخ طبری، مقاتل الطالبین ابوالفرج اصفہانی، ارشاد شیخ مفید اور تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی میں مذکور ابو مخنف کی تشریحات میں واضح فرق ہے؛ نیز اس کتاب میں واضح اغلاط بھی موجود ہیں۔[۱] یہ جعلی اور تحریفی کتاب کب لکھی گئی؟ یہ معلوم نہیں ہے؛ لیکن بعض محققین نے اس کتاب کو صَفویوں کے زمانے کی من گھڑت اور خود ساختہ کتاب سمجھا ہے۔[۲] گویا یہ کتاب پہلی بار ۱۲۷۵ہجری قمری میں محمد رضا خوانساری کے قلم سے تہران میں کتاب "الملہوف" اور "مہیج الاحزان" کے ضمیمہ کے ساتھ قدیمی بڑے سائز میں طبع ہوئی ہے۔[۳] ہماری معلومات کے

۱۔ سابقہ حوالہ، ص۲۲و۹۲۔

۲۔ سید علی میر شریفی، "ابو مخنف و سر گذشت مقتل وی"، آئینہ پژوہش، ۱۳۶۹شمسی، ص۳۴؛ سید حسن امین، مستدرکات اعیان الشیعہ، ج۶، ص۲۵۵۔

۳۔ سید علی میر شریفی، سابقہ حوالہ، ص۳۸، سید حسن امین، سابقہ حوالہ، ص۲۵۷۔

مطابق اس کتاب کا ایک بار اردو اور دو بار فارسی زبان میں ترجمہ ہوا ہے۔ پہلی بار، محمد طاہر بن محمد باقر موسوی دزفولی نے ۱۳۳۲ ہجری میں اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اس کے ساتھ ابو مخنف کی طرف منسوب کتاب" **اخذ الثار فی احوال المختار**" کا بھی ۲۴۰ صفحات میں ترجمہ کیا۔ دوسرا ترجمہ سنہ ۱۴۰۵ ہجری قمری میں ضمیمہ کے ساتھ ۳۱۷صفحات میں شائع ہوا۔[1] گذشتہ چند سالوں میں ابو مخنف کی تصانیف کو دوبارہ زندہ کرنے ک لیے اقدامات ہوئے۔ ایک ہم عصر محقق نے "**وقعۃ الطف**" کے نام سے ابو مخنف کی "مقتل الحسین ؑ "کا مذکورہ بالا کتابوں میں موجود روایات کی بنا پر احیاء کیا۔ اس سے پہلے ایک اور محقق نے قیام عاشورہ اور اس کے بعد کے واقعات مثلاً قیام توابین اور قیام مختار وغیرہ کے بارے میں ابو مخنف کی روایات کو تاریخ طبری سے لیا اور اس پر حاشیہ لگا کر" مقتل الحسینؑ ابو مخنف" کا غلط نام دیا۔[2] اس کے علاوہ، اسی محقق نے ابوھُذَیل، عمرو بن شمر، محمد بن سائب(ہشام کا باپ) اور عَوانہ بن حکم جیسے راویوں سے ہشام کی بعض روایات کو ابو مخنف کی روایات میں شامل کیا[3] جس سے اس کتاب کی حیثیت اور گر گئی۔

بعض ہم عصر محققین کے کہنے کے مطابق مقتل الحسین ؑ کے چار مسودے، گوتہ(کتاب نمبر ۱۸۳۶)، برلن (کتاب نمبر ۱۵۹و ۱۶۰)، لیڈن (کتاب نمبر ۷۹۲) اور سینٹ پیٹرزبرگ (کتاب نمبر ۷۸) کی لائبریریوں میں موجود ہیں اگرچہ بعض مستشرقین نے ان نسخوں کا ابو مخنف کی کتاب ہونے سے انکار کیا ہے؛لیکن چونکہ یہ نسخے بہت قدیمی ہیں اس لیے کسی نے ان کی تردید نہیں کی۔[4]

۱۔سید علی میر شریفی، سابقہ حوالہ، ص۳۶،سید حسن امین، سابقہ حوالہ، ص۲۵۶۔

۲۔ابو مخنف، مقتل الحسین، تعلیقہ حسن غفاری، اشاعت طبع دوم، قم، ۱۳۶۴شمسی۔

۳۔بطور نمونہ رجوع کریں: ص۹۵، ۲۲، ۱۸۷، ۱۸۹، ۲۰۳، ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۲۸، ۲۳۱۔

۴۔سید حسین محمد جعفری، تشیع در مسیر تاریخ، ترجمہ سید محمد تقی آیت اللہی: ص۲۵۴، ۲۵۵۔

اسی طرح ایک اور محقق کے مطابق ابو مخنف کی مقتل الحسین علیہ السلام کے نام سے ایک مسودے کی میکرو فلم اٹلی کے شہر میلان کی "امبروزین لائبریری" میں کتاب نمبر F۲۴۳ پر موجود ہے[۱] جس کی تاریخی حیثیت کی چھان بین ضروری ہے۔ یہ نسخہ سنہ ۱۳۱۱ ہجری قمری کو بمبئی[۲] اور سنہ ۱۳۴۳ ہجری قمری کو نجف اشرف[۳] میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ اس کے علاوہ بروکلمن اور سزگین نے بھی مقتل الحسین علیہ السلام کے چند نسخوں کا تعارف کروایا ہے۔[۴]

۳۔ مقتل الحسین علیہ السلام

ہشام بن محمد بن سائب کلبی (۲۰۴[۵] یا ۲۰۶ قمری)[۶]

ہشام بن محمد بن سائب کلبی ابو مخنف کے شاگرد تھے۔ وہ ایک مشہور مؤرخ اور شیعہ سنی کے نزدیک قابل اعتماد ہونے کے ساتھ ساتھ امام صادق علیہ السلام کے شاگرد بھی تھے۔ ان کی تصانیف میں مقتل الحسین علیہ السلام بھی دکھائی دیتی ہے جس کی زیادہ تر روایات اپنے استاد والی ہیں؛[۷] لیکن چونکہ اب یہ کتاب علیحدہ اور مکمل صورت میں موجود نہیں ہے اس لیے صحیح فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے ابو مخنف کی روایات سے کس حد تک فائدہ اٹھایا ہے۔

۱۔ شمس الدین محمد بن طولون، الائمۃ الاثنی عشر، تحقیق صلاح الدین منجد: ص۱۳۸۔

۲۔ کارل بُروکلمان، تاریخ الادب العربی، عربی میں ترجمہ: عبد الحلیم النجار: ج۱، ص۲۵۳۔

۳۔ فُؤاد سزگین، تاریخ التراث العربی، عربی ترجمہ: محمود فہمی حجازی: ج۱، جزء دوم، ص۱۲۹۔

۴۔ سابقہ حوالہ، کارل بُروکلمان، تاریخ الادب العربی، عربی میں ترجمہ: عبد الحلیم النجار: ج۱، ص۲۵۳۔

۵۔ ذہبی، میزان الاعتدال، تحقیق علی محمد البجاوی: ج۴، ص۳۰۴ و ۳۰۵؛ ابن عماد حنبلی، شَذرات الذہب فی اخبار مَن ذہب، تحقیق محمود الارناؤوط، ج۳، ص۲۷۔

۶۔ ابن ندیم، کتاب الفہرست، تحقیق رضا تجدد: ص۱۰۸؛ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ج۱، ص۳۴۳۔

۷۔ نجاشی، رجال النجاشی، تحقیق سید موسی شبیری زنجانی: ص۴۳۵، ش۱۱۶۶۔

بہر حال انہوں نے ابو مخنف اور بعض دیگر مورخین سے جو روایات نقل کی ہیں وہ بعد والی کتب مثلاً "تاریخ طبری، مقاتل الطالبین، ارشاد شیخ مفید اور تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی" وغیرہ میں نقل ہوئی ہیں۔ ہشام کی وفات تیسری صدی کی ابتدا میں ہوئی۔ان کی زندگی کا اکثر حصہ دوسری صدی میں گزرا ہے؛لہذاان کی کتاب کو بھی دوسری صدی کی مقاتل میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ترجمة الامام الحسینؑ ومقتله

(کتاب الطبقات الکبری کے غیر مطبوعہ حصہ سے ماخوذ)

محمد بن سعد (۲۳۰ ہجری قمری)

محمد بن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں امام حسینؑ کے حالات زندگی کے ضمن میں ایک اہم وضاحت بیان کی ہے۔ چونکہ اس کا پہلا ایڈیشن لائڈن کے بعض مشرق شناسوں نے ۱۹۰۳ سے ۱۹۱۷ عیسوی میں ایک ناقص نسخے کی بنا پر شائع کیا ہے،لہذاان کے بہت سے زندگی نامے شائع نہیں ہوئے جن میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے حالات زندگی بھی شامل ہیں؛ لیکن جو مواد شائع نہ ہو سکا وہ بعد والے ایڈیشن میں تین جلدوں میں علیحدہ شائع کیا گیا۔اسی طرح دو دہائی پہلے سید عبد العزیز طباطبائی نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے حالات زندگی کو ساتویں صدی سے ترکی میں محفوظ کتاب کے مسودے کی بنیاد پر تحقیق کے بعد شائع کیا ۔ اس کے بعد وہی غیر مطبوعہ حصہ جس میں امام حسنؑ وامام حسینؑ کی زندگی بھی شامل تھی، محمد بن صامل سُلَمی کی تصحیح کے ساتھ الطبقات الکبری کے طبقۃ خامسہ کے عنوان سے دو جلدوں میں شائع ہوا[۱] جس کی پہلی جلد صفحہ نمبر ۳۶۹ سے لیکر ۵۱۹ تک امام حسینؑ کے بارے میں ہے۔ البتہ ان صفحات کے آدھے حصے سے زیادہ، تصحیح کرنے والے کا حاشیہ ہے۔

۱۔ابن سعد، الطبقات الخامسۃ من الصحابۃ، تصحیح محمد بن صامل سُلَمی، جلد اول، ص۳۶۹ کے بعد۔

ترجمة الامام الحسین علیہ السلام ومقتلہ دو حصوں پر مشتمل ہے:

پہلا حصہ امام حسین علیہ السلام کا شجرہ نسب، ولادت، خصوصیات اور فضائل و مناقب جبکہ دوسرا حصہ شروع سے آخر تک واقعہ کربلا اور آپ علیہ السلام کی شہادت کی روایات پر مشتمل ہے۔ چونکہ تاریخ نویسی میں ابن سعد کا انداز حدیث نویسی سا ہے اس لیے انہوں نے واقعات کو مسند کی شکل میں نقل کیا ہے۔ انہوں نے پہلے حصے میں نوے جبکہ مقتل والے حصے میں تقریباً پچاس حدیثیں نقل کی ہیں؛ لیکن ان احادیث کی سند بیان نہیں ہوئی بلکہ صرف چند کلی اسناد پر اکتفا کیا گیا ہے جو مقتل کے آغاز میں ذکر ہوئی ہیں۔

ابن سعد نے بعض غیر معمولی زمینی اور آسمانی واقعات اور علامات کے بارے احادیث کو بھی بیان کیا ہے اور اسی طرح واقعہ کربلا کے بعد امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں علیہ السلام پر آنے والی سزاؤں اور بلاؤں کی روایات کو بھی ذکر کیا۔

اگرچہ طبقات لکھنے میں ابن سعد کا انداز یہ ہے کہ افراد کی زندگی میں پیش آنے والے اہم واقعات کا بھی ذکر نہ کیا جائے؛ لیکن واقعہ کربلا کی عظمت نے ابن سعد کو مجبور کیا کہ وہ اس واقعہ اور اس کے رہبر کا زیادہ تذکرہ کرے۔ ان سب چیزوں کے باوجود اُس نے بعض مقامات پر صرف جمع آوری اور روایات کے نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے، اور روایات کے درست ہونے یا نہ ہونے کے بارے کوئی رائے پیش نہیں کی۔

۵۔ اَنساب الَاشراف

احمد بن یحییٰ بن جابر بَلاذری (۲۷۹ ہجری قمری)

بَلاذری، مامون کے زمانے سے مُستعین عباسی کے زمانے تک کا مشہور مؤرخ، ادیب اور نسب شناس تھا۔ انہوں نے اپنی ضخیم کتاب میں عرب کے بڑے اور برجستہ قرشی خاندان کے شجرہ نسب اور حالات زندگی بیان کیے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب کا ایک حصہ خاندان ابو طالب، ان کی اولاد اور

امیر المؤمنینؑ اور آپ کی اولاد کے شجرہ نسب اور حالات زندگی کے ساتھ مختص کیا ہے۔ کتاب کا یہ حصہ محقق محمد باقر محمودی کی تحقیق کے ساتھ سنہ ۱۳۹۷ہجری قمری کو بیروت میں طبع ہوا اور گذشتہ سالوں میں تیرہ جلدوں کا مجموعہ "**جُمل من انساب الاشراف**" کے نام سے سہیل زکار اور ریاض زرکلی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوا اور جو حصہ امام حسینؑ کی زندگی اور واقعہ کربلا کے متعلق ہے وہ انساب الاشراف کے دو جلدی ایڈیشن کی دوسری جلد کے صفحہ نمبر ۱۴۲ سے ۲۲۸ تک اور تیرہ جلدی ایڈیشن کی تیسری جلد کے صفحہ نمبر ۳۵۸ سے ۴۲۵ تک ہے۔

بلاذری نے امام حسینؑ کی ولادت اور آپ کی اولاد کے بارے میں وضاحت کرنے کے بعد واقعہ کربلا کی تفصیل بیان کی ہے اور اس سلسلہ میں اپنے بیانات کا آغاز امام حسنؑ کی صلح کے بعد امام حسینؑ کے ساتھ شیعوں کے رابطہ سے کیا ہے۔ اس کتاب میں بلاذری کے تاریخ لکھنے کا اندازانداز یعقوبی اور دِینوری کے اندازانداز کا امتزاج ہے۔ اسی لیے انہوں نے اکثر مقامات پر ہر روایت کی الگ سند ذکر کرنے کی بجائے صرف "**قالوا**" (یعنی انہوں نے کہا) کے الفاظ کے ساتھ روایت نقل کی ہے؛ البتہ بعض مقامات پر سند کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور بعض مقامات پر "بعض نے مجھ سے بیان کیا ہے" یا "بعض قریشیوں نے مجھے بتایا ہے" جیسے الفاظ کے ساتھ روایات بیان کی ہیں۔

انساب الاشراف تاریخ کربلا کے مصادر میں سے ایک ہے اور ابومخنف اور ابن سعد کے بیانات سے مختلف ہونے کے باوجود ملتی جلتی ہے۔ مجموعی طور پر یہ تینوں کتابیں ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔

۶۔الاخبار الطِوال

ابو حنیفہ احمد بن داود دِینَوری (۲۸۲ ہجری قمری)

اس کتاب کے مصنف تیسری صدی کے مؤرخ، ستارہ شناس، ریاضی دان، نحوی، لغت شناس اور نباتات شناس تھے۔[۱] انہوں نے مختلف علوم میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں؛ لیکن ہم تک صرف دو کتابیں "الانواء" اور "الاخبار الطوال" پہنچی ہیں۔ وہ چونکہ ایرانی تھے اور ان کی پیدائش ایران کے شہر کرمانشاہ میں ہوئی اس لیے انہوں نے تاریخ ایران خاص دلچسپی لی اور اسلام سے پہلے اور بعد کی ایرانی تاریخ کو کتاب الاخبار الطوال میں تحریر کیا۔ دِینوری نے سیرت نبوی اور خلافت شیخین کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی کتاب کے (بعض نسخوں کے مطابق) چھ سو صفحات میں سے پچاس سے زیادہ صفحات کو کربلا کی روایات کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔[۲] ان کی تاریخ نویسی کا انداز، یعقوبی اور مسعودی جیسے مؤرخین کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ دینوری نے کتاب کے ہر حصے کا آغاز **"قالوا"** (انہوں نے کہا) کے لفظ کے ساتھ کیا ہے۔[۳] ابن سعد کی پشیمانی کا قصہ صرف حمید بن مسلم سے نقل کیا ہے جو عمر بن سعد کا دوست تھا۔[۴] اگرچہ اس کتاب کے بہت سے مضامین پرانی کتابوں سے نقل ہوئے ہیں؛ لیکن انہوں نے ان مضامین کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا ہے جو دوسری کتابوں سے مختلف ہے۔ دینوری کا پر کشش بیان اہل تشیع کے دینی واخلاقی کردار اور خصوصیات کی عکاسی کرتا ہے۔

۷۔ تاریخ الیعقوبی

ابن واضح یعقوبی (۲۹۲ ہجری قمری)

۱۔ سابقہ حوالہ، ص ۴۱۲۔

۲۔ سابقہ حوالہ، ص ۳۷۱۔

۳۔ ابن ندیم، کتاب الفہرست، تحقیق رضا تجدد، ص ۸۶۔

۴۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، تحقیق عصام محمد الحاج علی، ص ۳۳۵، ۳۸۷۔

یعقوبی جیسے معروف شیعہ مؤرخ اور جغرافیہ دان کے بارے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں واقعہ کربلا کے متعلق خلافِ توقع صرف چار صفحے لکھے ہیں۔ البتہ شاید انہوں نے اختصار کی بنا پر ایسا کیا ہے۔

بعض ہم عصر مؤرخین نے تاریخ کربلا کے بارے میں کتاب "**مقتل ابی عبداللہ الحسین ؑ یا مقتل الحسین ؑ** "کو ان کی تصنیف قرار دیا ہے۔

۸۔ تاریخ الامم والملوک

ابو جعفر محمد بن جریر طبری (۳۱۰ ہجری قمری)

طبری نے سنہ ۶۰ اور ۶۱ ہجری کے واقعات کے ذیل میں ایسے واقعات کا ذکر کیا ہے جو واقعہ کربلا کا باعث بنے۔ واقعہ کربلا کے متعلق اس کتاب کا ایک بڑا حصہ ابو مخنف کی مقتل الحسین ؑ کا مرہون منت ہے۔ انہوں نے یہ حصہ ابو مخنف کے شاگرد ہشام بن سائب کلبی کے ذریعہ ابو مخنف سے نقل کیا ہے۔[۱] اس کے علاوہ انہوں نے مقتل ہشام سے بھی بہت استفادہ کیا ہے اور کچھ روایات خود ہشام سے بھی نقل کی ہیں جو ہشام نے ابو مخنف کے علاوہ دوسروں سے نقل کی ہیں۔[۲] حقیقت یہ ہے کہ ہشام نے ابو مخنف کی پوری کتاب یا اس کی اکثر روایات کو دوسرے ذرائع سے ملنے والی تفصیلات کے ساتھ کتاب کی صورت میں تدوین و تنظیم کیا ہے جس کے ایک صدی بعد طبری نے اس سے مکمل فائدہ اٹھایا ہے۔

طبری نے، واقدی کی روایات کو نظر انداز نہیں کیا۔[۳] اسی طرح انہوں نے امام باقر ؑ سے منقول عمار دُہنی کی روایات کے مطابق معاویہ کی موت اور ولید کا امام حسین ؑ کی بیعت کرنا،

۱۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، تحقیق عصام محمد الحاج علی، ص۳۳۵، ۳۸۷۔

۲۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، تحقیق عصام محمد الحاج علی، ص۳۳۵، ۳۸۷۔

۳۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، ج۲، ص ۲۴۳ تا ۲۴۶۔

اہل بیت علیہم السلام کی مدینہ واپسی اور بنی ہاشم کی مدینہ میں عزاداری جیسی اہم روایات کو دو حصوں میں ذکر کیا ہے۔[۱] پہلے حصے کے شروع میں واقعہ کربلا کو ابتدا سے جناب مسلم بن عقیل کی شہادت تک اختصار کے ساتھ عمار دُہنی سے نقل کیا ہے پھر اس کی تفصیل ابومخنف سے نقل کی ہے۔[۲] تاریخ طبری میں واقعہ کربلا کی مکمل تفصیلات "استشهاد الحسين علیہ السلام "کے عنوان سے سید الجمیلی کی تحقیق اور ابن تیمیہ کے رسالہ "راس الحسين علیہ السلام "کے ضمیمہ کے ساتھ شائع ہوئی ہیں۔[۳] اسی طرح قیام امام حسین علیہ السلام کے متعلق طبری کی تفصیلات "قیام جاوید" کے عنوان سے حجت اللہ جودکی کے ترجمہ اور تصحیح کے ساتھ مقتل ابو مخنف کی بدلی ہوئی صورت میں شائع ہوئی۔[۴]

۹۔ تاریخ نامہ طبری

ابو علی بَلعمی (چوتھی صدی ہجری)

بَلعمی نے " یزید بن معاویہ کی بادشاہی کی خبر " کے عنوان سے واقعہ کربلا کے بیان کا آغاز کیا اور یزید کی طرف سے اہل بیت علیہم السلام کو مدینہمدینہ بھیجنے تک کے واقعات کو اٹھارہ صفحات میں مکمل کیا ہے۔[۵] مشہور ہے کہ تاریخ بَلعمی، تاریخ طبری کا فارسی ترجمہ ہے جیسا کہ اس کا متن اس بات کا گواہ ہے؛ لیکن سرسری نظر ہی سے با آسانی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاریخ طبری کا مکمل اور دقیق ترجمہ نہیں ہے بلکہ مترجم نے کچھ اضافات کے ساتھ تاریخ طبری سے اقتباس اور ترجمہ کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس

۱۔ آقابزرگ تہرانی، الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، ج۲۲، ص۲۳۔

۲۔ سید عبد العزیز طباطبائی، اہل البیت فی المکتبۃ العربیۃ، ص۵۳۷۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، ج۵، ص۳۳۸، ۳۵۸، ۳۸۲، ۴۰۰، ۴۱۱، ۴۳۵، ۴۶۵ تا ۴۶۷۔

۴۔ سابقہ حوالہ، ص۳۵۱، ۳۵۶، ۳۸۶، ۳۹۸، ۴۰۹، ۴۴۹، ۴۵۵، ۴۵۹، ۴۶۳، ۴۶۵ تا ۴۶۷۔

۵۔ بلعمی، تاریخ نامہ طبری، تصحیح محمد روشن، ج۴، ص۶۹۸ تا ۷۱۵۔

کتاب میں امام حسین علیہ السلام کے قیام کے سلسلہ میں کچھ ایسی روایات بھی ملتی ہیں جو تاریخ طبری میں موجود نہیں ہیں مثلاً:

۱۔ امام حسین علیہ السلام نے ابن عباس کے مشورے سے جناب مسلم عقیل کو کوفہ بھیجا۔[۱]

۲۔ امام حسین علیہ السلام کے شیر خوار بچے کا سن ایک سال تھا۔[۲]

۳۔ امام حسین علیہ السلام کا بدن مطہر بے سروپا دوسرے شہداء کے ہمراہ تین دن تک سرزمین کربلا پر پڑا رہا۔[۳]

۴۔ امام حسین علیہ السلام، حضرت علی اکبر اور حضرت عباس کے مقام دفن کا معین کرنا۔[۴]

یہ روایات تاریخ طبری میں موجود نہیں ہیں، البتہ آخری روایت شیخ مفید رحمہ اللہ کی کتاب الارشاد میں موجود ہے۔[۵]

۱۰۔ کتاب الفُتوح

ابو محمد احمد بن اَعثَم کوفی (۳۱۴ ہجری)

ابن اعثم کوفی نے اپنی کتاب "الفتوح" میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی رحلت کے بعد تاریخ اسلام کے واقعات بالخصوص خلفاء اور مسلم حکمرانوں کی جنگوں اور فتوحات کے واقعات کو زمانے کی ترتیب سے درج کیے کیا ہے۔ انہوں نے سنہ ۶۰ اور ۶۱ ہجری کے واقعات بیان کرتے ہوئے واقعہ کربلا کو بھی اپنی کتاب کی ترتیب کے مطابق ذکر کیا ہے۔ انہوں نے واقعہ کربلا کی اہمیت کے پیش نظر اپنی کتاب کے تقریباً ۱۵۷

۱۔ بلعمی، تاریخ نامہ طبری، تصحیح محمد روشن، ج۴، ص۶۹۹۔

۲۔ بلعمی، تاریخ نامہ طبری، تصحیح محمد روشن، ج۴، ص۷۱۰۔

۳۔ بلعمی، تاریخ نامہ طبری، تصحیح محمد روشن، ج۴، ص۷۱۲۔

۴۔ بلعمی، تاریخ نامہ طبری، تصحیح محمد روشن، ج۴، ص۶۹۸ تا ۷۱۵۔

۵۔ شیخ مفید الارشاد، تحقیق مؤسسہ آل البیت، ج۲، ص۱۱۴، ۱۲۶۔

صفحات اسی واقعہ سے مختص کیے ہیں اور اس واقعہ کا آغاز "ابتداء اخبار مقتل مسلم بن عقیل والحسین بن علی وولدہ و شیعته۔۔۔" کے عنوان سے کیا[۱] اور اختتام اسیر ان اہل بیت علیہم السلام کے مدینہ واپس پلٹنے پر کیا۔[۲]

۱۱۔ العِقدُ الفَرِید

احمد بن محمد بن عبد ربّہ اندلسی (۳۲۸ ہجری)

ابن عبد ربّہ اندلسی نے سنہ ۶۰ ہجری کے واقعات کی مناسبت سے اپنی کتاب کے دس صفحات قیام عاشورہ کے ساتھ مختص کیے ہیں۔[۳] انہوں نے ان دس صفحات میں امام حسین علیہ السلام کے قیام کی ابتدا سے انتہا تک ایک مختصر گزارش پیش کی ہے۔

۱۲۔ کتاب المِحَن

ابو العرب محمد بن احمد بن تمیم تمیمی (۳۳۳ ہجری)

مصنف نے اپنی کتاب کے بارہ صفحات شہادت امام حسین علیہ السلام اور بالخصوص آپ کی شہادت کے بعد پیش آنے والے غیر معمولی واقعات پر مشتمل روایات کے ساتھ مختص کیے ہیں مثلاً آسمان پر سرخی کا نمودار ہونا، پتھروں کے نیچے سے خون کا ابلنا وغیرہ۔[۴]

۱۳۔ اِثْبَاتُ الْوَصِیَّةِ لِلْاِمَامِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ

ابو الحسن علی بن حسین مسعودی (متوفی چوتھی صدی)

۱۔ ابن اعثم کوفی، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج۴، ص۳۲۲۔

۲۔ ابن اعثم کوفی، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج۵، ص۱۳۴۔

۳۔ ابن عبد ربّہ اندلسی، العقد الفرید، تحقیق علی شیری، ج۴، ص۳۵۲ تا ۳۶۲۔

۴۔ تمیمی، کتاب المحن، تحقیق یحیی اور ہبیب جبوری، ص۱۴۲ تا ۱۵۵۔

اس کتاب کے مؤلف چوتھی صدی کے مؤرخ اور محدث تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں انبیائے الٰہی کی نبوت، بارہ اماموں کی امامت اور وصایت کے متعلق روایات ذکر کی ہیں اور ان کی نبوت اور امامت کو ثابت کیا ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ خود مصنف نے کتاب کے آخر میں کہا ہے ۳۳۲ہجری میں تالیف ہوئی۔[۱]

بہر حال مصنف نے اپنی کتاب کے تقریباً پانچ صفحات امام حسینؑ کے ساتھ مختص کیے ہیں۔ چونکہ اس کتاب کا موضوع ائمہؑ کی امامت اور وصایت کو ثابت کرنا ہے؛ لہٰذا ہر امام کی امامت اور وصایت کو ثابت کرنے کے بارے میں بہت ساری روایات ذکر کی ہیں چنانچہ امام حسینؑ سے مربوط فصل میں آپؑ کی وصایت کے متعلق دو روایات نقل کی ہیں۔[۲] اسی طرح امام حسینؑ کی ولادت اور شہادت کے متعلق بھی چند روایات بیان کی ہیں اور عاشورہ کے دن امام حسینؑ کے خطبے سے ماخوذ جملہ "الا و انّ الدّعی بن الدّعی قد رکزنی بین اثنتین" بھی نقل کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس خطبے کا سب سے پرانا منبع ہے؛ لیکن مختصر ہے۔

مسعودی نے امام حسینؑ کی شہادت کے بعد واقع ہونے والے چند غیر معمولی واقعات کا بھی ذکر کیا ہے اور اسی طرح ایک حدیث کی بنیاد پر امام حسینؑ کی فوج کی تعداد اکسٹھ (۶۱) بتائی ہے۔[۳] اور ایک منفرد روایت بھی ذکر کی ہے کہ امام حسینؑ نے عاشورہ کے دن عمر سعد کے ایک ہزار آٹھ سو سپاہی جہنم واصل کیے ہیں۔[۴]

۱۴۔ مُرُوجُ الذَّهَبِ وَمَعَادِنُ الْجَوْهَر

ابوالحسن علی بن حسین بن علی مسعودی (متوفی ۳۴۶ہجری)

۱۔ مسعودی، اثبات الوصیہ، ص۲۷۳۔

۲۔ مسعودی، اثبات الوصیہ، ص۱۶۷۔

۳۔ مسعودی، اثبات الوصیہ، ص۱۶۶۔

۴۔ مسعودی، اثبات الوصیہ، ص۱۶۷۔

مسعودی، چوتھی صدی ہجری کے مؤرخ اور مشہور جغرافیہ دان تھے۔ رسول خدا ﷺ کے بزرگ صحابی عبد اللہ بن مسعود کے نواسوں میں سے تھے۔[1] انہوں نے سنہ ۶۱ ہجری کے واقعات کی مناسبت سے اپنی کتاب کے آٹھ صفحات واقعہ کربلا کے ساتھ مختص کیے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے واقعہ کربلا کی روایات مشہور قدیمی کتابوں سے لی ہیں؛ لیکن کچھ باتیں انہوں نے اپنی طرف سے بھی ذکر کی ہیں مثلاً انہوں نے مسلم بن عقیل کے کوفہ میں داخل ہونے کی تاریخ پانچ شوال بتائی ہے۔ اسی طرح انہوں نے حر کے ساتھ کربلا روانہ ہوتے وقت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کی تعداد سو سوار اور تقریباً ایک سو پیادہ لکھی ہے جبکہ شہدائے کربلا کی تعداد ستاسی (۸۷) افراد لکھی ہے۔[2]

۱۵۔ البَدْءُ وَالتَّارِیْخ

مطہر بن طاہر مقدسی (متوفی ۳۵۵ ہجری کے بعد)

مقدسی نے چند واقعات مثلاً یزید کا بیعت طلب کرنا، جناب مسلم کا کوفہ کی جانب سفر، واقعہ کربلا اور امام حسین علیہ السلام کے لب مبارک پر چھڑی مارتے ہوئے یزید کے اشعار، اپنی کتاب میں ذکر کیے ہیں۔[3]

۱۶۔ مَقْتَلُ الطَّالِبِیِّیْنَ

ابو الفرج اصفہانی (۳۵۶ ہجری)

ابو الفرج اصفہانی (غیر اثنا عشریہ) اور اُموی نَسَب رکھتے تھے؛ لیکن شیعہ مذہب کی طرف مائل تھے۔ انہوں نے کتاب مقاتل الطالبیین کی تدوین کے ذریعہ حضرت ابو طالب کے خاندان کے قیام اور شہداء کے بارے میں روایات نقل کرتے ہوئے تقریبا چوالیس (۴۴) صفحات امام حسین علیہ السلام،

۱۔ ابن ندیم، کتاب الفہرست، تحقیق رضا تجدد، ص ۱۷۱۔

۲۔ مسعودی، مروج الذہب، تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید، ج ۳، ص ۶۴ تا ۷۰، ۷۱، ۷۲؛ مقدسی، البدء والتاریخ، ج ۶، ص ۱۱۔

۳۔ مقدسی، البدء والتاریخ، ج ۶، ص ۸ تا ۱۳۔

آپ کے اہل بیت علیہم السلام، اور اصحاب کی شہادت اور آپ کے خاندان کی اسیری کے ساتھ مختص کیے ہیں۔[1]

ابو الفرج نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بارے میں ابو الفرج کے بیان کی ابتداء میں شہدائے بنی ہاشم کے تیئس افراد کے نام اور طرزِ شہادت کو ذکر کیا گیا ہے اور پھر کوفہ میں مسلم بن عقیل کی شہادت کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور آخر میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ اور پھر اہل بیت علیہم السلام کی اسیری کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر انہوں نے اختصار کو مدِ نظر رکھا۔

انہوں نے واقعہ کربلا سے مربوط روایات کو چند راویوں سے نقل کیا ہے جبکہ اصلی واقعہ یعنی امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور اس کے مقدمات کو ابو مخنف سے نقل کیا ہے۔ ابو الفرج اصفہانی اور ابو مخنف کے درمیان کبھی نصر بن مُزاحم مِنقری اور کبھی ابو الحسن مدائنی کا واسطہ ملتا ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں امام سجاد علیہ السلام، امام باقر علیہ السلام اور امام صادق علیہ السلام سے روایات بھی نقل کی ہیں؛ بعض مقامات پر امام حسین علیہ السلام کے طرزِ شہادت پر مبنی چند روایات کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر اُن کی سند ذکر کرنے کے بعد ایک ہی جگہ پر ان کا متن بھی نقل کیا ہے۔ ابو الفرج کے روایات نقل کرنے کے انداز اور اسناد کو تاکید سے ذکر کرنے کے باعث اس کی روایات کی سند کی چھان بین ممکن ہے اور اس طرح ابو مخنف کی نابود ہوتی ہوئی کتاب کو کسی حد تک دوبارہ احیا کرنا میسر ہوا۔ ابو الفرج نے بعض مقامات پر کمیت بن زید اسدی[2] اور سلیمان بن قتہ جیسے مرثیہ خوان شعرا کے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

۱۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، تحقیق احمد صقر، ص ۷۸ تا ۱۲۲۔

۲۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، تحقیق احمد صقر، حدیث نمبر ۹، ۴، ص ۸۵، ۸۷، ۸۹، ۹۳، ۹۵، ۱۱۲، ۱۱۳۔

۱۷۔ شَرحُ الاَخبَارِ فِی فَضَائِلِ الاَئِمَّةِ الاَطهَار
قاضی نُعمان تمیمی مغربی (۳۶۳ ہجری)

قاضی بن محمد تمیمی مغربی، چوتھی صدی کے ان شیعہ علما میں سے تھے جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے متعلق روایات نقل کی ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "شرح الاخبار فی فضائل الائمة الاطهار" میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت، واقعہ کربلا اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات کے بارے میں پچاس سے زیادہ روایات نقل کی ہیں۔[۱]

مؤلف، پہلے شیعہ نہ تھے بلکہ مالکی مذہب کے پیروکار تھے[۲] (اور ایک قول کے مطابق حنفی تھے)[۳] پھر تشیع کی طرف مائل ہوئے؛ لیکن زندگی نامہ لکھنے والوں کے درمیان اُن کے بارہ امامی اور اسماعیلی ہونے میں اختلاف ہے۔ بہت سے شیعہ اور کچھ غیر شیعہ علما نے ان کو شیعہ بارہ امامی سمجھا ہے کیونکہ انہوں نے فاطمی دور حکومت میں تقیہ کیا اور اپنی کتابوں میں شیعہ امامی ہونے کو چھپائے رکھا اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے امام صادق علیہ السلام کے بعد والے ائمہ علیہم السلام کے لئے مشترک کُنِّیت ذکر کی ہے۔ البتہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ انہوں نے شرح الاخبار میں اپنے اسماعیلی ہونے کی تصریح کی ہے حتی کہ بعض اوقات شیعہ اثنی عشریہ کی "رد" بھی لکھی ہے۔

انہوں نے پہلے وہ روایات نقل کی ہیں جن میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا تذکرہ ہوا ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اور امیر المؤمنین علیہ السلام نے آپ کی شہادت کی خبر دی ہے۔ پھر امام حسین علیہ السلام کی مدینہ سے کربلا روانگی، کوفہ میں حضرت مسلم علیہ السلام کی شہادت، کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی جنگ اور شہادت، آپ کی شہادت کے بعد پیش آنے والے واقعات، اہل بیت علیہم السلام کی اسیری، ابن زیاد

۱۔ قاضی نُعمان تمیمی مغربی، شرح الاخبار فی فضائل الائمہ الاطہار، تحقیق سید محمد حسینی جلالی، ج۳، ص۱۳۴تا۲۰۰، ش۱۰۷۴،۱۱۲۸۔

۲۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان انباء الزمان، تحقیق احسان عباس، ج۵، ص۴۱۵۔

۳۔ ابن تغری بردی، النجوم الزاہرة فی احوال ملوک مصر والقاہرہ، ج۴، ص۱۰۶۔

لعنت اللہ علیہ اور یزید لعنت اللہ علیہ کی محافل کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت علی اکبرؑ، امام سجادؑ بڑے تھے یا نہیں؟ اس بارے میں انہوں نے دو قول نقل کیے ہیں؛ اور کیا امامؑ کے اصحاب کی تعداد بہتّر (۷۲) تھی یا اس سے کم؟ اس بارے بھی دو احتمال ذکر کیے ہیں۔ ان کے مطابق امامؑ کا قاتل سِنان بن انس نَخعی ہے جبکہ خولی نے آپ کے سر مبارک کو قلم کیا۔ ان کی مقتل کے ایک حصے میں اہل بیت علیہم السلام کے شہداء کے ناموں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ان کی نقل کردہ روایات عام طور پر مسند ہیں(یعنی سلسلہ سند ذکر ہوا ہے)؛ لیکن سند کا کچھ حصہ نقل کیا ہے اور باقی راوی پر چھوڑ دیا ہے ۔

۱۸۔ اَلْاِرْشَادُ فِیْ مَعْرِفَةِ حُجَجِ اللّٰهِ عَلَی الْعِبَادِ

محمد بن نُعمان، المعروف "شیخ مفید" (۴۱۳ ہجری)

شیخ مفیدؒ نے "الارشاد" کا سب سے زیادہ حصہ (یعنی تقریباً ۱۰۹ صفحات) امام حسینؑ کے حالات زندگی اور واقعہ کربلا کے ساتھ مختص کیے ہیں۔ شیخ مفید کا اس موضوع پر اتنی زیادہ توجہ دینا اُن کے نزدیک واقعہ کربلا کی اہمیت کو بیان کرتا ہے۔انہوں نے واقعہ کربلا کو ہشام کلبی، مدائنی اور دیگر مؤرخین سے نقل کیا ہے جیسا کہ خود انہوں نے اس بات کی تصریح کی ہے۔ اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے انہوں نے بہت سی روایات میں سلسلہ سند کو حذف کر دیا۔ شیخ مفید کی کتاب میں وہ اضافات قابل توجہ ہیں جو طبری کی کتاب میں نہیں پائے جاتے مثلاً حضرت عباسؑ کی جنگ اور شہادت؛ حضرت علی اکبر، دوسرے شہداء اور حضرت عباس[1] کا مدفن صرف شیخ مفید نے ذکر کیا ہے۔

۱۹۔ مَقْتَلُ الْاِمَامِ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنْ کِتَابِ تَارِیْخِ الْخُلَفَاءِ

مؤلف: معلوم نہیں (تیسری صدی سے پانچویں صدی تک)

۱۔ شیخ مفید، الارشاد، تحقیق مؤسسہ آل البیت قم، ج ۲، ص ۷۲ تا ۱۳۵۔

سنہ ۱۹٦۷عیسوی میں ماسکو میں "تاریخ الخلفاء" کے نام سے ایک کتاب طبع ہوئی جس کا مصنف معلوم نہیں اور یہ تصویر کی صورت میں شائع ہوئی۔اس کا ایک حصہ واقعہ کربلا کے متعلق ہے جس میں یزید کی خلافت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اس کتاب پر تحقیق کرنے والوں نے کہا ہے کہ اس کتاب کی عبارت کا تعلق تیسری اور چوتھی صدی سے ہے اور اس کی روایات اصلی اور قدیمی متون سے ملتی جلتی ہیں۔اس کے مؤلف نے معتبر قدیمی منابع سے استفادہ کیا ہے اور اسناد کو حذف کرکے ترکیبی صورت میں جبکہ بعض مقامات پر قدرے تبدیلی کے ساتھ واقعہ کربلا کو نقل کیا ہے البتہ اس میں کوئی نئی بات نہیں دیکھی گئی۔ اس نے صرف امام سجاد علیہ السلام کی ابن زیاد لعنۃ اللہ علیہ کے ساتھ گفتگو اور اتمام حجت کے واقعہ میں حُمید بن مسلم[1] کا نام لیا ہے۔مولف نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بیان کے آخر میں لکھا ہے:"ہم نے امام حسین علیہ السلام اور ان کی شہادت کے بارے میں طولانی گفتگو کی ہے اگرچہ اس بارے میں جو کچھ راویوں نے لکھا ہے اس سے مقائسہ کیا جائے تو یہ بھی کم ہے۔ ہماری اس تفصیل کی وجہ یہ تھی کہ اس طرح کا واقعہ اسلام سے پہلے یا بعد میں رونما نہیں ہوا اور ہمارا خیال ہے کہ دوسرے ادیان میں بھی ابھی تک اس طرح کا واقعہ پیش نہیں آیا اور حتی کہ اس کے مشابہ بھی کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔[2]

۲۰۔تَجارِبُ الاُمَمِ وَ تَعاقُبُ الْهِمَم

ابو علی مِسکوَیہ رازی (۴۱۲ہجری)

ابو علی مِسکویہ نے یزید لعین کے زمانہ خلافت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اپنی کتاب کے چالیس سے زیادہ صفحات واقعہ کربلا کے ساتھ مختص کیے ہیں۔انہوں نے اِس حصہ میں طبری کی ان روایات پر اکتفا کیا ہے جو انہوں نے ابومخنف اور دوسرے راویوں سے نقل کی ہیں۔ یزید کی

[1]۔یہ دشمن کا سپاہی اور ابن زیاد کی محفل میں موجود تھا۔ابو مخنف نے سلیمان بن ابی راشد، کے واسطہ سے اس سے بہت سی روایات نقل کی ہیں۔

۲۔مقتل الحسین من کتاب تاریخ الخلفاء، تحقیق رسول جعفریان، فصلنامہ تراثنا، ۱۴۲۲ق، ش ٦۷، ص ۲۴۴، ۲۴۷۔

بیعت طلبی کے آغاز سے لیکر اہل بیت علیہم السلام کے مدینہ واپس پلٹنے تک اسناد کو حذف کر کے مختصر وضاحت کی ہے۔[۱]

۲۱۔ اَلاِسْتِیْعَابُ فِیْ مَعْرِفَۃِ الاَصْحَابِ

ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر قُرطبی (۴۶۳ ہجری)

ابن عبد البر قُرطبی نے اپنی کتاب کے تقریباً پانچ صفحات امام حسین علیہ السلام کے حالات زندگی اور قیام عاشورہ کی بعض روایات کے ساتھ مختص کیے ہیں۔[۲]

انہوں نے یحیٰی بن معین کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا قاتل عمر بن سعد لعنۃ اللہ علیہ ہے اور اس بات کی وضاحت یوں کی ہے: "عمر بن سعد کو اس لیے امام حسین علیہ السلام کا قاتل کہا جاتا ہے کہ وہ "ری" (ایران) کی حکومت کے بدلے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے ابن زیاد کی فوج کا سپہ سالار بنا۔"[۳]

انہوں نے امام حسین علیہ السلام اور واقعہ کربلا کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ امام علیہ السلام سے منقول چند فقہی روایات کے علاوہ مشہور روایات ہیں جو دوسرے مصادر میں بھی موجود ہیں؛ لہذا انہوں نے کوئی نئی بات ذکر نہیں کی۔

۲۲۔ روضۃ الواعظین

محمد بن فتّال نیشابوری (۵۰۸ ہجری)

ابن فتال نیشابوری نے اس کتاب کو مجالس کی صورت میں مرتب کیا ہے۔ انہوں نے چند مجالس کو ائمہ علیہم السلام کی زندگی اور واقعات کے ساتھ مختص کیا ہے اور قیام عاشورہ کا ایک مجلس میں خلاصہ کیا

۱۔ ابو علی مسکویہ، تجارب الامم و تعاقب الہمم، ج ۲، ص ۳۹ تا ۴۷۔

۲۔ ابن عبد البر قُطبی، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، تحقیق علی محمد معوض و عادل احمد عبد الموجود، ج ۱، ص ۴۴۲ تا ۴۴۷، ش ۵۷۴۔

۳۔ ابن عبد البر قُطبی، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، تحقیق علی محمد معوض و عادل احمد عبد الموجود، ج ۱، ص ۴۴۲ تا ۴۴۷۔

ہے۔ انہوں نے اس بارے میں اکثر بیانات شیخ مفید رحمہ اللہ کی الارشاد اور شیخ صدوق رحمہ اللہ کی امالی سے نقل کیے ہیں جن کی ترتیب یوں ہے: امام حسن علیہ السلام کی شہادت اور عراق میں شیعوں کی تحریک سے لے کر حربن یزید کے امام حسین علیہ السلام کی فوج میں شامل ہونے تک شیخ مفید رحمہ اللہ کی کتاب الارشاد سے مختصر طور پر بیان کیا ہے؛ لیکن عبد اللہ بن حوزہ کی امام علیہ السلام کے ساتھ گفتگو اور آپ علیہ السلام کے اتمام حجت سے لے کر حضرت قاسم کی شہادت تک شیخ صدوق رحمہ اللہ کی "الامالی" سے نقل کیا ہے[1] پھر شیر خوار بچے کی شہادت سے لے کر امام علیہ السلام کے بدن مبارک پر گھوڑے دوڑنے تک کے واقعات شیخ مفید کی "ارشاد" سے نقل کیے ہیں؛ پھر امام علیہ السلام کے گھوڑے کا واقعہ جس نے اپنی پیشانی کو امام علیہ السلام کے خون سے رنگین کیا اور اسیران اہل بیت علیہم السلام کے کوفہ و شام جانے اور ابن زیاد اور یزید سے احتجاج کرنے کے بارے میں بعض روایات کو حذف اور تبدیل کر کے "امالی" سے نقل کیا ہے۔ آخر میں یزید کا اہل بیت علیہم السلام کو احترام کے ساتھ مدینہ واپس بھیجنا اور بنی ہاشم کی مدینہ میں عزاداری کے واقعات کو مختصر کر کے دوبارہ شیخ مفید سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح شروع میں دو اور آخر میں تین صفحے ان احادیث اور توضیحات کے ساتھ مختص کیے ہیں جن میں سے بعض ارشاد اور امالی میں موجود ہیں۔[2]

۲۳۔ اَعۡلَامُ الۡوَرٰی بِاَعۡلَامِ الۡهُدٰی

فضل بن حسن طبرسی (۵۴۸ ہجری)

شیخ طبرسی نے امام حسین علیہ السلام کے حالات زندگی اور واقعہ کربلا کو اپنی کتاب کی پانچ ابواب اور ۳۹ صفحات میں ذکر کیا ہے۔ ان ابواب کے عناوین درج ذیل ہیں:

۱۔ فتّال نیشابوری، روضۃ الواعظین، ج۱، ص ۱۶۵ — ۱۹۹۔

۲۔ فتّال نیشابوری، روضۃ الواعظین، ج۱، ص ۱۶۵ — ۱۹۹۔

پہلا باب: امام علیہ السلام کی تاریخِ ولادت اور آپ کی عمر مبارک۔

دوسرا باب: آپ کی امامت کے دلائل اور اس بات کا بیان کہ آپ کی امامت کی صراحت آپ علیہ السلام کے والد بزرگوار اور بھائی (امام حسن علیہ السلام) نے کی ہے۔

تیسرا باب: آپ کے بعض فضائل، مناقب اور خصوصیات کا بیان۔

چوتھا باب: آنحضرت کا یزید کے خلاف احتجاج اور شہادت کے متعلق مختصر روایات۔

پانچواں باب: آپ علیہ السلام کی اولاد کی تعداد اور ان کے نام۔

اگرچہ طبرسی نے واضح طور پر بیان نہیں کیا کہ انہوں نے واقعہ کربلا کو شیخ مفید سے نقل کیاہے؛ لیکن اس بارے تحقیق اور شیخ طبرسی اور شیخ مفید کے بیانات میں مقایسہ کرنے سے باآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ طبرسی نے شیخ مفید کی روایات کو اختصار اور بعض عبارتوں میں تھوڑی تبدیلی کے ساتھ نقل کیاہے؛ اور صرف آخر میں، اصحاب امام حسین علیہ السلام کے دفن کی جگہ کے بارے میں شیخ مفید کا نظریہ بیان کیاہے۔[1]

۲۴۔ مقتل الحسین علیہ السلام

موفق بن احمد خوارزمی (۵٦۸ہجری)

ابو المؤید موفق بن احمد بن محمد بکری مکی حنفی المعروف اخطب خوارزم فقیہ، خطیب، قاضی، ادیب، شاعر، صدر الائمہ اور خلیفہ الزمخشری" کے القاب سے معروف تھے۔ تقریباً سنہ ۴۸۴ ہجری قمری میں پیدا ہوئے[2] اور ۵٦۸ قمری کو وفات پائی۔[1]

۱۔ فتّال نیشابوری، روضۃ الواعظین، ج۱، ص۲۵۰۔

۲۔ جلال الدین عبد الرحمن سیوطی، بُغیۃ الوُعاۃ فی طبقات اللُّغویین والنُّحاۃ، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، ج۲، ص۳۰۸؛ محمود بن سلیمان کفوی، اعلام الاخبار من فقہا مذہب النُّعمان، میر حامد حسین نیشاپوری ہندی سے منقول، عبقات الانوار فی امامۃ الائمۃ الاطہار علیہم السلام، ج٦، ص۲۹٦۔

خوارزمی (فقہی لحاظ سے) حنفی تھے کیونکہ اس کے زمانے میں خراسان کے عظیم شہر اور خوارزم کے علاقہ ماوراء النہر میں حنفی مذہب رائج تھا۔ خورازمی نے بھی اسی مذہب کی فروعات دین کو ختیار کیا۔ اس بات کی ایک دلیل یہ ہے کہ انہوں نے "مناقب ابی حنیفہ" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں امام ابو حنیفہ کے فضائل بیان کیے اور ایک طولانی قصیدے کی شکل میں ان کی مدح سرائی کی۔

البتہ اعتقادی اعتبار سے اشعری مذہب کے تابع تھے؛ لیکن اس کے باوجود تشیع کی طرف مائل اور اہل بیت علیہم السلام سے محبت رکھتے تھے کیونکہ انہوں نے مقتل الحسین علیہ السلام کے علاوہ اہل بیت علیہم السلام کی مدح میں متعدد کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں فضائل امیر لمؤمنین علیہ السلام المعروف "المناقب"، ردالشمس لامیر المؤمنین علیہ السلام (امیر المؤمنین علیہ السلام کے لیے سورج کا پلٹنا)، امیر المؤمنین علیہ السلام کے فیصلے اور الاربعین فی مناقب النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ و وصیۃ امیر المؤمنین علیہ السلام (نبی امین صلی اللہ علیہ وآلہ اور امیر المؤمنین علیہ السلام کی فضیلت میں چالیس احادیث) شامل ہیں۔

خوارزمی کی مقتل الحسین علیہ السلام تاریخی اور حدیثی کتاب ہے جس کی اکثر تاریخی روایات سلسلہ سند کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ کتاب کے اکثر مطالب "ابن اعثم کوفی" کی کتاب "الفتوح" کی نویں فصل سے لے کر گیارہویں فصل کے آخر تک سے لیے گئے ہیں اور یہ مطالب معاویہ کی یزید کے لیے بیعت لینے کے واقعہ سے شروع اور امام حسین علیہ السلام علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کی کربلا میں شہادت پر ختم ہوتے ہیں۔

ا۔ جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف قفطی، اِنباءُ الرُّواۃ علی نباء النُّحاۃ، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، ج۳، ص ۳۳۲۔

خوارزمی نے مقتل الحسینؑ میں کئی مقام پر ابن اعثم کی عبارت کو نقل کرنے کے بعد کسی اور حدیث یا تفصیل کا اضافہ بھی کیا ہے اور پھر ابن اعثم کی بات کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے: "احمد بن اعثم کوفی نے کہا"۔[۱]

البتہ کتاب میں جن روایات کا اضافہ کیا گیا ہے وہ عام طور سے ایسی روایات ہیں جنہیں خوارزمی نے بطور مسند (سلسلہ سند کے ذکر کے ساتھ) اپنے اساتذہ سے نقل کیا ہے؛ ان کی روایات کے بعض اساتذہ مندرجہ ذیل ہیں: جار اللہ محمود بن عمر زمخشری (۵۳۸ہجری)؛ ابو منصور شہر دار بن شیرویہ دیلمی (۵۵۸ہجری)؛ حسن بن احمد عطار ہمدانی (۵۴۴ق)؛ اور ابو الحسن علی بن احمد عاصمی۔

مقتل خوارزمی کے ابواب کا مختصر تعارف

کتاب مقتل الحسینؑ ایک مقدمہ اور پندرہ ابواب پر مشتمل ہے جسے دو جلدوں میں تدوین کیا گیا ہے۔ پہلی جلد دس ابواب اور گیارہویں باب کے ایک حصے پر مشتمل ہے اور دوسری جلد گیارہویں باب کے دوسرے حصے اور باقی چار ابواب پر مشتمل ہے۔ ان ابواب کے عناوین کچھ اس طرح ہیں:

پہلی جلد: ۱۔ پیغمبر اکرمؐ کے فضائل؛ ۲۔ حضرت خدیجہ بنت خُوَیلد کے فضائل؛ ۳۔ امیر المؤمنینؑ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف کے فضائل؛ ۴۔ امیر المؤمنینؑ کے فضائل؛ ۵۔ فاطمہ زہراءؑ دختر رسول خداؐ کے فضائل؛ ۶۔ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے فضائل؛ ۷۔ امام حسینؑ کے خاص فضائل؛ ۸۔ امام حسینؑ اور ان کے حالات کے بارے میں رسول خداؐ کی پیشن گوئی؛ ۹۔ معاویہ کی زندگی میں اور اس کی موت کے بعد امام حسینؑ، ولید بن عُتبہ اور مروان بن حکم کے درمیان مدینہ میں پیش آنے والے حالات؛ ۱۰۔ مکہ میں اقامت کے دوران

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی، ج۱، ص۱۷۱، ۱۷۳، ۱۸۰، ۱۸۶، ۱۹۰، ۲۱۴و...۔

امام حسین علیہ السلام کے حالات، آپ کی طرف کوفیوں خطوط، آپ کا مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجنا اور کوفہکوفہ میں حضرت مسلم کی شہادت؛ ۱۱۔امام حسین علیہ السلام کی مکہ سے عراق کی جانب روانگی ،راستے میں پیش آنے والے واقعات اور آپ علیہ السلام کا سرزمین "طف" پر قیام۔

دوسری جلد: ۱۔امام حسین علیہ السلام کی شہادت؛ ۲۔ امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کا انجام؛ ۳۔ آپ علیہ السلام کے بارے میں بعض مرثیے؛ ۴۔ امام حسین علیہ السلام کی زیارت اور اس کی فضلیت؛ ۵۔ مختار بن ابی عُبید ثقفی کا امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں سے انتقام لینا۔ اس فصل کے آخر میں خوارزمی نے، مصعب بن زبیر اور عبداللہ بن زبیر کے قتل ہونے کاواقعہ بھی ذکر کیاہے۔

خوارزمی اور ابن اعثم

جیسا کہ بیان ہو چکاہے کہ خوارزمی نے روز عاشورہ سے پہلے کے اکثر واقعات ابن اعثم کی کتاب "الفتوح" سے نقل کیے ہیں؛ لیکن یہ واقعات ابن اعثم کی روایات سے قدرے متفاوت ہیں جس کی تین وجوہات معلوم ہوتی ہیں:

اول یہ کہ ابن اعثم کی "الفتوح" کے کئی نسخے ہیں جو کمی اور اضافے کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہیں۔ اس دعوے کی واضح دلیل یہ ہے کہ موجودہ نسخے، خوارزمی کی ابن اعثم سے نقل کی گئی روایات سے مختلف ہیں ۔ اس کا ایک واضح نمونہ، ابن اعثم کی کتاب میں مختلف مناسبتوں سے ذکر کیے گئے اشعار کا، کمی اور مطالب کے لحاظ سے مقتل خوارزمی کے ساتھ اختلاف ہے۔ البتہ یہ بھی احتمال ہے کہ مقتل خوارزمی کے بعض اضافہ جات اس وجہ سے ہوں کہ "الفتوح" کا کامل ترین نسخہ خوارزمی کے پا س تھا۔

دوم یہ کہ خوارزمی چونکہ خطیب اور اہل منبر تھا؛ لہذا ممکن ہے کہ اُس نے ابن اعثم کی روایات کا مفہوم نقل کیاہو تاکہ اس واقعہ کی تفصیل ،زیادہ منطقی، قابل قبول ، اور پڑھنے والے کے لیے زیادہ

جذاب ہوں۔ البتہ انہوں نے بہت سے مقامات پر یہ کام اس انداز سے کیا ہے کہ اصل واقعہ میں تحریف کا باعث نہ بنے۔

سوم یہ کہ بہت سارے تاریخی حالات واقعات طبیعی طور پر اس طرح سے ہیں کہ جب زمانہ کی گرد و غبار ان بیٹھ جاتی ہے اور آنے والی صدیوں کے مصنفین علمی وادی میں داخل ہوتے ہیں تو اصل واقعات کی کانٹ چھانٹ اور نوک پلک سنوار کر پیش کرتے ہیں جس سے واقعات میں قدرے تبدیلی محسوس ہوتی ہے۔

خوارزمی نے بعض اوقات ابو مخنف سے بھی روایات نقل کی ہیں؛ لیکنجب قدیمی معتبر منابع سے مقایسہ کیاجائے تو اس میں کچھ فرق اور اضافات پائے جاتے ہیں۔

۲۵۔ مقتل الحسینؑ

ابو الحسن احمد بن عبد اللہ بن محمد بکری (پانچویں اور چھٹی صدی)

بکری نے امام حسینؑ کے متعلق ایک مختصر سا کتابچہ لکھا جس کا ایک نسخہ "حدیث وفاۃ سید نا الحسین ؑ "(یعنی ہمارے سردار حسین ؑ کی شہادت کی گفتگو) کے نام سے مراکش کے شہر "فاس" کی قرویین یونیورسٹی کی لائبریری میں کتاب نمبر(۳/ ۵۷۵، صفحہ۷۷- ۸۶ پر موجود ہے۔[۱]

اہل سنت علمائے رجال نے بکری کی مذمت کی ہے اوران کو کذاب، دجال، قصاص، اور مُسَیلمہ کذاب[۲] سے بھی بڑا جھوٹا کہاہے۔[۳] ابن حجر نے کہاہے کہ ان کی ایک مشہور کتاب "الذَروۃ فی السیرۃ

۱۔ سید عبد العزیز طباطبائی، اہل البیت فی المکتبۃ العربیۃ، ص۵۴۸، ش۷۰۶۔

۲۔ میزان الاعتدال، تحقیق علی محمد بجاوی، ج۱، ص ۱۱۲؛ ابن حجر، لسان المیزان، ج۱، ص ۲۰۲۔

۳۔ ذہبی، سیر اعلام النُبَلاء، تحقیق مصطفی عبد القادر عطا، ج۱۲، ص۲۱۔

النبوية" ہے جس میں انہوں نے پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے کی جنگوں کا تذکرہ کیا ہے؛ لیکن ہر جنگ کی غلط وضاحت یا اپنی طرف سے اضافے کیے ہیں۔[1]

اگرچہ بکری کی "مقتل الحسین علیہ السلام " ایک مختصر سی کتاب ہے؛ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ادبی داستانوں کی شکل میں کتاب لکھنے کا آغاز پانچویں اور چھٹی صدی میں ہوا اور بکری نے صدر اسلام کی تاریخ کو کتاب "الذّرۃ فی السیرۃ النبویۃ" میں اسی انداز سے لکھا ہے۔

٢٦۔تَرْجُمَةُ رَيْحَانَةِ رَسُوْلِ اللهِ الْإِمَامِ الْحُسَيْنِ مِنْ تَارِيْخِ مَدِيْنَةِ دِمَشْق

ابو القاسم علی بن حسن ہبۃ اللہ شافعی، المعروف "ابن عساکر دمشقی" (٥٧١ ہجری)

ابن عساکر نے دمشق رہنے والے یا گرد و نواح میں آکر بسنے والے برجستہ علما کے حالات زندگی لکھتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کے حالات زندگی بھی تحریر کیے ہیں۔[2]

انہوں نے امام حسین علیہ السلام اور واقعہ کربلا کے متعلق ١١٩ صفحات میں چار سو سے زیادہ روایات ذکر کی ہیں جن میں اکثر تکراری ہیں۔اس کتاب کا تنظیم و ترتیب اور باب بندی مناسب نہیں ہے جبکہ بعض جگہوں پر کچھ موضوعات اور عناوین بھی بے ربط ذکر ہوئے ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ ابن عساکر نے قیام امام حسین علیہ السلام کے متعلق اپنی مختصر کتاب میں ابن سعد کی کتاب "مقتل امام حسین علیہ السلام "کی ابتدا سے ایک حصہ اسی سلسلہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔[3]

ابن عساکر نے اکثر ایسی روایات کو نقل کیا ہے جن میں مضمون کے لحاظ سے واقعہ کربلا کے بارے میں تاریخی آگاہی بہت کم ہے جبکہ غیر مربوط مسائل کا ذکر زیادہ ہے۔اس کے علاوہ ان روایات کے

١۔ابن حجر، لسان المیزان، ج١، ص٢٠٢۔

٢۔ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق الکبیر، تحقیق علی عاشور الجنوبی، ج١٤، ص٧، ١٢، ٢٤٦، ش١٥٥٩۔

٣۔ابن سعد، ترجمۃ الحسین علیہ السلام ومقتلہ، تحقیق سید عبد العزیز طباطبائی، تراثنا، سال سوم، ١٤٠٨ ہجری، شمارہ ١٠، ص١٦ تا ١٧٢، از شمارہ ٢٨٢ تا ٢٨٥۔

بہت سے مضامین کئی بار تکرار ہوئے ہیں مثلاً امام حسین علیہ السلام کی کنیت، نام، عمر، ولادت اور شہادت کے دن اور سال کے متعلق تقریباً ایک سو روایات اور آپ علیہ السلام کے فضائل ومناقب سے متعلق ایک سو بیس سے زیادہ روایات ذکر ہوئی ہیں جو کتاب کے چوتھائی حصہ سے زیادہ ہے اور اس میں بہت سی تکراری روایات ہیں۔امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بارے میں امیر المؤمنین علیہ السلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی پیشین گوئی سے متعلق تیس سے زیادہ روایات نقل ہوئی ہیں؛ آپ علیہ السلام کو کوفہ جانے سے روکنے والے بعض مشہور افراد کے بارے میں دس سے زیادہ روایات موجود ہیں؛ امام حسین علیہ السلام کے قیام کی تشریح اور روز عاشورہ کے خطبات کے بارے میں بیس سے زیادہ روایات ذکر ہوئی ہیں؛ امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد رونما ہونے والے غیر معمولی اور عجیب وغریب واقعات کے بارے میں بیس سے زیادہ روایات ہیں اور دنیا میں امام علیہ السلام کے قاتل جن سزاؤں اور مصیبتوں میں گرفتار ہوئے اُس بارے میں بیس روایات اور مختلف موضوعات کی متفرقہ روایات موجود ہیں۔[1]

ابن عساکر نے کتاب کے حجم کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بہت کم یعنی صرف بیس روایات کو کچھ کمی اور زیادتی کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کے قیام، شہادت، اصحاب کی شہادت، قیام کے اہداف اور فلسفہ کے ساتھ مختص کیا ہے چونکہ ابن عساکر دمشق میں رہنے والے تھے اس لیے دیگر شامی مؤرخین کی طرح اُموی مسلک اور بنی امیہ کے طرفدار تھے لہٰذا انہیں خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ زیادہ محبت نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام، آپ کے اہل بیت علیہم السلام اور اصحاب پر بنی امیہ کے مظالم ذکر نہیں کیے۔

۱۔ ابن عساکر، ترجمۃ الحسین علیہ السلام من تاریخ مدینۃ دمشق، تحقیق محمد باقر محمودی، ص۱۲تا۲۹۶، ح۳۴۹تا۳۹۵۔

آٹھویں صدی میں، مِزی[1](۷۴۲ہجری) اور ذَہبی[2](۷۴۸ہجری) نے اپنی کتابوں کا ایک حصہ ان روایات کے ساتھ مختص کیا ہے جو امام حسین علیہ السلام کی حیات طیبہ اور قیام سے مربوط ہیں جن کی بہت سی روایات ابن عساکر والی ہیں۔

۲۷۔ مناقب آل ابی طالب

ابو عبد اللہ محمد بن علی بن شہر آشوب (۵۸۸ہجری)

ابن شہر آشوب نے امام حسین علیہ السلام کے حالات زندگی اور فضائل و مناقب لکھتے ہوئے ایک حصہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے ساتھ مختص کیا ہے۔ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کے معجزات، فضائل و مناقب، مکارم اخلاق اور شہادت کے بعد رونما ہونے والے غیر معمولی واقعات کو ذکر کرنے کے بعد کچھ ایسی روایات بھی نقل کی ہیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ اظہارِ محبت کے بارے میں ہیں اور اسی طرح آپ کی تاریخ ولادت اور القاب کو چند فصلوں میں بیان کرتے ہوئے واقعہ کربلا کو بیان کیا ہے۔

اس کتاب کے نام سے واضح ہے کہ یہ تاریخی کتاب نہیں ہے بلکہ مصنف نے ائمہ علیہم السلام کے فضائل و مناقب کے بارے میں روایات اور توضیحات ذکر کی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ائمہ علیہم السلام کے زمانے کے بعض واقعات بھی زمانی ترتیب کے بغیر نقل کیے ہیں۔ انہوں نے امام حسین علیہ السلام سے مربوط باب میں قیام عاشورہ کی اہمیت کے پیش نظر سب سے زیادہ مطالب ذکر کیے ہیں۔ البتہ اپنی کتاب کو تفصیل سے بچانے کے لیے واقعہ کربلا کو اجمال و اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ کچھ مقامات پر واقعات کی ترتیب کا لحاظ بھی نہیں کیا۔ انہوں نے بعض واقعات ذکر کیے ہیں جبکہ بہت سے واقعات کی طرف اشارہ نہیں کیا۔

۱۔ سابقہ حوالہ، ص۲۴۱تا۲۵۰، ح۲۸۷تا۳۰۹۔

۲۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، تحقیق مصفطی عبد القادر عطا، ج۴، ص۱۴۳تا۱۶۳، ش۴۰۶۔

مصنف نے امام حسین ؑ کی زندگی، فضائل و مناقب اور آپ ؑ کی شہادت کے متعلق کچھ روایات امام سجاد، امام باقر، امام صادق اور امام رضا ؑ سے نقل کی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس باب کو لکھنے کے لیے، تاریخ بلاذری(انساب الاشراف)، تاریخ طبری، مقتل ابن بابویہ، ابو السعادات کی فضائل العشرہ، ابو نعیم اصفہانی کی حلیۃ الاولیاء، ابو مِخنف، شعیب بن عبد الرحمان خُزاعی، سید جرجانی، علی بن مہدی ماطیری، عبد اللہ بن احمد بن حنبل، شاکر بن غنمہ اور ابو الفضل ہاشمی سے بھی استفادہ کیا ہے۔

ابن شہر آشوب کی روایات کے بارے میں چند نکات قابل غور ہیں:

۱۔ ابن اعثم (کوفی) کے بعد صرف ابن شہر آشوب نے امام حسین ؑ کے مشہور فرمان "اِنّي لَمْ اَخْرُجْ اَشِراً وَ لَا بَطِراً..." کو قیام عاشورہ کے فلسفہ کے بارے میں نقل کیا ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ انہوں نے امام ؑ کے اس جملے کو آنحضرت کے وصیت نامہ کی بجائے اُن افراد کے جواب میں ذکر کیا جنہوں نے آپ ؑ کو عراق جانے سے روکنے کی کوشش کی مثلاً: محمد حنفیہ، عبد اللہ بن مطیع اور ابن عباس۔[1]

۲۔ اگرچہ ابن شہر آشوب نے ابو مِخنف کی بعض روایات کو نقل کیا ہے؛ لیکن چند مقامات پر کچھ ایسی روایات کو ابو مخنف کی طرف نسبت دی ہے[2] جن کا مضمون غیر معقول اور ناقابل قبول ہے بلکہ یہ مضمون، معتبر اور قدیمی منابع میں موجود ابو مَخنف کی روایات میں بھی نہیں پایا جاتا۔اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن شہر آشوب کے زمانے میں ابو مَخنف سے منسوب جعلی روایات رائج تھیں جن میں سے کچھ روایات انہوں نے بھی نقل کر دی ہیں۔

۱۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، تحقیق یوسف البقاعی، ج۴، ص۹۶،۹۷۔

۲۔ سابقہ حوالہ، ص۶۵،۶۶۔

۳۔ اگرچہ مصنف نے واضح طور پر بیان نہیں کیا کہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کے رجز اور جنگ کی روایات ابن اعثم کی کتاب "الفتوح" سے لی ہیں؛ لیکن معمولی تحقیق اور دونوں کی روایات کے آپس میں مقایسہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب کے اس حصے میں ابن اعثم کی کتاب سے استفادہ کیا ہے۔

۴۔ متقدمین میں صرف ابن شہر آشوب نے واقعہ کربلا کے بارے میں کچھ (نادر) روایات نقل کی ہیں مثلاً انہوں نے امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے دشمنوں کی تعداد ایک ہزار نو سو پچاس (۱۹۵۰) لکھی ہے[1] جبکہ کتاب اثبات الوصیۃ میں امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں عمر بن سعد (لعنت اللہ علیہ) کی فوج کے مقتولوں کی تعداد ایک ہزار آٹھ سو (۱۸۰۰) ذکر ہوئی ہے۔ اسی طرح انہوں نے حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کی تفصیل بھی شیخ مفید سے مختلف بیان کی ہے ۔

۵۔ یہ کتاب روزِ عاشورہ حضرت عباس علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے[2] بعض رجز کا قدیمی ترین منبع ہے کیونکہ یہ رجز اس کتاب کے علاوہ کسی موجودہ قدیمی کتاب میں ذکر نہیں ہوئے جبکہ انہوں نے ان رجزوں کا کوئی منبع بھی بیان نہیں کیا۔ یہ رجز کئی سالوں سے مجالس اور منبروں پر مشہور ہیں۔

۲۸۔ المُنتَظِمُ فِی تَارِیخِ المُلُوکِ وَالاُمَمِ

ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد ابن جوزی (۵۹۷ ہجری)

ابن جوزی نے سنہ ۶۰ اور ۶۱ ہجری کے واقعات کی مناسبت سے اپنی کتاب کا ایک حصہ واقعہ کربلا کے ساتھ مختص کیا ہے۔[3] ان کی تحریر کا اسلوب زیادہ تر ترکیبی (دوسروں کی تحریروں کو ملا کر) اور سلسلہ سند کو حذف کرنا ہے۔ واقعہ کربلا سے متعلق ان کی روایات طبری کی روایات کے

۱۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، تحقیق یوسف البقاعی، ج۴، ص۱۲۰۔

۲۔ مثلاً یہ رجز: انا الحسین بن علی احمی عیالات ابی ... (سابقہ حوالہ، ص۱۹۹ تا ۱۲۰)۔

۳۔ ابن جوزی، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، تحقیق محمد عبد القادر عطا و مصطفی عبد القادر عطا، ج۵، ص۳۲۲ تا ۳۲۹، ۳۳۵ تا ۳۴۷۔

ساتھ زیادہ مشابہت رکھتی ہیں۔ البتہ انہوں نے کچھ مقامات پر بعض روایات سلسلہ سند کے ساتھ بھی ذکر کی ہیں۔[۱]

۲۹۔الکامل فی التاریخ

عزالدین ابوالحسن علی بن ابی الکرم، المعروف "ابن اَثیر" (۶۳۰ہجری)

ابن اَثیر نے طبری سے تین صدیوں بعد "الکامل فی التاریخ" لکھی۔ انہوں نے پہلی تین صدیوں کے بارے میں اکثر مطالب تاریخ طبری سے لیے ہیں۔[۲] انہوں نے سنہ ۶۰ اور ۶۱ ہجری کے واقعات میں مقتل امام حسینؑ کے مطالب کو طبری سے لے کر اختصار اور سلسلہ سند کو حذف کرکے ذکر کیا ہے۔[۳] البتہ جیسا کہ انہوں نے خود بھی مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے متعلق طبری کی روایات کے درمیان یا آخر میں بعض مطالب کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ابن اثیر نے اپنی دوسری کتاب "**أُسْدُ الْغَابَةِ فِي مَعْرِفَةِ الصَّحَابَةِ**" کے پانچ صفحات امام حسینؑ کی تاریخ ولادت، شہادت، فضائل و مناقب اور قیام کی مختصر شرح کے ساتھ مختص کیے ہیں۔ انہوں نے امام حسینؑ کے قاتل کے بارے میں چند اقوال نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ سِنان بن اَنس نے حسین بن علیؑ کو شہید کیا۔[۴]

۳۰۔مُثیرالاَحزان

نجم الدین جعفر بن محمد بن جعفر بن ابی البقاء ہبۃ اللہ ابن نما، المعروف "ابن نما حلی" (۶۴۵ہجری)

ابن نما نے واقعہ کربلا کے متعلق یہ کتاب تین ابواب میں تدوین کی ہے:

۱۔ سابقہ حوالہ، ص ۳۴۲ تا ۳۴۶۔

۲۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، تحقیق مکتب التراث، ج۱، ص ۳۲، اور مقدمہ ناشر، ص ۵۔

۳۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، تحقیق مکتب التراث، ج۲، ص ۵۲۹ تا ۵۸۲۔

۴۔ ابن اثیر، اُسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج۱، ص ۴۹۵ تا ۵۰۰۔

پہلا باب روز عاشورہ کی جنگ سے پہلے پیش آنے والے واقعات کے بارے میں ہے مثلاً امام حسین علیہ السلام کی تاریخ ولادت، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کا امام علیہ السلام کی شہادت کی پیشین گوئی کرنا، معاویہ کی موت سے لے کر یزید کی بیعت طلبی امام حسین کی مدینہ سے روانگی اور کربلا پہنچنے تک تحریک کربلا کے واقعات کا تسلسل اور اسی طرح مسلم بن عقیل کی سرگرمیوں اور قیام کی تفصیلات۔

دوسرا باب، کربلا میں پیش آنے والے واقعات، شب عاشورہ اور روز عاشورہ کے حالات، جنگ کی تفصیلات، امام حسین علیہ السلام، آپ کے اصحاب اور بنی ہاشم کی شہادت اور اس کے بعد کے چند واقعات کے بیان پر مشتمل ہے۔

تیسرا باب، شہادت کے بعد پیش آنے والے واقعات، کوفہ اور شام میں اہل بیت علیہم السلام کی اسیری کی تفصیلات اور مدینہ واپسی کے واقعات پر مشتمل ہے۔

خوانساری نے لکھاہے کہ شہید ثانی کے قول کے مطابق احتمال ہے کہ ابن نما کی طرف منسوب کتابیں "مثیر الاحزان" اور "ذوب النضار" اُن کی نہیں ہیں بلکہ ان کے پوتے کی ہیں جو دادے کے ہم نام تھا۔[1] مگر علامہ سید محسن امین نے اس بات کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ بنیادی طور پر یہ بات ہی یقینی نہیں ہے کہ ان کا کوئی پوتا ان کے ہم نام تھا۔[2]

۳۱۔ اَلْحَدَائِقُ الْوَرْدِیَّۃِ فِیْ مَنَاقِبِ الْأَئِمَّۃِ الزَّیْدِیَّۃِ

حمید بن احمد بن محمد مَحَلّی (۶۵۲ ہجری)

زیدی مذہب کے عالم اور مفکر مَحَلّی نے اس کتاب میں اپنے اپنے زمانے کے حکمرانوں کے خلاف مسلح قیام کرنے والے ائمہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے تقریباً پچاس صفحات[3] امام حسین

۱۔ محمد باقر موسوی خوانساری، روضات الجنات فی احوال العلماو السادات، ج۲، ص۱۷۹۔

۲۔ سید محسن امین، اعیان الشیعہ،، تحقیق حسن امین، ج۴، ص۱۵۶۔

۳۔ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیۃ فی مناقب الائمۃ الزیدیہ، تحقیق مرتضی مطوری حسنی، ج۱، ص۱۸۸تا۲۲۳۔

ؑ کی زندگی، فضائل و مناقب اور قیام کے ساتھ مختص کیے ہیں۔انہوں نے آپؑ کی ولادت، خصوصیات، صفات اور فضائل و مناقب کی روایات نقل کرنے کے بعد مشہور روایات کی بنا پر آپ کے قیام کی مختصر شرح بیان کی ہے۔ان کی قابل توجہ روایات میں سے حضرت علی اکبرؑ کی ولادت کے سال کی تعیین ہے۔ انہوں نے آپ کی ولادت کا سال، خلافتِ عثمان کے خاتمے سے دو سال پہلے یعنی سنہ ۳۳ ہجری جانا ہے۔[1] جبکہ بعض قدیمی کتب مثلاً "مقاتل الطالبین" کی روایات میں صرف یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت علی اکبر کی ولادت جناب عثمان کے زمانہ خلافت میں ہوئی۔

مَحَلّی نے واقعہ کربلا کو بیان کرتے ہوئے، "عمار دُہنی" کا نام لیے بغیر ان کی کتاب سے ایک بڑا حصہ نقل کیا ہے۔انہوں نے کوفیوں کے امام حسینؑ کی طرف خط بھیجنے سے لے کر آپؑ کی طرف منسوب تین تجاویز تک کے مطالب اسی کتاب سے نقل کیے ہیں اور کچھ صفحات کے بعد امام حسینؑ کی عمر سعد اور اس کی فوج کے ساتھ گفتگو اور روز عاشورہ جنگ شروع ہونے سے پہلے سے لے کر عمر سعد کے تیر چلا کر جنگ کا آغاز کرنے تک آپؑ کے خطبہ کو نقل کیا ہے جو مقتل خوارزمی میں نقل ہوا ہے۔ اسی طرح تمام شہدائے کربلا کے نام فُضیل بن زبیر کی کتاب سے نقل کیے ہیں جبکہ اس کا حوالہ بھی نہیں دیا۔اس کتاب کی دیگر روایات جو پہلے مقتل خوارزمی میں آچکی ہیں، امامؑ کی شہادت کے بعد پیش آنے والے واقعات پر مشتمل ہیں جن میں سے اسیرانِ اہل بیت کا کوفہ و شام بھیجا جانا، ان کے احتجاجات، اور پھر اُن کی واپس مدینہ واپسی، جابر اور عطیہ عوفی کا امام کی قبر کی زیارت کرنے کا واقعہ اور متوکل (عباسی) کا آپؑ کی قبر کو منہدم کرنا وغیرہ شامل ہیں۔[2] انہوں نے خوارزمی کی طرح اس حصے کے آخری چند صفحات میں سابقہ شعراء کے مرثیے

۱۔ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیۃ فی مناقب الائمۃ الزیدیہ، تحقیق مرتضی محطوری حسنی، ج۱، ص۲۰۱۔

۲۔ حمید بن احمد محلی، الحدائق الوردیۃ فی مناقب الائمۃ الزیدیہ، تحقیق مرتضی محطوری حسنی، ج۱، ا، ص۱۹۷ تا ۲۳۴؛ مقایسہ کریں: خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی، ج۲، ص۴۲ کے بعد کے ساتھ۔

بیان کیے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ محلی، خوارزمی کی کتاب مقتل الحسین علیہ السلام سے بہت زیادہ متاثر تھے اور انہوں نے روز عاشورا اور امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد پیش آنے والے واقعات کو بیان کرنے میں بھی خوارزمی کی کتاب سے بہت استفادہ کیا ہے۔

۳۲۔ تَذْكِرَةُ الْخَوَاصِ مِنَ الْأُمَّةِ بِذِكْرِ خَصَائِصِ الْأَئِمَّةِ

یوسف بن قزاوغلی بغدادی المعروف "سبط ابن جوزی" (۶۵۴ ہجری)

سبط ابن جُوزی نے اس کتاب کے نویں باب کو امام حسین علیہ السلام کے حالات زندگی، قیام اور شہادت کے بعد کے واقعات کے ساتھ مختص کیا ہے۔[1] انہوں نے آپ علیہ السلام کی کنیت، القاب اور تاریخ ولادت کی طرف اشارہ کرنے بعد، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے نزدیک حسنین شریفین علیہما السلام کے خاص مقام و مرتبے سے متعلق چند روایات، دوسرے خلیفہ اور مروان کے مقابلے میں امام حسین علیہ السلام کا موقف بیان کیا، پھر "ذِكْرُ سِيرَتِهِ مُخْتَصَراً" (یعنی آپ علیہ السلام کی سیرت کا مختصر بیان) کے عنوان سے واقعہ کربلا کو ذکر کیا جو مرگِ معاویہ اور یزید کی بیعت طلبی سے شروع ہوا۔ انہوں نے ایک منفرد روایت یہ لکھی کہ یزید نے ابن عباس کے نام ایک خط لکھ کر امام حسین علیہ السلام کو قیام سے روکنے کی کوشش کی اور ابن عباس نے اس کا جواب بھی دیا۔[2] پھر کوفہ میں حضرت مسلم کے قیام اور شہادت، امام حسین علیہ السلام کے عراق جانے، آپ کی اور اصحاب کی شہادت اور شہدائے بنی ہاشم کے ناموں کا تذکرہ کیا ہے اور امام حسین علیہ السلام کے قاتل کے بارے میں چند اقوال بیان کیے ہیں اور کہا ہے کہ ان میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ سِنان بن اَنس نخعی لعنت اللہ علیہ نے شمر ملعون کے ساتھ مل کر امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا۔

۱۔ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص۱۱۵ تا ۲۸۲۔

۲۔ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص۱۳۴ تا ۱۳۶۔

اس کے بعد سبط ابن جوزی نے اسیروں کو شہداء کے سروں کے ہمراہ کوفہ اور شام بھیجنے کا تذکرہ کیا، اور امام حسینؑ کے سر مبارک کے مدفن کے متعلق پانچ قول بیان کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے کہ آپؑ کا سر اور بدن جہاں بھی ہوں؛ لیکن آپؑ دلوں اور یادوں کی گہرائیوں میں زندہ ہیں۔[1] اس باب کے کچھ اور مطالب مندرجہ ذیل ہیں:

امام حسینؑ کے بارے میں کچھ مرثیے؛ امامؑ کی شہادت کے بعد آسمان کا سرخ ہونا؛ (امامؑ کی شہادت کے بعد) یزید کا ابن عباس کو خط اور ان کا جواب؛ امام حسینؑ کی اولاد؛ قاتلین کا انجام؛ توابین اور مختار کا ظالموں سے انتقام؛ ابن زیاد کا قتل اور یزید بن معاویہ پر لعنت بھیجنے کا جواز۔

اس کتاب کا ایک قابل غور بیان، ہشام کلبی کی روایت کے مطابق شیر خوار بچے کی شہادت کی تفصیل ہے کیونکہ اس کتاب میں پہلی مرتبہ بیان ہوا ہے کہ جب شیر خوار نے پیاس کی وجہ سے گریہ کیا تو امامؑ نے اسے ہاتھوں پر لے کر عمر سعد کی فوج سے فرمایا: "اے قوم اگر مجھ پر رحم نہیں کرتے تو اس بچے پر رحم کرو" جس کے بعد دشمن کے ایک فوجی نے بچے کو تیر مار کر شہید کر دیا۔

اس کتاب کے متعلق ایک اور قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ بعض مقاتل جو اس وقت موجود نہیں ہیں بلکہ ان کی صرف چند روایات متقدمین کی کتب میں نقل ہوئی ہیں وہ سبط ابن جوزی کے پاس موجود تھیں اور انہوں نے ان کتب سے کچھ روایات نقل کی ہیں اور اسی طرح کچھ روایات ہشام بن

۱۔ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص۲۰۶ تا ۲۰۹۔

محمد کلبی، واقدی، مدائنی اور ابن ابی الدنیا، کی مقاتل سے بھی نقل کی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں ساتویں صدی میں اسلامی ممالک پر مغلوں کے حملے تک موجود تھیں۔[1]

۳۳۔ دُرَرُ السِّمطِ فی خَبَرِ السِّبطِ

محمد بن عبد اللہ بن ابی بکر قُضاعی، المعروف ابن آبار بَلَنسی (۶۵۸ ہجری)

یہ کتاب امام حسین علیہ السلام اور آپ کے خاندان کے غم میں کہے گئے نثری مرثیوں پر مشتمل ہے اور اسی مصنف کی ایک اور کتاب" مادن اللجین فی مراثی الحسین علیہ السلام" امام علیہ السلام کے بارے میں منظوم مرثیوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی نثر نہایت مشکل، مُسجع (فقروں کے آخری الفاظ کا ہم قافیہ ہونا) اور ادبی پیرائے میں ہے۔ ہر مقام کے لحاظ سے اس کی عبارت اور متن مختصر ہے۔ محقق اور مصحح کے حواشی سمیت یہ کتاب ایک سو چھبیس (۱۲۶) صفحات میں طبع ہوئی ہے۔ مصحح نے صفحہ نمبر ساٹھ تک (پچاس صفحات میں) مصنف کے حالات زندگی، ان کا اور کتاب کا علمی مقام بیان کیاہے۔ باقی چھیاسٹھ صفحات میں سے تقریباً آدھے صفحات حواشی ہیں۔ اس بنا پر کتاب کا کل متن تیس صفحات سے زیادہ نہیں ہے؛لہذا تقریباً پندرہ صفحات امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ہیں۔

مصنف نے قیام عاشورہ کی گفتگو میں کوفیوں کے خطوط، مسلم کے کوفہ روانہ ہونے، امام علیہ السلام کی مکہ سے کوفہ کی طرف روانگی ، حُر سے ملاقات اور آخر میں آپ علیہ السلام کی شہادت کی طرف اشارہ کیاہے۔ چونکہ انہوں نے امام علیہ السلام کی مدح اور یزید کی مذمت کی ہے لہٰذا بعض لوگوں نے گمان کیاہے کہ وہ شیعہ تھے۔[2] گیارہویں صدی کے شروع میں ابو جمعہ سعید بن مسعود

۱۔ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج ۲، ص ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۴۵، ۱۴۸، ۱۶۳، ۱۶۷، ۱۷۲، ۱۸۲، ۱۸۵، ۱۸۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۲، ۲۲۱، ۲۴۵، ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۸۲، ۱۳۳، ۱۳۸، ۱۵۱، ۱۵۴، ۱۷۱، ۱۹۳، ۲۱۲، ۲۳۷، ۲۴۰، ۱۷۹، ۲۵۱، ۱۸۶، ۲۲۵، ۲۷۶، ۱۷۹، ۱۸۶، ۲۲۵، ۲۷۶، ۱۸۴، ۱۸۸، ۱۹۷، ۱۹۹۔

۲۔ آقا بزرگ تہرانی، الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، ج ۴، ص ۴۰۹، ج ۸، ص ۱۲۴، ۱۲۵۔

ماغوسی(۱۰۱۶ق) نے پانچ سو کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے اس کتاب کی شرح لکھی ہے جس کا نام" نَظْم الفَرائِد الغُرَر فی سِلك فُصُول الدُرَر" رکھاہے۔[۱]

۳۴۔ترجمة الامام الحسینؑ

کمال الدین عمر بن احمد بن ابی جَرادہ حلبی، المعروف "ابن عَدیم"(۶۶۰ہجری)

جس طرح ابن عساکر کی کتاب "تاریخ مدینۃ دمشق "میں مذکور امام حسینؑ کے حالات زندگی الگ طبع ہوئے ہیں اسی طرح یہ کتاب بھی اصل میں ابن عدیم کی مفصل کتاب "بُغْيَةُ الطَّلَبِ فِي تَارِيخِ حَلَب" کاایک حصہ ہے جو سید عبد العزیز طباطبائی کی تصحیح اور محمد طباطبائی کی تحقیق کے ساتھ مستقل کتاب کی شکل میں شائع ہوئی ہے۔

یہ کتاب امام حسینؑ اور عاشورہ کے متعلق دوسو اڑتالیس (۲۴۸) احادیث پر مشتمل ہے اور مقتل کے حصے کے علاوہ روایت کے انداز میں ہے اور موضوعات اور مباحث کے اعتبار سے ابن عساکر کی کتاب کی طرح ہے۔ مقتل کا پورا حصہ دینوری کی کتاب "الاخبار الطِوال"سے لیا گیاہے جیسا کہ خود مؤلف نے کہا ہے۔[۲]

۳۵۔اَلْمَلْهُوفِ عَلَىٰ قَتْلَى الطُّفُوفِ

علی بن موسی بن جعفر بن طاووس(۶۶۴ہجری)

سید بن طاووس نے اس کتاب کے ابواب کو ابن نما کی کتاب مثیر الاحزان کی طرح تین "ابواب "میں تدوین کیاہے:

پہلاباب: جنگ کے ابتدائی امور۔

۱۔ مزید تفصیل کے لیے رجوع کریں: سید عبد العزیز طباطبائی، اہل البیت فی المکتبۃ العربیۃ، ص۱۶۵، ۱۶۶۔

۲۔اس کتاب کے حصہ مقتل(ص۱۴۱سے ۱۵۶) کامقایسہ کریں، ابوحنیفہ دینوری کی کتاب "اخبار الطوال،"ص۳۶۴تا۳۸۶۔

دوسرا باب: عاشورہ کے دن جنگ اور دیگر امور کی وضاحت۔

تیسرا باب: شہادت کے بعد کے واقعات۔

سید بن طاوس نے اس کتاب کی تالیف کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھا:

میں نے زائرین کے لیے زیارت اور اس کے آداب کے متعلق مصباح الزائر لکھنے کے بعد مصمم ارادہ کیا کہ زائرین کے وقت کی تنگی کو مد نظر رکھتے ہوئے مقتل کی ایک مختصر کتاب لکھوں جو انہیں مقتل کی تفصیلی کتب سے بے نیاز کر دے۔[1]

سید بن طاؤس لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کی تالیف و تدوین اور مخصوص ترتیباور خصوصیات کے پیش نظر گویا دوسروں پر برتری حاصل کی ہے اور اس طرح کی کتاب کی تالیف میں کسی شخص نے اُن پر سبقت حاصل نہیں کی۔[2]

اس کتاب کی روایات، توضیحات، طرزِ انتخاب اور مطالب کی ترتیب ابن نما کی کتاب "**مُثِیْرُالْاَحْزَان**" سے بہت مشابہ ہے؛ البتہ ابن نما کی روایات زیادہ مفصل اور عبارت کے لحاظ سے قدیمی تحریروں سے زیادہ ملتی ہیں؛ لیکن ابن طاؤس کی روایات اکثر مقامات پر مختصر ہیں اور ان میں مفہوم نقل کیا گیا ہے، نہ کہ روایت اصل عبارت؛ اور انہوں نے بعض عبارتیں اپنے الفاظ میں لکھی ہیں۔

سید بن طاؤس کی ایک منفرد روایت، حدیث "مَشِیَّت" یعنی مکہ سے روانگی کے وقت امام حسین علیہ السلام اور محمد حنفیہ کے درمیان ہونے والی گفتگو ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے فرمان سے ماخوذ آپ علیہ السلام کے مشہور دو جملے بھی اسی روایت میں موجود ہیں جن میں سے پہلے جملے میں آپ کے مکہ جانے کی وجہ بیان ہوئی ہے: اِنَّ اللّٰہَ شَاءَ اَنْ یَرَاكَ قَتِیْلاً (بے شک اللہ تعالیٰ تجھے درجہ شہادت پر فائز

۱۔ سید بن طاؤس، الملہوف علی قتلی الطفوف، تحقیق فارس تبریزیان، ص۸۶،۸۷۔

۲۔ سید بن طاؤس، الملہوف علی قتلی الطفوف، تحقیق فارس تبریزیان، ص ۶۵۔

دیکھنا چاہتا ہے) اور دوسرا جملہ اس سوال کے جواب میں ہے کہ آپ خواتین کو اپنے ساتھ کیوں لے کر جا رہے ہیں؟[1]

اگرچہ ملہوف سے پہلے موجود کسی اور کتاب میں یہ بات نہیں ملتی البتہ اس کتاب کے بعض نسخوں کے مطابق سید ابن طاؤوس نے اس روایت کو ایک پرانے مصدر "محمد بن داؤد قمی کی اصل[2]" سے نقل کیا ہے۔

سید بن طاؤوس کے "مثیر الاحزان" سے متاثر ہونے کے احتمال کے ساتھ ساتھ، طبری اور شیخ مفید جیسے متقدم مؤرخین کی تحریروں سے استفادہ کی وجہ سے اس کتاب کے مطالب مقتل خوارزمی سے لیے گئے ہیں اور خود خوارزمی نے بھی اکثر مطالب ابن اعثم کوفی سے لیے ہیں۔

۳۶۔ کَشْفُ الْغُمَّةِ فِی مَعْرِفَةِ الْأَئِمَّةِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

علی بن عیسی اربلی (متوفی ۶۹۲ ہجری)

اربلی نے ائمہؑ کی تاریخ پر مشتمل یہ کتاب ساتویں صدی میں لکھی اور اس کا ایک حصہ جو دوسری جلد کا ایک چوتھائی بنتا ہے،[3] امام حسینؑ کی زندگی اور قیام عاشورہ سے متعلق ہے۔ انہوں نے اسے بارہ ابواب میں ترتیب دیا ہے اور اس کے علاوہ ایک بحث امامؑ کی شہادت کے بعد رونما ہونے والے واقعات کے متعلق ہے۔ ان ابواب کے عناوین مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ امام حسینؑ کی ولادت کا بیان؛ ۲۔ امام حسینؑ کا حسب ونسب؛ ۳۔ آپؑ کا نام رکھے جانے سے متعلق؛ ۴۔ آپؑ کی کنیت اور القاب سے متعلق؛ ۵۔ امام حسینؑ اور آپ کی امامت

۱۔ سید بن طاؤوس، الملہوف علی قتلی الطفوف، تحقیق فارس تبریزیان، ص۱۲۷، ۱۲۸۔

۲۔ علم رجال اور علم حدیث کی اصطلاح میں "اصل" سے مراد حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں نقل شدہ احادیث مؤلف نے یا تو خود امامؑ سے سنی ہیں یا ایک واسطے سے امام سے نقل کی ہیں۔ (جعفر سبحانی، کلیات فی علم الرجال، ص۴۷۵)۔

۳۔ علی بن عیسی اربلی، کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ، ج۲، ص۲۱۲۔۲۸۵۔

کے بارے میں پیغمبر اکرمﷺ کی روایات؛ ٦۔ امامؑ کی عظمت و شجاعت کے بارے میں؛ ۷۔ آنحضرتؑ کی سخاوت کے بیان میں؛ ۷۔ آپؑ کے طرز تکلم کے بیان میں؛ ۹۔ آپؑ کی اولاد اطہار کا بیان؛ ۱۰۔ آنحضرتؑ کی عمر مبارک کا بیان؛ ۱۱۔ آپ کی قتل گاہ کے بارے میں۔

مصنف کے مطابق اس کتاب کی پہلی جلد جو پیغمبر اکرمﷺ اور امیر المومنینؑ کی حیات طیبہ کے متعلق ہے تین شعبان ٦۷۸ ہجری؛[1] اور دوسری جلد جو حضرت زہراءؑ اور دوسرے ائمہؑ کی زندگی کے بارے میں ہے سنہ ٦۸۲ ہجری میں مکمل ہوئی۔[2]

مصنف نے اپنی کتاب میں واقدی کی مقتل الحسین، ابن سعد کی ترجمۃ الحسین و مقتلہ، ابن اعثم کی "الفتوح"، شیخ مفید کی "الارشاد"، ابو نعیم اصفہانی کی "حلیۃ الاولیاء"، ابن خشاب کی "تاریخ موالید الائمہ و وفیاتہم"، محمد بن طلحہ شافعی کی "مطالب السؤول" اور عبد العزیز بن اخضر جنابذی کی "معالم العترۃ الطاہرۃ" جیسی کتابوں سے استفادہ کیا ہے تاہم امام حسینؑ سے مربوط حصے کے اکثر مطالب آخری دو کتابوں سے نقل کیے ہیں۔

۷۳۔ الکامل فی السقیفۃ (کامل بہائی)

حسن بن علی بن محمد بن علی بن حسن طبری المعروف عماد الدین طبری (۷۰۱ ہجری تک زندہ تھے)

جیسا کہ طبری نے خود کہا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب تقریباً بارہ سالوں میں لکھی اور یہ سنہ ٦۷۵ ہجری میں مکمل ہوئی۔[3] یہ کتاب اٹھائیس ابواب اور ہر باب چند فصول پر مشتمل ہے۔ کتاب کی آخری فصول واقعہ کربلا کے آغاز سے اختتام تک کے بیان کے ساتھ مختص ہیں، یعنی ستائیسویں باب کی سترہویں اور اٹھارویں فصل اور اٹھائیسویں باب کی پہلی چھ فصلیں جو سب ملا کر چونتیس صفحات بنتے ہیں۔

۱۔ علی بن عیسی اربلی، کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ: ج۲ ص۱۷۔

۲۔ آقا بزرگ تہرانی، الذریعہ الی تصانیف الشیعہ: ج۱۸ ص۷۴۔

۳۔ عماد الدین طبری، کامل بہائی: ج۲ ص۳۰٦۔

طبری نے واقعہ کربلا کے متعلق اکثر قدیمی منابع کی مشہور روایات نقل کی ہیں، تاہم بعض مقامات پر ایسی روایات بھی دیکھنے کو ملتی ہیں جو قدیمی منابع میں موجود نہیں ہیں مثال کے طور پر انہوں نے امام حسینؑ کی مدینہ سے روانگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپؑ نے محمد حنفیہ کے علاوہ باقی سب بنی ہاشم کو دو سو پچاس اونٹوں پر سوار کیا اور قیس بن سعد بن عبادہ[1] کو حکم دیا کہ وہ دو سو لوگوں کے ہمراہ ان کے پیچھے پیچھے آئے تا کہ اگر حاکم مدینہ کی فوج آپ کو گرفتار کرنے آئے تو یہ لوگ حاکم مدینہ کے فوجیوں پر دھاوا بول کر سب کو قتل کر ڈالیں۔[2] اسی طرح امامؑ کے پس گردن سے ذبح ہونے کا ذکر، حر بن یزید ریاحی کے اپنے رشتہ داروں کے ہاتھوں مقام شہادت پر دفن ہونے کا ماجرا، شہدائے کربلا کے اس علاقے کے رہائشی یہودیوں کے ہاتھوں دفن ہونے کے حوالے سے ایک قول، سولہ ربیع الاول کو اسیر ان اہل بیت کے قافلے کا شام میں داخل ہونا، حضرت ام کلثوم کی دمشق میں وفات، اور امام حسینؑ کی چار سالہ بیٹی کا نام لیے بغیر شہادت کا واقعہ[3]؛ یہ سب ایسے واقعات ہیں جو صرف عماد الدین طبری کی کتاب میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔

دوسرا دور: آٹھویں سے چودھویں صدی ہجری تک

اس تاریخی دورانیہ کے حوالے سے گفتگو کرنے سے پہلے یہ نکتہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ آٹھویں، نویں اور دسویں صدی، مقتل نویسی اور عاشورہ کے موضوع پر تحریر کے انحطاط کا دور ہے۔ اس عرصے میں چند گنی چنی کتابوں کے علاوہ کوئی اہم کتاب نہیں لکھی گئی؛ اور اگر لکھی بھی گئی ہے تو اس کا نام و نشان باقی نہیں رہا؛

۱۔ تاریخی کتب کے مطابق، قیس بن سعد بن عبادہ، معاویہ کے دور حکومت کے آخری سالوں میں اس دنیا سے چل بسا اور اصولی طور پر وہ اس زمانے میں زندہ نہ تھا۔ رجوع کریں: محمد بن سعد، الطبقات الکبری، ج۶، ص۵۳، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، تحقیق مکتب تحقیق التراث، ج۸، ص۱۱۰۔

۲۔ عماد الدین طبری، کامل بہائی: ج۲ص۲۷۱

۳۔ عماد الدین طبری، کامل بہائی: ج۲ص۲۷۱ ، ۲۷۸،۱۷۹، ۲۸۸، ۲۹۳، ۳۰۲۔

حتی کہ بعد میں لکھی جانے والی کتابوں میں بھی اس ذکر نہیں ہے۔ اس دورانیے کی چودھویں صدی میں مقتل نویسی کا عروج تھا؛ البتہ بارہویں اور تیرھویں صدی میں لکھی جانے والی مقاتل کا ایک ہی تاریخی اسلوب رہا ہے۔

اس بات کے پیش نظر کہ آٹھویں صدی کے بعد لکھی جانے والی کتب کا ایک حصہ اس موضوع کی پرانی کتابوں میں موجود روایات مشتمل ہے؛ جبکہ دوسرا حصہ ان روایات پر مشتمل ہے جن کا ماخذ کچھ خاص معتبر نہیں ہے۔ لہٰذا ان کتابوں کی تفصیلی فہرست ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں جن کی تعداد میں بارہویں صدی سے اضافہ ہوتا گیا اور یہ ہماری کتاب کی گنجائش سے بھی باہر ہے۔[1]

ہم یہاں سب سے پہلے اس دورانیے میں لکھی گئی پانچ کتب کا تعارف کرائیں گے جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی اعتبار سے تاریخ عاشورہ کے حوالے سے اہمیت کی حامل ہے اور اس کے بعد چند ان کتب سے روشناس کرائیں گے جنہوں نے واقعہ عاشورہ کا تحریف شدہ چہرہ پیش کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

الف: تاریخ عاشورہ کی پانچ اہم کتب

اگرچہ اس دورانیے میں لکھی گئی بہت سی کتب کے بارے میں گفتگو کرنا وقت لیوا اور بے فائدہ ہے؛ لیکن اس کے باوجود بعض کتب ایسی ہیں جن کی خصوصیات سے آشنائی سود مند اور بسا اوقات ضروری ہے اس لیے ہم ان کتب کا تعارف کراتے ہیں۔

۱۔ البدایۃ والنہایۃ

ابو الفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی (۷۷۴ ہجری)

۱۔ ان کتابوں کی تفصیلی فہرست جاننے کے لیے رجوع کریں: آقا بزرگ تہرانی کی کتاب الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، بالخصوص جلد نمبر ۲۲، اسی طرح عبد الجبار رفاعی کی کتاب معجم ما کتب عن الرسول واہل البیت ع، ج ۷ و ۸، اور محمد اسفندیاری کی کتاب شناسی تاریخی امام حسین علیہ السلام۔

ابن کثیر شافعی مذہب سے تعلق رکھنے والے تاریخ دان ہیں جنہوں نے واقعہ کربلا سے متعلق بہت سی روایات تاریخ طبری سے اختصار کے ساتھ نقل کی ہیں[1] اور مقتل کی بعض دوسری کتابوں جیسے احمد بن حنبل، ابن ابی الدنیا اور بغوی کی مقاتل اور شعبی اور یعقوب بن سفیان جیسے محدثین سے روایات نقل کی ہیں۔[2]

ابن کثیر چونکہ ابن تیمیہ (جس کے تفکرات سے وہابیت کی داغ بیل پڑی)[3] کا شاگرد تھا یہی وجہ ہے کہ وہ ابن تیمیہ کے شیعہ دشمن افکار سے بہت متاثر تھا؛ چنانچہ ابن کثیر نے اپنی کتاب میں شیعوں کی عزاداری کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور اسے ریاکاری قرار دیا ہے۔[4] ابن کثیر نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ امام حسینؑ کے قیام کو بھی اس عنوان سے یاد کیا ہے: " حکمرانی کی خواہش میں حسین بن علیؑ کے خروج کی داستان"۔ ابن کثیر نے امام حسینؑ کے قیام کے اہداف کی غلط تفسیر کرتے ہوئے آپؑ کو معاذ اللہ ایک ایسا قدرت و ریاست طلب شخص گردانا ہے جس نے حکومت کے حصول اور بر سر اقتدار آنے کی خاطر قیام کیا۔ یوں اس نے امام حسینؑ کے الٰہی اور دینی قیام کو دنیاوی سیاست مداری کی حیثیت دینے کی کوشش کی ہے۔

اس کے علاوہ ابن کثیر نے امام حسینؑ کے قیام سے مربوط سنہ ۶۱ ہجری کے واقعات کو اس عنوان سے شروع کیا ہے: "**یہ امام حسین کے مقتل کی تشریح ہے جو اس فن کے ماہرین کے کلام سے ماخوذ ہے، یہ جھوٹ کا پلندا نہیں ہے جیسے شیعہ گمان کرتے ہیں**"؛ اس نے اپنی اس تعبیر سے شیعہ کے ساتھ تصادم کی

۱۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، تحقیق: مکتب تحقیق التراث، ج۸، ص۱۵۶ سے ۲۳۰ تک۔

۲۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، تحقیق: مکتب تحقیق التراث، ج۸، ص۲۰۶، ۲۱۶، ۲۱۸، ۱۷۴، ۱۸۳، ۲۱۸، ۲۱۷، ۱۷۳۔

۳۔ مزید معلومات کے لیے دیکھیں: سید کاظم موسوی بجنوردی و ہمراہان کا تالیف کردہ، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی [فارسی] اسلامی عظیم انسائیکلوپڈیا۔ ج۴، ص۴۱۵

۴۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، تحقیق: مکتب تحقیق التراث، ج۸، ص۲۲۰ سے ۲۲۱ تک۔

فضا ایجاد کرنے کی کوشش کی ہے؛ اگرچہ اُس نے یہاں طبری والی ہی روایات نقل کی ہیں لیکن آخر میں طبری پر ہی اعتراض بھی کیا ہے کہ اس نے ابو مخنف کی روایات نقل کی ہیں جسے اہل سنت رجال کے ماہرین نے شیعہ ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے اگرچہ وہ کافی مہارت رکھتے تھے۔ ابن کثیر نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر طبری جیسے تاریخ دان یہ روایات نقل نہ کرتے تو وہ بھی ہرگز انہیں بیان نہ کرتا؛ اگرچہ اسے اپنی ہی نقل کی ہوئی بعض چیزوں پر اعتراض ہے۔

اسی طرح ابن کثیر نے اگرچہ امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کو ملنے والی دنیوی سزاؤں کو تسلیم کیا ہے اور اس کا نظریہ ہے کہ ان میں سے بہت ہی کم لوگ محفوظ رہے ہیں؛ تاہم امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے فوراً بعد پیش آنے والے غیر معمولی واقعات مثلاً: آسمان کا سرخ ہونا، آسمان سے خون کی بارش، سورج گرہن لگنا، ابن زیاد کے دربار کی دیواروں سے خون جاری ہونا، وغیرہ سے انکار کیا ہے۔ اس نے ان روایات کے طبرانی اور حاکم نیشاپوری کے نقل کرنے کے اعتراف کے باوجود دعوی کیا ہے کہ یہ جھوٹی احادیث، شیعوں نے گھڑی ہیں۔[1]

۲۔ تَسلیۃُ المُجالس وزینۃُ المَجالس

سید محمد بن ابی طالب حسینی موسوی حائری کرکی (وفات دسویں صدی ہجری)

اس کتاب کے مؤلف نویں اور دسویں صدی کے ایک گمنام دانشور ہیں جن کی تاریخ ولادت اور وفات کے متعلق صحیح معلومات ہماری دسترس میں نہیں ہیں؛ بہر حال انہوں نے اسی کتاب میں ایک مقام پر اپنے بارے میں سنہ ۹۲۱ ہجری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے روضہ مبارک کی زیارت کا تذکرہ کیا ہے۔[2] اسی کتاب میں ایک اور مقام پر **"السجع النفیس فی محاورة الغلام (علیہ السلام) و ابلیس"** نامی اپنی دوسری

۱۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، تحقیق: مکتب تحقیق التراث: ج۸، ص ۲۲۰، ۲۲۱، ۱۶۰، ۲۱۹، ۲۲۰۔

۲۔ محمد بن ابی طالب حسینی، تسلیۃ المجالس وزینۃ المجالس، محقق: فارس تبریزیان و حسون کریم: ج۱، ص ۲۱۲۔

کتاب کا ذکر کیا ہے[1] جس کے بارے میں علامہ بزرگ تہرانی نے کہا ہے کہ یہ کتاب ۹۵۵ہجری میں تالیف ہوئی ہے؛[2] اس بنا پر اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب سنہ ۹۵۵ہجری کے بعد لکھی گئی ہے۔

یہ کتاب دس مجالس پر مشتمل ہے۔ پہلی اور پانچویں سے دسویں مجلس امام حسین علیہ السلام سے متعلق ہے۔ دوسری، تیسری اور چوتھی مجلس بالترتیب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ، امیر المومنین علیہ السلام اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے بارے میں ہے؛ چونکہ اس کتاب کا اکثر حصہ امام حسین علیہ السلام سے مربوط ہے اس لیے یہ کتاب "مقتل الحسین" کے نام سے بھی شہرت رکھتی ہے۔[3]

مؤلف نے کتاب روضہ الشہدا کا نام لیے بغیر کہا ہے کہ میں نے اپنی اس کتاب کو اسی طرز پر لکھا ہے؛[4] لیکن اسے روضہ الشہدا کے ساتھ مقائسہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ترتیب روضہ الشہدا سے نہیں ملتی۔

یہ کتاب تاریخ اور حدیث کا ملا جلا نمونہ ہے۔ مصنف، واقعہ کربلا کو بیان کرنے میں مقتل خوارزمی سے مکمل طور پر متأثر ہے اور اُس نے مقتل خوارزمی کی بہت سی روایات تھوڑے فرق کے ساتھ اس کتاب میں نقل کی ہیں۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں اس کتاب سے کافی استفادہ کیا ہے۔ اس کتاب میں امام حسین علیہ السلام سے مربوط مجالس کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلی مجلس: امام حسین علیہ السلام پر ڈھائے جانے والے مظالم اور آپ پر گریہ کرنے کا ثواب۔

پانچویں مجلس: امام حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب اور آپ کی شہادت سے متعلق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے منقول روایات۔

۱۔ سابقہ حوالہ، ص۵۰۔

۲۔ آقابزرگ تہرانی، الذریعہ الی تصانیف الشیعہ: ج۱۲، ص۱۴۸۔

۳۔ سابقہ حوالہ، ج۲۲، ص۷۲، محمد باقر مجلسی، بحار الانوار: ج۱، ص۲۱۔

۴۔ محمد ابن ابی طالب حسینی، تسلیۃ المجالس وزینۃ المجالس: ج۱، ص۵۱۔

چھٹی مجلس: امام حسین علیہ السلام کی مدینہ سے روانگی، مکہ میں ٹھہرنا اور حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجنا۔

ساتویں مجلس: امام عالی مقام کی کوفہ روانگی، راستے کے واقعات اور کربلا پہنچنے سے لے کر آپ اور آپ کے اصحاب کی شہادت تک کے واقعات کے بارے میں۔

آٹھویں مجلس: عاشورہ کے بعد پیش آنے والے واقعات اور اسیران اہل بیت علیہم السلام کو کوفہ و شام لے جانے اور ان کے خطبات کے کے بارے میں۔

نویں مجلس: مختلف ابحاث مثلاً امام حسین علیہ السلام کے زخموں کی تعداد، آپ کی شہادت سے متعلق روایات، شہادت کا اجر و ثواب، بنی امیہ اور بنی عباس کے حکمرانوں کا امام حسین علیہ السلام کے مزار کے بارے میں رویہ اور جنابِ مختار کا قیام۔

دسویں مجلس: امام حسین علیہ السلام کی زیارت کی فضیلت اور ثواب کا بیان۔

۳۔ بحار الانوار

تالیف علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۱۱۰ ہجری)

علامہ مجلسی نے بحار الانوار کی چوالیسویں جلد کے چوبیسویں باب اور مکمل پینتالیسویں جلد میں ائمہ معصومین علیہم السلام کی زندگی کی تفصیل کے تسلسل میں تقریباً ڈیڑھ جلد کو امام حسین علیہ السلام کی حیات طیبہ، آپ علیہ السلام کی شہادت اور اس کے بعد ہونے والے واقعات کے بیان کے ساتھ مختص کیا ہے۔ بحار الانوار کے اس حصے کو "مقتل بحار الانوار" کہا جاتا ہے۔ اس جلد کی تالیف ربیع الاول سنہ ۱۰۷۹ ہجری کو مکمل ہوئی۔[1]

ان دو جلدوں کے عناوین درج ذیل ہیں:

۱۔ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۴۰۹۔

امام علیہ السلام کی امامت؛ معجزات اور اخلاقی اوصاف و کمالات؛ معاویہ کے ساتھ کیے گئے احتجاج، آیات قرآنی کا ذکر جن کی تاویل آپ کی شہادت سے کی گئی ہے؛ اللہ تعالی کا اپنے انبیاء کو آپ علیہ السلام کی شہادت کی خبر دینا؛ پیغمبر اکرم ﷺ، امیر المومنین علیہ السلام اور خود امام حسین علیہ السلام کا اپنی شہادت کی خبر دینا؛ آپ علیہ السلام کی مصیبت پر گریہ کرنے کا اجر و ثواب؛ یزید کی لوگوں سے بیعت لینے سے لے کر آپ علیہ السلام کی شہادت تک کے واقعات؛ آپ علیہ السلام کی شہادت کے بعد رونما ہونے والے واقعات؛ ایسے غیر معمولی واقعات کا بیان جو آپ علیہ السلام کی شہادت کے بعد رونما ہوئے (جیسے: آسمان اور زمین کا گریہ کرنا، چاند گرہن، سورج گرہن وغیرہ)؛ آپ کے غم میں کہے گئے مرثیے؛ آنحضرت کے قاتلوں کو ملنے والی سزائیں؛ اس زمانے کے لوگوں کے حالات؛ آنحضرت کی ازواج اور اولاد؛ مختار ثقفی کی زندگی کے حالات اور حکمرانوں کے آپ کی مزار پر ڈھائے جانے والے مظالم کا بیان۔

بحار الانوار کی جلد نمبر ۹۸ بھی امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے اجر و ثواب اور فضیلت کے بیان پر مشتمل ہے نیز مختلف روایات میں منقول آپ کی زیارات کا بیان بھی اسی جلد میں موجود ہے۔

علامہ مجلسی نے چونکہ اس کتاب میں واقعہ کربلا کے متعلق کئی مصادر سے روایات جمع کی ہیں اور روایات پر اعتماد اور مثبت نظر کی وجہ سے کچھ ضعیف، مرسل، بے بنیاد یا مجہول روایات بھی شامل ہو گئی ہیں[۱] جس کا تذکرہ اس پر تحقیقی حاشیہ لگانے والوں نے اپنے حواشی میں کیا ہے۔

محمد حسن ہشترودی تبریزی نے "**محن الابرار فی ترجمۃ مقتل بحار الانوار در معجزہ و مصیبت نور دیدہ احمد مختار**" کے عنوان سے مقتل بحار الانوار کا ترجمہ کر کے نشر کیا ہے۔[۲] اسی طرح اسی حصے کو منظم طریقے سے "**المختار من مقتل بحار الانوار عرض وثائقی موجز لاحداث ثورۃ الحسین**علیہ السلام" کے عنوان سے محسن اراکی کی کاوش سے شائع کیا گیا۔

۱۔ سابقہ حوالہ، ص ۱۹۴-۱۹۳۔

۲۔ خان بابا مشار، فہرست کتابہای چاپی فارسی، ج ۴، ص ۴۶۳۰۔

علامہ مجلسی نے اپنی کتاب جلاء العیون کا ایک تہائی سے زائد حصہ امام حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب، شہادت اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات سے متعلق روایات کے ساتھ مختص کیا ہے۔[۱] اس کتاب میں پرانی اور نئی کتب سے متعدد روایات نقل ہوئی ہیں؛ البتہ بحار الانوار کی طرح اس میں بھی ضعیف اور جعلی روایات موجود ہیں۔[۲]

۴۔ مقتل الامام الحسین علیہ السلام

عبداللہ بحرانی (۱۱۳۰ ہجری)

عبداللہ بحرانی، علامہ مجلسی کے برجستہ شاگرد ہیں۔ آپ نے اپنی مفصل کتاب "عوالم العلوم والمعارف والاحوال من الآیات والاخبار والاقوال" کی سترہویں جلد میں ستائیس ابواب پر مشتمل امام حسین علیہ السلام کے حالات زندگی، آپ کے قیام اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات کے ساتھ ساتھ مختار ثقفی کے قیام کو بھی تحریر کیا ہے۔ عوالم العلوم کے ابواب کی ترتیب اور عناوین بحار الانوار سے ملتے جلتے ہیں کیونکہ انہوں نے اس کتاب کی دیگر جلدوں کی طرح اس جلد کے مطالب میں بھی اکثر و بیشتر اپنے استاد کی بحار الانوار سے لے کر کچھ اور باتوں کا اضافہ کیا ہے، اسی وجہ سے بحار الانوار کی نسبت اس کے تقریباً سو صفحات زیادہ ہوگئے ہیں۔ البتہ اس کتاب کے ابواب اور فصول کی ترتیب بحار الانوار کی نسبت زیادہ بہتر ہے۔

۵۔ قمقام زخّار و صمصام بتّار

فرہاد میرزا معتمد الدولہ (۱۳۰۵ ہجری)

اس کتاب کے مولف عباس میرزا کے فرزند اور فتح علی شاہ کے نواسہ ہیں جو ناصری حکومت کے زمانے میں شاہی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔[۳] اس کتاب کی تالیف کا آغاز سنہ ۱۳۰۳ ہجری اور

۱۔ علامہ محمد باقر مجلسی، جلاء العیون، ص ۲۶۲ سے ۷۴۴ تک۔

۲۔ نمونہ کے لیے جلاء العیون کے ان صفحات کا مطالعہ کریں: ۳۷۰-۳۷۱، ۳۷۷-۳۷۶، ۳۸۷۔

۳۔ مولف کے حالات زندگی کے بارے میں جاننے کے لیے رجوع کریں: اسماعیل نواب صفا کی کتاب: شرح حال فرہاد میرزا معتمد الدولہ کی طرف۔

اختتام ذی الحجہ کے مہینے سنہ ۱۳۰۴ ہجری میں ہوا۔ یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی۔ اس کی تالیف کی وجہ یہ ہے کہ مؤلف نے قرآن سے فال نکالی اور منت مانی (جس کے پورا ہونے پر) یہ کتاب لکھی۔[1] انہوں نے اس کتاب کا نام "قمقام زخّار و صمصام بتّار" (یعنی موجزن سمندر اور شمشیر قاطع) رکھا۔ یہ مقتل کی ایک اہم کتاب شمار ہوتی ہے کیونکہ خود مؤلف کے بقول اس کتاب کے لکھنے میں بہت تحقیق کی گئی ہے اور گیارہویں صدی کے بعد لکھی جانے والی کتب سے (ان کے معتبر نہ ہونے کی وجہ سے) استفادہ نہیں کیا گیا۔[2] اسی وجہ سے یہ کتاب اپنے زمانے میں حتی اس سے پہلے لکھی جانے والی دوسری کتابوں کی نسبت بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔

یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد میں امام حسینؑ کے حالات زندگی، مسلم بن عقیل کا قیام اور قیام امام حسینؑ کے ساتھ مربوط واقعات سے لے کر روز عاشورہ اصحاب کی شہادتوں تک کا بیان ہے۔ اور دوسری جلد میں امام حسینؑ اور دیگر بنی ہاشم کی شہادتوں اور شہادت کے بعد پیش آنے والے واقعات جن میں اہل بیت اطہارؑ کی اسیری، انہیں کوفہ وشام لے جایا جانا اور پھر مدینہ کی طرف لوٹایا جانا، شامل ہیں۔ اسی طرح امام عالی مقام کے قاتلوں کو ملنے والی دنیاوی سزائیں، توابین اور مختار کا قیام اور امامؑ کے سوگ میں کہے گئے اشعار کا بیان بھی شامل ہے۔

اس کتاب کا ایک تحقیقی اور سنہری پہلو یہ ہے کہ اس میں شخصیات اور مقامات کے ناموں اور ان کے مفاہیم کی درست وضاحت، الفاظ کے معانی، اشعار اور ضرب الامثال کی وضاحت اور بعض افراد کے حالات زندگی کو بالکل انداز سے ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ فرہاد میرزا معتمد الدولہ، قمقام زخار و صمصام بتار، مقدمہ عماد زادہ، مصحح: محرمی زندی، ص۴، اور مقدمہ مولف، ص۸ و ص۸۵۳، ۵-۶۔

۲۔ سابقہ حوالہ، ص۸۔

ب: آخری صدیوں میں غیر معتبر روایات پر مشتمل بعض مقاتل

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے آخری صدیوں میں سید الشہدا علیہ السلام کے قیام کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن میں سے بعض کتابیں مؤلف کی شہرت یا کتاب کی کچھ خصوصیات کی وجہ سے عاشورہ کی تاریخ میں ضعیف اور توہین آمیز روایات کو رواج دینے کا سبب بنیں۔ البتہ جن اسباب کی وجہ سے تاریخ عاشورہ میں غیر معتبر اور ضعیف روایات، کتابوں میں نقل اور مشہور ہوئی ہیں ان کے بارے میں تحقیق کرنے کے لیے علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے لیکن اس کتاب میں اختصار کے ساتھ جس بات کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ پانچویں صدی ہجری کے بعد سے واقعہ کربلا کے بارے میں تالیف و تصنیف میں تدریجاً زوال آنا شروع ہو گیا۔ جس کی ایک وجہ قدیمی کتب سے دوری اور ان کا فراموشی کی نذر ہو جانا ہے اور دوسرے ان کتابوں کا نظر انداز کیا جانا، یہاں تک کہ بعض متعصب مذہبی فرقوں نے ان کتابوں کو جان بوجھ کر نابود کیا جبکہ عام لوگوں میں واقعہ عاشورہ کی تفصیلی جزئیات سننے کی طلب پائی جاتی تھی۔ ان سب اسباب کی بنا پر تحقیقی کتب کی بجائے ادبی اور سماجی نکتہ نظر سے لکھی جانے والی تالیفات سامنے آئیں جن کا زیادہ انحصار مؤلف کے ذاتی سلیقہ اور ذوق پر تھا اور جن کتابوں کی لکھنے والوں پر معاشرے کی سماجی صورت حال کی تاثیر، اور پڑھنے والوں کے سلیقے اور مطالبات اثر انداز تھے۔

دوسرے لفظوں میں مذکورہ دلائل کی وجہ سے پانچویں صدی کے بعد مقتل اور تاریخ عاشورا لکھنے والوں کی زیادہ توجہ قدیمی مصادر کی طرف نہ تھی جو کہ اس تاریخ کا اصل سرچشمہ تھے۔ اسی طرح اس واقعے کی عظمت اور شیعہ معاشرے حتی کہ اہل سنت کے بعض حلقوں میں واقعہ کربلا کی جزئیات سے آگاہی کی بڑھتی ہوئی طلب اس بات کا باعث بنی کہ بعض روایات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لکھاریوں نے اپنی صلاحیت اور ذوق کے مطابق واقعہ کربلا کے واقعات میں کچھ اضافے کر دیے یہاں تک کہ دسویں صدی کے بعد روضۃ الشہدا نامی کتاب لکھی گئی جس سے اس فکر میں اور زیادہ تیزی آئی اور بعد والی چار صدیوں میں طُرَیحی کی "المنتخب"، قزوینی کی "تظلم الزہراء"، نراقی کی "محرق القلوب"، بہبہانی

کی "دمعۃ الساکبہ"، محمد مہدی حائری مازندرانی کی "معالی السبطین"، ملا حبیب اللہ شریف کاشانی کی "تذکرۃ الشہدا" اور سب سے بڑھ کر فاضل دربندی کی کتاب "اکسیر العبادات" سامنے آئی اور چونکہ ان کتابوں کے لکھاریوں نے اس اہم واقعہ (عاشورہ) کے سیاسی پہلوؤں پر توجہ نہیں دی اور قیام امام حسینؑ کے فلسفہ اور اہداف کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا اور نہ ہی اس کے نتائج و آثار کو مد نظر رکھا کہ اس لیے واقعہ کربلا کو اللہ تعالی کی طرف سے ایک آزمائش کا نام دے کر نفسیاتی پہلو اجاگر کیے جن کا لازمہ غم واندوہ کا عنصر تھا اور پھر اس تفسیر میں وہ کسی تاریخی منبع کے پابند بھی نہ رہے؛ بلکہ ان کے مد نظر صرف ایسی کتاب تالیف کرنا تھی جو سو فیصد احساساتی اور غم انگیز ہو؛ تاکہ مجالس عزاء کے سامعین زیادہ سے زیادہ غمزدہ ہوں، عزاداری کریں اور اشک بہائیں۔

اسی لیے مقتل میں مصیبت، غم واندوہ، غربت و بے کسی، پیاس، اسیری، آزمائش جیسے الفاظ بہت زیادہ رواج پاگئے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ عوام کے پسندیدہ شعراء اور مرثیہ خوان حضرات نے کردار ادا کیا۔ مخفی نہ رہے کہ بہت سی روایات میں امام حسینؑ پر گریہ کا بہت زیادہ ثواب بتایا گیا ہے؛ لیکن اصل مسئلہ یہ تھا کہ بعض مقتل نگاروں نے یہ اجر و ثواب حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کے وسیلے کو صحیح سمجھا، اگرچہ اس واقعہ کے بارے میں معتبر روایات کو نظر انداز ہی کیوں نہ کرنا پڑے؛ کیونکہ بہت سی صحیح روایات اس تفسیر اور سلیقے سے مطابقت نہ رکھتی تھیں اور اس ہدف (یعنی صرف رونے کے ثواب) تک پہنچانے کے لئے کافی نہ تھیں۔

بہر حال اگر عاشورہ کی تاریخ کے بارے میں صفوی دور حکومت کے بعد اور اکثر قاجاری دور حکومت میں لکھی جانے والی بعض کتابوں کے ناموں کو دیکھا جائے تو ہمارے اس دعوے کی تائید ہوتی ہے مثلاً:

طریق البکاء، طوفان البکاء، عمان البکاء، محیط البکاء، امواج البکاء، ریاض البکاء، مفتاء البکاء، منبع البکاء، مخزن البکاء، معدن البکاء، مناهل البکاء، مجری البکاء، سحاب البکاء، عین البکاء، کنز الباکین، بکا العین، مبکی العیون، مبکی العینین، المبکیات، بحر البکاء فی مصائب المعصومین، بحر

الحزن، بحر الدموع، بحار الدموع، فیض الدموع، عین الدموع، سحاب الدموع، ینبوع الدموع، منبع الدموع، دمع العین، مخازن الاحزان، بیت الاحزان، ریاض الاحزان، قبسات الاحزان، بحر غم، داستان غم، غمکدہ، ماتم کدہ، بستان ماتم، ہم وغم، نشتر غم، کنز المصائب، مجمع المصائب، وجیزۃ المصائب، اکلیل المصائب، ابتلاء الاولیاء، بلاء وابتلاء در روید اد کربلا۔

ذیل میں ہم کچھ کتابوں کا تعارف کرواتے ہیں جو تاریخ عاشورہ کے حوالے سے غیر معتبر اور نادر روایات اور بہت سے نا قابل اعتماد واقعات، تفصیلات، جزئیات اور بڑھاوٴ چڑھاوٴ پر مشتمل ہیں جنہیں تاریخ نویسی کے علمی معیارات کی بنا پر قبول نہیں کیا جا سکتا۔ سب سے پہلے یہ چیزیں انہی کتابوں میں ذکر ہوئیں اور پھر بعد والی کتابوں میں سرایت کر گئیں اور آہستہ آہستہ مقاتل کی کتب میں رائج اور مشہور ہو گئیں۔ لہٰذا جو باتیں صرف انہی کتابوں میں لکھی ہیں ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

۱۔ روضۃ الشہدا

کمال الدین حسین بن علی واعظ کاشفی (متوفی ۹۱۰ ہجری) فارسی ادب کے استاد اور روضۃ الشہدا کے موٴلف ہیں۔ انہوں نے اس کتاب میں حضرت آدم سے لے کر پیغمبر اکرم ﷺ تک انبیاء کے مصائب لکھے ہیں اور اس کے بعد ائمہ علیہم السلام کے مصائب بیان کیے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب کا آدھے سے زیادہ حصہ یعنی چار باب امام حسین علیہ السلام کے حالات زندگی، واقعہ کربلا اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات کے ساتھ مختص کیے ہیں۔ ان ابواب کی فہرست درج ذیل ہے:

ساتواں باب: امام حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب کے بارے میں ہے جس میں آپ کی ولادت اور امام حسن علیہ السلام کے بعد بعض حالات کا تذکرہ ہے۔

آٹھواں باب: جناب مسلم بن عقیل اور ان کی اولاد کی شہادت کے بارے میں ہے۔

نواں باب: امام حسین علیہ السلام کا کربلا پہنچنے اور دشمنوں سے جنگ کرنے کے بارے میں ہے؛ نیز آپ اور آپ کی اولاد، اقرباء اور دیگر شہداء کی شہادت کا تذکرہ بھی ہے۔

دسواں باب: اہل بیت اطہارؑ کو واقعہ کربلا کے بعد پیش آنے والے حالات اور امامؑ کے ساتھ جنگ کرنے والے دشمنوں کو ملنے والی سزاؤں کے بارے میں ہے۔[1]

چونکہ کاشفی صوفیانہ طرز فکر کے حامل تھے اس لیے واقعہ کربلا کے متعلق انہوں نے جو تحلیل پیش کی ہے اس کی بنیاد اولیائے خدا کے رنج سہنے پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے واقعہ کربلا کے ذریعہ اپنے ایک برگزیدہ بندے کو اس لیے رنج و مصیبت میں مبتلا کیا کہ اسے بلند درجات تک پہنچائے؛ کیونکہ یہ خدائی طریقہ کار ہے کہ تمام اولیائے الٰہی اور مقربین، مصیبت کا جام ضرور پییئں:

آنکہ در این بزم مقرب تر است | جام بلا بیشترش می دهند
و آنکه ز دلبر نظر خاص یافت | داغ عنا بر جگرش می نهند[2]

یعنی وہ جو اس بزم میں زیادہ قربت رکھتا ہے اسے مصیبت کا جام زیادہ ملتا ہے اور جو اپنے محبوب کی نظروں میں جگہ بنالیتا ہے تو اس کے جگر پر آزمائشوں کے داغ لگتے ہیں۔

انہوں نے کتاب کے شروع سے آخر تک، عاشورہ کے دیگر پہلوؤں بالخصوص سیاسی پہلوؤں کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی۔

کاشفی نے یہ کتاب، شہر ہرات کی ایک بزرگ شخصیت "مرشد باللہ "عرف "سید میرزا" کے کہنے پر اپنی عمر کے آخری حصے میں لکھی۔[3]

یہ کتاب سنہ ۹۰۷ ہجری میں لکھی گئی کیونکہ خود مؤلف نے کہا ہے کہ جب محرم کا چاند نظر آئے گا تو امام حسینؑ کی شہادت کے دن سے اس کتاب کی تالیف کے دن تک تقریبا آٹھ سو سنتالیس سال ہو جائیں گے۔[1]

۱۔ واعظ کاشفی، روضۃ الشہدا، مصحح: محمد رمضانی، ص ۱۵-۱۴۔

۲۔ واعظ کاشفی، روضۃ الشہدا، مصحح: محمد رمضانی، ص ۱۱۔

۳۔ واعظ کاشفی، روضۃ الشہدا، مصحح: محمد رمضانی، ص ۱۴۔

ملا کاشفی کے مذہب کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان کا نام حسین اور جائے ولادت ایران کا شہر سبزوار ہے جو عرصہ دراز سے شیعوں کا علاقہ مشہور ہے لہٰذا شاید وہ شیعہ ہوں[1] لیکن کچھ شواہد و قرائن موجود ہیں جو ان کے سُنی ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں مثلاً ان کا شہر ہرات میں لمبا عرصہ سکونت اختیار کرنا، امیر علی شیر نوائی اور عبد الرحمان جامی کے ساتھ ملا کاشفی کی دوستی جو نقشبندی سلسلے کے صوفی تھے؛ چنانچہ یہ بات بھی ہم جانتے ہیں کہ صوفیاء کا یہ واحد گروہ ہے جو حضرت ابو بکر کو اپنے سلسلے کا سردار مانتا ہے۔ بہر حال یہ دونوں افراد اگرچہ اہل بیت اطہار علیہم السلام سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے تاہم رافضیوں (شیعوں) سے بیزار تھے؛[2] اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ ملا کاشفی حنفی مذہب سے تعلق رکھنے والے سنی تھے جیسا کہ آفندی نے میر داماد سے نقل کرتے ہوئے انہیں حنفی مذہب کا پیروکار سمجھا ہے۔[3]

ملا کاشفی نے اپنی کتاب کے مصادر کے متعلق زیادہ معلومات فراہم نہیں کیں اور اہم ترین روایات نقل کرتے وقت منبع اور مصدر ذکر کرنے سے کنارہ کشی کرتے نظر آتے ہیں اور جن منابع کا انہوں نے ذکر کیا ہے ان میں سے بہت سے غیر مشہور اور نا قابل اعتماد ہیں۔ چنانچہ ملا آفندی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ملا کاشفی نے اپنی کتاب میں عیون اخبار الرضا، الارشاد، اعلام الوری اور کتاب الآل ابن خالویہ جیسی شیعہ کتبسے استفادہ کیا ہے، لیکن اس بات کا بھی اضافہ کیا ہے کہ: "البتہ اس کتاب کی اکثر بلکہتمام روایات غیر مشہور اور نا قابل اعتماد منابع سے لی گئی ہیں"[4]

۱۔ واعظ کاشفی، روضۃ الشہدا، مصحح: محمد رمضانی، ص ۳۵۴۔

۲۔ ملا کاشفی کے حالات زندگی اور کتاب روضۃ الشہدا سے متعلق مزید جاننے کے لیے رسول جعفریان کے مقالے "ملا حسین واعظ کاشفی اور روضۃ الشہدا" کی طرف رجوع کریں۔

۳۔ ملا عبد اللہ آفندی، ریاض العلماو حیاض الفضلاء، محقق: سید احمد حسینی: ج۲، ص۱۸۶۔

۴۔ ملا عبد اللہ آفندی، ریاض العلماو حیاض الفضلاء، محقق: سید احمد حسینی: ج۲، ص۱۹۰۔

علمی لحاظ سے اس کتاب کے نامعتبر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ملا کاشفی نے اس اہم واقعہ کو بیان کرتے وقت تاریخ نویسی کے علمی طریقہ کار یعنی واقعہ کربلا کے اصلی اور قدیمی منابع میں موجود روایات کے تنقیدی جائزے اور چھان بین کے مسئلہ کو مد نظر نہیں رکھا؛ بلکہ روضۃ الشہدا تاریخی کتاب ہی نہیں ہے؛ بلکہیہ ادبی اور تاریخی ناول ہے[1] جسے مؤلف نے اپنی زندگی پر محیط ثقافتی اور سماجی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کتاب ایسے دور کی پیداوار ہے جب ایران اور ماوراء النہر کے علمی مراکز میں علمی تنقید اور تحقیق کا کوئی وجود نہ تھا اور ابو مسلم اور حمزہ کے خطوط جیسی افسانوی طرز کی ادبی کتب لوگوں کی دسترس میں تھیں جن کے نابود ہونے کے بعد ملا کاشفی کی کتاب نے ان کی جگہ لے لی۔[2]

دور حاضر کے ایک معروف لکھاری اس کتاب کے اسلوب اور تاریخ نگاری کے علمی وزن کے متعلق رقم طراز ہیں:

> **روضۃ الشہدا تاریخی کتاب ہونے سے زیادہ تاریخی کہانیوں کا مجموعہ ہے اور چونکہ اس میں داستان گوئی کی گئی ہے اس لیے یہ خیالی پہلو بھی رکھتی ہے اور چونکہ اس کے مؤلف، ادیب اور انشاء نویس تھے اس لیے اس کتاب میں داستان سازی بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔[3]**

اس کتاب کا عام لوگوں بلکہ بعض دانشوروں میں مقبولیت حاصل کرنا اس بات کا باعث بنا کہ اس کتاب نے شیعہ اور اہل سنت کی مجالس عزا میں بہت جلد اپنا مقام بنالیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایران کے واعظ اور خطباء اپنی مجالس میں امام حسینؑ اور آپ کے خاندان کے مصائب اسی کتاب سے دیکھ کر پڑھنے لگے اور روضہ خوان (یعنی روضۃ الشہدا پڑھنے والے) کا لفظ اسی سے مشہور ہو گیا۔[4]

۱۔ رسول جعفریان، تاملی در نہضت عاشورا: ص ۳۵۴۔

۲۔ رسول جعفریان، تاملی در نہضت عاشورا: ص ۳۵۴۔

۳۔ محمد اسفندیاری، کتاب شناسی تاریخی امام حسین: ص ۹۲۔

۴۔ خوانساری، روضات الجنات،، محقق: اسد اللہ اسماعیلیان: ج ۳، ص ۲۳۰۔

اس حوالے سے آخری بات یہ ہے کہ اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے کتابخانوں میں موجود ہیں اور کئی مرتبہ اس کتاب کا خلاصہ بھی لکھا گیا ہے اور متعدد زبانوں میں ترجمہ بھی کیا گیا جن میں سے بعض منظوم تراجم بھی ہیں۔

غیر معتبر روایات کے چند نمونے

۱۔ دس ہزار شامیوں کا عامر بن طفیل کی سپہ سالاری میں ابن زیاد کے ساتھ ملنا[۱] جبکہ دوسرے مقتل نویسوں اور تاریخ دانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کربلا میں شام سے کوئی فوج نہیں آئی تھی۔[۲]

۲۔ امام حسین علیہ السلام اور ابن سعد کی فوج میں بعض جعلی ناموں کا ذکر جیسے زہیر بن حسان اسدی، سامر، حجر حجّار، حماد بن انس، وقاص بن مالک، شریح بن عبید، قیس بن منبہ، ہاشم بن عتبہ۔[۳]

۳۔ ماخذ اور منبع ذکر کیے بغیر حضرت قاسم کی شادی کا تذکرہ۔[۴] معلوم ہوتا ہے کہ بعد والے مقتل نویسوں نے اس قصے کو اسی کتاب سے لے کر اپنی کتب میں درج کیا ہے۔

۲۔ اَلْمُنْتَخَبُ فِیْ جَمْعِ الْمَرَاثِیْ وَالْخُطَبِ (المعروف "الفخری")

المنتخب کے مؤلف فخر الدین محمد بن علی طُرَیحی (۹۷۹ سے ۱۰۸۹ ہجری) ہیں۔ انہیں فاضل، اہل علم، فقیہ، جلیل القدر محدث، دانشور، ادیب، لغت دان، شاعر، اور شیعہ عالم دین کے طور پر جانا جاتا ہے۔ طریحی نے متعدد علمی تالیفات، شروحات اور گزشتہ علما کی کتب پر اصول، فقہ، حدیث، رجال اور دیگر موضوعات پر حواشی تالیف کیے ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب "مجمع البحرین و مطلع النیرین"[۵] ہے، جو

۱۔ واعظ کاشفی، روضۃ الشہدا، مصحح: محمد رمضانی: ص ۲۲۳۔

۲۔ مسعودی، مروج الذہب، محقق: محمد محی الدین عبد الحمید، ج ۳، ص ۲۵۷۔ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص: ج ۲، ص ۱۶۱۔

۳۔ واعظ کاشفی، روضۃ الشہدا، مصحح: محمد رمضانی: ص ۲۸۳، ۳۰۴۔

۴۔ واعظ کاشفی، روضۃ الشہدا، مصحح: محمد رمضانی: ص ۳۲۱۔ ۳۲۲۔

۵۔ میرزا محمد علی مدرس، ریحانۃ الادب، ج ۳، ص ۳۱-۳۰، طریحی، مجمع البحرین، محقق: سید احمد حسینی، محقق کا مقدمہ۔

قرآن وحدیث کے الفاظ کی وضاحت میں لکھی گئی ہے۔اس کتاب کو اہل سنت کے مشہور عالم ابن اثیر مجد الدین مبارک جزری(۶۰۶-۵۴۴ہجری) کی کتاب "النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر" کی مثل کہا جاتا ہے اور یہ اپنے موضوع میں ایک قیمتی کتاب ہے جس سے آج تک محققین فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

کتاب "المنتخب" کو امام حسینؑ کے حالات زندگی، قیام عاشورہ یا مقتل سید الشہدا کی کتاب نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ غمگین روایات اور مرثیوں کا ایک مجموعہ ہے جو خطابت، نثر اور اشعار کے قالب میں مرتب کی گئی ہے۔اس کتاب کی اکثر مباحث امام حسینؑ سے متعلق ہیں؛ جبکہ کچھ مباحث دیگر ائمہؑ سے مربوط ہیں اور یہ کتاب کشکول طرز پر تالیف کی گئی ہے۔اس کتاب کے دو حصے ہیں، ہر حصے میں دس مجالس ہیں اور ہر مجلس چند ابواب پر مشتمل ہے۔ہر مجلس اور ہر باب میں غیر مربوط متعدد مباحث ذکر ہوئی ہیں۔ طریحی نے اس کتاب کی تالیف میں کاشفی کی کتاب روضۃ الشہدا کے مندرجات پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے بہت سی غلط باتیں نقل کی ہیں۔طریحی نے دیگر قلمی آثار کے برعکس، اس کتاب کی تالیف میں علمی غور وخوض اور باریک بینی کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا۔مرحوم محدث نوری نے مقاتل میں جھوٹی اور بے بنیاد باتوں کے پائے جانے کی ایک اہم وجہ، علما کی چشم پوشی بتائی ہے۔[1]

کتاب کا متن، اس بات کا گواہ ہے کہ مؤلف نے اس کتاب کے مضامین کو محرم کے ایام میں مجالس عزا کے دوران پڑھا اور پھر انہیں مجالس کی صورت میں ترتیب دیا ہے۔حدیث شناس اور دانشوروں نے مؤلف کو غیر معتبر اور بے بنیاد باتیں نقل کرنے کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔[2] ان سب چیزوں کے باوجود اس کتاب نے ذاکرین کے درمیان اپنی جگہ بنالی اور اس میں منقول بہت سی باتیں بعد والی کتابوں میں بھی نقل ہوئیں اور آخری صدیوں میں مجالسِ امام حسینؑ میں بہت سی تحریفات کی راہ ہموار ہوئی۔

۱۔ محدث نوری، لؤلؤ و مرجان، ص۱۸۷۔

۲۔ میرزا محمد اشراقی، الاربعین الحسینیہ، ص۱۴، ۵۶، ۲۰۸۔

غیر معتبر روایات کے چند نمونے

۱۔ عمرو بن سعد کی فوج کی تعداد ستر ہزار افراد۔[۱]

۲۔ یہ جملہ اِسْقُوْنِیْ شُرْبَةً مِنَ الْمَاءِ[۲] "یعنی مجھے ایک گھونٹ پانی پلا دو"، امام حسین علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا؛ جبکہ معتبر کتابوں میں یہ جملہ نقل نہیں ہوا۔

۳۔ حضرت قاسم کی شادی کی داستان۔[۳]

۴۔ دشمن کی فوج کے دس ہزار افراد کا امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونا؛ لیکن چونکہ ان کی تعداد زیادہ تھی اس لیے اتنی زیادہ تعداد کے قتل ہو جانے کے بعد بھی ان کی فوج میں کوئی دراڑ نہ پڑ سکی۔[۴]

۵۔ امام علیہ السلام کے ساربان (اونٹ کے نگہبان) کا واقعہ اور گیارہویں محرم کی رات میں امام حسین علیہ السلام کے بدن اطہر کے ساتھ اُس کے بے شرمانہ ظلم کی داستان۔[۵]

۶۔ امام حسین علیہ السلام پر رونے والے شیر کی داستان۔[۶]

۳۔ مقتل الحسین (جو ابو مخنف کی طرف منسوب ہے)

پہلے بھی اس بات کی طرف اشارہ ہو چکا ہے کہ واقعہ کربلا کے حوالے سے ابو مخنف کی روایات کے معتبر ہونے اور ان کی اہمیت کی وجہ سے چھٹی صدی ہجری میں بعض ایسی جعلی اور ضعیف روایات کو ان کی طرف منسوب کیا گیا، جن کا ابو مخنف کی روایات نقل کرنے والی معتبر کتابوں میں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ جھوٹی

۱۔ طریحی، المنتخب، مصحح: فضال علی، ص ۳۰۷۔

۲۔ سابقہ حوالہ، ص ۴۵۲۔

۳۔ سابقہ حوالہ، ص ۳۶۷-۳۶۵۔

۴۔ سابقہ حوالہ، ص ۴۵۱۔

۵۔ سابقہ حوالہ، ص ۹۲-۹۰

۶۔ سابقہ حوالہ، ص ۳۲۳-۳۲۲

اور بے بنیاد روایات گھڑنے اور انہیں ابو مخنف کی طرف نسبت دینے کا سلسلہ اس حد تک بڑھا کہ بعد والی صدیوں میں بعض لوگوں نے "مقتل الحسین المشتہر بابی مخنف" نامی کتاب لکھی اور اسے ابی مخنف جیسے عظیم مؤلف کی طرف منسوب کر دیا۔

غیر معتبر روایات کے چند نمونے

۱۔ مقتل کی روایات کو ابو مخنف سے نقل کرنا اور ابو مخنف کا ہشام سے اور ہشام کا اپنے باپ محمد بن سائب کلبی سے نقل کرنا! حالانکہ ہشام، ابو مخنف کا شاگرد ہے جو خود ابو مخنف سے روایت نقل کرتا ہے۔[۱]

۲۔ مسلم بن عقیل اور ہانی کی شہادت کی خبر سننے کے بعد امام حسینؑ کا کربلا کی طرف جانے کی بجائے مدینہ واپس لوٹ آنا، نانا کی قبر پر پناہ لینا اور وہاں گریہ کرنا؛[۲] حالانکہ کوئی تاریخی روایت اس بات کی تائید نہیں کرتی۔

۳۔ امام حسینؑ کا سات گھوڑوں پر سوار ہونا اور گھوڑوں کے کربلا کی طرف نہ بڑھنے کی وجہ سے آپ کا سواری سے اترنا؛[۳] جبکہ ایسا کوئی واقعہ، مقتل کی کسی معتبر کتاب میں ذکر نہیں ہوا۔

۴۔ طِرِمّاح بن عدی کے کربلا میں شہید ہونے کا واقعہ؛[۴] حالانکہ وہ سرے سے کربلا میں موجود ہی نہ تھا۔

۵۔ بعض جملات کو حضرت زینبؑ سے منسوب کرنا؛ مثلاً: بی بی کا حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے وقت فرمانا: لیتنی کنت قبل ہذا الیوم عمیاء و۔۔۔[۵] (یعنی اے کاش میں اس دن سے پہلے

۱۔ ابو مخنف، مقتل الحسین و مصرع اہل بیتہ واصحابہ فی کربلا، محقق: حسن غفاری، ص۲۔

۲۔ سابقہ حوالہ، ص۳۹۔

۳۔ سابقہ حوالہ، ص۴۹-۴۸

۴۔ سابقہ حوالہ، ص۲۷۔

۵۔ سابقہ حوالہ، ص۸۲۔

اندھی ہو جاتی)؛ اور اس قسم کے دیگر جملات جو حضرت زینب علیہا السلام کے شایانِ شان اور آپ کے صبر کے ساتھ ہم آہنگ نہیں۔

۶۔ اس کے علاوہ دیگر پچیس مقامات میں واضح تحریف کی گئی ہے جو کتاب وقعۃ الطف کے مقدمے میں موجود ہیں۔

۴۔ تَظَلُّمُ الزَّهْرَاءِ علیہا السلام مِنْ اِهْرَاقِ دِمَاءِ آلِ الْعَبَاءِ

اس کتاب کے مؤلف رضی بن نبی قزوینی (۱۱۳۴ہجری تک زندہ تھے) ہیں۔ یہ کتاب سنہ ۱۱۱۸ہجری میں تالیف ہوئی۔ مؤلف نے اس کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے کہ یہ کتاب سید ابن طاؤوس کی "ملہوف" کی شرح ہے اور اس کے زیادہ تر مصادر، بحار الانوار والے ہیں؛ مثلاً: ملہوف، مجالس شیخ صدوق (جو امالی صدوق کے نام سے مشہور ہے)، شیخ مفید کی الارشاد، طریحی کی المنتخب، مثیر الاحزان، مقاتل الطالبیین، مناقب آل ابی طالب اور سید محمد ابن ابی طالب کی تسلیۃ المجالس۔[1]

ملہوف کی طرح یہ کتاب بھی تین مقدمے، تین مسالک اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے اور ہر مسلک اور خاتمہ چند مجالس پر مشتمل ہے۔

واعظ تبریزی خیابانی نے اس کتاب میں نقل شدہ بعض مندرجات پر تنقید اور ان کے نقل کرنے پر مؤلف کی سرزنش کی ہے اور کہا ہے کہ کچھ نسخہ برداروں نے اس میں ردّوبدل کرتے ہوئے بعض چیزوں میں تبدیلی کی ہے۔[2]

۱۔ سید رضی بن نبی قزوینی، تظلم الزہراء من اہراق دماء آل العباء، ص۶۔

۲۔ رجوع کریں: ملا علی واعظ خیابانی تبریزی کی کتاب: وقایع الایام فی تتمۃ محرم الحرام، محقق: محمد الوانسار خوئی: ج۲، ص-۵۲۴-۵۲۵۔

غیر معتبر روایات کے چند نمونے

۱۔ طِرِمّاح بن عدی کا عاشورا کے دن زخمی ہونا اور واقعہ عاشورا کو بیان کرنا؛ حالانکہ طرماح بن عدی کربلا میں موجود ہی نہ تھے۔

۲۔ امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں دشمن کی فوج کے دس ہزار آدمیوں کے قتل پر مبنی طریحی کی کتاب المنتخب سے روایت نقل کرنے کے بعد اس روایت کی توجیہ کرنا۔

۳۔ امام علیہ السلام کے سرہانے، خاندان عصمت کی خواتین کا مظلومانہ زبان حال اور بے بنیاد مرثیے کا بیان۔[1]

۵۔ اَکْسِیْرُ الْعِبَادَاتِ فِیْ اَسْرَارِ الشَّهَادَاتِ

(المعروف اسرار الشهادة)

اس کتاب کے مؤلف ملا آقا بن عابد بن رمضان بن زاہد شیروانی دربندی حائری المعروف فاضل "دربندی" (متوفی ۱۲۸۵ یا ۱۲۸۶ ہجری) ہیں[2]۔ دَربَندی کو شیخ، آگاہ فقیہ، محقق، متکلم، منقول و معقول پر مسلط اور فقہ و اصول سے واقف کہا جاتا ہے۔[3] فاضل دربندی نے اس کتاب میں واقعہ کربلا کی تشریح اور وضاحت کی ہے۔ انہوں نے اس کتاب کو چوالیس مجالس، بارہ مقدمے اور (تین مجالس پر مشتمل) ایک خاتمے میں لکھا ہے۔ اس کتاب کی تالیف کا کل دورانیہ اٹھارہ مہینے تھا اور یہ کتاب پندرہ ذی القعدہ بروز جمعہ سنہ ۱۲۷۲ ہجری کو مکمل ہوئی۔[4]

اس کتاب کی متعدد خصوصیات میں سے مندرجہ ذیل تین خصوصیات زیادہ نمایاں ہیں:

۱۔ سید رضی بن نبی قزوینی، تظلم الزہراء من اہراق دماء آل العباء: ص۲۲۷، ۲۰۸، ۲۲۳-۲۱۸۔

۲۔ آقابزرگ تہرانی، الذریعہ الی تصانیف الشیعہ: ج۱۱، ص۲۷۹۔

۳۔ شیخ عباس قمی، الفوائد الرضویہ فی احوال علما المذہب الجعفریہ، ج۱، ص۵۴۔

۴۔ فاضل دربندی، اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات، محقق: محمد جمعہ بادی اور عباس ملاعطیہ جمری، ج۳، ص۹۱۹۔

۱۔ **تحلیل:** مؤلف نے فقط روایات کی تدوین اور واقعات کی توصیف پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ فلسفہ اور عقلی علوم سے واقفیت، خلاّقانہ اور تنقیدی ذہن رکھنے کی وجہ سے بعض مقامات پر روایات کا تجزیہ و تحلیل اور متعارض روایات کے درمیان ہم آہنگی ایجاد کی ہے۔

۲۔ **خرافات اور ضعیف باتیں:** مؤلف نے اس کتاب میں شاذ و نادر اور حقیقت سے دور روایات اور بعض موارد میں خرافاتی باتوں کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی توجیہ بھی کی ہے اور ان کو درست ثابت کرنے کے لیے دلائل بھی دیئے ہیں۔

۳۔ **کتاب کا مُفصَّل ہونا:** یہ کتاب تاریخ عاشورا کے حوالے سے اپنے زمانے تک کی تمام کتابوں سے زیادہ تفصیلی ہے۔ اس زمانے تک اس قدر کوئی تفصیلی کتاب فراہم نہ تھی۔[1]

مؤلف کے بارے میں مرحوم محدث قمی (رہ) لکھتے ہیں:

حضرت سید الشہدا اَرواحنا فداہ کی مبارک ذات کے حوالے سے ان کے خلوص اور اس مظلوم ہستی کی عزاداری اور مصائب کے حوالے سے وہ اس قدر آپے سے باہر آجاتے تھے کہ بر سر منبر گریہ کی شدت کی وجہ سے اُن پر غش طاری ہوجاتا۔ وہ بے اختیار اپنا عمامہ زمین پر پٹخ دیتے اور اپنا گریبان چاک کر دیتے تھے۔ منقول ہے کہ وہ عاشورہ کے دن اپنا لباس اتار کر لنگی باندھ لیتے، سر میں خاک ڈالتے، بدن پر مٹی لگاتے اور اسی حالت میں منبر پر جاتے تھے۔[2]

یہ کتاب ضعیف اور بے بنیاد روایات کی وجہ سے ابتدا ہی سے مؤلف کے ہم عصر لکھاریوں اور بعد میں آنے والے مفکرین کی تنقید کا نشانہ بنتی رہی چنانچہ محدث نوری،[3] علامہ تنکابنی،[4] آقابزرگ تہرانی،[5] سید

۱۔ محمد اسفندیاری، کتاب شناسی تاریخی امام حسین، ص۱۱۱۔

۲۔ شیخ عباس قمی، الفوائد الرضویۃ فی احوال علما المذہب الجعفریہ: ج۱، ص۵۴۔

۳۔ محدث نوری، لولوومرجان: ص۱۶۹-۱۶۷، ۱۹۵۔

۴۔ میرزا محمد تنکابنی، قصص العلما: ص۱۰۸۔

۵۔ آقابزرگ تہرانی، الذریعہ الی تصانیف الشیعہ: ج۲، ص۲۷۹۔

محسن امین [1] اور استاد شہید مطہری [2] جیسے حدیث شناس اور مفکرین نے اس کتاب پر بہت سے اعتراضات کیے ہیں۔

آقابزرگ تہرانی کے بقول فاضل دربندی نے اپنی اس کتاب کی فصل "**مقام وحدة الحسین**" سے لے کر آخر تک کا تیرہ (۱۳) ابواب پر مشتمل ترجمہ کر کے اس کا نام (ایران کے بادشاہ) ناصر الدین شاہ کے نام پر "سعادات ناصری" رکھا، جو کئی بار طبع ہو چکی ہے۔ [3] اسی طرح میرزا محمد حسین بن علی اکبر نامی ایک شخص نے اس کا فارسی میں ترجمہ کر کے "انوار السعادہ فی ترجمۃ اسرار الشہادۃ" کے عنوان سے تبریز میں شائع کیا۔ [4] چونکہ "اسرار الشہادات" عربی زبان میں اور زیادہ مفصل تھی اس لیے فاضل دربندی نے کچھ عرصے بعد فارسی میں ایک مختصر سی مقتل تالیف کی جسے "سرمایہ ایمان و جواہر ایقان در ترجمہ و شرح اسرار الشہادات" [5] کا نام دیا۔ یہ کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔ [6]

"اکسیر العبادات" کی پرانی طباعت میں جھوٹی باتیں زیادہ تھیں؛ لیکن اس کتاب کی جدید طباعت میں بعض ایسے مطالب کو حذف کر دیا گیا ہے۔ [7]

۱۔ سید محسن امین، اعیان الشیعہ، محقق: حسن امین: ج۲، ص۸۸۔

۲۔ مرتضی مطہری، حماسہ حسینی: ج۱، ص۵۵۔

۳۔ آقابزرگ تہرانی، الذریعہ الی تصانیف الشیعہ: ج۲، ص۲۷۹ اور ج۱۲، ص۱۸۰-۱۷۹۔

۴۔ سابقہ حوالہ: ج۲، ص۴۲۹۔

۵۔ سابقہ حوالہ: دیباچہ کتاب، ص۳۔

۶۔ سابقہ حوالہ: ج۵، ص۲۶۴۔

۷۔ فاضل دربندی، اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات، محقق: محمد جمعہ بادی اور عباس ملاعطیہ جمری، ج۱، ص۲۹۔

غیر معتبر روایات کے چند نمونے

"اکسیر العبادات" میں ضعیف، عجیب و غریب اور افسانوی روایات زیادہ ہیں، جن کو اس مختصر کتاب میں ذکر نہیں کیا جاسکتا؛ لہٰذا اہم غیر معتبر روایات کے صرف چند نمونے ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

۱۔ امام حسین علیہ السلام اپنے اہل بیت علیہم السلام کے ہمراہ مدینہ سے شہنشاہی ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ ریشم اور دیباج کے چالیس محملوں اور ایک سجی ہوئی سواری پر نکلے۔[1]

۲۔ عمر بن سعد کے لشکر کی افسانوی اور خیالی تعداد سولہ لاکھ سے زیادہ[2] اور ایک مقام پر چار لاکھ ساٹھ ہزار کی تعداد لکھی ہے جن میں سے تین لاکھ تیس ہزار افراد امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں مارے گئے۔ پچیس ہزار افراد (زخمیوں کے علاوہ) حضرت عباس علیہ السلام کے ہاتھوں، اور پچیس ہزار افراد باقی بنی ہاشم کے ہاتھوں قتل ہوئے؛ جبکہ صرف اسی ہزار افراد بچ گئے۔[3] ایک اور مقام پر امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں مارے جانے والے دشمنوں کی تعداد چار لاکھ اور لشکر کی مجموعی تعداد پانچ لاکھ بتائی گئی ہے۔

۳۔ عاشورہ کا دن ستر یا بہتر گھنٹوں پر مشتمل تھا۔[4]

۴۔ امام حسین علیہ السلام کے جانثاروں یا عمر بن سعد کی فوج میں ایسے افراد کے نام ذکر کیے گئے ہیں جو کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں ہیں؛ مثلاً: عبد اللہ بن شقیق، اسحاق بن مالک اشتر، کثیر بن یحیی انصاری، مارد بن صدیف تغلبی، مبارک نامی ایک غلام، مسعود ہاشمی وغیرہ۔۔۔

۵۔ امام علیہ السلام کے ساربان (اونٹ کے نگہبان) کا قصہ اور گیارہویں محرم کی رات میں آپ علیہ السلام کے بدن اطہر کے ساتھ اُس کے ظلم و ستم کا ذکر۔[1]

۱۔ سابقہ حوالہ: ج۲، مجلس دہم، ص۶۲۷-۶۲۹۔

۲۔ سابقہ حوالہ: ج۳، تیرہویں مجلس، ص۴۳۔

۳۔ سابقہ حوالہ: ص۳۴۵، طبع قدیم؛ ج۲، ص۵۴۵ طبع جدید۔

۴۔ سابقہ حوالہ: ج۳، تیرہویں مجلس، ص۳۹، ۴۰، ۴۳،

۶۔الدَّمعۃُ السّاکِبَۃ

اس کتاب کے مؤلف محمد باقر بہبہانی(متوفی ۱۲۸۵ہجری) ہیں۔انہوں نے ائمہ علیہم السلام کی سوانح حیات کو چند جلدوں میں لکھاہے جن میں سے چودہ فصلوں پر مشتمل دو جلدیں(تیسری اور چوتھی جلد) امام حسینؑ اور عاشورا کے ساتھ مختص ہیں۔ اس کتاب کے مؤلف فاضل دربندی کے شاگردوں اور مریدوں میں سے تھے اور انہوں نے اس کتاب میں "قال الفاضل" (یعنی فاضل کہتاہے)کے الفاظ کے ساتھ فاضل دربندی کی کتاب سے روایتیں نقل کی ہیں۔

واعظ تبریزی خیابانی نے اس کتاب کے مؤلف کی تعریف کی ہے اور اُن کے بارے میں شیخ محمود عراقی کی کتاب "دار السلام فی من فاز بسلام الامام" سے نقل کرتے ہوئے کہاہے:"وہ ایسے نداز میں مصائب بیان کیاکرتے تھے جو اس زمانے میں شہر نجف میں رائج تھا۔ مقتل کی فارسی کتابوں جیسے روضۃ الشہدا اور مُحرِق القلوب وغیرہ میں سے کوئی ایک کتابوہاتھ میں تھام کر مصائب پڑھتے اور چونکہ ان کی نیت خالص تھی اس لیے لوگوں کے دلوں پر پوری طرح سے اثرانداز ہوتے"۔[2]

عاشورہ کی روایات نقل کرنے میں بہبہانی نے طُرَیحی کی کتاب المنتخب سے بہت زیادہ استفادہ کیاہے۔ ان کے دیگر مصادر درج ذیل ہیں:بحار الانوار،عوالم العلوم، تظلم الزہراء،مسند البتول،تذکار الحزین،جامع الاخبار،نور العین، مہیج الاحزان،معدن البکاء او المصائب،ابو مخنف سے منسوب مقتل اور حضرت امام حسن عسکریؑ سے منسوب تفسیر۔

۱۔سابقہ حوالہ: ج۳،تیرہویں مجلس،ص۳۹،۴۰،۴۳،ج۲،ص۲۷۵۔ج۳،۲۸۴،۲۹۰،۴۹۹،۲۹۹،۲۹۸،ص۱۶۲-۱۵۷۔

۲۔ ملاواعظ خیابانی تبریزی،وقائع الایام فی تتمۃ محرم الحرام، محقق: محمد الوانسار خوئی،ج۲،ص۴۸۵۔

غیر معتبر روایات کے چند نمونے

۱۔ حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام کا شیر خوار بچے کے لیے پانی مانگنا اور حضرت علی اکبر علیہ السلام کا پانی لانے کے لیے تیار ہونا؛ جبکہ یہ بات ناقابل انکار ہے کہ حضرت علی اکبر علیہ السلام کی شہادت حضرت عباس علیہ السلام سے پہلے ہو چکی تھی۔[1]

۲۔ امام حسین علیہ السلام کی حضرت سکینہ کے ساتھ حضرت علی اکبر علیہ السلام کی شہادت سے متعلق گفتگو اور آپ کا بی بی سکینہ کو صبر کا حکم دینا اور پھر ان باتوں کو شیخ مفید کی کتب سے منسوب کرنا[2] حالانکہ شیخ مفید کی کتب میں ایسی کوئی بات موجود نہیں ہے۔

۳۔ حضرت عباس علیہ السلام کے پیکر کا مقام شہادت پر اس لیے باقی رہ جانا کہ اس پر زخموں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ امام حسین علیہ السلام اسے باقی شہداء کے جنازوں کی جگہ تک نہیں لے جا سکے؛[3] جبکہ یہ بات کسی معتبر کتاب میں ذکر نہیں ہوئی۔

۷۔ ناسخ التواریخ

ناسخ التواریخ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر مؤلف کے زمانے تک کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے مصنف محمد تقی سپہر (۱۲۹۷-۱۲۱۶ ہجری) ہیں۔ انہوں نے (قاجاری شہنشاہت کے تیسرے بادشاہ) محمد شاہ قاجار کے حکم اور صدرِ اعظم حاج میرزا آقاسی کے تعاون سے پورے جہان کی مفصل تاریخ لکھنے کا مصمم ارادہ کیا۔ انہوں نے اس اہم کام کا آغاز سنہ ۱۲۵۸ ہجری کو محمد شاہ کی سلطنت کے درمیانی دور میں کیا اور پہلی دو جلدوں کی تالیف سنہ ۱۲۶۳ ہجری تک جاری رہی۔ کتاب ناسخ التواریخ کو چار ادوار میں ترتیب دیا گیا ہے:

۱۔ محمد باقر بہبہانی، الدمعۃ الساکبہ، تصحیح: حسین اعلمی، ج۴، ص۳۲۷۔

۲۔ سابقہ حوالہ: ص۳۳۲۔

۳۔ سابقہ حوالہ: ص۳۲۴۔

پہلا دور: حضرت آدمؑ کے زمین پر اترنے سے لے کر پیغمبر اکرمؐ کی ہجرت تک (دو جلدیں): پہلی جلد حضرت آدمؑ کے زمین پر اترنے سے لے کر حضرت عیسیؑ کی ولادت تک اور دوسری جلد حضرت عیسیؑ کی ولادت سے لے کر پیغمبر اکرمؐ کی ہجرت کی تاریخ پر مشتمل ہے۔

دوسرا دور: رسول خداؐ کی ہجرت کے بعد (چھ جلدیں):

پہلی جلد: یکم ہجری سے گیارہ ہجری تک پیغمبر اکرمؐ کی سیرت و تاریخ اور دوسری جلد: خلفاء کی تاریخ جو کہ جناب ابو بکر، عمر، عثمان اور باقی صحابہ کے سوانح حیات پر مشتمل ہے۔

تیسری جلد: حضرت علیؑ کے حالات زندگی؛

چوتھی جلد: حضرت فاطمہ زہراؑ کے حالات زندگی؛

پانچویں جلد: حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کے حالات زندگی؛

چھٹی جلد: حضرت امام حسینؑ کے حالات زندگی؛

تیسرا دور: یہ قاجاری شہنشاہی سلسلے کی تاریخ پر مشتمل ہے جسے مؤلف نے ناصر الدین شاہ قاجار کے حکم سے تالیف کیا (تین جلدیں)۔

چوتھا دور: باقی ائمہ اطہارؑ کی زندگی کی تاریخ کا بیان۔ اگرچہ محمد تقی سپہر چاہتے تھے کہ ہر امام معصوم کے لیے ایکعلیحدہ کتاب لکھیں؛ لیکن اجل نے انہیں مہلت نہ دی۔ ان کے دنیا سے جانے کے بعد ان کے دو بیٹوں میں سے ایک نے اپنے باپ کے ادھورے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جس کا نام عباس قلی خان تھا اور اسے سپہر ثانی بھی کہا جاتا تھا؛ اُس نے مظفر الدین شاہ (۱۳۲۴-۱۳۱۴ہجری) کے زمانے میں مندرجہ ذیل کتابوں کو ناسخ التواریخ کے چوتھے دور کے طور پر تالیف کیا:

ناسخ التواریخ، طُراز المُذہب حضرت زینب علیہا السلام کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔

ناسخ التواریخ، امام زین العابدینؑ کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔

ناسخ التواریخ، امام موسی کاظمؑ کے حالات زندگی پر مشتمل۔ (تین جلدیں)

پس کہا جا سکتا ہے کہ ناسخ التواریخ پہلے ایڈیشن میں ۱۶ بڑی رحلی جلدوں پر مشتمل تھی جس کی گیارہ جلدیں محمد تقی سپہر نے جبکہ باقی پانچ جلدیں ان کے بیٹے عباس قلی خان نے تالیف کیں۔[1] ان تمام جلدوں میں سے ہماری مورد بحث صرف وہ جلد ہے جو امام حسینؑ کے حالات زندگی اور آپؑ کی شہادت کے ساتھ مربوط ہے۔

غیر معتبر روایات کے چند نمونے

۱۔ شب عاشورہ امام حسینؑ کی فوج کا بکھر جانا اور آپ کے ساتھ فقط رشتہ داروں اور خاص لوگوں کا رہ جانا؛[2] حالانکہ یہ دعوی کسی بھی تاریخی معتبر کتاب کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہے۔

۲۔ طرماح بن عدی کا افسانہ کہ امامؑ کا سر دوبارہ بدن سے جڑ گیا اور پیغمبر اکرمؐ کو مقتل گاہ میں دیکھا گیا، وغیرہ؛[3] حالانکہ طرماح بن عدی کربلا میں موجود ہی نہیں تھا؛ بلکہ امامؑ سے اس کی ملاقات راستے میں ہوئی تھی؛ لیکن کربلا پہنچنے سے پہلے ہی اس نے امامؑ کی شہادت کی خبر سنی اور وہیں سے واپس لوٹ گیا۔

۳۔ امامؑ کے ساربان کی داستان اور اس کے ظلم کا ذکر کہ یہ بات پہلے بھی تحریف پھیلانے والی دیگر کتابوں کے ضمن میں ذکر ہو چکی ہے۔[4]

۱۔ اقتباس از: میرزا محمد تقی سپہر کاشانی، ناسخ التواریخ، امام حسین ع، نظر ثانی: محمد مہدی اشتہاردی، ص۳۱-۲۸ مقدمہ؛ و آقا بزرگ تہرانی، الذریعہ الی تصانیف الشیعہ: ج۲۴، ص۷-۶۔

۲۔ میرزا محمد تقی سپہر کاشانی، ایضا: ج۶، ص۲۳۷۔

۳۔ سابقہ حوالہ: ص۲۹۹۔

۴۔ سابقہ حوالہ: ص۴۳۵-۴۳۴۔

۸۔ تذکرۃ الشہدا

اس کتاب کے مؤلف آیۃ اللہ ملا حبیب اللہ شریف کاشانی (وفات ۱۳۴۰ ہجری) ہیں جن کا شمار قاجاری شہنشاہیت کے دور کے معروف علما میں ہوتا ہے۔ آپ نے مختلف علوم میں کئی کتابیں لکھیں ان میں سے ایک تذکرۃ الشہدا ہے جو تاریخ عاشورہ پر لکھی جانے والی مفصل کتاب ہے۔ آپ کے علمی آثار ہی آپ کے علمی مقام و منزلت کے گواہ ہیں، جن میں سے بعض آثار گذشتہ چند سالوں میں ان کے بعض ورثاء کی کاوش سے دوبارہ شائع ہوئے ہیں۔ آیۃ اللہ کاشانی کے آثار علمی باریکیوں کے حامل ہیں؛ لیکن ان کی تذکرۃ الشہدا بعض ضعیف اور جعلی روایات پر مشتمل ہے۔ چنانچہ طُریحی کی المنتخب کو متعارف کرواتے وقت اس بات کی طرف اشارہ ہو چکا ہے کہ گویا بعض اہل علم حضرات کی اس جیسی مقتل کی روایات نقل کرنے کی اصل وجہ ان کا اس باب میں چشم پوشی اور بے توجہی کرنا ہے، کیونکہ یہ علما دیگر علوم کی مانند اس موضوع کو غور وخوض کے قابل نہیں سمجھتے تھے۔ مؤلف کے بیان کے مطابق انہوں نے اس کتاب کو سنہ ۱۳۰۶ ہجری میں چوالیس سال کی عمر میں مرثیہ خوان حضرات اور عوام الناس کے لیے تالیف کیا ہے۔[۱]

غیر معتبر روایات کے چند نمونے

۱۔ امام حسین علیہ السلام کے قتل کا فتوی دینے والے چار سو مفتی کربلا میں موجود تھے ان میں سے ایک کا نام ظفر بن ملجم ہے؛ اور امام علیہ السلام کے خلاف لڑنے کے لیے نیزہ اور تلوار کی بجائے عصا کو امام کی طرف پھینکنا۔[۲]

۱۔ ملا حبیب اللہ شریف کاشانی، تذکرۃ الشہدا، ص ۴۵۳۔

۲۔ سابقہ حوالہ، ص ۲۸۰-۲۷۹۔

۲۔ حضرت زینب علیہا السلام کا، جناب ام البنین علیہا السلام کو مدینہ میں حضرت عباس علیہ السلام کی خون آلود ڈھال دکھانا اور حضرت ام البنین کا بے ہوش ہو جانا۔[۱]

۳۔ بی بی سکینہ نے امام حسین علیہ السلام سے الوداع کے وقت درخواست کی کہ آپ گھوڑے سے نیچے اتریں اور مجھے یتیموں کی طرح پیار کریں؛ آپ نے درخواست قبول کی اور جناب سکینہ کو خیمہ گاہ اور میدانِ جنگ کے درمیان آغوش میں لے کر پیار کیا؛[۲] حالانکہ یہ داستان کسی بھی قدیمی تاریخی کتاب میں موجود نہیں ہے۔

۴۔ امام حسین علیہ السلام نے دشمن کے ایک سپاہی کو قیمتی موتیوں کا ہار دیا کیونکہ جب وہ دشمن جنگ کے لئے گھر سے آیا تھا تو اس کی بیٹی نے اپنے باپ سے تحفہ لانے کو کہا تھا۔[۳]

۵۔ امام علیہ السلام کا ذوالجناح پر سوار ہونا اور ذولجناح کا چلنے سے انکار کرنا اور پھر اس شرط پر حرکت کرنا کہ آپ قیامت کے دن اس پر سوار ہو کر اپنی امت کے گنہگاروں کی شفاعت کریں گے۔[۴]

۶۔ جب امام حسین علیہ السلام نے مدد کے استغاثہ بلند کیا اور شیر خوار بچے کے کانوں تک یہ آواز پہنچی تو اس نے اپنے گرد لپٹے ہوئے کپڑے کے بند پھاڑ دیے اور خود کو جھولے سے باہر گرا دیا۔[۵]

مذکورہ باتوں سے کسی بات کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔

۱۔ سابقہ حوالہ: ص ۴۳۳۔

۲۔ سابقہ حوالہ،: ص ۳۱۱۔

۳۔ سابقہ حوالہ،: ص ۳۲۵۔

۴۔ سابقہ حوالہ: ص ۳۱۲۔

۵۔ سابقہ حوالہ: ص ۲۲۰۔

۹۔مَعَالِیُ السِّبْطَیْنِ فِیْ اَحْوَالِ السِّبْطَیْنِ الْحَسَنِ وَ الْحُسَیْنِ ؑ

اس کتاب کے مؤلف محمد مہدی حائری مازندرانی (۱۳۸۵-۱۳۰۰ہجری) ہیں۔ اگر چہ انہوں نے یہ کتاب امام حسن ؑ اور امام حسین ؑ کے حالات زندگی کے بارے میں لکھی ہے لیکن اس کا بیشتر حصہ امام حسین ؑ کی زندگی سے مختص کیا ہے۔ انہوں نے یہ کتاب لکھتے وقت، روضۃ الشہداء، منتخب طریحی، ابو مخنف سے منسوب مقتل الحسین، مدینۃ المعاجز، ناسخ التواریخ، اسرار الشہادات، تظلم الزہراء جیسے ضعیف اور ناقابل اعتماد منابع سے استفادہ کیا ہے جس کے نتیجے میں بہت سی تحریفات بھی اس میں شامل ہو گئیں۔

غیر معتبر روایات کے چند نمونے

۱۔"**یالیتنی کنت قبل ھذا الیوم عمیاء۔۔۔**"(یعنی کاش میں یہ اس دن سے پہلے اندھی ہو جاتی) اس جملے کو حضرت زینب ؑ کی طرف نسبت دینا؛ کہ بی بی نے یہ جملہ اس وقت کہا جب حضرت علی اکبر ؑ کے جنازے کے سامنے آئیں۔[1]

۲۔جناب لیلا کا کربلا میں موجود ہونا اور حضرت علی اکبر ؑ کی شہادت کے وقت بی بی کا ننگے سر اور پابرہنہ ہو کر خیام سے باہر آنا؛[2] حالانکہ اس بی بی کے کربلا میں موجود ہونے پر کوئی بھی قدیمی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔

۳۔شمر نے امام ؑ کا سر پس گردن سے کاٹا، چونکہ حضرت نے شمر سے کہا تھا: تلوار کبھی پیغمبر کی بوسہ گاہ کو نہیں کاٹ پائے گی؛ اور جب شمر، آپ کی کسی رگ اور ہڈی کو سر سے جدا کرتا تو امام ؑ کہتے: "واجداہ، وا اباالقاسماہ۔۔۔"[3]

۱۔ محمد مہدی حائری مازندرانی، معالی السبطین فی احوال السبطین الامامین الحسن والحسین: ج۱، ص ۲۵۲۔

۲۔سابقہ حوالہ: ص ۲۵۵۔

۳۔سابقہ حوالہ، ج ۲، ص ۲۴۔

۴۔ امام علیہ السلام کے ساربان کا قصہ اور گیارہویں محرم کی رات اس کا آپ کے بدن اطہر کے ساتھ ظلم و بے حرمتی کرنا۔[1]

۱۰۔ نُورُ الْعَیْنِ فِیْ مَشْهَدِ الْحُسَیْنِ علیہ السلام

یہ کتاب، ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن مہران شافعی اشعری سے منسوب ہے جو ابو اسحاق اسفرائنی (وفات ۴۱۷ یا ۴۱۸ ہجری) کے نام سے شہرت رکھتے ہیں۔ یہ کتاب فصل اور عنوان بندی کے بغیر ہے۔ مؤلف نے اپنی روایات کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا اور ہر روایت کے شروع میں فقط "قال الراوی یعنی راوی نے کہا" لکھ دیا ہے۔ اس لحاظ سے اس کتاب تالیف کا اسلوب عوام پسند اور داستان نما ہے۔ بعض محققین کا نظریہ ہے کہ یہ کتاب جعلی ہے اور اسفرائینی کی طرف منسوب کر دی گئی ہے کیونکہ اس کی تالیف کا اسلوب چوتھی صدی کی تالیفات سے نہیں ملتا ہے۔[2] اس بات کی تائید میں ہم اضافہ کرتے ہیں کہ خود کتاب کے متن کتاب میں امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو دفن کرنے کے حوالے سے ایک ایسی عبارت موجود ہے جس سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب اسفرائنی کے بعد لکھی گئی ہے؛ وہ عبارت یہ ہے:

مصر پر حکومت کرنے والے فاطمی گروہ سے یہ بات نقل ہوئی ہے کہ ان تک امام علیہ السلام کا سر اقدس پہنچا اور انہوں نے اسے اس جگہ پر دفن کر دیا جو آج کل مشہد الحسین کے نام سے شہرت رکھتی ہے۔[3]

تاریخِ فاطمیوں کے مؤرخین کے مطابق امام علیہ السلام کے سر کو عَسقلان سے مصر منتقل کرنے اور پھر اسے قاہرہ میں دفن کرنے اور اس پر ایک خوبصورت عمارت کے بنائے جانے کا واقعہ سنہ ۵۴۸ ہجری کے بعد پیش آیا ہے؛[4] یعنی اسفرائنی کے دنیا سے رخصت ہونے کے ۱۳۰ سال بعد کی بات ہے کہ فاطمی خلیفہ

۱۔ سابقہ حوالہ، ص ۳۶-۳۵۔

۲۔ سید عبد العزیز طباطبائی، اہل البیت فی المکتبۃ العربیۃ، ص ۶۵۵، شمارہ ۸۳۹۔

۳۔ ابو اسحاق اسفرائنی، نور العین فی مشہد الحسین علیہ السلام، ص ۹۹۔

۴۔ شہاب الدین احمد نویری، نہایۃ الارب فی فنون الادب: ج ۲۰، ص ۳۰۰۔

"فائز باللہ" کے ایک شیعہ وزیر "طلائع بن رُزّیک" نے سر اقدس کو قاہرہ منتقل کرنے کے بعد سنہ ۵۴۹ ہجری میں اس پر ایک خوبصورت عمارت تعمیر کروائی۔[۱]

لیکن اس کتاب کے معتبر ہونے اور اس کی علمی قدر وقیمت کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس کی بہت سی روایات، ضعیف، جعلی اور توہین آمیز ہیں اور محققین کے نزدیک معتبر نہیں ہیں؛ چنانچہ شہید قاضی طباطبائی نے اس کتاب کو نہایت ضعیف، ناقابل اعتماد،[۲] جعلی، ضعیف اور مجہول المؤلف کہا ہے۔[۳] ان کا نظریہ ہے کہ اسفرائنی کی مقتل من گھڑت اور قصہ گو حضرات کی کہانیوں سے بھری ہوئی ہے۔[۴]

آخری بات یہ ہے کہ اگر ہم اس کتاب کے اسفرائنی کی طرف منسوب ہونے کی تردید نہ بھی کریں، تب بھی اس بات کو ضرور ملحوظ خاطر رکھا جانا چاہیے کہ وہ ایک اشعری سنی مسلک سے تعلق رکھتے تھے، جن کے متعلق صاحب بن عباد نے کہا ہے کہ وہ ایک جلا دینے والی آگ تھے۔[۵] لہذا اس کتاب کے مندرجات پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

۱۔ عبد الحسین احمد امینی، الغدیر: ج۴، ص ۳۴۹۔

۲۔ قاضی طباطبائی، تحقیق درباره اول اربعین حضرت سید الشہداؑ: ص۶۰۔

۳۔ سابقہ حوالہ: ص۲۲۱۔

۴۔ سابقہ حوالہ: ص۶۴۰۔

۵۔ ابن عساکر، تبیین کذب المفتری، تحقیق: احمد حجازی السقاء، ص۲۴۱؛ اور عبد الوہاب سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبری، تحقیق: عبد الفتاح محمد حلو و محمود محمد طناحی، ج۴، ص۲۵۷؛ اور ذہبی، سیر اعلام النبلاء، تحقیق: مصطفی عبد القادر عطا، ج۱۱، ص۱۸۶؛ اور شیخ عباس قمی، الکنی والالقاب، مقدمہ نگار: محمد ہادی امینی: ج۲، ص۲۶۔

غیر معتبر روایات کے چند نمونے

۱۔ مدینہ سے روانگی کے وقت، فرشتوں اور جنات کے ایک مومن گروہ کا امام حسینؑ کی مدد کے لیے آنا اور پھر امامؑ کا انہیں واپس پلٹا دینا۔ ان باتوں کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے۔[۱]

۲۔ جناب مسلم بن عقیل کے قیام کے حوالے سے تحریف شدہ اور غلط باتوں کا تذکرہ؛ مثلاً: مسلم بن عقیل نے ابن زیاد کو ہانی کے گھر اس لیے قتل نہیں کیا کہ ایک منادی نے انہیں روکا۔[۲] اسی طرح کوفہ کی لڑائی میں ابن زیاد کے اٹھارہ سو میں سے گیارہ سو افراد کا جناب مسلم بن عقیل کے ہاتھوں جہنم واصل ہونا۔[۳]

۳۔ عاشورا کے دن امام حسینؑ کے ہاتھوں سولہ سو آدمیوں کا قتل ہونا۔[۴]

زبان حال اور تحریف

زبان حال کی تعریف کے بارے میں کہا گیا ہے: کسی انسان اور دیگر موجودات مثلاً حیوانات، نباتات اور جمادات کے حالات اور کیفیت کو یوں بیان کرنا کہ اگر ان کی زبان ہوتی یا وہ زبان سے کچھ کہنا چاہتے تو ویسا ہی کہتے جیسا بیان کیا گیا ہے۔[۵]

موجودات، اور خاص طور پر حیوانات اور جمادات کی طرف سے بات کرنے کی تاریخ نہایت ہی پرانی ہے تاہم بعض اہل تحقیق کے مطابق "زبان حال" کی اصطلاح کا استعمال پانچویں صدی ہجری سے رواج پایا

۱۔ ابو اسحق اسفرایینی، نور العین فی مشہد الحسین ع: ص ۲۶-۲۵۔

۲۔ سابقہ حوالہ: ص ۳۳۔

۳۔ سابقہ حوالہ: ص ۴۰-۳۷۔

۴۔ سابقہ حوالہ: ص ۶۷۔

۵۔ نصر اللہ پور جواد، زبان حال در ادبیات فارسی، فصلنامہ نشر دانش، شمارہ نمبر ۹۳، ص ۲۶؛ محمد صادق مزینانی، روایت عاشورا و معیار ہای روائی زبان حال، پگاہ حوزہ، شمارہ ۲۶۹، ص ۱۲۔

ہے۔ ابو حامد غزالی (۵۰۵-۴۵۰ ہجری) سب سے پہلے مفکر ہیں جنہوں نے اپنی کتب میں اس اصطلاح کو استعمال کیا اور اس کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی۔[1] غزالی کی اس اصطلاح کی طرف توجہ کرنے کی اصل وجہ، بعض قرآنی آیات کی تفسیر یا تاویل میں اسے بروئے کار لانا تھا کہ جن آیات میں بعض بے زبان اور ماورائے طبیعت موجودات کی طرف سے بات کرنے اور سننے کی نسبت دی گئی ہے؛[2] تاہم ابھی تک یہ بات صحیح طور پر واضح نہیں ہو سکی کہ واقعہ کربلا کو زبان حال کے پیرائے میں بیان کرنے کی رسم کب سے شروع ہوئی؟! اگرچہ یہ بات طے ہے کہ آخری چند صدیوں میں اسے کافی فروغ ملا ہے۔

اس بنا پر قابل توجہ بات یہ ہے کہ "زبانِ مقال" یا "زبانِ گفتار" میں بیان کی جانے والی ضعیف، غیر معتبر اور توہین آمیز روایات کو زبان حال میں شمار نہیں کرنا چاہیے۔ اگر زبان حال، شعر، قصے، ادبیات، نمائشی ہنر اور ان جیسی چیزوں میں کی جائے تو ذیل میں مذکور شرائط کے تحت تحریف اور جھوٹ شمار نہیں ہوں گی؛ اور یوں نہ صرف یہ کام قابل مذمت نہیں بلکہ لائق تحسین بھی ہو گا؛ کیونکہ عاشورہ کا پیغام پہنچانے اور سننے والوں پر واقعہ عاشورہ کے مثبت اثرات مترتب ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔

واضح ہے کہ زبان حال، بات پہنچانے کا ایک طریقہ ہے؛ اگرچہ زبان حال کو زبان مقال کی مانند سچا یا جھوٹا نہیں کہا جا سکتا؛ لیکن اسے حقیقی طور پر حال کے مطابق ہونا چاہئے؛ ورنہ وہ حقیقت کی تحریف اور غلط بات ہو گی اور عین ممکن ہے یہ توہین یا غلو کا باعث بھی ہو۔ لہذا یہ کہنا مناسب ہو گا کہ ہر زبانِ حال، نقل کرنے کے قابل نہیں ہے؛ مگر جب اس میں مندرجہ ذیل شرائط اور خصوصیات پائی جائیں:

۱۔ زبان حال، امام حسینؑ اور آپ کے اہل بیت واصحاب کے فرامین اور خطوط سے مطابقت رکھتی ہو۔ خلاصہ یہ کہ زبان حال، آپ کی سیرت و سنت اور اہداف کے ساتھ تضاد نہ رکھتی ہو۔

۱۔ نصر اللہ پور جوادی، سابقہ حوالہ۔

۲۔ سابقہ حوالہ۔

۲۔ امام حسین علیہ السلام اور اہل بیت علیہم السلام کے مقام و مرتبے کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔[۱]

۳۔ واقعہ عاشورا کی معتبر تاریخی روایات اور شیعہ مذہب کے مبانی اور مسلّم اور محکم عقائد کے ساتھ ٹکراؤ نہ رکھتی ہو۔

۴۔ بیان کرنے والا واضح طور پر بتائے یا گفتگو کا ایسا انداز اپنائے جس سے پتہ چلے کہ وہ زبان حال بول رہا ہے؛ تاکہ سننے والے کو اس کے زبانِ قال (یعنی حقیقی بیان) ہونے کا شک نہ ہو۔

چودہویں صدی کی اہم مقاتل کا علمی اور تنقیدی جائزہ

گذشتہ آخری صدی میں بھی مقتل نویسی کا فن، سابقہ ادوار کی طرح مسلم تاریخ دانوں اور اہل قلم، بالخصوص ایرانیوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ البتہ اس زمانے میں لکھی جانے والی کتب کی سب سے برجستہ خصوصیت یہ ہے کہ اس واقعے کے عاطفی اور احساسی پہلوؤں -جو کہ گزشتہ کتب کی میراث بھی تھی اور اس عظیم واقعے کا تقاضا بھی- کے ساتھ ساتھ امام علیہ السلام کی اس اہم تحریک کے سیاسی پہلو اور واقعہ کربلا میں پائے جانے والے ظلم سے بیزاری پر بھی تاریخ عاشورہ میں قلم فرسائی کرنے والے بعض حضرات نے توجہ دی اور اس توجہ کی اہم ترین وجہ شیعوں کی سیاسی امور میں مداخلت اور اس کے نتیجے میں وقت کے حکمرانوں کے ظلم و بربریت کے خلاف آواز اٹھانا تھا۔

دوسرے لفظوں میں اس صدی میں واقعہ کربلا کے متعلق لکھی جانے والی کتابیں اس دور کے حالات اور تقاضوں سے متاثر ہو کر، بالخصوص عدالت خواہی اور مشروطہ طلبی کی تحریک -جس نے ایرانیوں میں بیداری اور آزادی کی روح پھونکی- نے واقعہ عاشورہ کی سیاسی تفسیر پیش کرنے کا موقع فراہم کیا اور یہ سیاسی تفسیر، مذہبی روشن فکر محافل میں خاصی اہمیت اختیار کر گئی اور اس زمانے سے اب تک یہ تفسیر، غمگین یا حزن انگیز اور احساسی تفسیر کے ہمراہ، واقعہ عاشورہ کی دو اہم تفاسیر شمار ہوتی ہیں۔

۱۔ مزید معلومات کے لیے رجوع کریں: نصر اللہ پور جوادی کے مذکورہ مقالے کی طرف، ص ۴۲-۲۵۔

بہر حال چودھویں صدیں ہجری میں قیام عاشورہ اور مقتل سید الشہدا کے حوالے سے چند ایسی کتب تالیف ہوئیں جن کی اہمیت اور اہل ممبر حضرات کی ان کی طرف خاص توجہ کے پیشِ نظر، یہاں ان کا اجمالی تعارف اور تنقیدی جائزہ لیا جائے گا:

۱۔ نَفَسُ الْمَهْمُوْمِ فِیْ مُصِیْبَةِ سَیِّدِنَا الْحُسَیْنِ الْمَظْلُوْمِ علیہ السلام

شیخ عباس قمی (وفات ۱۳۵۹ ہجری) نے اس کتاب کو عربی زبان میں تالیف کیا ہے۔ ان کے اپنے کہنے کے مطابق انہوں نے اس کتاب میں کوشش کی ہے کہ اسلاف کی معتبر کتابوں کی بنیاد پر ایک معتبر کتاب تالیف کریں۔[1] اس کتاب کے اکثر مطالب صرف نقل اقوال ہیں؛ جبکہ ان کا تجزیہ و تحلیل اور تنقیدی جائزہ کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے، اور ہر باب میں چند فصول ہیں، اور آخر میں ایک خاتمہ ہے۔ کتاب کا مقدمہ مختصر ہے جو امام حسین علیہ السلام کی ولادت سے متعلق ہے۔

پہلا باب، امام حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب، آپ پر رونے کا ثواب، آپ کے قاتلوں پر لعنت اور آپ کی شہادت کے متعلق روایات پر مشتمل ہے۔

دوسرا باب، کتاب کا سب سے تفصیلی باب ہے جو امام حسین علیہ السلام کے قیام، آپ اور آپ کے خاندان اور اصحاب کی شہادت سے متعلق ہے اور اس میں تاسوعا اور عاشورا کے واقعات کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

تیسرا باب، آپ کی شہادت کے بعد پیش آنے والے واقعات کے بارے میں ہے؛ مثلاً: شہداء کے لباس کی لوٹ مار، خیمہ گاہ کی غارتگری، شہداء کے لاشوں کو دفن کرنا، اہل بیت علیہم السلام کا کوفہ میں داخلہ، کوفہ میں حضرت زینب علیہا السلام کا خطبہ اور شہداء کے سروں کا شام کی طرف بھیجا جانا۔

۱۔ چنانچہ فرمایا: جَمَعْتُهُ مِنَ الْكُتُبِ الْمُعْتَبَرَةِ الَّتِیْ عَلَیْهَا الْاِعْتِمَادُ وَالرُّكُوْنُ وَالْاِسْتِنَادُ (شیخ عباس قمی، نفس المهموم، تحقیق: رضا استادی، ص ۴)۔

چوتھا باب، اُن خارق العادہ واقعات سے متعلق ہے جو آپ کی شہادت کے بعد رونما ہوئے؛ جیسے: آسمان، زمین، انسانوں اور فرشتوں کا آپ کے غم میں گریہ کرنا؛ اور ان اشعار کا تذکرہ جو آپ کے سوگ میں کہے گئے ہیں۔

پانچواں باب، امام علیہ السلام کی ازواج اور اولاد کا تذکرہ، آپ کی زیارت کے ثواب، آپ کی مزار کے ساتھ کیے جانے والے حکمرانوں کے ستم کے بیان کے ساتھ خاص ہے۔

خاتمہ، توابین کے حالات، قیام مختار کے تذکرہ اور مختار کے ہاتھوں امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کو ملنے والی سزاؤں اور مرگِ یزید کے بارے میں ہے۔

مؤلف نے اس کتاب کو بیس جمادی الثانی سنہ ۱۳۳۵ ہجری قمری (روز ولادت حضرت زہراء سلام اللہ علیہا) کو اختتام تک پہنچایا۔[1]

نفس المہموم سے پیوستہ، کتاب "نفثۃ الصدور فیما یتجدد بہ حزن یوم العاشور" بھی انہی کے قلم سے لکھی گئی ہے، جس میں زیادہ تر امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اعوان و انصار کے فضائل و مناقب بیان کیے گئے ہیں۔ مؤلف نے اپنے استاد محدث نوری کی پیروی کرتے ہوئے کتاب کے خاتمہ میں اہل ممبر اور ذاکرین کو نصیحتیں کی ہیں، جیسا کہ محدث نوری نے اپنی کتاب لؤلؤ و مرجان میں بھی ایسا ہی کیا ہے۔ یہ کتاب گیارہ ذوالقعدہ سنہ ۱۳۴۲ (روز ولادت امام رضا علیہ السلام) کو مکمل ہوئی۔[2]

محدث قمی کی بھرپور کوشش رہی کہ اس کتاب میں ضعیف اور غیر معتبر روایات کا ذکر نہ کریں لیکن اس کے باوجود بعض روایات شامل ہو گئیں۔ مثال کے طور پر حضرت عباس کے میدان میں جانے اور نبرد آزمائی کی کیفیت،[3] امام علیہ السلام کا اہل بیت اطہار علیہم السلام کو وداع کرنے کا ذکر،[1] امام حسین علیہ السلام کے اپنی سواری

۱۔ سابقہ حوالہ، ص ۶۰۷۔

۲۔ سابقہ حوالہ، نفس المہموم و نفثۃ الصدور، مترجم: محمد باقر کمرہ ای، ص ۶۹۲۔

۳۔ سابقہ حوالہ، نفس المہموم، تحقیق: رضا استادی، ص ۳۳۷-۳۳۶۔

کے ہمراہ فرات کے کنارے جانے اور پھر پانی تک پہنچ کر ایک دوسرے کو پانی پینے کا کہنا،[۲] امامؑ کے دوسرے وداع کا تذکرہ، ابن شہر آشوب کی روایت کو نقل کرنا کہ امامؑ کے ہاتھوں ۱۹۵۰ آدمی قتل ہوئے، مسلم جصاص کا قصہ اور کوفیوں کا اہل بیتؑ کے بچوں کو روٹی اور کھجور دینا؛ یہ سب اس کتاب کی ضعیف اور غیر معتبر روایات شمار ہوتی ہیں۔

نفس المہموم آخری چند دہائیوں میں محقق محترم جناب سید احمد حسینی کے مقدمے اور آیۃ اللہ رضا استادی کی تحقیق کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ ہوئی؛ نیز اس کا فارسی زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ سب سے پہلا ترجمہ، حواشی اور تعلیقوں کے ہمراہ آیت اللہ ابو الحسن شعرانی کی کاوش سے جو "**دمع السجوم ترجمہ نفس المھموم**" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس کتاب کا ایک اور ترجمہ، کتاب "نفثۃ الصدور" کے ہمراہ، آیۃ اللہ محمد باقر کمرہ ای کے قلم سے "**رموز الشہادۃ ترجمہ کامل نفس المھموم و نفثۃ الصدور**" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ، فارسی زبان میں اس کتاب کا آخری ترجمہ "در کربلا چہ گذشت" کے عنوان سے بھی آ چکا ہے۔

۲۔ مُنْتَهَى الْآمَالِ فِي تَارِيخِ النَّبِيِّ وَالْآلِ

الحاج شیخ عباس قمی (وفات ۱۳۵۹ ہجری) نے دو جلدوں پر مشتمل یہ کتاب چودہ معصومینؑ کے فضائل و مناقب اور سوانح حیات کے بارے میں لکھی ہے جو چودہ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب ایک معصوم کے ساتھ مختص ہے۔ پہلی جلد پیغمبر اسلامؐ کے حالات زندگی سے لے کر امام حسینؑ کے حالات زندگی تک اور دوسری جلد امام سجادؑ سے بارہویں امام عجل اللہ فرجہ الشریف کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔

۱۔ سابقہ حوالہ، ص ۳۴۶۔

۲۔ سابقہ حوالہ، ص ۳۵۵۔

پانچواں باب، جو کہ امام حسین علیہ السلام سے متعلق ہے، باقی ابواب کی نسبت پُر حجم اور کتاب کا پانچواں حصہ ہے۔ اس باب میں چار مقاصد اور ہر مقصد میں چند فصول ہیں۔ چار فصلوں پر مشتمل پہلا مقصد امام حسین علیہ السلام کی ولادت، فضائل و مناقب، آپ علیہ السلام پر رونے کے ثواب اور آپ علیہ السلام کی شہادت کی روایات کے بارے میں ہے۔ دوسرے مقصد میں سات فصلیں ہیں جس میں امام علیہ السلام کے قیام کا ابتدا سے کربلا پہنچنے تک اور مسلم بن عقیل اوران کے دو بیٹوں کی شہادت کا تذکرہ ہے۔ تیسرا مقصد پانچ فصلوں پر مشتمل ہے، جس میں امام حسین علیہ السلام کے کربلا پہنچنے سے لے کر شہادت تک کے واقعات کا ذکر ہے۔ چوتھے مقصد میں بارہ فصول ہیں اور یہ آپ کی شہادت کے بعد پیش آنے والے واقعات، اسیران اہل بیت کو کوفہ وشام لے جانے اور امام سجاد علیہ السلام اور حضرت زینب علیہا السلام کے خطبات سے لے کر مدینہ واپسی تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ نیز امام حسین علیہ السلام سے متعلق کچھ مرثیے اور آپ علیہ السلام کی اولاد کا تعارف بھی اسی مقصد میں بیان ہوا ہے۔

کتاب کا خاتمہ، مجلس عزا منعقد کروانے کی اہمیت، عزاداری کی موجودہ صورت حال پر تنقید اور خطباء و ذاکرین کے لیے کچھ نصیحتوں پر مشتمل ہے، جیسا کہ مؤلف نے نفس المہموم میں کیا ہے۔ اس کتاب کی تالیف ۲۳ ماہ رمضان سنہ ۱۳۵۰ ہجری قمری کو مکمل ہوئی۔[۱]

اگرچہ یہ کتاب مؤلف کی زندگی کی آخری دہائی اور نفس المہموم کے بعد لکھی گئی ہے اور ان کے آخری مطالعات اور تفکرات کا نتیجہ ہے؛ لیکن اس کے باوجود امام حسین علیہ السلام اور تاریخ عاشورہ سے مربوط حصہ ــ جو ہماری تحقیق سے مربوط ہے ــ ضعیف روایات سے نہیں بچ پایا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مطالب، جیسے: حضرت عباس علمدار علیہ السلام کے میدان میں جانے اور جنگ لڑنے کی کیفیت؛ امام حسین علیہ السلام کا مخدرات عصمت سے الوداع کرنا؛ امام حسین علیہ السلام کا اپنی سواری کے ہمراہ فرات کے کنارے جانا اور ایک دوسرے

۱۔ شیخ عباس قمی، منتہی الآمال، تحقیق: ناصر باقری بید ہندی، ج۳ص۲۱۴۸۔

کو پانی پینے کی پیشکش کرنا؛ امام عالی مقام کے دوسرے وداع کا تذکرہ؛ ابن شہر آشوب کی اس روایت کو نقل کرنا کہ امام حسینؑ کے ہاتھوں ۱۹۵۰ آدمی قتل ہوئے اور مسلم جصاص کا قصہ، یہ سب اس کتاب کی ضعیف اور غیر معتبر روایات ہیں۔[1]

اس کے باجود یہ کتاب تاریخ عاشورہ کے حوالے سے انتہائی قیمتی اور بے مثال کتاب ہے۔اسی لیے اس کتاب کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور اب تک اس کے کئی ایڈیشن بازار میں آچکے ہیں۔ یہ کتاب آخری چند سالوں میں محترم جناب ناصر باقری بید ہندی کی تصحیح اور تحقیق کے ساتھ تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے جو کہ بہترین ایڈیشن ہے۔ اسی طرح یہ کتاب عربی زبان میں بھی دو مرتبہ ترجمہ ہو چکی ہے؛ پہلا ترجمہ شام کے ایک مصنف ڈاکٹر نادر التقی نے جبکہ دوسرا ترجمہ سید ہاشم میلانی نے کیا ہے۔

۳۔ مقتل الحسینؑ (المعروف مقتل مقرّم)

چودھویں صدی کے مقتل نویس سید عبد الرزاق موسوی مقرم ہیں جنہوں نے کتاب مقتل الحسین کو عربی زبان میں چار حصوں میں تالیف کیا ہے۔ اس کتاب کا صرف پہلا حصہ تحلیلی ہے جس کے موضوعات میں سے مندرجہ موارد کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے: یزید پر لعنت بھیجنا؛ امام حسینؑ کا اپنی شہادت سے متعلق علم اور اس چیز کا آیہ "تھلکہ" کے ساتھ ٹکراؤ نہ ہونا؛ امام حسینؑ کی فتح؛ شریعت کا امام عالی مقام کے طفیل باقی رہنا؛ آپ پر گریہ کرنا؛ آپؑ کی تربت (خاک شفا) پر سجدہ کرنا اور خواتین اور بچوں کو اپنے ساتھ کربلا لے جانے کی وجہ کا بیان۔

دوسرے حصے میں ان واقعات کی تفصیل بیان ہوئی ہے: معاویہ کی موت اور یزید کا امام حسینؑ سے بیعت طلب کرنا اور امامؑ کا مدینہ سے خروج اور مکہ میں پناہ لینا؛ مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجنا

۱۔ شیخ عباس قمی، منتہی الآمال، تحقیق: ناصر باقری بید ہندی، ج۳ص۲۱۴۸و ج۲، ص۸۸۵-۸۸۲، ۸۸۸-۸۸۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰۔

اور جناب مسلم کا قیام کرنا؛ آپ کا مکہ سے کوفہ کی طرف گامزن ہونا؛ کربلا پہنچنے تک راستے کے واقعات اور کربلا میں اقامت کے دوران اور شب عاشورہ کے واقعات کا بیان۔

تیسرے حصے میں روز عاشورہ کے واقعات؛ امام حسین علیہ السلام کے اصحاب اور بنی ہاشم کی نبرد آزمائی اور آخر میں امام حسین علیہ السلام کی جنگ، شہادت اور آپ کے لباس لوٹے جانے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

چوتھا حصہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد کے واقعات سے مختص ہے مثلاً: بعض خارق العادہ (غیر معمولی) واقعات؛ خیمہ گاہ کی لوٹ مار؛ امام عالی مقام کے بدن اطہر پر گھوڑے دوڑنا؛ شہداء کے سروں کا کوفہ بھیجا جانا؛ اہل بیت علیہم السلام کے کوفہ میں خطبے، امام علیہ السلام کے جسد اطہر کو دفن کرنا؛ اسیروں کا کوفہ کے دار الامارہ میں اور وہاں سے شام روانہ ہونے تک راستے میں پیش آنے والے واقعات؛ شام اور دربارِ یزید کے واقعات؛ اہل بیت علیہم السلام کی شام سے واپسی اور ان کا امام علیہ السلام کے چہلم کے دن کربلا پہنچنا اور بالآخر مدینہ واپس لوٹنے کا تذکرہ۔

اگرچہ یہ کتاب معلومات کی فراہمی اور واقعات کو ترتیب کے ساتھ نقل کرنے کے حوالے سے ایک ایسی کتاب ہے جس نے گذشتہ چند دہائیوں میں مجالس عزا میں خاصی مقبولیت حاصل کی ہے، تاہم اس صدی میں لکھے جانے والی باقی کتب کی مانند یہ کتاب بھی - اگرچہ تھوڑی مقدار میں ہی سہی - ضعیف اور غیر معتبر روایات کی آفت سے محفوظ نہ رہ سکی۔ چنانچہ شہادت کے وقت ایک مناجات کا امام حسین علیہ السلام کی طرف نسبت دینا؛ اسی طرح "اَلظَّلِیْمَه اَلظَّلِیْمَه مِنْ اُمَّةٍ قَتَلَتْ بْنَ بِنْتِ نَبِیِّهَا" جیسے جملوں کو امام باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کی سواری سے منسوب کرنا؛ امام علیہ السلام کے بدن اطہر کے پاس شیر کا دھاڑیں مارنا؛ حضرت زینب علیہا السلام کا اسیر ہو کر شہداء کے پاس سے گزرتے ہوئے امام علیہ السلام کے بدن کو اپنے ہاتھوں میں لے کر یہ جملے کہنا: الھی تقبل منا ھذا القربان (اے اللہ ہماری یہ قربانی قبول

فرما)؛ اور کوفہ والوں کا اہل بیت علیہم السلام کو روٹی، کھجور اور اخروٹ دینا؛[۱] اس کتاب کی ضعیف اور غیر معتبر روایات ہیں۔

یہ کتاب پہلی بار جلیل القدر محقق عزیز اللہ عطاردی کی کاوش سے **"چہرہ خونین سید الشہدا یا داستان کربلا"** کے عنوان سے سنہ ۱۳۵۱ ہجری شمسی میں فارسی میں ترجمہ ہو کر زیور طباعت سے آراستہ ہوئی جبکہ دوسری مرتبہ مرتضی فہیم کرمانی کے قلم سے **"سالار کربلا حسین بن علی علیہ السلام"** کے عنوان سے اور تیسری مرتبہ **"مقتل مقرم یا روز واقعہ"** کے عنوان سے محمد مہدی عزیز اللہی کرمانی کے ہاتھوں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

۴۔ لَوَاعِجُ الاَشْجَانِ فِیْ مَقْتَلِ الْحُسَیْنِ علیہ السلام

سید محسن امین عاملی (متوفی ۱۳۷۱ھ) نے یہ کتاب سنہ ۱۳۲۹ ہجری میں عربی زبان میں لکھی،[۲] اور سنہ ۱۳۳۱ ہجری میں شہر صیدا سے شائع کی۔ مصنف نے اس کتاب کو علما کے نزدیک قابِ اعتماد کتب اور روایات کی بنیاد پر تالیف کیا ہے؛ لیکن مصادر کی وضاحت نہیں کی۔ مصنف کے دعوی کے مطابق یہ کتاب بے نظیر ہے اور ہر صاحبِ انصاف دوسری کتابوں پر اس کتاب کی برتری کو جانتا ہے۔[۳] خاتمہ کے علاوہ باقی کتاب کے لکھنے کا انداز کسی بھی وضاحت اور ہر قسم کے تجزیہ و تحلیل سے خالی ہے۔

یہ کتاب ایک مقدمے، تین مقاصد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمے میں امام حسین علیہ السلام کے فضائل؛ آپ علیہ السلام کی شہادت سے متعلق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کی پیشین گوئی؛ آپ پر رونے کا ثواب؛ نیز آپ کا ایک خطبہ اور چند شعر ذکر ہوئے ہیں۔ پہلا مقصد آپ علیہ السلام کے قیام اور کربلا میں داخل ہونے تک کے بارے میں ہے۔ دوسرا مقصد کربلا کے واقعات سے لے کر امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اعوان و انصار کی

۱۔ عبد الرزاق مقرم، مقتل الحسین ع، ص ۲۸۳، ۲۸۳۔ ایضا، ص ۳۱۹-۳۱۸، ۳۰۷، ۳۱۰۔

۲۔ سید محسن امین، لواعج الاشجان، ص ۲۵۸۔

۳۔ سید محسن امین، لواعج الاشجان، ص ۳، ۲۵۸۔

شہادت تک کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ تیسرا مقصد آپ علیہ السلام کی شہادت کے بعد کے واقعات جس میں بعض غیر معمولی واقعات اور اسیروں کو کوفہ وشام لے جانے اور امام سجاد علیہ السلام ،بی بی زینب علیہا السلام اور دوسری شخصیات کے خطبات کے بارے میں ہے۔

کتاب کا خاتمہ دو فصول پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کے مدفن سے متعلق ہے؛ اس بارے میں مصنف نے سات اقوال بیان کیے ہیں۔ دوسری فصل اس کتاب کی واحد تحلیلی فصل ہے جس میں مصنف نے پہلے تین سوال کیے ہیں اور پھر ان کا جواب دیا ہے۔

اس کتاب کے ضمیمہ میں مؤلف کی ایک اور کتاب "**اصدق الاخبار فی قصة الاخذ بالاثار**" اور شیخ محمد نصّار عراقی کے مرثیوں پر مشتمل کتاب "**نصّاریّات**" علیحدہ شکل میں موجود ہیں۔

کتاب لواعج الاشجان کا جناب ناصر پاک پور نے "**امام حسین علیہ السلام وحماسه کربلا**" کے نام سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے جو سنہ ۱۳۶۶ ہجری شمسی میں طبع ہوا۔ اسی طرح یہ کتاب حال ہی میں "**اشک وماتم در سوگ سبط خاتم**" کے عنوان سے عباس جلالی کے قلم سے اور سید منذر حکیم کی نظر ثانی کے ساتھ فارسی میں ترجمہ ہو کر انتشارات فقہ سے شائع ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ اس مؤلف نے اپنی کتاب اعیان الشیعہ[1] کا ایک حصہ ائمہ معصومین علیہم السلام اور امام حسین علیہ السلام کے حالات زندگی کے ساتھ مختص کیا ہے۔ مؤلف نے امام حسین علیہ السلام کی حیات طیبہ، آپ کے فضائل و مناقب، قیام، روز عاشورہ، اس کے بعد پیش آنے والے واقعات، امام علیہ السلام کے سر اقدس کے مدفن اور باقی شہداء کے سروں کے مدفن اور کچھ دیگر موضوعات بیان کیے ہیں۔ چنانچہ اعیان الشیعہ کا یہی حصہ جو ائمہ اطہار علیہم السلام کی حیات طیبہ پر مشتمل ہے، "**فی رحاب اہل البیت**" کے عنوان سے علیحدہ طور پر دو جلدوں میں منظر عام پر آچکا ہے اور "**سیرہ معصومان**" کے عنوان سے فارسی میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے،

۱۔ سید محسن امین، اعیان الشیعہ، تحقیق: حسن امین، ج۱، ص۶۲۹-۵۷۸۔

جس کی پانچویں جلد کا آدھے سے زیادہ حصہ (تقریبا ۱۵۰ سے زائد صفحات) امام حسینؑ سے متعلق ہے۔[1]

۵۔ تاریخ سید الشہداؑ

اس کتاب کے مؤلف عباس صفائی حائری (۱۳۵۷ شمسی) ہیں۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ سنہ ۱۳۳۵ ہجری شمسی میں شائع ہوئی؛ جبکہ اس کا نیا ایڈیشن مسجد جمکران کے تحقیقاتی مرکز کی نظر ثانی کے ساتھ سنہ ۱۳۷۹ شمسی میں منظر عام پر آیا۔ یہ کتاب ان چند گنے چنے آثار میں سے ہے جس میں مؤلف نے کوشش کی ہے کہ عاشورہ کی تاریخ، اس کے پس منظر کا تجزیہ و تحلیل، علل و اسباب، نتائج اور بعض دیگر موضوعات کو قدیمی منابع سے نقل کر کے پیش کرے۔ کتاب کے مقدمہ کے بعد درج ذیل موضوعات کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے:

امام حسینؑ کی ولادت؛ آپ کا مبارک شجرہ نسب؛ اخلاقی صفات اور خصوصیات؛ معاویہ کی حکومت کے اثرات؛ یزید کی شخصیت؛ امام حسنؑ کی معاویہ کے ساتھ صلح اور امام حسینؑ کی یزید کے ساتھ جنگ کے اسباب؛ حضرت مسلم کے واقعات؛ امام حسینؑ کے واقعات؛ دونوں فوجوں کے سپاہیوں کی تعداد؛ عاشورہ کی رات اور دن کے واقعات؛ امامؑ کی دشمن سے جنگ؛ آپؑ کی شہادت کے بعد پیش آنے والے واقعات؛ ابن زیاد کا دربار؛ قیدیوں کی سروں کے ہمراہ شام روانگی؛ یزید کا دربار؛ بنی امیہ اور عاشورہ کا دن؛ امام حسینؑ کی زیارت اور اہل بیتؑ کی کربلا آمد اور سید الشہداؑ کی مزار پر عزاداری کرنا۔ اسی طرح اس میں ایک خاتمہ ہے جس میں دو فائدے ذکر کیے گئے ہیں۔ پہلا فائدہ: سلیمان بن صرد خزاعی کی شخصیت، اور دوسرا فائدہ: مختار کی شخصیت اور اس کا سید الشہداؑ کے قاتلوں کے ساتھ سلوک سے متعلق ہے۔

۱۔ سید محسن امین، سیرہ معصومان، امام حسن، امام حسین، امام زین العابدین، ترجمہ: حسین وجدانی، ص ۷۱ تا ۲۲۴۔

اس کے علاوہ مصنف نے اپنے تجزیات میں اس قیام کے متعلق ہونے والے بعض سوالات اور شبہات کا جواب دیا ہے، مثلاً: یہ کہ امام حسین علیہ السلام مدینہ سے نکل کر مکہ میں سکونت پذیر کیوں نہ ہوئے؟ آپ نے قیام کے لیے کوفہ کا انتخاب کیوں کیا اور یمن یا جبل طی کی طرف کیوں نہ گئے؟

اس کتاب کے حوالے سے آخری نکتہ یہ ہے کہ مصنف نے تاریخِ عاشورہ کے بعض اہم واقعات اور مسائل کے حوالے سے محدثین اور تاریخ دانوں پر تنقید کی ہے؛ کہ مثلا: ان لوگوں نے دشمن کے مقتولین کی تعداد کم بیان کی ہے یا امام عالی مقام کے اصحاب کی شجاعت کو چھپایا ہے یا طبری اور ابوالفرج اصفہانی جیسے تاریخ دانوں نے، حضرت امام سجاد علیہ السلام اور حضرت زینب علیہا السلام اور حضرت فاطمہ صغری علیہا السلام کے خطبات کو ذکر نہیں کیا ہے۔[1]

موجودہ (پندرہویں) صدی میں مقتل نویسی

پندرہویں صدی ہجری میں بھی عاشورہ کی تاریخ سے متعلق کثیر تعداد میں کتابیں لکھی گئیں۔ اس صدی اور اسی طرح کسی حد تک چودھویں صدی کے آثار کی ایک اہم خصوصیت، تحلیلی اور نظریاتی مباحث ہیں؛ جیسے: قیام عاشورہ کے اہداف، علل و اسباب یا اسرار و رموز وغیرہ؛ جبکہ گذشتہ صدیوں میں اس قسم کی مباحث یا بالکل موجود نہ تھیں یا بہت کم تھیں۔[2]

بہر حال پندرہویں صدی میں تاریخ عاشورا کے میدان میں بہت سی تحلیلی اور نظریاتی کتب کتابیں موجود ہیں، جن م مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں:

چھ جلدں پر مشتمل اسلامی تحقیقاتی مرکز سپاہ کے محققین کی کتاب **"مع الرکب الحسینی من المدینہ الی المدینہ"**؛ محمد باقر محمودی کی کتاب **"عبرات المصطفین فی مقتل الحسین"**؛ باقر العلوم تحقیقاتی مرکز کی **مقتل**

۱۔ عباس صفائی حائری، تاریخ سید الشہدا، تحقیق و نظر ثانی: مسجد جمکران تحقیقاتی مرکز، ص ۳۹۳، ۴۶۵، ۵۴۳۔

۲۔ مثلاً: **شہادت امام حسین کا فلسفہ اور حکمت**، جو سید مہدی رجائی کی تحقیق سے مجموعہ رسائل اعتقادی میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کتابچے کو علامہ محمد باقر مجلسی نے صفوی حکومت کے آخری دور میں لکھا ہے۔

امام حسینؑ جو موسوعۃ شہادۃ المعصومین کے ایک حصے کا ترجمہ ہے؛ چند محقق خواتین کی کتاب **تاریخ امام حسینؑ**؛ یا **موسوعۃ الامام الحسین** اور علی نظری منفرد کی **قصہ کربلا**؛ سید جعفر شہیدی کی "**پچاس سال بعد قیام امام حسینؑ کے متعلق جدید تحقیق**"؛ سید علی فرحی کی "**حسینی تحریک کا جائزہ**"؛ غلام حسین زرگری نژاد کی "**قیام کربلا اور امام حسینؑ کی تحریک**"؛ اور چودہ جلدوں پر مشتمل دار الحدیث کے محققین کی کاوش "**دانشنامہ امام حسینؑ**" جو اپنی نوعیت کی ایک منفرد اور اہم کتاب ہے جو ۱۳۸۸ ہجری شمسی شائع ہوئی۔

یہ کتب تاریخ عاشورا کے حوالے سے قابل توجہ کتب ہیں جن کے مؤلفین نے پوری کوشش کی ہے کہ تجزیہ اور تحلیل کر کے عاشورہ کے مخفی زاویوں اور اَن کہی باتوں کو سامنے لایا جائے۔ دعا ہے کہ ان سب کی کاوش مشکور اور ان کی توفیقات میں اضافہ ہو۔

دونوں ادوار کی کتب مقاتل کا موازنہ

تاریخ عاشورہ سے متعلق مذکورہ دونوں ادوار میں لکھی جانے والی کتب کی خصوصیات کا موازنہ کرنے سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ پہلے دور (یعنی دوسری سے ساتویں صدی ہجری تک) کی کتب قدیمی اور قابل اعتماد منابع پر استوار ہیں اور ان میں ضعیف اور ناقابل اعتماد روایات کی تعداد بہت کم ہے؛ لیکن دوسرے دور (آٹھویں سے چودھویں صدی ہجری) میں لکھی جانے والی کتابوں کی بنیاد اگرچہ وہی قدیمی کتب ہیں؛ لیکن اس کے باوجود بعض ضعیف روایات یا واقعات کی ایسی تفصیلات بیان کی گئی ہیں جن کی وجہ سے ان کتب کا اعتبار کم ہو جاتا ہے۔

۲۔ دوسرے دور کی کتابیں جذبات و احساسات سے متاثر ہونے اور واقعہ کربلا کی خدا کے جبری فیصلے جیسی تفسیر کی بنا پر، ضعیف اور غیر حقیقی روایات پر مشتمل ہیں جبکہ پہلے دور کی کتابوں میں ایسا نہیں تھا۔

۳۔ دوسرے دور کی کتب میں مصنف کی رغبت ، ذوق اور سلیقہ تاریخ عاشورہ کو بیان کرنے میں اثر انداز ہے؛ مثلاً اگر مصنف جذباتی اور احساساتی نگاہ کے ساتھ واقعہ عاشورہ کو دیکھتا تو اسی نقطہ نظر سے مربوط روایات کو اپنی کتاب میں نقل کرتا؛ جبکہ پہلے دور میں مؤلف اور مؤرخ کا انداز فکر زیادہ تر اس کی جائے سکونت اور اس کے نظریاتی رجحانات سے متاثر تھا؛ مثال کے طور پر ابن عساکر چونکہ دمشق میں رہتا تھا اسی لیے وہ شام کے لوگوں کے افکار سے متاثر تھا؛ لہٰذا اس نے امام حسین علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ یزیدی فوج کی بربریت یا امام حسین علیہ السلام کے خطبات اور اہداف کے متعلق لکھنے کی بجائے، اکثر غیر مربوط اور غیر اہم روایات نقل کی ہیں۔

دونوں ادوار میں لکھی جانے والی کتابوں سے روشناس ہو جانے کے بعد، اب ہم امام حسین علیہ السلام کی شخصیت اور آپ کے قیام کی کیفیت کو بیان کریں گے۔

دوسری فصل

امام حسین علیہ السلام کی شخصیت اور حالات زندگی

چونکہ کسی بھی انقلاب یا تحریک کی حقیقت اور خصوصیات سے متعلق آگاہی حاصل کرنے کا بہترین اور سب سے زیادہ مطمئن ذریعہ، اس کے بانی اور رہبر کی پہچان ہے؛ لہذا اس فصل میں اختصار کے ساتھ اس موضوع کو دو ابحاث میں بیان کیا جائے گا:

پہلی بحث: پیغمبر اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے دوران سید الشہدا کے حالات زندگی کا مختصر جائزہ؛ نیز خلفائے ثلاثہ، امیر المومنین علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام کے دور میں آپ کی نمایاں سرگرمیاں اور جنگیں۔

دوسری بحث: شیعہ اور اہل سنت روایات میں پیغمبر اکرم ﷺ اور اس دور کے مسلمانوں کی نگاہ میں آپ علیہ السلام کی شخصیت اور مقام و مرتبے کا جائزہ۔

۱۔ امام حسین علیہ السلام کی سوانح حیات پر ایک نظر

امام حسین علیہ السلام، پہلے معصوم امام اور رسول خدا ﷺ کے سب سے پہلے حامی حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور بی بی دو عالم حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کی ولادت تین[1] یا پانچ شعبان[2] سنہ چار ہجری[3] کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ علیہ السلام نے اپنی عمر کے ابتدائی چھ سال اور کچھ مہینے پیغمبر اکرم ﷺ کے

۱۔ شیخ مفید، مسار الشیعہ، تحقیق: شیخ مہدی نجف، مجموعہ تالیفات شیخ مفید، ج۷، ص۶۱۔ شیخ طوسی، مصباح المتہجد و سلاح المتعبد، ص۸۲۶۔

۲۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، تحقیق: احمد صقر، ص۷۸، شیخ مفید، الارشاد، تحقیق: موسسہ آل البیت، ج۲، ص۲۷، شیخ طوسی، مصباح المتہجد و سلاح المتعبد، ص۸۵۲۔ اس طرح عز الدین ابن اثیر نے اسی قول کو زبیر بن بکار سے نقل کیا ہے۔(ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج۱، ص۴۹۶)، اس بارے میں مزید جاننے کے لیے رجوع کریں: محمد تقی تستری کی کتاب قاموس الرجال ج۱۲، ص۱۱-۱۰ (آخری جلد) میں "رسالہ فی تاریخ النبی والآل" کے عنوان کے تحت، محمد ہادی یوسفی غروی، موسوعۃ التاریخ الاسلامی، ج۲، ص۴۴۱-۴۳۹۔

۳۔ ابن سعد، ترجمہ الحسین و مقتلہ، سہ ماہی تراثنا، شمارہ ۱۰، ص۱۲۷، محمد بن احمد دولابی، الذریہ الطاہرہ، تحقیق: سید محمد حسینی جلالی، ص۱۰۲، ح۹۴، و ص۱۲۱، ح۱۳۵۔ طبری تاریخ الامم و الملوک، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم، ج۲، ص۵۵۵، مسعودی، مروج

زیر سایہ گزارے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ کی رحلت کے بعد، تیس سال کا عرصہ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ گزارا۔ آپ علیہ السلام نے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی دس سالہ امامت کے دور میں، اپنے بھائی کے لیے ایک باوفا اور مہربان ساتھی اور طاقتور پشت پناہ کے طور آپ کے شانہ بشانہ دن گزارے اور اپنی عمر کے آخری دس سال، جو آپ کی اپنی امامت کا دورانیہ ہے، معاویہ کے دور حکومت میں گزارے۔ یزید کی حکمرانی کے آغاز اور اس کے امام علیہ السلام سے بیعت کا مطالبہ کرتے ہی، امام علیہ السلام نے یزید کی بیعت سے انکار اور اس کی مخالفت کرتے ہوئے، مدینہ سے مکہ کی طرف ہجرت کی اور مکہ میں سکونت اختیار کر کے اپنے قیام کا آغاز کیا اور بالآخر دس محرم سنہ ۶۱ ہجری کو، ایک نابرابر جنگ میں، اپنے خاندان کے کچھ افراد اور چند باوفا ساتھیوں کے ہمراہ کربلا کی سرزمین پر جام شہادت نوش فرمایا۔

الف) امام حسین علیہ السلام، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانے میں

پہلے اشارہ ہو چکا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنی عمر مبارک کے ابتدائی سال، نبوت و رسالت کے زیر سایہ اور عصمت و طہارت کی گود میں گزارے۔ اس دوران، امام حسین علیہ السلام اپنے والدین کی مہر و محبت کے علاوہ، اپنے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی خصوصی عنایات سے بھی بہرہ مند تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی اپنے نور چشم کی طرف خاص توجہ آپ کی ولادت باسعادت ہی سے مختلف انداز میں نمایاں تھی۔ دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا، آپ کا نام "حسین" تجویز کرنا، عقیقہ کرنا، تعویذ[1] پڑھنا، اپنی زبان یا انگشت

الذہب و معادن الجوہر، تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید، ج۲، ص۲۹۵، اسی مولف کی کتاب، التنبیہ والاشراف، تحقیق: عبد اللہ اسماعیل الصاوی، ص۲۱۳، تاہم شیخ کلینی نے آنحضرت کی ولادت سنہ تیسری ہجری کو لکھی ہے۔ (الاصول من الکافی، ج۱، ص۳۸۵)

۱۔ تعویذ یعنی لفظ "اللہ"، دوسرے اسماءِ الٰہی اور معوذتین کے ذریعے، شر شیطان اور حاسدوں سے اللہ کی پناہ مانگنا، جیسا کہ روایت میں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اپنے نواسوں امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے لیے پڑھا کرتے تھے اور ہمیں بھی اس کا حکم دیا:□□□ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ص كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا الْحَسَنَ وَ الْحُسَيْنَ ع وَ بِذَلِكَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ□□□ (بحارالانوار: ج ۱۰ ص ۱۰۸)(مترجم)

مبارک آپ علیہ السلام کے منہ میں رکھنا اور آپ کا چوسنا اور اس بات کی خبر دینا کہ اللہ تعالی نے امامت، صرف امام حسین علیہ السلام کی نسل میں قرار دی ہے۔[۲] یہ سب چیزیں اس بات کی عکاسی کرتی ہیں کہ پیغمبر اکرم علیہما السلام اپنے نواسے سے خصوصی محبت کرتے تھے۔

پیغمبر اکرم علیہما السلام کی حیات مبارکہ کے آخری سالوں میں، امام حسین علیہ السلام کی سوانح حیات سے متعلق ایک اہم واقعہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ ہونے والے مباہلے میں آپ کی شرکت ہے؛ چنانچہ جب عیسائیوں کے عالم (جس کو اُسقف کہا جاتا ہے) نے دیکھا کہ پیغمبر اکرم علیہما السلام اپنے خاندان یعنی حضرت علی علیہ السلام، حضرت زہراء علیہا السلام، امام حسن اور امام حسین صلی اللہ علیہ و آلہ کے ہمراہ، مباہلے کے لیے آئے ہیں تو اس نے مباہلہ نہ کیا۔[۳]

جناب عایشہ سے نقل ہوا ہے کہ رسول خدا علیہما السلام نے مباہلے کے دن، حضرت علی علیہ السلام، جناب زہراء اور حضرت حسنین شریفین صلی اللہ علیہ و آلہ کو اپنی کالی عباء کے نیچے اکٹھا کیا اور پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی:

"إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً"[۴]

بے شک اللہ کا ارادہ بس یہی ہے کہ ہر طرح کی ناپاکی کو اہل بیت ! آپ سے دور رکھے اور آپ کو ایسے پاکیزہ رکھے جیسے پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

۱۔ بن سعد، ترجمہ الحسین و مقتلہ، تراثنا: شمارہ ۱۰، ص۱۳۹، سید مرتضی حسینی فیروز آبادی، فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ، تحقیق: المجمع العالمی لاہل البیت: ج۳، ص ۲۰۳ اور اس کے بعد کے صفحات.

۲۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، تحقیق: یوسف البقاعی: ج۴، ص۵۷۔

۳۔ ابن سعد، ترجمہ الحسین و مقتلہ، سہ ماہی تراثنا: شمارہ ۱۰، ص ۱۴۰-۱۳۹، یعقوبی، تاریخ الیعقوبی: ج ۲، ص ۸۳-۸۲، شیخ مفید، الارشاد، تحقیق: موسسہ آل البیت: ج۱، ص۱۶۸-۱۶۶۔

۴۔ احزاب، آیہ ۳۳

امام حسین علیہ السلام کا اپنے بھائی کے ہمراہ اس تاریخی واقعے میں شریک ہونا اور دونوں بھائیوں کا اصحاب کساء میں شامل ہونا، ان کی حقانیت کی ایک علامت ہے۔ درحقیقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ یہ چاہتے تھے کہ حق و باطل کی جنگ کے موقع پر اپنے اوصیاء کو حق کے مرکز و محور کے طور پر اہل اسلام اور عیسائیوں کے سامنے متعارف کروائیں۔

ب) خلفائے ثلاثہ کے دور میں (۳۵-۱۱ہجری)

امام حسین علیہ السلام کی زندگی کی سات بہاریں بھی نہ گزری تھیں کہ آپ کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی رحلت، سقیفہ بن ساعدہ، خلافت اسلامی اور فدک کے ناحق غصب ہونے ، والد گرامی حضرت علی علیہ السلام کے گھر پر حملہ، مادر گرامی حضرت زہراء علیہا السلام کی توہین اور بی بی کی شہادت، پھر بیعت لینے کے لیے امام علی علیہ السلام کے ساتھ گستاخی اور آخر کار خلیفہ کی بیعت نہ کرنے کی صورت میں قتل کی دھمکی؛[1] وغیرہ جیسے نہایت ہی ناگوار اور تلخ واقعات کا سامنا کرنا پڑا۔

امام حسین علیہ السلام، پہلے تین خلفاء کے زمانہ خلافت میں تقریباً ۲۵ سال تک اسلامی خلافت کو اپنے اصلی راستے سے منحرف ہوتا دیکھتے رہے؛ لیکن اس انحراف کے مقابلے میں خاموش نہیں رہے بلکہ اپنے والد گرامی کے نقطہ نظر کی حمایت اور پیروی کرتے رہے۔

جناب ابو بکر کے زمانہ خلافت (سنہ ۱۳-۱۱ہجری) میں، آپ علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ حضرت زہراء علیہا السلام اور بھائی حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ساتھ فدک کے مطالبے کے لیے خلیفہ کے پاس گئے اور گواہی دی کہ فدک ان کی والدہ ماجدہ کی ملکیت ہے۔ خلیفہ نے ابتدا میں قبول کر لیا لیکن پھر عمر بن خطاب کی دخل

۱۔ ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ و السیاسۃ، تحقیق: علی شیری: ج۱، ص۳۰، طبری، تاریخ الامم و الملوک، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم، ج۳، ص۲۰۲، سلیم بن قیس، کتاب سلیم بن قیس الہلالی، تحقیق: محمد باقر انصاری زنجانی: ص۱۵۷، ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم: ج۲، ص۶۰، محمد باقر مجلسی، بحار الانوار: ج۲۸، ص۳۰۱-۲۹۸، ح۴۸۔

اندازی کے سبب اہل بیت علیہم السلام کی گواہی ٹھکرا دی گئی۔[1] اسی طرح خلیفہ اول کی خلافت کے شروع میں ہی جب امیر المومنین علیہ السلام اپنی زوجہ حضرت زہراء علیہا السلام کے ہمراہ انصار اور مہاجرین کے ساتھ گفتگو کرنے لیے رات کے وقت ان کے گھروں میں جاتے، تاکہ خلافت کے مسئلے میں ان کی حمایت حاصل کریں، تو حسنین شریفین بھی اپنے والدین کے ساتھ اس مسئلے میں شریک ہوتے۔[2]

دوسرے خلیفہ کے زمانہ خلافت (۲۳-۱۳ہجری) کے حوالے سے کچھ ایسی روایات تاریخی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں جن میں امام حسین علیہ السلام نے خلیفہ کے خلافت پر ناحق قابض ہونے پر اعتراض کیا ہے؛[3] چنانچہ ایک دن آپ علیہ السلام مسجد میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ عمر بن خطاب آپ کے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے ممبر پر بیٹھے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے جب یہ منظر دیکھا تو ممبر پر گئے اور فرمایا: میرے بابا کے ممبر سے نیچے اترو، اور اپنے باپ کے ممبر پر جا کر بیٹھو!؛ خلیفہ سے جب کوئی جواب نہ بن پایا تو کہا: میرے باپ کا تو کوئی ممبر ہی نہ تھا!؛ پھر انہوں نے آپ کو اپنے پاس بٹھایا اور جب ممبر سے اترے تو آپ علیہ السلام کو اپنے گھر لے گئے اور پوچھا: یہ بات تمہیں کس نے سکھائی ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: کسی نے نہیں![4]

۱۔ شیخ طوسی، تہذیب الاحکام، تصحیح: علی اکبر غفاری: ج۴، ص۲۰۰، محمد باقر مجلسی، بحار الانوار: ج۲۹، ص۳۴۷۔

۲۔ سلیم بن قیس، کتاب سلیم بن قیس الهلالی، تحقیق: محمد باقر انصاری زنجانی: ص۱۴۸، ۱۴۶، ۴۳۷، ۳۰۲، طبرسی، الاحتجاج، تحقیق: ابراہیم بہادری و محمد ہادی: ج۱، ص۲۰۶، ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم: ج۲، ص۴۷، وج۱۱، ص۱۴۔

۳۔ اسی سے ملتا جلتا واقعہ پہلے خلیفہ پر اعتراض سے متعلق بھی امام حسین علیہ السلام سے نقل ہوا ہے۔ میرزا حسین نوری طبرسی، مستدرک الوسائل و مستنبط المسائل، تحقیق: موسسہ آل البیت لاحیاء التراث، ج۱۵، ص۱۶۵۔

۴۔ ابن سعد، ترجمہ الحسین و مقتلہ، سہ ماہی تراثنا، شمارہ ۱۰، ص۱۴۱، ابن شبہ نمیری، تاریخ المدینہ المنورہ، ج۳، ص۲۹۹-۲۹۸، ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینہ دمشق، تحقیق: محمد باقر محمودی، ص۱۴۲-۱۴۱، ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، تحقیق: عادل احمد عبد الموجود و علی محمد معوض، ج۲، ص۶۹، اس کی دوسری مثال آنحضرت کا عمر کے ساتھ خلافت کے مسئلے پر آپ کا احتجاج ہے اور یہ کہ یہ منصب ان دو خلفاء کا حق نہ تھا۔ (طبرسی، الاحتجاج، تحقیق: ابراہیم بہادری و محمد ہادی بہ، ج۲، ص۷۸-۷۷، محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۳۰، ص۴۷۔

تیسرے خلیفہ کے زمانہ خلافت (۳۵-۲۳ہجری) میں، جب امام حسینؑ کی جوانی کا عالم تھا، آپ نے اپنے بابا اور بھائی کی طرح کبھی خلیفہ سوم کی خلافت کی تائید نہیں کی۔ جب خلیفہ نے رسول خداؐ کے زاہد اور پارسا صحابی جناب ابوذر غفاری رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کو حکومت پر اعتراض کرنے کے جرم میں مدینہ سے ربذہ کے صحرا کی طرف شہر بدر کیا، تو اگرچہ خلیفہ نے ابوذر کو الوداع کرنے سے منع کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن حضرت امیر المومنینؑ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ، جن میں حضرات حسنین شریفینؑ بھی شامل تھے، ابوذر رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کو الوداع کہنے کے لیے گئے اور اس وقت امام حسینؑ نے اپنے بابا کے بعد، جناب ابوذر سے مخاطب ہو کر دلاسہ دیتے ہوئے، خلیفہ کی سیاست کے خلاف یوں فرمایا:

چچا جان، جو صورت حال آپ دیکھ رہے ہیں، خداوند متعال اسے بدلنے پر قادر ہے اور خداوند کی تو ہر روز ایک علیحدہ شان ہے۔ ان لوگوں نے اپنی دنیا کو آپ سے دور کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ آپ نے اپنے دین کو ان سے بچایا ہے۔ آپ کو تو اس چیز کی ضرورت ہی نہیں ہے جو انہوں نے آپ سے دور رکھی ہے؛ حالانکہ جو چیز آپ نے ان سے دور رکھی ہے، انہیں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ آپ، خداوند متعال سے صبر اور مدد کی دعا کریں، اور طمع و بے چینی سے خدا کے حضور پناہ مانگیں؛ کیونکہ صبر، دین اور عزت ہے۔ آرزوئیں کسی دن کو آگے نہیں بڑھا سکتیں اور بے تابی موت کو مؤخّر نہیں کر سکتی۔[1]

اگرچہ مشہور ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے اپنے بھائی کے ہمراہ، خلفاء کے دور کی بعض فتوحات (جیسے ایران کے فتح کرنے) میں شرکت کی اور خلفاء کی فوج کے شانہ بشانہ کفار اور مشرکین کے ساتھ نبرد

۱۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم، ج۸، ص ۲۵۴-۲۵۳، سید علی خان مدنی شیرازی حسینی، الدرجات الرفیعہ، مقدمہ: سید محمد صادق بحر العلوم، ص۲۴۹-۲۴۸، جبکہ مسعودی نے فقط اس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت علی ع نے جناب حسنین شریفین ع کے ہمراہ، حضرت ابوذر غفاری رض کو الوداع کیا۔ (مسعودی، مروج الذہب و معادن الجوہر، تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید، ج۲، ص۳۵۰)

آزما رہے؛ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اولاً: اس قسم کی کوئی روایت، شیعہ کی قدیمی کتب میں نقل نہیں ہوئی؛ اور ثانیاً: اہل سنت کے مآخذ میں پائی جانے والی روایات کی تحقیق کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ روایات سند کے اعتبار سے نہایت ہی کمزور ہیں اور مضمون اور دلالت کے لحاظ سے بھی ناقابل چشم پوشی اور مشکلات سے دچار ہیں؛ لہذا یہ بات قبول نہیں کی جاسکتی کہ جناب حسنین شریفین علیہما السلام خلفاء ثلاثہ کے دور کی بعض جنگوں میں شریک رہے ہوں۔[1]

ج) امیر المومنین علیہ السلام کے زمانہ خلافت میں

امام حسین علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام کے دور خلافت میں (جو تین جنگوں یعنی جمل، صفین اور نہروان میں بیت گیا) ایک دلیر، فداکار اور فرمانبر دار سپاہی کی طرح اپنے والد بزرگوار کے شانہ بشانہ سیاسی اور جنگی امور میں مؤثر کردار ادا کیا۔[2] آپ نے جنگ جمل میں حضرت علی علیہ السلام کی فوج کے میسرہ کی کمان سنبھالی؛[3] اور جنگ صفین میں ایک طرف اپنے عظیم اور مؤثر خطبات کے ذریعے اہل اسلام کو شامی فوج سے لڑنے کی ترغیب دلاتے رہے؛[4] اور دوسری طرف، قاسطین کے مقابلے میں لڑی جانے والی اس جنگ میں شرکت کر کے مؤثر کردار ادا کیا۔[5] امام حسین علیہ السلام نے اس جنگ میں اس قدر مؤثر اور فعال کردار ادا کیا کہ حضرت علی علیہ السلام مسلسل دھیان رکھتے تھے کہ کہیں آپ کو اور آپ کے بھائی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

۱۔ اس بارے میں مزید جاننے کے لیے رجوع کریں، محسن رنجبر کے مقالے کی طرف جس کا عنوان ہے: خلفاء کی فتوحات سے متعلق حضرت علی ع کا موقف" (فارسی زبان)، سہ ماہی: تاریخ در آینہ پژوہش: شمارہ ۲، ص۷۵-۷۰۔

۲۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، تحقیق: عادل احمد عبد الموجود اور علی محمد معوض: ج۲، ص۶۹، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، تحقیق: مکتب تحقیق التراث: ج۸، ص۱۶۱۔

۳۔ شیخ مفید، الجمل، تحقیق: سید علی میر شریفی، ص۳۴۸، ابن عساکر، ترجمہ الامام الحسین من تاریخ مدینہ دمشق، تحقیق: محمد باقر محمودی: ص۱۶۴

۴۔ نصر بن مزاحم منقری، وقعۃ صفین،، تحقیق و شرح: عبد السلام محمد ہارون: ص۱۱۴۔

۵۔ سابقہ حوالہ: ص۲۴۹، ۵۳۰

امیر المومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں اس بارے میں فرمایا:

امْلِكُوا عَنِّي هَذَا الْغُلَامَ لَا يَهُدَّنِي فَإِنَّنِي أَنْفَسُ بِهَذَيْنِ يَعْنِي الْحَسَنَ وَ الْحُسَيْنَ عَلَى الْمَوْتِ لِئَلَّا يَنْقَطِعَ بِهِمَا نَسْلُ رَسُولِ اللَّهِ[1]

میری جانب سے اس جوان (امام حسن علیہ السلام) کو روکو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی موت کا صدمہ میری کمر توڑ دے؛ میں ان دونوں (حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام) کے میدان میں جانے سے کتراتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی موت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی نسل منقطع نہ ہو جائے۔

حکمیت کے ماجرا میں بھی امام حسین بن علی علیہ السلام امیر المؤمنین علیہ السلام کے گواہوں میں سے تھے۔[2]

د) امام حسن علیہ السلام کی امامت کے دور میں

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے دور میں پیش آنے والے واقعات میں سے ایک اہم اور سرنوشت ساز واقعہ جو آپ کے بعض ساتھیوں کی ناراضگی اور حتی اعتراض کا باعث بنا، آپ علیہ السلام کی معاویہ کے ساتھ صلح اور حکومت کو اس کے سپرد کرنا تھا۔

اگرچہ بعض تاریخی کتب میں نقل ہوا ہے کہ امام حسین علیہ السلام اپنے بھائی کے ساتھ صلح کے مسئلے میں اختلاف نظر رکھتے تھے؛[3] لیکن یہ بات صرف تہمت ہے جو امت کے بدخواہ اور ائمہ علیہم السلام کی عصمت کے

۱۔ نہج البلاغہ، تحقیق: صبحی صالح، خطبہ ۲۰۷، ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم، ج۱، ص ۲۴۴، اور ج۱۱ ص ۲۵، سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص ۳۸۶، اس سے ملتی جلتی کلام: شیخ مفید، الاختصاص، تصحیح و تحقیق: علی اکبر غفاری، مجموعہ تصنیفات شیخ مفید کی ج۱۲، ص ۱۷۹۔

۲۔ نصر بن مزاحم منقری، وقعۃ صفین،، تحقیق و شرح: عبد السلام محمد ہارون، ص ۵۰۷۔

۳۔ بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق: سہیل ذکار، ریاض زرکلی، ج۳، ص ۲۹۳، طبری، تاریخ الامم والملوک، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم، ج۵، ص ۱۶۰، خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق: محمد سماوی، ج۱، ص ۱۳۵، ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین بن علی ع من تاریخ مدینہ دمشق، ص ۱۷۸، ابن ابی الحدید، شرح انہج البلاغہ، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم، ج۱۶، ص ۲۳، ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، (العبر)، ج۲، ص ۶۱۹۔

عقیدہ کے منکروں نے لگائی ہے؛ کیونکہ شیعہ اعتقادات کی بنا پر سب امام، معصوم ہیں، اور خطاء اور لغزش سے پاک و منزہ ہیں۔ اسی لیے وہ کسی اشتباہ کے مرتکب نہیں ہوتے کہ جس کی وجہ سے دوسرے معصوم سے اختلاف یا اعتراض پیدا ہو۔

اس کے علاوہ، اگر امام حسینؑ اپنے بھائی کی صلح کے مخالف ہوتے تو امام حسنؑ کی شہادت کے بعد بلا فاصلہ معاویہ کے ساتھ مسلح جنگ کرتے؛ جبکہ آپ نے معاویہ کی زندگی میں مسلح جنگ نہ کی اور قیام سے متعلق اپنے نظریہ کا اظہار، معاویہ کی موت تک مؤخر کر دیا۔[1] یہی وجہ ہے کہ آپ کا مسلح قیام اور انقلاب، یزید کی حکومت کے آغاز سے شروع ہوا۔[2]

اس بنا پر، صلح کا پیمان نامہ شیعوں کے تیسرے پیشوا امام حسینؑ کی جانب سے بھی تائید کا حامل تھا۔ آپؑ امام حسنؑ کی دس سالہ امامت کے دور میں اپنے بھائی کی سیاست اور نقطہ نظر سے مکمل طور پر اتفاق رکھتے اور ان کا دفاع کرتے تھے۔ لہٰذا (جیسا کہ ہم بعد میں بیان کریں گے) آپ نے عراق جانے اور معاویہ کے خلاف اپنے بھائی کے زمانے ہی میں قیام کرنے پر عراقیوں کے اصرار کے باوجود مثبت جواب نہ دیا، اور فرمایا:

" ـــ صدق ابو محمد، فليكن كل رجل منكم حلسا من احلاس بيته، ما دام هذا الإنسان حيا ـــ[3] فإن يهلك و أنتم أحياء رجونا أن يخيّر الله لنا و يؤتينا رشدنا و لا يكلنا إلى أنفسنا"[4]

۱۔ بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق: سہیل ذکار، ریاض زرکلی، ج۳، ص۳۶۶

۲ ۔ صلح کے بارے میں امام حسین ع کی، امام حسن ع سے مخالفت کے متعلق پائی جانے والی روایات کا تنقیدی جائزہ جاننے کے لیے رجوع کریں، باقر شریف قرشی کی کتاب، حیاۃ الامام الحسن بن علی ع، ج۲، ص۲۴۱ کے بعد۔

۳ ۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، تحقیق: عصام محمد الحاج علی: ص۳۲۷-۳۲۶۔

۴۔ بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق: سہیل زکار اور ریاض زرکلی: ج۳، ص۳۶۶-۳۶۵۔

"ابو محمد (امام حسن علیہ السلام) نے صحیح فرمایا ہے۔ جب تک یہ شخص (معاویہ) زندہ ہے، تم میں سے ہر شخص اپنے گھر میں رہے۔۔۔ اگر وہ مر گیا اور تم لوگ زندہ ہوئے، تو ہمیں امید ہے کہ خدا ہم کو انتخاب کر کے ہماری ہدایت کرے گا اور ہمیں اپنے حال پر نہیں چھوڑے گا۔۔۔"

اپنے بھائی کے ساتھ یہ ہم فکری اور اتفاق نظر صرف صلح کے مسئلہ تک محدود نہیں تھا؛ بلکہ سید الشہدا علیہ السلام اپنے دوسرے امور میں بھی اپنے بھائی کا احترام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"مَا تَكَلَّمَ الْحُسَيْنُ بَيْنَ يَدَيِ الْحَسَنِ إِعْظَاماً لَهُ۔۔۔"[1]

امام حسین علیہ السلام نے امام حسن علیہ السلام کے احترام میں، کبھی آپ کے سامنے بات نہ کی۔

چنانچہ امام حسین علیہ السلام، عطاء اور بخشش کے معاملے میں بھی اپنے بھائی کی سروری کا لحاظ رکھتے ہوئے، آپ کے احترام کو خود پر لازم سمجھتے تھے۔ امام صادق علیہ السلام سے منقول ایک روایت کے مطابق جب امام حسن علیہ السلام نے ایک ضرورتمند کو پچاس دینار عطا کیے تو امام حسین علیہ السلام نے اسی شخص کو (بھائی کے احترام میں) اُنچاس دینار دیئے۔[2]

۲۔امام حسین علیہ السلام کا مقام، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اور مسلمانوں کی نگاہ میں

الف) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی نگاہ میں

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا امام حسین علیہ السلام کے ساتھ خاص پیار و محبت تھا اور آنحضرت کے نزدیک، امام علیہ السلام کا خاص مقام تھا کہ جس دن سے انہوں نے دنیا میں آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو نانا کی آغوشِ محبت میں پایا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی اپنے نواسے کے ساتھ یہ فراوان محبتوں کا اظہار اور خاص توجہ، سب اصحاب پر نمایاں تھی؛ کیونکہ آنحضرت کی بھرپور کوشش تھی کہ مختلف الفاظ و بیانات اور مختلف

۱ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، تحقیق: یوسف البقاعی: ج۳، ص ۴۵۲، محمد باقر مجلسی، بحار الانوار: ج۴۳، ص۳۱۹۔

۲۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، تحقیق: یوسف البقاعی: ج۳، ص ۴۵۲، محمد باقر مجلسی، بحار الانوار: ج۴۳، ص۳۱۹۔

انداز سے امام حسینؑ کے ساتھ اپنی محبت کو لوگوں کے سامنے آشکار کریں کو آگاہ کریں تاکہ شاید اُن کی طرف سے اہل بیتؑ کے حق میں آیندہ روار کھی جانے والی بے رخیوں، مظالم اور حق تلفیوں کو کے کا راستہ روک سکیں اور مسلمانوں کو خاندان وحی کی حمایت اور ان کی سیرت طیبہ کی پیروی کی ترغیب دلائیں۔ امام حسینؑ کے مقام و منزلت کے تعارف پر مبنی، شیعہ اور اہل سنت احادیث کی کتب میں پیغمبر اکرمؐ سے منقول کثیر روایات سے آپ کا مقام و منزلت بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ ان روایات کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

اول: وہ باتیں جو رسول خداؐ نے اہل بیتؑ کی عظمت بیان کرنے لیے ارشاد فرمائیں (جن میں ایک امام حسینؑ کی ذات ہے)۔

دوم: وہ احادیث جو پیغمبر اکرمؐ سے، حسنین شریفین کے فضائل و مناقب کے بارے میں نقل ہوئی ہیں۔

سوم: وہ روایات جو خاص طور پر امام حسینؑ کے مقام و منزلت کو پیغمبر اکرمؐ کی نظر میں بیان کرتی ہیں۔

اس کتاب میں اختصار کے پیش نظر، پہلے گروہ سے مربوط روایات کے بیان کی گنجائش نہیں ہے؛[1] اس لیے فقط دوسرے اور تیسرے گروہ کی روایات کے کچھ نمونے بیان کرنے پر اکتفاء کریں گے۔ (البتہ اس بیان میں اہل سنت کی کتب پر زیادہ توجہ ہو گی):

حسنین شریفینؑ کے مقام و مرتبے کے بیان پر مشتمل دوسرے گروہ میں شامل، پیغمبر اکرمؐ سے منقول بعض روایات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اس بارے میں مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے: محمدی ری شہری کی کتاب، اہل البیت فی الکتاب والسنہ، تحقیق: دار الحدیث، باقر شریف قرشی کی کتاب، حیاۃ الامام الحسین ع بن علی ع، ج۱، ص۸۵-۷۷۔

۱۔ وہ روایات جن میں رسول خدا علیہ السلام نے حسنین شریفین علیہما السلام کو اس دنیا میں اپنے دو پھول کہا ہے۔[۱]

۲۔ وہ روایات جن میں رسول خدا علیہ السلام نے حسنین شریفین علیہما السلام کو جوانانِ جنت کا سردار کہا ہے؛ مثلا فرمایا:

۔۔۔ الحسن و الحسین سیدا شباب اهل الجنه،[۲]

۳۔ وہ احادیث جن میں پیغمبر اکرم علیہ السلام نے امام حسن و حسین علیہما السلام کی محبت کو اپنی محبت اور ان سے عداوت کو اپنے ساتھ عداوت قرار دیا ہے۔

مثلاً فرمایا:

۔۔۔ من احب الحسن و الحسین فقد احبنی و من ابغضهما فقد ابغضنی[۳]

۴۔ وہ روایات جن میں آپ علیہ السلام نے حسنین شریفین علیہما السلام کا دو امام کے طور پر تعارف کرایا ہے، چاہے وہ قیام اور جنگ کریں اور چاہے وہ صلح کا راستہ اپنائیں؛ جیسے فرمایا:

۔۔۔ الحسن و الحسین امامان قاما او قعدا۔۔۔[۴]

۵۔ ایسی روایات جن میں پیغمبر اسلام علیہ السلام نے حسنین شریفین علیہما السلام کو اپنے ہاں اہل بیت میں سے سب سے زیادہ محبوب ترین افراد بتایا ہے۔

۱۔ یہ حدیث مختلف الفاظ سے نقل ہوئی ہے۔ نمونہ کے طور پر۔۔۔ ان الحسن و الحسین هما ریحانتاي (سید مرتضی حسینی فیروز آبادی، فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ، ج۳، ص ۲۲۴-۲۲۰، محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۴۳، ص ۲۶۲، ۳۱۶-۳۱۵۔

۲۔ سید مرتضی حسینی فیروز آبادی، ایضا، ج۳، ص ۲۶۴-۲۵۵، محمد باقر مجلسی، ایضا، ص ۲۶۳۔

۳۔ حسینی فیروز آبادی، ایضا، ص ۲۵۱-۲۴۳۔

۴۔ شیخ صدوق، علل الشرایع، ج۱، باب ۱۵۹، ص ۲۴۹، ، شیخ مفدی، الارشاد، تحقیق: موسسہ اہل البیت، ج۲، ص ۳۰، محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۴۴، ص ۲۔

عن انس بن مالك يقول سئل رسول الله ص اى اهل بيتك احب اليك؟ قال الحسن و الحسين۔۔۔[1]

۶۔وہ احادیث جن میں امیر المؤمنینؑ کے دو بیٹوں کو "جنت کی زینت" کہا گیا ہے۔

عن عقبه بن عامر قال قال رسول الله: لما استقر اهل الجنه قالت الجنه: يا رب اليس و عدتنی ان تزيننی بركنين من اركانك؟ قال: الم ازينك بالحسن و الحسين؟ قال فماست الجنه ميساً كما تميس العروس[2]

۷۔وہ روایات جن میں پیغمبر اسلامؐ نے ان دونوں بھائیوں کو مادری، پدری، دادا اور دادی کے نسب کے اعتبار سے بہترین مخلوق کہا ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: معاشر المسلمين الا ادلّكم على خير الناس جدّاً و جدّة؟ قالوا: بلى يا رسول الله قال: الحسن و الحسين جدهما رسول الله خاتم المرسلين و جدتهما خديجه بنت خويلد سيده نساء اهل الجنه، الا ادلكم على خير الناس عمّاً و عمّة؟ قالوا : بلى يا رسول الله، قال الحسن و الحسين عمهما جعفر بن ابى طالب و عمتهما ام هانى بنت ابى طالب، ايها الناس الا ادلكم على خير الناس خالاً و خالة؟۔۔۔[3]

البتہ بعض روایات جو پیغمبر اکرمؐ کے نزدیک امام حسینؑ کے مقام و مرتبے کے بارے نقل ہوئی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔"حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے؛جو حسین سے محبت کرے گا خدا اس سے محبت کرے گا"۔

۱۔سید مرتضی حسینی فیروزی آبادی، فضائل الخمسیہ من الصحاح الستہ، تحقیق: المجمع العالمی لاہل البیت، ج۳، ص۲۴۲-۲۴۱۔

۲۔سابقہ حوالہ، ص۲۶۵و۲۶۶۔

۳۔سابقہ حوالہ، ص۲۷۰تا۲۷۲۔

۔۔۔حسین منی و انا من حسین احب اللہ من احب حسیناً۔۔۔[1]

۲۔ جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں: "جو شخص جنت والوں کے سردار کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اس یعنی حسین بن علی علیہ السلام کی طرف نگاہ کرے؛ پھر کہا: میں نے یہ بات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے سنی ہے"۔

من احبّ ان ینظر الی سید شباب اھل الجنة، فلینظر الی ھذا یعنی الحسین بن علی علیه السلام قال سمعته من رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم[2]

۳۔ حذیفہ بن یمان نے بیان کیا:

۔۔۔عن حذیفة بن الیمان قال رأیت النبی ص آخذا بید الحسین بن علی ع و هو یقول یا أیها الناس هذا الحسین بن علی فاعرفوه فوالذی نفسی بیده إنه لفی الجنة و محبیه فی الجنة و محبی محبیه فی الجنة[3]

میں نے دیکھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے امام حسین علیہ السلام کا ہاتھ تھام کر فرمایا: "اے لوگو، یہ حسین بن علی ہے؛ اس کو پہچانو؛ اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے؛ حسین، اس سے محبت رکھنے والے اور اس سے محبت رکھنے والوں سے محبت رکھنے والے، جنت میں ہوں گے"

۴۔ سلمان فارسی کہتے ہیں:

میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ حسین علیہ السلام آپ کے زانو پر بیٹھے ہوئے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ، ان کی دو آنکھوں کے درمیان بوسہ دے رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے امام حسین علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا: "تم عظیم سردار اور بہترین فرزند ہو؛ تم امام ہو، امام کے بیٹے ہو، امام کے بھائی ہو اور بعض

۱۔ سابقہ حوالہ، ص۳۱۶ و ۳۱۷؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۴۳، ص۳۱۶۔
۲۔ سید مرتضی حسینی فیروز آبادی، فضائل الخمسة من الصحاح الستة، تحقیق المجمع العالمی لاہل البیت، ج۳، ص۲۶۴۔
۳۔ شیخ صدوق، الأمالي للصدوق، تحقیق قسم الدراسات الاسلامیة مؤسسه البعثة، مجلس۸۷، ص۵۹۷۔

ائمہ کے باپ ہو؛ تم حجت خدا ہو، حجت خدا کے فرزند ہو، خداوند متعال کی نو(۹) حجتوں کے باپ ہو، جو آپ کی ذریت سے ہوں گے؛ ان میں سے نواں قائم ہو گا"[1]

۵۔ امام تقی جوادؑ نے اپنے آباؤ اجداد سے، اور انہوں نے امام حسین بن علیؑ سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"جب میں رسول خداؐ کی خدمت میں آیا تو اُبَیّ بن کعب وہاں موجود تھا۔ رسول خداؐ نے فرمایا: تجھ پر آفرین ہو اے ابو عبد اللہ! اے زمین و آسمان کی زینت! اُبَیّ بن کعب نے کہا: اے رسول خداؐ؛ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص کس طرح زمین و آسمان کی زینت بن سکتا ہے؟! پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: اے ابی، مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے برحق پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، سچ یہ ہے کہ حسین بن علی زمین کی نسبت آسمانوں میں زیادہ عظیم ہے؛ یاد رکھو کہ عرش الٰہی کے دائیں جانب لکھا ہوا ہے: حسین، ہدایت کا چراغ، نجات کی کشتی اور افتخار، عزت، برکت اور نیکی کے پیشوا اور علم کے دریا اور خزانہ ہیں۔ (ایسا کیوں نہ ہو) جبکہ خداوند عالم نے اس (حسین) کے صلب میں پاک و پاکیزہ اور بابرکت نسل قرار دی ہے؛ کسی مخلوق کے رحم مادر میں قرار پانے اور کسی باپ کے صلب میں پانی آنے سے پہلے، اور دن رات کے وجود سے قبل، یہ نسل خلق ہو چکی تھی۔"[2]

مذکورہ روایات اور پیغمبر اکرم سے منقول دیگر بہت سی روایات اور احادیث سے پیغمبر اکرمؐ کے نزدیک امام حسینؑ کا مقام و مرتبہ اور عظمت ظاہر ہوتی ہے۔

۱۔ سُلیم بن قیس الہلالی، کتاب سلیم بن قیس ہلالی، تحقیق محمد باقر انصاری زنجانی، ص ۴۶۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی، ج ۱، ص ۱۴۶؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، تحقیق یوسف البقاعی، ج ۴، ص ۷۸؛ قندوزی حنفی، ینابیع المودۃ، تحقیق سید علی جمال اشرف حسینی، ج ۲، ص ۴۴، ۳۱۶ و ج ۳، ص ۲۹۱، ۲۹۴۔

۲۔ شیخ صدوق، کمال الدین و تمام النعمہ، تصحیح علی اکبر غفاری، ص ۲۶۵ اور اسی طرح تھوڑے فرق کے ساتھ: شیخ صدوق، عیون اخبار الرضا، تصحیح حسین اعلمی، ج ۲، باب ۳۱، ص ۶۲۔

ب) اپنے ہم عصروں کی نگاہ میں

امام حسینؑ اپنے ہم عصر مسلمانوں میں اس مقام منزلت کے مالک تھے کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔
حسن بصری کا آپؑ کے بارے میں کہنا ہے:

"کان الحسین بن علی سیّداً زاھداً وَرِعاً صالحاً ناصحاً حسن الخلق"؛[1]

"حسین بن علی سردار، پرہیزگار، پارسا، نیک، ناصح اور خوش اخلاق تھے"

عبد اللہ بن عباس نے مکہ میں امامؑ کے ساتھ ملاقات کے دوران، آپ کو عراق جانے سے روکتے ہوئے کہا:

"**انك سيد اهل الحجاز**"[2] "آپ اہل حجاز کے سردار ہیں"؛ یا کہا:

"**انك رأس الفخار برسول الله وبن نظيرة البتول**"[3] "آپ رسول خداؐ کے لیے افتخار اور زہراء بتولؑ کے فرزند ہیں"

عبد اللہ بن عمر نے امامؑ کے ساتھ ملاقات کے دوران، آپ کو پاکیزہ ترین اور رسول خداؐ کے سب سے قریب ترین مقام و منزلت رکھنے والے کے طور پر تعارف کروایا اور یوں اظہار کیا:

...و لیس مثلك فی طھارته و موضعه من الرسول، ان یسلّم علی یزید بن معاویه باسم الخلافه، ولکن اخشی ان یضرب وجھك ھذا الحسن الجمیل بالسیوف و تری من ھذه الامه ما لاتحب، فارجع معنا الی المدینه و ان شئت ان لاتبایع فلا تبایع ابداً، واقعد فی منزلك؛[4]

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی: ج۱، ص۱۵۳۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم: ج۵، ص۳۸۳؛ بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق سہیل زکار و ریاض زرکلی: ج۳، ص۳۷۴؛ ابوحنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، تحقیق عصام محمد الحاج علی: ص۳۶۱۔

۳۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری: ج۵، ص۲۴؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی: ج۱، ص۱۹۱۔

۴۔ خوارزمی، سابقہ حوالہ: ج۱، ص۱۹۲۔

اگرچہ میں جانتا ہوں کہ آپ طہارت نفس اور مقام و منزلت کے لحاظ سے رسول خداؐ کے نزدیک ہیں، ہرگز یزید بن معاویہ کی خلافت پر راضی نہیں ہوگے اور بیعت نہیں کروگے، مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ آپ کا یہ خوبصورت چہرہ کہیں تلواروں کے ساتھ زخمی نہ ہو جائے اور اس امت سے ایسی چیز دیکھیں جو آپ کو ناپسند ہو۔ پس ہمارے ساتھ مدینہ واپس چلیں؛ اگر چاہیں تو ہمیشہ بیعت نہ کریں اور خانہ نشین ہو جائیں۔

عبد اللہ مطیع[۱] نے مدینہ سے مکہ کے راستے میں، ان الفاظ کے ساتھ امامؑ سے گفتگو کی:

...ولن يعدل أهل الحجاز بك أحداً

اے اباعبد اللہ کہاں جا رہے ہیں؟ خدا مجھے تجھ پر فدا کرے۔۔۔ آپ اس زمانے میں تمام عرب کے آقا و سردار ہو اور اہل حجاز میں سے (صفات و خصوصیات میں) کوئی بھی آپ کی برابری نہیں کر سکتا۔"

اس نے امامؑ کا انتہائی بلند معاشرتی مقام بیان کیا۔

ابن مطیع کے نزدیک، امامؑ کی اسلامی معاشرے میں وہ معاشرتی مقام و منزلت تھی کہ امامؑ کو مخاطب کر کے کہا:۔۔۔لئن قتلوك لا يهابون بعدك احداً ابداً؛[۱] "اگر بنی امیہ نے آپ کو قتل کر دیا تو پھر وہ

۱۔ عبد اللہ بن مُطیع بن اسود کعبی قُرسی عَدوی، پیغمبر اکرم کے زمانے میں پیدا ہوا۔ شجاعت اور دلیری میں اس کا شمار قریش کے بزرگان میں ہوتا ہے۔ اس نے قیام امام حسینؑ کے سلسلے میں دوبار آپؑ سے ملاقات کی: پہلی ملاقات، جیسا کہ کہا گیا ہے، مدینہ کے راستے میں (ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، تحقیق عصام محمد الحاج علی، ص۳۳۸) اور دوسری ملاقات مکہ سے کربلا کے راستے میں (سابقہ حوالہ، ص۳۶۴)؛ اس نے ہر بار امامؑ کو کوفہ جانے سے منع کیا اور آنحضرت کا ساتھ نہ دیا۔ جب سنہ ۶۳ ہجری کو حکومتِ یزید کے خلاف اہل مدینہ کے احتجاج کا واقعہ پیش آیا اور امویوں کو مدینہ سے نکال دیا گیا، اس وقت احتجاج کرنے والے قریشیوں کی کمان عبد اللہ بن مطیع اور انصار کی کمان عبد اللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ کر رہے تھے۔ جب یزید کی فوج مدینے پر مسلط ہو گئی اور واقعہ حَرَّہ پیش آیا، تو وہ مکہ چلا گیا اور چونکہ وہ عبد اللہ بن زبیر کا ہم خیال تھا، لہذا اس کے ساتھ مل گیا۔ جب سپاہ یزید نے خانہ خدا کا پہلا محاصرہ کیا اس وقت عبد اللہ بن مُطیع، ابن زبیر کے پاس تھا۔ وہ یزید کی موت کے بعد ابن زبیر کی طرف سے کوفہ کا حاکم بن گیا؛ مگر مختار ثقفی کے قیام اور اس کے کوفہ پر مسلط ہونے کے بعد اسے شہر سے باہر نکال دیا گیا اور وہ مکہ واپس لوٹ گیا، اور ابن زبیر کے پاس رہا۔ ابن مطیع، عبد الملک کے زمانے تک، یعنی اسوقت تک جب حجاج نے خانہ کعبہ کا محاصرہ کیا، عبد اللہ بن زبیر کے پاس رہا اور اسی کے ساتھ قتل ہو گیا (ابن اثیر، اُسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج۳، ص۲۸۹ و ۲۹۰)۔

کسی کو قتل کرنے سے دریغ نہیں کریں گے" اسی طرح کہا:۔۔۔ **فواللہ لئن ھلکتَ لنسترقنّ بعدك۔۔۔؛**[2] "اگر آپ قتل ہوگئے تو ہم مسلمان (یزید کے) غلام بنادیے جائیں گے"؛ کیونکہ حسین بن علی علیہ السلام ایک ایسی رکاوٹ تھے کہ آپ کے قتل سے بنی امیہ کے لیے ظلم، قتل اور امت اسلامی کے حقوق پر تجاوز کی راہ کھل جاتی اور ان کے لیے ہر قسم کی جنایت کی راہ ہموار ہو جاتی، یہاں تک کہ حاکم کے خلاف ہر قسم کی اعتراض آمیز آواز دب جاتی۔

فرزدق شاعر نے بھی، کوفہ کی جانب امام حسین علیہ السلام کی روانگی کے وقت ملاقات میں آپ علیہ السلام کے ساتھ عقیدت و محبت کا ان الفاظ میں اظہار کیا: **بأبی انت و امّی یا ابن رسول اللہ**[3] اور "منزل صفاح پر" ان الفاظ میں اظہار کیا: **انت احبّ الناس الی الناس؛**[4] پھر جب قَیس بن مُسہِر صَیدَاوی، ابن زیاد کے سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ قَیس بن مُسہِر منبر پر جاکر امام حسین علیہ السلام کو برا بھلا کہیں اور آپ کو گالیاں دیں، تو اس نے امام علیہ السلام سے متعلق کہا: **انّ الحسین بن علی علیھما السلام اللہ خیر خلق اللہ ؛**[5] حسین بن علی علیہ السلام اللہ کی بہترین مخلوق ہیں۔

البتہ یہ امام علیہ السلام کی معنوی اور معاشرتی عظمت، نہ صرف حجاز اور کوفہ کے لوگوں کے درمیان تھی، جن کے ساتھ آپ نے کئی سال زندگی گزاری؛ بلکہ بصرہ شہر کے عثمانی مسلک کے بزرگ اور سردار بھی آپ علیہ السلام کو عظمت کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ بصرہ کے ایک سردار یزید بن مسعود نَہشَلی نے امام حسین علیہ السلام کی

۱۔ طبری، سابقہ حوالہ، ص ۳۹۵۔

۲۔ سابقہ حوالہ، ص ۳۵۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق سہیل زکار اور ریاض زرکلی، ج ۳، ص ۳۶۸۔

۳۔ طبری، سابقہ حوالہ، ص ۳۸۶؛ شیخ مفید، الارشاد، تحقیق مؤسسہ اٰل البیت، ج ۲، ص ۶۷۔

۴۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، سال سوم، ش ۱۰، ص ۱۷۱۔

۵۔ بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق سہیل زکار وریاض زرکلی: ج ۳، ص ۳۷۸؛ طبری، سابقہ حوالہ، ص ۳۹۵۔

روانگی کی خبر سنی تو بنی تمیم، بنی حنظلہ اور بنی سعد کے قبیلوں کو جمع کیا اور اپنی گفتگو میں امامؑ کو ان الفاظ سے یاد کیا:

حسین بن علی، رسول خداؐ کی دختر کے فرزند، نیک وصالح، خالص نسب اور محکم عقیدہ کے مالک ہیں؛ بے شمار فضائل اور بے پایان علم کے مالک ہیں اور آپ اپنے تجربہ، ادھیڑ عمر ہونے اور پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ قرابت کی بنا پر اس امر خلافت کے سب سے زیادہ لائق ہیں۔ آپ چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کے ساتھ مہربانی ومحبت سے پیش آتے ہیں۔۔۔ پس آپ لوگ نورِ حق سے محروم اور باطل کی جال میں گرفتار نہ ہوں۔[1]

اس نے امامؑ کو ایک خط میں لکھا: "آپ خلق خدا پر اللہ کی حجت اور زمین میں اللہ کی امانت ہیں، جو شجرہ احمدی سے وجود میں آئے ہیں۔ رسول خداؐ اس درخت کی جڑ اور آپ اس کی شاخیں ہیں"[2]

تیسرے امام کا یہ عظیم مقام و مرتبہ صرف مسلمانوں، محبان اہل بیت یا متوسط لوگوں کے نزدیک نہیں، بلکہ معاویہ بھی آپ کو ان الفاظ میں یاد کرتا تھا: **احبُّ الناس الی الناس**[3] "لوگوں کے نزدیک محبوب ترین شخص"؛ اسی طرح معاویہ نے یزید کو وصیت میں، رسول خدا کے نزدیک حسین بن علیؑ کے مقام ومرتبے کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ آنحضرتؑ کا احترام کرنا۔"[4]

۱۔ سید بن طاوس، الملہوف علی قتلی الطفوف، تحقیق فارس تبریزیان: ص۱۱۰ و۱۱۱۔

۲۔ سابقہ حوالہ: ص۱۱۳۔

۳۔ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، تحقیق محمد باقر محمودی: ص۱۹۹۔

۴۔ ابن عساکر، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج۴، ص۳۵۰؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی: ج۱ص۱۷۶۔

تیسری فصل

شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بارے میں، انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کے بیانات

انبیائے الٰہی، اہل بیت علیہم السلام اور بعض اصحابِ خاص نے، کثیر روایات میں بعض غیبی امور اور آنے والے واقعات کی خبر دی ہے۔ حتی کہ بعض علمائے اہل سنت نے بھی ان روایات کو نقل کیا ہے۔[1] امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بارے میں خبر دینا بھی اسی باب میں سے ہے؛ کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اور ائمہ علیہم السلام سے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بارے میں کثیر روایات نقل ہوئی ہیں۔ یہ روایات مظبوط سند، واضح دلالت اور مفہوم کے لحاظ سے یکساں نہیں ہیں۔ ان میں کچھ روایات (جو باقی روایات کے ساتھ مضمون کے لحاظ سے مشترک) سند کے لحاظ سے صحیح ہیں اور کچھ مُوَثّق ہیں؛ مگر کثرت کے اعتبار سے معنوی تواتر کی حامل ہیں اور علمائے اسلام نے بھی ان کو قبول کیا ہے۔ البتہ یہ موضوع (جیسا کہ آئندہ صفحات میں ذکر کیا جائے گا) امام حسین علیہ السلام کی تاریخ میں مسلَّم اور مشہور مسائل میں سے ہے؛ جیسا کہ امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف نے تین شعبان کے روز دعا تعلیم کے سلسلے میں اپنے وکیل خاص قاسم بن علاء کی توقیع میں فرمایا:۔۔۔اللهم انی اسألك بحق المولود فی هذا الیوم، الموعود بشهادته قبل استهلاله و وِلادته۔۔۔؛[2]
"اے اللہ، آج کے مولود کے طفیل تجھ سے درخواست کرتا ہوں جس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کی شہادت کا وعدہ دیا جا چکا ہے۔۔۔"

۱۔ مثلاً: ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم: ج۷ ص۴۷؛ خطبہ نمبر ۹۲، ج۱۰ ص۱۳ و خطبہ نمبر ۱۷۶ کے ذیل میں۔
۲۔ شیخ طوسی، مصباح المتہجد و سلاح المتعبد: ص۸۲۶۔

اس فصل میں بطور نمونہ چند ایسی روایات نقل ذکر کریں گے جو اس بارے میں قدیمی شیعہ وسنی تاریخی اور حدیثی کتب نقل ہوئی ہیں اور ان کا مفہوم اور مضمون واضح اور روشن ہے، اور اس سلسلہ کا آغاز، سابقہ انبیاء کی پیشین گوئیوں سے کرتے ہیں۔

الف) سابقہ انبیاء کی پیشین گوئی

امام حسینؑ کی شہادت کے بارے میں سابقہ انبیاء اور گذشتہ امتوں کے آگاہ ہونے کی تاریخ بہت طولانی ہے۔ اس بارے میں شیعہ وسنی حدیث اور تاریخ کی کتب میں بہت زیادہ روایات موجود ہیں۔ ہم بطور نمونہ یہاں چند روایات ذکر کرتے ہیں:

۱۔۔۔عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: فَجَلَسَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ جَلَسَ الْحَوَّارِيُّوْنَ مَعَهُ فَبَكٰى وَ بَكَى الْحَوَّارِيُّوْنَ وَ هُمْ لَا يَدْرُوْنَ لِمَ جَلَسَ وَ لِمَ بَكٰى فَقَالُوْا يَا رُوْحَ اللهِ! وَ كَلِمَتُهُ مَا يُبْكِيْكَ؟ قَالَ أَتَعْلَمُوْنَ أَيَّ أَرْضٍ هٰذِهٖ قَالُوْا لَا، قَالَ هٰذِهٖ أَرْضٌ يُقْتَلُ فِيْهَا فَرْخُ الرَّسُوْلِ أَحْمَدَ وَ فَرْخُ الْحُرَّةِ الطَّاهِرَةِ الْبَتُوْلِ شَبِيْهَةِ أُمِّيْ۔۔۔[1]

حضرت ابن عباس نے امیر المؤمنینؑ سے، حضرت عیسیٰؑ کے سرزمین کربلا سے گزرنے کے بارے میں نقل کیا ہے کہ آپؑ فرماتے ہیں: "حضرت عیسیٰؑ (کربلا سے گزرتے وقت) بیٹھے اور گریہ کیا اور آپؑ کے حواریوں نے بھی آپ کے ساتھ بیٹھ کر گریہ کیا؛ لیکن انہیں حضرت عیسیٰؑ کے گریہ کرنے کی وجہ معلوم نہ تھی، اسی لیے انہوں نے آنحضرتؑ سے عرض کی: اے روح اللہ، اے کلمۃ اللہ، آپ کے گریہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کونسی سرزمین ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ وہ زمین ہے جہاں فرزند رسول خدا "احمد"

۱۔ محمد جواد محمودی، ترتیب الامالی، ج۵، ص۱۵۸، ۱۷۷۰؛ شیخ صدوق، الامالی، تحقیق قسم الدراسات الاسلامیہ مؤسسہ البعثہ، ص۶۹۵، مجلس۸۷، ح۵۔

اور اُس آزاد خاتون کے فرزند شہید اور دفن ہوں گے جو ہر طرح کی نجاست سے پاک اور میری ماں (حضرت مریم) کی شبیہ ہیں۔۔۔"

۲۔"عَنْ سَمَاعَةَ بْنِ مِهْرَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ: إِنَّ الَّذِي قَالَ اللهُ فِي كِتَابِهِ- ﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُولاً نَبِيًّا﴾؛ سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِ قَوْمَهُ فَكَشَطُوا وَجْهَهُ، وَ فَرْوَةَ رَأْسِهِ، فَبَعَثَ اللهُ إِلَيْهِ مَلَكاً ،فَقَالَ لَهُ: إِنَّ رَبَّ الْعَالَمِينَ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَ يَقُولُ إِنَّهُ قَدْ رَأَيْتُ مَا صَنَعَ بِكَ قَوْمُكَ فَسَلْنِي مَا شِئْتَ؛ فَقَالَ: يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ لِي بِالْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ أُسْوَةٌ؛ قَالَ :أَبُوعَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَيْسَ هُوَ إِسْمَاعِيلَ بْنَ إِبْرَاهِيمَ عَلَى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِمَا السَّلَامُ."[۱]

سماعہ بن مہران کا بیان ہے: میں نے امام صادق علیہ السلام سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا:"وہ شخص جس کے بارے میں خداوند متعال نے قرآن میں فرمایا: ﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا﴾؛ "اور اپنی کتاب میں اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ کرو کہ وہ وعدے کے سچے اور ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے؛" پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر تھے(جس کو خدا نے اپنی قوم کی طرف بھیجا)، قوم اس پر مسلط ہو گئی، اس کے چہرے اور سر کی جلد اتار لی۔ اس وقت خدا نے ایک فرشتہ اس کے پاس بھیجا اور کہا: عالمین کا رب تجھے سلام دیتا ہے اور فرماتا ہے: قوم نے جو سلوک تیرے ساتھ کیا ہے، میں نے دیکھا ہے۔ پس جو چیز تو چاہتا ہے مجھ سے مانگ۔ اسماعیل نے کہا: اے عالمین کے رب، حسین بن علی بن ابی طالب میرے لیے [بلاء اور مصیبت میں] اسوہ اور نمونہ ہیں۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: وہ پیغمبر حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور نبی تھے۔"

۱۔ شیخ مفید، الامالی، تحقیق حسین استاد ولی و علی اکبر غفاری، ص۳۹، ۴۰، مجلس ۵، ح۷ تھوڑے سے فرق اور سند میں اختلاف کے ساتھ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، تحقیق نشر الفقاہۃ، باب ۱۹، ص۱۳۷ تا ۱۳۹، میں ذکر ہوئی ہے۔

ب) جبرائیل کا امام حسینؑ کی شہادت کی خبر دینا

۱۔...عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَلْعَبَانِ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ فِي بَيْتِي، فَنَزَلَ جِبْرَئِيلُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ أُمَّتَكَ تَقْتُلُ ابْنَكَ هٰذَا مِنْ بَعْدِكَ، فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ إِلَى الْحُسَيْنِ فَبَكَى رَسُولُ اللهِ وَ ضَمَّهُ إِلَى صَدْرِهِ...[1]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "حسن و حسینؑ میرے گھر میں پیغمبر اکرمؐ کے پاس کھیل رہے تھے کہ جبرئیل نے آکر کہا: اے محمد؛ تیرے بعد تیری امت، تیرے اس فرزند کو شہید کرے گی؛ اور اپنے ہاتھ سے امام حسینؑ کی طرف اشارہ کیا۔ رسول خداؐ نے گریہ کیا اور حسین کو اپنی گود میں لے کر سینے سے لگالیا...۔

۲۔۔۔۔عَنْ أَبِي بَصِيرٍ۔۔۔إِذْ أَتَاهُ جِبْرَئِيلُ (علیه السلام)، فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ، أَتُحِبُّهُ؟ قَالَ نَعَمْ. قَالَ أَمَا إِنَّ أُمَّتَكَ سَتَقْتُلُهُ، فَحَزِنَ رَسُولُ اللهِ (صلی الله علیه و آله) لِذٰلِكَ حُزْنًا شَدِيدًا، فَقَالَ جِبْرَئِيلُ (علیه السلام): أَيَسُرُّكَ إِنْ أُرِيكَ التُّرْبَةَ الَّتِي يُقْتَلُ فِيهَا قَالَ نَعَمْ. قَالَ فَخَسَفَ جِبْرَئِيلُ (علیه السلام) مَا بَيْنَ مَجْلِسِ رَسُولِ اللهِ (صلی الله علیه و آله) إِلَى كَرْبَلَاءَ حَتَّى الْتَقَتِ الْقِطْعَتَانِ هٰكَذَا وَ جَمَعَ بَيْنَ السَّبَّابَتَيْنِ فَتَنَاوَلَ بِجَنَاحَيْهِ مِنَ التُّرْبَةِ فَنَاوَلَهَا لِرَسُولِ اللهِ (صلی الله علیه و آله)، ثُمَّ دَحَا الْأَرْضَ مِنْ طَرْفِ الْعَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ (صلی الله علیه و آله) طُوبَى لَكِ مِنْ تُرْبَةٍ وَ طُوبَى لِمَنْ يُقْتَلُ فِيكِ.[2]

۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، تحقیق حمدی عبد المجید سلفی: ج۳ص۱۰۸)۔ اسی طرح کی بہت سی روایات حضرت ام سلمہ سے نقل ہوئی ہیں (رجوع کریں: سابقہ حوالہ، ص۱۰۸ تا ۱۱۰؛ محمد جواد محمودی، ترتیب الامالی، ج۵، ص۱۶۱؛ شیخ صدوق، الامالی، تحقیق قسم الدراسات الاسلامیہ مؤسسہ البعثۃ: ص۲۰۳، مجلس ۲۹، ح۳)۔

۲۔ محمد جواد محمودی، سابقہ حوالہ، ص۱۶۲؛ شیخ طوسی، الامالی، تحقیق قسم الدراسات الاسلامیہ مؤسسہ البعثۃ، ص۳۱۴، مجلس ۱۱، ح۸۵؛ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، تحقیق نشر الفقاہۃ، باب ۱۷، ص۱۲۹ تا ۱۳۰؛ تھوڑے سے فرق کے ساتھ: محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۴۴، ص۲۲۸ و ۲۳۵۔

ابو بصیر کہتے ہیں: میں نے امام صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سے سنا ہے: "جب امام حسین علیہ السلام، رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ کے پاس تھے تو جبرئیل، پیغمبر اکرم کی خدمت میں آئے اور کہا: اے محمد! کیا آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا: ہاں۔ جبرئیل نے کہا: آپ کی امت اسے شہید کر دے گی؛ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ یہ سن بہت غمگین ہوئے؛ جبرئیل نے کہا: کیا آپ وہ مٹی دیکھنا چاہتے ہیں جس پر حسین شہید ہو گا؟ فرمایا: ہاں؛ جبرئیل نے مسندِ رسول اور کربلا کی سرزمین کا درمیانی فاصلہ ختم کر دیا اور دونوں زمینیں آپس میں ایسے مل گئیں جیسے دو اکٹھی انگلیاں (اور اپنی دونوں انگلیوں کو آپس میں ملایا)۔ پھر جبرئیل نے اپنے دونوں پروں سے کربلا کی مٹی اٹھائی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ کو دی؛ پھر اسی وقت زمین کربلا کو اپنی اصلی حالت میں پلٹا دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا: اے خاک تو خوش نصیب ہے اور وہ بھی خوش نصیب ہے جو تیرے اوپر شہید ہو گا۔

۳۔ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ (صلی الله علیه و آله) أَجْلَسَ حُسَيْنًا عَلٰى فَخِذِهٖ فَجَعَلَ يُقَبِّلُهُ، فَقَالَ جِبْرَئِيْلُ: أَتُحِبُّ اِبْنَكَ هٰذَا قَالَ نَعَمْ. قَالَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ سَتَقْتُلُهُ بَعْدَكَ، فَدَمَعَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللهِ (صلی الله علیه و آله) فَقَالَ لَهُ إِنْ شِئْتَ أَرَيْتُكَ مِنْ تُرْبَتِهِ الَّتِيْ يُقْتَلُ عَلَيْهَا قَالَ نَعَمْ فَأَرَاهُ جِبْرَئِيْلُ (علیه السلام) تُرَابًا مِنْ تُرَابِ الْأَرْضِ الَّتِيْ يُقْتَلُ عَلَيْهَا وَقَالَ: تُدْعَى الطَّفُ.[1]

ابو سلمہ نے جناب عایشہ سے نقل کیا ہے: "رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ، حسین علیہ السلام کو زانو پر بیٹھا کر بوسے دے رہے تھے۔ جبرئیل نے کہا: کیا آپ اپنے اس بیٹے سے محبت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں؛ جبرئیل نے کہا: آپ کی امت، آپ کے بعد اسے شہید کرے گی؛ اسی وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ جبرئیل نے عرض کیا: اگر آپ چاہتے ہیں تو آپ کو وہ مٹی دکھاؤں جس پر آپ کا

۱۔ محمد جواد محمودی، سابقہ حوالہ: ص۱۶۶؛ شیخ طوسی، سابقہ حوالہ ص۳۱۶-۳۱۷، مجلس ۱۱، ح۸۹؛ اسی مضمون کے ساتھ، ابن سعد، ترجمہ الحسین و مقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، ص۱۵۵۔ مزید تفصیل کے لیے رجوع کریں: محمد جواد محمودی، سابقہ حوالہ، حاشیہ: ص۱۶۶)۔ "طف" کا معنی نہر کا کنارہ اور ساحل ہوتا ہے۔ یہاں ساحل فرات سے مراد وہ زمین ہے جہاں امام حسین علیہ السلام اپنے اصحاب سمیت شہید ہوئے۔

حسین شہید ہو گا ؟ فرمایا: ہاں؛ اسی وقت جبرئیل نے وہ مٹی جس پر حسینؑ نے شہید ہونا تھا، پیغمبر اکرمؐ کو دیکھائی اور کہا: اس زمین کو طف کہا جاتا ہے۔

۴۔ اِنَّ رَسُولَ اللهِ حِیْنَ اَخْبَرَہُ جِبْرَئِیْلُ اِنَّ اُمَّتَہُ سَتَقْتُلُ حُسَیْنَ بْنَ عَلِیٍّ، فَقَالَ: یَا جِبْرَئِیْلُ، اَفَلَا اُرَاجِعُ فِیْہِ؟ قَالَ: لَا، لِاَنَّہُ اَمْرٌ قَدْ کَتَبَہُ اللهُ۔[1]

محمد بن صالح کا بیان ہے: جب جبرئیل نے رسول خداؐ کو خبر دی کہ آپ کی امت حسین بن علیؑ کو قتل کرے گی، تو آپؐ نے فرمایا: کیا یہ تقدیر تبدیل ہونے والی نہیں ہے؟ جبرئیل نے کہا: نہیں، یہ ایک ایسا امر ہے جسے اللہ تعالی نے حتمی قرار دیا ہے۔

۵۔ عَنْ ابْنِ عَبَاس قَالَ الْمَلَكُ الَّذِیْ جَاءَ إِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ یُخْبِرُهُ بِقَتْلِ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ کَانَ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ الرُّوْحُ الْأَمِیْنُ مَنْشُوْرَ الْأَجْنِحَةِ بَاکِیًا صَارِخًا قَدْ حَمَلَ مِنْ تُرْبَةِ الْحُسَیْنِؑ وَ هِیَ تَفُوْحُ کَالْمِسْكِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِؐ وَ تَفْلَحُ أُمَّتِیْ تَقْتُلُ فَرْخِیْ أَوْ قَالَ فَرْخَ ابْنَتِیْ فَقَالَ جِبْرَئِیْلُ یَضْرِبُهَا اللهُ بِالْاِخْتِلَافِ فَتَخْتَلِفُ قُلُوْبُهُمْ[2]

ابن عباس کا بیان ہے: جو فرشتہ رسول خداؐ کی خدمت میں آیا اور آپؐ کو امام حسینؑ کی شہادت سے آگاہ کیا وہ روح الامین جبرئیل تھے، جو اپنے پر کھولے ہوئے اور گریہ و فریاد کرتے ہوئے خاک شفاء لائے جس کی خوشبو، مشک کی مانند تھی؛ رسول خداؐ نے فرمایا: کیا وہ امت جو میرے فرزند (یا فرمایا: میری بیٹی کے فرزند) کو شہید کرے گی، کامیاب ہو گی؟ جبرئیل نے کہا: اللہ تعالی ان میں اختلاف ڈال دے گا اور ان کے دل (ایک دوسرے سے) جدا ہو جائیں گے۔

۱۔ ابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق الکبیر: ج۱۴، ص۱۹۶؛ یہی مصنف، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، تحقیق محمد باقر محمودی: ص۱۸۵۔

۲۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، تحقیق نشر الفقاہۃ، باب ۱۷، ص ۱۳۱، ح ۷؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۳۷۔

ج) پیغمبر اکرم ﷺ کی پیشین گوئی

پیغمبر اکرم ﷺ کو خدا کی جانب سے اپنے بیٹے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا علم تھا۔ آپ ﷺ نے مختلف مقامات پر اس بارے میں گفتگو فرمائی ہے؛ حتی کہ بعض احادیث میں اپنے فرزند کے قاتل کا نام بھی ذکر کیا ہے۔

۱۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ حارث قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ ابْنِي هَذَا (يعنى الحسين) يُقْتَلُ بِأَرْضِ الْعِرَاقِ فَمَنْ أَدْرَكَهُ مِنْكُمْ فَلْيَنْصُرْهُ۔[1]

اَنس بن حارث نے بیان کیا ہے: میں نے پیغمبر اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: بے شک میرا یہ بیٹا عراق کی سرزمین پر شہید کیا جائے گا؛ پس تم میں سے جو شخص موجود ہو اس کی مدد کرے۔

۲۔ قَالَ رَسُولُ اللهِ: يُقْتَلُ الْحُسَيْنُ حِيْنَ يَعْلُوْهُ الْقَتِيْرُ۔[2]

امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: حسین اس وقت شہید ہوں گے جب ان کے بالوں کی سفیدی ظاہر ہو جائے گی۔

۳۔ قَالَ رَسُولُ اللهِ: اَيْمُ اللهِ لَيُقْتَلَنَّ بَعْدِي اِبْنِيَ الْحُسَيْنُ لَا اَنَالَهُمُ اللهُ شَفَاعَتِي۔[3]

۱۔ طبری، ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربیٰ، ص۱۴۶؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، تحقیق مکتب تحقیق التراث، ج۸، ص۲۱۷؛ ابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق الکبیر، تحقیق علی عاشورا الجنوبی، ج۱۴، ص۲۱۷؛ یہی مصنف، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، تحقیق محمد باقر محمودی، ص۲۳۹؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۴۴، ص۲۴۷۔ مزید تفصیل کے لیے رجوع کریں: ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، شمارہ نمبر ۱۰، حاشیہ، ص۱۶۱۔)

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، تحقیق حمدی عبد المجید سلفی، ج۳، ص۱۰۵)۔

۳۔ محمد جود محمودی، ترتین الامالی: ج۵، ص۱۶۷؛ تھوڑے سے فرق کے ساتھ: ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات: ص۱۴۶۔ مزید تفصیل کے لیے رجوع کریں: محمد جود محمودی، سابقہ کتاب، حاشیہ: ص۱۶۷، ۱۶۸۔

حضرت ابن عباس نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے آخری ایام میں فرمایا: خدا کی قسم میرے بعد میرے بیٹے حسین کو شہید کیا جائے گا؛ خدا، اُنہیں (قاتلوں کو) ہرگز میری شفاعت نصیب نہ کرے۔

۴۔ عَنْ أَبِيْ جَعْفَرٍ ؑ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ؐ إِذَا دَخَلَ الْحُسَيْنُ ؑ جَذَبَهُ إِلَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ لِأَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؑ أَمْسِكْهُ ثُمَّ يَقَعُ عَلَيْهِ فَيُقَبِّلُهُ وَ يَبْكِيْ يَقُوْلُ يَا أَبَةِ لِمَ تَبْكِيْ فَيَقُوْلُ يَا بُنَيَّ أُقَبِّلُ مَوْضِعَ السُّيُوْفِ مِنْكَ قَالَ يَا أَبَةِ وَ أُقْتَلُ؟ قَالَ: إِيْ وَ اللهِ وِ أَبُوْكَ وَ أَخُوْكَ وَ أَنْتَ، قَالَ يَا أَبَةِ فَمَصَارِعُنَا شَتَّى؟ قَالَ نَعَمْ يَا بُنَيَّ[1]

عبد اللہ بن محمد صنعانی نے امام باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب بھی امام حسینؑ، پیغمبر اکرمؐ کے پاس جاتے تو آنحضرت ان کو اپنے سینے سے لپٹاتے اور پھر امیر المؤمنینؑ سے فرماتے: اس کی حفاظت کیا کریں اور پھر جھک کر بوسہ دیتے اور گریہ کرتے۔ امام حسینؑ سوال کرتے: باباجان! آپ گریہ کیوں کر رہے ہیں؟ پیغمبر اکرمؐ فرماتے: اے میرے عزیز بیٹے! تلواروں کے مقام پر بوسہ دے رہا ہوں اور گریہ کر رہا ہوں۔ امام حسینؑ نے کہا: باباجان! کیا میں قتل کیا جاؤں گا؟! رسول خداؐ نے فرمایا: ہاں، اللہ کی قسم؛ آپ کے بابا، آپ کے بھائی اور آپ سب شہید ہوں گے۔ عرض کیا: باباجان! ہماری قتل گاہ ایک دوسرے سے جدا ہوگی؟ فرمایا: ہاں، میرے بیٹے۔

۵۔ امام حسینؑ دو سال کے تھے کہ پیغمبر اکرمؐ سفر پر گئے؛ راستے میں ایک مقام پر ٹھہرے اور کلمہ استرجاع (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) زبان پر جاری کیا اور آپ کی آنکھوں میں آنسوں بھر آئے؛ اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا: جبرئیل نے اس زمین کے بارے میں بتایا ہے جو نہر فرات کے کنارے واقع ہے اور جس کا نام کربلا ہے کہ میرا بیٹا حسین بن فاطمہؑ وہاں شہید ہوگا۔ آپؐ سے

۱۔ (ابن قولویہ قمی، سابقہ حوالہ: باب نمبر ۲۲، ص ۱۴۷؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار: ج ۴۴، ص ۲۶۱ و ج ۹۷، ص ۱۱۹۔)

پوچھا گیا: یارسول اللہ، انہیں کون قتل کرے گا؟ فرمایا: ایک شخص جس کا نام یزید ہے، اور گویا میں اس کے خاک پر گرنے اور مقامِ دفن کو دیکھ رہا ہوں۔[1]

د) امیر المؤمنین علیہ السلام کی پیشین گوئی

۱۔عَنْ عَلِیِّ بْنِ أَبِی طَالِبٍ ع قَالَ بَیْنَا أَنَا وَ فَاطِمَةُ وَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ علیہ السلام إِذَا [إِذِ] الْتَفَتَ إِلَیْنَا فَبَکَی فَقُلْتُ مَا یُبْکِیكَ یَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ أَبْکِی مِمَّا یُصْنَعُ بِکُمْ بَعْدِی فَقُلْتُ وَ مَا ذَاكَ یَا رَسُولَ اللهِ قَالَ أَبْکِی مِنْ ضَرْبَتِكَ عَلَی الْقَرْنِ وَ لَطْمِ فَاطِمَةَ خَدَّهَا وَ طَعْنَةِ الْحَسَنِ فِی الْفَخِذِ وَ السَّمِّ الَّذِی یُسْقَی وَ قَتْلِ الْحُسَیْنِ قَالَ فَبَکَی أَهْلُ الْبَیْتِ جَمِیعاً[2]

حضرت علی بن ابی طالب صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: میں، فاطمہ، حسن اور حسین، پیغمبر اکرم کی خدمت میں حاضر تھے، آپ علیہ السلام اچانک ہماری طرف منہ کرکے رونے لگے؛ میں نے کہا: یارسول اللہ؛ گریہ کرنے کی کیاوجہ ہے؟ فرمایا: میں اس ضربت پر جو تیری پیشانی پر لگے گی، اس طمانچے پر جو فاطمہ کے رخسار پر مارا جائے گا، اس زخم پر جو حسن کی ران پر آئے گا اور اس زہر پر جو حسن کو پلائی جائے گی اور حسین کے شہید ہونے پر گریہ کررہا ہوں۔ پھر سب اہل بیت علیہم السلام نے گریہ کیا۔

۲۔ عَنْ جُوَیْرِیَةَ بْنِ مُسْهِرٍ الْعَبْدِیِّ قَالَ لَمَّا تَوَجَّهْنَا مَعَ أَمِیرِ الْمُؤْمِنِینَ علیہ السلام إِلَی صِفِّینَ فَبَلَغْنَا طُفُوفَ کَرْبَلَاءَ وَقَفَ نَاحِیَةً مِنَ الْمُعَسْکَرِ ثُمَّ نَظَرَ یَمِیناً وَ شِمَالًا وَ اسْتَعْبَرَ ثُمَّ قَالَ هَذَا وَ اللهِ مُنَاخُ رِکَابِهِمْ وَ مَوْضِعُ مَنِیَّتِهِمْ فَقِیلَ لَهُ یَا أَمِیرَ الْمُؤْمِنِینَ مَا هَذَا الْمَوْضِعُ فَقَالَ هَذَا کَرْبَلَاءُ یُقْتَلُ فِیهِ

۱۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، تحقیق فارس تبریزیان، ص۹۳؛ تھوڑے سے فرق کے ساتھ: ابن اعثم، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج۴، ص۳۲۵۔

۲۔ شیخ صدوق، سابقہ حوالہ، ص۱۹۷، ح۲۰۷؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، تحقیق، یوسف البقاعی، ج۲، ص۲۳۸؛ محمد باقر مجلسی، بحارالانوار، ج۴۴، ص۱۴۹۔

قَوْمٌ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ ثُمَّ سَارَ وَ كَانَ النَّاسُ لَا يَعْرِفُونَ تَأْوِيلَ مَا قَالَ حَتَّى كَانَ مِنْ أَمْرِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمَا وَ أَصْحَابِهِ بِالطَّفِّ مَا كَانَ۔[1]

جُوَیریہ بن مُسہر عبدی کا بیان ہے: جب ہم امیر المؤمنینؑ کے ہمراہ صفین کی جانب روانہ ہوئے اور نہر فرات کے کنارے کربلا پہنچے، آپؑ لشکر کے ایک طرف کھڑے ہو گئے، پھر دائیں بائیں دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، پھر فرمایا: خدا کی قسم! یہ ان کے اترنے اور موت کی جگہ ہے۔ (لشکر والوں نے) پوچھا: یا امیر المؤمنین! اس جگہ کا نام کیا ہے؟ فرمایا: کربلا؛ یہاں کچھ لوگ قتل ہوں گے جو بغیر حساب و کتاب جنت میں جائیں گے ؛ پھر آپ چل پڑے؛ لیکن لوگوں نے آپ کی بات کا مطلب نہ سمجھا یہاں تک کہ کربلا میں حسین بن علیؑ اور آپ کے اصحاب کا واقعہ پیش آیا۔

۳۔ إِنَّ عَلِيًّا عليه السلام قَالَ لِلْبَرَّاءِ بْنِ عَازِبٍ يَوْمًا يَا بَرَّاءُ يُقْتَلُ ابْنِيَ الْحُسَيْنُ عليه السلام وَ أَنْتَ حَيٌّ لَا تَنْصُرُهُ فَلَمَّا قُتِلَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عليه السلام كَانَ الْبَرَّاءُ بْنُ عَازِبٍ يَقُولُ صَدَقَ وَ اللهِ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ قُتِلَ الْحُسَيْنُ وَ لَمْ أَنْصُرْهُ ثُمَّ يُظْهِرُ الْحَسْرَةَ عَلَى ذَلِكَ وَ النَّدَمَ۔[2]

اسماعیل بن زیاد کا بیان ہے: حضرت علیؑ نے ایک دن براء بن عازب سے فرمایا: اے براء! میرا بیٹا حسین شہید ہو گا، اس وقت تو زندہ ہو گا؛ لیکن اس کی مدد نہیں کرے گا۔ جب حسین بن علیؑ شہید ہوئے تو براء نے کہا: خدا کی قسم! علی بن ابی طالبؑ نے سچ فرمایا تھا؛ حسین شہید ہو گئے اور میں نے ان کی نصرت نہیں کی؛ پھر وہ اس پر ندامت اور پشیمانی کا اظہار کرتا تھا۔

۱۔ شیخ مفید، الارشاد، تحقیق مؤسسہ آل البیت: ج ۱ ص ۳۳۲؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار: ج ۴۱ ص ۲۸۶)۔ یہ روایت شیعہ و سنی متعدد کتب میں، مختلف اسناد اور تعابیر کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

۲۔ شیخ مفید، الارشاد، تحقیق مؤسسہ آل البیت، ج ۱، ص ۳۳۱؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، ج ۱۰، ص ۱۵؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۶۲۔

۴۔ عَنْ هَانِئِ بْنِ هَانِئٍ عَنْ عَلِيٍّ علیہ السلام قَالَ لَيُقْتَلُ الْحُسَيْنُ قَتْلًا وَإِنِّي لَأَعْرِفُ تُرْبَةَ الْأَرْضِ الَّتِي يُقْتَلُ عَلَيْهَا قَرِيباً مِنَ النَّهْرَيْنِ۔[1]

ہانی بن ہانی نے حضرت علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: یقیناً حسین شہید ہو گا اور میں اس زمین کو پہچانتا ہوں جس میں حسین کی شہادت گاہ ہے اور جو دو نہروں (فرات اور علقمہ) کے نزدیک ہے۔

۵۔ عَنْ أَبِي حِبَرَةَ، قَالَ: صَحِبْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَتَّى أَتَى الْكُوفَةَ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ بِذُرِّيَّةِ نَبِيِّكُمْ بَيْنَ ظَهْرَانِيكُمْ؟ قَالُوا: إِذاً نُبْلِيَ اللهَ فِيهِمْ بَلَاءً حَسَناً، فَقَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيَنْزِلَنَّ بَيْنَ ظَهْرَانِيكُمْ۔۔۔ فَلَتَقْتُلُنَّهُمْ ثُمَّ أَقْبَلَ يَقُولُ:

هُمْ أَوْرَدُوهُمْ بِالْغُرُورِ وَ عَرَّدُوا   أَحَبُّوا نَجَاةً لَا نَجَاةَ وَ لَا عُذْرَ[2]

ابو حبرہ کا بیان ہے: میں ایک دن حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ تھا، آپ کوفہ آئے اور منبر پر گئے، اللہ تعالی کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: اس وقت آپ کا کیا سلوک ہو گا جب تمہارے پیغمبر کی اولاد تمہارے درمیان ہو گی؟ کوفیوں نے کہا: اس وقت اللہ کی راہ میں ان کے بارے میں احسن انداز سے اپنی ذمہ داری نبھائیں گے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے؛ یقیناً وہ تمہارے درمیان آئیں گے اور یقیناً تم انہیں قتل کرو گے؛ پھر یہ شعر پڑھا: انہوں نے دھوکے سے بلایا اور ان کے ساتھ برا سلوک کیا؛ گویا وہ چاہتے تھے کہ اس دعوت کے ذریعے اپنی بری حالت سے نجات پائیں؛ مگر انہوں نے نجات پائی اور نہ ان کے پاس کوئی بہانہ رہا۔

۱۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۵۸؛ طبرانی، المعجم الکبیر، تحقیق حمدی عبد المجید سلفی، ج ۳، ص ۱۱۰ تا ۱۱۱؛ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، تحقیق نشر الفقاہۃ، باب ۲۳، ص ۱۵۰؛ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، تحقیق محمد باقر محمودی، ص ۱۸۸؛ یہی مصنف، تاریخ مدینۃ دمشق الکبیر، تحقیق علی عاشور الجنوبی، ج ۱۴، ص ۱۹۷؛ محمد باقر مجلسی، سابقہ حوالہ۔

۲۔ طبرانی، سابقہ حوالہ: ص ۱۱۰۔

۶۔ عَنْ جَابِرٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه السلام قَالَ قَالَ: عَلِيٌّ لِلْحُسَيْنِ يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ أُسْوَةٌ أَنْتَ قِدْماً ؛فَقَالَ: جُعِلْتُ فِدَاكَ، مَا حَالِي قَالَ: عَلِمْتَ مَا جَهِلُوا وَ سَيَنْتَفِعُ عَالِمٌ بِمَا عَلِمَ، يَا بُنَيَّ اسْمَعْ وَ أَبْصِرْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكَ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيَسْفِكَنَّ بَنُو أُمَيَّةَ دَمَكَ؛ ثُمَّ لَا يُرِيدُونَكَ [يُزِيلُونَكَ] عَنْ دِينِكَ وَ لَا يُنْسُونَكَ ذِكْرَ رَبِّكَ؛ فَقَالَ الْحُسَيْنُ عليه السلام: وَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، حَسْبِي وَ أَقْرَرْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ وَ أُصَدِّقُ نَبِيَّ اللهِ وَ لَا أُكَذِّبُ قَوْلَ أَبِي۔[1]

جابر نے بیان کیا ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا: حضرت امیر المؤمنینؑ نے امام حسینؑ سے فرمایا: یا اباعبد اللہ! آپ کائنات کے لیے ہمیشہ اسوہ اور مقتدا ہو۔ امام حسینؑ نے عرض کی: میں آپ پر فدا ہو جاؤں (اس صورت میں) میری حالت کیسی ہے؟ حضرت علیؑ نے فرمایا: تو وہ چیز جانتا ہے جس سے لوگ جاہل ہیں، اور عالم جس چیز کو جانتا ہے اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ میرے بیٹے! اس سے پہلے کہ تجھے یہ مسئلہ پیش آئے، سنو اور دیکھو؛ مجھے قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یقیناً بنی امیہ تیرا خون بہائیں گے؛ لیکن وہ تجھے تیرے دین سے جدا نہیں کر سکیں گے، اور یاد خدا کو تیرے دل سے نہیں نکال سکیں گے۔ امام حسینؑ نے کہا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں جان ہے، میرے لیے یہی کافی ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس کا اقرار کرتا ہوں، پیغمبرؐ کے فرامین کی تصدیق کرتا ہوں اور اپنے بابا کے فرامین نہیں جھٹلاتا۔

۷۔ أَمَا وَ اللهِ يَا شَبَثُ وَ يَا ابْنَ حُرَيْثٍ لَتُقَاتِلَانِ ابْنِيَ الْحُسَيْنَ هٰكَذَا أَخْبَرَنِي رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔[2]

۱۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، تحقیق نشر الفقاہۃ: باب ۲۳، ص ۱۴۹، ۱۵۰؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار: ج ۴۴ ص ۲۶۲۔

۲۔ قطب الدین راوندی، الخرائج والجرائح، تحقیق مؤسسہ الامام المہدی: ج ۱ ص ۲۲۶؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار: ج ۳۳، ص ۳۸۴۔

جب جنگ خوارج میں، شَبَث بن رِبعی اور عمرو بن حُرَیث نے امیر المؤمنین علیہ السلام کے لشکر سے سرکشی کی تو امام علیہ السلام نے ان کو فرمایا: خدا کی قسم، اے شَبَث اور اے ابن حُریث! یقیناً تم میرے بیٹے حسین کے ساتھ جنگ کروگے؛ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے مجھے یہ خبر دی ہے۔

ھ) امام حسن علیہ السلام کی پیشین گوئی

مفضل بن عمر نے امام صادق علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے بابا امام باقر علیہ السلام سے اور انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے کہ ایک دین حسین بن علی صلی اللہ علیہ وآلہ، امام حسن علیہ السلام کے پاس آئے؛ جب امام حسین علیہ السلام کی نگاہ امام حسن علیہ السلام پر پڑی تو آپ نے گریہ کیا؛ امام حسن علیہ السلام نے ان سے فرمایا: اے اباعبد اللہ! کیوں گریہ کررہے ہو؟ امام حسین علیہ السلام نے جواب دیا: میرے گریہ کرنے کی وجہ وہ سلوک ہے جو تیرے ساتھ کیا گیا ہے؛ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: میرا رنج اور مصیبت، اس زہر کی وجہ سے ہے جو مجھے دھوکے سے دیا گیا ہے اور جس کی وجہ سے میں شہید ہو جاؤں گا؛ مگر اے اباعبد اللہ! کوئی دن بھی تیرے دن جیسا نہیں ہے۔ ہمارے نانا کی امت ہونے کی دعویدار اور خود کو مسلمان کہلوانے والے تیس ہزار لوگ تیرا محاصرہ کریں گے اور تجھے شہید کریں گے، تیرا خون بہائیں گے، تیری ہتک حرمت کریں گے، تیرے خاندان اور اہل بیت کو اسیر کریں گے اور مال واسباب لوٹ لیں گے۔ یہ وہ زمانہ ہو گا جب بنی امیہ، لعنتِ خدا کے مستحق بن جائیں گے؛ آسمان سے خاک وخون برسے گا اور ہر چیز یہاں تک کہ جنگلی درندے اور دریا کی مچھلیاں بھی تیرے اوپر گریہ کریں گی۔[1]

و) سید الشھدا علیہ السلام کی پیشین گوئی

امام حسین علیہ السلام نے نہ صرف اپنے قیام کے مختلف مراحل میں خطبات، خطوط اور مختلف مقام پر بعض بنی ہاشم اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی گفتگو میں قیام کربلا کے انجام کی خبر دی، بلکہ آپ کئی

۱۔ شیخ صدوق، الامالی، تحقیق قسم الدراسات الاسلامیہ مؤسسہ البعثہ، مجلس ۲۴، ح ۳؛ محمد جواد محمودی، ترتیب الامالی، ج۵، ص ۱۸۰۔

سال پہلے، حتیٰ کہ رسول خدا ﷺ کے زمانے سے ہی اپنی شہادت سے آگاہ تھے اور آپ نے اس بارے میں خبر بھی دی۔ بطور نمونہ چند روایات کا مطالعہ کرتے ہیں:

۱۔ ۔۔۔ حُذَيْفَةَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ يَقُوْلُ وَ اللهِ لَيَجْتَمِعَنَّ عَلٰى قَتْلِيْ طُغَاةُ بَنِيْ أُمَيَّةَ وَ يَقْدِمُهُمْ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ، وَ ذٰلِكَ فِيْ حَيَاةِ النَّبِيِّ صلی الله علیه و آله و سلم، فَقُلْتُ لَهُ أَنْبَأَكَ بِهٰذَا رَسُوْلُ اللهِ؟ قَالَ لَا، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ (صلی الله علیه و آله و سلم) عِلْمِيْ عِلْمُهُ وَ عِلْمُهُ عِلْمِيْ وَ إِنَّا لَنَعْلَمُ بِالْكَائِنِ قَبْلَ كَيْنُوْنَتِهِ۔[1]

حُذیفہ کا بیان ہے: میں نے حسین بن علی علیہما السلام سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے: خدا کی قسم! بنی امیہ کے ستمگر مجھے قتل کرنے پر اکٹھے ہو جائیں گے اور عمر سعد ان کا کمانڈر ہو گا۔ آپ نے یہ بات، پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے میں کہی؛ میں نے حسین بن علی علیہما السلام سے کہا: کیا رسول خدا ﷺ نے آپ کو یہ خبر دی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ (حذیفہ کا کہنا ہے) میں پیغمبر اکرم کی خدمت میں گیا اور سارا ماجرا بیان کیا؛ آپ نے فرمایا: میرا علم اُس کا علم، اُس کا علم میرا علم ہے، اور ہم رونما ہونے والے واقعات کی پہلے خبر رکھتے ہیں۔

۲۔ جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے امام حسین علیہ السلام سے تقاضا کیا کہ آپ عراق نہ جائیں (کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول خدا ﷺ سے سنا تھا کہ حسین بن علی علیہما السلام سرزمین کربلا میں شہید کیے جائیں گے)، تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

۔۔۔ إِنِّيْ وَ اللهِ مَقْتُوْلٌ كَذٰلِكَ وَ إِنْ لَمْ أَخْرُجْ إِلَى الْعِرَاقِ يَقْتُلُوْنِيْ أَيْضاً۔[2]

خدا کی قسم، جیسا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے میں قتل کیا جاؤں گا؛ حتیٰ اگر عراق نہ بھی جاؤں پھر بھی مجھے قتل کریں گے۔

۱۔ طبری، دلائل الامامۃ، ص ۷۵۔

۲۔ قطب الدین راوندی، الخرائج والجرائح، تحقیق مؤسسہ الامام المہدی: ج ۱ ص ۲۵۳؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار: ج ۴۵ ص ۸۹۔

۳۔ فضیل بن یسار نے امام باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے: جب امام حسین علیہ السلام نے عراق کا سفر شروع کیا تو وصیت نامہ، امامت کی کتابیں، اور دوسری چیزیں، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کیں اور فرمایا: جب میرا بڑا بیٹا آپ کے پاس آئے تو یہ چیزیں اس کے حوالے کر دینا۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب امام سجاد علیہ السلام، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو انہوں نے وہ سب چیزیں امام سجاد علیہ السلام کے سپرد کر دی۔[1]

۴۔ سید بن طاؤوس نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ جب محمد بن حنفیہ نے امام علیہ السلام کو عراق جانے سے منع کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

۔۔۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ میرے خواب میں آئے ہیں اور مجھے فرمایا ہے: اے حسین! باہر جاؤ؛ کیونکہ خدا تجھے شہید دیکھنا چاہتا ہے۔ (انّ اللہ شاءَ ان یراكَ قتیلاً)

محمد حنفیہ نے کہا" اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اگر ایسا ہی ہے تو اپنے ساتھ مستورات کو کیوں لے کر جارہے ہو؟ فرمایا: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے مجھے فرمایا ہے: خدا ان کو اسیر دیکھنا چاہتا ہے۔ (اِنَّ اللہَ قَدْ شَاءَ اَنْ یَرَاھُنَّ سَبَایَا)

پھر محمد بن حنفیہ کو خدا حافظ کہا اور عراق کی جانب روانہ ہو گئے۔

۵۔ ... عن زرارۃ عن ابی جعفر... فَإِنَّهُ مَنْ لَحِقَ بِي مِنْكُمُ اسْتُشْهِدَ وَ مَنْ تَخَلَّفَ لَمْ يَبْلُغْ مَبْلَغَ الْفَتْحِ وَ السَّلَامُ[2]

۱۔ شیخ طوسی، کتاب الغیبۃ، تحقیق عباد اللہ تہرانی و علی احمد ناصح: ص۱۹۵ تا ۱۹۶، ح۱۵۹۔

۲۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، تحقیق نشر الفقاہۃ: با۲۳ ص۱۵۷؛ طبری، دلائل الامامۃ: ص۷۷؛ صفار قمی، بصائر الدرجات، تصحیح محسن باغی تبریزی: ص۴۸۲، ح۵؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار: ج۴۴ ص۳۳۰۔

امام حسین علیہ السلام نے مکہ سے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ اور دوسرے بنی ہاشم کے نام ایک خط میں واضح فرمایا: جو شخص میرے ساتھ آئے گا شہید ہو گا اور جو شخص مجھ سے دور رہے گا (یا میرے ساتھ نہیں ملے گا) وہ کامیاب نہیں ہو گا۔

۶۔ امام حسین علیہ السلام نے مکہ سے روانہ ہوتے وقت ایک خطبہ دیا، جس میں حاضرین کو اپنی شہادت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

... خُطَّ الْمَوْتُ عَلَى وُلْدِ آدَمَ مَخَطَّ الْقِلَادَةِ عَلَى جِيدِ الْفَتَاةِ وَ مَا أَوْلَهَنِي إِلَى أَسْلَافِي اشْتِيَاقَ يَعْقُوبَ إِلَى يُوسُفَ وَ خُيِّرَ لِي مَصْرَعٌ أَنَا لَاقِيهِ كَأَنِّي بِأَوْصَالِي يَتَقَطَّعُهَا عُسْلَانُ الْفَلَوَاتِ بَيْنَ النَّوَاوِيسِ وَ كَرْبَلَاءَ فَيَمْلَأَنَّ مِنِّي أَكْرَاشاً جُوفاً وَ أَجْرِبَةً سُغْباً لَا مَحِيصَ عَنْ يَوْمٍ خُطَّ بِالْقَلَمِ... مَنْ كَانَ فِينَا بَاذِلًا مُهْجَتَهُ مُوَطِّناً عَلَى لِقَاءِ اللهِ نَفْسَهُ فَلْيَرْحَلْ مَعَنَا فَإِنِّي رَاحِلٌ مُصْبِحاً إِنْ شَاءَ اللهُ۔[1]

موت اس طرح بنی آدم کی گردن میں آویزاں ہے جس طرح لڑکیوں کے گلے میں گلوبند؛ میں اپنے اسلاف کے دیدار کا مشتاق ہوں، جیسے یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کے دیدار کے مشتاق تھے۔ میری قتل گاہ کا انتخاب ہو چکا ہے جس کی طرف میں جا رہا ہوں؛ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ جنگل کے بھیڑیے، نواویس اور کربلا کے درمیان میرے ٹکڑے کر رہے ہیں؛ اپنے خالی پیٹ مجھ سے بھر رہے ہیں۔ جو قضا کی قلم سے لکھا جا چکا ہے اس سے فرار نہیں۔

آخر میں فرمایا:

جو شخص ہماری راہ میں اپنا خون نثار کرنا چاہتا ہے اور اپنے آپ کو خدا کی ملاقات کے لیے آمادہ کرنا چاہتا ہے وہ ہمارے ساتھ آئے؛ ان شاء اللہ، میں صبح کے وقت کوچ کروں گا۔

۱۔ آبی، نثر الدر فی المحاضرات، تحقیق خالد عبد الغنی محفوظ: ج۱ ص۲۲۸؛ سید بن طاؤوس، الملھوف علی قتلی الطفوف، تحقیق فارس تبریزیان: ص۱۲۶؛ اربلی، کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ، ج۲، ص۲۳۹؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار: ج۴۴ ص۳۶۶ تا ۳۶۷؛ اسی عبارت کے ساتھ ملتی جلتی عبارت: خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی: ج۲ ص۵۔

۷۔ ابو مخنف کہتے ہیں: جب عبداللہ بن زبیر نے امام حسین علیہ السلام کو مکہ میں رہنے کا مشورہ دیا تو آپ نے اُسے فرمایا:

خدا کی قسم! اگر میں ایک بالشت حرم سے باہر قتل کیا جاؤں تو مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ ایک بالشت حرم کے اندر قتل کیا جاؤں۔ خدا کی قسم! اگر میں حشرات کے بلوں میں بھی چلا جاؤں تو یہ مجھے باہر نکال لیں گے اور میرے بارے میں اپنی خواہش (بیعت یا میرا قتل) پوری کریں گے۔ خدا کی قسم! میرے حق میں ایسے تجاوز کریں گے جیسے یہودیوں نے ہفتے کے دن (اپنے حق سے) تجاوز کیا تھا۔[۱،۲]

۸۔ جب عمرو بن لُوذان نے عراق نہ جانے کی اپیل کی تو سید الشہدا علیہ السلام نے فرمایا:

خدا کی قسم! اموی حکمران مجھے نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ میرا خون بہالیں۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو خدا ان پر کسی ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو انہیں ذلیل وخوار کرے گا؛ اس طرح کہ یہ امت کے ذلیل ترین لوگ بن جائیں گے۔[۳]

۹۔ امام علیہ السلام نے کوفہ کی طرف سفر کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

یہ، کوفیوں کے میرے نام خطوط ہیں؛ اگرچہ جانتا ہوں کہ وہ میرے قاتل ہیں، جب وہ یہ کام کریں گے، کسی حرمت الٰہی کو نہیں چھوڑیں گے مگر یہ کہ اس کی بے حرمتی کریں گے۔ پس خدا بھی ان پر ایسے

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، ج۵، ص۳۸۵۔) ابن اعثم نے یہ فرمان عبد اللہ بن جعفر کے جواب میں نقل کیا ہے۔ (ابن اعثم، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج۵، ص۶۷۔

۲۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، سال سوم، شمارہ نمبر۱۰، ص۱۶۰؛ طبری، سابقہ حوالہ؛ ابن اعثم، سابقہ حوالہ؛ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، تحقیق محمد باقر محمودی، ص۲۱؛ یہی مصنف، تاریخ مدینۃ دمشق الکبیر، تحقیق علی عاشورا الجنوبی، ج۱۴، ص۲۱۱۔

۳۔ شیخ مفید، الارشاد، تحقیق مؤسسہ آل البیت: ج۲ ص۷۶؛ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، سال سوم، شمارہ نمبر۱۰، ص۱۶۰؛ طبری، سابقہ حوالہ: ص ۳۹۴؛ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، تحقیق محمد باقر محمودی: ص۲۱۱؛ ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق الکبیر، تحقیق علی عاشورا الجنوبی: ج۱۴ ص۲۱۱۔)

شخص کو مسلط کرے گا جو انہیں اس طرح ذلیل کرے گا کہ یہ کنیزوں کے حیض والے کپڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے۔[1]

۱۰۔ ... قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي خَفَقْتُ خَفْقَةً فَعَنَّ لِي فَارِسٌ عَلَى فَرَسٍ وَ هُوَ يَقُولُ الْقَوْمُ يَسِيرُونَ وَ الْمَنَايَا تَسِيرُ إِلَيْهِم فَعَلِمْتُ أَنَّهَا أَنْفُسُنَا نُعِيَتْ إِلَيْنَا۔[2]

امام حسینؑ کو کوفہ کے راستے میں قصر بنی مقاتل کے مقام کے بعد اونگھ آگئی، جب بیدار ہوئے تو کلمہ استرجاع پڑھ رہے تھے اور خدا کی حمد کر رہے تھے؛ حضرت علی اکبرؑ نے پوچھا: بیدار ہونے کے بعد آپ نے آیت استرجاع کیوں پڑھی ہے اور حمد خدا بجالانے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: بیٹا! مجھے اونگھ آگئی تھی، میں نے ایک گھڑ سوار کو دیکھا جو میرے قریب کھڑا ہو گیا اور کہا: یہ قوم چل رہی ہے یہاں تک کہ موت ان کے استقبال میں آرہی ہے؛ میں نے سمجھ لیا ہے کہ ہمیں، ہمارے قتل ہونے کی خبر دی گئی ہے۔

۱۱۔ ... عَنِ ابْنِ عَبْدِ رَبِّهِ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ ع أَنَّهُ قَالَ لَمَّا صَعِدَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ ع عَقَبَةَ الْبَطْنِ قَالَ لِأَصْحَابِهِ مَا أَرَانِي إِلَّا مَقْتُولًا قَالُوا وَ مَا ذَاكَ يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ قَالَ رُؤْيَا رَأَيْتُهَا فِي الْمَنَامِ قَالُوا وَ مَا هِيَ قَالَ رَأَيْتُ كِلَاباً تَنْهَشُنِي أَشَدُّهَا عَلَيَّ كَلْبٌ أَبْقَعُ۔[3]

امام صادقؑ نے فرمایا: امام حسینؑ جب (کوفہ کے راستے میں) بطن عقبہ سے اوپر گئے تو اپنے اصحاب سے فرمایا: میں یقینی طور پر قتل کیا جاؤں گا؛ اصحاب نے کہا: یا اباعبد اللہ! کیوں؟ فرمایا:

۱۔ ابن سعد، سابقہ حوالہ: ص۱۷۳؛ ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق الکبیر، تحقیق علی عاشوری الجنوبی: ج۱۴ص۲۱۱؛ ابن عساکر، ترجمۃ الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، تحقیق محمد باقر محمودی: ص۲۱۱؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، تحقیق مکتب تحقیق التراث: ج۸ص۱۸۳۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، ج۵، ص۴۰۷؛ شیخ مفید، الارشاد، تحقیق مؤسسہ آل البیت: ج۲ ص۸۲؛ یہ روایت تھوڑے سے فرق کے ساتھ ان کتابوں میں بھی آئی ہے: ابن اعثم، کتاب الفتوح: ج۵ص۷۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی: ج۱ص۲۲۶؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار: ج۴۴ص۳۶۷وج۵۸، ص۱۸۲۔

۳۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، تحقیق نشر الفقاہۃ: باب۲۳، ص۱۵۷؛ محمد باقر مجلسی، سابقہ حوالہ: ج۴۵ص۸۷تا۸۸۔

کیونکہ میں نے خواب دیکھا ہے؛انہوں پوچھا: وہ خواب کیا تھا؟ فرمایا: میں نے خواب میں کتوں کو دیکھا ہے جو مجھے کاٹ رہے ہیں؛ان میں بدترین کتا "ابقع" (جس میں مختلف رنگ ہوں) تھا۔

۱۲۔... عَنْ طَلْحَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ع قَالَ قَالَ وَ الَّذِي نَفْسُ حُسَيْنٍ بِيَدِهِ لَا يَهْنِئُ [يَنْتَهِي] بَنِي أُمَيَّةَ مُلْكُهُمْ حَتَّى يَقْتُلُونِي وَهُمْ قَاتِلِي۔[1]

طلحہ بن زید نے امام صادق علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے بابا سے، انہوں نے اپنے دادا سے، اور انہوں حسین بن علی صلی اللہ علیہ وآلہ سے نقل کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں حسین کی جان ہے! بنی امیہ کی بادشاہی ختم نہیں ہوگی، مگر یہ کہ وہ مجھے قتل کر دیں؛وہی میرے قاتل ہیں۔۔۔

۱۳۔... رَوَى سَالِمُ بْنُ أَبِي حَفْصَةَ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ لِلْحُسَيْنِ ع يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ إِنَّ قِبَلَنَا نَاساً سُفَهَاءَ يَزْعُمُونَ أَنِّي أَقْتُلُكَ فَقَالَ لَهُ الْحُسَيْنُ إِنَّهُمْ لَيْسُوا سُفَهَاءَ وَ لَكِنَّهُمْ حُلَمَاءُ أَمَا إِنَّهُ يُقِرُّ عَيْنِي أَنْ لَا تَأْكُلَ بُرَّ الْعِرَاقِ بَعْدِي إِلَّا قَلِيلاً۔[2]

سالم بن ابی حفصہ کا بیان ہے: ایک دن عمر بن سعد نے حسین بن علی علیہ السلام سے کہا: ہمارے پاس کچھ کم عقل لوگ ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو قتل کروں؛ آپ علیہ السلام نے فرمایا: وہ کم عقل نہیں ہیں بلکہ عقل مند ہیں۔ جان لے، میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تو میرے بعد عراق کی گندم نہیں کھائے گا مگر بہت ہی کم۔

۱۔ابن قولویہ قمی،سابقہ حوالہ:ص ۱۵۴ ح ۱۷؛ محمد باقر مجلسی،سابقہ حوالہ:ص ۸۸۔

۲۔ شیخ مفید،الارشاد، تحقیق مؤسسہ آل البیت:ج ۲ ص ۱۳۲؛اربلی، کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ:ج ۲، ص ۲۱۸؛ محمد باقر مجلسی،سابقہ حوالہ:ج ۴۴ ص ۲۶۳۔

مذکورہ روایات، شیعہ و سنی تاریخ و حدیث کی کتب میں، سید الشہداؑ کی شہادت کی خبر کے متعلق نقل ہونے والی متعدد روایات میں سے کچھ نمونے ہیں جن کا معصومینؑ کو علم تھا اور انہوں نے خبر دی ہے۔[۱]

ان روایات کے علاوہ، امام حسینؑ کی شہادت کا ماجرا، آپ کی شہادت سے کئی سال پہلے اصحاب اور دیگر مسلمانوں کے درمیان مشہور تھا؛ چنانچہ شیخ صدوق رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ جَبلہ مکیہ کا بیان ہے کہ میں نے میثم تمار کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

...وَاللهِ لَتَقْتُلُ هَذِهِ الْأُمَّةُ ابْنَ نَبِيِّهَا فِي الْمُحَرَّمِ لِعَشْرٍ يَمْضِينَ مِنْه...[۲]

خدا کی قسم یہ امت اپنے پیغمبر کے بیٹے کو محرم میں قتل کرے گی؛ جبکہ اس (مہینے) کے دس دن گزر چکے ہوں گے۔

اسی طرح ایک اور روایت میں میثم تمار اور رشید ہَجَری نے، امام حسینؑ کی رکاب میں حبیب بن مظاہر کی شہادت اور ان کے سر کو کوفہ میں پھیرائے جانے اور ان کا سَر لانے والے کی اجرت میں سو درہم کا اضافہ ہونے کے بارے میں خبر دی ہے۔[۱]

۱۔ مزید تفصیل کے لیے رجوع کریں: محمد جواد محمودی، ترتیب الامالی: ج۵ ص۱۶۱ تا ۱۸۰؛ طبرانی، المُعجم الکبیر، تحقیق حمدی عبد المجید سلفی: ج۳ ص۱۰۵ تا ۱۱۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی: ج۱ ص۱۵۸ تا ۱۷۰؛ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، تحقیق محمد باقر محمودی: ص۱۶۵ تا ۱۹۱، ۲۱۱؛ محمد باقر مجلسی، سابقہ حوالہ: ج۴۴ ص۲۲۳ تا ۲۶۷؛ اسی طرح ہم عصر محققین میں سے، مرحوم امینی اور علامہ عسکری نے ان روایات کو جمع کیا ہے (عبد الحسین امینی، سیر تنا و سنتنا، ص۴۹ تا ۱۵۰؛ سید مرتضی عسکری، معالم المدرستین: ج۳، ص۲۶ تا ۴۴)۔ استاد محمودی نے بھی جدید ترین مصادر میں سے ذکر کیا ہے (محمد باقر محمودی، عبرات المصطفین فی مقتل الحسین: ج۱ ص۱۵۸ تا ۲۲۴)۔ امام حسینؑ کا اپنی شہادت کے بارے علم اور اس کی خبر دینے کے متعلق رجوع کریں: موسوعۃ کلمات الامام الحسین، معہد تحقیقات باقر العلوم، ص۲۹۰ کے بعد۔

۲۔ شیخ صدوق، الامالی، تحقیق قسم الدراسات الاسلامیہ مؤسسہ البعثۃ، مجلس ۲۷، ص۱۸۹، ح۱؛ یہی مصنف، علل الشرائع، ج۱، باب ۱۶۲، ص۲۶۷، ح۳؛ محمد باقر مجلسی، سابقہ حوالہ، ج۴۵، ص۲۰۲، ح۴۔

ابن عباس کا بیان ہے: ہم اہل بیت علیہم السلام کو اس میں شک نہیں تھا کہ حسین بن علی علیہ السلام کو سرزمینِ طف پر شہید کیا جائے گا۔[۲]

البتہ واضح رہے کہ میثم تمار، رشید ہجری اور عبد اللہ بن عباس جیسے اصحاب کی آگاہی، خود ائمہ علیہم السلام ہی کے ذریعے تھی۔

رَوَی عَبْدُ اللهِ بْنُ شَرِيكٍ الْعَامِرِيُّ قَالَ كُنْتُ أَسْمَعُ أَصْحَابَ عَلِيٍّ إِذَا دَخَلَ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ مِنْ بَابِ الْمَسْجِدِ يَقُولُونَ هَذَا قَاتِلُ الْحُسَيْنِ وَ ذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يُقْتَلَ بِزَمَانٍ طَوِيلٍ[۳]

عبد اللہ بن شریک عامری کا بیان ہے: میں نے حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب سے سنا ہے کہ جب عمر بن سعد مسجد میں داخل ہوتا تھا تو آپ علیہ السلام اُسے کہتے تھے: یہ شخص حسین کا قاتل ہے۔ عبد اللہ کہتے ہیں: یہ ماجرا، شہادت حسین علیہ السلام سے بہت پہلے کا ہے۔

جیسا کہ اس فصل کے آغاز میں کہا گیا ہے کہ عین ممکن ہے کہ ان میں سے بعض روایات کی سند صحیح نہ ہو یا بعض روایات کی دلالت واضح نہ ہو؛ لیکن بعض روایات کے صحیح سند اور واضح دلالت کے ساتھ ساتھ، ان روایات کی کثرت اور مختلف پیرائے میں وارد ہونا اسقدر قابلِ توجہ ہے کہ ان کے محتوا اور مضمون کے متواتر ہونے کا دعوا کیا جا سکتا ہے ؛لہذا کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ نہ صرف معصومین علیہم السلام، اس واقعہ کی حقیقت سے مکمل آگاہ تھے اور انہوں نے اس کی خبر بھی دی ہے؛ بلکہ بعض روایات کے مطابق پیغمبر اکرم علیہما السلام، امیر المؤمنین علیہ السلام، امام حسن علیہ السلام اور میثم تمار جیسے اصحاب نے بھی اس واقعہ کی جزئیات کی

۱۔ شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، تصحیح حسن مصطفوی، ص۷۸ تا ۷۹، شمارہ نمبر ۱۳۳۔

۲۔ حاکم نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق مصطفی عبد القادر عطا، ج۳، ص۱۹۷؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی، ج۱، ص۱۶۰۔

۳۔ شیخ مفید، الارشاد، تحقیق مؤسسہ آل البیت: ج۲ ص۱۳۱ تا ۱۳۲؛ اربلی، کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمہ: ج۲ ص۲۱۸؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار: ج۴۴ ح۱۹۔

وضاحت بیان کی ہ۔ اس بناپر اس بناپر بعض ہم عصر مصنفین کا یہ کہنا غلط اور نا قابلِ قبول ہے کہ امام حسین ؑ اجمالی طور پر جانتے تھے کہ ان کا انجام شہادت ہے، مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ اسی سفر میں اور روز عاشورا سنہ اکسٹھ ہجری کو شہید ہوں گے ۔

چوتھی فصل

امام حسین علیہ السلام پر گریہ و عزاداری کی فضیلت اور اس کا تجزیہ و تحلیل

امام حسینؑ اور آپ کے اہل البیتؑ کے مصائب پر گریہ اور عزاداری کرنے کے ثواب کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ سے کثیر روایات نقل ہوئی ہیں جن میں شیعوں کو اس کی ترغیب اور تشویق دلائی گئی ہے۔ یہ احادیث، شیعہ حدیث کی اہم کتب مثلاً: **کامل الزیارات، امالی، ثواب الاعمال، خصال شیخ صدوق اور وسائل الشیعہ** وغیرہ میں نقل ہوئی ہیں۔ اس فصل میں نمونہ کے طور پر ان میں سے بعض احادیث کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے نقل کریں گے؛ ایک حصہ میں **"امام حسینؑ پر گریہ کرنے کے ثواب کے بارے میں احادیث"** اور دوسرے حصہ میں **" آنحضرت کے غم میں اشعار و مرثیہ پڑھنے کے ثواب کے بارے میں احادیث"**؛ اور اس کے بعد امام حسینؑ پر گریہ کرنے کے ثواب کا تجزیہ و تحلیل بھی بیان کریں گے۔

امام حسینؑ پر گریہ کرنے کی فضیلت

۱۔ ریّان بن شبیب کا بیان ہے: میں یکم محرم کو امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوا؛ آپؑ نے (ایک مفصل حدیث کے ضمن میں) فرمایا:

> **اے شبیب کے بیٹے! محرم ایسا مہینہ ہے جس کا زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ احترام کرتے اور اس میں جنگ اور ظلم حرام سمجھتے تھے؛ لیکن اس امت نے نہ ہی اس مہینے کی حرمت کا پاس رکھا اور نہ پیغمبرؐ کی حرمت کا لحاظ کیا؛ انہوں نے اس مہینے میں پیغمبرؐ کی اولاد کو شہید کیا، ان کی خواتین کو اسیر بنایا اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ اللہ تعالیٰ ہرگز ان کا یہ جرم معاف نہ کرے۔ اے ابن شبیب! حسین پر گریہ کرو، کیونکہ ان کو گوسفند کی طرح ذبح کیا گیا اور ان کے خاندان سے ایسے اٹھارہ افراد کو بھی شہید کیا گیا جن کی**

زمین پر کوئی مثال نہیں تھی۔ سات آسمانوں اور زمین نے آپ کی شہادت پر گریہ کیا...۔ اے ابن شبیب ! اگر تم امام حسین علیہ السلام پر ایسے گریہ کرو کہ آنسو تیرے رخساروں پر جاری ہو جائیں تو اللہ تعالی تیرا ہر چھوٹا اور بڑا، کم یا زیادہ گناہ معاف کر دے گا...۔ اے ابن شبیب! اگر تم بہشت میں ہمارے ساتھ اعلیٰ درجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہماری خوشی میں خوش اور ہمارے غم میں غمزدہ ہونا۔[1]

۲۔ عَنْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ: کُلُّ عَیْنٍ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بَاکِیَۃٌ وَ کُلُّ عَیْنٍ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ سَاہِرَۃٌ اِلَّا عَیْنُ مَنِ اخْتَصَّہُ اللہُ بِکَرَامَتِہٖ وَ بَکٰی عَلٰی مَا یُنْتَہَکُ مِنَ الْحُسَیْنِ علیہ السلام وَ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ۔[2]

امیر المؤمنین علیہ السلام نے (چار سو خصلتوں پر مشتمل ایک حدیث کے ضمن میں) فرمایا: قیامت کے دن ہر آنکھ گریہ کناں ہو گی، اور ہر آنکھ (پریشانی کی وجہ سے) بیدار ہو گی؛ سوائے اُس آنکھ کے، جسے اللہ تعالی نے اپنی کرامت سے مختص کیا ہو اور جس نے حسین علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام کی ہتک حرمت پر گریہ کیا ہو (وہ آنکھ گریہ نہیں کرے گی)۔

۳۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے امام سجاد علیہ السلام سے روایت کی ہے:

جو مومن امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر ایسے گریہ کرے کہ اس کے رخسار پر آنسو جاری ہو جائیں، تو اللہ تعالی بہشت میں اس کے لیے ایسے حجرے بنائے گا جن میں وہ طویل مدت تک قیام پذیر رہے گا؛ اور جو مومن، دشمنوں کی طرف سے اس دنیا میں ہمیں پہنچائے جانے والے مصائب پر اس طرح روئے کہ اس کے رخسار پر آنسو بہنے لگیں، تو اللہ تعالی اس کو بہشت میں صادقین کا مقام عطا فرمائے گا اور جس مومن کو ہماری وجہ سے تکلیف پہنچی ہو اور اس تکلیف کے سبب اس کے اشک جاری ہو جائیں تو اللہ تعالی اس کو

۱۔ شیخ صدوق، الامالی، تحقیق قسم الدراسات الاسلامیۃ، مؤسسہ البعثۃ، مجلس ۲۷، ح ۵، ص ۱۳۰، ح۵۔

۲۔ سابقہ حوالہ، الخصال، تصحیح علی اکبر غفاری، حدیث اربعمائۃ، ص ۶۲۵۔

ہر قسم کی مصیبت اور بلاء سے دور رکھے گا اور قیامت کے دن اس کو اپنی ناراضگی اور جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔[۱]

۴۔ علی بن ابی حمزہ نے روایت کی ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ الْبُکَاءَ وَ الْجَزَعَ مَکْرُوْہٌ لِلْعَبْدِ فِیْ مَا جَزَعَ مَا خَلَا الْبُکَاءَ وَ الْجَزَعَ عَلَی الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ عَلَیْھِمَا السَّلَامُ فَاِنَّہٗ فِیْہِ مَأْجُوْرٌ۔[۲]

"گریہ اور آہ وبکا انسان کے لیے مکروہ ہے؛ لیکن حسین بن علی علیہ السلام پر گریہ، اجر و ثواب ہے"۔

۵۔ عَنْ اَبِیْ هَارُوْنَ الْمَکْفُوْفِ قَالَ: قَالَ اَبُوْعَبْدِاللهِ علیه السلام۔۔۔ مَنْ ذُکِرَ الْحُسَیْنُ علیه السلام عِنْدَہٗ فَخَرَجَ مِنْ عَیْنَیْہِ مِنَ الدُّمُوْعِ مِقْدَارُ جِنَاحِ ذُبَابٍ کَانَ ثَوَابُہٗ عَلَی اللهِ عَزَّوَجَلَّ وَلَمْ یَرْضَ لَہٗ بِدُوْنِ الْجَنَّةِ۔[۳]

ابوہارون مکفوف[۴] نے روایت کی ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: "جس شخص کے سامنے بھی حسین علیہ السلام کا ذکر ہو اور اس کی آنکھوں سے مکھی کے پَر کے برابر اشک جاری ہو جائیں تو اس کا ثواب اللہ تعالی کے ذمہ ہے، اور اللہ تعالی اس کے لیے بہشت سے کم اجر پر راضی نہیں ہو گا"۔

۶۔ محمد بن مسلم نے امام باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے:

اَیُّمَا مُؤْمِنٍ دَمَعَتْ عَیْنَاہُ لِقَتْلِ الْحُسَیْنِ علیه السلام دَمْعَةً تَسِیْلُ عَلٰی خَدِّہٖ بَوَّاَہُ اللهُ غُرَفًا فِی الْجَنَّةِ یَسْکُنُهَا اَحْقَابًا۔[۱]

۱۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، تحقیق نشر الفقاھۃ، باب ۳۲، ص ۲۰۱؛ شیخ صدوق، ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، تصحیح علی اکبر غفاری، ص ۱۱۰-۱۱۱۔

۲۔ ابن قولویہ قمی، سابقہ حوالہ، ح ۲۔

۳۔ سابقہ حوالہ، ص ۲۰۲، ح ۳۔

۴۔ مکفوف کا معنی نابینا ہے اور وہ نابینا ہونے کی وجہ سے اس نام سے مشہور تھا۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جو مومن حسین علیہ السلام کے شہید ہونے پر اشک بہائے جو اس کے رخساروں پر جاری ہو جائیں تو اللہ تعالی اس کو بہشت کے حجروں میں ایک مکان عطا فرمائے گا جس میں وہ طولانی مدت تک رہے گا۔[1]

۷۔ مِسْمَع بن عبد الملک بصری نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے:

(اے مسمع) کیا تو حسین علیہ السلام کے مصائب کو یاد کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تو گریہ اور آہ وبکا بھی کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، اللہ کی قسم میں ایسے گریہ کرتا ہوں کہ میرے اہل و عیال بھی میرے چہرے پر اس کا اثر مشاہدہ کرتے ہیں اور میں کھانا بھی نہیں کھاتا حتی کہ بھوک کے آثار میری پیشانی میں نمایاں ہو جاتے ہیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: تیرے اشکوں پر اللہ کی رحمت ہو؛ جان لے کہ تو ہمارے اوپر گریہ کرنے والوں میں سے شمار ہو گا؛ تو ان لوگوں میں سے ہے جو ہماری خوشی میں خوش، ہماری غمی میں غمگین، ہمارے خوف کے وقت خوف زدہ اور ہمارے سکون کے وقت سکون میں ہوتے ہیں۔ تو موت کے وقت دیکھے گا کہ میرے آباء واجداد تیرے پاس تشریف فرما ہوں گے اور ملک الموت کو تیری سفارش کریں گے؛ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تجھے بہشت کی بشارت دیں گے اور ملک الموت تمہارے ساتھ مہربان ماں سے زیادہ مہربانی سے پیش آئے گا۔ (یہاں تک کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:) جو شخص بھی ہمارے ساتھ دلسوزی اور ہمارے اوپر ڈھائے جانے والے مصائب کی وجہ سے گریہ کرے، اللہ تعالی اُس کے آنسو جاری ہونے سے پہلے اس پر رحمت نازل کرتا ہے۔ جو آنسو اس کے رخسار پر جاری ہوتے ہیں اگر ان میں سے ایک قطرہ بھی جہنم میں گر جائے جہنم کی گرمی کو ختم کر دے گا اور اس کی حرارت باقی نہیں رہے گی... ؛ جو آنکھ ہمارے لیے گریہ کرتی ہے وہ حوض کوثر کی طرف نگاہ کرنے کی نعمت سے بہرہ مند ہو گی اور ہمارے دوستوں کے ذریعے اس سے سیر اب ہو گی۔[2]

۸۔ امام صادق علیہ السلام نے ایک طولانی حدیث میں فرمایا:

۱۔ سابقہ حوالہ، ص ۲۰۷، ح ۱۱۔

۲۔ سابقہ حوالہ، ص ۲۰۳-۲۰۵؛ تھوڑے فرق کے ساتھ: شیخ حر عاملی، وسائل الشیعہ، تصحیح و تحقیق میرزا عبد الرحیم ربانی شیرازی، ج ۱۰، ص ۳۹۷، ح ۱۶۔

بے شک حسین علیہ السلام، ہر اُس شخص کو دیکھتے ہیں جو آپ پر گریہ کرتا ہے اور رحمت و دلسوزی کے سبب اس کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔[۱]

۹۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ ذُكِرْنَا عِنْدَهُ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ حَرَّمَ اللهُ وَجْهَهُ عَلَى النَّارِ۔[۲]

جس شخص کے سامنے ہمارا ذکر ہو اور اس کے رخساروں پر اشک جاری ہو جائیں، اللہ تعالی اس کے چہرہ پر آتش جہنم کو حرام کر دیتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام کے غم میں رلانے اور مرثیہ پڑھنے کی فضیلت

امام حسین علیہ السلام کی مصیبت پر مرثیہ پڑھنے کے ثواب کے بارے میں ائمہ علیہم السلام سے منقول چند احادیث بطور نمونہ بیان کرتے ہیں:

۱۔ عَنْ أَبِي هَارُونَ الْمَكْفُوفِ قَالَ: قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ علیہ السلام: يَا أَبَا هَارُونَ أَنْشِدْنِي فِي الْحُسَيْنِ عليه السلام قَالَ فَأَنْشَدْتُه فَبَكَى فَقَالَ أَنْشِدْنِي كَمَا تُنْشِدُونَ يَعْنِي بِالرِّقَّةِ قَالَ فَأَنْشَدْتُه:

أُمْرُرْ عَلَى جَدَثِ الْحُسَيْنِ فَقُلْ لِأَعْظُمِهِ الزَّكِيَّةِ

قَالَ فَبَكَى ثُمَّ قَالَ: زِدْنِي، قَالَ: فَأَنْشَدْتُهُ الْقَصِيدَةَ الْأُخْرَى، قَالَ: فَبَكَى وَ سَمِعْتُ الْبُكَاءَ مِنْ خَلْفِ السِّتْرِ قَالَ: فَلَمَّا فَرَغْتُ قَالَ لِي: يَا أَبَا هَارُونَ مَنْ أَنْشَدَ فِي الْحُسَيْنِ علیہ السلام شِعْرًا فَبَكَى وَ أَبْكَى عَشَرًا كُتِبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَ مَنْ أَنْشَدَ فِي الْحُسَيْنِ شِعْرًا فَبَكَى وَ أَبْكَى خَمْسَةً كُتِبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَ مَنْ أَنْشَدَ

۱۔ ابن قولویہ قمی، سابقہ حوالہ، ص۲۰۶؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۲۵، ص۳۷۶۔

۲۔ ابن قولویہ قمی، سابقہ حوالہ، ص۲۰۷۔ ح۱۲؛ محمد باقر مجلسی، سابقہ حوالہ، ج۴۴، ص۲۸۵۔

فِی الْحُسَیْنِ شِعْرًا فَبَکٰی وَ أَبْکٰی وَاحِدًا کُتِبَتْ لَهُمَا الْجَنَّةَ وَ مَنْ ذُکِرَ الْحُسَیْنُ علیہ السلام عِنْدَهٗ فَخَرَجَ مِنْ عَیْنِهٖ مِنَ الدُّمُوْعِ مِقْدَارَ جِنَاحِ ذُبَابٍ کَانَ ثَوَابُهٗ عَلَی اللّٰهِ وَلَمْ یَرْضَ لَهٗ بِدُوْنِ الْجَنَّةِ۔[1]

ابوہارون مکفوف کہتے ہیں: امام صادق علیہ السلام نے مجھے فرمایا: اے ابوہارون، میرے سامنے امام حسین علیہ السلام کا مرثیہ پڑھو۔ میں نے پڑھنا شروع کیا۔ امام علیہ السلام نے گریہ کیا۔ پھر فرمایا: جیسا کہ تو نے اپنے لیے پڑھتے ہو اسی طرح میرے لیے بھی پڑھو (محزون اور رقت آمیز آواز کے ساتھ) پھر میں نے پڑھنا شروع کیا، میں نے کہا:

حسین علیہ السلام کے مزار سے گزر اور مقدس پیکر سے کہو۔۔۔

امام علیہ السلام نے گریہ کیا۔ پھر فرمایا: کچھ اور پڑھو۔ میں نے ایک اور قصیدہ پڑھا۔ حضرت علیہ السلام نے پھر گریہ کیا۔ اور میں نے پردہ کے پیچھے خواتین کے گریہ کی آواز سنی۔ جب میں پڑھ چکا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: "اے ابوہارون؛ جو شخص امام حسین علیہ السلام کے سوگ میں ایک شعر پڑھے، خود بھی روئے اور دس لوگوں کو بھی رلائے، ان کے لئے بہشت لکھ دی جائے گی۔ اور جو شخص حسین علیہ السلام کی مصیبت میں ایک شعر پڑھے اور پانچ لوگوں کو رلائے، ان کے لیے بہشت لکھ دی جاتی ہے۔ جو شخص امام حسین علیہ السلام کے سوگ میں شعر پڑھے اور خود بھی روئے اور ایک شخص کو رلائے، ان دونوں کے لیے بہشت مقدر بن جاتی ہے اور جس کے سامنے امام حسین علیہ السلام کو یاد کیا جائے اور اس کی آنکھوں سے اتنے آنسو نکلیں جس سے مکھی کا پر بھیگ جائے تو اس کا اجر خدا کے ذمہ ہے اور اللہ تعالی اس کے لیے بہشت کے علاوہ کسی اور جزا پر راضی نہیں ہو گا۔"

۲۔عَنْ زَیْدٍ الشَّحَّامِ فِی حَدِیثٍ أَنَّ أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ علیه السلام قَالَ لِجَعْفَرِ بْنِ عَفَّانَ الطَّائِیِّ بَلَغَنِی أَنَّکَ تَقُولُ الشِّعْرَ فِی الْحُسَیْنِ علیه السلام وَ تُجِیدُ قَالَ نَعَمْ فَأَنْشَدَهٗ فَبَکٰی وَ مَنْ حَوْلَهٗ حَتّٰی سَالَتِ الدُّمُوعُ عَلٰی وَجْهِهٖ وَ لِحْیَتِهٖ ثُمَّ قَالَ یَا جَعْفَرُ وَ اللّٰهِ لَقَدْ شَهِدَکَ مَلَائِکَةُ اللّٰهِ الْمُقَرَّبُونَ هَاهُنَا

---

[1] ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۳۳، ص ۲۰۸؛ شیخ صدوق، ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، تصحیح علی اکبر غفاری، ص ۱۱۱۔

يَسْمَعُونَ قَوْلَكَ فِي الْحُسَيْنِ عليه السلام وَ لَقَدْ بَكَوْا كَمَا بَكَيْنَا وَ أَكْثَرَ وَ لَقَدْ أَوْجَبَ اللهُ لَكَ يَا جَعْفَرُ فِي سَاعَتِكَ الْجَنَّةَ بِأَسْرِهَا وَ غَفَرَ لَكَ فَقَالَ أَلَا أَزِيدُكَ قَالَ نَعَمْ يَا سَيِّدِي قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ قَالَ فِي الْحُسَيْنِ عليه السلام شِعْراً فَبَكَى وَ أَبْكَى بِهِ إِلَّا أَوْجَبَ اللهُ لَهُ الْجَنَّةَ وَ غَفَرَ لَه۔[1]

زید شحام کا بیان ہے: امام صادق علیہ السلام نے جعفر بن عفّان طائی سے فرمایا: "اے جعفر! مجھے پتا چلا ہے کہ تو حسین علیہ السلام کے بارے میں بہترین شعر کہتا ہے؟ اس نے عرض کی: جی ہاں؛ خدا نے مجھے آپ پر فدا کرے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: شعر پڑھو؛ اس نے شعر پڑھے۔ امام علیہ السلام اور جو لوگ آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے سب نے گریہ کیا۔ آپ علیہ السلام کی ریش اور چہرہ مبارک پر آنسو جاری ہوگئے؛ پھر فرمایا: اے جعفر! خدا کی قسم، خدا کے مقرب ملائکہ حاضر تھے اور حسین علیہ السلام کے غم میں تمہاری گفتگو سن رہے تھے۔ انہوں نے بھی ہماری طرح، بلکہ ہم سے بھی زیادہ گریہ کیا۔ خداوند عالم نے اسی وقت بہشت کی تمام نعمتوں کو تجھ پر واجب کر دیا اور تجھے بخش دیا ہے۔ اے جعفر! اور زیادہ بیان کروں؟ عرض کی: جی ہاں میرے آقا؛ فرمایا: جو حسین علیہ السلام کے بارے میں ایک شعر کہے، خود روئے اور دوسروں کو بھی رلائے، تو خدا اس پر جنت واجب کر دیتا ہے اور اس کو بخش دیتا ہے"۔

۳۔ عَنْ أَبِي عَمَّارَةَ الْمُنْشِدِ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیہ السلام قَالَ: قَالَ لِي يَا أَبَا عَمَّارَةَ! أَنْشِدْنِي فِي الْحُسَيْنِ قَالَ فَأَنْشَدْتُه فَبَكَى ثُمَّ أَنْشَدْتُه فَبَكَى ثُمَّ أَنْشَدْتُه فَبَكَى قَالَ فَوَ اللهِ مَا زِلْتُ أُنْشِدُهُ وَ يَبْكِي حَتَّى سَمِعْتُ الْبُكَاءَ مِنَ الدَّارِ فَقَالَ لِي: يَا أَبَا عَمَّارَةَ! مَنْ أَنْشَدَ فِي الْحُسَيْنِ شِعْرًا فَأَبْكَى خَمْسِينَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَ مَنْ أَنْشَدَ فِي الْحُسَيْنِ شِعْرًا فَأَبْكَى أَرْبَعِينَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَ مَنْ أَنْشَدَ فِي الْحُسَيْنِ شِعْرًا فَأَبْكَى ثَلَاثِينَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَ مَنْ أَنْشَدَ فِي الْحُسَيْنِ شِعْرًا فَأَبْكَى عِشْرِينَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَ مَنْ أَنْشَدَ فِي الْحُسَيْنِ

۱۔ شیخ حر عاملی، وسائل الشیعہ، تصحیح و تحقیق میرزا عبد الرحیم ربانی شیرازی، ج۱۰، ص۴۶۴، ح۱؛ تھوڑے سے فرق کے ساتھ: شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال (رجال الکشی)، تصحیح حسن مصطفوی، ص۲۸۹۔

شِعْرًا فَأَبْكَى عَشَرَةً فَلَهُ الْجَنَّةُ وَ مَنْ أَنْشَدَ فِي الْحُسَيْنِ شِعْرًا فَأَبْكَى وَاحِدًا فَلَهُ الْجَنَّةُ وَ مَنْ أَنْشَدَ فِي الْحُسَيْنِ شِعْرًا فَبَكَى فَلَهُ الْجَنَّةُ وَ مَنْ أَنْشَدَ فِي الْحُسَيْنِ شِعْرًا فَتَبَاكَى فَلَهُ الْجَنَّةُ۔[1]

نوحہ خوان ابو عمارہ کا بیان ہے: امام صادق علیہ السلام نے مجھے فرمایا: اے عمارہ؛ غم حسین علیہ السلام میں میرے لیے شعر پڑھ۔ میں نے شعر پڑھے اور آپ علیہ السلام نے گریہ کیا؛ میں نے پھر پڑھے اور آپ علیہ السلام نے پھر گریہ کیا؛ میں نے پھر شعر پڑھے اور آپ علیہ السلام نے پھر گریہ کیا؛ خدا کی قسم، میں مسلسل شعر پڑھتا رہا اور آپ علیہ السلام مسلسل گریہ کرتے رہے؛ یہاں تک کہ میں نے گھر کے اندر سے رونے کی آواز سنی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اے عمارہ! جو شخص غم حسین علیہ السلام میں شعر پڑھے اور پچاس لوگوں کو رلائے، اس کی جزا جنت ہے؛ جو شخص غم حسین علیہ السلام میں شعر پڑھے اور چالیس افراد کو رلائے، اس کا اجر جنت ہے؛ جو شخص غم حسین علیہ السلام میں شعر پڑھے اور تیس لوگوں کو رلائے، جنت اس کے لیے ہے؛ جو شخص غم حسین علیہ السلام میں شعر پڑھے اور بیس لوگوں کو رلائے، اس کی جزا جنت ہے؛ جو شخص غم حسین علیہ السلام میں شعر پڑھے اور دس لوگوں کو رلائے، اس کی جزا جنت ہے؛ جو شخص غم حسین علیہ السلام میں شعر پڑھے اور ایک شخص کو رلائے، اس کی جزا جنت ہے؛ جو شخص غم حسین علیہ السلام میں شعر پڑھے اور خود گریہ کرے، اس کی جزا جنت ہے؛ جو شخص غم حسین علیہ السلام میں شعر پڑھے اور تباکی کرے (رونے کی شکل بنائے) اس کی جزا جنت ہے۔[2]

۱۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، تحقیق نشر الفقاہۃ، باب ۳۳، ص ۲۰۹، ح ۲؛ شیخ صدوق، ثواب الاعمال و عقاب الاعمال، تصحیح علی اکبر غفاری، ص ۱۱۲۔

۲۔ علم حدیث اور علم رجال کے لحاظ سے بعض احادیث کی سند صحیح ہے۔ مثلاً پہلی حدیث، یعنی ریان بن شبیب کی روایات امام رضا علیہ السلام سے اور بعض دوسری روایات کی سند بھی صحیح ہو سکتی ہے مثلاً دوسری اور تیسری روایت جو امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنے کے بارے میں ہے اور ابو ہارون مکفوف کی دو روایتیں۔ اگر بعض روایات کی سند ضعیف بھی ہو یا ان کے راوی مورد اختلاف ہوں تو بھی صحیح روایتوں کے ذریعے اس ضعف کا جبران ہو جاتا ہے۔

"تباکی" سے مراد یہ ہے کہ انسان پر گریہ کی حالت طاری نہ ہو، لیکن اپنے آپ کو گریہ پر آمادہ کرے؛ جیسا کہ ابن اثیر نے اس کا معنی "تکلُّفُ البکاء" کیا ہے۔[1]

مذہب شیعہ میں، "تباکی" فقط عزاداری میں نہیں؛ بلکہ بعض روایات نے واجب نماز اور اللہ تعالی سے کوئی حاجت طلب کرنے کی حالت میں بھی، "تباکی" کی تاکید کی گئی ہے؛ جیسا کہ مرحوم کلینی رحمہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے "باب دعا" میں احادیث نقل کی ہیں جو اس بات کی تاکید کرتی ہیں؛ ان میں سے چند روایات ذکر کرتے ہیں:

عَنْ عَنْبَسَةَ الْعَابِدِ قَالَ، قَالَ أَبُوعَبْدِ اللهِ علیه السلام: إِنْ لَمْ تَكُنْ بِكَ بُكَاءٌ فَتَبَاكَ۔[2]

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: دعا کے وقت اگر تجھے گریہ نہ آئے تو گریہ کرنے کی کوشش کرو۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ بَيَّاعِ السَّابِرِيِّ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ علیه السلام إِنِّي أَتَبَاكَى فِي الدُّعَاءِ وَ لَيْسَ لِي بُكَاءٌ قَالَ نَعَمْ وَ لَوْ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ۔[3]

سعید بن یسار کا بیان ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کی: دعا کے وقت مجھے رونا نہیں آتا، مگر گریہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ فرمایا: کوئی حرج نہیں؛ گریہ کرو، اگرچہ مکھی کے سر کی مقدار برابر ہی کیوں نہ ہو۔

قَالَ أَبُوعَبْدِ اللهِ ع لِأَبِي بَصِيرٍ إِنْ خِفْتَ أَمْراً يَكُونُ أَوْ حَاجَةً تُرِيدُهَا فَابْدَأْ بِاللهِ وَ مَجِّدْهُ وَ أَثْنِ عَلَيْهِ كَمَا هُوَ أَهْلُهُ وَ صَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ص وَ سَلْ حَاجَتَكَ وَ تَبَاكَ وَ لَوْ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ إِنَّ أَبِي ع كَانَ يَقُولُ إِنَّ أَقْرَبَ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ عَزَّ وَ جَلَّ وَ هُوَ سَاجِدٌ بَاكٍ.[1]

۱۔ابن اثیر، النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، تحقیق طاہر احمد الزاوی اور محمود محمد الطناحی، ج۱، ص ۱۵۰، لفظ "بکا"۔

۲ کلینی، الاصول من الکافی، تحقیق علی اکبر غفاری، ج۲، ص ۳۵۰۔ مرحوم علی اکبر غفاری نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: تباکی، اپنے آپ کو رونے پر آمادہ کرنا اور رونے کی کوشش کرنا ہے۔

۳۔ کلینی، الاصول من الکافی، تحقیق علی اکبر غفاری، ج۲، ص ۳۵۰، ح ۹۔

امام صادق علیہ السلام نے ابو بصیر سے فرمایا: اگر کسی چیز سے تجھے ڈر ہے یا تو کوئی حاجت رکھتا ہے تو اللہ کے نام سے اس کا آغاز کرو اور اس کی حمد و ثنا کرو، جیسا کہ حمد و ثنا کرنے کا حق ہے؛ پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ پر درود بھیجو اور پھر اپنی حاجت طلب کرو اور گریہ کرنے کی کوشش کرو، اگرچہ ایک مکھی کے سر کے برابر ہی ہو۔ امام صادق علیہ السلام نے مزید فرمایا: میرے بابا فرماتے تھے: بندے کو سب سے زیادہ اپنے خدا کے نزدیک کرنے والی چیز یہ ہے کہ بندہ سجدہ کی حالت میں گریہ کرے۔

امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنے کے ثواب کا تجزیہ و تحلیل

ہم نے جو روایات ائمہ معصومین علیہم السلام سے نقل کی ہیں، ان سے واضح ہو گیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے غم میں رونے، رلانے اور رونے کی کوشش کرنے کا عظیم ثواب ہے؛ رحمت خدا تک پہنچنے کا سبب ہے اور سعادتمندی اور جنت میں داخل ہونے کا موجب ہے۔ بعض روایات میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ یہ اجر و ثواب، معمولی گریہ کرنے پر بھی ملتا ہے۔ یقیناً یہ روایات، عزاداری سید الشہدا علیہ السلام کے برپا ہونے، اس کی بقا اور تسلسل میں اہم کردار ادا کرتی ہیں اور ہمیشہ عزاداروں کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ اب اس بارے چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱۔ کیا امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنے کے بدلے میں یہ اجر و ثواب ہر گریہ کرنے والے کو ملتا ہے، چاہے اس کی نیت اور عمل جیسا ہی ہو؟

۲۔ معمولی گریہ کس طرح انسان کی سعادت اور ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہونے کا سبب بن سکتا ہے؟

۱۔ (سابقہ حوالہ، ح۸ تا ۱۰۔) اس آخری حدیث کی سند میں کوئی مشکل نہیں ہے؛ پہلی اور دوسری حدیث موثق اور تیسری حدیث صحیح ہے۔

ان سوالات کے جواب میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اولاً: یہ یقین ہونا چاہیے کہ امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنا دوسری عبادتوں کی طرح ایک عبادت ہے، جس کا بے حد اجر و ثواب ہے۔ دوسری عبادتوں کی طرح اس کا بھی انسان کی نیت کے ساتھ گہرا رابطہ ہے؛ اس طرح کہ اگر انسان کی نیت خالص ہو اور وہ قربۃً الی اللہ انجام دے؛ اور اس کے ساتھ ساتھ معرفت اور شعور بھی رکھتا ہو تو یہ عبادت قبولیت کے بلند ترین درجات تک پہنچ جاتی ہے اور انسان کو عظیم اجر تک پہنچاتی ہے۔ اسی طرح اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی ایسے گریہ و زاری کو ہرگز قبول نہیں کرتا جس میں ریاکاری اور دکھلاوا ہو۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تباکی (رونے کی شکل بنانا) بھی ریاکاری ہے لہذا امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنے میں ریاکاری معاف اور جائز ہے؛ حالانکہ جس طرح پہلے گزر چکا ہے کہ تباکی کا معنی اپنے آپ کو گریہ کرنے پر اکسانا ہے؛ لہذا اگر یہ عمل، معرفت اور خلوص کے ساتھ ہو تو یقیناً اس کا عظیم اجر و ثواب ہے۔

نیز یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام اعمال کا حساب و کتاب ہوگا؛ لہذا امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنے کے حوالے سے بیان کی گئی ساری فضیلتیں، مثلاً یہ کہ آنکھ کے آنسو آتشِ جہنم کو بجھادیں گے، اور شہدائے کربلا کے غم میں غمگین ہونا عذاب سے چھٹکارے کا سبب ہے؛ یہ سب اس وقت ہیں جب انسان کے گناہ اور برائیاں اس حد نہ ہوں کہ رحمت الہیٰ سے رکاوٹ بن جائیں۔[۱] اس بنا پر بہتر ہے کہ حسینی عزادار، اپنی عزاداری اور نیت کے بارے میں شک و تردید یا خدانخواستہ ناامیدی میں مبتلا نہ ہو اور ہمیشہ امام حسین علیہ السلام کی معرفت اور اپنے خلوص کے مراتب میں اضافہ کرنے کی کوشش کرے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ مجالس عزاء کے قیام کا اصل ہدف، مکتب حسینی کو زندہ رکھنا ہے؛ لہذا اس بنا پر بہتر ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے عزادار ایسا رویہ اپنائیں کہ یہ ہدف حاصل ہو سکے؛ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ گناہ کے معاملے میں تسامح کرنے یا ریاکاری کے ذریعہ یہ مقدس ہدف حاصل نہیں ہو سکتا۔

۱۔ جواد محدثی، فرہنگ عاشورا، ص ۴۱۳، ۴۱۴۔

ضروری ہے کہ مجالسِ عزا کے بانی، واعظین، خطبا اور ذاکرین کی بھی اس بنیادی مقصد پر توجہ ہونی چاہئے اور انہیں جاننا چاہئے کہ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری اور گریہ کرنا، صرف اظہارِ محبت نہیں ہے بلکہ امام حسین علیہ السلام کے ہدف کا حصول، اور آپ علیہ السلام کی تحریک کی حفاظت بھی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ان مجالس میں ضعیف اور کمزور مطالب، اور کبھی جھوٹ اور غلط مطالب بیان کیے جائیں تو ہر گز امام حسین علیہ السلام کے ہدف تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ استاد شہید مطہری رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

شہید پر رونا، اس کے ہدف میں شرکت کرنا ہے؛ اس کی روح کا ساتھ دینا ہے؛ اس کی تحریک کی حمایت کرنا ہے؛

... امام حسین علیہ السلام اپنی عالی قدر شخصیت اور دلیرانہ شہادت کے ذریعے کروڑوں انسانوں کے دلوں کے مالک بن گئے ہیں۔ وہ لوگ جو اس عظیم خزانے اور اسقیمتی احساس اور روح سے سرشار ہیں، یعنی مذہبی خطباء اور ذاکرین اہل بیت علیہم السلام؛ اگر وہ لوگ، اس خزانے اور روح کو روحِ حسینی کے ساتھ ہم آہنگ کر کے صحیح استفادہ کریں تو عالمی اصلاح ہو سکتی ہے۔[1]

یاد آوری

قابل ذکر ہے کہ وہ روایات جو امام حسین علیہ السلام کی عزاداری اور مرثیہ خوانی کے ثواب کے بارے میں معصومین علیہم السلام سے منقول ہیں، حقیقت میں وہ دوسرے واجباتِ الٰہی کی نفی نہیں کرتیں؛ بلکہ اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ یہ اعمال، ایسے اجر و ثواب کے حامل ہیں۔ کوئی شک نہیں ہے کہ دیگر شرعی احکام اور واجبات کو انجام دینا، ان روایات کے لیے ایک طرح سے عقلی شرط شمار ہوتا ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ آیت "إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ"[2] **"خدا صرف صاحبان تقویٰ کے اعمال قبول کرتا ہے"**؛ اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال قبول ہونے کی شرط تقوائے الٰہی ہے۔ اسی وجہ سے عزاداری امام حسین علیہ السلام کے اجر و ثواب کے مستحق ہونے کی شرط یہ ہے کہ عزادار، تقوائے الٰہی کے حامل

۱۔ مرتضیٰ مطہری، قیام وانقلاب مہدی بہ ضمیمہ شہید، ص ۱۲۱ تا ۱۲۲۔

۲۔ مائدہ (۵)، ۲۷۔

ہوں اور متقین میں سے ہوں۔ اس بنا پر امام حسین علیہ السلام کی عزاداری دوسری عبادات، نیکیوں، سنن اور مستحبات مثلاً دعا، صدقہ، زیارت اور توسل وغیرہ کی مانند خلدِ بریں اور قربِ الٰہی تک پہنچنے کی موجب ہے؛ لیکن یہ اس وقت ہے جب عزادار، گناہ اور معصیت سے دور ہو؛ اور اگر گناہ کر بیٹھے تو اس سے توبہ کرلے۔

اس بنا پر اس بنا پر، امام حسین علیہ السلام کا عزادار قوانینِ اسلام کے مطابق عمل کرتے ہوئے، اپنی روح و جان کو ائمہ معصومین علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ پیوند کی روشنی میں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے آپ کو گناہ اور پلیدی سے محفوظ رکھتا ہے اور کمال کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے۔

اگر خدا نے چاہا تو اس کتاب کی دوسری جلد میں امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کے فلسفہ سے متعلق ایک مستقل فصل پیش کریں گے اور وہاں مزید گفتگو کریں گے۔

پانچویں فصل

قیامِ امام حسین علیہ السلام کا فلسفہ

قیامِ امام حسین علیہ السلام کی وجہ سے مفکرین حتیٰ عوام الناس کے اذہان میں مندرجہ ذیل سوالات نے جنم لیا:

۱۔ امام حسین علیہ السلام کا اصل ہدف کیا تھا؟

۲۔ کوفیوں کی دعوت، امام علیہ السلام کے قیام کا سبب بنی؛ یا آپ علیہ السلام کے قیام کی وجہ سے کوفیوں نے آپ کو کوفہ آنے کی دعوت دی؟

۳۔ کیا اس تحریک کی غرض، حکومت حاصل کرنا تھا یا اسلامی معاشرے اور امت کی اصلاح تھی؟

۴۔ اگر اس قیام کا مقصد، امت کی اصلاح تھا تو امام علیہ السلام نے مسالمت آمیز طریقے سے یہ ہدف حاصل کیوں نہیں کیا؟

ایک بات جو اس واقعہ کی تحلیل کو مشکل بناتی ہے وہ، اُس دور کے بہت سے مسلمانوں کا اس قیام کے سامنے ناقابلِ یقین اور غیر منتظر عکس العمل ہے؛ کیونکہ نہ صرف امام علیہ السلام کو دعوت دینے والے کوفی، بلکہ مکہ اور مدینہ جیسے دوسرے اسلامی شہروں کے لوگوں نے بھی اس واقعہ کے مقابلے میں کوئی مثبت کردار ادا نہیں کیا اور رسول اکرم علیہم السلام کے خاندان پر یہ مظالم دیکھنے کے باوجود، ان کی طرف سے کوئی مناسب عکس العمل سامنے نہیں آیا؛ جبکہ اُس وقت اصحاب اور تابعین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی لیکن انہوں نے خاندانِ پیغمبر اکرم علیہم السلام کی حرمت کا دفاع نہیں کیا؛ حالانکہ وہ دینداری کے دعویدار بھی تھے۔ یہ ایک ناقابل توجیہ تناقض ہے کیونکہ یہ لوگ، ایک طرف دینداری کا دعوی کر رہے تھے اور دوسری طرف ان کا ایمان تھا کہ فرزندِ پیغمبر علیہم السلام کی تحریک درست ہے اور امام حسین علیہ السلام وہ شخصیت ہیں جنہوں نے رسول

خدا علیہا السلام، ان کی دختر فاطمہ زہرا علیہا السلام اور حضرت علی علیہ السلام کے دامن میں پرورش پائی۔ اس تناظر میں تاریخِ کربلا کے محقق کے سامنے یہ مشکل پیدا ہوتی ہے کہ اس متضاد ردِ عمل کو کیسے قبول کرے اور ان دونوں چیزوں کے تضاد کو کیسے حل کیا جائے؟![1]

تاریخ عاشورا سے وابستگی رکھنے والے ہر مسلم مفکّر نے اپنی سوچ کے مطابق نتیجہ پیش کیا ہے؛ بعض مسلمان مفکرین اور مؤرخین اپنے خاص سلیقہ اور طرزِ فکر، سیاسی و مذہبی رجحانات، معاشرے کی خاص رغبت اور سیاسی حالات سے متأثر ہو کر اور خاص طور پر واقعہ لکھنے والے اور قیامِ کربلا کے رہبر (امام حسین علیہ السلام) کی امامِ معصوم اور واجب الاطاعت شخصیت کے درمیان عدم سنخیت کی وجہ سے اس عظیم واقعہ کی تاریخ اور خاص طور پر اس تحریک کے فلسفہ کے متعلق، سخت غلطیوں سے دچار ہوئے ہیں۔

لہٰذا صحیح نتیجہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے امام حسین علیہ السلام کی ضروری معرفت حاصل کی جائے اور پھر امام حسین علیہ السلام کے معصوم اور واجب الاطاعت ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے قیام کربلا کے مختلف زاویوں سے تحقیق کی جائے۔ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کوئی محقق، قیام کربلا کے متعلق کسی حد تک صحیح اور جامع تجزیہ و تحلیل پیش کر سکے۔

اب ہم، پہلے قیام کے فلسفہ کے بارے میں مسلمان مفکرین کے اہم اور مشہور نظریات بیان کرتے ہوئے تجزیہ و تحلیل کریں گے اور پھر امام حسین علیہ السلام کے وصیت نامے، خطبات، بیانات اور خطوط کی روشنی میں واقعہ کربلا کا فلسفہ بیان کریں گے۔

[1]۔ بخش علی قنبری، فلسفہ عاشورا از دیدگاہ اندیشمندان مسلمان، ص ۲۲ (کمی و بیشی اور اقتباس)۔ ڈاکٹر شہیدی نے بھی اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (سید جعفر شہیدی، قیام حسین علیہ السلام، ص ۱۵)۔

قیام کربلا کے فلسفہ کے متعلق اہم اور مشہور نظریات

ا۔ دنیا طلبی

فلسفہ قیام عاشورا کے متعلق ایک اہم نظریہ یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے دنیاوی قدرت اور حکومت حاصل کرنے کے لیے تحریک چلائی۔ یہ نظریہ، تحریکِ کربلا کے آغاز ہی سے مکہ و مدینہ کے بعض بزرگوں کی گفتگو سے نمایاں تھا۔ انہوں نے آپ علیہ السلام کے قیام کو غلط سمجھا اور خیر خواہانہ انداز میں روکنے کی کوشش کی؛ کیونکہ وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ تحریک شکست سے دچار ہوگی اور حکومت کا حصول فقط ایک وہم ہے۔ مثلاً:

ا۔ عبداللہ بن عمر نے کئی بار امام حسین علیہ السلام کو قیام سے منصرف کرنے کی کوشش کی۔[1] انہوں نے امام علیہ السلام کو کوفہ جانے سے روکتے ہوئے یوں کہا:

"لَا تَخرُج فَاِنَّ رَسُوْلَ اللهِ خَیَّرَهُ اللهُ بَیْنَ الدُّنْیا وَ الْآخِرَةِ فَاخْتَارَ الْآخِرَةَ وَاِنَّكَ بَضْعَةٌ مِنْهُ وَلَا تُعَاطِهَا یَعْنِی الدُّنْیا"[2]

قیام نہ کریں کیونکہ خداوند متعال نے اپنے رسول کو دنیا یا آخرت کے انتخاب میں اختیار دیا اور پیغمبر علیہ السلام نے آخرت کو چنا، آپ پیغمبر کے بدن کا ٹکڑا ہیں، پس آپ بھی دنیا طلب نہ کریں۔

۲۔ عبداللہ بن مطیع (اس زمانے کی ایک اہم شخصیت) نے بھی اسی نظریے کی بنا پر امام حسین علیہ السلام کو اپنے ارادے سے منصرف کرنے کی کوشش کی؛ چنانچہ اس نے امام علیہ السلام سے کہا:

"اے فرزندِ رسول خدا! آپ کو خدا کی قسم! حرمت اسلام کو پامال نہ کریں! تجھے خدا کی قسم! رسول خدا علیہ السلام اور عرب کی حرمت کی حفاظت کریں! اگر آپ وہ چیز چاہیں جو آج بنی امیہ کے ہاتھوں میں ہے

ا۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج۵، ص۲۳ تا ۲۵؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی، ج۱، ص۱۹۰ تا ۱۹۳؛ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینہ ودمشق، تحقیق محمد باقر محمودی، ص۲۰۰، ۲۰۱؛ تقی الدین احمد بن علی المقریزی، النزاع والتخاصم فیما بین بنی امیہ و بنی ہاشم، مقدمہ سید محمد بحر العلوم، ص۴۴؛ جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، تحقیق قاسم شماعی و محمد عثمانی، ص۲۳۰۔

۲۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، تحقیق سید عبد العزیز طباطبائی، فصلنامہ تارثنا، سال سوم، ۱۴۰۸ ہجری، ش۱۰۔

(یعنی حکومت) تو وہ آپ کو قتل کر دیں گے اور اگر انہوں نے آپ کو قتل کر دیا تو پھر وہ اس کے بعد کسی سے نہیں ڈریں گے۔"[1]

یہ فکر صرف امام حسین علیہ السلام کے زمانے تک محدود نہیں تھی، بلکہ بعد والی صدیوں میں بھی بعض مفکرین اور موٴرخین نے قیامِ امام حسین علیہ السلام کے مقصد کی دنیا طلبانہ تفسیر کی اور اس قیام کا تحریف شدہ چہرہ پیش کیا۔ اس کی مثال ابن تیمیہ اور ابن کثیر جیسی شخصیات ہیں:

۱۔ فرقہ وہابیت کے بانی ابن تیمیہ (۷۲۸ہجری) نے امام حسین علیہ السلام کے یزید کے خلاف قیام کو باطل اور ناجائز قرار دیا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق امام حسین علیہ السلام کے قیام میں کوئی دینی اور دنیوی مصلحت نہ تھی، کیونکہ امام حسین علیہ السلام قیام کے ذریعہ جو کچھ چاہتے تھے وہ حاصل نہیں کر پائے۔ آپ کے قیام اور شہادت کی وجہ سے نیکیکم ہو گئی اور برائی بڑھ گئی؛ بلکہ حسین علیہ السلام کے قتل سے بہت سارے فتنے پھوٹے۔[2]

ایک اور مقام پر لکھتا ہے:

"بے شک حضرت عثمان کا اجر و ثواب اللہ کے نزدیک زیادہ ہے، نیز ان کے قتل کا گناہ اس شخص کی نسبت زیادہ ہے جو مسلمانوں کا حاکم اور فرمانروا نہیں تھا اور اس نے حکومت کے حصول کے لیے خروج کیا؛ کیونکہ حضرت عثمان صابر تھے اور انہوں نے اپنی جان کی حفاظت کے لیے اپنے قاتلوں کے ساتھ جنگ نہیں کی۔"[3]

۲۔ ابن کثیر (۷۷۴ہجری) شافعی مذہب کے عالم اور ابن تیمیہ کے شاگرد تھے،[4] انہوں نے اپنی کتاب "البدایۃ و النہایۃ" کی فصل **"قصة الحسين بن على و سبب خروجه باهله من مكة لى العراق فى طلب الامارة و كيفية**

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، ج۵، ص۳۹۵۔

[2] ۔ رجوع کریں: ابن تیمیہ، مِنہاجُ السنۃ، ج۲، ص۲۴۰و۲۴۱۔

[3] ۔ سابقہ حوالہ، ص۲۴۰۔

[4] ۔ سید کاظم موسوی بجنوردی اور بعض دیگر افراد، دائرہ المعارف بزرگ اسلامی، ج۴، ص۵۱۱۔

مقتلہ"[1] میں قیامِ کربلا کا تذکرہ کیا ہے۔ اُس نے اِس عنوان کے ذریعے امام حسین علیہ السلام کے قیام کا ہدف، حکومت اور قدرت طلبی بیان کیا اور اسے سیاسی اور دنیوی رنگ میں پیش کیا۔

تحقیق

اس نظریہ پر کئی پہلوؤں سے اعتراض اور تنقید کی جاسکتی ہے:

اول: تمام شیعہ و سنی عقیدہ کے مطابق، قرآن مجید کی آیت "إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا"[2]، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ، حضرت علی، حضرت فاطمہ، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس آیت کے مطابق امام حسین علیہ السلام اپنے نانا، بابا، ماں اور بھائی کی طرح ہر پلیدگی سے پاک و منزہ ہیں۔ چونکہ دنیاپرستی اور ریاست طلبی بھی ایک بدترین پلیدگی ہے؛ لہذا امام حسین اس پلیدگی سے بھی پاک ہیں۔

اور اگر امام علیہ السلام کے قیام کا بنیادی مقصد، صرف حکومت کا حصول ہوتا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ، آپ کی نصرت کا حکم نہ دیتے؛ حالانکہ روایات میں نقل ہوا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے امام حسین علیہ السلام کی نصرت اور مدد کا حکم دیا ہے۔ انس بن حارث نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا:

اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا یَعْنِی الْحُسَیْنَ یُقْتَلُ بِاَرْضٍ مِنَ الْعِرَاقِ فَمَنْ اَدْرَکَهُ مِنْکُمْ فَلْیَنْصُرْهُ[3]

میرا یہ بیٹا یعنی حسین سرزمین عراق میں شہید ہوگا، پس جو شخص بھی اس کو درک کرے اس پر لازم ہے کہ اس کی نصرت کرے"

---

[1] ۔ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، تحقیق مکتب تحقیق التراث، ج۸، ص۱۶۰۔

[2] ۔ سورہ احزاب آیت ۳۳ "اللہ کا ارادہ بس یہی ہے ہر طرح کی ناپاکی کو اہل بیت ! آپ سے دور رکھے اور آپ کو ایسے پاکیزہ رکھے جیسے پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔"

[3] ۔ محب الدین احمد طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، ص۱۴۶؛ ابن کثیر، البدایۃ و النہایۃ، تحقیق مکتب تحقیق التراث، ج۸، ص۲۱۷؛ محمد باقر مجلسی، بحارالانوار، ج۴۴، ص۲۴۷۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں پر لعنت کی ہے[۱] اور اُنہیں روزِ قیامت اپنی شفاعت سے محروم قرار دیا ہے۔[۲] یہ سب، امام حسین علیہ السلام کے ہدف کی پاکیزگی کی دلیل ہے۔

دوم: اگر امام حسین علیہ السلام کا ہدف حکومت حاصل کرنا ہوتا تو دوسرے سیاسی رہنماؤں کی طرح اپنے دشمن کو مغلوب اور اپنے اہداف کو حاصل کرنے کے لیے ہر ضروری وسیلہ اپناتے؛ افرادی قوت جمع کرنے کے لیے ہر ممکنہ کوشش کرتے؛ حالانکہ آپ نے قیام کے شروع سے آخر تک بہت سے خطبات اور بیانات میں اپنی شہادت کی خبر دی اور بتادیا کہ اس قیام کا انجام، میری شہادت اور اہل بیت کی اسیری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیاوی مقاصد کے حصول کے لئے آپ کا ساتھ دینے کے لئے آنے والے بہت سے لوگ، یہ خبر سن آپ سے جدا ہو جاتے تھے۔

سوم: امام علیہ السلام نے معاویہ کی حکومت کے آخری سالوں میں مکہ اور دوسرے اسلامی شہروں کے دانشمندوں کے اجتماع میں صرف خلافت کے حصول کے لئے قیام جیسے نظریہ کی نفی کرتے ہوئے واضح فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَعۡلَمُ اِنَّہُ لَمۡ یَکُنۡ مَا کُنَّا مِنَّا تَنَافُساً فِیۡ سُلۡطَانٍ وَلَا الۡتِمَاساً مِنۡ فُضُولِ الۡحُطَامِ[۳]

اے اللہ! تو جانتا ہے کہ جو کچھ ہم نے انجام دیا ہے (حکومت کے خلاف اقدامات اور مبارزات) وہ حکومت و سلطنت اور دنیاوی متاع کے حصول کی خاطر نہیں تھا۔

اسی طرح مدینہ چھوڑنے سے پہلے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے فرمایا:

۱۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، تحقیق نشر الفقاہۃ، ص ۱۴۴؛ محمد باقر مجلسی، سابقہ حوالہ، ص ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۶۴۔

۲۔ محمد فروخ صفار قمی، بصائر الدرجات، تصحیح محسن کوچہ باغی تبریزی، ص ۴۸ تا ۵۱؛ محمد باقر مجلسی، سابقہ کتاب، ص ۲۵۱، ۲۵۹۔

۳۔ حسن بن شعبہ حرانی، تُحف العقول عن آل الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تحقیق علی اکبر غفاری، ص ۲۳۹؛ محمد باقر مجلسی، سابقہ کتاب، ج ۹۷، ص ۷۹ تا ۸۱۔

" میں ناحق، فساد اور ستمکاری کے لیے مدینہ سے نہیں جا رہا ہوں؛ بلکہ میرے جانے کا مقصد نانا (رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ) کی امت کی اصلاح ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروں اور اپنے نانا اور بابا علی بن ابی طالب صلی اللہ علیہ و آلہ کی سیرت پر عمل کروں۔ "[1]

امام حسین علیہ السلام کے قیام کو دنیاوی پہلو سے دیکھنے والے کچھ لوگوں نے واضح الفاظ میں نہیں، بلکہ ڈھکے چھپے الفاظ میں اسی فکر کی تائید کی ہ۔ ان کے خیال کے مطابق امام حسین علیہ السلام نے کوفیوں کی تعداد، نصرت، وفاداری اور ان کے وعدوں کا صحیح اندازہ کرنے میں غلطی کی، اور یزیدی حکومت کی قدرت اور فوجی طاقت سے غافل رہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ علیہ السلام نے بنی امیہ اور بنی ہاشم کی دشمنی کی گہرائی کی طرف توجہ نہیں کی اور بعض تو اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ سید الشہدا علیہ السلام کا قیام ہی بغاوت تھی۔

اس نظریہ کے قائل بعض افراد یہ ہیں: قاضی ابو بکر ابن عربی اندلسی مالکی (۵۴۳ ہجری)؛ عبد الرحمٰن بن خلدون (۸۰۸ ہجری)؛ شیخ محمد طنطاوی مصری (۱۲۷۷ ہجری) اور محب الدین الخطیب مصری (۱۳۸۹ ہجری)۔[2]

۲۔ عارفانہ اور صوفیانہ نظریہ

امام حسین علیہ السلام کے قیام سے متعلق عارفانہ اور صوفیانہ نظریہ سے آشنائی کے لیے، سب سے پہلے مکتبِ عرفان و تصوُّف کا مطالعہ ضروری ہے۔ مکتب عرفان میں عقل کو نظر انداز کیا جاتا ہے، جبکہ دل اور عشق کو اہمیت دی جاتی ہے۔ عرفاء، عشق کو محور قرار دیتے ہوئے سب چیزوں میں اسے جاری و ساری سمجھتے ہیں؛ جیسا کہ حافظ کہتا ہے: "عشق، عقل سے بلند ہے۔"[3]

۱۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج۵، ص۲۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی، ج۱۔ ص۱۸۸ و ۱۸۹؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۴۴، ص۳۲۹۔ اس وصیت کا مکمل متن، اسی کتاب کے تیسرے حصے کی پہلی فصل میں، امام حسین علیہ السلام کی محمد بن حنفیہ کی ملاقات کی بحث میں آیا ہے۔

۲۔ بیشتر معلومات کے لیے ان کتب کی طرف رجوع کریں: ابن العربی، العواصم من القواصم، ص۲۳۲؛ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون (المقدمۃ)، ج۱، ص۲۲۸؛ العواصم من القواصم، ص۲۳۱، حاشیہ محب الدین الخطیب۔

۳۔

عرفا انسان کو جوہرِ ملکوتی اور روح الٰہی سمجھتے ہوئے اس بات کے قائل ہیں کہ یہ ملکوتی جوہر، جسمانی پیکر میں اسیر ہو گیا ہے اور مسلسل اس دکھ میں رہتا ہے کہ جسمانی رنج سے آزاد ہو کر اپنی اصل کی طرف لوٹ جائے۔[1]

عرفا اور صوفیائے کرام نے امام حسین علیہ السلام کے قیام کے دینی مقاصد اور سیاسی علل و اسباب کو مد نظر نہیں رکھا۔ وہ اپنے عقیدے کی بنا پر ناقص نتیجہ لیتے ہوئے میدان کربلا اور شہادت امام حسین علیہ السلام کو حق و باطل کی جنگ یا کفر ایمان کا مقابل نہیں سمجھتے؛ بلکہ عقل اور عشق کی جنگ اور عشق کی عقل پر کامیابی سمجھتے ہیں۔ البتہ یہ سوال؛ کہ امام حسین علیہ السلام کربلا کیوں گئے؟ اور کیا وجہ تھی کہ فرزند پیغمبر اشقیاء کے ہاتھوں شہید ہوئے؟ اُن کے پاس ان سوالات کا جواب صرف عشق ہے، جس سے عقل مات کھا گئی ہے۔

دوسری طرف، اس بات کے بھی قائل ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کو اللہ تعالیٰ نے ہی ترغیب دلائی کہ آپ علیہ السلام پر تلوار اٹھائیں اور آپ کا خون بہائیں۔[2]

۱۔

مولوی: عشق بحری آسمان بر روی کفی   چون زلیخا در هوای یوسفی

(جلال الدین محمد بلخی، مثنوی معنوی، تصحیح رینولد الین نیکلسون، دفتر پنجم، ص۹۰۳)

حافظ: رهرو منزل عشقیم و ز سرحد عدم   تا به اقلیم وجود این همه راه آمده ایم

مولوی: بشنو از نی چون حکایت می کند   و ز جدایی ها شکایت می کند

کز نیستان چون مرا ببریده اند   از نفیرم مرد و زن نالیده اند

(حافظ شیرازی، دیوان حافظ، انتظام سید ابو القاسم انجوی شیرازی، ص۱۹۸؛ جلال الدین محمد بلخی، مثنوی معنوی، تصحیح رینولد اَلین نیکلسون، دفتر اول، ص۵؛ اور رجوع کریں: مرتضی مطہری، انسان کامل، ص۶۴ تا ۸۵، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۷۲ تا ۱۷۷)

۲۔

داد مستان شقاوت را خبر   کاینک آمد آن حریف در به در

(عمان سامانی، گنجینہ الاسرار، انتظام محمد علی مجاہدی، ص۷۳ تا ۷۵)

تحقیق

بے شک واقعہ کربلا کا ایک بنیادی اور جذاب پہلو، معبود کے راستے میں امام حسین علیہ السلام کی فداکاری ہے جس کی عرفا اور صوفیا نے بہت خوبصورت اور دلکش تصویر کشی کی ہے؛ لیکن اس کے باوجود، یہ نظریہ اشکالات سے خالی نہیں ہے۔ اس نظریہ پر ایک اہم اعتراض، اس اہم واقعہ کے صرف اسی ایک پہلو کو مد نظر رکھنا اور دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کرنا ہے؛ کیونکہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے دینی اہداف اور سیاسی علل و اسباب کو یکسر طور پر نظر انداز کر دیا؛ جبکہ ضروری تھا کہ اس بے مثال تاریخی واقعے کی تمام اطراف اور پہلوؤں پر غور کیا جاتا اور سیاسی، معاشرتی اور شرعی ذمہ داری کے حوالے سے بھی اس واقعہ کی اہمیت کو دیکھا جاتا اور اس واقعہ سے حاصل ہونے والی عبرتوں سے چشم پوشی نہ کی جاتی۔

۳۔ مسیحیانہ نظریہ

عیسائیوں کا ایک عقیدہ ہے جسے وہ "آموزہ نجات"[1] کہتے ہیں، اس عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھ گئے تاکہ انسانوں کے گناہوں کا کفارہ قرار پائیں۔[2] لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی موت اور تکالیف کو پوری آزادی کے ساتھ قبول کیا، تاکہ لوگوں کے ایسے تمام گناہوں کا کفارہ بنیں جن کا انہوں نے ارتکاب کیا اور ان گناہوں کے انجام دینے کے ساتھ خدا کی بے حرمتی کی۔[3]

بعض لوگ عیسائیوں کی طرح عقیدہ رکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے صرف شہید ہونے کی غرض سے قیام کیا ہے، تاکہ اپنے آپ کو نانا کی امت پر فدا کریں اور روز قیامت محبان اہل بیت علیہم السلام کے گناہوں کی شفاعت کریں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ گریہ وزاری، اُن کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

۱۔ اس بارے میں مزید آگاہی کے لیے رجوع کریں: مصطفی آزادیان، آموزہ نجات از دیدگاہ علامہ طباطبائی: مسیحیوں کی مروجہ نظر کے مطابق، انتشارات مؤسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی، قم، ۱۳۸۵ شمسی۔

۲۔ لُویَس مَعلوف، المنجد، مادہ فدی، ص ۵۷۳۔ مزید آگاہی کے لیے رجوع کریں: جیمس اَنُس، نظام التعلیم فی علم الاہوت القویم (بیروت، مطبعۃ الامیرکان)، ج۲، ص۲۵۷ تا ۲۵۹۔

۳۔ رجوع کریں: توماس میشل، کلام مسیحی، ترجمہ حسین توفیقی، ص۸۹۔

اس نظریہ کا عیسائیوں کے نظریہ سے فرق یہ ہے کہ ان کے خیال کے مطابق امام حسین علیہ السلام پر گریہ اور عزاداری کرنا آخرت میں آپ علیہ السلام کی شفاعت کے لیے کافی ہے اگرچہ ہم جتنے بڑے گناہگار ہی کیوں نہ ہوں۔ بعض متأخر مصنفین نے اپنی کتب اور بعض شعراء اور نوحہ خوانوں نے اپنے اشعار اور نوحوں میں اسی نظریہ کے مطابق قیام امام حسین علیہ السلام اور عاشورا کے اہداف کو اس تحریف شدہ فکر کے ساتھ آلودہ کیا ہے۔

تحقیق

یہ نظریہ، قرآن وروایات سے ثابت شدہ مسئلہ شفاعت کے بارے میں غلط فہمی کی وجہ سے وجود میں آیا ہے ۔ائمہ ، انبیاء اور اولیاء کی شفاعت کے حصول کے لیے کچھ شرائط ہیں؛[1] ایسا نہیں ہے کہ امام حسین علیہ السلام پر گریہ اور عزاداری کرنے والے کے تمام گناہ، کسی شرط کے بغیر بخش دیئے جائیں گے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ روز قیامت عزاداروں کے لیے امام حسین علیہ السلام کی شفاعت اور چیز ہے؛ جبکہ امت کے گناہ بخشوانے کے لیے قتل ہونا اور چیز ہے۔ تحریک کربلا کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا، اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کا موجب ہے؛ یعنی اس کا مطلب یہ ہو گا کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت، گناہگاروں کے عذاب الٰہی سے بچنے کا بیمہ ہے۔[2]

امام حسین علیہ السلام نے اُمویوں کے من گھڑت اسلام اور ان کی بدعات کو لوگوں پر نمایاں کرنے کے لیے قیام کیا تاکہ لوگ اس کشتی نجات کے ذریعے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی حقیقی سنت اور سیرت کو اپنائیں، احکام الٰہی پر عمل ہو، معاشرے سے گناہ اور برائی کا خاتمہ ہو، امتِ مسلمہ میں تقوی اور دینداری زندہ ہو، لوگ اللہ کی نافرمانی سے ڈریں۔ اس لحاظ سے سید الشہدا علیہ السلام پر گریہ کرنا، اسلام کو بقا کے مساوی ہے۔

---

[1] ۔رجوع کریں: جعفر سبحانی، شفاعت در قلمرو عقل، قرآن وحدیث۔

[2] ۔سابقہ حوالہ، ج۳، ص۲۵۶۔ اس نظریئے کی رد کے لیے رجوع کریں: محمد اسفندیاری، از عاشورای حسین تا عاشورای شیعہ، ص۲۹، حاشیہ۔

پس اگر کوئی شاعر مرثیہ لکھنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے، امام علیہ السلام کے قیام کے ہدف کو اچھی طرح سمجھے اور پھر آپ کی شان کے مطابق شعر کہے۔ اس طرح وہ اشعار ، بامقصد، باعزت اور مُحَرِّک قرار پائیں گے؛ جس طرح "کُمَیت اسدی اور دِعْبَل خُزاعی جیسے شعراء ائمہ علیہم السلام کے سامنے مرثیہ پڑھتے اور ائمہ علیہم السلام انہیں انعام دیتے اور ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔

یہ ایسے بابصیرت اشعار کہتے کہ سننے والوں پر گہرا اثر ہوتا اور وہ واقعہ کربلا کی حقیقت کو درک کرتا؛ جیسا کہ کُمَیت اسدی نے مندرجہ ذیل شعر میں واقعہ عاشورا کی اساس بیان کی ہے:

یُصِیْبُ بِهِ الرَّامُوْنَ عَنْ قَوْسِ غَيْرِهِم فَيَا آخِراً اَسَدِی لَهُ الْغَیَّ اَوَّلُ[1]

تیر انداز، دوسروں کی کمان سے اس پر تیر مارتے تھے اور خبر دار؛ دوسرا شخص کہ جس کی گمراہی کا راستہ پہلے شخص نے فراہم کیا ہے۔

لیکن ان کے مقابلے میں وہ شاعر بھی تھے، جو واقعہ کربلا کو صرف احساسات، جذبات اور غم کے پہلو سے دیکھتے؛ اموی حکمرانوں کی بجائے کائنات کو امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا سبب سمجھتے۔[2]

---

۱ ۔ کمیت بن زید اسدی، الروضۃ المختار (القصائد الہاشمیات)، جمع آوری صالح علی صالح، ص۶۴ تا۶۶؛ ابو الفرج اصفہانی، کتاب الاغانی، تحقیق علی محمد بجاوی، ج۱۷، ص۲۴، ۳۱۔

۲۔ وصال شیرازی:

ای چرخ از کمان تو تیری رها نشد   کازاده ای نشان خدنگ بلا نشد

(سید عبد الحمید ضیائی، نگرشی انتقادی تاریخی به ادبیات عاشورا، ص۱۳۷)

امان ز چرخ که یک عهد استوار ندارد   که بی وفا بود و هیچ اعتبار ندارد
حسین که غاشیه داری اش جبرئیل نمودی   کنون به وقت سواری رکاب دار ندارد

(حسن صالحی راد، مجالس تعزیه، ج۱، ص۳۷۵)

ای چرخ بر حسین ستم بی شماره کن   ای بی وفا، جفای پیاپی نظاره کن
ای آسمان زنانِ پسر کشته مرا   وارد به شهر شام به ساز و نقاره کن

(سابقه حواله، ص۳۹۷)

پس واقعہ کربلا کے بارے میں مسیحیانہ طرزِ فکر کے نتیجہ میں انسان، فکری و عملی لحاظ سے مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے، جس کا پھل ذلت قبول کرنے اور بے شعوری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ نظریہ، قلب عاشورا میں نفوذ کرنے والا ایک ایسا زہر ہے جو اس عظیم واقعہ سے نصیحت اور سبق حاصل کرنے اور کردار حسینی اور سیرت زینبی اپنانے سے مانع ہے۔[1]

۴۔ شہادت کے حصول کے لیے قیام

قیام امام حسین علیہ السلام کے متعلق ایک نظریہ ہے کہ آپ کا قیام صرف شہادت کی خاطر تھا۔[2] شاید یہ نظریہ ساتویں صدی کے علما "ابن نما" کی کتاب مُثیر الاحزان اور "سید بن طاوُوس" کی کتاب الملھوف علی قتلی الطفوف سے لیا گیا ہے اور یہ شبہہ پیدا ہوا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اس لیے قیام کیا ہے تا کہ اپنی شہادت کے ذریعے قرب الٰہی حاصل کریں اور سعادت اور معنویت کے بلند مراتب تک پہنچ جائیں۔ البتہ ان کے کلام میں اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ یہ قیام، امت مسلمہ کی اصلاح اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے تھا۔

ابن نما لکھتے ہیں:

۔۔۔ عاشورا کیسی نعمت تھی جو یارانِ خدا کے لیے خوشی لے آئی اور ان کی آنکھوں کی بینائی بن گئی؛ پس تشنہ لبوں کے ساتھ سینہ سعادت کو چومنے اور شہادت کی مشتاق روحوں کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔[3]

سید بن طاوُوس ایک مقام پر، شہادت کو ایک مقصد کہنے کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

---

[1]۔ علی آقاجانی قناد، "فرہنگ عاشورا، آسیب ہا و تحریف ہا"، پگاہ حوزہ، ۱۳۸۳ شمسی، ش ۱۵۵، ص ۱۸ (اقتباس و تلخیص)۔

۲۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نظریئے کی قدیمی ترین تفصیل مرحوم شیخ یوسف بحرانی نے پیش کی ہے (یوسف بن احمد بحرانی، الدُرَرُ النجفیۃ، ص ۸۵ و ۸۶)۔

۳۔ ابن نما حلی، مُثِیرُ الاَحزان، تحقیق مدرسۃ الامام المہدی، ص ۱۱، ۱۲۔ ان عبارتوں کے ترجمے میں آقا صحتی سردرودی کے ترجمہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ (رجوع کریں: محمد صحتی سردرودی، شہید فاتح در آئینہ اندیشہ، ص ۲۰۶۔)

میں کہتا ہوں، شاید بعض وہ لوگ جو راہِ خدا میں شہادت کے ذریعے مجاہد کو نصیب ہونے والی عظیم سعادت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، یہ خیال کرتے ہیں کہ ان جیسے کاموں سے خدا کی پرستش نہیں کی جاسکتی؛ گویا انہوں نے قرآن میں کلام الٰہی کو صحیح طور سے نہیں سنا کہ ایک گروہ نے اپنی شہادت کے ساتھ عبادت خدا کی؛ چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا:

... فَتُوبُوٓاْ إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَٱقْتُلُوٓاْ أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ...

۔۔۔پس اپنے خالق کی بارگاہ میں توبہ کرو اور خود کو قتل کرو، تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔۔۔[1]

اور شاید ان کا خیال یہ ہے کہ اس آیت وَلَا تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى ٱلتَّهْلُكَةِ [2] سے مراد شہادت ہے؛ جبکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ خدا کی پرستش شہادت کی وجہ سے ہے اور یہ کہ انسان اپنے آپ کو حکم خدا سے قتل کرے، یہ سعادت کا بلند ترین درجہ ہے۔[3]

علامہ حلی(رہ) (متوفی۷۲۶ ہجری) کے کلام سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ لیا جاسکتا ہے کہ قیام امام حسین علیہ السلام ایک تحریک تھی۔ آپ علیہ السلام اپنے بھائی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی طرح صلح بھی کر سکتے تھے، لیکن آپ کی دلی آرزو تھی کہ جنگ کریں تا کہ شہادت کے ذریعے پروردگار کی ملاقات کریں اور یہ آرزو شرعی قواعد وضوابط کے عین مطابق ہے۔[4]

۱۔بقرہ، آیت ۵۴۔

۲۔بقرہ، آیت ۱۹۵۔

۳۔سید بن طاؤوس، الملھوف علی قتلی الطفوف، تحقیق فارس تبریزیان، ص۱۰۰، حاشیہ۔

۴۔علامہ حلی، تذکرۃ الفقہاء، ج۱، ص۷۴۴؛ کچھ فرق کے ساتھ: ہمسو، منتہی المطلب، مقابلہ حسن پیشنماز، ج۲، ص۹۷۴۔ مزید آگاہی کے لیے رجوع کریں: شہید ثانی، مسالک الافہام الی تنقیح شرایع الاسلام، تحقیق مؤسسہ معارف اسلامی، ج۳، ص۸۲۔

تحقیق

اگرچہ ان علمانے امام حسین علیہ السلام کے قیام کے سیاسی اور معاشرتی اہداف کی نفی نہیں کی لیکن پھر بھی مزید غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

اول: اگرچہ ہر مومن انسان اور بالخصوص اولیائے الٰہی کی تمنا ہوتی ہے کہ ان کی زندگی کا نامہ عمل شہادت کے ساتھ مکمل ہو، لیکن اگر سید الشہدا علیہ السلام کے اس عظیم مشن اور ہدف کو صرف دشمن کے ہاتھوں قتل ہو کر محبوب کی ملاقات اور معبود کی بارگاہ میں پہنچنے میں منحصر کر دیا جائے اور اس کے معاشرتی اہداف پر توجہ نہ دی جائے تو یہ چیز، ذہنوں کو اصل اہداف سے منحرف کرنے کا سبب بنے گی۔

البتہ شہادت تک پہنچنے کا عشق، ہمیشہ اولیائے الٰہی کی خصوصیت رہی ہے؛ جیسا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے مالک اشتر کے نام خط کے آخر میں دعا فرمائی کہ ان کی زندگی کا اختتام شہادت پر ہو: **وَ أنْ يَخْتِمَ لِي وَلَكَ بِالسَّعادَةِ وَالشَّهادَةِ؛**[1] "اور اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی زندگی کا خاتمہ سعادت اور شہادت پر کرے"؛ لیکن قیامِ عاشورا سے ایسا نتیجہ لینا جو امام علیہ السلام کو دینی ذمہ داریوں سے لاتعلق کر دے، صحیح نہیں ہے؛ جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اور امیر المؤمنین علیہ السلام کی سیرت یہ تھی کہ جب تک ممکن ہو اپنی جان کی حفاظت کریں، تاکہ زیادہ سے زیادہ دین اور ایمان کا دفاع کر سکیں۔

دوم: اگر امام حسین علیہ السلام کی تحریک صرف درجہ شہادت پانے کے لیے تھی تو پھر آپ تحریک کے آغاز سے زندگی کے آخری لمحات تک لوگوں سے مدد کیوں مانگتے رہے؟! اور جب حُر کے لشکر نے کوفہ جانے سے روکا تو آپ نے ان سے حجاز واپس جانے کا تقاضا کیوں کیا؟! نیز روز عاشورا آخری لمحات تک مسلسل دشمن کو جنگ اور قتل وغارت سے اجتناب کرنے کی نصیحت کیوں کرتے رہے؟! حضرت مسلم بن عقیل کو

---

[1] ۔ نہج البلاغہ، تحقیق صبحی صالح، خط نمبر ۵۳۔

کوفیوں کی دعوت کا جواب دینے کے لیے کیوں بھیجا؟! اس طرح کے دسیوں شواہد اس بات کی دلیل ہیں کہ قیام امام حسین علیہ السلام کا ہدف صرف درجہ شہادت حاصل کرنا نہیں تھا۔

اس نظریہ کی تشریح اور توجیہ

ان علما کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مراد یہ نہیں تھی کہ قیام عاشورا کو ایک بے نتیجہ اور بے مقصد عمل قرار دیا جائے، بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ امام علیہ السلام کا مقصد، صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور اس کی خوشنودی حاصل کرنا اور اپنی ذمہ داری کی انجام دہی تھا۔

اس بنا پر یہ نظریہ اصل میں اس بات کو بیان کر رہا ہے کہ معصومین علیہم السلام کا شہادت کو قبول کرنا، عقل اور شریعت کے مطابق تھا، جسے عقل و شریعت نے اہم مصلحتوں کے لیے تجویز کیا ہے؛ چنانچہ متعدد آیات[1] وروایات میں جہاد اور شہادت کا بہت زیادہ اجر و ثواب بیان ہوا ہے۔ دشمن کے ساتھ جنگ اور حق کے احیا اور سربلندی کے لیے فداکاری، مطلوب ہونے کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ اجر و ثواب کی حامل اور ایمان کی علامت شمار ہوتی ہے۔[2] جیسا کہ دعاؤں میں بھی شہادت کے شوق اور اس کی تمنا کو عظیم فضیلت شمار کیا گیاہ۔ اسی طرح پیغمبر اکرم علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام سے فرمایا: "**اِنَّ لَکَ فِی الجَنَّۃِ دَرَجَاتٍ لَنْ تَنَالُهَا اِلَّا بِالشَّهَادَةِ**" [3] "آپ کے لیے بہشت میں درجات ہیں جنہیں صرف شہادت کے ذریعے حاصل کر سکتے ہو"۔

گویا اس نظریے کی بنیاد، ہماری حدیث کی کتب میں موجود بعض روایات ہیں؛ چنانچہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

---

[1] ۔ بطور نمونہ رجوع کریں: سورہ نساء، آیت ۷۴؛ سورہ توبہ، آیات ۱۱۱ تا ۱۱۲؛ سورہ محمد، آیات ۴ تا ۶۔ مرحوم مجلسی نے بھی انہی آیات کو ذکر کیا ہے (محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج ۹۷، ص ۱ تا ۶)۔

[2] ۔ توبہ، آیت ۱۱۱۔

[3] ۔ شیخ صدوق، الامالی، تحقیق قسم الدراسات الاسلامیہ مؤسسہ البعثۃ، مجلس نمبر ۳۰، ص ۲۱۷؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج ۵، ص ۱۹؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی، ج ۱، ص ۱۸۷۔

عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ (علیہ السلام) قَالَ أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى النَّصْرَ عَلَى الْحُسَيْنِ ع حَتَّى كَانَ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ ثُمَّ خُيِّرَ النَّصْرَ أَوْ لِقَاءَ اللهِ فَاخْتَارَ لِقَاءَ اللهِ تَعَالَى [1]

"اللہ تعالیٰ نے امام حسین علیہ السلام پر اپنی نصرت نازل کی جو زمین و آسمان کے درمیان ٹھہر گئی۔ آپ علیہ السلام کو نصرت اور ملاقات خدا کے درمیان اختیار دیا گیا، امام علیہ السلام نے ملاقاتِ خدا کا انتخاب کیا"۔

۵۔ حکومت کی تشکیل کے لئے قیام کا نظریہ

امام حسین علیہ السلام کے قیام سے متعلق ایک نظریہ، جو بالخصوص آخری تین دہائیوں میں رونما ہوا، یہ ہے کہ امام علیہ السلام کے قیام کا مقصد حکومت قائم کرنا تھا۔

اس نظریے کی رو سے امام حسین علیہ السلام نے پہلے حکومت قائم کرنے کی کوشش کی اور پھر صلح کرنے کی؛ جبکہ آپ نے شہادت کے لیے کسی قسم کی کوشش نہیں کی؛ بلکہ حکومت کے کارندے اسلام کے مخالف تھے، جنہوں فرزند رسول علیہما السلام کو شہید کیا اور دنیائے اسلام پر کاری ضرب لگائی۔ [2]

اس نظریہ کی بنا پر امام حسین علیہ السلام کے قیام کا مقصد، شہادت نہیں تھا؛ [3] بلکہ شہادت کے حصول کے لئے قیام کا نظریہ پانچویں ہجری میں کتاب الملہوف کی تالیف کے بعد رائج ہوا۔

اس نظریہ کے قائل کا کہنا ہے: چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے بعض فقہا مثلاً شیخ مفید، سید مرتضیٰ اور شیخ طوسی بھی اس بات کے معتقد تھے کہ امام حسین علیہ السلام کے قیام کا مقصد، شہادت نہیں تھا بلکہ آپ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ کوفہ کے سفر میں شہید ہو جائیں گے۔ یہ قول تقریباً تین صدیوں تک شیعہ مفکرین اور علما کے درمیان مشہور رہا اور کسی شیعہ عالم نے اس نظریے کی مخالفت نہیں کی؛ مگر ساتویں

---

[1]۔ کلینی، الاصول من الکافی، تحقیق علی اکبر غفاری، تصحیح نجم الدین عاملی، ج۱، ص ۲۰۳۔
[2]۔ نعمت اللہ صالحہ نجف آبادی، شہید جاوید، ص۱۵۹۔
[3]۔ سابقہ حوالہ، ص۱۰۶۔

صدی میں سید بن طاؤوس نے کتاب "**الملھوف علی قتلی الطفوف**" لکھ کر نظریہ "قیام برائے حصول شہادت" کی بنیاد ڈالی، جس کے بعد یہ نظریہ ایک عقیدے میں بدل گیا۔[1]

تحقیق

اس نظریہ کی بنیاد، اس عقیدے پر ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو آیندہ کے پس پردہ حالات سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے[2] غیر متوقع حالات و واقعات کا سامنا کرنا پڑا لہذا آپ کی تحریک، شکست سے دچار ہو گئی؛ جبکہ یہ بات واضح ہے کہ اگر امام علیہ السلام، علم غیب نہ بھی رکھتے ہوں تب بھی آپ علیہ السلام معاشرے اور اپنے خاندان سے مربوط اہم مسائل کو بخوبی سمجھتے تھے؛ ورنہ آپ کو مسلمانوں کی رہبری اور امامت کے لائق نہیں سمجھا جا سکتا۔[3]

اس نظریہ کے بطلان پر اور بھی بہت سے دلائل اور تاریخی شواہد موجود ہیں؛ مثلاً امام علیہ السلام نے نصیحت کرنے والے افراد سے یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے خدشات غلط ہیں، یا مجھے کامیابی پر مکمل اطمینان ہے؛ بلکہ آپ نے ان کے خدشات کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: "**صَدَقْتَ**"[4] "تو نے سچ کہا ہے"، "**تَكَلَّمْتَ بِعَقْلٍ**"[5] "تو نے عقلمندی کی بات کی ہے"، "**وَاِنَّهُ لَيْسَ يَخْفٰى عَلَيَّ الرَّأْيُ مَا رَأَيْتَ**"[6] (جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں) مجھ پر مخفی نہیں ہے"۔

---

[1] ۔سابقہ حوالہ، ص۴۵۵۔ مزید تفصیل کے لیے رجوع کریں: یہی کتاب، ص۴۶تا۵۰، ۱۰۱تا۱۰۵۔

[2] ۔سابقہ حوالہ، ص۵۶، ۵۷۔

[3] ۔سید علی فرحی، بررسی و تحقیق پیرامون نہضت حسینی، ص۳۲۲۔

[4] ۔طبری، تاریخ الامم والملوک، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، ج۵، ص۳۸۶؛ شیخ مفید، الارشاد، تحقیق مؤسسہ آل البیت، ج۲، ص۶۷؛ ابن اعثم کوفی، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج۵، ص۷۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی، ج۱، ص۲۲۱۔

[5] ۔طبری، سابقہ کتاب، ص۳۸۲۔

[6] ۔الکلینی، الاصول من الکافی، تحقیق علی اکبر غفاری، تصحیح نجم الدین بن عاملی، ج۱، ص۳۲۸؛ صفار قمی، بصائر الدرجات، تصحیح محسن کوچہ باغی تبریزی، ص۱۲؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۲۶، ص۱۵۷ و ج۴۵، ص۹۳، ۹۴۔

اسی طرح امام علیہ السلام نے منزل ثعلبیہ پر کوفہ جانے سے روکنے والے ایک کوفی شخص سے فرمایا: "اے کوفی! علم کا سرچشمہ ہمارے پاس ہے، کیا یہ لوگ میرے انجام سے واقف ہیں اور میں کچھ نہیں جانتا؟ ! یہ ممکن نہیں ہے"۔[1]

اس طرح کے واضح جوابات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام، دوسرے لوگوں سے بہتر آنے والے مسائل کا اندازہ کر رہے تھے؛ بلکہ امام علیہ السلام اسلام کے مفادات اور اپنے نانے کے دین کی حفاظت کو اس حد تک اہمیت دیتے تھے کہ اسلام کے سیدھے راستے کی حفاظت کے لیے جہاد کرنے پر بھی تیار تھے، وہی سیدھا راستہ جو نانا، بابا اور بھائی کے ذریعے آپ کے سپرد کیا گیا تھا؛ چاہے اس کا نتیجہ آپ علیہ السلام کی شہادت ہی کیوں نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ آپ، منع کرنے والوں سے فرماتے:

وَاللهِ اِنِّیْ لَأَرْجُوْاَنْ یَّکُوْنَ خَیْرًا مَّا اَرَادَ اللهُ بِنَا، قُتِلْنَا اَمْ ظَفَرْنَا[2]

خدا کی قسم! میں امیدوار ہوں کہ خدا نے جو ہمارے بارے میں ارادہ کیا ہے وہ اچھائی ہے؛ چاہے ہم قتل ہو جائیں یا فتح حاصل کر لیں۔

ایک اور اہم نقطہ یہ ہے کہ اس نظریہ کی بنا پر، اسلامی جہاد کو بھی دیگر جنگوں کی طرح صرف ظاہری کامیابی اور ناکامی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں جہاد کا اصل مقصد، یعنی اسلامی معاشرے کی ہدایت، کھو جاتا ہے۔ جبکہ امام حسین علیہ السلام کی نگاہ میں مناسب شرائط فراہم ہونے کی صورت میں، اپنی ذمہ داری انجام دینا ہی سب سے بڑی کامیابی ہے، چاہے اس کی وجہ سے بے شمار دنیوی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔

---

[1] ۔ الکلینی، الاصول من الکافی، تحقیق علی اکبر غفاری، تصحیح نجم الدین عاملی، ج۱، ص۳۲۸؛ صفار قمی، بصائر الدرجات، تصحیح محسن کوچہ باغی تبریزی، ص۱۲؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۲۶، ص۷ ۱۵ و ج۴۵، ص۹۳، ۹۴۔

[2] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۵۔

اس نظریہ کے حامل افراد یہ تصور کرتے ہیں کہ الٰہی تحریک کا مقصد صرف اور صرف ظاہری اور عسکری کامیابی حاصل کرنا ہے۔ ان کی اس فکر کی بنیاد یہ ہے کہ انہوں نے حسینی تحریک کی حقیقت اور باطن کو درک ہی نہیں کیا۔

ممکن ہے کہ یہ کہا جائے: اگر امام حسین علیہ السلام کوفہ پہنچ جاتے اور انہیں قدرت مل جاتی تو یزید کے مخالفین کے دلوں میں امید پیدا کر کے اپنی عسکری قوت کالوہا منوا لیتے اور پھر حکومت تشکیل دینے میں کامیاب ہو جاتے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ دو دہائیوں میں امیر شام کی طرف سے جاہلانہ رسم رواج کی ترویج اور اسلامی اقدار کو پامال کرنے کے کے لیے کیے گئے اقدامات کے بعد، امام حسین علیہ السلام کے قیام کا اس نتیجے تک پہنچنا قابل یقین نہیں تھا۔

اگرچہ آپ علیہ السلام کا قیام، ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے تھا اور آپ علیہ السلام کی نظر، قدرت کے حصول کی طرف نہیں تھی؛ لیکن اس کے باوجود یہ قیام اہم نتائج حامل تھا، جیسا کہ ایک محقق نے کہا ہے:

" کربلا کے واقعات کا کلی طور پر گہرا مطالعہ اور اس کا تجزیہ و تحلیل کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے اتی ہے کہ امام حسین علیہ السلام، ابتداء ہی سے مسلمانوں کے دینی وجدان میں ایک مکمل اسلامی انقلاب کا نقشہ کھینچ رہے تھے۔ امام حسین علیہ السلام کے اعمال اور کردار سے اس بات کی نشاندہی ہو رہی تھی کہ آپ علیہ السلام اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ عسکری وسائل اور قدرت کے بل بوتے پر کامیابی، عارضی ہوتی ہے؛ کیونکہ یقینا کوئی اس سے بھی زیادہ طاقتور ہو گا جو وقت گزرنے کے ساتھ اسے بھی نابود کر دے گا۔۔۔" [1]

---

[1]۔ سید حسین محمد جعفری، **تشیع در مسیر تاریخ**، ترجمہ سید محمد تقی آیت اللہی، ص ۲۴۰۔

قیامِ امام حسین کے متعلق بعض گذشتہ علما[1] کے اس نظریے کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ شاید انہوں نے یہ نظریہ، اہل سنت کو جواب دینے کے سلسلے میں پیش کیا ہے؛ کیونکہ وہ ایک ایسے معاشرے اور حالات میں زندگی گزار رہے تھے جس میں شیعہ عقائد مکمل فراموشی کے قریب تھے جبکہ سنی افکار حاکم و رائج تھے۔ اس لیے وہ سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے مجبور تھے کہ سید الشھدا علیہ السلام کے قیام کو شیعہ کا قیام نہیں بلکہ ایک اسلامی شخصیت کے قیام کے طور پر متعارف کرائیں اور بعض اسلامی فرقوں کی طرف سے امام علیہ السلام کے قیام پر لگائی جانے والی تہمتوں کا ازالہ کریں۔[2] اس دعوی کی دلیل، کتاب "تنزیہ الانبیاء" کے آغاز میں سید مرتضی کا قول ہے جس میں آپ نے فرمایا:

"خدا آپ کو نیک توفیق عطا فرمائے کہ آپ نے مجھ سے تقاضا کیا ہے کہ میں انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کی تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے عصمت کے بارے میں کتاب لکھوں، نیز اس مسئلہ (انبیاء اور ائمہ کی عصمت) کے مخالفین کی ردّ میں قلم اٹھاؤں، اگرچہ اس بارے میں مختلف نظریات اور متعدد مذاہب پائے جاتے ہیں۔"[3]

۶۔ سید الشھدا علیہ السلام کا قیام، ایک خاص ذمہ داری

کچھ لوگوں کا نظریہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا قیام اللہ تعالیٰ کی جانب سے رازداری پر مبنی ایک خصوصی حکم کی بجا آوری اور ایک ایسا فریضہ تھا جس کی انجام دہی صرف امام حسین علیہ السلام کے ساتھ خاص تھی۔ اس نظریہ کی بنا پر واقعہ کربلا میں یزید کے خلاف قیام، سید الشھدا علیہ السلام کی ذمہ داری تھی جو ابتدائے خلقت

---

[1] ۔ قیام امام حسین علیہ السلام کے متعلق ان علمائے کرام کے نظریات سے مزید آگاہی کے لیے رجوع کریں: شیخ مفید "المسائل العکبریہ"، تحقیق علی اکبر الٰہی خراسانی، (مجموعہ تصنیفات شیخ مفید)، ج۶، ص۷۱؛ سید مرتضی، تنزیہ الانبیاء والائمہ، تحقیق فارس حسون کریم، ص۲۶۹ تا ۲۷۳؛ شیخ طوسی، تلخیص الشافی، تحقیق سید حسین بحر العلوم، ج۴، ص۱۸۱ تا ۱۸۸۔

[2] ۔ سید علی فرجی، بررسی و تحقیق پیرامون نہضت حسینی، ص۳۱۲ تا ۳۱۳۔ قابل ذکر ہے کہ سابقہ حاشیہ میں ذکر شدہ منابع در حقیقت اہل سنت کے اعتراضات کے جواب میں تالیف ہوئے ہیں۔ جیسا کہ شیخ طوسی کی کتاب "تلخیص الشافی"، سید مرتضی کی کتاب "الشافی فی الامامۃ" کا خلاصہ ہے جو کہ قاضی عبد الجبار معتزلی کی کتاب "المغنی" کی بیسویں جلد کا جواب ہے۔

[3] ۔ سید مرتضی، تنزیہ الانبیاء والائمہ، تحقیق فارس حسون کریم، ص۳۳۔

سے لکھ دی گئی تھی؛ پس آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ازلی حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔

یہ نظریہ اس اصول پر استوار ہے کہ امام علیہ السلام کی تحریک، ظاہری طور سے فقہی اور حقوقی اصولوں کے خلاف تھی؛ کیونکہ یہ خطرناک اور ہلاک کر دینے والا اقدام تھا؛ لیکن امام کی عصمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس تحریک کے پس پردہ ایک ایسا راز ہو جو آپ علیہ السلام کے لیے ذمہ داری ہو لیکن دوسروں کے لیے کوئی ذمہ داری نہ ہو۔

اس سلسلہ میں مرحوم علامہ مجلسی نے سید مرتضی کا نظریہ نقل کرنے کے بعد اس کے جواب میں فرمایا:

"کتاب الامامۃ اور کتاب الفتن میں بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہر امام کی ایک خاص ذمہ داری تھی، جو آسمانی صحیفوں میں نازل ہوئی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ پر عائد کی گئی تھی اور انہوں نے اسیذمہ داری کو انجام دیا؛ لہذا شائستہ نہیں ہے کہ ان (ائمہ علیہم السلام) سے مربوط احکام کو، ہم اپنے ساتھ مربوط احکام کے ساتھ مقائسہ کریں۔۔۔"[1]

ایک اور مقام پر فرمایا:

"رہبرانِ دین کے حالات کو اپنے حالات کے ساتھ مقائسہ نہ کیا جائے اور ان کی ذمہ داری، (ہم سے) جدا ہے"۔[2]

نیز مرحوم صاحب جواہر لکھتے ہیں:

امام حسین علیہ السلام نے جو کچھ کیا، وہ اسرار الٰہی اور اللہ تعالیٰ کا علم غیب ہے؛ شاید امام علیہ السلام کا یہ طرز عمل، الٰہی ذمہ داری کی انجام دہی کا واحد راستہ تھا... البتہ امام علیہ السلام کا خاص فریضہ بھی تھا جسے آپ

---

[1]۔ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۹۸۔

[2]۔ سابقہ حوالہ، مجموعہ رسائل اعتقادی، تحقیق سید مہدی رجائی، ص۱۹۹۔

نے قبول کرنے کی طرف جلد قدم بڑھایا اور اس پر عمل پیرا ہوئے اور امام علیہ السلام خطا سے پاک و منزہ ہیں؛ اسی وجہ سے ان کے کردار و گفتار پر کوئی دھبہ لگانا جائز نہیں ہے۔[1]

صاحب جواہر کے بیان سے درج ذیل نکات سمجھے جاسکتے ہیں:

۱۔ واقعہ کربلا اور امام حسین علیہ السلام کا قیام، اللہ کے علم غیب کے خزانوں میں سے ایک خزانہ اور اسرار الٰہی میں سے ایک راز ہے۔

۲۔ امام علیہ السلام کی ایک خاص ذمہ داری تھی، جس پر آپ علیہ السلام نے عمل کیا اور چونکہ آپ خطا سے معصوم ہیں، اس لیے آپ کی گفتار و کردار پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

۳۔ شاید امام علیہ السلام کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں تھا۔

علامہ طباطبائی اس بارے میں لکھتے ہیں:

سید الشہدا علیہ السلام نے اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کے پیشِ نظر، بیعت سے انکار اور شہادت کا حتمی فیصلہ کیا اور موت کو زندگی پر ترجیح دی؛ جبکہ آپ علیہ السلام کی شرعی ذمہ داری بھی بیعت سے انکار اور شہادت قبول کرنا تھا۔ اس روایت کا مفہوم بھی یہی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے آپ علیہ السلام کو خواب میں فرمایا: خدا تجھ کو مقتول دیکھنا چاہتا ہے؛ نیز امام علیہ السلام نے قیام سے منع کرنے والے کچھ لوگوں سے فرمایا: اللہ تعالیٰ مجھے شہید دیکھنا چاہتا ہے۔[2]

مرحوم آیتی بیرجندی نے امام حسین علیہ السلام سے منسوب ان جملات "**وَخُيِّرَ لِي مَصْرَعٌ أَنَا لَاقِيهِ**"[3] اور "**لَا مَحِيصَ عَنْ يَوْمٍ خُطَّ بِالْقَلَمِ**"[4] کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

---

[1] ۔ محمد حسن نجفی، جواہر الکلام، ج۲۱، ص۲۹۵۔

[2] ۔ سید محمد حسین طباطبائی، "علم امام کے متعلق مختصر بحث"، رضا استادی، بیس مقالے میں (نقل ہوئی ہے)، ص۴۴۲۔

[3] ۔ "(خدا کی طرف سے) میرے لیے شہادت کا انتخاب ہوا ہے اور میں اس کی انجام دہی کے لئے جاؤں گا" (سید بن طاؤوس، الملہوف علی قتلی الطفوف، تحقیق فارس تبریزیان، ص۱۲۶)۔

[4] ۔ سید بن طاؤوس، الملوف علی قتلی الطفوف، تحقیق فارس تبریزیان، ص۱۲۶۔

یہ پروگرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا اور اسی نے ان موجودہ حالات کی اصلاح کا ذریعہ میری شہادت قرار دی ہے۔ جو کچھ خدا کے قلم سے لکھ دیا گیا ہے، اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔[1]

دلیل

اس نظریہ کی دلیل، بعض روایات اور امام حسین علیہ السلام کے فرامین ہیں، جو آپ علیہ السلام نے اپنے قیام کے علل و سباب کے بارے میں ارشاد فرمائے:

۱۔ یحیٰ بن سعید اور عبد اللہ بن جعفر نے امام علیہ السلام کو عراق جانے سے روکا تو آپ نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے خواب میں مجھے یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ میں اس کو انجام دوں، چاہے یہ میرے فائدے میں ہو یا نقصان میں؛ "۔ انہوں نے پوچھا: یہ خواب کیا تھا؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: "میں نے کسی کے سامنے بیان نہیں کیا اور جب تک اپنے پروردگار سے ملاقات نہ کر لوں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔"[2] آپ علیہ السلام نے کوفیوں کے اجتماع، عبد اللہ بن زُبیر اور عبد اللہ بن عباس کے جواب میں بھی یہی فرمایا۔[3]

---

[1]۔ محمد ابراہیم آیتی بیرجندی، بررسی عاشورا، مقدمہ علی اکبر غفاری، ص ۸۲۔ اسی طرح مرزا ابوالفضل زاہدی قمی نے اس بارے میں "مقصد الحسین علیہ السلام" کے عنوان سے، کتاب "شہید جاوید" کی رد میں ایک کتاب لکھی، اس میں لکھتے ہیں: وہ معتقد ہے کہ " واقعہ کربلا ایک ذاتی ذمہ داری کے علاوہ اور کچھ نہیں" (مرزا ابوالفضل زاہدی قمی، مقصد الحسین علیہ السلام، ص ۱۰)۔

[2]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین علیہ السلام و مقتلہ، تحقیق سید عبد العزیز طباطبائی، تراثنا، سال سوم، ۱۴۰۸ ہجری، شمارہ ۱۰، ص ۱۶۸؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، ج ۵، ص ۳۸۸؛ شیخ مفید، الارشاد، تحقیق مؤسسہ آل البیت، ج ۲، ص ۶۹؛ ابن اعثم کوفی، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج ۵، ص ۶۷؛ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین علیہ السلام من تاریخ مدینۃ دمشق، تحقیق محمد باقر محمودی، ص ۲۰۲؛ ابن کثیر دمشقی، البدایہ والنہایۃ، تحقیق مکتب تحقیق التراث، ج ۸، ص ۱۷۶؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۳۶۶۔

[3]۔ سید بن طاؤوس، الملہوف علی قتلی الطفوف، تحقیق فارس تبریزیان، ص ۱۰۱؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۳۶۶؛ اسی طرح شیخ صدوق، ابن اعثم اور خوارزمی نے بھی اس خواب کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے (شیخ صدوق، الامالی، تحقیق قسم الدراسات الاسلامیہ مؤسسہ البعثۃ، مجلس نمبر تیس، ص ۲۱۷، حدیث نمبر ۱؛ ابن اعثم، سابقہ حوالہ، ص ۱۹؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی، ج ۱، ص ۱۸۶ تا ۱۸۷)۔ البتہ ان آخری تین کتابوں کی گذارشات قبول نہیں کی جا سکتیں کیونکہ بعض دوسری معتبر روایات میں امام علیہ السلام نے واضح طور پر فرمایا ہے اس خواب کے بارے میں کہ نانا نے یہ وظیفہ ان کے سپرد کیا ہے کوئی بات نہیں کی، حالانکہ آخری تین کتابوں نے خواب کا متن بیان کیا ہے۔

۲۔ حُمران بن اَعْیَن نے امام باقر علیہ السلام سے، حضرت علی اور امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کے قیام کے بارے میں پوچھا کہ انہوں نے دین خدا کی نصرت کے لیے کس طرح قیام کیا حالانکہ ظالموں نے ان پر بہت مصیبتیں ڈھائیں اور ان پر (ظاہری) کامیابی حاصل کی؛ جبکہ ائمہ علیہم السلام مغلوب اور شہید ہو گئے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اے حُمران! اللہ تعالیٰ نے یہ مصائب ان کا مقدر بنائے، ان کو قضا کے مرحلہ سے گزارا اور انہیں قبول کرنے میں اختیار دیا؛ اور چونکہ انہوں نے مصائب کو قبول کیا، لہٰذا یہ مصائب ان پر آئے۔[1]

۳۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: "حضرت جبرائیل، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول خدا کے لیے ایک آسمانی خط لے کر آئے جس میں ہر امام کے لیے ایک بند تحریر بھی موجود تھی تاکہ وہ اپنی اپنی تحریر کھولیں اور جو کچھ لکھا ہوا ہے اس پر عمل کریں۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنی تحریر کھولی تو اس کے نیچے لکھا ہوا تھا: **قَاتِلْ فَاقْتُلْ وَ تُقْتَلُ وَ اخْرُجْ بِأَقْوَامٍ لِلشَّهَادَةِ لَا شَهَادَةَ لَهُمْ إِلَّا مَعَكَ؛**[2] جنگ کرو، قتل کرو اور شہید ہو جاؤ اور چند لوگوں کے ساتھ شہادت کے لیے نکلو؛ کیونکہ آپ کے بغیر ان کی شہادت نہیں ہو گی"۔[3]

۴۔ سید بن طاؤوس کی روایت کے مطابق، امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے روانگی کی شب میں اپنے بھائی محمد حنفیہ سے فرمایا: "... رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ میرے پاس آئے اور فرمایا:

...انّ اللہ شاء ان یراك قتیلا[4]

(اے حسین! باہر جاؤ) کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو شہید دیکھنا چاہتا ہے۔

اگرچہ بعض روایات میں امام حسین علیہ السلام کی ذمہ داری معین نہیں کی گئی؛ لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام اور شہادت صرف آپ علیہ السلام کی ذمہ داری تھی؛ بعد میں آنے والے ائمہ اور ان کے کسی

---

[1] ۔ کلینی، الاصول الکافی، تحقیق علی اکبر غفاری، تصحیح نجم الدین عاملی، ج۱، ص۲۲۱، ۲۲۲ (خلاصہ)۔

[2] ۔ سابقہ حوالہ، ص۲۲۰؛ نعمانی، کتاب الغیبۃ، ص۵۲، ۵۳۔

۳۔ روایت کا خلاصہ۔

[4] ۔ سید بن طاؤوس، الملهوف علی قتلی الطفوف، تحقیق فارس تبریزیان، ص۱۲۸۔

ماننے والے کی ایسی ذمہ داری نہیں تھی۔ اس لحاظ سے یہ ذمہ داری قابل تکرار نہیں اور ان کے ماننے والوں کے لیے نمونہ نہیں بن سکتی۔!

تحقیق

یہ نظریہ مندرجہ ذیل دلائل کی بنا پر ظاہری طور سے، صحیح معلوم نہیں ہوتا:

الف) امام علیہ السلام کی نگاہ میں قیام، تمام لوگوں کی ذمہ داری

امام حسین علیہ السلام کے بعض فرامین سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ اموی حکومت کے خلاف قیام کرنا آپ کا خاص ذمہ داری نہیں تھی بلکہ آپ اسے ہر مسلمان کی ذمہ داری سمجھتے تھے، اسی لیے تمام مسلمانوں کو اس کی دعوت دی۔ مثلاً:

آپ علیہ السلام نے مکہ سے روانگی کے وقت بنی ہاشم کو خط لکھا: **"وَ مَن لَمْ یَلْحَقْ بِیْ لَمْ یُدْرِكْ الْفَتْحَ؛** جو میرے ساتھ شامل نہیں ہو گا، وہ کامیابی نہیں پائے گا"

جب حُر کی فوج سے ملاقات ہوئی تو فرمایا:

اَیُّهَا النَّاس! اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ قَالَ: مَنْ رَأیٰ سُلْطَانًا جَائِرًا مُسْتَحِلًّا لِحَرَامِ اللهِ، نَاكِثًا لِعَهْدِ اللهِ، مُخَالِفًا لِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ، یَعْمَلُ فِیْ عِبَادِ اللهِ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، فَلَمْ یُغَیِّرْ عَلَیْهِ بِفِعْلٍ وَلَا قَوْلٍ، كَانَ حَقًّا عَلَی اللهِ اَنْ یُدْخِلَهُ مُدْخَلَهُ[2]

---

[1] ۔ سابقہ حوالہ، ص ۱۲۱، حاشیہ؛ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، تحقیق نشر الفقاہۃ، ص ۱۵۷؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۲، ص ۸۱ و ج ۴۴، ص ۳۳۰ و ج ۴۵، ص ۸۵۔

[2] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، ج ۵، ص ۴۰۳۔ اس فرمان کا پورا متن عنقریب آجائے گا۔ ابن اعثم اور خوارزمی نے اس خطبہ کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (ابن اعثم، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج ۵، ص ۸۱، ۸۲؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی، ج ۱، ص ۲۳۴، ۲۳۵؛ محمد باقر مجلسی، سابقہ کتاب، ج ۴۴، ص ۳۸۱، ۳۸۲)۔ شاید آپ علیہ السلام نے یہ پیغام کئی بار اور مختلف الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

"اے لوگو! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: جو شخص کسی ظالم حکمران کو دیکھے جس نے حرامِ خدا کو حلال کیا ہو، پیمان الٰہی کو توڑ دیا ہو، سنت رسول کی مخالفت کی ہو، لوگوں کے ساتھ ظلم و ستم کے ساتھ پیش آتا ہو؛ لیکن وہ شخص اپنے کردار و گفتار کے ذریعے اُس کے مقابلے میں کھڑا نہ ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ اس کو اسی ظالم جیسا ٹھکانا دے۔"

"**ايُّهَا النَّاس**" (اے لوگو!) کی لفظوں کے ساتھ خطاب کرنا اور پھر رسول خدا کے فرمان کو کسی قید و شرط کے بغیر بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اموی حکومت کے خلاف قیام اور مخالفت، صرف امام علیہ السلام کی ذمہ داری نہیں تھی، بلکہ تمام لوگوں کی ذمہ داری تھی۔

آپ علیہ السلام نے منزل "ذو حُسَم" پر فرمایا:

اَلَا تَرَوْنَ اَنَّ الْحَقَّ لَا يُعْمَلُ بِهٖ وَاَنَّ الْبَاطِلَ لَا يُتَنَاهٰى عَنْهُ لِيَرْغَبِ الْمُؤْمِنُ فِي لِقَاءِ اللهِ مُحِقّاً

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے دوری نہیں کی جا رہی؟ (ان حالات میں) مومن کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی خواہش کرے۔

اس فرمان کی روشنی میں واضح ہے کہ امام حسین علیہ السلام، یزید کی حکومت کے خلاف قیام اور مبارزہ کو ہر مومن کی ذمہ داری سمجھتے تھے؛ لہٰذا یہ نہیں فرمایا: **ليرغب الحسين او ليرغب الامام** (حسین کو یا امام چاہئے) بلکہ فرمایا: **ليرغب المؤمن** (تاکہ مومن میں رغبت ہو...)۔

جب مروان نے امام علیہ السلام سے بیعت کا مطالبہ کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: **فَمِثْلِي لَا يُبَايِعُ لِمِثْله**؛[1] "مجھ جیسا، اس جیسے کی بیعت نہیں کرے گا" یعنی امام علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ صرف میں نہیں ہوں جو یزید کی بیعت نہیں کرتا؛ بلکہ جو شخص بھی میری طرح اصل دین پر اعتقاد رکھتا ہوگا، یزید جیسے شخص کی بیعت نہیں کرے گا۔

---

[1] ابن اعثم، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج۵، ص۱۴؛ خوارزمی، سابقہ حوالہ، ج۱، ص۱۸۴۔

اس کے علاوہ امامؑ کا مختلف افراد کو اپنے ساتھ آنے کی دعوت دینا بھی اس بات کی تائید ہے کہ آپ، یزید کے خلاف قیام کو تمام مسلمانوں کی ذمہ داری سمجھتے تھے۔

ب) قیام عاشورا میں قابلِ عمل اسوہ ہونے کی صلاحیت

اگر ہم یہ بات مان لیں کہ قیام عاشورا، امام حسینؑ کی خاص ذمہ داری تھی، تو یہ قیام دوسروں کے لئے قابلِ عمل اسوہ نہیں بن سکتا؛ کیونکہ جو چیز امام کی خصوصیت ہے وہ دوسرے لوگوں کے وجدان اور ضمیر میں اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ دوسرے لفظوں میں؛ اگر لوگ، کسی مسئلے کے بارے مکمل آگاہی نہ رکھتے ہوں تو وہ ہرگز سمجھ نہیں سکتے کہ یہ حکم ان کے لیے بھی ہے؛ لہذا انہیں یہ سوال کرنے کا حق حاصل ہو گا کہ کس دلیل کی بنیاد پر انہیں ہمنوا اور ساتھی بننا چاہیے؟۔[1]

ائمہ معصومینؑ کے معاشرتی کاموں کو عام انسانوں کے لئے ناقابلِ عمل اور محال سمجھنا، ایک ایسا دعویٰ ہے جسے قبول کرنا مشکل ہے؛ کیونکہ اس کا لازمہ یہ ہے کہ قیام عاشورا، امامؑ کی ذات میں منحصر ہے اور اس سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں، یہ ممکن ہے انسان متأثر ہو اور امام حسینؑ پر گریہ بھی کرے لیکن آپ کے قیام سے درسِ عبرت نہیں لے سکتا اور نہ ہی اسے اپنے لیے اسوہ اور نمونہ قرار دے سکتا ہے؛ نیز یہ بھی درک نہیں کر سکتا کہ اس کی بھی کوئی دینی اور معاشرتی ذمہ داری ہے؛ کیونکہ وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ جو کچھ امامؑ نے انجام دیا ہے، وہ آپ کی خاص ذمہ داری تھی۔ حالانکہ امام حسینؑ کا قیام، تاریخ میں اسلامی معاشرے پر سب زیادہ مؤثر واقعہ ہے۔ پس واقعہ کربلا کے حوالے سے یہ کہنا کہ **"امام کی ایک الگ ذمہ داری ہے اور دوسرے لوگوں کی ایک علیحدہ ذمہ داری ہے"** قابل قبول نہیں ہے۔

---

[1] ۔اس حصے کی تالیف میں، عبد اللہ امینی کے مقالے "نہضت سید الشہداور اس کے اہداف" (فصنامہ حکومت اسلامی، سال ہفتم، شمارہ ۲۵، خزاں ۱۳۸۱ شمسی، ص ۳۹۳تا۳۹۵) سے استفادہ کیا گیا ہے۔

علامہ شہید مطہری اس نظریہ کے جواب میں کہتے ہیں:

ایک بات جو واقعہ کربلا کو اپنے اصلی راستے سے منحرف کرنے اور عمومی فوائد کے حصول سے روکنے والی اور بالآخر اس کے کلی ہدف، جو عزاداری امام علیہ السلام ہے، سے دور کر دینے والی ہے؛ وہ یہ کہنا ہے کہ سید الشہدا علیہ السلام کی تحریک کا سبب ایک خصوصی اور رازدارانہ حکم تھا جو ان کی ذات کے ساتھ خاص تھا اور یہ خاص حکم، امام علیہ السلام کو بیداری یا خواب میں دیا گیا تھا، کیونکہ اگر امام حسین علیہ السلام کی تحریک کو آپ کے لئے مخصوص حکم یا ذمہ داری قرار دیا جائے تو دوسرے لوگ آپ علیہ السلام کو اپنا پیشوا اور امام قرار نہیں دے سکتے اور نہ ہی امام حسین علیہ السلام کو ایک مکتب سمجھ سکتے ہیں؛ جبکہ انہیں کہنا چاہیے کہ امام حسین علیہ السلام کی تحریک، اسلامی دستور کا نتیجہ تھا اور امام حسین علیہ السلام نے اپنے صحیح اور واضح مؤقف سے ثابت کیا کہ آپ علیہ السلام اسلامی احکامات کو بھی بہتر طور پر جانتے تھے اور زمانہ کے حالات اور اپنے زمانے کے حکمران طبقہ سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ آپ نے اسلامی احکام کو اپنے زمانے پر تطبیق کیا اور یزید کے خلاف قیام اور تحریک کو اپنی ذمہ داری سمجھا...۔

لیکن کہنے والے اپنے خیال کے مطابق امام حسین علیہ السلام کی شان بلند کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ امام علیہ السلام کے لیے خاص حکم تھا کہ یزید اور ابن زیاد کے ساتھ جنگ کریں؛ اور اس ضمن میں خواب اور بیداری کی ہزاروں باتیں بناتے ہیں...؛

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آیتِ مبارکہ ﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾[1] کے مصداق، امام حسین علیہ السلام کے قیام کو بنی نوع بشر کے لیے قابل اقتدا ہونے سے خارج کر دیتے ہیں اور گویا زمین سے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔۔۔، اس بارے میں خیالی باتیں جتنی زیادہ ہوں گی، اور جنات، فرشتوں، نیند،

---

[1] ۔ سورہ احزاب، آیت ۲۱۔

بیداری اور خصوصی احکام کی باتیں جس قدر زیادہ ہوتی جائیں گی، اتنا ہی یہ تحریک بے ثمر ہوتی چلی جائے گی...۔[1]

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

کسی خصوصی حکم کی ضرورت نہیں ہے۔ خصوصی حکم وہاں دیا جاتا ہے جہاں عمومی حکم کافی نہ ہو۔ حالانکہ امام حسین علیہ السلام نے واضح طور پر فرمایا: اسلام ایک ایسا دین ہے جو کسی مومن کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ ظلم وستم، فسادات اور گناہ کے سامنے خاموش رہے۔ امام حسین علیہ السلام مکتب کو لے کر آگے بڑھے، اور یہ مکتب اسلامی اور عملی ہے؛ آپ علیہ السلام کا مکتب، مکتبِ اسلام ہے... ہم نے اس واقعہ کو مکتب ہونے کی حیثیت سے نہیں لیا؛ جب یہ مکتب ہونے کی حیثیت سے نکل جائے گا تو پیروی کے قابل نہیں رہے گا... کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی خیانت ہو سکتی ہے؟![2]

تشریح اور توجیہ

اگر اس نظریہ کے قائل، یہ سمجھتے ہوں کہ امام حسین علیہ السلام کی ذمہ داری تھی کہ آپ دنیا میں آئیں اور پھر شہادت کے ذریعے خدا کی قربت کے بلند وبالا درجات تک پہنچیں اور عام مسلمانوں کے لئے، آپ علیہ السلام کی تحریک سے درس لینا اور اس کی پیروی کرنا ممکن نہ ہو، تو یہ عقیدہ ہرگز قابل قبول نہیں ہے؛ لیکن ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اس نظریہ کے قائل اکثر افراد، امام علیہ السلام کی تحریک اور واقعہ عاشورا کے اسوہ ہونے کی نفی کرنے کے درپے نہیں تھے بلکہ ان کا مقصد اُس نظریہ کو غلط ثابت کرنا تھا جس میں کہا گیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا مقصد صرف حکومت تشکیل دینا تھا۔ جیسا کہ بعض علما مثلاً کتاب جواہر الکلام کے مصنف محمد

---

[1]۔ مرتضی انصاری، حماسہ حسینی، ج۳، ص۸۴ تا ۸۶۔

[2]۔ سابقہ حوالہ، ج۱، ص۸۷۔

حسن نجفی رحمہ اللہ، امام حسین علیہ السلام کی خصوصی ذمہ داری کے بھی قائل ہوئے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ شریعت کی حفاظت اور دشمنوں کے کفر کے فاش ہونے کو، تحریکِ کربلا کا ایک فائدہ سمجھتے ہیں[1]۔

البتہ اس بات کا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا کہ بعض روایات کے مطابق، ہر امام کی امامت کے دور کا دستور العمل، پہلے سے خدا کی طرف سے معین ہو چکا تھا، جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے ذریعے ان تک پہنچا دیا گیا تھا۔ چنانچہ کافی میں ایک باب ہے جس کا عنوان "انَّ الائمۃ لم یفعلو شیئاً و لا یفعلون الّا بعهد من اللہ عزّو جلَّ و امرٍ منه لا یتجاوزونه" ہے۔[2]

البتہ اس بات کی طرف بھی توجہ رکھنا چاہیے کہ ہر امام کا اپنی ذمہ داری اور انجام سے آگاہ ہونا اور اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ایک خاص ذمہ داری انجام دینا، اس بات کے ساتھ منافی نہیں ہے کہ امام کا عمل ان کے ماننے والوں کے لیے اسوہ اور نمونہ ہو۔

امام حسین علیہ السلام کی نظر میں قیامِ عاشورا کا فلسفہ اور مقاصد

قیامِ عاشورا کے فلسفہ اور مقاصد کے حوالے سے ذکر کیے گئے نظریات کی چھان بین سے واضح ہو چکا ہے کہ بعض نظریات ضعیف ہیں یا سید الشہدا کے قیام کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہیں؛ اور کوئی نظریہ بھی قیامِ امام حسین علیہ السلام کے اہداف کی جامع اور روشن تصویر پیش نہیں کر سکا۔

قیام عاشورا کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے امام حسین علیہ السلام کی حیات طیبہ، شخصیت اور آپ کی عصمت کے بارے میں ضروری شناخت حاصل کی جائے اور آپ علیہ السلام کے خطبات اور فرامین کا مطالعہ کیا جائے، جو آپ نے اپنے قیام کے اہداف و مقاصد کے سلسلہ میں ارشاد فرمائے ہیں؛ تا کہ اس قیام کی حقیقت اور فلسفہ سے صحیح آگاہی حاصل ہو سکے۔

---

[1]۔ محمد حسن نجفی، جواہر الکلام، ج۲۱، ص۲۹۵ و ۲۹۶۔

[2]۔ ائمہ علیہم السلام نے کوئی کام نہیں کیا اور نہیں کرتے مگر حکم خدا اور اس پیمان کی بنا پر جو انہوں خدا سے کیا ہے اور ہر گز اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ (کلینی، الکافی، ج۱، ص۲۲۰ تا ۲۲۴)۔

اب ہم امام حسین علیہ السلام اور دوسرے ائمہ علیہم السلام کے خطبات، کلام، خطوط اور امام حسین علیہ السلام کا وصیت نامہ اور اسی طرح دوسرے ائمہ علیہم السلام سے منقول مختلف زیارت ناموں کا تذکرہ کریں گے، جن میں قیامِ عاشورا کے فلسفہ کا ذکر ہوا ہے؛ اور پھر بالترتیب اس قیام کے اہداف کو تفسیر و تحلیل کے ساتھ پیش کریں گے:

۱۔ امام حسین علیہ السلام نے مکہ میں مختلف اسلامی علاقوں کے علما اور اہم شخصیات کے اجتماع میں متعدد خطبات ارشاد فرمائے اور ظالم حکومت کے خلاف اپنے قیام کے اہداف کی وضاحت کی؛ چنانچہ فرمایا:

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مَا كَانَ مِنَّا تَنَافُسًا فِي سُلْطَانٍ وَ لَا الْتِمَاسًا مِنْ فُضُولِ الْحِطَامِ وَ لٰكِنْ لِنُرِيَ الْمَعَالِمَ مِنْ دِيْنِكَ وَ نُظْهِرَ الْإِصْلَاحَ فِي بِلَادِكَ وَ يَأْمَنَ الْمَظْلُومُونَ مِنْ عِبَادِكَ وَ يُعْمَلَ بِفَرَائِضِكَ وَ سُنَنِكَ وَ أَحْكَامِكَ[1]

اے اللہ تو جانتا ہے، جو کچھ ہم نے انجام دیا ہے یہ حکومتی رقابت کے لیے نہ تھا اور نہ ہی متاعِ دنیا میں اضافے کی خاطر تھا، بلکہ اس لیے تھا کہ ہم تیرے دین کی نشانیاں لوگوں کو دکھائیں اور تیرے ملک میں اصلاح کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تیرے مظلوم بندے امان میں ہوں اور تیرے فرائض، سنت اور احکام پر عمل ہو۔

۲۔ امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے روانگی کے وقت اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے نام ایک وصیت نامہ لکھا جس میں اپنی تحریک کا ہدف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"وَ أَنِّي لَمْ أَخْرُجْ أَشِرًا وَ لَا بَطِرًا وَ لَا مُفْسِدًا وَ لَا ظَالِمًا وَ إِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْإِصْلَاحِ فِي أُمَّةِ جَدِّي (ص) أُرِيدُ أَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَ أَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ وَ أَسِيرَ بِسِيرَةِ جَدِّي وَ أَبِي عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ علیہ السلام "[2]

[1] ۔ابن شعبہ حرانی، تُحف العقول، تحقیق علی اکبر غفاری، ص۲۳۹؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوا، ج۹۷، ص۸۰، ۸۱۔

[2] ۔ابن اعثم، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج۵، ص۲۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی، ج۱، ص۱۸۸، ۱۸۹؛ محمد باقر مجلسی، بحار الأنوار، ج ۴۴، ص ۳۲۹، ۳۳۰؛ اسی تعبیر کے قریب: ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، تحقیق یوسف البقاعی، ج۴، ص۹۷۔

"میں مستی، گستاخی، فساد اور ظلم و ستم کے لیے نہیں جارہا، بلکہ میں صرف اور صرف اپنے نانا کی امت کی اصلاح کرنے جارہاہوں۔ میں چاہتاہوں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اپنے نانااور بابا کی سیرت پر عمل کروں"۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

اَللّٰهُمَّ! وَاِنِّیْ أَحَبُّ الْمَعْرُوْفَ وَأَکْرَهُ الْمُنْکَرَ [1]

"اے اللہ! میں نیکی کو پسند کرتاہوں اور برائی سے نفرت کرتاہوں"۔

ائمہ معصومین علیہم السلام سے منقول امام حسین علیہ السلام کی زیارات میں یہ الفاظ کثرت سے ملتے ہیں:

أَشْهَدُ أَنَّکَ قَدْ أَقَمْتَ الصَّلَاةَ وَ آتَیْتَ الزَّکَاةَ وَ أَمَرْتَ بِالْمَعْرُوفِ وَ نَهَیْتَ عَنِ الْمُنْکَرِ [2]

"میں گواہی دیتاہوں کہ آپ نے نماز قائم کی، زکات ادا کی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا۔"

۳۔ سید الشہدا علیہ السلام نے مکہ سے، کوفہ کے اشراف اور بزرگوں کے نام ایک خط لکھا، جس میں اپنے قیام کا فلسفہ یوں بیان فرمایا:

فَلَعَمْرِیْ مَا الْإِمَامُ إِلَّا الْحَاکِمُ بِالْکِتَابِ الْقَائِمُ بِالْقِسْطِ الدَّائِنُ بِدِیْنِ الْحَقِّ الْحَابِسُ نَفْسَهُ عَلٰی ذَاتِ اللّٰهِ وَالسَّلَام [1]

---

[1]۔ ابن اعثم، سابقہ کتاب، ص۱۹؛ خوارزمی، سابقہ حوالہ، ص۱۸۶۔

[2]۔ کلینی، الفروع من الکافی، تصحیح علی اکبر غفاری، ج۴، ص۵۷۸؛ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، تحقیق نشر الفقاہۃ، ص۳۷۱، ۳۷۶، ۳۷۸تا۳۸۰، ۴۰۲، ۵۱۸؛ سید بن طاؤوس، اقبال الاعمال، تحقیق جواد قیومی اصفہانی، ج۲، ص۶۳ وج۳، ص۱۰۳؛ شیخ طوسی، مصباح المجتہد و سلاح المتعبد، ص۷۲۰؛ سابقہ مصنف، تہذیب الاحکام، تصحیح علی اکبر غفاری، ج۶، ص۶۷۔ اسی طرح رجوع کریں: شیخ عباس قمی، کلیات مفاتیح الجنان، ترجمہ مہدی الہی قمشہ ای، زیارات مخصوصہ امام حسین علیہ السلام، ص۷۵۸، زیارات مطلقہ امام حسین علیہ السلام، ص۷۷۵، ۷۷۷، ۷۷۸تا۷۷۹، ۷۸۳، زیارت امام حسین علیہ السلام نیمہ رجب، ص۸۰۷، زیارت امام حسین علیہ السلام روز عرفہ، ص۸۲۵۔

مجھے اپنی جان کی قسم، پیشوا وہ ہے جو کتابِ خدا پر عمل کرے، عدل قائم کرے، حق پر یقین رکھتا ہو اور اپنے آپ کو خدا کی راہ پر ثابت قدم رکھے۔ والسلام

۴۔ امام حسین علیہ السلام نے بصرہ کے سرداروں کو خط لکھ کر نصرت کی دعوت دی اور اپنی تحریک کا ہدف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاَنَا اَدْعُوکُمْ اِلیٰ کِتَابِ اللهِ وَ سُنَّةِ نَبِیِّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ، فَاِنَّ السُّنَّةَ قَدْ اُمِیتَتْ، وَاِنَّ الْبِدْعَةَ قَدْ اُحْیِیَتْ [۲]

میں تم لوگوں کو خدا کی کتاب اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی سنت کی طرف دعوت دیتا ہو؛ کیونکہ سنتِ پیغمبر ختم ہو گئی ہے اور بدعت رواج پا گئی ہے۔

آپ علیہ السلام نے عبد اللہ بن مطیع کے جواب میں فرمایا:

اِنَّ اَهْلَ الْکُوفَةِ کَتَبُوْا اِلَیَّ یَسْاَلُوْنَنِی اَنْ اَقْدِمَ عَلَیْهِمْ لِمَا رَجَوْا مِنْ اِحْیَاءِ مَعَالِمِ الْحَقِّ وَ اِمَاتَةِ الْبِدَعِ [۳]

"کوفیوں نے مجھے خط لکھا ہے کہ میں ان کے پاس جاؤں، کیونکہ وہ حق کے زندہ ہونے اور اور بدعت کے نابود ہونے کی امید رکھتے ہیں"۔

اسی طرح آپ علیہ السلام نے بصری شیعوں کے نام خط لکھا:

فَاِنِّی اَدْعُوکُمْ اِلیٰ اِحْیَاءِ مَعَالِمِ الْحَقِّ وَ اِمَاتَةِ الْبِدَعِ [۴]

میں تمہیں حق کو زندہ کرنے اور بدعت کو نابود کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔

امام علیہ السلام کے تمام خطوط اور جوابات سے قیام عاشورا کے مندرجہ ذیل اہداف واضح ہوتے ہیں:

---

[۱]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، ج۵، ص۳۵۳؛ شیخ مفید، الارشاد، تحقیق مؤسسہ آل البیت، ج۲، ص۳۹؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۴۴، ص۳۳۴تا۳۳۵؛ تھوڑے سے فرق کے ساتھ: ابن اعثم، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج۵، ص۳۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد ساوی، ج۱، ص۱۹۵تا۱۹۶۔

[۲]۔ طبری، تاریخ الطبری، ج۵، ص۳۵۷۔

[۳]۔ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، تحقیق عصام محمد الحاج علی، ص۳۶۴۔

[۴]۔ سابقہ حوالہ، ص۳۴۲، ۳۴۳۔

خالص محمدی اسلام کے مظاہر اور نشانیوں کا اِحیا، اسلامی سرزمین کے لوگوں کی فلاح و بہبود، مظلوم عوام کے لیے امن کی فراہمی اور عدالت کا قیام، احکام اور واجبات الٰہی پر عمل کرنے کے لیے مناسب ماحول فراہم کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ اور امیر المؤمنین علیہ السلام کی سیرت پر عمل، نماز کا قیام اور زکات کی ادائیگی۔

اسی سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ امام اور رہبر میں مندرجہ ذیل صفات کا ہونا ضروری ہے:

کتاب خدا کے مطابق فیصلے کرے، معاشرے میں عدالت قائم کرے، دین خدا پر اعتقاد رکھنے کے ساتھ ساتھ دین دار بھی ہو اور اپنے آپ کو خدا اور خدائی مقاصد کے حصول کے لیے وقف کر دے۔

۵۔ امام حسین علیہ السلام نے منزل "بیضۃ" پر حر بن یزید سے ملاقات کے وقت ایک خطبے میں اپنے قیام کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَیُّهَا النَّاس، اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ و آلہ قَالَ: مَنْ رَایٰ سُلْطَانًا جَائِراً مُسْتَحِلًّا لِحَرَامِ اللهِ، نَاكِثًا لِعَهْدِ اللهِ، مُخَالِفًا لِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ، يَعْمَلُ فِيْ عِبَادِ اللهِ بِالْإِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ، فَلَمْ يُغَيِّرْ عَلَيْهِ بِفِعْلٍ وَ لَا قَوْلٍ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ اَنْ يُدْخِلَهُ مُدْخَلَهُ اَلَا وَ اِنَّ هٰؤُلَاءِ قَدْ لَزِمُوْا طَاعَةَ الشَّيْطَانِ، وَ تَرَكُوْا طَاعَةَ الرَّحْمٰنِ، وَ أَظْهَرُوْا الْفَسَادَ، وَ عَطَّلُوْا الْحُدُوْدَ، وَ اسْتَأْثَرُوْا بِالْفَيْءِ، وَ أَحَلُّوْا حَرَامَ اللهِ، وَ حَرَّمُوْا حَلَالَهُ، وَ اَنَا أَحَقُّ مَنْ غَيَّرَ[1]

"اے لوگو! رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا: جو شخص کسی ظالم بادشاہ کو دیکھے کہ وہ حرامِ خدا کو حلال اور پیمانِ الٰہی کو توڑ رہا ہے، سنتِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ کی مخالفت کرتا ہے اور بندگان خدا کے درمیان گناہ اور زیادتی کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے؛ لیکن وہ شخص اپنے کردار و گفتار کے ساتھ اُس (حکمران) کا مقابلہ نہ کرے، تو اللہ پر

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، ج۵، ص۴۰۳؛ بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق سہیل زکار و ریاض زرکلی، ۳، ص۳۸۱؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج۵، ص۸۱، ۸۲؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی، ج۱، ص۲۳۵، ۲۳۴؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۴۴، ص۳۸۲؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص۱۴۰۔

ضروری ہے کہ اُس کو اُسی ظالم کے ساتھ قرار دے۔ خبردار! آگاہ رہو کہ انہوں نے شیطان کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم قرار دیا اور خدا کی اطاعت کو ترک کیا، فساد پھیلایا، حدودِ خدا کو پامال کیا، بیت المال کو اپنی جائداد بنالیا، حرامِ خدا کو حلال اور حلالِ خدا کو حرام کیا، حالانکہ میں تبدیلی کرنے کا زیادہ حق دار ہوں۔

ہم امام حسین علیہ السلام کی زیارت میں یوں شہادت دیتے ہیں:

اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ حَلَّلْتَ حَلالَ اللهِ، وَحَرَّمْتَ حَرامَ اللهِ، وَاَقَمْتَ الصَّلاةَ وَآتَيْتَ الزَّكاةَ، وَاَمَرْتَ بِالْمَعْرُوفِ، وَنَهَيْتَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَدَعَوْتَ اِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ"[1]

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے حلالِ خدا کو حلال، اور حرام خدا کو حرام کیا، نماز قائم کی اور زکات ادا کی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انجام دیا، (مسلمانوں کو) حکمت اور نصیحت کے ذریعے اپنے راستے کی طرف دعوت دی۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں:

اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ اَمَرْتَ بِالْقِسْطِ وَالْعَدْلِ وَدَعَوْتَ اِلَيْهِمَا[2]

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے عدل وانصاف کے ساتھ حکم دیا اور مسلمانوں کو ان دونوں کی طرف دعوت دی۔

۶۔ امام حسین علیہ السلام نے منزل "ذو حُسم" پر اپنی تحریک کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اَلَا تَرَوْنَ اَنَّ الْحَقَّ لَا يُعْمَلُ بِهِ، وَاَنَّ الْبَاطِلَ لَا يُتَنَاهَى عَنْهُ! لِيَرْغَبَ الْمُؤْمِنُ فِي لِقَاءِ اللهِ مُحِقًّا، فَاِنِّي لَا اَرَى الْمَوْتَ اِلَّا شَهَادَةً، وَلَا الْحَيَاةَ مَعَ الظَّالِمِينَ اِلَّا بَرَمًا."[3]

[1] ۔ شیخ عباس قمی، کلیات مفاتیح الجنان، ترجمہ مہدی الہی قمشہ ای، زیارت مطلقہ امام حسین علیہ السلام، ص۷۷۹۔

[2] ۔ سابقہ حوالہ، ص۸۰۳۔

[3] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، ج۵، ص۴۰۴؛ ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی، المعجم البیر، تحقیق حمدی عبد المجید سلفی، ج۳، ص۱۱۵؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی، ج۲، ص۵۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہورہا اور باطل نہیں رُک رہا؟! پس مومن کو چاہیے کہ وہ ملاقاتِ خدا کی رغبت رکھتا ہو۔ میں ایسی موت کو شہادت اور ظالموں کے ساتھ زندگی کو ننگ و عار سمجھتا ہوں۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے قیام کا ایک ہدف "ذلت کو قبول نہ کرنا" بتایا ہے، چنانچہ جب ابن زیاد نے آپ علیہ السلام کو یزید کی بیعت اور قتل ہونے کے درمیان اختیار دیا، تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

هَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةَ يَأْبَى اللهُ ذَلِكَ لَنَا وَ رَسُوْلُه وَ الْمُؤْمِنُوْنَ[۱]

ذلت ہم سے دور ہے؛ کیونکہ خدا، اس کا رسول اور مومنین، ہمارے لیے ایسی بے شرمی ورسوائی کا انکار کرتے ہیں۔

نیز فرمایا:

هَيْهَاتَ مِنَّا اَخْذَ الدَّنِيَّةِ؛ اَبَى اللهُ ذٰلِكَ وَ رَسُوْلُهُ[۲]

ہمارے لیے ممکن نہیں ہے کہ ہم پستی اور ذلت کو اختیار کریں؛ کیونکہ خدا اور اس کا رسول اس سے انکار کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

لَا وَ اللهِ لَا اُعْطِيْكُمْ بِيَدِيْ اِعْطَاءَ الذَّلِيْلِ وَ لَا اَفِرُّ فِرَارَ الْعَبِيْدِ[۳]

خدا کی قسم! میں اپنا ہاتھ اس (یزید) جیسے ذلیل و خوار شخص کے ہاتھ میں نہیں دوں گا، اور غلاموں کی طرح فرار نہیں کروں گا۔

اور پھر فرمایا:

---

[۱]۔ مسعودی، اثبات الوصیۃ، ص۱۶۶؛ طبرسی، الاحتجاج، تحقیق ابراہیم بہادری اور محمد ہادی بہ، ج۲، ص۹۹؛ ابن نُما، مُثیر الاحزان، تحقیق مدرسہ الامام المهدی، ص۴۰؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، ج۳، ص۲۵۰؛ سید بن طاؤوس، الملهوف علی قتلی الطفوف، تحقیق فارس تبریزیان، ص۱۵۶۔

[۲]۔ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی، ج۲، ص۷۔

[۳]۔ سابقہ حوالہ، ج۱، ص۲۵۳؛ شیخ مفید، الارشاد، تحقیق مؤسسہ آل البیت، ج۲، ص۹۸؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، تصحیح علی اکبر غفاری، ص۲۳۸؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، تحقیق یوسف البقاعی، ج۴، ص۷۵؛ ابن نما مثیر الاحزان، ص۵۱۔

مَوْتٌ فِيْ عِزٍّ خَيْرٌ مِنْ حَيَاةٍ فِيْ ذُلٍّ[1]

ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔

ان فرامین سے قیامِ امام حسین علیہ السلام کے درج ذیل اہداف سمجھے جاسکتے ہیں:

الف) حق کی ترویج اور اس پر عمل۔

ب) باطل کی ترویج اور اس پر عمل کرنے سے روکنا۔

ج) رسوائی اور ذلت کی زندگی کو قبول نہ کرنا اور ایسی دنیاوی زندگی کی بجائے، آخرت کی سعادت مند زندگی کا انتخاب کرنا۔

۷۔ امام صادق علیہ السلام نے زیارت اربعین میں، قیامِ امام حسین علیہ السلام کا ایک مقصد یوں بیان فرمایا:

وَبَذَلَ مُهْجَتَهُ فِيكَ لِيَسْتَنْقِذَ عِبَادَكَ مِنَ الْجَهَالَةِ وَحَيْرَةِ الضَّلَالَةِ[2]

امام حسین علیہ السلام نے اپنی جان تیری راہ میں فدا کر دی، تاکہ تیرے بندوں کو جہالت اور گمراہی کی حیرت سے نجات دلائیں۔

نتیجہ

امام علیہ السلام کے فرامین کے مطابق قیام عاشورا کی وجہ اور سبب، اسلامی معاشرے میں موجود برائیوں کا مقابلہ، نیکی کی ترویج کرنا، اصل ناب محمدی اسلام کی ثقافت کا احیاء، دین سے بدعت اور تحریف کی زنگ کو دھونا ہے۔

---

[1] ۔ ابن شہر آشوب، سابقہ کتاب۔

[2] ۔ شیخ طوسی، تہذیب الاحکام، تصحیح علی اکبر غفاری، ج۶، ص۱۲۶؛ شیخ طوسی، مصباح المتہجد وسلاح المتعبد، ص۷۸۸؛ محمد بن جعفر الشہدی، المزار الکبیر، تحقیق جواد القیومی الاصفہانی، ص۵۱۴؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۹۸، ص۳۳۱؛ شیخ عباس قمی، مفاتیح الجنان، ترجمہ مہدی الٰہی قمشہ ای، زیارت اربعین، ص۸۵۶۔

قیامِ عاشورا میں کوفیوں کی دعوت اور بیعت کا اثر

بعض مفکرین اور مصنفین کے نزدیک قیام امام حسین علیہ السلام کا ایک ہدف، کوفیوں کی امام علیہ السلام کو دعوت اوران کا آپ علیہ السلام کی بیعت کرنا ہے۔

اس نظریہ کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ کوفیوں کی دعوت اپنے مقام پر صحیح ہے؛ لیکن اس کو اصل مقصد کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ کوفیوں کی دعوت اور بیعت کا زیادہ سے زیادہ اثر یہ تھا کہ امام علیہ السلام ،ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اپنی تحریک کا آغاز کریں اور ان کی طرف روانہ ہوں اور ان کی مدد سے اپنے الٰہی اہداف کو پورا کریں۔ اسی طرح لوگوں کی رہبری اور ہدایت کو اپنے ذمے لیں، جس کی کوفیوں نے بڑے اصرار کے ساتھ امام علیہ السلام سے درخواست کی تھی۔[1]

اس بنا پر کوفیوں کی دعوت کو قیام کا سبب قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ یہ دعوت صرف اس چیز کا سبب بن سکتی ہے کہ امام علیہ السلام کوفہ کو اپنے قیام کا مرکز قرار دیں۔ اس دعویٰ کو مندرجہ ذیل دلائل سے ثابت کیا جاسکتا ہے:

پہلی دلیل: امام حسین علیہ السلام نے شروع میں ہی واضح طور پر اعلان کر دیا تھا کہ میں یزید کی بیعت نہیں کروں گا، کیونکہ یزید سرعام فسق وفجور اور گناہان کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور ایسا شخص کبھی بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی جانشینی اور امت اسلامی کی ولایت کے لائق نہیں؛ چنانچہ آپ نے مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ سے فرمایا: "اے امیر! ہم خاندان نبوت اور چشمہ رسالت ہیں، ہم ملائکہ کی آمد ورفت اور رحمت الٰہی کے

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم الملوک، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، ج۵، ص۳۵۳؛ شیخ مفید، الارشاد، تحقیق موسسہ آل البیت، ج۲، ص۳۸؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، تصحیح علی اکبر غفاری، ص۲۲۱۔

نزول کی جگہ ہیں، خداوندِ عالم نے ہم سے آغاز فرمایا اور ہم پر اختتام کرے گا۔ یزید ایک شراب خور، باعزت لوگوں کا قاتل اور اعلانیہ گناہ کرنے والا ہے۔ میرے جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کرے گا۔"[1]

یزید نے حاکمِ مدینہ کو تاکید کی کہ: "حسین، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر کو گرفتار کرنا اور ان کو رہا نہ کرنا یہاں تک کہ وہ بیعت کر لیں"۔[2]

دوسرے دن جب مروان نے امام علیہ السلام کو یزید کی بیعت کرنے کا مشورہ دیا تو آپ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: "جب امت اسلامی، یزید جیسے شخص میں مبتلا ہو جائے تو اسلام کا فاتحہ پڑھ لینا چاہ ... میں نے اپنے نانا سے سنا ہے کہ ابوسفیان کے خاندان پر خلافت حرام ہے۔"[3]

اور اسی طرح اپنے بھائی محمد حنفیہ سے فرمایا:

يَا أَخِيْ وَاللهِ لَوْلَمْ يَكُنْ فِي الدُّنْيَا مَلْجأً وَلَا مَأوىٰ لَمَا بَايَعْتُ وَاللهِ يَزِيْدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ أَبَداً[4]

بھائی جان! خدا کی قسم؛ اگر دنیا میں میرا کوئی ٹھکانہ اور پناہ گاہ نہ ہوتی تب بھی میں یزید بن معاویہ کی بیعت نہ کرتا۔

واضح ہے کہ امام علیہ السلام کا بیعت نہ کرنا، حکومتِ یزید کے خلاف قیام کے مترادف تھا؛ اور امام علیہ السلام کا آزاد رہنا حکومت کی کمزوری اور سرنگونی کا موجب تھا۔

دوسری دلیل: امام حسین علیہ السلام کو کوفیوں کا سب سے پہلا خط اُس وقت ملا جب آپ مکہ پہنچ کر اپنی تحریک کا باقاعدہ آغاز کر چکے تھے اور وہاں قیام پذیر ہو چکے تھے۔ کوفہ کے شیعہ، سلیمان بن صرد خُزاعی

---

[1] ابن اعثم، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج۵، ص۱۴؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی، ج۱، ص۱۸۴؛ سید بن طاؤوس، الملہوف علیہ قتلی الطفوف، تحقیق فارس تبریزیان، ص۹۸؛ محمد باقر مجلسی، بحالانوار، ج۴۴، ص۳۲۵۔

[2] ابن اعثم، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج۵، ص۱۴؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی، ج۱، ص۱۸۴؛ سید بن طاؤوس، الملہوف علی قتلی الطفوف، تحقیق فارس تبریزیان، ص۹۸؛ محمد باقر مجلسی، بحارلانوار، ج۴۴، ص۳۲۵۔

[3] ابن اعثم، کتاب الفتوح، تحقیق محمد ابوالفضل، ج۵، ص۱۷؛ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق محمد سماوی، ج۱، ص۱۸۴؛ سید بن طاؤوس، الملہوف علی قتلی الطفوف، تحقیق فارس تبریزیان، ص۹۹۔

[4] ابن اعثم، سابقہ حوالہ، ص۲۱؛ خورزمی، سابقہ حوالہ، ص۱۸۸۔

کے گھر جمع ہوئے تو سلیمان نے انہیں بتایا کہ حسین بن علی علیہ السلام نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے اور مکہ چلے گئے ہیں۔ تم لو حسین بن علی علیہ السلام اور ان والد ماجد کے شیعہ ہو، اگر ان کی مدد اور ان کے دشمنوں سے جنگ کرنا چاہتے ہو تو ان کو خط لکھو لیکن اگر اپنی کمزوری اور سستی سے ڈرتے ہو تو ان کو فریب نہ دینا۔ انہوں نے جواب دیا: نہیں؛ ہم امام علیہ السلام کے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور ان کی راہ میں اپنی جانیں فدا کریں گے۔ سلیمان نے کہا: پس امام حسین علیہ السلام کو خط لکھیں اور انہوں نے امام علیہ السلام کو خط لکھا۔[1]

یہی وجہ ہے کہ امام علیہ السلام نے شروع ہی میں کوفہ کی جانب حرکت نہیں کی، بلکہ پہلے مکہ گئے اور کوفیوں کے خطوط پہنچنے کے بعد حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا؛ جب کوفیوں نے حضرت مسلم کی بیعت کی پھر آپ علیہ السلام کوفہ روانہ ہوئے۔[2] اس بنا پر اگر کوفیوں کی دعوت، امام حسین علیہ السلام کے قیام کا اصل سبب ہوتی تو کم از کم امام علیہ السلام یہ سبب، محمد بن حنفیہ جیسے کسی قریبی شخص کے سامنے بیان فرماتے یا مکہ کی بجائے سیدھ کوفہ جاتے، حالانکہ کتب تاریخ میں اس طرح کی کوئی بات نہیں ملتی۔

تیسری دلیل: اگر کوفیوں کی بیعت، امام حسین علیہ السلام کے قیام کا سبب ہوتی؛ تو جب آپ علیہ السلام کوفیوں کی بیعت شکنی اور حضرت مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کی شہادت سے آگاہ ہوئے تو اپنے قیام سے منصرف ہو جاتے اور اپنی جان کی حفاظت کے لیے یزید کی بیعت کر لیتے، کیونکہ اپنے مددگاروں اور بیعت کرنے والوں سے تو محروم ہو چکے تھے؛ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ امام علیہ السلام قیام کرنے سے منصرف نہیں ہوئے، بلکہ آپ کو منصرف ہونے پر مجبور کیا گیا؛ جیسا کہ آپ نے حرُ سے نے فرمایا: "اگر اتم مجھے نہیں چاہتے تو میں

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، ج۵، ص ۳۵۲؛ شیخ مفید، الارشاد، تحقیق مؤسسہ آل البیت، ج۲، ص۳۶؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، تصحیح علی اکبر غفاری، ص۲۲۱؛ سید بن طاؤس، الملهوف علی قتلی الطفوف، تحقیق فارس تبریزیا، ص ۱۰۳۔

[2] ۔ مزید آگاہی کے لیے رجوع کریں: سلیمان بن ابراہیم قندزی، ینابیع المودة، تحقیق سید علی جمال اشرف حسینی، ج۳، ص ۵۴۔

واپس لوٹ جاتا ہوں" اور اسی طرح نماز ظہر سے پہلے حُر کے لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا: "اگر میرے آنے سے خوش نہیں ہو، تو میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں"[1]۔

یعنی امام علیہ السلام کہنا چاہتے تھے کہ اگر تم اپنے وعدے سے منصرف ہو گئے ہو، تو میں تمہارے پاس نہیں آتا؛ یہ نہیں فرمایا کہ میں اپنی تحریک سے دستبردار ہو جاتا ہوں۔ پس یہ ایک واضح شاہد ہے کہ تحریک کربلا کا اصل سبب عراقیوں کی دعوت نہیں ہے، بلکہ امام علیہ السلام نے صرف قیام کا مرکز قائم کرنے کے لیے کوفہ کا انتخاب کیا تھا؛ یہی وجہ ہے کہ کوفیوں کی بے وفائی بھی امام علیہ السلام کے قیام سے مانع نہ ہو سکی۔ در حقیقت امام حسین علیہ السلام نے ان کی دعوت قبول کر کے اپنی دونوں ذمہ داریوں کو نبھایا ہے: ایکطرف فاسد حکومت کے مقابلے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انجام دیا اور دوسری طرف آپ نے ان شیعوں کی درخوست قبول کی جنہوں نے کوئی شائستہ رہبر نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو رہبری سنبھالنے کا کہا۔

امام علیہ السلام کو شہادت کا علم ہونا اور تشکیلِ حکومت کی کوشش

اس سلسلہ میں عام طور سے ذہن میں چند سوال ابھرتے ہیں کہ کیا امام حسین علیہ السلام اپنے انجام کو جانتے تھے یا نہیں؟ اور اگر جانتے تھے تو کیا یہ آگاہی تفصیلی اور مکمل تھی یا اجمالی طور پر جانتے تھے کہ ایک نہ ایک دن شہید ہو جائیں گے؟ کیا امام علیہ السلام کو اس بات کا علم نہ تھا کہ سن ۶۱ ہجری کوفہ کے سفر میں اپنے خاندان اور یار و انصار سمیت شہید ہوں گے، اور مخدرات عصمت و طہارت کو قید کر لیا جائے گا؟

علمِ امام علیہ السلام کے متعلق شیعہ علما کے دو نظریے ہیں:

۱۔ شیخ مفید[2]، سید مرتضیٰ[1] اور شیخ طوسی[2] علیہم الرحمۃ کا نظریہ: ضروری ہے کہ امام علیہ السلام کو تمام دینی مسائل اور ان امور کا علم ہو جو لوگوں کی ضرورت ہیں، لیکن اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ آئمہ علیہم السلام

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیب، ج۵، ص۴۰۱؛ شیخ مفید، الارشاد، تحقیق مؤسسہ آل البیت، ج۲، ص۷۹؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، تصحیح علی اکبر غفاری، ص۲۲۹۔

[2] ۔ شیخ مفید، مصنفات الشیخ المفید، ج۶، ص۶۹ تا ۷۱۔

گذشتہ، موجودہ اور آنے والے تمام حالات سے آگاہ ہوں۔[۳] اس بنا پر ائمہ علیہم السلام اپنے انجام اور مخفی امور سے آگاہ تھے۔ پس امام حسین علیہ السلام کو اپنی شہادت کا علم تھا، لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ سن ۶۱ ہجری کربلا میں شہید ہوں گے۔

۲۔ مرحوم کلینی اور مشہور علما کا نظریہ: ائمہ علیہم السلام شرعی احکامات کے کے ساتھ ساتھ، گذشتہ، موجودہ اور آنے والے تمام حالات کا علم رکھتے تھے، سوائے ایسے امور جو علم الٰہی کے ساتھ خاص ہیں۔[۴] مثلاً قیامت کے آنے یا تہتر ۷۳ اسم اعظم[۵] اور بداء[۶] کے متعلق امور کا علم صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے ۔ لہٰذا ائمہ علیہم السلام، آنے والے تمام حالات و جزئیات سے آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ کب اور کہاں شہید ہوں گے؛ لیکن یہ علم، منصبِ امامت کی بنا پر ہے لہٰذا اس علم سے امام علیہ السلام کی ذمہ داری معین نہیں ہوتی، بلکہ امام علیہ السلام کی ذمہ داری یہ تھی کہ آپ ظاہری اور فطری طرز پر عمل کریں۔

پہلے نظریہ کے مطابق امام حسین علیہ السلام کو اپنی شہادت کا اجمالی علم تھا اور آپ علیہ السلام کو ایک سیاسی رہنما کی طرح اپنے اندازے کے ذریعے دشمن پر کامیابی کا قوی احتمال حاصل ہو گیا تھا، لہٰذا آپ نے معقول تدابیر کے ذریعے تحریک شروع کی، لیکن راستے میں غیر متوقع حالات پیش آئے جن کی وجہ سے آپ کی تحریک ظاہری طور پر شکست کھا گئی؛ پس یہ نظریہ قابل قبول ہے۔

---

[۱] ۔ سید مرتضی، تنزیہ الانبیاء، تحقیق حسون کریم، ص ۲۷۰۔

[۲] ۔ شیخ طوسی، تلخیص الشافی، تحقیق سید حسین بحر العلوم، ج ۱، ص ۲۵۲۔

[۳] ۔ مزید آگاہی کے لیے رجوع کریں: سید مرتضی، رسائل المرتضی، تحقیق سید احمد حسینی، ج ۳، ص ۱۳۱؛ بن شہر آشوب، متشابہ القرآن و مختلفہ، ج ۱، ص ۲۱۱۔

[۴] ۔ مگر فرق یہ ہے کہ خدا کا علم ذاتی ہے اور پیغمبر اور ائمہ علیہم السلام کا علم عطائی اور خدا کی جانب سے تعلیم شدہ اور اذن الٰہی سے ہے۔

[۵] ۔ کلینی، الاصول من الکافی، تحقیق علی اکبر غفاری، تصحیح نجم الدین عاملی، ج ۱، ص ۱۷۹، حدیث نمبر ۱۔

[۶] ۔ شہید مطہری فرماتے ہیں: اللہ کے متعلق "بداء" کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک چیز کو حالات اور شرائط کے مطابق مقرر کرتا ہے اور پھر جب حالات اور شرائط بدل جائیں تو اس کو تبدیل کر دیتا ہے۔ (مرتضی مطہری، انسان و سرنوشت، ص ۶۹۔ اور رجوع کریں: محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج ۴، ص ۱۲۲ تا ۱۳۴؛ مہدی نصیری، **مسالہ بداء کی تحقیق شیعہ علم کلام کی نگاہ میں**، فصلنامہ شیعہ شناسی، سال چہارم، شمارہ نمبر ۱۴، ص ۱۳۹ سے ۱۶۲۔)

دوسرے نظریہ کو قبول کرنا مشکل ہے کیونکہ اگر بالفرض مان لیا جائے کہ امام علیہ السلام اپنی شہادت سے مکمل طور پر آگاہی رکھتے تھے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ علم، امام علیہ السلام امام کی تحریک کے مختلف مراحل اور بالآخر اسلامی حکومت کی تشکیل کی کوشش کے ساتھ کیسے ہم آہنگ ہے؟ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ اگر امام علیہ السلام اپنے انجام کار اور شہادت سے مکمل طور پر آگاہ تھے تو پھر آپ نے کوفیوں کی دعوت کو کیوں قبول کیا؟ اور جناب مسلم کو کوفہ کیوں بھیجا؟ اور پھر جناب مسلم کی ابتدائی رپورٹ پر ہی کیوں اعتماد کر لیا؟ اور کس دلیل کی بنیاد پر، امام علیہ السلام قیام کے مختلف مراحل میں جس شخص سے بھی ملاقات ہوتی اسے اپنی نصرت اور تحریک میں شریک ہونے کی دعوت دیتے؟ کیا امام علیہ السلام جانتے نہیں تھے کہ یہ سب کوششیں کسی نتیجے تک نہیں پہنچیں گی اور بالآخر اپنی اور اپنے اصحاب کی شہادت پر ہی اختتام ہو گا؟! پھر آپ نے اپنے علم کے مطابق عمل کیوں نہیں کیا اور ظاہراً ناکام کوششیں کیوں کرتے رہے؟! کیا یہ صحیح ہے کہ امام علیہ السلام جان بوجھ کر اپنے آپ کو شہادت کے منہ میں ڈالیں؟!

شیعہ کا مسلّمہ نظریہ ہے کہ امام خطا اور اشتباہ سے منزہ و مبرہ ہے؛[1] اس بنا پر، واقعہ عاشورا میں یہ بات قبول نہیں کی جا سکتی کہ امام حسین علیہ السلام پیش آنے والے تمام واقعات سے مکمل طور پر آگاہ تھے، کیونکہ اس کا لازمہ یہ ہے کہ امام علیہ السلام کی تمام کوششیں نعوذ باللہ فضول اور بے معنی تھیں۔ لہذا یہ بات قابلِ قبول نہیں ہے کہ ایک طرف امام علیہ السلام اپنی شہادت کا یقین رکھتے ہوں اور دوسری طرف ظالم حکومت کے خلاف قیام کرنے کے لیے مسلمانوں کو اپنی مدد کے لیے بھی بلائیں۔

---

[1] ۔ سابقہ مصنف، نگاہی بہ حماسہ حسینی استاد مطہری، ص ۱۴۹ تا ۱۵۰، ۱۸۳ تا ۱۹۰؛ یہی مصنف، "قیام امام حسین علیہ السلام کی تطبیق فقہی قوانین پر" ص ۴۲۰ تا ۴۲۱۔

ظاہری اور باطنی علم

مذکورہ بالا شبہ کا مناسب ترین جواب

انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کے علم کی دو صورتیں ہیں: ظاہری علم اور باطنی علم۔ ائمہ علیہم السلام علم ظاہری علم کے ذریعے، ظاہر پر عمل کرنے کے پابند ہیں اور اسی علم کی بنا پر اپنی معاشرتی ذمہ داریاں پوری کرتے ہیں لیکن باطنی علم کے ذریعے (یعنی اس علم کی ذریعے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو رسالت اور امامت کی ذمہ داری ادا کے لیے عطا کیا ہے) واقعات کے نتائج سے واقف ہیں، لہٰذا اپنے انجام سے بھی واقف ہیں۔ لیکن اس علم کے استعمال کے کچھ خاص مواقع ہیں؛ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام، ہر مقام پر علم غیب استعمال نہیں کرتے تھے۔ بعض علمائے شیعہ کے نزدیک ائمہ علیہم السلام کا علمِ غیب، لوح محفوظ کا علم ہے جو حتمی ہے، لہٰذا امام اس علم کی مخالفت یا اس کے خلاف عمل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

علامہ مجلسی اس بارے میں رقم طراز ہیں:

جو شخص حتمی مقدرات کے علل و اسباب سے آگاہی نہیں رکھتا، وہ ان سے دوری کر سکتا ہے اور اس سے بچاؤ کا ذمہ دار ہے؛ لیکن جو شخص کائنات کے تمام واقعات اور ان کے نتائج سے آگاہ ہے، اُسے اپنے علم سے بچنے کا ذمہ دار کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر ایسی ذمہ داری ممکن ہو، تو لازم آئے گا کہ اس کی کوئی تقدیر واقع نہ ہو۔ پس ائمہ علیہم السلام (تمام حوادث اور خود پر آنے والی تمام مشکلات کا علم رکھتے ہیں؛ لیکن) اکثر مشکلات میں اُن کی ذمہ داری نہیں ہے کہ اپنے علم کے مطابق عمل کریں (اور خود کو ان بلاؤں سے محفوظ رکھیں)... امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ اہل عراق آپ کو دھوکہ دیں گے، عہد شکنی کریں گے اور آپ کو، اولاد اور اصحاب سمیت شہید کر دیں گے؛ آپ علیہ السلام نے کئی مرتبہ اس بات کی خبر بھی دی؛ لیکن اس علم (علم غیب) کے مطابق عمل کرنا (اور عراق نہ جا کر اپنی جان کی حفاظت کرنا) آپ کی ذمہ داری نہیں تھی، بلکہ آپ کی ذمہ داری یہ تھی کہ عام ظاہری حالات کے مطابق عمل کریں؛ کیونکہ کوفیوں

نے مدد کی درخواست کی، آنحضرت کو خط لکھے، آپ سے بیعت کا وعدہ کیا اور مسلم بن عقیل کی پیروی کی۔[1]

مرحوم علامہ طباطبائی اس بارے میں لکھتے ہیں:

۔۔۔اس طرح کا (خدا کی طرف سے) عطا کیا ہوا علم، جو عقلی اور نقلی ادلہ سے ثابت ہے، تخلف پذیر اور تبدیل ہونے والا نہیں ہے؛ اس میں بال برابر بھی غلطی کا امکان نہیں ہے اور اصطلاح میں یہ ایسا علم ہے جو لوح محفوظ میں درج ہے، ایک ایسا علم ہے جس سے قضائے الٰہی کا تعلق ہے۔ اس بات کا لازمہ یہ ہے کہ کسی قسم کی کوئی ذمہ داری، اس علم کے ساتھ اس اعتبار سے تعلق نہیں رکھتی کہ یہ علم حتماً واقع ہونے والا ہے۔ اسی طرح انسان کا ارادہ اور اس کا مطالبہ بھی اس علم کے ساتھ مربوط نہیں ہے؛ کیونکہ ذمہ داری ہمیشہ ممکن چیز کے متعلق ہوتی ہے، اس طرح کہ اس کام کا کرنا اور نہ کرنا، دونوں صورتیں انسان کے اختیار میں ہوں، اور اگر علم حتمی واقع ہونے والا ہے تو اس کے ساتھ انسانی ذمہ داری کا کوئی تعلق نہیں ہے۔[2]

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

امام حسین علیہ السلام نے اس قسم کے موارد میں عادی علوم اور شواہد و قرائن کے ذریعے عمل کیا اور (باطنی) علم رکھنے کے باوجود، حقیقی طور پر موجود خطرے کو دور کرنے کے لیے کوئی اقدام نہیں کیا؛ کیونکہ جانتے تھے کہ کوشش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور قضا حتمی ہے اور تبدیل ہونے والی نہیں ہے۔[3]

استاد شہید مطہری فرماتے ہیں:

---

[1]۔ محمد باقر مجلسی، مراۃ العقول فی شرح اخبار الرسول، تصحیح سید ہاشم رسولی، ج ۳، ص ۱۲۴، ۱۲۵۔

[2]۔ سابقہ حوالہ۔

[3]۔ سابقہ حوالہ۔

یہ پہلو (امام کے قیام کا مقصد حکومت کی تشکیل نہ ہونا) دوسرے پہلو کے منافی نہیں ہے اور وہ یہ کہ امام علیہ السلام معنویت اور امامت کے ذریعے جانتے تھے کہ آخر کار کربلا پہنچیں گے اور وہیں شہادت پائیں گے۔[1]

مرحوم شیخ جعفر شوشتری اس بارے میں لکھتے ہیں:

امام علیہ السلام کی دو ذمہ داریاں تھیں؛ ایک حقیقی ذمہ داری جو آپ کے لئے خاص تھی اور دوسری ظاہری ذمہ داری جو دوسرے لوگوں کی طرح تھی۔ حقیقی ذمہ داری نے آپ کو شہادت کے لیے آمادہ کیا اور آپ علیہ السلام دانستہ طور پر اپنی خواتین کو اسیری اور بچوں کو شہادت کی طرف لے آئے... لیکن ظاہری ذمہ داری کا تقاضا یہ تھا کہ جس طرح ہو سکے امام علیہ السلام اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان کی حفاظت کریں۔[2]

اس بنا پر امام حسین علیہ السلام کا مدینہ سے مکہ اور پھر مکہ سے کوفہ کی جانب روانہ ہونا، ظاہری ذمہ داری کی بنیاد پر تھا؛ اگرچہ واقعی، حقیقی اور باطنی ذمہ داری، راہ خدا میں شہید ہونا تھا۔

---

[1]۔ مرتضی مطہری، حماسہ حسینی، ج۳، ص۱۸۹۔

[2]۔ شیخ جعفر شوشتری، الخصائص الحسینیہ، ص ۴۳، ۴۴ (عبارت میں تھوڑے رد و بدل کے ساتھ)

چھٹی فصل

حکومتِ معاویہ کے مقابلہ میں

امام حسین علیہ السلام کا موقف اور سیاسی مبارزہ

اس فصل میں اس سوال کا جواب دیا جائے گا کہ کیا امام حسین علیہ السلام نے حاکم شام کے اعمال و کردار کے مقابلے میں خاموشی اختیار کی یا اس کی حکومت کے خلاف سیاسی جنگ جاری رکھی؟

اس سوال کے جواب میں عرض ہے کہ اگرچہ امام حسین علیہ السلام کے لیے امیر شام کے خلاف مسلحہ تحریک ممکن نہ تھی اور نہ ہی مفید تھی، لیکن آپ علیہ السلام اس کے طرز حکومت کے خلاف خاموش بھی نہیں رہے؛ جبکہ اکثر مسلمانوں نے اس معاملہ میں سکوت اختیار کیا، بلکہ حکومت کا ساتھ دیا اور اعتراض کی بجائے حکومت کی تائید کی اور اپنے گھروں میں پناہ گزین ہو کر اسلامی معاشرے اور بالخصوص شیعوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

چونکہ امام حسین علیہ السلام، اپنے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی طرح دینی اقدار کی حفاظت اور بدعت، فساد اور انحراف کے خلاف جنگ کو اپنا الٰہی فریضہ سمجھتے تھے، لہٰذا آپ نے اس مقصد کو پانے کے لیے کسی کوشش سے دریغ نہیں کیا بلکہ مناسب حالات میں ہمیشہ درست قدم اٹھاتے رہے اور اسلامی معاشرے کو حکومت اور اس کے کارندوں کے ساتھ سیاسی جنگوں کی دعوت دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں تاریخ و حدیث کی کتب میں بہت زیادہ روایات اور واقعات بیان ہوئے ہیں، ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ یزید کی ولیعہدی کی مخالفت

امام حسن علیہ السلام کے ساتھ طے پانے والی صلح کے مطابق، معاویہ کو اپنے جانشین کے انتخاب کا حق حاصل نہیں تھا؛ لیکن اس نے صلح نامہ کے دوسرے معاہدوں[۱] کی طرح اس معاہدہ پر بھی عمل نہ کیا اور صلح نامہ کے تمام معاہدوں کو پاؤں تلے روند ڈالا؛ جیسا کہ خود اس نے کوفیوں کے اجتماع میں اس بات کا اظہار بھی کیا ہے۔[۲]

ہم الگ باب میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے کہ اس نے اپنی حکومت کے آخری دس سالوں میں اپنے بعض کارندوں کے مشورے اور مدد کے ذریعہ حکومت کو موروثی اور اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنانے کی کوشش کی اور اقدامات کیے۔ اس ہدف کو پانے کے لیے مختلف اسلامی شہروں کا سفر کیا اور مختلف حیلوں اور بہانوں کے ذریعے یزید کی جانشینی کا مسئلہ اجاگر کیا اور لوگوں کو دھمکی یا لالچ دے کر یزید کے لیے بیعت لی۔ مدینہ کے سفر میں عام لوگوں سے بیعت لینے کے علاوہ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مدینہ کی سر کردہ اور با نفوذ شخصیات سے بھی بیعت لے، جن میں سر فہرست امام حسین علیہ السلام تھے۔ اسی لیے اس نے شہر مدینہ میں داخل ہوتے ہی امام حسین علیہ السلام، عبد اللہ بن عباس اور دوسری بڑی شخصیات کے ساتھ ملاقاتیں کیں، اپنا موضوع پیش کیا اور ان کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کی۔

امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کے جواب میں، ایک تمہید کے بعد فرمایا:

تم نے یزید کے بارے میں جو کچھ کہا ہے کہ وہ حد کمال تک پہنچ (سمجھدار بن) چکا ہے اور امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ کے امور کو انجام دے سکتا ہے، میں یہ سب سمجھ گیا ہوں۔ تم اس گفتگو کے ذریعہ یزید کے

---

[۱]۔ شیخ صدوق، علل الشرائع، باب ۱۵۹، ص ۲۵۰؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، ج۵، ص ۱۵۸-۱۶۰۔ صلح نامہ کے بارے میں مزید معلومات کے لیے رجوع کریں: شیخ راضی آل یاسین، صلح الحسن، ص ۲۵۹-۲۶۱۔

[۲]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، تحقیق احمد صقر، ص ۶۹؛ شیخ مفید، الارشاد، تحقیق مؤسسہ آل البیت، ج ۲، ص ۱۴؛ شیخ راضی آل یاسین، سابقہ حوالہ، ص ۳۰۰-۳۶۰۔

بارے میں لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہو۔ گویا تم ایک غیر معروف شخص کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہو یا غیب کی کوئی خبر دینا چاہتے ہو، یا کسی ایسی چیز کے بارے میں خبر دینا چاہتے ہو جو تم نے کسی خاص طریقہ سے حاصل کی ہے! حالانکہ یزید نے خود (اپنے عمل کے ذریعہ) ہمیں اپنی سوچ و نظریے سے آگاہ کر دیا ہے! پس تم یزید کا اُسی طرح تعارف کرواؤ جس طرح وہ خود اپنا تعارف کروا چکا ہے۔ اس سے شکاری کتوں کے پیچھے دوڑنے، کبوتر بازی، موسیقار کنیزوں اور آلاتِ موسیقی بجانے کے بارے میں پوچھو تو اسے زیادہ آگاہ پاؤ گے۔ تم جس چیز (یعنی ولایت عہدی) کے درپے ہو اُسے چھوڑ دو۔ لوگوں کے حقوق کا جو بوجھ تو نے اپنے کندھوں پر پہلے سے اٹھا رکھا ہے، قیامت کے دن اس سے بھی زیادہ بوجھ کے ساتھ اللہ تعالی سے ملاقات کرو گے تو تجھے کیا فائدہ ہو گا؟!

اللہ کی قسم؛ تو نے باطل اور غصے کو ہمیشہ ظلم و ستم کے لیے اختیار کیا ہے؛ حتی کہ تیری بربادی کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، اور اب موت اور تیرے درمیان ایک پلک جھپکنے کا فاصلہ باقی رہ گیا ہے۔ پھر تجھے اس دن اپنے کیے ہوئے اعمال کا سامنا کرنا پڑے گا، جب سب لوگ حاضر ہوں گے اور فرار کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہو گا! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے ہمیں اس امر (خلافت) سے دور رکھا ہے اور یوں ہمیں اپنے والد گرامی کی وراثت سے محروم کیا ہے؛ حالانکہ اللہ کی قسم؛ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے نسب کی بنیاد پر ہمارے لیے وراثت چھوڑی تھی، اور اب تم ہمارے سامنے وہی دلیل پیش کر رہے ہو جو ہم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی رحلت کے بعد حاکم کے خلاف پیش کی تھی!...۔[1]

جب معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کے بارے میں امام حسین علیہ السلام کا واضح اور دوٹوک موقف دیکھا تو بیت المال سے بنی ہاشم کے حقوق بند کر دیے اور ان کی ادائیگی کو امام حسین علیہ السلام کی بیعت کے ساتھ مشروط کر دیا، تا کہ بنی ہاشم پر دباؤ ڈال کر امام حسین علیہ السلام کو بیعت پر راضی کر سکے؛ لیکن وہ اس طرح بھی امام

---

[1] ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، تحقیق علی شیری، ج۱، ص۲۰۸-۲۰۹۔

حسینؑ سے بیعت نہیں لینے میں کامیاب نہ ہوا اور عبد اللہ بن عباس کی درخواست اور دھمکی کی وجہ سے بنی ہاشم کے حقوق ادا کرنے پر مجبور ہو گیا، جبکہ امام حسینؑ نے اپنا حصہ لینے سے انکار کر دیا[1]۔

۲۔ معاویہ کے نام دو ٹوک انکشافی خط

حجر بن عدی کی شہادت کے بعد مدینہ کے حاکم مروان بن حکم نے معاویہ کو خط لکھا:

عمرو بن عثمان کی طرف سے موصول ہونے والی خبر کے مطابق عراق اور حجاز کی اعلیٰ شخصیات حسین بن علیؑ کے پاس آتی جاتی رہتی ہیں اور اس نے کہا ہے کہ مجھے حسین بن علیؑ کے قیام کا خدشہ ہے۔ مجھے اپنی تحقیق کے ذریعے معلوم ہوا ہے کہ حسینؑ، ابھی قیام نہیں کرنا چاہتے؛ لیکن میں مطمئن نہیں ہوں کہ وہ آئندہ بھی قیام کا ارادہ نہ رکھتے ہوں۔ اس بارے میں اپنی رائے لکھو۔ والسلام[2]۔

معاویہ نے مروان کو بھی خط کا جواب دیا اور اس کے ساتھ ساتھ امام حسینؑ کو بھی ایک الگ خط لکھا جس میں اُس نے اپنے خیال کے مطابق، امامؑ کو فتنہ اور تفرقہ بازی سے منع کیا اور آپؑ کو رابطہ منقطع کرنے کی دھمکی دی۔

معاویہ نے لکھا:

... مجھے آپ کے بارے میں کچھ اخبار موصول ہوئی ہیں، اگر یہ صحیح ہیں تو مجھے آپ سے یہ توقع نہیں تھی اور اگر صحیح نہیں ہیں، کیونکہ آپ جیسے شخص کو ایسی باتوں سے دور ہی رہنا چاہیے، تو پھر تم نے اپنا حق ادا کیا اور وعدہ الٰہی کی وفا کی ہے۔ پس مجھے رابطہ ختم کرنے اور اپنے ساتھ برا سلوک کرنے پر مجبور نہ کرو، کیونکہ جب میں تمہاری سرزنش کروں گا تو تم بھی میری سرزنش کروگے، اور جب تم مجھے دھوکہ دینے کی

---

[1]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج۴، ص۳۴۱۔

[2]۔ شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، (رجال کشی)، تصحیح حسن مصطفوی، ص۴۷-۴۸؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، تحقیق عصام محمد الحاج علی، ص۳۲۱-۳۲۲۔

کوشش کروگے تو میں بھی تمہیں دھوکہ دوں گا۔ پس اے حسین؛ اس امت کا اتحاد توڑنے اور فتنہ پھیلانے سے باز رہو[1]۔

امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کے جواب میں خط لکھا جو انقلاب اور قیام عاشورا کا نقطہ آغاز تھا[2]۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے خط کی ابتدا میں و اپنے قیام کے متعلق ان اخبار کو جھٹلایا جو معاویہ کے کارندوں نے اس تک پہنچائی تھیں اور پھر فرمایا:

میں جنگ اور اختلاف نہیں چاہتا؛ لیکن میں تیرے اور تیرے اس گروہ کے ساتھ جنگ نہ کرنے پر اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جو قاسطین، ظالم اور شیطان کے دوست ہیں۔ کیا تو حُجر (بن عدی) اور اس کے ساتھیوں کا قاتل نہیں جو زاہد اور عبادت گزار تھے؟! جنہوں نے بدعات کو ختم کرنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے قیام کیا؛ تم نے پہلے ان کے ساتھ عہد و پیمان باندھا اور پھر ظلم و زیادتی کرتے ہوئے اس عہد کو توڑ دیا اور انہیں قتل کر دیا۔ تم نے اس کام کے ذریعہ اللہ کی نافرمانی کی ہے اور اس کے پیمان کو حقیر جانا ہے۔ کیا تو عمرو بن حمق کا قاتل نہیں ہے جس کا چہرہ اور بدن، عبادت کی کثرت سے لاغر و کمزور ہو گیا تھا؟! تم نے اُس کے ساتھ پیمان باندھا اور امان نامہ لکھا (ایسا عہد و پیمان کہ اگر صحراء کے ہرن کے ساتھ بھی ہوتا تو وہ بھی پہاڑ سے نیچے اتر آتا)، پھر اسے قتل کر دیا؟

کیا تم نے یہ دعوی نہیں کیا کہ زیاد، ابو سفیان کا بیٹا ہے؟! حالانکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: "اولاد شوہر کی ہے اور زانی کو سنگسار کیا جائے"[3]۔ پھر تم نے اسے لوگوں پر مسلط کیا۔ اس نے (مسلمانوں پر ایسی سختی کی کہ) ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور کھجور کے درختوں پر سولی چڑھا دیا۔ اے معاویہ! گویا تم اس امت میں سے نہیں اور وہ تجھ سے نہیں ہیں...۔

---

[1]۔ بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق سہیل زکار و ریاض زرکلی، ج ۳، ص ۳۶۷۔

[2]۔ عبداللہ علایلی، الامام الحسین، ص ۳۳۶۔

[3]۔ "**الولد للفراش وللعاهر الحجر**" اس حدیث کا معنی گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

تم نے کہا ہے کہ میں لوگوں کو فتنے میں نہ ڈالوں، حالانکہ میری نظر میں لوگوں کے لیے تیری حکومت سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں ہے۔

تم نے کہا کہ میں اپنے، اپنے دین اور امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ × کے بارے میں سوچوں؛ اللہ کی قسم! میرے نزدیک تیرے ساتھ جہاد سے بڑھ کر کوئی عظیم کام نہیں ہے۔ اگر میں تیرے ساتھ جنگ کروں تو اللہ تعالی کا قرب حاصل کیا اور اگر جنگ نہ کروں تو اللہ تعالی سے معافی مانگتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس چیز کی ہدایت کرے جو اس کی رضایت اور خوشنودی کا سبب ہو۔

تم نے کہا: اگر مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو میں بھی دھوکہ دوں گا۔ اے معاویہ! اگر تم مجھے دھوکہ دینا چاہتا ہے تو دے؛ مجھے اپنی جان کی قسم، ماضی میں دھوکہ بازوں نے نیک لوگوں کے ساتھ سے ایسا کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کا نقصان خود تیری طرف پلٹ کے جائے گا اور تیرے عمل کو تباہ کردے گا؛ پس تو جو کچھ کر سکتا ہے کر لے۔

اے معاویہ! اللہ سے ڈر اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک کتاب ہے جس میں تمام چھوٹے بڑے سب اعمال لکھے جاتے ہیں اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ تیرے مظالم کو کبھی فراموش نہیں کرے گا، کہ تم لوگوں کو صرف ظن و گمان کی بنا پر قتل کرتے ہو، صرف تہمت کی بنا پر انہیں گرفتار کر لیتے ہو اور تکلیف پہنچاتے ہو؛ تم نے ایک شراب خوار اور کتے باز نادان کو مسلمانوں کا حاکم بنا دیا ہے۔ تم نے ان کاموں کے ذریعہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا، اپنا دین تباہ کیا اور لوگوں کے حقوق پامال کیے ہیں[1]۔

امام حسین علیہ السلام کے اس خط میں تین بنیادی باتیں ہیں:

الف) معاویہ کی سلطنت کے نظریہ "حاکم کی بے چون وچرا اطاعت" کی مخالفت کا اعلان کیا۔

ب) معاویہ کو حُجر بن عدی اور عمرو بن حمق جیسے مومن و مخلص انسانوں کا قاتل قرار دیا۔

---

[1]۔ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، تحقیق علی شیری، ص۲۰۲-۲۰۴؛ تھوڑے اختلاف کے ساتھ: بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق سہیل زکار و ریاض زرکلی، ج۵، ص۱۲۸-۱۳۰؛ شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال (رجال کشی) تصحیح حسن مصطفوی، ص۴۹-۵۱؛ طبرسی، الاحتجاج، تحقیق ابراہیم بھادری و محمد ہادی بہ، ج۲، ص۸۹-۹۲۔

ج) معاویہ کے ساتھ جہاد کے ضروری ہونے پر تاکید کی گئی۔

یہی تیسری بات، اس خط اہم نکتہ ہے۔ معاویہ نے امام حسین علیہ السلام سے کہا تھا: دین اور امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ کی فکر کرو اور فساد نہ پھیلاؤ؛ لیکن امام حسین علیہ السلام نے جواب دیا:

لوگوں کے لیے سب سے بڑا فتنہ تیری حکومت ہے جس نے دین رنگ چڑھایا ہوا ہے۔

عبد اللہ علائلی نے امام حسین علیہ السلام کے ان الفاظ پر خصوصی توجہ دی ہے:

كَاَنَّكَ لَسْتَ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَ لَيْسُوْا مِنْكَ؛ گویا تو اس امت سے نہیں اور وہ تم سے نہیں ہیں۔

انہوں نے اِس بارے میں لکھا ہے: حسین علیہ السلام حقیقت میں یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ معاویہ اپنے قبیلے، لوگوں اور اپنی سرزمین سے الگ ہو گیا ہے[1]۔

امام حسین علیہ السلام کا یہ جواب دوسرے انداز میں بھی نقل ہوا ہے جو مختصر اور صرف چند سطروں پر مشتمل ہے؛ لیکن مطلب اور مفہوم بہت واضح اور محکم ہے:

مَا اَظُنُّ (اَنَّ) لِيْ عِنْدَ اللهِ عُذْراً فِيْ تَرْكِ جِهَادِكَ! وَ مَا اَعْلَمُ فِتْنَةً اَعْظَمُ مِنْ وِلَايَتِكَ اَمْرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ[2]

میرا خیال نہیں ہے کہ تیرے ساتھ جنگ نہ کرنے کے لیے اللہ کے سامنے کوئی عذر پیش کر سکوں اور میں اس امت کے لیے سب سے بڑا فتنہ تیری حکومت کو سمجھتا ہوں (اس سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ نہیں ہو سکتا)۔

معاویہ نے جب امام حسین علیہ السلام کا خط پڑھا تو حسد اور کینہ کے شعلے اس کے سینے میں بھڑک اٹھے۔ یزید اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص نے معاویہ کو مشورہ دیا کہ امام حسین علیہ السلام کو ایسا لکھ جس میں ان کی

---

[1]۔ عبد اللہ علایلی، الامام الحسین، ص ۳۳۸۔

[2]۔ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، تحقیق محمد باقر محمودی، ص ۱۹۸، ح ۲۵۴۔

اور ان کے باپ کی توہین ہو۔ معاویہ نے کہا:... خدا کی قسم؛ مجھے حسین علیہ السلام علیہ السلام میں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ میں نے سوچا کہ دھمکی آمیز جواب لکھوں، لیکن پھر میں نے دیکھا کہ مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ ایسا کر کے اسے جنگ پر نہ اکساؤں۔[1]

کیا امام حسین علیہ السلام، معاویہ کے تحفے قبول کرتے تھے؟

امام حسین علیہ السلام اور حاکمِ شام کے حوالے سے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے، یہ موثق و معتبر روایات ہیں جو امام حسین علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان مخالفت کی گہرائی اور تعلقات کی سخت کشیدگی کو بیان کر رہی ہیں؛ لیکن بعض روایات میں بیان ہوا ہے کہ امام حسن اور امام حسین صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ معاویہ کا برتاؤ اچھا تھا، اور وہ کبھی کبھار اُنہیں ہدیے اور تحفے بھی بھجواتا تھا۔ چنانچہ ابو منصور طبرسی نے اس بارے میں لکھا ہے:

معاویہ نے امام حسین علیہ السلام کو ایسے الفاظ نہیں لکھے جو آپ علیہ السلام کی ناراضگی کا سبب ہوں، اور جو کچھ آپ کو دیتا تھا وہ روکا نہیں، اور وہ ہر سال مختلف طرح کا سامان، تحفے اور دس لاکھ درہم امام حسین علیہ السلام علیہ السلام کے لیے بھیجتا تھا۔[2]

ابو حنیفہ دینوری ان سے بھی ایک قدم آگے چلے گئے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

کہتے ہیں کہ معاویہ کی زندگی میں اس کی طرف سے حسن و حسین صلی اللہ علیہ وآلہ کی شان میں کوئی نامناسب کام نہیں ہوا، اور اس نے جن امور پر صلح نامہ لکھا تھا ان میں سے کسی چیز سے دریغ نہیں کیا اور ہمیشہ ان کے ساتھ نیکی کرتا رہا۔[3]

---

[1]۔ شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، (رجال کشی) ص ۵۲؛ طبرسی، الاحتجاج، تحقیق ابراہیم بھادری و محمد ہادی بہ، ج ۲، ص ۹۳۔
[2]۔ تصحیح حسن مصطفوی، طبرسی، سابقہ حوالہ۔
[3]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، تحقیق عصام محمد الحاج علی، ص ۳۳۲۔

واضح سی بات ہے کہ دینوری اور اس جیسے لوگوں کی نگاہ میں نیکی کا اہم مصداق معاویہ کی طرف سے دیے جانے والے ہدیے وغیرہ تھے۔ معاویہ کی طرف سے ہدیے بھیجنے اور امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی طرف سے قبول کرنے کے بارے میں مندرجہ ذیل روایات نقل ہوئی ہیں:

۱۔ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام، معاویہ کے تحفے تحائف قبول کرتے تھے۔[۱]

۲۔ معاویہ نے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو ایک ملاقات کے دوران دولاکھ درہم دیے۔[۲]

۳۔ ایک دفعہ معاویہ نے مہینے کے شروع میں امام حسن علیہ السلام کے لیے دس لاکھ اور امام حسین علیہ السلام کے لیے نولاکھ درہم بھیجے۔[۳]

واضح رہے کہ ایسی روایات کو اتنا آسانی سے قبول نہیں کیا جاسکتا۔ ہدیے اور نقدی تحائف کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ معاویہ چاہتا تھا کہ شاید وہ اس طریقے سے ان دو بزرگوں کے اقدامات اور اعتراضات کو کم اور ان کو اپنی طرزِ حکمرانی کا حامی بنا سکے؛ لیکن یہ بات غور طلب اور قابل تحقیق ہے کہ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام نے اُس کے ہدیے قبول کیے ہوں، کیونکہ:

اولاً: مذکورہ بالا روایات کے مقابلہ میں ایسی روایات بھی موجود ہیں جو ان سے ٹکراتی ہیں؛ مثلاً: امام موسی کاظم علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ امام حسن و امام حسین علیہما السلام، معاویہ کے ہدیے قبول نہیں کرتے تھے۔[۴] اسی طرح نقل ہوا ہے کہ جب معاویہ، امام حسین علیہ السلام اور دیگر اہم شخصیات سے بیعت لینے کے

---

[۱]۔ ابو العباس عبداللہ بن جعفر الحمیری، قرب الاسناد، ص۶۱؛ شیخ حر عاملی، وسائل الشیعہ، تصحیح و تحقیق میرزا عبدالرحیم ربانی، ج۱۲، باب، ۵۱ از ابواب مایکتسب بہ، ص۱۵۷، ح۴؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۴۴، ص۴۱ و ج۲۷، ص۳۸۲۔

[۲]۔ ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق الکبیر، تحقیق علی عاشور الجنوبی، ج۶۲، ص۱۳۲-۱۳۳؛ ابن کثیر، البدیۃ والنہایۃ، تحقیق مکتب تحقیق التراث، ج۸، ص۱۶۱۔

[۳]۔ طبری، دلائل الامامۃ، ص۶۷۔

[۴]۔ ابو عمران موسی بن ابراہیم مروزی، مسند الامام موسی بن جعفر، مقدمہ و تعلیق محمد حسین حسینی جلالی، ص۴۸، ح۳۴۔

لیے مدینہ گیا اور واپس آکر بنی ہاشم کا ماہانہ وظیفہ روک دیا؛ لیکن جب وہ بنی ہاشم کو مسلسل وظیفہ دینے پر مجبور ہو گیا، تو امام حسین علیہ السلام نے اپنا حصہ لینے سے انکار کر دیا۔[1]

ثانیاً: اگر بالفرض ان روایات کی سند صحیح ہو اور انہیں قبول کر لیا جائے تو ان دونوں بزرگواروں کا ہدیے قبول کرنا جائز تھا، چنانچہ جب امام محمد باقر علیہ السلام سے ظالم حکمرانوں سے ہدیے لینے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے عمل کو دلیل بنایا اور فرمایا: حسن و حسین علیہما السلام، معاویہ جیسے حاکم کے ہدیے قبول کرتے تھے کیونکہ وہ جو کچھ معاویہ سے لیتے تھے وہ ان کا حق تھا۔[2]

شیخ طوسیؒ اس کام کی توجیہ میں لکھتے ہیں:

ہدایا لینا جائز بلکہ واجب ہے، کیونکہ امام اور تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ ظالم اور ستمگر کے ہاتھ میں جو کچھ ہو اور جیسے ممکن ہو، خوشی سے یا زبردستی اس کے ہاتھ سے لے لیں، اور اس کو صحیح جگہ خرچ کریں۔ اگرچہ معاویہ سے سارا بیت المال لینا ممکن نہیں تھا، لیکن امام حسین علیہ السلام پر واجب تھا کہ معاویہ جو کچھ آپ کو بطور ہدیہ دے وہ لے لیں، اور اس میں سے اپنا حصہ رکھ کر باقی مستحقین میں تقسیم کر دیں۔[3]

ابن ابی الحدید، اس سوال کے جواب میں، کہ حسنین شریفین علیہما السلام، معاویہ کے ہدیے کیوں قبول کرتے تھے؟، لکھتے ہیں: امام حسن و حسین علیہما السلام نے ہرگز ہدیے قبول نہیں کیے۔ اللہ کی پناہ کہ انہوں نے معاویہ کا ہدیہ قبول کیا ہو، بلکہ وہ بیت المال سے اپنا کچھ حصہ قبول کرتے تھے جو معاویہ ان کو دیتا تھا؛ کیونکہ

---

[1]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، تحقیق علی شیری، ج۴، ص۳۴۱۔

[2]۔ آنحضرت نے روایت کے ادامہ میں اس بارے میں ایک کلی معیار وملاک بیان فرمایا ہے: جو کچھ زورور حکمرانوں کے پاس ہے ان پر حرام ہے لیکن لوگوں کے لیے اس وقت جائز ہے جب اس کو خیر واطاعت کے امور میں خرچ کریں اور دریافت کا حق رکھتے ہوں۔ امام صادق علیہ السلام نے بھی اس بارے میں فرمایا ہے: ان لوگوں کے ہدایا وعطیات ان لوگوں پر حرام ہیں جو خدا کی نافرمانی میں ان کی خدمت کرتے ہیں، اس بارے میں رجوع کریں: ابو حنیفہ، نعمان بن محمد منصور تمیمی مغربی، دعائم الاسلام، تحقیق آسف بن علی اصغر فیضی، ج۲، ص۳۲۱-۳۲۲، ح۱۲۲۳۔

[3]۔ شیخ طوسی، تلخیص الشافی، تحقیق سید حسین بحر العلوم، ج۴، ص۱۷۹۔

ذی القربی کا حصہ انہی سے متعلق تھا، جس کی قرآن میں تصریح ہوئی ہے، اور اس کے علاوہ اسلام کے غنائم میں بھی ان کا حق تھا[۱]۔

ثالثاً: اگر امام حسن اور امام حسین علیہما السلام ہدیے قبول کرتے تھے تو ان کو اپنے یا اپنے خاندان پر خرچ نہیں کرتے تھے، بلکہ بنی ہاشم کے فقراء، ضرورتمندوں اور اسلامی معاشرہ کے دیگر یتیموں اور مستحقین تک پہنچاتے تھے؛ جیسا کہ نقل ہوا ہے: امام حسن و حسین علیہما السلام معاویہ سے یہ مال لے لیتے تھے لیکن مکھی کے منہ کی غذا کے برابر بھی اپنے یا اپنے خاندان پر خرچ نہیں کرتے تھے[۲]۔

پس معاویہ کا امام حسن علیہ السلام کو دس لاکھ درہم بھیجنا (جس طرح کتاب دلائل الامامۃ اور الاحتجاج میں ایسی روایات نقل ہوئی ہیں) اور امام حسن علیہ السلام کا قبول کرنا اسی لیے تھا، یعنی امام حسن علیہ السلام کے ساتھ کیے گئے صلح نامہ کے مطابق معاویہ پابند تھا کہ جنگ صفین اور جنگ جمل کے شہداء کے ورثاء کے لیے داراَبجرد[۳] (دار ابگرد) کے خراج میں سے دس لاکھ درہم امام حسن علیہ السلام کو دے گا[۴]۔ لہٰذا امام حسن علیہ السلام کا اسے قبول کرنا (البتہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ معاویہ کبھی کبھی اپنے آپ کو دیندار ظاہر کرنے اور خود کو صلح نامہ کا پابند دکھانے کے لیے ایسا کام کرتا تھا) یقیناً جائز تھا کیونکہ آپ علیہ السلام یہ مال جائز مصارف کے لیے لیتے تھے۔

---

[۱]۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، ج۱۱، ص۲۴۹۔

[۲]۔ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۴۴، ص۱۳۔

[۳]۔ فارس کا ایک علاقہ جو اہواز کے قریب ہے۔ قدیم فارسی میں جرد (گرد) یا جراد (گراد) شہر کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ اس بنا پر دارابجرد یعنی شہر داراب (شیخ راضی آل یاسین، صلح الحسن علیہ السلام، ص۲۶۰)۔

[۴]۔ سابقہ حوالہ۔ بعض ہم عصر محققین اور صاحب نظر افراد معاویہ کے ساتھ صلح نامہ کے ضمن میں مالی تعہد کو منفی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کو تاریخ کی تحریف شمار کرتے ہیں اور اس کے دوبارہ منصفانہ طریقہ سے لکھے جانے پر زور دیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بعض مستشرقین یا شرقی مصنفین اس مسئلہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور وجود مقدس امام حسن علیہ السلام کو متہم کرتے ہیں لیکن اسلامی محققین نے اس مسئلہ پر نقد و جرح کی ہے۔ (رجوع کریں: احمد زمانی، حقایق پنہان، ص۲۲۰، ۳۳۲؛ مہدی پیشوایی، "نقد دیدگاہ تاریخی یک شرق شناس"، تاریخ در آیینہ پژوہش، سال دوم، تابستان ۱۳۸۴، ش۲)۔

لیکن اس دعوے کی نہ صرف کوئی دلیل نہیں ہے کہ معاویہ، امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا تھا، بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ معاویہ کو جب بھی موقع ملتا امیر المؤمنین علیہ السلام اور اہل بیت علیہم السلام کی شخصیت کو مجروح کرنے اور معاشرہ سے مٹانے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ نہ صرف امام علی علیہ السلام یا آل علی علیہم السلام کے ساتھ دشمنی کرتا بلکہ ان کے شیعوں کے ساتھ بھی ان کی محبت اور عشق و عقیدت کے اظہار کی وجہ سے وحشت ناک سلوک کرتا تھا[1]۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس کی واضح مثال امام علی علیہ السلام کے بزرگ صحابی اور مخلص دوست جناب حُجر بن عدیؓ کا بے رحمانہ قتل ہے، جن کے بارے میں تاریخی کتب نے تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔[2] پس کیسے یہ دعوی کیا جاسکتا ہے کہ امام حسن علیہ السلام کے ساتھ معاویہ کا برتاؤ اچھا تھا؛ حالانکہ اس نے مکر و فریب کے ذریعہ امام علیہ السلام کو زہر دے کر شہید کیا[3] اور اس کے حاکم مروان بن حکم نے آپ علیہ السلام کی میت، آپ کے نانا کے ساتھ دفن نہیں ہونے دی؟![4] معاویہ کا صلح نامہ کی خلاف ورزی کرنا اور اسے پیروں تلے روندنا (جیسا کہ اس نے خود کوفیوں کے ایک اجتماع میں کہا تھا) دینوری کی بات کے جھوٹ اور غلط ہونے کی دلیل ہے۔

معاویہ نے حکومت کرنے کا جو انداز اپنا رکھا تھا، اس کے مطابق وہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ اچھا رویہ اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے کہ اس نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا: "تیرے ساتھ مکر

---

[1] اس بارہ میں مزید مثالیں دیکھنے کے لیے رجوع کریں: ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، ج۱۱، ص ۴۳-۴۶۔

[2] طبری، تاریخ الامم والملوک، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، ج۵، ص ۲۵۳-۲۵۷؛ مسعودی، مروج الذہب ومعادن الجوہر، تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید، ج۳، ص ۱۲-۱۳؛ ابن عبد البر قرطبیؒ، الاستیعاب، تحقیق علی محمد معوض و عادل احمد عبد الموجود، ج۱، ص ۳۸۹-۳۹۱؛ ابن اثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ، ج۱، ص ۴۶۲۔

[3] بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق سہیل زکار و ریاض زرکلی، ج۳، ص ۲۹۵؛ شیخ مفید، الارشاد، تحقیق مؤسسہ آل البیت، ج۲، ص ۱۵-۱۶؛ مسعودی، سابقہ حوالہ، ص ۵؛ طبری، دلائل الامامۃ، ص ۶۱؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، تحقیق احمد صقر، ص ۷۳؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، تحقیق یوسف البقاعی، ج۴، ص ۴۷؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق ابوالفضل ابراہیم، ج۱۶، ص ۴۹۔

[4] یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص ۲۲۵؛ بلاذری، سابقہ حوالہ، ص ۲۹۷-۲۹۹؛ شیخ مفید، سابقہ حوالہ، ص ۱۸؛ ابوالفرج اصفہانی، سابقہ حوالہ، ص ۷۴؛ طبری، سابقہ حوالہ، ص ۶۱-۶۲؛ ابن ابی الحدید، سابقہ حوالہ، ص ۵۰؛ ابن شہر آشوب، سابقہ حوالہ، ص ۵۰۔

وفریب کے ذریعہ پیش آؤں گا۔" قوی گمان یہ ہے کہ معاویہ کے اس جملہ میں "مکر" سے مراد مخالفین کے ساتھ اس کا ہمیشہ کا سلوک ہے، یعنی مسموم یا قتل کروانا، جیسا کہ اس نے مالک اشتر، امام حسن علیہ السلام، سعد بن ابی وقاص اور عبد الرحمن بن خالد بن ولید جیسے مخالفین کو راستے سے ہٹانے کے لیے کیا تھا[1]۔

۳۔ اہل بیت علیہم السلام کا مقام و مرتبہ اجاگر کرنا

امام حسن علیہ السلام کی معاویہ کے ساتھ صلح، اگرچہ امام حسین علیہ السلام کی مسلح تحریک کے لیے ایک بڑی رکاوٹ تھی، لیکن یہ صلح اور اس طرح کے دیگر مسائل امام حسین علیہ السلام کے لیے حق اور اہل بیت علیہم السلام کے مقام و مرتبہ بیان کرنے میں رکاوٹ نہیں تھے۔ لہٰذا جب بھی فرصت ملتی تھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے اور خاندان پیغمبر علیہم السلام کے فضائل و مناقب بیان کرتے تھے اور محورِ حق ہونے کے ناطے ان کا دفاع کرتے تھے۔ مندرجہ ذیل دو نمونہ اس بات کی دلیل ہیں:

موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ معاویہ کو کہا گیا: لوگوں نے حسین علیہ السلام پر نظر لگائی ہوئی ہے، کاش تم ان کو حکم دیتے کہ وہ منبر پر جا کر خطاب کرتے، کیونکہ ان میں ایسی قدرت نہیں ہے۔

معاویہ نے کہا: حسن علیہ السلام کے بارے میں بھی ہم یہی سوچتے تھے لیکن وہ ہمیشہ لوگوں کی نگاہوں میں محترم رہا اور ہم رسوا ہوئے۔

ایک دن معاویہ نے امام حسین علیہ السلام سے کہا: اے ابا عبد اللہ! کاش آپ منبر پر جاتے اور خطاب کرتے؛ امام حسین علیہ السلام منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالی کی حمد و ثناء کی اور پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ پر درود بھیجا؛ اچانک کسی کو کہتے ہوئے سنا: یہ خطاب کرنے والا کون ہے؟

امام حسین علیہ السلام نے اپنا اور اپنے اہل بیت علیہم السلام کا تعارف کروایا کہ اہل بیت علیہم السلام ان گرانقدر دو چیزوں میں سے ایک ہیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنی امت کے درمیان یادگار چھوڑی ہیں؛ لہٰذا وہ قرآن کی تفسیر و

---

[1]۔ مذکورہ افراد کے قتل کے مستندات کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے۔

تاویل کا مرجع ہیں۔ پھر آپ نے قرآن کی چند آیات کے ذریعے ثابت کیا کہ جس طرح اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت واجب ہے، اسی طرح اہل بیت علیہم السلام کی اطاعت بھی واجب ہے، اور لوگوں کو شیطان کی آواز پر لبیک کہنے اور وسوسہ کی طرف توجہ کرنے سے منع کیا۔

یہ سن کر معاویہ برداشت نہ کر سکا اور کہا: اے اباعبداللہ! بس کافی ہے، آپ نے اپنا مقصد پہنچا دیا ہے[1]۔

دوسرا نمونہ معاویہ کی محفل میں امام حسین علیہ السلام کی گفتگو ہے؛ جس میں آپ نے فرمایا: میں اس کا فرزند ہوں جو آسمان کے پانی کی طرح پاکیزہ ہے اور زمین میں اس کی جڑیں ہیں۔ میں اس کا فرزند ہوں جو قابل فخر نسب، شرافت اور خاندانی نیک نامی میں تمام اہل دنیا کا سردار و آقا ہے۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کی خوشنودی خدائے رحمان کی خوشنودی ہے اور جس کا غضب خدائے رحمان کا غضب ہے۔

پھر معاویہ کو مخاطب کرکے فرمایا: کیا تیرا باپ میرے باپ کی طرح ہے؟ کیا تیرا ماضی میرے ماضی کی طرح ہے؟ اگر تو کہے "نہ" تو تم نے شکست تسلیم کی؛ اور اگر کہے "ہاں" تو تم نے جھوٹ بولا۔

معاویہ نے کہا: تیری بات درست نہیں ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: حق واضح اور روشن ہے، اور اس کی پہچان کا ذریعہ بھی مشکل نہیں ہے، عقلمند لوگ اسے جانتے ہیں[2]۔

جب اہل بیت علیہم السلام کے مقام و مرتبہ ک ختم کرنا، معاویہ اور اس کے کارندوں کا اصل مقصد بن چکا تھا اور ان کی پوری کوشش تھی کہ اس (اہل بیت علیہم السلام کی مخالفت) کو ایک ثقافت کی صورت میں اسلامی معاشرے میں رائج کر دیا جائے؛ ایسے حالات میں تیسرے امام کے ایسے فرامین، خاص اہمیت اور قدر و قیمت کے حامل تھے۔

---

[1]۔ طبرسی، الاحتجاج، تحقیق ابراہیم بہادری و محمد ہادی بہ، ج۲، ص۹۴-۹۵۔

[2]۔ سید نور اللہ حسینی مرعشی تستری، احقاق الحق، ج۱۱، ص۵۹۵۔

۴۔حج کے عظیم اجتماع میں امام حسین علیہ السلام کا تاریخی اور واشگاف خطبہ

انسٹھ یا اٹھاون ہجری یعنی معاویہ کی موت سے ایک یا دو سال پہلے، جب معاویہ کی طرف سے شیعوں پر سخت دباؤ تھا اور بد امنی عروج پر تھی، امام حسین علیہ السلام خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے تشریف لائے۔ اس سفر میں عبد اللہ بن جعفر اور عبد اللہ بن عباس بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے مکہ میں اصحاب ، تابعین، ان کی اولاد جو اسلامی معاشرہ میں پاکیزگی اور شرافت میں مشہور تھی اور بنی ہاشم کے تمام مردوں اور عورتوں کو دعوت دی کہ منی میں آپ علیہ السلام ان کے خیمہ میں جمع ہوں۔

اس اجتماع کی تعداد ایک ہزار[1] سے زیادہ تھی، جس میں دو سو اصحابِ پیغمبر علیہ السلام بھی موجود تھے۔ امام حسین علیہ السلام کھڑے ہوئے اور اللہ تعالی کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"...اس ظالم شخص (معاویہ) نے ہمارے اور ہمارے شیعوں کے بارے میں ایسے کام انجام دیے ہیں جن کو آپ نے دیکھا ہے، آپ جانتے ہیں اور گواہ ہیں، میں آپ کے سامنے چند باتیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اگر میں سچ کہوں تو میری تصدیق کرنا، اور اگر جھوٹ بولوں تو مجھے جھٹلا دینا۔ میری بات سنو اور اسے لکھو؛ پھر اپنے شہروں اور قبائل کی طرف پلٹ جاؤ اور جس شخص پر آپ کو اطمینان ہو، اسے ہمارے اور ہمارے حق کے بارے میں جو کچھ تم جانتے ہو، اس کی طرف دعوت دو۔ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ یہ معاملہ[2] پرانا ہو جائے گا اور حق محو ہو کر مغلوب ہو جائے گا۔ "اللہ تعالی اپنے نور کو کامل کرے گا، اگرچہ کافروں کو ناپسند ہی کیوں نہ ہو"[3]۔

پھر آپ علیہ السلام نے ان آیات کی تلاوت اور تفسیر کی جو امام علی علیہ السلام اور ان کے خاندان کی شان میں نازل ہوئیں؛ اور جو کچھ پیغمبر اکرم علیہما السلام نے ان کے والد ماجد، والدہ ماجدہ، بھائی اور خود ان کے اپنے بارے میں

---

[1]۔ابو منصور طبرسی، الاحتجاج، ج ۲، ص ۸۷؛ لیکن سلیم بن قیس کی خبر مطابق ان لوگوں کی تعداد سات سو سے زیادہ تھی۔

[2]۔ گویا اس معاملہ سے اور اس کے مشابہ اور مقامات پر مراد حکومت ہے۔

[3]۔ **واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون** (سورہ صف، آیت ۸)۔

فرمایا تھا، بیان کیا۔ اصحاب پیغمبر ﷺ مسلسل کہتے رہے: ہاں! اللہ کی قسم، یہ بات ہم نے سنی ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں۔ تابعین نے کہا: اللہ کی قسم، یہ بات اس صحابی نے نقل کی ہے جس کی سچائی اور امانت داری پر ہمیں یقین ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں (اپنے شہروں میں واپس جانے کے بعد) ہر اُس شخص تک یہ باتیں پہنچانا جس کی ذات اور دین پر تمہیں اطمینان ہو[1]۔

امام علیہ السلام کی آخری وصیت سے پتہ چلتا ہے کہ شیعیانِ علی علیہ السلام پر حکومت کی طرف سے کتنا دباؤ تھا کہ امام حسین علیہ السلام وصیت فرما رہے ہیں: میرا یہ کلام فقط ان لوگوں تک پہنچانا جو قابلِ اعتماد ہوں۔

جب حضرت علی علیہ السلام کو گالی گلوچ اور توہین کرنا، حکومت کا اصل مقصد تھا تو ایسے حالات میں امام حسین علیہ السلام نے حج کے موقع پر دو اہم اور مقدس فرائض یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے احیاء اور حاضرین کے اذہان کو بیدار کرنے کے ساتھ ساتھ، انہیں نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو احتیاط سے آگاہ کریں اور ان کے سامنے حکومت کے مظالم بیان کریں۔

اس واقعہ میں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ امام علیہ السلام نے اس تدبیر کے ذریعہ اور اس وقت کے وسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے حاضرین میں بیداری کی ایک موج پیدا کی، تاکہ جب وہ اپنے علاقوں میں واپس جائیں تو دوسروں تک بھی پیغام پہنچائیں اور انہیں بیداری کا موقع فراہم کریں۔

۵۔یزید کے ساتھ ہاشمی لڑکی کے رشتہ میں رکاوٹ

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کہ معاویہ کی کوشش تھی کہ اپنی حکومت کی مضبوطی اور پائیداری کے لیے ہر ممکنہ کام انجام دے، لہٰذا اس نے بنی ہاشم اور بالخصوص ان کے سردار امام حسین علیہ السلام کی مخالفت اور تنقید کو کم کرنے کے لیے ایک جدید انداز اپنایا۔ معاویہ نے حاکم مدینہ مروان بن حکم سے کہا کہ یزید کے لیے عبداللہ بن جعفر کی بیٹی کا رشتہ مانگے، جس کی ماں جناب زینب کبری علیہا السلام ہیں۔ مروان نے یہ مسئلہ عبداللہ

---

[1] طبرسی، الاحتجاج، ج۲ص۸۷۔

بن جعفر کے سامنے پیش کیا۔ عبد اللہ نے کہا: ہمارے خاندان کے سردار اور فیصلہ کرنے والے حسین بن علی علیہ السلام ہیں۔ مروان، امام حسین علیہ السلام کے پاس گیا اور انہیں معاویہ کے حکم سے آگاہ کیا۔ حضرت نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ سے اس لڑکی کے لیے خیر کی درخواست کرتا ہوں، اے اللہ! اس لڑکی کے لیے، آل محمد علیہم السلام سے اپنی خوشنودی فراہم کر"۔ جب لوگ مسجد میں جمع ہوئے تو مروان نے حق مہر کی بات کی، کہ حق مہر یہ ہوگا اور وہ ہوگا، اور جو کچھ لڑکی کا والد کہے گا وہی قبول ہوگا، اور یہ شادی بنی امیہ اور بنی ہاشم کے درمیان نفرت اور کدورت کو ختم کرے گی اور اس شادی کی وجہ سے تمہاری حالت پر رشک کرنے والے یزید پر رشک کرنے والوں سے زیادہ ہوں گے۔ پھر یزید کی خصوصیات بیان کرنا شروع کیں کہ اس کا کوئی ثانی نہیں ہے، اور "بادل اس کی برکت سے برستے ہیں"[1]۔ اُس نے پیغمبر اکرم علیہ السلام کی شان میں کہا گیا ایک شعر، یزید کی شان میں کہا، اور پھر بات کو بڑھاتے ہوئے کہنے لگا: عبد اللہ کے قرض (معاویہ کے ذریعے) ادا کیے جائیں گے۔ امام حسین علیہ السلام نے مروان کی ہر بات کا یوں جواب دیا:

۱۔ مجھے اپنی جان کی قسم؛ اگر ہم نکاح کرنا چاہیں تو اپنی خواتین، لڑکیوں اور خاندان کے (حق مہر کے) بارے میں رسول خدا علیہ السلام کی سنت کو نہیں چھوڑیں گے، اور وہ بارہ اوقیہ ہے جو ۴۸۰ درہم بنتے ہیں۔

۲۔ تو نے کہا ہے کہ اس کے باپ کے قرض ادا کیے جائیں گے، تو ہماری خواتین نے کب ہمارے قرض چکائے ہیں؟!

۳۔ تو نے کہا ہے کہ دو خاندانوں کے درمیان صلح ہو جائے گی؛ ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے راہ خدا میں تمہارے ساتھ دشمنی کی ہے، لہٰذا دنیا کے لیے تمہارے ساتھ صلح اور دوستی نہیں کریں گے۔ مجھے اپنی

---

[1]۔ وبوجہہ یستسقی الغمام، یہ تعبیر جناب ابو طالب کے ایک مشہور قصیدہ سے لی گئی ہے جو قصیدہ انہوں نے پیامبر اکرم علیہما السلام کی شان میں پڑھا تھا۔ اصل شعر یہ ہے:

و ابیض یستسقی الغمام بوجھہ   ثمال الیتامی عصمۃ للارامل؛ "سفید چہرہ کہ جس کی وجہ سے بارش برستی ہے، (وہ) وہ یتیموں اور بیوہ عورتوں کا پشت پناہ ہے" (اس بارے میں رجوع کریں: ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج۱، ص۲۹۵-۳۰۰؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۱۴، ص۷۹-۸۱)۔

جان کی قسم؛ (ہمارے اور تمہارے درمیان) نسب کی رشتہ داری عاجز آگئی ہے تو پھر نسبت کی رشتہ داری کیا کر سکتی ہے؟!

۴۔ تم نے یزید سے حق مہر مانگنے کی بات کی ہے؛ تو جان لو کہ جو یزید اور اس کے باپ دادا سے بہتر تھا، اس سے حق مہر مانگا گیا ہے۔

۵۔ تمہارا یہ کہنا کہ یزید کا کوئی مثل نہیں ہے، تو جو آج سے پہلے اس کا مثل تھا وہ آج بھی اس کا مثل ہے (ماضی میں بھی یزید جیسا تھا اور آج بھی ہے) اس کی حکومت نے اس کے مثل بننے میں کوئی چیز اضافہ نہیں کی۔

۶۔ تو نے کہا کہ کہ اس کی برکت سے بادل برستے ہیں، یہ عزت و وقار تو صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تھا۔

۷۔ تمہارے کہنے کے مطابق اگر یہ رشتہ ہو جائے تو ہمارے حال پر رشک کرنے والے یزید پر رشک کرنے والوں سے زیادہ ہوں گے، تو (جان لے) فقط جاہل اور نادان لوگ ہمارے حال پر رشک کریں گے کہ یزید ہمارا داماد بن گیا ہے اور عقلمند اس کے حال پر رشک کریں گے کہ وہ ہمارا داماد بن گیا ہے (اگر ایسا ہو جائے)۔

امام علیہ السلام نے مروان کی تمام باتوں کا جواب دینے کے بعد لوگوں سے فرمایا: "تم سب لوگ گواہ رہنا کہ میں نے عبداللہ بن جعفر کی بیٹی ام کلثوم کا عقد ۴۸۰ درہم کے حق مہر پر، اس کے چچازاد قاسم بن محمد بن جعفر کے ساتھ پڑھ دیا ہے، اور مدینہ (یا عقیق) میں اپنی زرخیز زمین جس کی سالانہ آمدنی آٹھ ہزار درہم ہے، ان کو بخش دی ہے اور انشاء اللہ اس میں ان کی بے نیازی ہے"[1]۔

---

[1]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۴۴؛ مبرد، الکامل فی اللغۃ والادب، ج ۳، ص ۴۵-۴۶؛ (مختصر)؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۰۷-۲۰۸؛ اس واقعہ کی امام حسن علیہ السلام کی طرف بھی نسبت دی گئی ہے: مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۱۱۹-۱۲۰، ح ۱۳۔

قبائلی رسم و رواج کے مطابق یہ رشتہ دو قبیلوں کے درمیان پیوند، قرابت، بغض اور بہائے جانے والے خون کے لیے فراموشی کا سبب بن سکتا تھا؛ لیکن امام حسین علیہ السلام کے مد نظر یہ بات تھی کہ امامت اور سلطنت کے دو نظریات آپس میں مخلوط نہ ہوں، تاکہ ان کے ہاتھ میں کوئی ایسا بہانہ نہ آجائے جس سے وہ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے خاندان کی شان و شوکت کو اپنے اور اپنی حکومت کے فائدے کے لیے استعمال کریں۔ یہ مسئلہ اس وقت واضح ہو جاتا ہے جب ہم اس بات کی طرف توجہ کریں کہ امیر شام، یزید اور اس کی جانشینی کے بارے میں بہت پریشان تھا اور اس کی کوشش تھی کہ جس طرح ممکن ہو، اس کی خلافت اور سلطنت کا راستہ ہموار کیا جائے، تاکہ کوئی اس کے مقابلہ میں مقاومت اور اعتراض نہ کر سکے۔ شاید اس کی نظر میں اپنے مطلوبہ مقصد کو حاصل کرنے کے لیے بہترین راستہ، یزید کا ام کلثوم کے ساتھ عقد تھا، جو کہ امام حسین علیہ السلام کے بعد بنی ہاشم کا سب سے محترم خاندان تھا اور اس رشتے کی وجہ سے یزید کو ایک خاص مقام مل جاتا؛ لیکن امام حسین علیہ السلام نے اپنی درایت، حکمت اور الٰہی نگاہ کے ذریعے معاویہ کی مخالفت کی اور اس حیلے کو ناکام بنا دیا۔

۶۔ حکومتی اموال کو ضبط کرنا

ایک سال یمن کے بیت المال سے لباس، عطر اور دیگر اموال پر مشتمل کچھ مال، مدینہ کے راستے معاویہ کی طرف لے جا رہے تھے۔ جب یہ مال مدینہ پہنچا تو امام حسین علیہ السلام نے ضبط کر لیا اور اپنے خاندان اور رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا اور پھر ایک طعنہ خیز خط کے ذریعہ معاویہ کو اطلاع دی۔

امام حسین علیہ السلام کے اس اقدام کی وجہ سے حاکم شام نے شدید غصے کے عالم میں امام علیہ السلام کو ایک سخت اور دھمکی آمیز خط لکھا[1]۔ واضح ہے کہ ان سخت حالات میں جب ہر اعتراض کرنے والی آواز کا شروع میں ہی گلا گھونٹ دیا جاتا تھا، امام علیہ السلام کا یہ اقدام معاویہ کے مقابلہ میں ایک اعتراض آمیز تحریک تھی۔ اگرچہ

[1] ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغۃ، ج۱۸، ص۴۰۹ (حدیث آلۃ الریاسۃ سعۃ الصدر کے ذیل میں)۔

علمائے اہل سنت نے معاویہ کی سیاست کو اس کے حلم سے تعبیر کیا ہے اور وہ اسے ایک بردبار شخص تصور کیا ہے لیکن اگر ہم ابن ابی الحدید کی روایت کو قبول کرلیں تو کہنا پڑے گا کہ معاویہ کو ایک ایسے حادثہ کا سامنا ہوا جس کے رد عمل میں وہ صرف لفظی دھمکی اور چشم پوشی کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

۷۔ صدقات اور املاک بیچنے سے انکار

امام حسین علیہ السلام کی سیرت اور دنیا کی طرف آپ کی نگاہ، اپنے والد ماجد امام علی علیہ السلام والی نگاہ تھی۔ اسی لیے انہوں نے کبھی مال جمع نہیں کیا تھا۔ معاویہ بھی اپنی حکومت کے لیے اس حالت سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا؛ چنانچہ ایک مرتبہ امام حسین علیہ السلام شدید مالی دباؤ میں تھے۔ معاویہ نے آپ علیہ السلام سے "ابی نَیزر[1] " والا چشمہ اور زمین خریدنے کی پیشکش کی۔ یہ چشمہ امام حسین علیہ السلام کے لیے ایک عظیم یادگار تھا جسے ان کے والد بزرگوار نے اپنے دست مبارک سے کھودا تھا اور مدینہ کے فقراء اور ابن سبیل لوگوں کے لیے وقف کیا تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے حاکمِ شام کی خواہش کے جواب میں فرمایا: میں یہ چشمہ کسی قیمت پر بھی تجھے فروخت نہیں کروں گا[2]۔

۸۔ حاکمِ شام کے پیروکاروں کے کفر کا اعلان

بنی ہاشم اور بالخصوص امام حسین علیہ السلام ک حاکمِ شام کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں کے بارے میں پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے؛ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل نمونہ ہمارے دعوی کی دلیل ہے:

آخری عمر میں امیر شام نے حج کے ایک سفر میں امام حسین علیہ السلام سے ملاقات کی اور ان سے کہا:

---

[1]۔ ابوالعباس مبرد لکھتا ہے: محمد بن ہشام نے کہا: "ابو نیزر" عجم کے بادشاہوں کے فرزندان میں سے ایک فرزند تھا؛ لیکن میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ نجاشی (حبشہ کے بادشاہ) کا بیٹا تھا جس نے لڑکپن میں اسلام کی طرف میل پیدا کیا اور رسول اکرم علیہما السلام کے ہاتھوں پر مسلمان ہوا۔ وہ آنحضرت علیہما السلام کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا اور ان کی وفات کے بعد فاطمہ سلام اللہ علیہا اور ان کی اولاد کے ساتھ رہتا تھا۔ (الکامل فی اللغۃ والادب، ج ۳، ص ۴۴)۔

[2]۔ سابقہ حوالہ، ص ۴۵۔

کیا حُجر بن عدی، اس کے ساتھیوں اور تمہارے والد کے شیعوں کے ساتھ ہمارے رویے کی خبر آپ تک پہنچی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ان کے ساتھ تمہارا رویہ کیسا تھا؟

معاویہ نے کہا: ہم نے ان کو قتل کیا، حنوط کیا، کفن دیا اور ان پر نماز جنازہ پڑھی۔

امیر شام ان جملات کے ذریعے امام حسین علیہ السلام کے قلب کو مجروح کرنا چاہتا تھا لیکن امام حسین علیہ السلام نے تبسم کے ساتھ دندان شکن جواب دیا: "اے امیر شام! ان کی حجت تجھ پر مسلط ہو گئی (کہ وہ مسلمان تھے اور اسی لیے تم نے انہیں کفن بھی دیا اور ان پر نماز جنازہ بھی پڑھی) لیکن اگر ہم نے تیرے پیروکاروں کو قتل کیا، تو نہ انہیں کفن دیں گے، نہ دفن کریں گے، اور نہ ان پر نماز پڑھیں گے۔۔۔"![1]

۹۔ امیر شام کے ملازمین کے ساتھ جنگ

امام حسین علیہ السلام، معاویہ کے ملازمین کے اعمال اور کردار کے سامنے خاموش نہیں رہتے تھے اور ہر مناسب موقع پر، صحیح اور محترمانہ انداز کے ساتھ ان کے خلافِ اسلام کارناموں پر اعتراض کرتے تھے، اور عام لوگوں کو یقین دلاتے تھے کہ یہ لوگ ایک لمحہ بھی اسلامی معاشرہ کی حکمرانی اور سرپرستی کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس بارے میں امام حسین علیہ السلام کا مروان بن حکم اور ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے ساتھ برتاؤ کے درج ذیل چند نمونے، تاریخ نے نقل کیے ہیں:

الف) حاکم مدینہ مروان کے ساتھ جنگ

مروان بن حکم بھی اپنے باپ کی طرح، رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ اور خاندان بنی ہاشم بالخصوص حضرت علی علیہ السلام اور ان کے بیٹے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے ساتھ دیرینہ دشمنی اور کینہ رکھتا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ امام حسین علیہ السلام اپنے بڑے بھائی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا جنازہ مبارک، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کے مرقد شریف

---

[1] ابو منصور طبرسی، الاحتجاج، ص ۸۸-۸۹؛ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج ۲، ص ۲۳۱۔

کے ساتھ دفن کرنا چاہتے ہیں، تو وہ اپنے سپاہیوں کے ہمراہ تلواریں نکال کر م روکنے کے لئے سامنے آگیا۔ اگرچہ امام حسین علیہ السلام اپنے بھائی کی وصیت کے مطابق مروان کے خلاف مسلحانہ اقدام تو نہیں کر سکتے تھے، لیکن آپ نے مروان کے مقابلہ میں خاموشی بھی اختیار نہیں کی۔ آپ نے فرمایا: "اللہ کی قسم؛ اگر میرے بھائی حسن علیہ السلام کی وصیت نہ ہوتی کہ میرے دفن کے لیے حجامت[1] کے برابر بھی خون نہیں بہنا چاہیے، تو یقیناً تم جان لیتے کہ کیسے اللہ کی تلواریں تم سے اپنا مقام حاصل کرتیں (اور تم سے اپنا حق چھین لیتیں)؛ ہم نے آپس میں جو پیمان باندھا ہوا تھا، تم نے توڑ دیا ہے اور ہماری طرف سے تم پر جو شرائط عائد تھیں، تم نے باطل کر دی ہیں۔"[2]

اسی طرح جب مروان نے امام سجاد علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: علی؛ اس نے کہا: آپ کے بھائی کا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: علی؛ مروان نے کہا: علی اور علی؛ آپ کا باپ علی کے علاوہ اپنے بچوں کے نام نہیں رکھنا چاہتا تھا؟! جب امام سجاد علیہ السلام نے یہ واقعہ امام حسین علیہ السلام کو سنایا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: وائے ہو نیلی آنکھوں والی اور چمڑے صاف کرنے والی عورت کے بیٹے پر! اگر میرے سو بیٹے بھی ہوتے تو میں سب کا نام صرف علی رکھتا[3]۔

واضح رہے کہ ان حالات میں امام حسین علیہ السلام کا اپنے تینوں بیٹوں کا نام "علی" رکھنا بہت اہمیت کا حامل ہے، جبکہ پورے عرب میں منبروں پر سے حضرت علی علیہ السلام پر لعنتیں بھیجی جاتی تھیں اور منبروں کے خطبا، آپ اور آپ کے خاندان سے بیزاری کا اعلان کرتے تھے[4]۔ اُس وقت صالحین، عابدین، دنیا طلب

---

[1]۔ حجامت سے مراد بال کٹوانا نہیں بلکہ جسم کے خاص حصوں سے گندا خون نکلوانا مراد ہے جو مستحب اور صحت مند عمل ہے۔

[2]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۹، ۱۸۔

[3]۔ کلینی، الفروع من الکافی۔ ج ۶، ص ۱۹۔

[4]۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۱۱، ص ۴۴،

دین دار اور خود فروش افراد حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ دشمنی اور آپ کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کر کے حکومت کا قرب حاصل کرتے،[1] اور اپنے بیٹوں کا نام "**علی**" رکھنے سے اجتناب کرتے تھے۔

ایک مرتبہ مروان نے امام حسین علیہ السلام سے کہا: اگر تمہارے پاس حضرت فاطمہ علیہا السلام نہ ہوتیں تو تم ہمارے مقابلے میں کس چیز پر فخر کرتے؟ امام حسین علیہ السلام نے محسوس کیا کہ مروان کا مقصد، خاندانِ پیغمبر علیہم السلام کی توہین کرنا ہے، تو امام علیہ السلام نے مروان کا گلا پکڑ کر دبایا، اور اس کی پگڑی اس کی گردن کے گرد ایسے لپیٹی کہ مروان بے ہوش ہو گیا۔ پھر امام علیہ السلام نے اسے چھوڑ دیا اور قریش کی ایک جماعت کے ہمراہ اپنے اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے فضائل و مناقب بیان کرنے لگے۔ تمام لوگوں نے آپ کی باتوں کی تصدیق کی۔ پھر امام علیہ السلام نے مروان اور اس کے باپ کے بارے میں گفتگو کی اور دونوں کو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ملعون اور رسولِ خدا علیہ السلام اور آپ کے خاندان کا بدترین دشمن بتایا[2]۔

ب) ولید بن عتبہ سے مبارزہ

رسول خدا علیہ السلام کے خاندان کو تسلیم ہونے پر مجبور کرنے کے لیے حکومت کی ایک کوشش یہ بھی تھی کہ ان کے مالی وسائل ضبط کر لیے جائیں، تاکہ ان کے شیعہ اور پیروکاروں کی ان سے امیدیں ختم ہو جائیں اور اسی طرح خاندانِ بنی ہاشم بالخصوص امام حسین علیہ السلام معاشی امور اور زندگی گزارنے کے لیے اموی حکام کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ اس طرح وہ حکومت کی تائید کرنے پر مجبور ہو جائیں گے یا کم از کم مسلمانوں کے حقوق کے بارے میں حکومت کے ظلم و ستم کے سامنے سکوت اختیار کر لیں گے۔ اسی لیے حکومت کسی نہ کسی بہانے امام حسین علیہ السلام کے اموال اور املاک پر قبضہ جما لیتی تھی۔ مندرجہ ذیل داستان اس دعوے کی دلیل ہے۔

---

[1] سابقہ حوالہ، ص۴۶-۴۷۔

[2] ۔۔۔ **وقال فی آخر کلامہ ۔۔۔ واللہ ما بین جابرسا و جابلقا رجل ممن ینتحل الاسلام اعدی للہ و لرسولہ و لاھل بیتہ منك و من ابیك ۔۔۔** (ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۵۸؛ ابو منصور طبرسی، الاحتجاج، ج۲، ص۹۶-۹۷)۔

محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی کا بیان ہے:

حسین بن علی علیہ السلام اور ولید بن عتبہ بن ابی سفیان (جو ان دنوں معاویہ کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا) کے درمیان "ذی المروہ" والی جائیداد پر جھگڑا تھا۔ چونکہ ولید برسر اقتدار تھا، اس لیے وہ گستاخانہ انداز میں امام حسین علیہ السلام کا حق ادا کرنے سے انکاری تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے ولید کے اس رویئے کو دیکھ کر فرمایا: اللہ کی قسم! عادلانہ طور پر ہمارا حق ادا کر دو، ورنہ میں تلوار لے کر مسجد نبوی میں کھڑا ہو جاؤں گا اور لوگوں کو **"حلف الفضول"**[1] کی طرف دعوت دوں گا۔

عبداللہ بن زبیر جن کے والد حلف الفضول کے دستخط کرنے والوں میں سے تھے، بھی ولید کے پاس موجود تھے۔ جب انہوں نے امام حسین علیہ السلام کی بات سنی تو کہا: اللہ کی قسم؛ اگر حسین علیہ السلام ایسا کریں گے تو میں بھی اپنی تلوار لے کر ان کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں گا، یہاں تک کہ عدل و انصاف کے ساتھ ان کا حق ادا کر دیا جائے یا ہم سب کے سب مر جائیں۔ مِسوَر بن مخزمہ اور عبد الرحمن بن عثمان بن عبد اللہ (حِلف الفضول کے اراکین کے بیٹوں) نے جب یہ ماجرا سنا تو انہوں نے بھی یہی قسم اٹھائی۔ ولید نے یہ دیکھ کر حالات بگڑنے کے خوف سے آپ علیہ السلام کا حق ادا کیا، یہاں تک کہ آپ علیہ السلام راضی ہو گئے[2]۔

---

[1]۔ حلف الفضول جس کو قریش کے دور جاہلیت میں نہایت اہم عہد و پیمان سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ قریش کے چند شاخوں کے درمیان طے پانے والا معاہدہ تھا۔ انہوں نے عہد کیا کہ ہر مظلوم کے حق لینے کے لیے جو کہ مکہ میں رواج بن چکا تھا، اس کی مدد کریں گے اور مکہ میں کسی پر ظلم نہیں ہونے دیں گے۔ یہ پیمان مظلوم اور بے سہارا لوگوں کے لیے پناہ گاہ تھا اور بعد میں چند مظلوم لوگ اس پیمان کے بانیوں سے التماس کے ذریعہ ظالم لوگوں کے چنگل سے آزاد ہوئے (رجوع کریں: ، مہدی پیشوائی، تاریخ اسلام، ص ۱۱۵-۱۱۷)؛ حلف الفضول کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کہا گیا ہے: یہ پیمان قریش سے پہلے قبیلہ جرہم میں شروع ہوا؛ اور اس میں تین لوگ بنام فضل بن فضالۃ، فضل بن وداعۃ اور فضیل بن حارث نے کسی مسئلہ پر قسم اٹھائی اور چونکہ ان کا نام فضل یا فضیل تھا وہ پیمان حلف الفضول کے نام سے مشہور ہو گیا اور چونکہ قریش کا پیمان بھی قبیلہ جرہم کے پیمان کے مشابہ تھا اس پیمان کو حلف الفضول کا نام دیا گیا۔ البتہ اور بھی وجہ تسمیہ ذکر کی گئی ہیں لیکن اس کتاب میں ان کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے (رجوع کریں: ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۱۴۰-۱۴۱ حاشیہ)۔

[2]۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۱۴۲؛ ابو الفرج اصفہانی، الاغانی، ج ۱۷، ص ۲۹۵؛ ابن شہر آشوب نے ایک اور داستان بھی نقل کی ہے کہ جب ولید بن عتبہ نے غاصبانہ امام حسین علیہ السلام کی ملکیت میں تصرف کیا تھا امام علیہ السلام نے اس کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا جو امام علیہ السلام کی قدرت کی نشان گر ہے (مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۷۵) امام حسین علیہ السلام کی ولید کے ساتھ سختی اور لوگوں کو حلف الفضول کی دعوت دینے کے مشابہ ایک داستان وہ بھی ہے جو امام علیہ السلام نے

پھر ایک مرتبہ ولید نے امام حسین علیہ السلام کے پاس عراقیوں کے آنے جانے پر پابندی عائد کر دی۔ امام حسین علیہ السلام نے اس مرتبہ بھی خاموشی اختیار نہیں کی۔ ایک دن اسے فرمایا: اے وہ شخص جس نے اپنے اوپر ستم کیا ہے اور اپنے پروردگار کی نافرمانی کی ہے؛ تم، میرے اور ان لوگوں کے درمیان کیوں رکاوٹ بنتے ہو جو میرا حق جانتے ہیں؟ وہی حق جس کا تو نے اور تیرے چچا نے انکار کیا ہے[1]۔

یہ تحریر حکومتِ معاویہ کی آخری دہائی میں امام حسین علیہ السلام کے مبارزات اور اقدامات کے کچھ نمونہ جات پر مشتمل ہے، جن میں حکومت کے غیر اسلامی اعمال اور جنایات کے مقابلہ میں سر تسلیم خم نہ کرنے اور ظلم کے خلاف جنگ کرنے کا جذبہ واضح طور پر موجود ہے۔ جب اسلامی معاشرہ جہالت، غفلت اور ناانصافی کے حکومتی زندانوں میں اسیر تھا، اُس وقت امام حسین علیہ السلام کا یہ موقف اور رویہ، نیم مردہ جان میں روحِ مسیحا کی طرح عنقریب نابود ہونے والے اسلامی معاشرے کے لیے مفید ثابت ہوا اور یزید کے دور میں ہونے والے قیام کے لیے مسلمانوں کے اذہان اور افکار آہستہ آہستہ آمادہ ہو گئے۔ یہ ایسا قیام اور تحریک تھی جس کے اسباب گزشتہ چند سالوں سے فراہم تھے لیکن یہ قیام کچھ رکاوٹوں اور مصلحتوں کی وجہ سے (جن کا ذکر ہو چکا ہے) محرم الحرام سنہ ۶۱ھ تک مؤخر ہوا۔

معاویہ کی طرف سے ایک زمین پر تصرف کرنے کے نتیجہ میں معاویہ کے ساتھ سختی کی تھی۔ آں حضرت نے معاویہ کے قبضہ سے اپنی جائیداد واپس لینے کے لیے جو حربہ استعمال کیا تھا ان میں سے ایک لوگوں کو حلف الفضول کی طرف دعوت دینا تھا۔ (ابو الفرج اصفہانی، الاغانی، ج ۱۷، ص ۲۹۶-۲۹۷)۔

[1]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۵، ص ۳۱۷۔

ساتویں فصل

یزید کی ولیعہدی

معاویہ نے بنی امیہ کی وراثتی حکومت کی جڑیں مضبوط اور اپنے اہداف حاصل کرنے کے لیے متعدد اقدامات اٹھائے، جن میں سے ایک یزید کی ولی عہدی بھی ہے۔ البتہ اگر ابوسفیان کے وصیت نامہ کو مد نظر رکھا جائے، جو اس نے جناب عثمان کی خلافت کے آغاز میں خاندانِ بنی امیہ کو خط میں لکھا اور جس میں اس نے حکومت کو اپنے خاندان میں ہی باقی رکھنے اور بنی امیہ کے لیے وراثت بنانے پر زور دیا؛ [1] اور اسی طرح اگر معاویہ کی شخصیت اور حکومتی مزاج کو مد نظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ اپنی حکومت کے ابتدائی سالوں میں ہی یزید کی ولی عہدی کی فکر میں تھا؛ لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کام کو عملی جامہ پہنانے میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کام کے مشکل ہونے کی ایک وجہ یزید کی داغدار شخصیت بھی ہے؛ کیونکہ یزید ایک لاپرواہ، فاسق وفاجر، آزاد خیال، کھلم کھلا گنہگار اور بے دین شخص تھا، لہذا عام مسلمان اور بالخصوص صحابہ کرام اور معروف مسلمان جو ابھی زندہ تھے اور جنہیں رسول خداﷺ کی سیرت یاد تھی، وہ اتنا آسانی سے ایسے شخص کو مسلمانوں کا خلیفہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ دوسری طرف معاویہ اور امام حسن علیہ السلام کے درمیان طے پانے والے صلح نامہ کی ایک شق کے مطابق، معاویہ کے بعد امام حسن علیہ السلام [2] کو خلافت ملنا تھی اور اگر ان کے ساتھ کوئی مسئلہ پیش آگیا تو امام حسین علیہ السلام [3] خلافت کے حقدار تھے؛ جبکہ معاویہ کو اپنا جانشین منتخب کرنے کا حق حاصل نہیں تھا۔ [1] لہذا جب

---

[1] ۔ مسعودی، مروج الذھب ومعادن الجوہر، ج۲، ص ۳۵۲-۳۵۳۔

[2] ۔ ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص ۱۸۴؛ جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۲۱۳۔

[3] ۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۲؛ جمال الدین احمد (ابن عِنَبہ)، عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب علیہ السلام، ص ۶۳۔

تک امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام زندہ تھے، معاویہ کو اپنا جانشین بنانے کے لیے بہت بڑی رکاوٹ کا سامنا تھا؛ نیز اُس وقت تک سابقہ خلفا میں سے کسی خلیفہ نے اپنے بیٹے کو اپنا جانشین نہیں بنایا تھا؛ کیونکہ بنیادی طور پر، خلافت کوئی موروثی منصب نہیں تھا کہ باپ کی وفات کے بعد، بیٹا اس کی کرسی پر بیٹھے۔

معاویہ ان موانع اور مشکلات سے بخوبی آگاہ تھا اور وہ جانتا تھا کہ اس سلسلہ میں، زمین ہموار کیے بغیر اسلامی معاشرہ کی طرف سے شدید رد عمل کا سامنا ہو گا اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ حکومت کے خلاف جنگ و جدال اور تحریکیں اٹھ کھڑی ہوں گی۔ لہٰذا معاویہ نے شروع میں اس معاملے کو آشکار نہیں کیا بلکہ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے صبر اور انتظار کیا اور مناسب حالات کے لیے تدابیر سوچیں اور کچھ اقدامات بھی اٹھائے۔ اس کے لیے متعدد کوششیں کیں، کئی سفر کیے، خطوط لکھے، بہت سے لوگوں کو لالچ یا دھمکی دے کر اپنے ساتھ ملایا اور بعض کو قتل کروایا۔ خلاصہ یہ کہ اُس نے ہر ممکنہ راستہ اختیار کیا اور آہستہ آہستہ مناسب حالات پیدا کیے اور بالآخر زندگی کے آخری سالوں میں اسلامی معاشرے کو یہ امر قبول کرنے پر تیار کر لیا۔

قدیمی تاریخی منابع میں معاویہ کے اقدامات اور کوششوں کو منظم اور زمانے کی ترتیب کے مطابق طبقہ بندی نہیں کی، بلکہ پراکندہ طور پر نقل کیا ہے اور کچھ نے تو اس کے متعلق متضاد اخبار بھی نقل کی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس فکر کو تاریخی قرائن و شواہد کے مطابق ترتیب دیا جائے، واقعات کو ترتیب کے ساتھ ذکر کیا جائے تا کہ اس دور میں جو کچھ ہوا، اس پر صحیح دسترس حاصل کی جائے۔ اس سلسلے کی درست تصویر کشی کے لیے، ہم مندرجہ ذیل ترتیب کے ساتھ آگے بڑھیں گے۔

---

[1] ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۴، ص ۲۹۱؛ علی بن محمد مالکی (ابن صباغ مالکی)، الفصول المھمۃ فی معرفۃ الائمۃ، ج ۲، ص ۷۲۹؛ مزید اطلاع کے لیے رجوع کریں: راضی آل یاسین، صلح الحسن علیہ السلام، ص ۲۵۹-۲۶۱۔

آغازِ ماجرا

تاریخ کی قدیمی کتب نے یزید کی جانشینی اور اس کے لیے بیعت لینے کا آغاز سنہ پچاس ہجری کے دوسرے حصے میں بتایا ہے اور اس کا آغاز کرنے والا مغیرہ بن شعبہ[1] ہے۔ جب معاویہ نے دیکھا کہ کوفہ کے حالات بہتر ہوگئے ہیں اور شہر کے امور اس کی مرضی کے مطابق ڈھل چکے ہیں، تو اس نے ترجیح دی کہ کوفہ کو خاندانِ بنی امیہ کے کسی فرد کے حوالہ کیا جائے؛ جبکہ کوفہ میں دوسرے شہروں کی نسبت، علی علیہ السلام کے شیعہ اور پیروکار زیادہ تھے۔ اس نے مغیرہ بن شعبہ کو معزول کرکے سعید بن عاص کو کوفہ کا گورنر بنادیا۔ مغیرہ جاہ طلب شخص تھا اور دنیا کی عارضی ریاست کو امتِ رسول علیہ السلام کی گمراہی کے بدلے خریدنے کے لیے حاضر تھا۔ مغیرہ نے سوچا کہ اگر اس نے کوئی قدم نہ اٹھایا تو کوفہ کی حکومت اس کے ہاتھ سے چلی جائے گی؛ لہٰذا اس نے شام جاکر یزید سے ملاقات کی اور اسے کہا: "پیغمبر علیہ السلام کے برجستہ اصحاب اور قریش کی محترم اور بزرگ شخصیات دنیا سے جاچکی ہیں اور صرف ان کی اولادیں زندہ ہیں؛ تم اُن میں سے سب سے زیادہ دور اندیش اور رسول خدا علیہ السلام کی سیاست اور سنت کے متعلق سب سے زیادہ آگاہ ہو۔ مجھے نہیں معلوم کہ امیر المؤمنین (معاویہ) تیرے لیے بیعت کیوں نہیں لے رہے؟!" یزید نے پوچھا: کیا تیری نظر میں یہ ممکن ہے؟ مغیرہ نے کہا: ہاں ممکن ہے۔

یزید نے مغیرہ کی ساری باتیں اپنے باپ معاویہ کو بتائیں۔ معاویہ نے مغیرہ کو بلا کر پوچھا: یزید کیا کہتا ہے؟ مغیرہ نے کہا: اے امیر المؤمنین آپ خود جانتے ہیں کہ حضرت عثمان کے بعد امت میں، کیسا فتنہ اور اختلاف پھیل گیا تھا۔ تیری موت قریب ہے اور مجھے اس بات کا خوف ہے کہ عثمان کے بعد جس مصیبت میں لوگ مبتلا ہوئے تھے، تیری موت کے بعد بھی مبتلا ہوں؛ پس آپ، کسی شخص کو لوگوں کا رہبر اور حاکم مقرر کردیں، جو ان کا ملجا و ماؤی قرار پائے۔ یزید آپ کا جانشین ہے؛ اس کے لیے لوگوں سے بیعت لے، تاکہ اگر تیرے ساتھ کوئی حادثہ پیش آجائے تو وہ لوگوں کی پناہ گاہ اور تیرا جانشین ہو؛ خون بھی نہ

---

[1] ابن اعثم، الفتوح، ترجمہ محمد بن احمد مستوفی ہروی، ص ۷۹۲۔

ہے اور فتنہ بھی کھڑا نہ ہو۔ معاویہ نے کہا: اس کام میں میری مدد کون کرے گا؟ مغیرہ نے کہا: میں کوفہ کو، اور زیاد بن ابیہ بصرہ کو تیرا مطیع بنالے گا۔ ان دو شہروں کے بعد کوئی تیری مخالفت نہیں کر سکتا۔[۱] معاویہ نے کہا: اپنے کام (یعنی کوفہ کی گورنری) پر واپس چلے جاؤ اور اپنے بااعتماد لوگوں کے ساتھ اس معاملہ پر گفتگو کرو۔ تم رد عمل کو دیکھو اور ہم اس کے انجام کا اندازہ لگائیں گے۔ مغیرہ، اپنے ہمسفر ساتھیوں کے پاس واپس گیا اور ان سے کہا: میں نے امتِ محمدﷺ کی تباہی کے لیے معاویہ کے پاؤں ایسے ناکام امر کی رکاب میں پھنسا دیے ہیں کہ وہ کبھی اس سے نہیں نکل سکتا اور مسلمانوں کے درمیان ایسا شگاف پیدا کر دیا ہے جو کبھی بھر نہیں سکتا۔[۲]

مغیرہ، کوفہ روانہ ہوا اور یزید کے معاملہ کے بارے میں ان افراد سے مشورہ کیا جو اس کے مورد اعتماد اور بنی امیہ کے پیروکار تھے۔ انہوں نے قبول کیا کہ یزید کی بیعت کریں گے۔ مغیرہ نے ان میں سے دس[۳] افراد کو چنا اور ہر ایک کو تیس ہزار درہم دیے اور اپنے بیٹے موسیٰ کو ان کا سرپرست بنا کر معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ جب یہ وفد معاویہ کے پاس گیا اور اس کے سامنے بیعت کے معاملہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور اسے عملی جامہ پہنانے کی سفارش کی۔ معاویہ نے ان سے کہا: اس راز کو فاش کرنے میں جلدی نہ کرنا اور اپنی رائے پر قائم رہنا۔ پھر موسیٰ بن مغیرہ کو کہا: تیرے باپ نے ان کا دین کتنے میں خریدا ہے؟ اس نے کہا: تیس ہزار درہم (یا چار سو دینار) میں۔ معاویہ نے کہا: ان کا دین کتنا پست ہو چکا ہے (کہ اتنا سستا بیچ دیا ہے)[۴]۔ پھر ان سے کہا: تمہاری رائے کے بارے میں سوچوں گا۔ جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو گا، اسی کا حکم دے گا۔ صبر واستقامت، جلد بازی سے بہتر ہے[۵]۔

---

[۱]۔ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۰۸؛ ابن قتیبہ اور طبری نے اس واقعہ کو مختصر کرکے لکھا ہے: ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص۱۸۷؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۰۱تا۳۰۲۔

[۲]۔ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۰۸۔

[۳]۔ابن اثیر نے دوسری روایت میں ان کی تعداد چالیس بیان کی ہے (سابقہ حوالہ)

[۴] یا اس طرح کہا: اس نے معلوم کر لیا کہ ان کا دین ان کی نظر میں بہت ہی بے قیمت ہو چکا ہے (سابقہ حوالہ، ص۵۰۹)۔

[۵] سابقہ حوالہ

معاویہ کا زیاد کے ساتھ مشورہ

ان واقعات کے بعد معاویہ نے مزید جرأت اور ولولے کے ساتھ یزید کی ولی عہدی کے مسئلہ کا تعاقب کیا؛ لہٰذا اُس کسی کو زیاد بن سمیہ کے پاس بھیجا اور اس کی رائے طلب کی۔ زیاد نے اپنے بااعتماد شخص عبید بن کعب نُمیری کے ساتھ اس بارے میں مشورہ کیا۔ عبید بن کعب نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ میں یزید کے پاس جاؤں اور اسے کہوں کہ معاویہ نے زیاد کو خط لکھا ہے اور اس سے رائے مانگی ہے اور تیری جانشینی کے لیے لوگوں سے بیعت لینا چاہتا ہے؛ لیکن زیاد بن سمیہ کو خطرہ ہے کہ لوگ تیرے کردار پر اعتراضات کی وجہ سے انکار کر دیں۔ لہٰذا زیاد یہ سمجھتا ہے کہ تم ایسے کاموں سے ہاتھ اٹھالو تاکہ لوگوں کے ہاں تیرے مفاد میں حجت تمام ہو سکے اور معاویہ کی خواہش بھی پوری ہو جائے۔ پھر عبید بن کعب نے زیاد بن سمیہ سے کہا: اس طرح تم نے معاویہ کی خیر خواہی سے دریغ بھی نہیں کیا اور امت کے انجام کے خطرے سے بھی آسودہ خاطر ہو گئے ہو۔

زیاد بن سمیہ کو عبید بن کعب کی رائے پسند آئی، لہٰذا عبید بن کعب، یزید کے پاس گیا اور جو کچھ طے ہو چکا تھا اسے کہا۔ یزید نے (وقتی طور پر لوگوں کی رضایت حاصل کرنے کے لیے) بہت سے غلط کام ترک کر دیے۔ پھر زیاد بن سمیہ نے عبید بن کعب کو خط دے کر معاویہ کے پاس بھیجا۔ زیاد بن سمیہ نے اس خط میں معاویہ کو لکھا تھا کہ اس معاملہ میں صبر و استقامت سے کام لے اور جلد بازی نہ کرے۔ معاویہ نے زیاد بن سمیہ کی بات مان لی[1]۔

لیکن یعقوبی نے اس بارے میں لکھا ہے: جب معاویہ کا خط زیاد بن ابیہ کو ملا تو اس نے خط پڑھنے کے بعد اپنے ایک ایسے ساتھی کو اپنے پاس بلایا، جس کی فہم و فراست پر اسے یقین تھا، اور اس سے کہا: میں تجھے ایک ایسی چیز کا امین بنانا چاہتا ہوں جس پر میں حتی کہ خط کے متن کو بھی امین نہیں سمجھتا؛ معاویہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو: آپ کا خط مجھے ملا ہے؛ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اگر لوگوں کو یزید کی بیعت کی دعوت دیں

[1]۔ سابقہ حوالہ؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۰۲۔۳۰۳۔

تو وہ کیا کہیں گے ؟ وہ تو کتوں اور بندروں سے کھیلتا ہے اور ہمیشہ رنگ برنگے کپڑے پہن کر شراب پیتا ہے ،موسیقی کے ساتھ دن گزارتا ہے؟ حالانکہ حسین بن علی، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر جیسی شخصیات لوگوں کے سامنے موجود ہیں؛ [1]لہذا اگر تم یزید کو حکم دو کہ وہ ایک دو سال تک اپنے آپ کو اچھے اخلاق سے مزیّن کرلے، تو شاید اس معاملے پر لوگوں کو دھوکہ دے سکیں۔جب یہ خط معاویہ کے پاس پہنچا تو اس نے کہا: افسوس ہے مجھ پر؛ مجھے خبر ملی تھی کہ لوگوں نے اس کے کان بھر رکھے ہیں کہ میرے بعد وہ امیر ہو گا۔ اللہ کی قسم، میں اسے اس کی ماں سمیہ اور اس کے باپ عبید کی طرف واپس بھیج دوں گا[2]۔

معاویہ، اس کام کے لئے اپنی زندگی کے آخری سالوں تک مسلسل اقدامات کرتا رہا، یہاں تک کہ اسلامی معاشرہ پر یزید کی خلافت مسلط کرنے میں کامیاب ہو گیا۔اس سلسلہ میں معاویہ کے اقدامات اور کوششیں مندرجہ ذیل ہے۔

مدینہ کی طرف معاویہ کے سفر

معاویہ نے یزید کی بیعت کے سلسلہ میں مدینہ والوں کی رضایت، بالخصوص بزرگ شخصیات کی رضایت حاصل کرنے کے لیے، دو مرتبہ مدینہ منورہ کا سفر کیا۔یہ سفر اس وقت پیش آئے جب معاویہ، حج یا عمرہ کرنے کی غرض سے شام سے حجاز کی طرف گیا۔ معاویہ نے کس سال مدینہ والوں سے بیعت طلب کی ؟ یہ بات جاننے کے لیے ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ معاویہ کس سال حج یا عمرہ کرنے گیا۔ تاریخ کی قدیمی کتب کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ نے اپنی بیس سالہ حکومت کے دوران دو مرتبہ حج

---

[1] ۔ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج۸، ص۸۶۔

[2] ۔یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص۲۲۰۔

کیا۔ پہلی مرتبہ سنہ ۴۴ ہجری میں، جبکہ دوسری مرتبہ سنہ ۵۰[1] ہجری میں؛ اسی طرح سنہ ۵۶ ہجری کو عمرہ کے لیے بھی گیا[2] اور چند روز مدینہ میں قیام کیا۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، سنہ پچاس ہجری کے دوسرے حصے میں مغیرہ نے یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ اٹھایا تھا، لہذا معاویہ کا سنہ ۴۴ ہجری والا سفر، اس موضوع سے خارج ہے۔ اس بنا پر، کہا جا سکتا ہے کہ معاویہ نے پچاس اور چھپن ہجری میں یزید کی بیعت کے لیے مدینہ کی طرف سفر کیے۔ ہم اس کتاب میں زمانے کے لحاظ سے ان سفروں کی ترتیب کو مد نظر رکھتے ہوئے، انہیں پہلے اور دوسرے سفر کے ساتھ تعبیر کریں گے۔

معاویہ کا پہلا سفر

مدینہ کے لوگوں اور سر کردہ شخصیات سے بیعت لینے کی راہ ہموار کرنے کے لیے معاویہ کا پہلا سفر سال ۵۰ ہجری میں انجام پایا۔ ابن قتیبہ دینوری نے مدینہ کی سر کردہ اور بزرگ شخصیات کے ساتھ معاویہ کی ملاقات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جسے ہم یہاں ذکر کرتے ہیں:

جب معاویہ، مدینہ منورہ میں اپنی رہائش گاہ پر پہنچا تو اس نے شہر کی با نفوذ شخصیات یعنی عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن جعفر، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر کو بلایا۔ جب یہ سب لوگ معاویہ کے پاس پہنچے تو اُس نے چوکیدار کو حکم دیا کہ جب تک یہ لوگ میرے پاس موجود ہیں کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں۔ یہ لوگ بیٹھ گئے اور معاویہ نے اپنی گفتگو کے آغاز میں

اللہ کی حمد و ثنا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی رسالت کی گواہی دینے کے بعد، ان کو مخاطب کر کے کہا: "میں بوڑھا ہو چکا ہوں، میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور میری موت قریب ہے۔ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ

---

[1]۔ ابن سعد، ترجمۃ الامام الحسن، ص۷۹؛ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص۲۳۸؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۲۱۵؛ ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق الکبیر، ج۲۳، ص۹۱،۸۹؛ کیا معاویہ کا دوسرا سفر حج ۵۰ ہجری میں تھا یا ۵۱ ہجری میں؟ مؤرخین کا اختلاف ہے (رجوع کریں: طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۲۴۰؛ ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق الکبیر، ج۶۲، ص۱۱۰-۱۱۱؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص۱۴۲)۔

[2]۔ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص۲۳۸؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۰۱؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص۸۵۔

کسی بھی وقت مجھے اللہ کی طرف بلالیا جائے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے بعد یزید کو خلیفہ مقرر کروں۔ آپ لوگوں سے میرا تقاضہ یہ ہے کہ اس کام پر راضی ہوں۔ آپ قریش کے عبد اللہ (سربراہ) ہیں اور آپ سب سے بہترین ہیں اور بہترین لوگوں کی اولاد ہیں۔ میں نے حسن اور حسین کو اس لئے نہیں بلایا کہ وہ علی علیہ السلام کے بیٹے ہیں؛ اگرچہ اُن کے بارے میں مثبت نظر رکھتا ہوں اور ان دونوں کو محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ پس میں آپ لوگوں کے بہترین جواب کا منتظر ہوں؛ آپ پر اللہ کی رحمت ہو"[1]۔

بزرگان مدینہ کا جواب

عبد اللہ بن عباس نے اللہ تعالی کی حمد وثنا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی رسالت کی گواہی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ پر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ کی آل پر دورد بھیجنے کے بعد کہا: "تم نے گفتگو کی اور ہم خاموش رہے، تم نے کہا اور ہم نے سنا، (لیکن جان لے کہ) اللہ تعالی نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو اپنی رسالت کے لیے منتخب کیا، ان پر وحی نازل کی اور ان کو اپنی مخلوقات پر فضیلت اور برتری عطا فرمائی۔ سب سے زیادہ صاحبِ شرافت وہ شخص ہے جسے ان کے ذریعے سے شرافت ملی ہے، اور خلافت اور حکومت کے لیے سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جو سب سے زیادہ ان کے قریب ہے۔ لوگوں پر واجب ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے سامنے سر تسلیم خم کریں، کیونکہ اللہ تعالی نے ان کو لوگوں کے لیے منتخب کیا ہے..."

پھر عبد اللہ بن جعفر نے کہا: "...اگر اس خلافت میں قرآن کے حکم کا لحاظ رکھا گیا ہے تو قرآن میں بعض رشتہ دار دوسرں رشتہ داروں سے زیادہ حقدار ہیں؛[2] اور اگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی سنت معیار ہے تو ان کا خاندان اس امر (خلافت) کے لیے زیادہ حقدار ہے؛ اور اگر حضرت ابو بکر اور عمر کی سنت پر عمل کیا گیا ہے تو خاندانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ سے زیادہ کامل اور حقدار کون ہو سکتا ہے؟! اللہ کی قسم، اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی رحلت کے بعد خلافت کو ان کے خاندان کے سپرد کر دیا جاتا تو یہ اپنے اصلی مقام پر ہوتی، اور اللہ تعالی کی اطاعت

---

[1]۔ ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص ۱۹۴۔

[2]۔ الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ (سورہ انفال، آیت ۷۵)۔

ہوتی، شیطان کی پیروی نہ ہوتی، حتی دو افراد کے درمیان بھی اختلاف وجود میں نہ آتا اور ان کے درمیان تلوار نہ اٹھتی۔ پس اے معاویہ! خدا سے ڈر! تو حاکم ہے اور ہم تیری حکومت کے ماتحت ہیں۔ اپنی حکومت کے ماتحت لوگوں کے معاملات پر غور کر، کیونکہ کل تم ان کے سامنے جوابدہ ہوگے۔ تم نے میرے چچا زاد کے بارے میں بات کی اور انہیں یہاں نہیں بلایا؛ اللہ کی قسم، تیرا رویہ حق کے مطابق نہیں تھا، حالانکہ ان کے بغیر خلافت تیرے لیے جائز نہیں ہے اور تو جانتا ہے کہ وہ دونوں علم اور شرافت کا سرچشمہ ہیں... "

عبداللہ بن زبیر نے بھی معاویہ کی پیشکش کے جواب میں کہا: "...یہ خلافت فقط قریش کے لیے ہے جسے وہ اپنے افتخار اور نیک کردار کی وجہ سے حاصل کرتے ہیں، نیز یہ کہ اُن کے آباو اجداد بزرگ، اور ان کی اولاد مہربان ہے۔ اے معاویہ! اللہ کا تقوی اختیار کرو اور (اس بارے میں) انصاف سے کام لو۔ یہ عبداللہ بن عباس، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے چچازاد ہیں؛ اور یہ عبداللہ، اُس جعفر (طیار) کے بیٹے ہیں جس کو اللہ تعالی نے بہشت میں دو پر عطا کیے ہیں اور یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے چچازاد ہیں؛ اور میں عبداللہ بن زبیر، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کا چچازاد ہوں۔ علی علیہ السلام کی یادگار حسن و حسین علیہما السلام ہیں اور تو جانتا ہے کہ یہ دونوں کون ہیں اور کس شخصیت کے مالک ہیں۔ اے معاویہ! اللہ سے ڈرو؛ تم خود ہی ہمارے اور اپنے درمیان فیصلہ کرنے والے ہو"[1]۔

عبد اللہ بن عمر نے بھی معاویہ کے جواب میں یوں کہا: "...یہ خلافت (مشرقی روم کے بادشاہ) ہر قل، (مغربی روم کے بادشاہ) قیصر اور (ایران کے شہنشاہ) کسری کی خلافت کی طرح نہیں ہے کہ ان کی اولادیں اپنے آباو اجداد سے وراثت میں لیں۔ اگر ایسا تھا تو مجھے اپنے باپ کے بعد یہ اقدام کرنا چاہیے تھا۔ اللہ کی قسم؛ میرے باپ نے مجھے اسی وجہ سے چھ رکنی شوری کا رکن نہیں بنایا کیونکہ یہ کافی نہیں ہے کہ (باپ کی) خلافت کی وجہ سے بیٹا بھی خلافت کا امیدوار ہو، بلکہ خلافت فقط قریش کے لیے ہے، اور اس شخص کے ساتھ خاص ہے جو اس کی صلاحیت رکھتا ہو، اور جسے مسلمان سب سے زیادہ پرہیز گار اور اس پر

[1] ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص ۱۹۴-۱۹۵۔

راضی ہونے کی وجہ سے اپنے لیے پسند کریں۔ اگر تم قریش کے کسی جوان کو اس امر کے لیے انتخاب کرنے کا ارداہ رکھتے ہو، تو مجھے اپنی جان کی قسم، اگرچہ یزید بھی قریشی جوان ہے لیکن تم جان لو کہ یزید تجھے خدا سے بے نیاز نہیں کر سکتا"[1]۔

معاویہ کی دوبارہ گفتگو

معاویہ نے ان سب کے جواب میں کہا: "میں نے بھی گفتگو کی اور تم نے بھی کی؛ آباواجداد چلے گئے اور اولاد باقی رہ گئی۔ میں اپنے بیٹے کو ان کے بیٹوں سے زیادہ چاہتا ہوں۔ تم لوگ میرے بیٹے کے ساتھ ہم کلام ہو کر دیکھ لو، تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کتنا سخنور ہے۔ یہ خلافت عبد مناف کی اولاد کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ وہ رسول خدا ﷺ کے رشتہ دار ہیں۔ جب رسول خدا ﷺ دنیا سے چلے گئے تو لوگوں نے ابو بکر و عمر کو خلافت پر پہنچا دیا حالانکہ وہ بادشاہت اور خلافت کے خاندان میں سے نہیں تھے؛ اس کے باوجود انہوں نے اچھی سیرت پر عمل کیا۔ پھر حکومت عبد مناف کی اولاد میں منتقل ہو گئی اور قیامت تک انہی کے ہاتھ میں رہے گی۔ اے ابن زبیر اور ابن عمر! اللہ تعالی نے تمہیں اس سے محروم کیا ہے؛ لیکن اگر اللہ نے چاہا تو میرے یہ دونوں چچازاد (عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن جعفر) خلافت سے محروم نہیں رہیں گے"۔

اس گفتگو کے بعد معاویہ نے حکم دیا کہ اس کا کاروان تیار کیا جائے، اور پھر وہ مدینہ سے چل پڑا اور سنہ ۵۱ ہجری تک یزید کی بیعت کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ ان چاروں شخصیات کو حسب سابق تحفے اور ہدیے دیتا رہا[2]۔

لیکن یعقوبی نے یزید کے لیے معاویہ کی بیعت طلبی کو امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد سمجھا ہے؛ وہ لکھتے ہیں: "چار شخصیات یعنی حسین بن علی علیہ السلام، عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن عمر اور عبد الرحمن بن ابی بکر

---

[1]۔ سابقہ حوالہ، ص ۱۹۵-۱۹۶۔

[2]۔ سابقہ حوالہ، ص ۱۹۶

نے بیعت سے انکار کیا"۔ اگرچہ یعقوبی نے معاویہ کے مدینہ منورہ کے سفر کے بارے میں کچھ نہیں لکھا، لیکن اس بارے میں عبد اللہ بن عمر کی مخالفت کو یوں بیان کیا ہے: اگر ہم ایسے شخص کی بیعت کریں جو بندروں اور کتوں سے کھیلتا ہے، شراب پیتا ہے اور کھلم کھلا فسق و فجور انجام دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا عذر پیش کریں گے؟[1]

یعقوبی نے ابن زبیر کا یہ جواب نقل کیا ہے: خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کے حکم کو تسلیم نہیں کرنا چاہیے جبکہ اس مخلوق نے ہمارے دین کو تباہ کیا ہو[2]۔

البتہ یعقوبی نے مزید لکھا ہے کہ معاویہ نے اس سال حج کیا، لوگوں پر نوازش کی اور ان کو بیعت پر مجبور نہیں کیا[3]۔

دمشق میں یزید کی ولی عہدی کی نمائشی حمایت[4]

یزید کی جانشینی کو حتمی شکل دینے کے لیے معاویہ کا ایک اقدام یہ تھا کہ اس نے دوسرے اسلامی ممالک کے نمائندوں کو شام بلایا تاکہ وہ طے شدہ پروگرام کے مطابق نزدیک سے یزید کی ولی عہدی کی حمایت کا اعلان کریں۔ اس دعوت کے جواب میں کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، مصر اور جزیرہ وغیرہ کے تمام شہروں سے[5] لوگ گروہ در گروہ معاویہ کے پاس گئے۔ اس دور کا فقیہ احنف بن قیس[6] بھی دمشق میں مدعو

[1]۔ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص۲۲۸۔

[2]۔ سابقہ حوالہ،

[3]۔ سابقہ حوالہ، ص۲۲۹۔

[4]۔ ابن اعثم، (کتاب الفتوح، ج۴، ص۳۳۲)۔ اور ابن عبد ربہ اندلسی (العقد الفرید، ج۴، ص۳۴۴) نے اس واقعہ کو سال ۵۵ ہجری میں اور ابن اثیر (الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۱۰) نے ۵۶ ہجری میں اور مسعودی (مروج الذهب و معادن الجوہر، ج۳، ص۳۶) نے ۵۹ ہجری میں لکھا ہے۔

[5]۔ ان دنوں جزیرہ سے مراد عراق کا ایک علاقہ تھا جو دجلہ و فرات کے درمیان موجود ہے۔

[6]۔ ابو بحر احنف بن قیس (تمیمی) بصرہ کے بزرگان میں سے تھا اور اس قدر حلم و بردباری سے مزین تھا کہ عرب کے درمیان ضرب المثل تھا (شیخ عباس قمی، سفینۃ البحار، ج۲، ص۴۷۴)۔ شیخ طوسی نے اس کو پیامبر اکرم صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم، امیر المؤمنین علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام کے اصحاب میں سے شمار کیا ہے (رجال الطوسی، ص۹۳، ۵۷، ۴۱، ۲۶)۔ جنگ جمل میں اپنے خاندان کو جو کہ ناکثین کی طرف تمایل پیدا کر چکے تھے، جنگ سے دور رکھنے کے لیے امیر المؤمنین علیہ السلام کی اجازت سے جنگ میں شریک نہ ہوا؛ لیکن جنگ صفین میں آپ کی رکاب میں معاویہ کے ساتھ لڑا۔ اس کے باوجود سب نے کہا ہے کہ اس نے صفین کے

مہمانوں میں سے تھا۔ معاویہ نے اپنے دربار میں ان شہروں کے نمائندوں کے ساتھ یزید کی بیعت کے بارے میں مشورہ کیا۔ مدینہ کے ایک شخص محمد بن عمرو نے کھڑے ہو کر کہا: اے معاویہ! تم نے یزید کے بارے میں جو کچھ سوچا ہے وہ اس چیز کی لیاقت رکھتا ہے؛ مجھے اپنی جان کی قسم، وہ ثروت کے لحاظ سے قدرتمند اور بہترین نسب کا مالک ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ ہر حکمران سے اس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں پوچھے گا۔ اے معاویہ! اللہ سے ڈرو اور غور و فکر کرو کہ امتِ محمد علیہ السلام کا معاملہ کس کے سپرد کر رہے ہو؟! ۔معاویہ نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر کہا: اے عمرو کے بیٹے تو خیر خواہ آدمی ہے۔ تو نے اپنی رائے بیان کر دی ہے اور اس سے زیادہ تجھ سے توقع نہیں کی جاسکتی؛ لیکن اصحاب کے بیٹوں میں سے صرف میرا بیٹا اور اُن کے بیٹے باقی ہیں اور میرے نزدیک میرا بیٹا ان کے بیٹوں سے بہتر اور زیادہ محبوب ہے۔ یہ سن کر لوگ خاموش ہو گئے اور میٹنگ ختم ہو گئی۔[۱]

دوسرے روز معاویہ نے ضحاک بن قیس فہری کو اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا: "میں تقریر کرنا چاہتا ہوں، پس جب محفل لوگوں سے بھر جائے اور مجھے خاموش دیکھو تو (کھڑے ہو کر) مجھے یزید کی ولی عہدی کے لیے بیعت لینے کی دعوت دینا اور مجھے اس کام کی تشویق و ترغیب دلانا"۔[۲]

پھر معاویہ نے عبد الرحمن بن عثمان ثقفی، عبد اللہ بن مَسعدہ فِرازی، ثَور بن مَعَن سُلَمی اور عبد اللہ بن عِصام اشعری کو بلایا اور ان سے کہا کہ ضحاک کی گفتگو کے بعد کھڑے ہو جانا اور اس کی بات کی تائید کرنا اور مجھ سے یزید کی بیعت لینے کا مطالبہ کرنا۔[۳]

بارے میں کہا تھا: عرب ہلاک ہوئے۔ مزید آگاہی کے لیے رجوع کریں: نصر بن مزاحم منقری، وقعۃ صفین، ص۳۸۷۔ محمد تقی تستری؛ قاموس الرجال ج۱، ص۶۹۱؛ ابن عبد البر قرطبیؔ، الاستیعاب، ج۲، ص۲۷۱-۲۷۲۔

[۱]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۴، ص۳۳۲؛ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ج۴، ص۳۴۵۔

[۲]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۴، ص۳۳۲۔

[۳]۔ ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص۱۸۸؛ ابن ابی الحدید نے اس کے مشابہ ایک واقعہ مختصر طور پر ذکر کیا ہے اس نے اس خبر میں فقط عمرو بن سعید اشدق کے کلام کی طرف اشارہ کیا ہے (ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغۃ، ج۱۷، ص۴۵-۴۶)۔

ابن قتیبہ نے یہ نمائش تشکیل دینے والے تمام افراد کا ذکر کیا ہے۔ واضح ہے کہ اس طرح کا اجتماع تشکیل دینے کا مقصد، حاضرین سے علانیہ حمایت لینا، انہیں مرعوب کرنا اور بالآخر ان لوگوں کو تسلیم کرنا تھا جن کے بارے میں احتمال تھا کہ وہ یزید کی جانشینی پر شروع میں راضی نہیں ہوں گے۔ معاویہ نے ان سے پوچھا: کیا تم لوگ یزید کی جانشینی کے حامی ہو؟ انہوں نے مثبت جواب دیا، حالانکہ احنف بن قیس جیسے بعض لوگ یزید کی خلافت کے مخالف تھے۔ اسی لیے معاویہ نے احنف بن قیس کو لوگوں کے درمیان سے تلاش کیا اور اسے کہا کہ اس بارے میں گفتگو کرے۔ احنف نے گفتگو کے دوران معاویہ کو مخاطب کر کے کہا: اے امیر المؤمنین! خیال کرنا کہ اپنے بعد خلافت کس کے حوالہ کر رہے ہو؟! اس کے بعد لوگوں کی پیشکش ٹھکرانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جن لوگوں نے تجھے یہ رائے دی ہے، وہ تجھے دھوکہ دینے کا ارادہ رکھتے ہوں اور تیرے کام میں غور کرنا نہ چاہتے ہوں، حالانکہ تو ان کے معاملہ میں تیز بین اور اطاعت کی پائیداری میں ان سے زیادہ دانا ہے۔ اس کے علاوہ جب تک حسن علیہ السلام زندہ ہیں، حجاز اور عراق کے لوگ اس کام پر راضی نہیں ہوں گے اور یزید کی بیعت نہیں کریں گے۔

چونکہ احنف کی گفتگو نے حاضرین کو شک و تردید میں مبتلا کر دیا تھا، لہٰذا ضحاک غصہ میں آ گیا اور احنف کی مخالفت میں زبان کھولنے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے عراقیوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا: "یہ منافق لوگ، سبھی عراقی ہیں... انہوں نے شیطان کو اپنا پیشوا اور شیطان نے ان کو اپنی جماعت بنا رکھا ہے... جو حکومت اللہ تعالیٰ نے معاویہ کو دی ہے اس میں حسن علیہ السلام اور اس کے خاندان کا کیا حصہ ہے؟! خبردار؛ خلافت کبھی موروثی نہیں ہے..."

احنف نے ضحّاک کے جواب میں دوبارہ گفتگو کرتے ہوئے کہا: اے معاویہ! تو جانتا ہے کہ عراق کو تو نے، نہ فوج کی طاقت سے فتح کیا اور نہ جنگ کے ذریعہ ان پر مسلط ہوا؛ بلکہ تم نے حسن بن علی علیہ السلام کے ساتھ عہد و پیمان باندھا۔ اس پیمان کی ایک شق کے مطابق تیرے بعد خلافت حسن علیہ السلام کو ملنی چاہیے۔ اگر تو اس پیمان پر عمل کرے تو وفادار ہو گا اور اگر فریب دینا چاہے تو تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ حسن علیہ السلام کے پیچھے اہم فوج، طاقتور بازو اور تیز تلواریں موجود ہیں۔ اگر تو مکر و فریب کے ذریعے ایک

بالشت بھی آگے بڑھے گا تو دیکھ لینا کہ اس کی مدد کرنے والے بہت زیادہ ہیں۔ تو جانتا ہے کہ اہل عراق جب سے تجھے اپنا دشمن سمجھنے لگے ہیں، تجھے پسند نہیں کرتے اور جب سے علی علیہ السلام اور حسن علیہ السلام کے ساتھ محبت کرتے ہیں، ان سے دشمنی نہیں کرتے اور اب تک ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ انہوں نے صفین میں تیرے خلاف جو تلواریں نکالی تھیں وہ اب بھی ان کے پاس موجود ہیں اور تیرے لیے کینہ سے سرشار وہی دل بھی ان کے سینے میں باقی ہیں۔ اللہ کی قسم؛ عراق والے، علی علیہ السلام سے بڑھ کر حسن علیہ السلام کو چاہتے ہیں۔

اب عبد الرحمن بن عثمان، معاویہ کے دفاع کے لیے کھڑا ہوا اور احنف کی بات کو غلط قرار دینے کے ساتھ ساتھ معاویہ کو اس معاملے میں ترغیب دلانے کے لیے گفتگو کی۔ معاویہ نے جب دیکھا کہ ڈرانے دھمکانے اور طاقت استعمال کرنے کے لیے ماحول مناسب ہے تو اس نے دھمکی آمیز خوفناک گفتگو کی۔ چونکہ معاویہ کلی طور پر اس بحث و گفتگو سے راضی تھا لہذا اس نے خدمت کے بدلے ضحاک کو کوفہ اور عبد الرحمن بن عثمان کو جزیرہ[1] کا والی بنا دیا۔ اس کے بعد یزید بن مقنع نامی ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: "اے امیر المؤمنین! ہم قبیلہ مُضر کی باتوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ تیرے مرنے کے بعد یزید امیر المؤمنین ہو گا؛ (اس نے تلوار نیام سے نکالی ہوئی تھی اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ) اور جس نے انکار کیا، اسے اس (تلوار) کا سامنا کرنا ہو گا"۔ معاویہ نے اسے کہا: تو بہترین سخنور اور سب سے محترم شخص ہے۔[2]

جب احنف بن قیس نے دیکھا کہ معاویہ اپنے بات سے پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہے اور وہ ہر قیمت پر مسلمانوں کو یزید کی جانشینی قبول کرنے پر مجبور کرے گا تو وہ تیسری مرتبہ اٹھا اور کہا: اگر ہم سچ کہیں تو

---

[1]۔ ان ایام میں جزیرہ سے مراد عراق کا ایک علاقہ تھا جو دجلہ و فرات کے درمیان واقع تھا۔

[2]۔ ابن اعثم، کاب الفتوح، ج ۴، ص ۳۳۳؛ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ج ۴، ص ۳۴۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۱۱؛ لیکن کتاب الامامۃ و السیاسۃ (ج ۱، ص ۱۹۳) میں اس شخص کا نام ابوخنیف ذکر ہوا ہے اور مسعودی نے اس شخص کو قبیلہ ازد کا مرد لکھا ہے (مروج الذہب، ج ۲، ص ۳۷)۔

تجھ سے ڈرتے ہیں اور اگر جھوٹ بولیں تو خدا سے خوف آتا ہے۔[1] اے امیر المؤمنین! تو یزید کے دن رات کو ہم سے بہتر جانتا ہے اور اس کی خلوت و جلوت سے آگاہ ہے۔ اگر تو یزید کو اپنے لیے بہتر سمجھتا ہے تو اسے اپنا جانشین بنا دے اور اگر شر سمجھتا ہے تو پھر اسے دنیا پر حاکم نہ بنا، حالانکہ تو خود آخرت کی طرف جا رہا ہے؛ کیونکہ صرف وہی چیز بہتر ہے جو تجھے آخرت میں فائدہ پہنچائے۔ جان لے کہ حسن اور حسین علیہما السلام پر یزید کو برتری دینے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تیرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، جبکہ تو بخوبی جانتا ہے وہ کون ہیں اور کس شخصیت کے مالک ہیں۔ ہم صرف اس آیت کی تلاوت کر سکتے ہیں: "**سمعنا واطعنا غفرانك ربنا واليك المصير**؛ ہم نے پیغام الٰہی کو سنا اور اس کی اطاعت کی، پروردگار! اب تیری مغفرت درکار ہے اور تیری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے "۔[2] پھر لوگوں نے بیعت کی اور اپنے گھروں کو چل دیے۔[3]

مخالفین کو لالچ، دھمکی اور اُن کی سرزنش

یزید کی جانشینی کے راستے میں معاویہ کے لیے ایک اہم رکاوٹ، ایسی معروف اور بانفوذ شخصیات تھیں جو یزید کی خلافت کو قبول کرنے لیے تیار نہیں تھیں؛ کیونکہ وہ لوگ ہرگز یزید کو خلافت کے منصب کا اہل نہیں سمجھتے تھے؛ جیسے: امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام، عبد اللہ بن جعفر، عبد اللہ بن عباس، سعد بن ابی وقاص، عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن عمر، مروان بن حکم، عبد الرحمن بن خالد بن ولید، زیاد بن سمیہ اور سعید بن عثمان جیسی معروف شخصیات، یزید کی حکمرانی کے مخالف تھیں۔ معاویہ، ان شخصیات کو اپنا رقیب اور یزید کی ولایت عہدی کے لیے بڑی رکاوٹ سمجھتا تھا؛ چنانچہ اُس نے بعض کو دھمکا کر اور امام حسن علیہ السلام، سعد بن ابی وقاص اور عبد الرحمن بن خالد جیسی شخصیات کو قتل کروا کے اپنے مقصد تک پہنچنے کی کوشش کی۔

---

[1]۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۱۱۔

[2]۔ بقرہ ۲۸۵۔

[3]۔ ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج ۱، ص ۱۸۸-۱۹۴؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۴، ص ۳۳۳-۳۳۴؛ مسعودی، مروج الذہب، ج ۳، ص ۳۵-۳۶؛ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ج ۴، ص ۳۴۵-۳۴۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۱۱۔

ابن عبد البر نے عبد الرحمن کے قتل کے بارے میں لکھا ہے:

معاویہ نے اپنی ایک تقریر کے دوران شام کے لوگوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کا جانشین انتخاب کریں۔ انہوں نے عبد الرحمن بن خالد بن ولید کا نام پیش کیا۔ یہ بات معاویہ پر گراں گزری؛ لیکن اس نے اظہار نہیں کیا۔ کچھ دن بعد عبد الرحمن مریض ہو گیا اور معاویہ نے اپنے دربار کے یہودی طبیب کو حکم دیا کہ اس کو ایسا شربت پلائے کہ وہ زندہ نہ بچ سکے۔ طبیب نے اسے شربت پلایا اور وہ زہر کے اثر سے مر گیا[1]۔

ابو الفرج اصفہانی نے لکھتے ہیں: "معاویہ نے لوگوں سے اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لینے کا ارادہ کیا۔ حسن بن علی علیہ السلام اور سعد بن ابی وقاص کی مخالفت سے بڑھ کر اس کے لیے کوئی چیز گراں نہیں تھی۔ اس نے فریب کاری کے ساتھ دونوں کو زہر دیا اور وہ اس کے اثر سے چل بسے"[2]۔

مغیرہ بن مِقسم نے اس بارے میں لکھا ہے: حسن بن علی صلی اللہ علیہ وآلہ اور سعد بن ابی وقاص ایک ہفتے کے دوران دنیا سے چلے بسے۔ لوگ کہتے تھے: معاویہ نے دونوں کو اکٹھا زہر دیا ہے۔[3]

اسی طرح معاویہ نے زیاد بن سمیہ کو اس کے ماں باپ سے ملحق کرنے کی دھمکی دی؛[4] مروان کو مدینہ کی گورنری سے معزول کیا؛ سعید بن عثمان کو خراسان کی حکومت کا لالچ دیا؛[5] عبد اللہ بن عمر کو ایک لاکھ درہم دیے؛[6] اور باقی لوگوں کو لالچ یا مخالفت کی صورت میں قتل کی دھمکی دے کر یزید کی جانشینی کو پختہ کیا؛ لیکن یہ کام جلدی انجام نہیں پاسکا، بلکہ اسلامی معاشرے کو یزید کی خلافت قبول کروانے میں، معاویہ کو دس سال لگے۔ معاویہ، اپنی بھرپور کوششوں کے باوجود امام حسین علیہ السلام سے بیعت لینے میں کامیاب

[1] ۔ابن عبد البر قرطبی، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج ۲، ص ۳۷۳۔
[2] ۔ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص ۴۷
[3] ۔خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۱، ص ۱۳۶۔
[4] ۔یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج ۲، ص ۲۲۰۔
[5] ۔ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج ۱، ص ۲۱۴؛ ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق الکبیر، ج ۲۳، ص ۱۵۸-۱۵۹۔
[6] ۔ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۰۹۔

نہیں ہو سکا؛ لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کی موت کے بعد اموی حکومت کی مخالفت کا علم بلند کیا اور ان کے خلاف قیام کا آغاز کیا۔

امام حسن علیہ السلام کی شہادت اور معاویہ کی دوبارہ تحریک

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے وجود مبارک اور معاویہ کے ساتھ صلح کی وجہ سے یزید کی جانشینی کا مسئلہ شدید مشکل سے دچار تھا۔ معاویہ بخوبی جانتا تھا کہ جب تک امام حسن علیہ السلام زندہ ہیں تب تک اسے ارادے کو عملی جامعہ پہنانے کی بہت زیادہ اور ناقابل برداشت قیمت چکانا پڑے گی۔ ابن عبد البر نے اس بارے میں لکھا ہے: معاویہ، حسن علیہ السلام کی زندگی میں ہی یزید کے لیے بیعت لینے کا ارادہ رکھتا تھا اور اس کی طرف اشارے بھی کیا کرتا تھا؛ لیکن اُس نے حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد، اپنا ارادہ ظاہر کیا اور اس بارے حتمی فیصلہ کر لیا۔[1]

لہٰذا معاویہ نے اپنے پہلے سفر میں مدینہ کی بزرگ شخصیات کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد، امام حسن علیہ السلام کی شہادت تک یزید کی جانشینی کی بات نہیں چھیڑی؛ لیکن سنہ پچاس ہجری[2] میں امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد، معاویہ اور یزید کے لیے راستہ ہموار ہو گیا اور معاویہ، تھوڑی ہی مدت کے بعد، شام کے لوگوں سے یزید کے لیے بیعت لینے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس نے مختلف اسلامی شہروں کی طرف اس کے متعلق خطوط بھی لکھے۔

---

[1]۔ ابن عبد البر قرطبی، الاستیعاب فی معرفۃ الصحاب، ج۱، ص۴۴۱۔

[2]۔ ابن سعد، ترجمۃ الامام الحسن علیہ السلام، ص۹۱؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص۴۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۵؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الھدی، ص۲۰۶؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۳۴؛ آنحضرت کی شہادت کے بارے میں دوسرے اقوال بھی ہیں: ابن سعد، (رجمۃ الامام الحسن علیہ السلام، ص۹۷-۹۸) بلاذری (انساب الاشراف، ج۳، ص۲۹۹-۳۰۰) اور یعقوبی (تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص۲۲۵) نے سال ۴۹ق لکھا ہے۔ لیکن ابن قتیبہ دینوری، (الامامۃ والسیاسۃ ج۱، ص۱۹۶) اور ابو الفرج اصفہانی (مقاتل الطالبین کے ایک مقام پر) سال ۵۱ق ذکر کیا ہے۔

مروان کی حکومتِ مدینہ سے معزولی

معاویہ نے مدینہ کے حاکم مروان کو ایک خط میں، مصر، عراق اور شام کے لوگوں کی طرف سے یزید کی جانشینی کی حمایت اور بیعت کرنے کی خبر دی اور[1] لکھا:

میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں، مجھے خوف ہے کہ میرے بعد امت اختلاف اور انتشار میں مبتلا ہو جائے، لہٰذا میں نے ارادہ کیا ہے کہ ان کے لیے کسی شخص کو معین کروں جو زمامِ حکومت سنبھالے۔ میں تیرے مشورے کے بغیر یہ قدم نہیں اٹھانا چاہتا۔ اس شہر کے لوگوں کے سامنے یہ مسئلہ بیان کرو اور ان کا جواب مجھ تک پہنچاؤ[2]۔

تاریخی کتب میں یزید کی ولی عہدی کے بارے میں مروان کا موقف مختلف انداز سے بیان ہوا ہے؛ ابن قتیبہ نے لکھا ہے: جب مروان نے معاویہ کا خط پڑھا تو قریش کے ساتھ مل کر معاویہ کے فرمان پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور اسے جواب لکھا: "تیری قوم نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے اور میں یہاں پر تیری رائے کا منتظر ہوں"۔ جوں ہی معاویہ کو مروان کا خط ملا، وہ سمجھ گیا کہ یہ نافرمانی خود مروان کی طرف سے ہے؛ لہٰذا اس نے خط لکھ کر مروان کو خبر دی کہ میں نے تجھے مدینہ کی گورنری سے معزول کر دیا ہے اور تیری جگہ سعید بن عاص کو منصوب کیا ہے۔

جب مروان کو معاویہ کا خط ملا تو وہ پریشانی کے عالم میں اپنے خاندان، رشتہ داروں اور پھر اپنے ننھیال (جو قبیلہ بنی کنانہ سے تھے) کے پاس گیا اور ان کو یزید کی بیعت کے بارے میں اپنے اور معاویہ کے معاملے سے آگاہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا: "ہم، تیرے ہاتھ میں تیر اور تیری نیام میں تلوار (کی طرح) ہیں، تو ہمیں جس پر چلائے گا، ہم اس کو لگیں گے؛ اور ہمیں جہاں مارے گا، ہم وہاں کاٹ ڈالیں گے؛ مرضی صرف تمہاری ہے، اور ہم تیرے اختیار میں ہیں"۔

---

[1]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۴، ص ۳۳۴-۳۳۵؛ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ج ۴، ص ۳۴۶۔

[2]۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۰۹۔

مروان اپنے خاندان اور رشتہ داروں کے ساتھ دمشق روانہ ہوا اور معاویہ سے ملاقات کی۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت اور گذشتہ خلفاء کی سیرت بیان کی، یزید کی ولی عہدی پر اعتراض کیا اور معاویہ کو اس کام سے منع کیا۔ اگرچہ معاویہ، مروان کی باتوں سے غضبناک تھا لیکن اپنی دور اندیشی کی وجہ سے غصہ پی گیا۔ مروان اور اس کے خاندان کی تعریف کرنے کے بعد مروان کے لیے ہزار اور اس کے خاندان کے لیے سو درہم ماہانہ معین کر کے[1] ان کا منہ بند کر دیا۔

یہ بات واضح ہے کہ مروان جیسے لوگوں کا یزید کی ولی عہدی کی مخالفت کرنا، نہ ہی مسلمانوں کی دل سوزی کی وجہ سے تھا اور نہ اسلامی معاشرے میں دینی اور الٰہی اقدار کی حفاظت اور پاسداری کے ارادے سے تھا؛ بلکہ وہ خلافت کے لیے اپنے آپ کو یزید کا سیاسی رقیب، اس پر مقدّم اور اس سے زیادہ لائق سمجھتا تھا۔ اسی لیے اس نے یزید کی ولی عہدی کی مخالفت کی۔

مسعودی نے بھی مروان کے رد عمل کے بارے میں لکھا ہے: مروان، معاویہ کا خط پڑھ کر غضبناک ہو گیا۔ اس نے بنی کنانہ سے اپنے خاندان اور رشتہ داروں کو اکٹھا کیا اور معاویہ کے پاس شام گیا۔ اس نے معاویہ کے پاس پہنچ کر اس پر سلام کیا اور ایک لمبی تقریر کی۔ مروان نے اپنے تقریر میں معاویہ کی سرزنش کی، پھر کہا: اے ابوسفیان کے بیٹے! اچھی طرح معاملات کو انجام دے اور حکومت کو بچوں کے حوالہ کرنے سے باز آجا۔ جان لے کہ تیری قوم میں تیرے جیسے افراد موجود ہیں جو اہم امور میں تیری مدد کر سکتے ہیں۔ معاویہ نے کہا: "تو امیر المؤمنین کی مثل ہے اور مشکل حالات میں اس کا حامی، مددکار اور پشت پناہی کرنے والا ہے اور ولی عہد کے بعد تو ہی دوسرا فرد ہے"۔ پھر معاویہ نے اس کو یزید کا ولی عہد بنا کر مدینہ واپس بھیج دیا۔ اس کے بعد اُسے مدینہ کی حکومت سے معزول کر دیا اور ولید بن عتبہ بن ابوسفیان کو اس کی جگہ منصوب کر دیا اور اپنے اُس وعدے پر بھی عمل نہ کیا، جس میں مروان کو یزید کا ولی عہد بنایا تھا۔[2]

---

[1]۔ ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص۱۹۷-۱۹۹۔

[2]۔ مسعودی، مروج الذہب و معادن الجوھر، ج۳، ص۳۷-۳۸؛ تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۲۳۲۔

لیکن بعض کتب میں ذکر ہوا ہے کہ مروان نے معاویہ کی درخواست لوگوں کے سامنے پیش کی۔ لوگوں نے کہا: وہ اپنے مقصد تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ ہماری یہ درخواست قبول ہوگئی ہے کہ کسی کو ہمارے لیے معین کرے اور اس کام میں سستی نہ کرے۔ مروان نے یہ خبر معاویہ کو لکھی۔ معاویہ نے مروان کے جواب میں یزید کا نام پیش کیا۔ مروان نے لوگوں میں تقریر کی اور کہا: امیر المؤمنین نے ایک شخص کو تمہارے لیے انتخاب کیا ہے اور سستی اور کوتاہی نہیں کی۔ اس نے اپنے بیٹے یزید کو اپنی جانشینی کے لیے چن لیا ہے۔ عبدالرحمن بن ابو بکر کھڑا ہوا اور کہا: "اے مروان! اللہ کی قسم تو نے بھی جھوٹ بولا ہے اور معاویہ نے بھی۔ تمہیں امتِ محمد ﷺ کی خیر خواہی مطلوب نہیں ہے، بلکہ تم (اس طریقے سے) خلافت کو ہرَقل والی خلافت (یعنی بادشاہی) میں بدلنا چاہتے ہو۔ ایک ہرقل کے مرنے کے بعد دوسرا ہرقل اس کی جگہ پر آجائے"۔ مروان سے عبدالرحمن کی بات برداشت نہ ہو سکی، چنانچہ اس نے جواب میں عبدالرحمن کی طرف اشارہ کر کے کہا: یہ وہ شخص ہے جس کی مذمت قرآن نے کی اور فرمایا:

﴿والذی قال لوالدیہ اف لکما﴾[1]

یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے ماں باپ کو کہا: اُف ہو تم پر۔

عبدالرحمن کو مروان کی باتوں پر غصہ آ گیا اور اس نے مروان کو گالیاں دی اور کہا: نیلی آنکھوں والی ماں کے بیٹے![2] تو ہمارے بارے میں قرآن کی تاویل پیش کرتا ہے، حالانکہ تو خود دھتکارا ہوا اور دھتکارے ہوئے کا بیٹا ہے؟ پھر جلدی سے اس کی طرف گیا، اس کے پاؤں سے پکڑ کر کہنے لگا: اے دشمن خدا! منبر سے نیچے اتر۔ تجھ جیسے شخص میں یہ صلاحیت کہاں کہ اس منبر کی لکڑیوں پر سوار ہو کر اپنی زبان پر ایسا کلام جاری کرے (اور قرآن کی تاویل کرے)!!!۔ حضرت عائشہ (جو کہ عبدالرحمن کی پدری بہن تھیں)

[1] احقاف، ۱۷۔

[2] یہ مروان کی ماں کی صفت تھی کیونکہ رومیوں کی آنکھوں کا رنگ روشن تر تھا۔ عرب ایسے رنگ کو منفور اور مبغوض سمجھتے تھے۔ لہٰذا ایسی آنکھوں والے کی توہین کے لیے یہ لفظ استعمال کرتے تھے (فخر الدین طریحی، مجمع البحرین، ج۵، ص۱۷۶، مادہ زرق؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۹، ص۲۵۲؛ ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص۴۶-۴۷؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۴، ص۱۰۹ حاشیہ، اور ج۴۹، ص۲۵۲-۲۵۳۔

مروان کی بات سن کر پردے کے پیچھے کھڑی ہو گئیں اور کہا:[1] اے مروان، اے مروان!؛ لوگ خاموش ہو گئے اور وہ حضرت عائشہ کی طرف متوجہ ہوا۔ حضرت عائشہ نے کہا: تم نے عبد الرحمن سے کہا ہے کہ یہ آیت تیری سرزنش میں نازل ہوئی ہے؟! تم نے جھوٹ بولا ہے؛ وہ فلان بن فلان کا بیٹا ہے، لیکن تو ملعون زادہ ہے...۔[2]

امام حسین علیہ السلام اٹھے اور یزید کی ولی عہدی کا انکار کیا۔ عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر نے بھی ایسا ہی کیا۔ مروان نے ایک خط کے ذریعہ اس رد عمل اور مخالفت کی خبر معاویہ تک پہنچائی۔[3]

مروان اگرچہ اپنے آپ کو یزید سے افضل سمجھتا تھا، لیکن اُس نے معاویہ سے بھاری معاوضہ لے کر یزید کی ولی عہدی قبول کر لی۔

مدینہ کے لوگوں سے بیعت

معاویہ نے اپنے اقدامات جاری رکھے؛ اُس نے مدینہ کے نئے گورنر ولید بن عتبہ بن ابوسفیان[4] کو خط لکھا اور مدینہ کے لوگوں سے بیعت لینے کا حکم دیا۔ جب ولید نے معاویہ کا خط پڑھا تو لوگوں کو بیعت کرنے کو کہا۔ بنی ہاشم کے کسی فرد نے بھی اس کی بات تسلیم نہ کی۔ عبد اللہ بن زبیر ان لوگوں میں شامل تھے، جنہوں نے بیعت کی شدید مخالفت کی۔ معاویہ کا فرمان نافذ کرنے میں ناکام ہونے کے بعد ولید نے معاویہ کو خط لکھا: "تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ لوگوں کو یزید کی بیعت کی دعوت دوں اور تجھے مطلع کروں کہ کس نے اس میں سبقت کی اور کس نے سستی کی ہے۔ میں تجھے خبر دینا چاہتا ہوں کہ اس بارے میں لوگ سستی کر رہے ہیں اور بالخصوص بنی ہاشم میں سے کسی نے ابھی تک دعوت قبول نہیں کی اور ان کی طرف سے کچھ خبریں مجھے ملی ہیں، جنہیں بیان کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ لیکن ان میں سے جس نے دشمنی کی اور بیعت کا

---

[1] ۔ گویا یہ مذاکرات مسجد میں تھے اور حضرت عائشہ نے اپنے حجرہ میں پس پردہ مروان کی بات سن لی تھی۔

[2] ۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۰۹-۵۱۰۔

[3] ۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۴، ص ۳۳۵؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۰۹ - ۵۱۰؛ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ج ۴، ص ۳۴۷، ۳۴۶۔

[4] ۔ ابن قتیبہ دینوری نے جدید حاکم سعید بن عاص کو ذکر کیا ہے (الامامۃ والسیاسۃ، ج ۱، ص ۱۹۸-۱۹۹)

واضح انکار کیا ہے وہ عبد اللہ بن زبیر ہے۔ میں جنگجو جوانوں کو استعمال کیے بغیر بیعت نہیں لے سکتا، یا تم خود آؤ اور اس بارے اپنی رائے بیان کرو"۔

بزرگانِ مدینہ کو معاویہ کے خطوط اور ان کا جواب

جب معاویہ کو حاکمِ مدینہ کا جواب موصول ہوا تو اس نے عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن جعفر اور حسین بن علی علیہ السلام کو خطوط لکھے اور حاکمِ مدینہ کو حکم دیا کہ یہ خطوط ان تک پہنچائے اور ان کا جواب مجھے ارسال کرے۔

معاویہ نے حاکم مدینہ کو لکھا:

مجھے تیرا خط ملا ہے اور پتہ چلا ہے کہ مدینہ کے لوگ بالخصوص بنی ہاشم، یزید کی بیعت میں سستی کر رہے ہیں اور عبد اللہ بن زبیر نے جو کچھ کہا ہے وہ بھی مجھے معلوم ہوا ہے۔ میں نے سرکردہ شخصیات کو خطوط لکھے ہیں، یہ خطوط انہیں پہنچاؤ اور ان کا جواب مجھے ارسال کرو، تاکہ اس بارے میں اپنی رائے بیان کروں... حسین علیہ السلام کا خاص خیال رکھنا۔ خبردار؛ اس کے ساتھ برائی سے پیش نہ آنا؛ کیونکہ وہ ہمارا رشتہ دار ہے اور ہماری گردن پر اس کا حق ہے، جس کا کوئی مسلمان مرد اور عورت انکار نہیں کر سکتا۔ وہ جنگل میں ایک شیر کی طرح ہے اور مجھے خوف ہے کہ اگر تم نے اس کے ساتھ بحث و مجادلہ کیا، تو اس پر غلبہ نہیں پا سکتا۔ البتہ جو شخص درندوں کے ساتھ ہوتا ہے، اگر درندے پانی میں داخل ہوں تو وہ بھی داخل ہو جاتا ہے اور اگر وہ عقب نشینی کریں تو وہ بھی عقب نشینی کرتا ہے، اور وہ عبد اللہ بن زبیر ہے۔ اس سے شدید پرہیز کرنا۔ اگر خدا نے چاہا تو میں تیرے پاس آؤں گا۔[1]

عبد اللہ بن عباس کے نام معاویہ کا خط یوں تھا:

یزید کی بیعت کے سلسلہ میں، مجھے تیری سستی کی خبر ملی ہے۔ اگر میں تجھے عثمان کی وجہ سے قتل کر دوں تو اس کو اپنا حق سمجھتا ہوں، کیونکہ تم ہی اس کے قتل کے لیے تو لوگوں کو جمع کرنے والے تھے۔ تم میری طرف سے وامان میں نہیں ہو کہ مطمئن اور خوش رہو؛ اور ہمارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں

---

[1] ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص۱۹۹-۲۰۰۔

ہے جو تیرے سکون و اطمینان کا سبب ہو۔ جب میرا خط تجھے ملے، مسجد میں جا کر عثمان کے قاتلوں پر لعنت کرنا اور میرے گورنر کے ہاتھ پر بیعت کرنا...۔

ابن عباس نے اسے یوں جواب دیا:

تم نے یہ کہا کہ میں تجھ سے امان میں نہیں ہوں؛ اے معاویہ! اللہ کی قسم، امان کبھی تجھ سے نہیں بلکہ صرف پرودگارِ عالم سے طلب کی جاتی ہے۔ تم نے میرے قتل کی بات کی ہے؛ اللہ کی قسم، اگر تو مجھے قتل کر دے گا تو میں اپنے پروردگار کے دیدار کو چلا جاؤں گا، حالانکہ محمد علیہما السلام تیرے دشمن ہیں، اور جس کا دشمن اللہ کا رسول ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

معاویہ نے عبد اللہ بن جعفر کو لکھا:

تو جانتا ہے کہ میں تجھے دوسروں پر ترجیح دیتا ہوں۔ تیرے اور تیرے خاندان کے بارے میں اچھی سوچ رکھتا ہوں۔ تیرے بارے میں مجھے کچھ خبریں ملی ہیں، جن سے میں راضی نہیں ہوں۔ اگر تو بیعت کر لے تو میں تیرا شکر گزار ہوں اور اگر بیعت نہ کرے تو تجھے مجبور کیا جائے گا۔[1]

عبد اللہ بن جعفر نے جواب میں لکھا:

... تم نے کہا ہے کہ ہمیں یزید کی بیعت پر مجبور کرو گے؛ اگر تم ہمیں بیعت پر مجبور کرو گے تو (اس لئے کہ) ہم نے بھی تجھے اور تیرے باپ کو اسلام لانے پر مجبور کیا تھا۔ ہم نے تمہیں زبردستی اسلام میں داخل کیا ہے؛ حالانکہ تم نے دل سے اطاعت نہیں کی تھی ۔[2]

معاویہ نے امام حسین علیہ السلام کو اس طرح لکھا:

آپ کے بارے میں مجھے خبریں ملی ہیں۔ میرا گمان نہیں تھا کہ آپ کا جھکاؤ ان لوگوں کی طرف ہو گا۔ لوگوں میں سے بیعت کی وفاداری میں شائستہ ترین شخص وہی ہے جس کی شرافت، بزرگی اور منزلت و مقام آپ کی طرح ہو۔ امر خلافت میں تنازعہ نہ کرو۔ خدا سے ڈرو اور اس امت کو فتنہ میں نہ ڈالو۔ اپنا، اپنے دین اور امتِ محمد کا خیال کرو۔

---

[1]۔ سابقہ حوالہ، ص ۲۰۱، ۲۰۰۔

[2]۔ سابقہ حوالہ، ص ۲۰۱۔

قرآن کی اس آیت پر معاویہ نے خط کا اختتام کیا:

﴿وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ﴾؛[۱]

اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ آپ کو سبک نہ پائیں (اور راہ سے منحرف نہ کر پائیں)[۲]۔

امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کے جواب میں خط لکھا جو اس بات کا پتہ دیتا تھا کہ آپ عنقریب حکومتی نظام کے خلاف قیام کرنے والے ہیں[۳]۔

معاویہ نے عبد اللہ بن زبیر کو اشعار لکھے جن کا مضمون یہ تھا:

میں نے باعظمت لوگوں کو دیکھا ہے کہ اگر بردباری کا اظہار کرتے ہوئے ان کی لغزش سے درگزر کی جائے، تو وہ (باعظمت) لوگ بردباری کا مظاہرہ کرنے والے کے حق شناس نظر آتے ہیں۔ بالخصوص اگر وہ بُردبار شخص، منصبِ قدرت پر براجمان ہو، تو اس کی زیادہ قدر شناسی اور تجلیل و تشکر کرنا چاہیے۔ تم ملامت و سرزنش کے لائق بھی نہیں ہو کہ اگر کوئی دوسرا شخص اپنی بدکرداری کی وجہ سے زیادہ سرزنش کر بیٹھے تو تیرے عذر کا سبب بنے؛ بلکہ تم ایک مکار انسان ہو، جس کو دھوکہ بازی کے علاوہ کوئی کام نہیں اور شیطان نے اس سے پہلے آدم کو فریب دیا، لیکن حقیقت میں اپنے آپ کو دھوکہ دیا اگرچہ پہلے وہ عزیز اور محترم تھا۔ مجھے خوف ہے کہ تم اپنے کردار کے ذریعہ جس چیز کے پیچھے ہو، مَیں تجھے (سزا) دے دوں، پھر اللہ تعالی ظالم انسان کو اس کے انجام تک پہنچادے۔

ابن زبیر نے معاویہ کے جواب میں اشعار لکھے جن کا مضمون یہ تھا:

جان لے؛ اُس اللہ نے تیرا کلام سن لیا ہے، جس کا میں بندہ ہوں۔ وہ پروردگارِ عالم ہے۔ اس نے ظالم کو، خدائے حلیم کے سامنے گستاخی کرنے والے اور دوسروں کی طرف گناہ کی نسبت دینے والے کو رسوا کیا ہے۔ کیا تم اس بات سے مغرور ہوگئے ہو کہ لوگ تمہیں کہتے ہیں: "تم قدرت رکھنے کے باوجود

---

[۱]۔روم (۳۰)، ۶۰۔

[۲]۔ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص۲۰۱ قع اور الفاظ کے اختلاف کے ساتھ : بلاذری، انساب الاشراف، ج۵، ص۱۲۸؛ شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، (رجال کشی) ص۴۸-۴۹۔

[۳]۔امام علیہ السلام کا جواب دوسرے حصہ کی دوسری فصل میں گزر چکا ہے۔

بردبار ہو"؟! حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ تم صرف بردباری کا اظہار کرتے ہو۔ اگر تم نے میرے بارے میں اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی تو دیکھ لے گا کہ میں میدانِ جنگ کا شیر ہوں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر میں تیری بیعت نہ کر چکا ہوتا اور اب اس بیعت کو توڑنا بھی نہیں چاہتا، تم میرے ہاتھ سے کبھی بچ نہ سکتے۔[1]

معاویہ کا دوسرا سفر

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے معاویہ نے سنہ ۵۶ ہجری میں مدینہ کا دوسرا سفر کیا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب مدینہ کے لوگوں نے یزید کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا، تو معاویہ نے حاکمِ مدینہ کو زبردستی بیعت لینے کا حکم دیا اور کہا کہ انصار، مہاجرین اور ان کی اولاد میں سے کسی کو بیعت کے بغیر نہ چھوڑے۔ دوسری طرف اس کو یہ حکم دیا کہ مذکورہ چند افراد (یعنی حسین بن علی اور ابن عباس وغیرہ...) کو کچھ نہ کہے۔ مدینہ کا گورنر، معاویہ کے حکم کے مطابق، ہر قسم کی دھمکی اور سختی سے پیش آیا؛ لیکن اس کے باوجود بھی کوئی شخص بیعت کے لیے حاضر نہ ہوا۔ لہٰذا اس نے معاویہ کو خط لکھا کہ کوئی بھی بیعت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ لوگ چند افراد کے پیروکار ہیں۔ اگر وہ چند افراد بیعت کر لیں تو باقی لوگ بھی بیعت پر آمادہ ہو جائیں گے۔

معاویہ نے جواب میں لکھا: میرے مدینہ پہنچنے تک ان لوگوں کو کچھ نہ کہنا۔ پھر وہ عمرہ کے اعمال بجالانے کے بعد مدینہ کی طرف چل پڑا۔ جب مدینہ کے قریب پہنچا تو لوگ اس کے استقبال کے لیے آئے۔ معاویہ نے "جرف" کے علاقہ میں امام حسین علیہ السلام اور ابن عباس سے ملاقات کی۔ ان سے نرم پالیسی اختیار کرتے ہوئے مہربانی سے پیش آیا، دونوں کی تعریف کی اور مدینہ والوں سے کہا: یہ دونوں عبد مناف کے عظیم بیٹے ہیں؛ پھر امام حسین علیہ السلام اپنے گھر اور ابن عباس مسجد چلے گئے۔[2]

---

[1]۔ ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص۲۰۱-۲۰۲۔

[2]۔ سابقہ حوالہ، ص۲۰۴-۲۰۵۔

جناب عائشہ کا موقف

معاویہ نے ابتداء میں جناب عائشہ سے ملاقات کی اور یزید کی جانشینی کے بارے میں کہا: یہ معاملہ اللہ کی قضاوقدر ہے، اس (کے رد یا انتخاب) کا اختیار اللہ کے بندوں کے پاس نہیں ہے۔ پھر کہا: لوگوں نے اس امر پر عہد اور بیعت کرلی ہے اور آپ چاہتی ہیں کہ لوگ اپنا عہد توڑ دیں؟! جناب عائشہ سمجھ گئیں کہ معاویہ جلد ہی اس میں کامیاب ہو جائے گا، چنانچہ انہوں نے معاویہ سے کہا: جو کچھ تم نے عہد وپیمان کے بارے میں کہا ہے، اس جماعت کے معاملہ میں خدا کا خوف کرو اور ان کے ساتھ جلدی فیصلہ نہ کرو۔ شاید وہ لوگ صرف وہی کام کو انجام دیں جو تم چاہتے ہو ۔[1] معاویہ کھڑا ہو گیا۔ جناب عائشہ اور اس کے درمیان چند جملات کا رد وبدل ہوا۔ پھر وہ اپنے رہائش گاہ کی طرف چلا گیا۔ معاویہ نے امام حسین علیہ السلام ،عبد اللہ بن زبیر ،عبد اللہ بن عمر اور عبد الرحمن بن ابی بکر کی طرف اپنا ایلچی بھیجا اور پہلے تین افراد سے علیحدہ ملاقات میں کہا کہ تمام لوگ بیعت کے لیے آمادہ ہیں، صرف قریش کے پانچ لوگ مخالفت کر رہے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام سے کہا: ان چار لوگوں کے رہبر آپ ہیں۔ معاویہ نے ابن عمر اور ابن زبیر کو بھی یہی بات کہی اور سفارش بھی کی کہ کسی سے اس ملاقات کے بارے میں گفتگو نہ کریں۔ عبد اللہ بن زبیر اور عبد اللہ بن عمر پر اس بات کا اثر ہوا۔ معاویہ نے عبد الرحمن سے کہا: کس طاقت کے بل بوتے تم میری نافرمانی کرتے ہو؟! عبد الرحمن نے کہا: مجھے امید ہے کہ یہ امر میرے لیے بہتر ہو گا۔ معاویہ نے کہا: اللہ کی قسم، میں نے تجھے قتل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ عبد الرحمن نے کہا: اگر تم نے ایسا کیا، تو اللہ تعالی تجھے دنیا میں گرفتار کرے گا اور آخرت میں تم دوزخ میں جاؤ گے ۔ عبد الرحمن باہر آگیا اور معاویہ نے دن کے باقی حصہ میں عام وخاص سب کو ہدیے اور انعامات سے نوازا اور لوگوں کی سرزنش کی طرف توجہ نہ کی۔[2]

---

[1]۔ سابقہ حوالہ، ص۲۰۵-۲۰۶۔

[2]۔ ابن قریبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص۲۰۶-۲۰۷؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۰۳-۳۰۴۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں ابن عباس اور معاویہ کی ملاقات کا کوئی ذکر نہیں ہوا اور یہ ابہام وسوال کا مقام ہے۔

جب دوسرا دن ہوا تو معاویہ نے حکم دیا کہ اس کی رہائش گاہ کو سجایا جائے۔ اس نے اپنے آپ کو آراستہ کیا، فاخرہ لباس پہنا، عطر لگایا اور حکم دیا کہ کسی کو حتی کہ رشتہ داروں کو بھی اندر داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے؛ پھر حسین بن علی علیہ السلام اور عبد اللہ بن عباس کی طرف ایلچی بھیجا۔ ابن عباس جلدی آ گئے اور معاویہ کے سوالوں کے جواب دیتے رہے۔ یہاں تک کہ امام حسین علیہ السلام داخل ہوئے۔ معاویہ نے امام حسین علیہ السلام کو اپنی دائیں جانب بٹھایا اور ان سے ان کے بھتیجوں کے بارے میں پوچھا۔ امام حسین علیہ السلام نے اسے ان کے حالات سے آگاہ کیا اور خاموش ہو گئے۔ معاویہ نے گفتگو شروع کی۔ اللہ تعالی کی حمد و ثنا کی، پیغمبر علیہ السلام کی رسالت کی گواہی دی اور تینوں خلفاء کی خلافت کے بارے میں گفتگو کی۔ پھر کہا:

آپ پہلے سے یزید کے بارے میں آگاہی رکھتے ہیں۔ خدا جانتا ہے کہ میں اس کام کے ذریعہ لوگوں کے لیے اختلاف کے دروازے بند کرنا چاہتا ہوں ۔ یزید کی ولی عہدی کے ذریعہ آنکھیں بیدار ہوں گی اور کاموں میں حُسن آئے گا۔ یزید کے بارے میں اس کے علاوہ میرا کوئی مقصد نہیں ہے۔ آپ دونوں خاندانی شرافت، علم اور جوانمردی کے مالک ہیں۔ میں نے یزید کے ساتھ رہنے سہنے کے ذریعے اس میں کچھ ایسی خصوصیات دیکھی ہیں جو آپ دونوں میں یا کسی اور میں نہیں ہیں۔ وہ سنت شناس، قرآن کی تلاوت کرنے والا اور ایسا بردبار ہے کہ سخت پتھر کو بھی نرم کر سکتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ رسول خدا علیہ السلام، رسالت میں عصمت کے مقام پر فائز تھے۔ انہوں نے جنگ سلاسل میں ایک شخص[1] کو ابو بکر، عمر، اور اپنے دیگر باعظمت اصحاب اور مہاجرین پر فوقیت دی اور اس کو سپہ سالار بنایا، جبکہ وہ شخص، نہ ہی نسب کے لحاظ سے مقدم تھا اور نہ ہی سابقہ زندگی اور سیرت میں مذکورہ افراد کا ہم پلہ تھا؛ لیکن اس شخص نے ان پر حکمرانی کی، نماز میں ان کی امامت کی، ان کے لیے مال غنیمت محفوظ رکھا اور جب فرمان صادر کرتا تھا، ہر شخص بے چون وچرا قبول کرتا تھا۔ رسول خدا علیہ السلام ہمارے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ اے فرزندانِ عبد المطلب! آرام سے رہو۔ میری اور آپ کی مصلحتیں مشترک ہیں اور مجھے امید ہے کہ اس محفل میں آپ انصاف سے گفتگو کریں گے، کیونکہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو آپ کی بات کو اہمیت نہ دیتا

---

[1] معاویہ کا مقصود عمرو بن عاص تھا کہ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو جنگ کی سپہ سالاری پر منصوب کیا اور پھر حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور ابو عبید جراح کو اس کی مدد کے لیے بھیجا (رجوع کریں: السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص ۲۷۲)۔

ہو؛ لہٰذا میرے جواب میں بصیرت سے گفتگو کرنا۔ میں خدا سے اپنے اور آپ کے لیے معافی کا طلبگار ہوں۔

معاویہ نے اپنے اس بیان میں رسول خداﷺ کے عمل (اس کی نگاہ میں آنحضرت نے مفضول کو فاضل پر برتری دی اور ان کی سیرت ہمارے لیے نمونہ ہے اور ان کی پیروی کرنا چاہیے) سے استدلال کرتے ہوئے مفضول کی فاضل پر امامت کو جائز شمار کیا اور اسی لیے یزید کی خلافت کو جائز قرار دیا۔

ابن عباس نے معاویہ کو جواب دینا چاہا، لیکن امام حسین علیہ السلام نے اشارہ کر کے منع کر دیا اور فرمایا: معاویہ کی مراد میں ہوں اور اس کے الزامات میں میرا حصہ زیادہ ہے۔

پھر امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کو جواب دیا:

اے معاویہ! رسول خداﷺ کی شخصیت اور ان کی خصوصیات کے بارے میں جتنا کلام کیا جائے اور جتنی طولانی گفتگو کی جائے، پھر بھی ان کی تمام صفات کو بیان نہیں کیا جاسکتا... صبح کی سفیدی نے رات کی تاریکی کو رسوا کیا ہے اور نورِ خورشید نے چراغ کی کرنوں کو چندھیا دیا ہے۔ تم نے اپنی گفتگو میں افراط سے کام لیا ہے، خود خواہی اور خود پسندی پر فخر کیا ہے۔ تم نے مسلمانوں کے حقوق روکنے میں بخل کیا ہے اور اتنا آگے بڑھ گیا ہے کہ ظلم کے زمرے میں داخل ہو گیا ہے۔ حقداروں کے لیے کچھ باقی نہیں چھوڑا حتیٰ کہ شیطان نے تیرے کردار سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے اور خاطر خواہ حصہ حاصل کر لیا ہے۔

تم نے یزید کے بارے میں جو کہا ہے کہ وہ حدِ کمال تک پہنچ (سمجھدار بن) چکا ہے اور امتِ محمدیﷺ کو چلا سکتا ہے، میں سمجھ گیا ہوں کہ تم یہ بات کر کے لوگوں کو اشتباہ میں ڈالنا چاہتے ہو۔ گویا تم نے کسی گمنام شخص کے بارے میں بات کی ہے یا کسی غائب کی تعریف کی ہے یا گویا کسی ایسی چیز کی خبر دی ہے جو صرف تم نے حاصل کی ہے؛ حالانکہ یزید نے خود (اپنے عمل کے ذریعہ) اپنی سوچ و فکر اور کردار سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے۔ پس تم یزید کا اسی طرح تعارف کرواؤ جس طرح اس کا اپنا کردار ہے۔ یزید سے شکاری کتوں کے ساتھ شکار کرنے کے بارے میں، کبوتر بازی اور موسیقار کنیزوں اور آلات موسیقی کے استعمال کے بارے میں اس سے پوچھو تو اسے ماہر پاؤ گے۔ تم جس کام (یعنی ولی

عہدی) کے درپے ہو، اسے چھوڑ دو۔ لوگوں کے حقوق کا بوجھ تیری گردن پر ہے، قیامت کے دن اس سے زیادہ بوجھ کے ساتھ اللہ تعالی سے ملاقات کروگے تو تجھے کیا فائدہ ہوگا؟! اللہ کی قسم؛ تم نے ہمیشہ ظلم وستم کے لیے باطل اور غصے کے راستے کو اختیار کیا ہے، یہاں تک کہ تیری تباہی کا جام لبریز ہو چکا ہے ۔ اب جب کہ تیرے اور موت کے درمیان پلک جھپکنے کا فاصلہ بھی باقی نہیں رہا اور پھر جس دن سب حاضر ہوں گے اور فرار کا کوئی امکان نہ ہوگا تو تم اپنے نامہ اعمال کے ساتھ آؤ گے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے ہمیں اس امر (خلافت) سے دور کر دیا ہے اور ہمیں اپنے آباواجداد کی وراثت سے محروم کیا ہے، جبکہ اللہ کی قسم؛ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے نسبی اعتبار سے ہمارے لیے وراثت چھوڑی تھی اور اب تم وہی دلیل ہمارے خلاف لائے ہو جو ہم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی وفات کے بعد حاکم کے خلاف قائم کی تھی...۔

تم نے اس شخص کی بات کی ہے جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے ذمہ داری سونپی تھی؛ ہاں، ایسا ہی ہے ۔اس وقت عمرو بن عاص، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی ہم نشینی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ کی بیعت کا اعزاز حاصل کر چکا تھا۔ اللہ کی قسم، جب وہ سپہ سالار بنا تو لوگوں نے ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا اسے دوسروں پر کیوں مقدم کیا گیا ہے؛ لہذا اس کے افعال کو شمار کیا گیا؛ نتیجہ یہ نکلا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: اے مہاجرین کی جماعت! آج کے بعد میرے علاوہ کوئی شخص تمہارا سپہ سالار نہیں ہوگا۔ پس تم اہم احکام میں اس عمل سے کیسے استناد کر سکتے ہو جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے باطل قرار دیا تھا، حالانکہ اس (شخص) کی نادرستی پر اتفاق واجماع ہے؟ تم اس شخص کے ہمدرد کیسے بن رہے ہو جس پر تیرے طرفدار بھی ایمان نہیں رکھتے اور اس کی دینداری اور رشتہ داری پر اعتماد نہیں کرتے؟ تم لوگوں کو چھوڑ کر، ایک فضول اور دھوکہ باز انسان کے پیچھے چل پڑے۔ تم اس کام کے ذریعہ لوگوں کو اشتباہ میں ڈالنے اور ایک ایسے گناہ پر مجبور کرنا چاہتے ہو، جس کی وجہ سے تیرے پسماندگان اس دنیا میں کامیاب ہوں گے اور تم خود آخرت میں عذاب اور بدبختی میں مبتلا ہو گے؛ اور یہ واضح نقصان ہے...۔[1]

---

[1] ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص۲۰۸-۲۰۹۔

معاویہ نے ابن عباس کی طرف دیکھا اور کہا: یہ باتیں کیا ہیں؟ تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو وہ یقینا حسین کی باتوں سے بھی زیادہ تلخ اور مصیبت آور ہے۔ ابن عباس نے کہا: اللہ کی قسم، وہ خاندانِ پیغمبرﷺ اور اصحابِ کِسا میں سے ہیں اور پاک گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں۔ تم اپنے مقصد سے صرفِ نظر کرو....۔

معاویہ نے کہا: میں ہمیشہ بردبار تھا اور بہترین بردباری وہی ہے جو اپنے رشتہ داروں کے بارے میں ہو۔ آپ جائیں، اللہ کی پناہ میں رہیں۔ پھر اس نے عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر اور عبد الرحمن بن ابی بکر کو بلایا۔

معاویہ نے عبد اللہ بن عمر سے کہا: تو ہمیشہ سے کہتا تھا کہ مجھے پسند نہیں کہ ایک رات بھی کسی جماعت کی بیعت کیئے بغیر گزاروں اگرچہ دنیا و مافیہا تجھے عطا کر دیا جائے۔ میں تجھے مسلمانوں کی وحدت میں رخنہ اور تفرقہ ڈالنے اور ان کا خون بہانے سے منع کرتا ہوں۔ یزید کا کام (حکمرانی)، اللہ کی قضا و قدر کا نتیجہ تھا جو انجام پایا اور لوگوں کو اس کام میں کوئی اختیار نہیں ہے۔ لوگوں نے اپنی گردن پر بیعت محکم کر لی ہے اور اس پر عہد و پیمان کر چکے ہیں۔

عبد اللہ ابن عمر نے معاویہ سے کہا: اے معاویہ! تجھ سے پہلے خلفاء گزرے ہیں، ان کے بیٹے بھی تھے؛ تیرا بیٹا ان کے بیٹوں سے بہتر نہیں ہے، لیکن وہ ایسی بات کے قائل نہیں ہیں جو تم اپنے بیٹے کے بارے میں کہہ رہے ہو، اور انہوں نے حکومت کے معاملے میں دوستی اور محبت کو دخالت نہیں دی بلکہ جس کو شائستہ سمجھتے تھے اس کو اس امت کا حاکم بناتے تھے اور اب تم مجھے مسلمانوں کی وحدت میں رخنہ ڈالنے اور ان کا خون بہانے سے منع کر رہے ہو۔ (اگر خدا نے چاہا) میں ایسا کام نہیں کروں گا، بلکہ اگر لوگوں نے متحد ہو کر ایسے شخص کو چن لیا جس پر امتِ محمدیﷺ کا اتفاق ہو، تو میں بھی قبول کر لوں گا۔

معاویہ نے کہا: خدا تجھ پر رحمت کرے تو مخالفت نہیں کرتا۔ پھر عبد الرحمٰن بن ابو بکر کے ساتھ وہی بات کی جو ابن عمر کے ساتھ کی تھی۔ اس نے جواب دیا: اللہ کی قسم یزید کے معاملے میں تم نے جو گستاخی کی ہے، میں تجھے اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تجھے خلافت کا انتخاب، شوریٰ کے حوالہ کرنا چاہیے؛ ورنہ میں اسے تہس نہس کر دوں گا۔ پھر کھڑا ہو گیا اور

جانے لگا۔ معاویہ نے اس کے لباس سے پکڑا اور کہا: آرام سے رہو۔ خدا، جس طرح چاہو، اس کا شر دور کر دے۔ پھر اسے کہا: اپنی رائے، اہل شام کے سامنے بیان نہ کرنا؛ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ وہ تجھے نقصان پہنچائیں گے۔

پھر معاویہ نے ابن زبیر سے کہا: تو ایک حیلہگر لومڑی ہے۔ کبھی اِس سوراخ میں جاتا ہے اور کبھی اُس میں۔ تو نے ان دونوں کو جذباتی کیا اور مخالفت پر آمادہ کیا ہے۔ ابن زبیر نے کہا: تو یزید کے لیے بیعت لینا چاہتا ہے؟ اگر ہم اس کی بیعت کر لیں تو تم دونوں میں سے کس کی فرمانبر داری کریں؟ اُس کی یا تیری؟ اگر تو خلافت سے تھک چکا ہے تو چھوڑ دے اور یزید کی بیعت کر لے، ہم بھی اس کی بیعت کر لیں گے۔ اس کے بعد معاویہ اور ابن زبیر کے درمیان بہت زیادہ گفتگو ہوئی۔

آخر کار معاویہ نے ان کو رخصت کیا اور تین دن تک لوگوں سے ملاقات کرنے سے منع کر دیا اور اپنے رہائش گاہ سے باہر نہ نکلا۔ چوتھے دن گھر سے باہر نکلا اور منادی کو حکم دیا کہ لوگوں کو ایک عمومی کام کے لیے مسجد میں جمع کرے۔ لوگ جمع ہو گئے۔ یہ چند لوگ بھی منبر کے ساتھ بیٹھ گئے۔ معاویہ نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد یزید کے فضائل و کمالات اور اس کی تلاوتِ قرآن کے بارے میں بتایا۔ پھر کہا: اے اہل مدینہ! میں یزید کے لیے بیعت لینے کا ارادہ رکھتا ہوں اور اس بارے میں، مَیں نے کوئی شہر اور دیہات نہیں چھوڑا جہاں بیعت کا پیغام نہ بھیجا ہو۔ سب لوگوں نے بیعت کر لی ہے اور تسلیم ہو گئے ہیں۔ مدینہ کے لوگوں نے بیعت کو مؤخر کر دیا ہے۔ میں نے سوچا کہ اس شہر کے لوگ، یزید کے رشتہ دار ہیں اور یہ ایسے لوگ ہیں جن سے مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔ جن لوگوں نے بیعت کا انکار کیا ہے وہ یزید کی بیعت کے زیادہ حقدار ہیں۔ اللہ کی قسم؛ اگر مجھے کوئی شخص مل جائے جو مسلمانوں کے حق میں یزید سے بہتر ہو، تو میں اس کی بیعت کر لوں گا۔

امام حسین علیہ السلام کھڑے ہوئے اور فرمایا: تو نے ایسے شخص کو چھوڑ دیا ہے، جو ماں، باپ اور شخصیت کے لحاظ سے یزید سے بہتر ہے۔ معاویہ نے پوچھا: گویا آپ اپنا کہہ رہے ہیں؟ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ہاں۔ معاویہ نے کہا: اب میں آپ کو بتاتا ہوں، آپ کا یہ کہنا کہ آپ کی ماں اس کی ماں سے بہتر ہے، مجھے

اپنی جان کی قسم، آپ کی ماں اس کی ماں سے بہتر ہے۔ اگر آپ کی ماں صرف قریشی خاتون ہوتی تو بھی اس کی ماں سے بہتر تھی جبکہ وہ تو رسولِ خداؐ وسلم کی بیٹی بھی ہیں اور دین اور دینداری میں بے مثال ہیں، لہذا آپ کی ماں اس کی ماں سے بہتر ہیں؛ لیکن آپ کا باپ، یزید کے باپ کا فیصلہ خدا کی بارگاہ میں لے گیا اور خدا نے یزید کے باپ کے حق میں فیصلہ دیا[1]۔ امام حسینؑ نے فرمایا: تیری بے عقلی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تو چند روزہ زندگی کو جاودانی زندگی پر ترجیح دے رہا ہے۔

معاویہ نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا: یہ جو آپ نے کہا ہے کہ آپ، یزید سے بہتر ہیں؛ اللہ کی قسم، امتِ محمدیؐ کے لیے یزید، آپ سے بہتر ہے۔ امام حسینؑ نے فرمایا: یہ بہتان اور جھوٹ ہے۔ یزید شراب خور، بیہودہ اور ہوس باز انسان مجھ سے بہتر ہے؟ !معاویہ نے کہا: اپنے چچازاد کو برا بھلا نہ کہو، کیونکہ اگر کوئی شخص اُس کے سامنے تیری برائی کرے تو وہ تیری برائی نہیں کرے گا۔

پھر معاویہ نے لوگوں کی طرف رخ کر کے کہا: اے لوگو تم جانتے ہو کہ جب رسول خداؐ اس دنیا سے گئے تو کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔ مسلمانوں نے ابو بکر کی بیعت میں مصلحت دیکھی اور اس کی بیعت، ہدایت (اور شرعی قوانین کے مطابق) تھی۔ اس نے قرآن و سنت پر عمل کیا۔ جب اس کی موت کا وقت آن پہنچا تو اس نے عمر کو اپنی جانشینی کے لیے منتخب کیا۔ اس نے بھی قرآن و سنت پر عمل کیا۔ جب اس کی موت قریب آئی تو اس نے فیصلہ کیا کہ جانشینی کا مسئلہ چھ رکنی شوریٰ کے حوالہ کیا جائے جو اس نے پہلے سے منتخب کر رکھی تھی؛ لہذا ابو بکر نے ایک ایسے طریقہ پر عمل کیا جس پر رسولؐ نے عمل نہیں کیا اور عمر نے ایسے طریقہ پر عمل کیا، جس پر ابو بکر نے عمل نہیں کیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک نے مسلمانوں کی مصلحت دیکھتے ہوئے ایسا کیا ہے۔ میں بھی یزید کی بیعت میں مصلحت سمجھتا ہوں، کیونکہ ماضی میں اس امر میں اختلاف اور کشمکش پیدا ہوئی تھی، مجھے لوگوں کے ساتھ انصاف سے پیش آتے ہوئے، یزید کی بیعت لینا چاہیے[2]۔

---

[1]۔ معاویہ کی مراد جنگ صفین میں حاکمیت کا ماجرا تھا کہ جس میں عمر و عاص نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا تھا۔

[2]۔ ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص۲۰۹-۲۱۰۔

عبد اللہ بن زبیر نے کہا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی رحلت ہوئی۔ انہوں نے لوگوں کو (اپنا جانشین انتخاب کرنے میں) کتابِ خدا پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے ابو بکر کو خلیفہ بنایا۔ پھر ابو بکر نے عمر کو اپنا جانشین مقرر کیا جبکہ عمر نسب کے لحاظ سے قریش میں پست ترین درجہ کا مالک تھا۔ عمر نے خلیفہ کا انتخاب چھ رکنی شوریٰ کے حوالہ کیا، جسے اس نے مسلمانوں سے انتخاب کیا تھا۔ اس شوریٰ میں عبد اللہ بن عمر بھی موجود تھا، جو کہ تیرے بیٹے سے بہتر ہے۔ پس اگر تم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی طرح عمل کرنا چاہتے ہو تو یہ معاملہ مسلمانوں کے حوالہ کر دو، تاکہ وہ خود کسی کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیں، یا ابو بکر کی طرح قریش میں سے کسی کو اپنا جانشین بناؤ، یا پھر عمر کی طرح عمل کرو اور مسلمانوں کے ایک گروہ کا انتخاب کرو، اور (بہر حال) خلافت کو اپنے بیٹے سے دور رکھو۔[1]

معاویہ کے ثقافتی اور ترویجی اقدامات

یزید کی ولی عہدی کے لیے مذکورہ کوششوں کے علاوہ، معاویہ نے بعض اہم ترویجی اور ثقافتی اقدامات بھی اٹھائے۔ مندرجہ ذیل نمونے اس امر کی دلیل ہے۔

الف) باطل عقائد و نظریات کی ترویج

بنی امیہ کی سیاست کا ایک اصول، ایسے عقائد و نظریات کی ترویج اور حمایت کرنا تھا جن کے ذریعہ اپنے غیر شرعی اور عوام کو دھوکہ دینے والے کاموں کی توجیہ کر سکیں۔ لہٰذا مسلمانوں سے یزید کی جانشینی منوانے کے لیے معاویہ نے "جبر" جیسے غلط عقیدے کا سہارا لیا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے، جب جناب عائشہ[2] اور عبد اللہ بن عمر[3] جیسے افراد نے معاویہ پر اعتراض کیا تو اس نے عقیدہ جبر سے کام لیا اور یزید کی ولی عہدی

---

[1] ۔ سابقہ حوالہ، ص ۲۱۲؛ ابن اعثم اور ابن اثیر نے اس ملاقات کا ماجرا تھوڑے سے فرق کے ساتھ مکہ میں لکھا ہے (ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۴، ص ۳۳۹-۳۴۱؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۱۲-۵۱۳)۔ رجوع کریں: ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج ۱، ص ۲۱۲-۲۱۳؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۳۴۳؛ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ج ۴، ص ۳۴۸-۳۴۹؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۱۳۔

[2] ۔ ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج ۱، ص ۲۰۵۔

[3] ۔ سابقہ حوالہ، ص ۲۱۰۔

کو الٰہی قضاو قدر کی طرف نسبت دی، تا کہ لوگوں کو اس بات پر قائل کرے کہ اس معاملے میں اس کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اسی طرح جب معاویہ نے مدینہ کی بانفوذ شخصیات سے ملاقات کی اور یزید کی جانشینی کی مخالفت کی وجہ سے شدید غضبناک ہوا تو کہا: تم لوگ ایسا کام چاہتے تھے، جسے اللہ تعالی نہیں چاہتا تھا۔[1] معاویہ اس طرح، مذکورہ چند افراد کو قانع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

ب) شاعروں کو خریدنا

معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کی تبلیغ وترویج کے لیے ایسے شعراء کو بھی خریدا اور انہیں درہم و دینار کی تھیلیاں بھیجیں، جو یزید کی خلافت پر خوش نہیں تھے، بلکہ جب انہیں اس ماجرا کا علم ہوا تو انہوں نے مذمت میں اشعار بھی کہے۔ معاویہ نے انہیں لالچ دے کر اپنا ہم فکر بنالیا۔ انہوں نے نہ صرف یزید کی خلافت کی مخالفت سے ہاتھ اٹھالیا، بلکہ معاویہ کے اس اقدام کی حمایت بھی کی اور اشعار میں یزید کی خوبیاں اور اچھائیاں بھی بیان کیں۔ مثلاً جب کوفی شاعر عبداللہ بن ہمام سلولی کو یزید کی ولی عہدی کی خبر ملی تو اس نے یزید کی مذمت اور اس کی ولی عہدی کے انکار میں اشعار پڑھے:

(ترجمہ اشعار): اگر رملہ یا ہند کو امیر المؤمنین بنادیں تو ہم ان کی بیعت کرلیں گے۔ اگر ایک خسرو مر جائے دوسرا کھڑا ہو جائے، ہم تین خسروؤں کو ایک نگاہ سے دیکھیں گے۔

افسوس! اگر ہمارے اندر غیرت ہوتی اور اپنی سابقہ حالت سے پلٹ نہ جاتے تو تم (ہماری تلواروں سے)مارے جاتے اور واپس مکہ چلے جاتے اور جامِ سخین[2] چاٹتے۔

ہم نے تمہارے غضب کا ایسا جام پیا ہے کہ اب اگر بنی امیہ کا خون بھی پی لیں تو سیر اب نہیں ہوں گے۔

لوگ تمہاری حکومت میں نابود ہو چکے ہیں، جبکہ تم بے خبری اور غفلت کے عالم میں خرگوش کے شکار میں مشغول ہو۔[1]

---

[1]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۴، ص۳۳۶۔

[2]۔ اہل مکہ ایام حج میں قربانی کا خون خشک کر لیتے تھے اور قحط کے دنوں میں اسے گرم کر کے پیتے تھے، اس خون کو سخین کہا جاتا تھا۔

لیکن معاویہ نے عبد اللہ بن ہمام کی حمایت حاصل کرنے کے لیے اس کی طرف دس ہزار درہم بھیجے؛ عبد اللہ نے وہ رقم وصول کرلی اور یزید کی شان میں اس طرح اشعار کہے:

اللہ کی کتاب میری طرف آئی اور دین قائم ہو گیا، جبکہ شام میں نہ کوئی حکم تھا اور نہ کوئی عدالت تھی۔

میری مراد امیر المؤمنین (معاویہ) ہے، کیونکہ وہ ہمیشہ فضل و بخشش سے کام لیتا ہے۔

پس اے انصار کی جماعت! اس کی بخشش کے امیدوار بنو؛ بیابان نشین فقراء بھی اس پر امید رکھتے ہیں، جنہیں قحط نے ستایا ہے۔

کون لوگ ہیں جن کی گردن کو ارتکابِ جنایت نے سنگین کیا ہو، اور وہ سنگینی تیرے لطف و کرم سے دور نہ ہوئی ہو؟!

اے ابو خالد! اس کی عزت و احترام کر، جس نے ہمیں نیکی کے بادل سے بہرہ مند کیا، کہ اس بادل کے بعد ایک اور بادل ہے۔

آج یزید ولی عہد ہے، اور جب خلیفہ اپنی زندگی پوری کر کے دنیا سے چلا گیا تو یہ ہمارا خلیفہ ہو گا[2]۔

اسی طرح بصرہ کا شاعر عقیبہ اسدی بھی شروع میں یزید کی بیعت کا مخالف تھا اور اس کی مذمت میں اشعار کہے۔ معاویہ کو علم ہوا تو اس نے عقبہ اسدی کا منہ بند کرنے کے لیے دس ہزار درہم بھیجے۔ جب اس نے یہ رقم وصول کی تو یزید کی مدح میں اس طرح اشعار پڑھے:

---

[1]۔ مسعودی، مروج الذہب، ج۳، ص۳۷۔

[2]۔ ابن اعثم نے (کتاب الفتوح، ج۴، ص۳۳۱، ۳۳۰ پر یہ اشعار مفصل تر لکھے ہیں:

اتانی کتاب الله والدین قائم — و بالشام ان لافیه حکم ولا عدل

ارید امیرالمؤمنین فانه — علی کل احوال الزمان له الفضل

فهاتیکم الانصار یرجون فضله — و هلاك اعراب اضر بها المحل

وَمِنْ بعدها کنا عبادید شردا — اقمت قناةالدین واجتمع الشمل

فای اناس اثقلهم جنایة — فماانفك عن اعناقهم ذالك الثقل

ابو خالد اخلق به ان یصیبنا — نسجل من المعروف یتبعه سجل

هوالیوم ذوعهد وفینا خلیفة — اذا فارق الدینا خلیفتنا الکهل

جب بھی مغربی (یعنی شام کی حکومت کا) منبر خالی ہوا تو یزید مومنین کا فرمانروا ہو گا۔

اس کی خلافت، یمن کے خوبصورت پرندے کے پَروں پر سوار ہے اور اس کا بخت بلند ہے، جیسے تمام لوگوں کے لیے بخت کا پرندہ ہوتا ہے۔

(پس اے یزید!) بہترین مقام حاصل کرنا اور ہمیشہ لوگ گروہ گروہ ہو کر تیری طرف رواں دواں رہیں۔

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ عبداللہ ابن عامر بن کریز، یا سعید بن عاص، مروان کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

اے خدا کے جانشینوں کے فرزند! آرام سے رہو، کیونکہ خدائے رحمان، جہاں چاہتا ہے خلافت رکھ دیتا ہے۔

معاویہ نے جب یہ اشعار سنے تو اس کے لیے مزید دس ہزار درہم بھیجے[1]۔

ج) یزید کے مذہبی چہرے کی نمائش

جب معاویہ نے بصرہ کے حاکم زیاد بن سمیہ کو ایک خط میں حکم دیا کہ وہاں کے لوگوں سے اس کے بیٹے یزید کے لیے بیعت لے؛ تو زیاد نے اسے لکھا: چونکہ لوگوں کے درمیان حسین بن علی علیہ السلام اور ابن عباس جیسی باعظمت شخصیات موجود ہیں اور وہ یزید سے زیادہ خلافت کے لائق ہیں، لہذا بہتر ہے کہ یزید کو حکم دو

---

[1]

اذا المنبر الغربی حل مکانه فان امیر المؤمنین یزید

علی الطائر المیمون و الجد صاعد لکل اناس طائر و جدود

فلازلت اعلی الناس کعبا ولم تزل وفود یسامیها الیك وفود

الا لیت شعری مایقول ابن عامر لمروان ام ماذا یقول سعید

بنی خلفاء الله مهلا فانما ینؤ بهاالرحمن حیث یرید

ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۴، ص۳۲۹-۳۳۰

کہ وہ ایک یا دو سال کے لیے انہی کا اخلاق اپنائے، تاکہ ہم عوام پر معاملہ مشتبہ کر سکیں[۱]۔ معلوم ہوتا ہے کہ زیاد کی اس پیشکش کی وجہ سے اور چونکہ خلفاء کے درمیان یہ رسم تھی کہ ہمیشہ بانفوذ افراد کو اپنی طرف سے حج کے اعمال انجام دینے کے لیے مسئول مقرر کرتے تھے؛ معاویہ نے اسلامی معاشرہ کے سامنے یزید کا معنوی اور دینی چہرہ ظاہر کرنے کے لیے اور زیاد بن ابیہ کی تعبیر کے مطابق یزید کا حقیقی چہرہ (کردار) لوگوں سے چھپانے کے لیے سنہ ۵۱ ہجری[۲] اور بعض روایات کے مطابق سنہ ۵۲ اور ۵۳ ہجری[۳] میں یزید کو اپنی طرف سے حجاج کا امیر مقرر کیا، تاکہ مسلمانوں کے ذہنوں میں یزید کا معنوی اور مقدس چہرہ نقش ہو جائے۔ یزید نے اس سفر میں لوگوں کے درمیان بہت زیادہ اموال تقسیم کیے اور ان کے دل جیت لیے۔[۴] اس کے علاوہ معاویہ نے اپنے نمایندوں کو لکھا: لوگوں میں یزید کی مدح و تعریف کی جائے اور اسے اچھی صفات کا حامل ظاہر کیا جائے اور مختلف شہروں سے متعدد گروہوں کو اس کی ملاقات کے لیے بھیجا جائے[۵]۔ معاویہ کے یہ اقدامات، یزید کی ولی عہدی کے لیے ایک نئی چال تھی۔

د) خلافت کے لیے جوانانِ بنی ہاشم کا سہارا

اسلام سے پہلے عرب معاشرہ میں قبیلے کا رئیس بننے کے لیے عمر رسیدہ ہونا شرط تھی اور اسلام کے بعد بھی مسلمانوں میں یہ نظریہ عملی طور پر رائج رہا یہاں تک کہ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے خلفاء بھی عمر رسیدہ افراد تھے۔ اس بات کی دلیل حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں ابو عبیدہ جراح کا قول ہے۔ اس نے آپ علیہ السلام کے خلیفہ منتخب نہ ہونے کی ایک دلیل یہی دی تھی کہ آپ علیہ السلام دوسروں کی نسبت کمسن ہیں۔ بہر حال ان دنوں اسلامی معاشرہ کی رہبری سنبھالنے کے لیے کافی تجربہ کار ہونا ضروری تھا اور تجربہ کا حصول عمر رسیدہ

---

[۱]۔ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج ۲، ص ۲۲۰۔

[۲]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۲۸۶؛ ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق الکبیر، ج ۲۳، ص ۸۹ و ج ۶۹، ص ۱۸۵۔

[۳]۔ ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق الکبیر، ج ۲۳، ص ۸۹ و ج ۶۹، ص ۱۸۵؛ لیکن طبری نے سال ۵۲ اور ۵۳ ق میں امیر الحاج سعید بن عاص کو لکھا ہے (تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۲۹۳، ۲۸۷)۔

[۴]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۴، ص ۳۲۹؛۔

[۵]۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۱۰۔

ہونے پر موقوف ہے۔ یہ فطری امر تھا کہ اگر مسلمان یزید کی پلیدگیوں سے صرف نظر کر بھی لیتے تب بھی اسے کم سن اور ناتجربہ کار ہونے کی وجہ سے حکمرانی کے لائق نہ سمجھتے؛ لہٰذا معاویہ کے لیے اس مشکل سے نمٹنا بھی ضروری تھا۔ بعض محققین کے نظریہ کے مطابق معاویہ، کبھی کبھار قریش اور بالخصوص بنی ہاشم کے جوانوں کی تعریف و تمجید کرتا تھا، مثلاً کہتا: علی اکبر علیہ السلام سب سے زیادہ خلافت کے لائق ہے؛[1] اس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح لوگوں کے ذہنوں سے عمر رسیدہ لوگوں کی خلافت کا تصور ختم ہو جائے اور اسلامی معاشرہ میں مشہور ہو جائے کہ جوان بھی مسلمانوں کے خلیفہ بن سکتے ہیں، تاکہ جب یزید کو خلیفہ مقرر کرے تو لوگ اسے ایک معمولی بات سمجھ کر قبول کرلیں[2]۔

جو کچھ بیانکیا گیا ہے، یہ یزید کی ولی عہدی کے لیے معاویہ کی کوششوں اور اقدامات کا ایک سرسری جائزہ تھا، جو اس نے پوری اسلامی حکومت میں انجام دیے تھے اور تاریخی مصادر میں ذکر ہوئے ہیں۔

لیکن یہ کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے قیام کا باقاعدہ آغاز کب کیا؟ اس کے بارے میں تیسرے حصہ میں تفصیلی گفتگو ہوگی۔

---

[1]۔ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص۸۰۔

[2]۔ سید جعفر شہیدی، تاریخ تحلیلی اسلام، ص۱۸۷۔

آٹھویں فصل

امام حسین علیہ السلام مدینہ میں

معاویہ کی موت اور حاکمِ مدینہ کو یزید کا خط

معاویہ نے مرض الموت کی حالت میں اپنے بیٹے یزید کو بلا کر کہا: میرے بیٹے! میں نے تیرا کام آسان کر دیا ہے۔ سب چیزیں تیرے لیے آمادہ کر دی ہیں۔ دشمنوں کو تیرے لیے رام کر دیا ہے۔ عرب کے متکبرین کو تیرے سامنے جھکا دیا ہے۔ تمام لوگوں کو تیرے جھنڈے تلے جمع کر دیا ہے اور میں نے جو حکومت تیرے لیے مہیا کی ہے، اس کے بارے میں حسین بن علی علیہ السلام، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر اور عبد الرحمن بن ابی بکر کے علاوہ کسی سے خطرہ نہیں ہے۔ عبد اللہ بن عمر نے عبادت کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اور عبادت نے اسے نڈھال کر دیا ہے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی باقی نہ بچے (اور وہ اپنے آپ کو تنہا دیکھے) تو تیری بیعت کر لے گا۔ لیکن حسین بن علی علیہ السلام کو اہل عراق نہیں چھوڑیں گے، یہاں تک کہ انہیں قیام پر مجبور کر لیں۔ اگر وہ قیام کریں اور تو ان پر غالب آجائے تو انہیں چھوڑ دینا کیونکہ وہ قریبی رشتہ داروں میں سے ہیں اور ان کا عظیم حق ہے۔ عبد الرحمن بن ابو بکر وہی کام کرے گا جو اس کے ساتھی انجام دیں گے۔ اس کا کام عورتوں کے ساتھ وقت گزارنا ہے۔ لیکن جو شخص شیر کی طرح تیری تاک لگائے بیٹھا ہے اور لومڑی کی طرح حیلہ باز ہے اور موقع ملتے ہی تجھ پر حملہ کرے گا، وہ عبد اللہ بن زبیر ہے۔ اگر تو اس پر غالب آجائے تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔[1]

---

[1] طبری تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۲۳، ۳۲۲؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۸، ص ۱۲۳۔

معاویہ، اس وصیت کے بعد ۱۵ رجب ۶۰ ہجری کو ۱۹ سال ۳ مہینے حکومت کرنے کے بعد ۷۸ سال کی عمر میں دمشق میں فوت ہوا۔[۱] اس کا بیٹا یزید (موت سے ایک دن پہلے) شام کے علاقے حوارین میں شکار پر گیا ہوا تھا اور ضحاک بن قیس (جو معاویہ کا قابل اعتماد درباری تھا) کو کہہ گیا تھا کہ میرے باپ کا خیال رکھنا۔ اس کی حالت مجھ سے مخفی نہ رکھنا۔ اگر کچھ ہو جائے تو مجھے خبر دینا۔ معاویہ کی موت کے بعد ضحاؔک دمشق کی بڑی مسجد میں منبر پر گیا، لوگوں کو خبر دی اور یزید کو خط لکھ کر باپ کی موت سے آگاہ کیا۔ خط میں لکھا تھا: "... جب میرا خط پڑھنا، لوگوں سے دوبارہ بیعت لینے میں جلدی کرنا"۔ یزید خط پڑھ کر رو پڑا، اپنی سواری تیار کرنے کا حکم دیا اور دمشق کی طرف روانہ ہو گیا اور تدفین سے تین دن بعد وہاں پہنچا۔ لوگ استقبال کے لیے باہر نکلے اور اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ بعض شعراء نے معاویہ کی موت پر اشعار کہے۔ پھر یزید نے تقریر کی، اپنی حکومت کا اعلان کیا اور لوگوں نے اس کی بیعت کی۔ پھر اس نے شام والوں پر بیت المال کا دروازہ کھول دیا اور ان کے درمیان بہت زیادہ مال تقسیم کیا۔[۲] تمام شہروں کے حکمرانوں کو بالخصوص مدینہ کے حاکم کو خط لکھا کہ لوگوں سے اس کی بیعت لیں۔ اس زمانے میں معاویہ کا بھتیجا ولید بن عتبہ بن ابی سفیان، مدینہ کا حاکم تھا۔[۳]

یزید کی طرف سے ولید بن عتبہ کو لکھے گئے خط کے متن کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ابن سعد اور ابن عساکر کی روایت کے مطابق یزید نے فقط امام حسین علیہ السلام کا نام لکھا اور مدنیہ کے والی کو حکم دیا کہ لوگوں سے بیعت لو اور یہ کام قریش کے بزرگوں اور سب سے پہلے حسین علیہ السلام سے شروع کرنا[۴]۔

---

[۱]۔ موت کے وقت معاویہ کی عمر کے بارے میں اور اقوال بھی ہیں مثلاً ۷۳، ۷۵، اور حتی کہ ۸۵، ۸۰ سال بھی نقل ہوئے ہیں (طبری، تاریخ الامم والملوک ج۵، ص ۳۲۵)

[۲]۔ ابن عثم کتاب الفتوح، ج۴، ص ۳۵۱-۳۵۳ اور ج۵، ص ۵-۹؛ خوارزمی، مقتل الحسین ج۱، ص ۱۷۷-۱۷۹۔

[۳]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵ ص ۳۳۸؛ بلاذری، انساب الاشراف ج۳، ص ۳۶۸؛ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص ۲۴۱؛ سید ابن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص ۹۶، ابن کثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۲۹۔ البتہ بعض اخبار کے مطابق معاویہ کی موت کے وقت مروان بن حکم مدینہ کا حاکم تھا اور یزید نے حکومت حاصل کرنے کے بعد اسے بر طرف کر دیا اور ولید بن عتبہ کو حاکم بنایا (رجوع کریں: شیخ صدوق، الامالی، ص ۲۱۶، مجلس ۳۰؛ ابن اعثم کتاب الفتوح، ج۵، ص ۹؛ خورزمی، مقتل الحسین، ج ۱ ص ۱۷۹)

[۴]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۶۴؛ ابنا عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینہ دمشق، ص ۱۹۹، حدیث نمبر ۲۵۵۔

لیکن یعقوبی کی روایت کے مطابق یزید کے خط میں امام حسین علیہ السلام اور عبد اللہ بن زبیر کا نام تھا۔ یعقوبی کی روایت کے مطابق خط کی عبارت یہ تھی:

جب تجھے میرا خط ملے تو حسین بن علی علیہ السلام اور عبد اللہ بن زبیر کو بلا کر میری بیعت لینا۔ اگر وہ انکار کریں تو ان کی گردنیں کاٹ کر سر میری طرف بھیج دینا۔ لوگوں سے بھی بیعت لینا اور جو شخص انکار کرے اس پر اور بالخصوص حسین بن علی اور عبد اللہ بن زبیر پر یہی حکم جاری کرنا۔ والسلام[1]

لیکن طبری[2] اور ابن اثیر[3] نے لکھا ہے: یزید نے حاکمِ مدینہ سے کہا کہ امام حسین علیہ السلام، عبد اللہ بن عمر[4] اور عبد اللہ بن زبیر سے بیعت لو اور ان پر سختی کرو۔ ابن اعثم[5]، خوارزمی[6] اور ابن شہر آشوب[7] کی روایت کے مطابق یزید نے اسے حکم دیا کہ ان میں سے جو کوئی بیعت نہ کرے اسے قتل کر دو اور اس کا سر میرے پاس بھیج دو[8]۔ سید ابن طاووس اور ابن نما کی روایت کے مطابق یزید نے صرف امام حسین علیہ السلام کے بارے میں تاکید کی اور خط میں حکم دیا کہ بالخصوص امام حسین علیہ السلام سے بیعت لو اور اگر انکار کریں تو قتل کر کے ان کا سر میری طرف بھیج دو۔[9]

---

[1]۔ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲،ص۲۴۱؛ ابن عثیم کتاب الفتوح، ج۵ ص۱۰؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص ۱۸۰؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۹۶

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۳۸

[3]۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۲۹۔ نیز رجوع کریں: دینوری۔ الاخبار، الطوال ص۳۳۵

[4]۔ محمد بن الحسن القمی العقد النضید والدر الفرید ص۵۳؛ شیخ عباس قمی الکنی والالقاب، ج۱ ص۳۶۳؛ مزید معلومات کے لیے علامہ عبد الحسین احمد امینی کی کتاب الغدیر ج۱ ص۴۶ کی طرف رجوع کیا جائے۔

[5]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۰

[6]۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۸۰

[7]۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب ج۴، ص۹۶

[8]۔ مزید معلومات کے لیے دیکھیں: ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۰؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب۔ ج۴ ص۹۶۔۹۵؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۸۰۔

[9]۔ ان امتنع علیك فاضرب عنقه وابعث براسه الی (سید بن طاووس، الملهوف، ص۹۷،۹۶؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۲۳)

بعض کتب تاریخ میں ذکر ہوا ہے کہ یزید کا ایلچی رات کے وقت مدینہ پہنچا اور حاکم کو خط دیا۔ حاکم نے بھی رات کے وقت امام حسین علیہ السلام اور ابن زبیر کے پاس آدمی بھیجا۔[1] جب ولید بن عتبہ کو یزید کا خط ملا تو اس نے پڑھ کر کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ...؛ مجھے حسین ابن فاطمہ سے کیا سروکار ہے؟[2] پھر کسی شخص کو مروان کے پاس بھیجا اور اس کو خط دکھایا۔ اس نے بھی خط پڑھنے کے بعد آیت استرجاع (انا للہ و انا الیہ راجعون) کی تلاوت کی۔ ولید نے اسے کہا: تیری رائے کیا ہے اور میں ان لوگوں کے بارے میں کیا کروں؟ مروان نے کہا: ان کی طرف ابھی اپنا ایلچی بھیجو اور ان کو یزید کی بیعت اور اطاعت کی دعوت دو۔ اگر وہ قبول کر لیں تو تم ان کی (بیعت) قبول کر لو اور اگر انکار کریں تو انہیں معاویہ کی موت سے آگاہ ہونے سے پہلے قتل کر دو، کیونکہ اگر انہیں معاویہ کی موت کی خبر مل گئی تو وہ سب کنارہ کشی کر کے واضح مخالفت کریں گے اور لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیں گے؛[3] البتہ عبد اللہ بن عمر کا خلافت کے معاملہ میں کسی کے ساتھ نزاع نہیں ہے، لہٰذا اسے چھوڑ دو اور حسین بن علی علیہ السلام اور عبد اللہ بن زبیر کے پاس قاصد بھیجو اور ان سے بیعت طلب کرو؛ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ حسین بن علی علیہ السلام کبھی تیرا مطالبہ یعنی یزید کی بیعت کو قبول نہیں کریں گے۔[4]

ولید نے مروان کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد ایک جوان، عبد اللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان کو امام حسین علیہ السلام اور عبد اللہ ابن زبیر کے پاس بھیجا۔ عبد اللہ بن عمرو ان کے گھر گیا، لیکن وہ گھر پر نہیں تھے؛ آخر اُس نے اُنہیں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پایا اور کہا: آپ کو امیر بلا رہا ہے، اس کی بات مانو۔ انہوں نے کہا: تم جاؤ ہم

---

[1] ۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲ ص ۳۲؛ ابن قتیبہ دینوری، الامامہ والسیاسہ، ج۱، ص ۲۰۴۔

[2] ۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص ۱۸۰۔

[3] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۳۹؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲ ص ۵۲۹۔

[4] ۔ رجوع کریں: ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵ ص ۱۱۔۱۰؛ خوارزمی، مقتل الحسین ج۱، ص ۱۸۱۔

خود آجائیں گے۔ امام علیہ السلام اور عبد اللہ ابن زبیر نے اس بے موقع پیغام سے تعجب کیا اور امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: یقیناً اہم واقعہ پیش آیا ہے اور معاویہ مَر گیا ہے۔[1]

ابن اعثم کا بیان ہے: عبد اللہ بن زبیر نے حسین بن علی علیہ السلام کی طرف رخ کر کے کہا: اے اباعبد اللہ! یہ ولید بن عتبہ کی لوگوں کے ساتھ ملاقات کے لیے بیٹھن کا وقت نہیں ہے۔ مجھے اُس کے اِس کام اور اِس وقت ہمارے پاس قاصد بھیجنے میں ڈر اور خوف محسوس ہو رہا ہے، آپ کی نظر میں اس نے ہمیں کیوں بلایا ہے؟ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: میر اگمان یہ ہے کہ معاویہ مر گیا ہے، کیونکہ کل رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ معاویہ کا منبر سرنگوں ہے، گھر کو آگ لگی ہوئی ہے اور میں نے اس کی تاویل کی ہے کہ وہ مر گیا ہے۔

عبد اللہ ابن زبیر نے کہا: اسی طرح ہے؛ پھر پوچھا: اگر آپ کو یزید کی بیعت کے لیے بلایا گیا ہو تو کیا کریں گے؟ امام نے فرمایا: میں کبھی اس کی بیعت نہیں کروں گا، کیوں کہ میرے بھائی حسن علیہ السلام کے بعد حکومت میری ہے اور معاویہ نے میرے بھائی حسن علیہ السلام سے معاہدہ کیا تھا کہ اپنے بعد اپنے کسی بیٹے کو جانشین نہیں بنائے گا اور اگر میں زندہ ہوں تو خلافت مجھے واپس کر دے گا۔ کیا میں یزید کی بیعت کروں؟! حالانکہ وہ فاسق ہے جو برملا فسق وفجور کرتا ہے، شراب پیتا ہے، کتوں اور بندروں کے ساتھ کھیلتا ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے ورثاء کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے؟ خدا کی قسم؛ میں ہر گز اس کی بیعت نہیں کروں گا۔

اسی وقت ولید کا ایلچی دوبارہ ان کے پاس آیا اور کہا: ولید کے پاس جائیں وہ آپ کا منتظر ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: تم اپنے امیر کے پاس واپس جاؤ۔ ہم میں سے جس نے چاہا اس کے پاس آجائے گا، میں ابھی آرہا ہوں۔ جب قاصد نے ولید کو خبر دی کہ حسین علیہ السلام ابھی آرہے ہیں، تو مروان نے کہا: خدا کی قسم؛ وہ اپنا وعدہ پورا نہیں کرے گا (اور نہیں آئے گا)؛ ولید نے کہا: خاموش رہو۔ حسین ایسا شخص نہیں، جو بات کرے اور اس پر عمل نہ کرے۔

---

[1]۔ طبری تاریخ الامم والملوک، ج۵ ص۳۳۹

امام حسین علیہ السلام نے مسجد میں موجود لوگوں سے فرمایا: میں اس شخص کے پاس جارہاہوں تاکہ دیکھوں کہ اس نے کیوں بلایاہے اور کیاچاہتاہے؟

عبد اللہ ابن زبیر نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کو روک لے اور واپس نہ آنے دے، یہاں تک کہ آپ بیعت کرلیں یا قتل ہو جائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں اکیلا نہیں جاؤں گا، بلکہ اپنے دوستوں، خادموں اور شیعوں کو جمع کروں گا اور انہیں کہوں گا کہ ہر شخص لباس کے نیچے تلوار حمائل کرکے میرے ساتھ آئے اور جس وقت میں انہیں اشارہ کروں اور کہوں: اے آل رسول اندر آجاؤ؛ تو وہ اندر آجائیں اور میں جو حکم دوں اس کو انجام دیں، تاکہ میں اپنادفاع کرسکوں اور ذلیل ورسوانہ ہوں۔۔۔

پھر امام علیہ السلام گھر تشریف لے گئے، پانی مانگا، وضو کیااور دورکعت نماز پڑھی۔۔۔؛[1] پھر اپنے اصحاب کاایک دستہ بلایااور انہیں حکم دیا کہ اپنے ساتھ اسلحہ اٹھالیں اور فرمایا: ولید نے مجھے بلایاہے اور میرا گمان ہے کہ وہ مجھے ایسی چیز پر مجبور کرے گا جس کو میں قبول نہیں کر سکتا؛ لہذا میں امان محسوس نہیں کر رہا، پس آپ میرے ساتھ رہیں اور جب میں (دار الامارہ) میں داخل ہوں، تو آپ دروازے کے قریب بیٹھ جائیں، اگر میں آواز بلند کروں تو اندر داخل ہوں، تاکہ میرے بارے میں اس کے ارادے کوناکام بنادیں[2]۔

امام حسین علیہ السلام ولید کے دربار میں

اس گفتگو کے بعد امام حسین علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی ایک درہ ﴿چھڑی﴾[3] ہاتھ میں لی اور بنی ہاشم کے تیس جوانوں کے ہمراہ دارالامارہ پہنچے اور ان کو باہر بیٹھادیا۔[4] امام علیہ السلام اندر داخل ہوئے اور ولید پر سلام کیا۔ مروان بھی وہاں موجود تھا۔ امام علیہ السلام نے معاویہ کی موت سے آگاہی کا اظہار کیے بغیر فرمایا: تعلقات

---

[1]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۱۔ ۱۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۸۱

[2]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۳۲۔ ۳۳؛ رجوع کریں: ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵ ص۱۱۔ ۱۳؛ خوارزمی۔ مقتل الحسین، ج۱ص۱۸۱۔

[3]۔ ہم نے پہلے کہاہے کہ درہ ایسی چھوٹی چھڑی کو کہاجاتاہے جوعام طور پر خلفاء اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے اور یہ ان کی ظاہری شان وشوکت شمار ہوتی تھی۔

[4]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵ ص ۱۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین ج۱ص ۱۸۳۔

اور دوستی، غضب اور جدائی سے بہتر ہے۔ اللہ تعالی تمہاری اصلاح فرمائے۔ انہوں نے امام علیہ السلام کو اس بات کا جواب نہ دیا۔ امام علیہ السلام بیٹھے اور ولید نے یزید کا خط پڑھ کر آپ علیہ السلام کو معاویہ کی موت کی خبر دی اور ان سے بیعت طلب کی۔ امام حسین نے فرمایا: انا للہ و انا الیہ راجعون۔ رہا بیعت کا معاملہ، تو میں کہوں گا کہ میرے جیسے شخص کا چھپ کر بیعت کرنا مناسب نہیں ہے، اور شاید تو ایسی بیعت پر راضی بھی نہ ہو، بلکہ تم مجھ سے لوگوں کے سامنے اور آشکار بیعت لینا چاہتے ہو۔ ولید نے کہا: ہاں (ایسا ہی ہے)۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: جب لوگوں کو بیعت کے لیے بلانا، تو ان کے ساتھ ہمیں بھی بلالینا تاکہ ایک ہی جگہ کام انجام پائے۔ ولید چونکہ امن پسند تھا، اس نے کہا ٹھیک ہے واپس چلے جائیں اور لوگوں کے ساتھ ہمارے پاس آنا۔ مروان نے ولید سے کہا: اللہ کی قسم؛ اگر اب یہ بیعت کیے بغیر تجھ سے جدا ہو گیا، تو پھر تجھے کبھی یہ موقع نہیں ملے گا، مگر یہ کہ تیرے اور اس کے درمیان بہت سے لوگ قتل ہوں۔ اسے قید کر لو اور واپس نہ جانے دو، یہاں تک کہ بیعت کرے یا اسے قتل کر دو۔ اس وقت امام علیہ السلام غصے کے عالم میں کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے زرقا (نیلی آنکھوں والی عورت) کے بیٹے[1]! تو مجھے قتل کرے گا یا وہ؟! اللہ کی قسم؛ تو نے جھوٹ بولا ہے اور گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔[2]

بعض روایات کے مطابق پھر ولید کو مخاطب کر کے فرمایا:

اے امیر! ہم نبوت کے اہل بیت ہیں، رسالت کی معدن ہیں، ملائکہ اور رحمت کے نازل ہونے کا مقام ہیں، اللہ نے ہم سے شروع کیا ہے اور ہم پر ختم کیا ہے۔ یزید فاسق، شراب خور اور قاتل ہے، جو علی الاعلان گناہ کرتا ہے۔ میرے جیسا، اس جیسے کی بیعت نہیں کرے گا۔ لیکن آج رات رہنے دو، کل دیکھیں گے کہ ہم میں سے کون خلافت اور بیعت کے لائق ہے[3]۔

پھر آپ باہر نکلے اور اپنے اصحاب کے ساتھ گھر چل گئے۔

---

[1] جس طرح ہم نے دوسرے حصہ کی تیسری فصل میں ذکر کیا ہے زرقاء مروان کی ماں کی صفت تھی مزید اطلاع کے لیے وہاں رجوع کریں۔

[2] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۳۹۔۳۴۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲ص۳۳؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲ص۵۳۰۔

[3] ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵ص۱۴؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۸۴؛ اور تھوڑے فرق کے ساتھ: سیدن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص۹۸۔

مروان نے ولید سے کہا: "تم نے میری بات نہیں مانی۔ اللہ کی قسم؛ اسے کبھی نہیں پاسکو گے۔ ولید نے کہا: اے مروان مجھے ملامت نہ کرو، تو میرے لیے ایسی چیز چاہتا ہے جس میں میرے دین کی تباہی ہے؛ اللہ کی قسم؛ میں پوری دنیا کے مال و دولت کے عوض بھی حسین کو قتل نہیں کروں گا۔ سبحان اللہ؛ کیا میں حسین علیہ السلام کو صرف بیعت نہ کرنے کی وجہ سے قتل کروں؟! اللہ کی قسم؛ میرا گمان ہے کہ جس کے اعمال کا محاسبہ حسین علیہ السلام کے خون کے ساتھ کیا جائے، روز قیامت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے اعمال کا پلڑا ہلکا ہو گا۔ مروان نے کہا: اگر تیری یہی رائے ہے، تو تم نے اچھا فیصلہ کیا ہے۔" اگرچہ اس نے یہ بات کی ہے، لیکن وہ اس پر راضی نہیں تھا[1]۔

ابن سعد اور ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ ولید نے شروع میں غصے کے ساتھ امام علیہ السلام کے ساتھ گفتگو کی، لیکن جب امام حسین علیہ السلام نے بھی سخت جواب دیا اور اس کے سر سے عمامہ اتار لیا، تو ولید نے کہا: ان هجناً بابی عبد الله الا اسداً[2] (حسین کو ابھارنا ایسے ہے جیسے کوئی شیر کو اپنے خلاف ابھارے)۔[3]

ابن اعثم اور خوارزمی نے مزید کہا ہے: یہ آواز سنتے ہی بنی ہاشم کے جوانوں نے تلواریں نکال لیں اور اور گھر پر حملہ کرنا ہی چاہتے تھے کہ امام حسین علیہ السلام باہر نکلے اور انہیں اپنے گھروں کو جانے کا حکم دیا اور خود بھی اپنے گھر چلے گئے۔[4]

امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کے بعد ولید نے کئی مرتبہ عبد اللہ ابن زبیر کی طرف قاصد بھیجے اور اسے حاضر ہونے کو کہا۔ عبد اللہ ابن زبیر نے کہا: مجھے مہلت دو اور جلدی نہ کرو۔ میں خود تمہارے پاس آجاؤں گا؛ لیکن وہ اسے حاکم کے پاس لے جانے پر بضد تھے، حتی کہ اسے گالی گلوچ اور دھمکی دی اور کہا: اے کاہلیہ کے بیٹے! امیر کے پاس آؤ، ورنہ وہ تجھے قتل کر دے گا۔ انہوں نے رات گئے تک یہی سلسلہ جاری رکھا، یہاں تک کہ اس نے مجبور ہو کر اپنے بھائی جعفر کو ولید کے پاس بھیجا، تا کہ اس سے مہلت

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲ ص ۳۳۔۳۴؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۳۰۔

[2]۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ ج۸، ص۱۷۵۔

[3]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ؛ فصلنامہ تراثنا، ش۱۰، ص۱۶۴؛ ابن عساکر ترجمۃ الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص۲۰۰۔

[4]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵ ص۱۴؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۸۴۔

مانگے۔ جعفر نے ولید سے کہا: تجھ پر اللہ کی رحمت ہو! میرے بھائی کا پیچھا چھوڑ دو؛ تم نے بار بار قاصد بھیج کر اسے خوفزدہ کر دیا ہے۔ ان شاءاللہ، کل صبح وہ تیرے پاس آئے گا۔ اس کے بعد ولید نے کسی کو نہیں بھیجا۔ جب حکومتی کارندے اس کے گھر سے چلے گئے، تو عبد اللہ ابن زبیر رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے بھائی جعفر کے ساتھ چور راستوں (یعنی مدینہ کے اطراف میں فرع نامی ایک بستی کے راستے) سے مکہ کی طرف نکل گیا۔ جب صبح ہوئی تو ولید نے ایک شخص کو اسے بلانے کے لیے بھیجا، لیکن اس کو نہ پایا اور مروان کے مشورے سے بنی امیہ کے ایک غلام حبیب بن کرہ[1] کی سپہ سالاری میں اسی (۸۰) لوگوں کو اس کا پیچھا کرنے کے لیے بھیجا، لیکن وہ اسے پکڑ نہ سکے۔[2]

مدینہ میں امام حسین علیہ السلام کے آخری ایام

امام حسین علیہ السلام، ولید کے دربار سے واپسی کے بعد، مدینہ میں کتنے دن ٹھہرے؟ اس بارے میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے۔ یعقوبی کی روایت کے مطابق امام علیہ السلام صرف وہی رات مدینہ ٹھہرے اور صبح کے وقت مکہ کی طرف روانہ ہو گئے[3]۔ لیکن امام حسین علیہ السلام کے ساتھ بعض رشتہ داروں اور بزرگان کی ملاقات اور سفر کے مقدمات فراہم کرنے کے لیے درکار وقت کو مد نظر رکھا جائے تو یہ بات معقول نظر نہیں آتی۔ شیخ مفید اور سبط ابن جوزی[4] کے مطابق امام حسین علیہ السلام نے دوسری رات مدینہ سے حرکت کی۔ شیخ مفید کہتے ہیں: امام علیہ السلام نے ولید سے ملاقات والی رات اپنے گھر میں گزاری، یہ ہفتے کی رات تھی اور ماہ رجب ۶۰ھ سے تین دن باقی تھے۔ حاکمِ مدینہ نے عبد اللہ ابن زبیر کا تعاقب کرنے کی وجہ سے

---

[1]۔ بعض تاریخ میں حبیب بن کزبر نقل ہوا ہے۔ (ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۵)

[2]۔ طبری تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۴۰-۳۴۱؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳؛ بعض نے ولید کے مامورین کی تعداد تیس افراد لکھی ہے۔ (رجوع کریں: ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۵، ۱۴؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۳۷)۔

[3]۔ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص۲۴۱۔

[4]۔ ابن زبیر، تذکرۃ الخواص، ج۲ ص۱۳۲۔

امام علیہ السلام سے ہاتھ اٹھالیا۔[1] امام علیہ السلام ماہ رجب سے دو دن پہلے اتوار کی رات کو مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ روایت قابل قبول ہے؛ لیکن ابن اعثم [2] اور خوارزمی [3] کی روایت کے مطابق امام حسین علیہ السلام، ولید کے ملاقات اور چند راتیں مدینہ میں رہنے کے بعد، مکہ کی طرف روانہ ہوئے؛ [4] لیکن اگر امام علیہ السلام پر بیعت لینے کے لیے دباؤ کو مد نظر رکھا جائے تو مدینہ میں چند راتیں گزارنا بعید نظر آتا ہے۔

مروان کے ساتھ ملاقات

اس دوران امام حسین علیہ السلام کی مروان بن حکم کے ساتھ بھی ایک ملاقات ہوئی۔ ابن اعثم اور خوارزمی نے نقل کیا ہے کہ معاویہ کی موت کی خبر مدینہ میں پہنچنے کے دوسرے دن، امام حسین علیہ السلام حالات کا جائزہ لینے کے لیے گھر سے باہر نکلے کہ مروان سے ملاقات ہوگئی۔ مروان نے کہا: اے اباعبد اللہ! میں آپ کا خیر خواہ ہوں، میری بات مان لو، یہ آپ کے فائدے میں ہے۔ امام علیہ السلام نے جواب دیا: تو کیا کہنا چاہتا ہے؟ بولو، میں سن رہا ہوں۔ مروان نے کہا: میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ امیر المؤمنین یزید کی بیعت کرو، یہ آپ کے دین اور دنیا دونوں کے لیے بہتر ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا:

انا للہ و انا الیہ راجعون؛ جب لوگ یزید جیسے حاکم میں مبتلا ہو جائیں تو اسلام کا فاتحہ پڑھ لینا چاہیے۔ افسوس ہے تجھ پر، کیا تو کہتا ہے کہ میں یزید کی بیعت کر لوں، جبکہ وہ فاسق ہے؟! اے گناہ کبیرہ کرنے

---

[1] ۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۴؛ اور اسی سے ملتی جلتی عبارت: طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵ ص۳۴۱؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال۔ ص۲۳۷؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۳۰؛ سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص۱۰۱، ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ ج۸، ص۱۵۸۔

[2] ۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۹۔۲۱

[3] ۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱ ص۱۸۶۔۱۸۹

[4] ۔ قدیمی منابع میں سے ابن اعثم کی کتاب فتوح میں آیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام مدینہ سے نکلنے سے پہلے اپنے نانا، ماں اور بھائی کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور نانا کی قبر کے کنارے اپنے حق میں امت کی جفاکاریوں کا شکوہ کیا۔ دوسری رات پھر نانا کی قبر کی زیارت کرنے گئے وہاں خواب میں آپ علیہما السلام کو دیکھا، تو آنحضرت نے آپ علیہ السلام کو شہادت کی خبر دی۔۔۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۹۔۲۱۔ اس واقعہ کو شیخ صدوق نے اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے (الامالی، مجلس ۳۰) اور یہ روایت ان دو منابع کے ذریعہ باقی منابع میں ذکر ہوئی ہے؛ لیکن چونکہ یہ واقعہ بعض مشہور تاریخی مطالب کے خلاف ہے، اس لیے بعض نے قبول اور بعض نے رد کیا ہے اور مختلف جہات سے قابل تحقیق ہے۔ (رجوع کریں: نعمت اللہ صالحی نجف آبادی، شہید جاوید، ص۳۶۸۔۳۷۷، لطف اللہ صافی، حسین شہید آگاہ ص۱۷۴۔۱۸۲) ہم نے تفصیلی نقل نہیں کیا۔

والے! تو نے عجیب بات کی ہے؛ لیکن میں تجھے اس بات پر ملامت نہیں کرتا، کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے تجھ پر اس وقت لعنت کی تھی جب تو اپنے باپ حکم بن ابی العاص کے صلب میں تھا؛ اور جس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے لعنت کی ہو اس کے منہ سے ایسی بات کا نکلنا بعید نہیں ہے کہ وہ یزید کی بیعت کی دعوت دے... اے دشمنِ خدا! سن لے، ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے اہل بیت ہیں، حق ہمارے درمیان ہے اور ہماری زبان سے جاری ہوتا ہے۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے سنا ہے کہ خلافت ابوسفیان کے خاندان، آزاد شدہ اور آزاد شدہ کی اولاد پر حرام ہے۔ جب معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اس کا پیٹ چاک کر دو۔ خدا کی قسم؛ مدینہ والوں نے معاویہ کو منبر پر دیکھا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کا فرمان جاری نہیں کیا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر یزید کو مسلط کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے عذاب میں اضافہ فرمائے[1]۔

مدینہ چھوڑنے سے پہلے امام حسین علیہ السلام کی ملاقاتیں

کتب تاریخ میں بیان ہوا ہے ولید کے دربار سے واپس آنے کے بعد امام حسین علیہ السلام نے مدینہ میں مختصر اقامت کے دوران بنی ہاشم کے کچھ مردوں، عورتوں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے اصحاب سے ملاقات کی۔ ان ملاقاتوں میں انہوں نے آپ علیہ السلام کو انتہائی غمناک حالت میں الوداع کیا اور آپ علیہ السلام کو عراق جانے سے روکا۔ روکنے والوں میں آپ کے دو بھائی عمر بن علی[2] اور محمد بن حنفیہ[3] اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ علیہا السلام بھی تھیں، ان کی تفصیل بعد بیان ہو گی۔

عمر بن علی علیہ السلام کے ساتھ ملاقات

سید بن طاووس کی روایت کے مطابق عُمر نسّابہ نے اپنی کتاب "الشافی فی النسب" میں اپنے جد محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب علیہم السلام سے یوں نقل کیا ہے: میں نے اپنے باپ عمر بن علی بن ابی طالب سے سنا ہے،

---

[1]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۷؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۸۴۔۱۸۵؛ ورجوع کریں: سید بن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص۹۹۔

[2]۔ سید بن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص۹۹۔۱۰۰، حاشیہ۔

[3]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵ ص۲۰۔۲۱؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲ ص۳۴؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۳۱؛ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵ ص۳۴۱۔

وہ عقیل کی اولاد کو کہہ رہے تھے: جب میرے بھائی حسینؑ نے یزید کی بیعت کرنے سے انکار کیا تو میں، ان کے پاس گیا اور انہیں اکیلا بیٹھے دیکھا۔ میں نے کہا: اے ابا عبد اللہ! آپ پر قربان جاؤں، آپ کے بھائی حسنؑ نے میرے سامنے اپنے بابا علیؑ سے ایک حدیث نقل کی ہے؛ یہ کہہ کر میں اپنے آپ پر قابو نہ پاسکا اور میں گریہ کرنے لگا، میرے رونے کی صدا بلند ہوئی۔ حسینؑ نے مجھے اپنے سینہ سے لگا کر فرمایا: کیا انہوں نے تجھے بتایا ہے کہ میں شہید ہو جاؤں گا؟ میں نے کہا: اے فرزند رسول خداؐ! اللہ نہ کرے۔ فرمایا: میں تمہیں تیرے باپ کے حق کی قسم دیتا ہوں، کیا انہوں نے میرے قتل کی خبر دی ؟ میں نے کہا: جی ہاں؛ بہتر تھا کہ آپ بیعت کر لیتے۔ امامؑ نے فرمایا: میرے بابا نے مجھے حدیث بیان فرمائی، اور رسول خداؐ نے انہیں خبر دی: میرے بابا اور میں قتل ہو جائیں گے اور میری قبر، ان کی قبر کے قریب ہو گی[1]۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ جو کچھ تم جانتے ہو، وہ میں نہیں جانتا؟ میں کبھی اس ذلت کو قبول نہیں کروں گا اور جس روز فاطمہؑ اپنے بابا سے ملاقات کریں گی، ان کے سامنے اپنے بیٹوں کے حق میں امت کے مظالم کی شکایت بھی کریں گی؛ اور جنہوں نے فاطمہؑ کے دل کو ان کی اولاد کی وجہ سے تکلیف دی، وہ کبھی بہشت میں داخل نہیں ہوں گے۔[2]

محمد بن حنفیہؒ کے ساتھ ملاقات

جب محمد بن حنفیہ آپؑ کے مدینہ چھوڑنے کے ارادے سے آگاہ ہوئے تو عرض کی: اے میرے بھائی! آپ میری محبوب ترین اور عزیز ترین شخصیت ہیں اور جو سب سے بہتر نصیحت سمجھتا ہوں، آپ کو بیان کرتا ہوں؛ اور وہ یہ ہے کہ یزید کی بیعت نہ کرو اور بڑے شہروں میں بھی نہ رہو، بلکہ دیہاتوں اور پہاڑوں میں چلے جاؤ اور وہاں سے لوگوں کی طرف اپنے سفیر روانہ کرو اور انہیں اپنی بیعت کی دعوت دو۔ اگر لوگوں نے آپ کے علاوہ کسی اور کی بیعت کر لی، تو آپ کے دین اور عقل کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا

---

[1]۔ شاید حجاز کی نسبت کربلا اور نجف کے قریب ہونے کیطرف اشارہ ہے۔

[2]۔ سید بن طاوس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص۹۹۔۱۰۰، حاشیہ

اور آپ کا فضل و کمال باقی رہے گا۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ کسی شہر میں جائیں تو ایک گروہ آپ کے اردگرد جمع ہو گا (اور آپ کی بیعت کرے گا)، پھر ان کے درمیان اختلاف ہو جائے گا؛ کچھ لوگ آپ کے طرف دار اور کچھ مخالف ہو جائیں گے اور ان کے درمیان جنگ و جدال ہو گی اور سب سے پہلے آپ نشانہ بنیں گے؛ یوں حسب و نسب کے لحاظ سے سب سے افضل شخص کا خون بہا دیا جائے گا اور اس کے خاندان کو رسوا کیا جائے گا۔[1]

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے بھائی میں نے سفر کا ارادہ کر لیا ہے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا: پس مکہ چلے جائیں، اگر وہاں آپ کو امن میسر ہو تو آپ کے لیے راہ نجات ہے اور اگر آپ کے لیے کوئی جگہ قابل اطمینان نہ ہو تو پہاڑوں اور صحراؤں میں جا کر شہر بہ شہر سفر کرتے رہنا، یہاں تک کہ اس کام کی عاقبت معلوم ہو جائے، اس وقت آپ کوئی مناسب فیصلہ کر سکیں گے؛ کیونکہ جب حالات کا رخ آپ کی طرف ہو (اگر ان حالات کا سامنا کرنے سے پہلے فیصلہ کر لیں) تو آپ بہترین فیصلہ اور سب سے مناسب عمل انجام دے سکیں گے اور اگر آپ نے حالات کو پس پشت ڈال دیا (اور پہلے سے فیصلہ کیے بغیر حالات کا مقابلہ کیا) تو آپ کے لیے اس سے زیادہ مشکل کام کوئی نہیں ہو گا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: بھائی جان! آپ نے وعظ و نصیحت کی اور اپنی شفقت اور ہمدردی کا اظہار کیا، امید ہے کہ آپ کی رائے درست اور نجات بخش ہو گی۔[1] آپ علیہ السلام نے مزید فرمایا: لیکن بھائی جان! کوئی حرج نہیں ہے کہ آپ مدینہ میں رہیں اور میری عدم موجودگی میں بنی امیہ کی آمد و رفت پر نظر رکھیں اور مجھے ان کے کاموں اور معاملات سے آگاہ کرتے رہیں[2]۔

پھر آپ علیہ السلام نے کاغذ و قلم مانگا اور اپنی مشہور وصیت تحریر فرمائی اور حضرت محمد بن حنفیہ کے حوالے کی۔ وصیت نامہ کا متن یہ ہے:

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۴۱۔ ۳۴۲۔

[2]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۲۰۔۲۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، س۱۸۷۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ حسین بن علی کی وصیت اپنے بھائی محمد المعروف ابن حنفیہ کے نام ہے ۔ حسین بن علی، اللہ تعالی کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے اور گواہی دیتا ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اللہ کی طرف سے (لوگوں کے لیے) دینِ حق (یعنی اسلام) لے کر آئے ہیں اور گواہی دیتا ہے کہ جنت اور جہنم حق ہیں اور بلاشک وشبہ روز جزاء آئے گا اور اللہ تعالیٰ اس دن تمام انسانوں کو زندہ کرے گا۔ میں نے عیش وعشرت، خود خواہی اور ظلم وفساد کے لیے خروج نہیں کیا؛ بلکہ میرا مقصد، ان فسادات کی اصلاح کرنا ہے جو میرے نانا کی امت میں رونما ہو چکے ہیں۔ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں اور اپنے نانا، بابا اور خلفاء راشدین[1] کی سیرت پر عمل کرنا چاہتا ہوں۔ پس جس نے مجھ سے یہ حقیقت قبول کی (اور میری پیروی کی) اس نے اللہ کی راہ اختیار کر لی اور جس نے انکار کیا (اور میری پیروی نہ کی) میں صبر اور استقامت کے ساتھ اپنے راستہ پر چلتا رہوں رہوں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالی میرے اور ان لوگوں کے درمیان حق کا فیصلہ کرے، وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ بھائی جان! یہ میری طرف سے آپ کو وصیت ہے۔ توفیق صرف خدا کی طرف سے ہے، میں اس پر توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف پلٹ جاؤں گا۔ درود وسلام ہو تجھ پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا ہے۔ کوئی طاقت اور قدرت نہیں، سوائے خدائے بزرگ وبرتر کی جانب سے۔[2]

حضرت ام سلمہ کے ساتھ ملاقات

ایک روایت کے مطابق جب امام حسین علیہ السلام نے عراق جانے کا ارادہ کر لیا، تو حضرت ام سلمہ نے کہا: آپ عراق نہ جائیں، میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے سنا ہے کہ میرا بیٹا حسین عراق میں شہید کر دیا جائے گا۔

---

[1] ۔ خلفاء راشدین کی اصطلاح اہل سنت کے ہاں رائج ہے اور ان کی مراد اس حدیث کے مطابق جو پیامبر اکرم سے نقل کرتے ہیں رسول اللہ رحلت کے بعد چار خلفاء ہیں اور اس تعبیر کے ذریعہ وہ نیکی اور رشد عقلی کے لحاظ سے بعد والے خلفاء کو ان سے جدا کرتے ہیں۔ (رجوع کریں: عبد الرحمٰن، السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۱۶)۔ اہل سنت کے بعض علما امام حسن علیہ السلام کو بھی خلفاء راشدین میں شمار کرتے ہیں اور ان کی تعداد پانچ شمار کرتے ہیں؛ جیسا کہ اب حجر ہیتمی (۹۷۴ق) لکھتے ہیں: حسن بن علی خلفاء راشدین میں سے آخری خلیفہ ہیں۔ (رجوع کریں: احمد بن حجر ھیتمی مکی، الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اہل البدع والزندقۃ، ص ۱۳۵)۔

[2] ۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۲۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۱، ص ۱۸۹، ۱۸۸۔

حضرت ام سلمہ نے مزید کہا: میرے پاس ایک مٹی ہے، جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے ایک بوتل میں مجھے دی تھی۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کی قسم؛ میں شہید ہو جاؤں گا۔ پھر فرمایا: اگر آپ چاہیں تو آپ کو اپنی قبر، اپنی اور اپنے اصحاب کی قتل گاہ دکھادوں۔ پھر حضرت ام سلمہ کے چہرے پر اپنا ہاتھ پھیرا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی میں اور اضافہ کر دیا اور انہوں یہ سب کچھ دیکھا۔ امام علیہ السلام نے وہاں سے مٹی اٹھائی اور ایک بوتل میں ڈال کر حضرت ام سلمہ کو دی اور فرمایا: جب یہ مٹی خون میں بدل جائے، تو سمجھ لینا کہ میں شہید ہو گیا ہوں۔ عاشورہ کی ظہر کے بعد جب حضرت ام سلمہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ اور امام حسین علیہ السلام کی مٹی کو دیکھا، تو وہ دونوں خون میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ بی بی نے اس وقت فریاد کی۔[1]

فضیل بن یسار نے امام باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے: جب امام حسین علیہ السلام عراق جانے لگے تو وصیت نامہ، (امامت کی) کتابیں اور باقی سامان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ کے سپرد کیا اور فرمایا: جب میرا بڑا بیٹا آپ کے پاس آئے، تو یہ سب چیزیں اسے دے دینا۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام ان کے پاس گئے، تو جو کچھ امام حسین علیہ السلام نے انہیں دیا تھا، انہوں نے وہ سب کچھ امام سجاد علیہ السلام کے حوالہ کر دیا[2]۔

ابو بکر حضرمی نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے: امام حسین نے، آپ پر اللہ کا درود و سلام ہو، جب عراق کی طرف جانا چاہا تو (امامت کی) کتابیں اور وصیت نامہ، حضرت ام سلمہ کے سپرد کیا۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب امام زین العابدین علیہ السلام ان کے پاس گئے تو انہوں نے وہ امام سجاد علیہ السلام کے حوالہ کر دیا۔[3]

---

[1]۔ قطب الدین راوندی، الخرائج والجرائح، ج۱ص ۲۵۳۔ ۲۵۴؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۸۹، ح۲۷۔

[2]۔ شیخ طوسی، کتاب الغیبۃ، ص۱۹۶،۱۹۵ح۱۵۹۔

[3]۔ کلینی، الاصول من الکافی، ج۱، ص ۲۴۲۔

بنی عبد المطلب کی خواتین کا اظہار غم

ابن قولویہ نے جابر سے نقل کیا ہے: امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جب امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے جانے کا ارادہ کیا تو بنی عبد المطلب کی کچھ خواتین جمع ہو کر عزاداری اور نوحہ خوانی کرنے لگیں۔ امام حسین علیہ السلام نے ان کے پاس جا کر فرمایا: آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں، کہیں یہ کام اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا موجب نہ بن جائے۔ بنی عبد المطلب کی خواتین نے کہا: پس کس کے لیے گریہ و نوحہ روکے رکھیں، جبکہ آج کا دن ہمارے لیے ایسے ہے جیسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ، علی علیہ السلام، فاطمہ علیہا السلام، زینب، رقیہ اور ام کلثوم (پیغمبر کی پرورده بیٹیاں) دنیا سے چلے گئے ہوں۔ اے نیک سلف کے محبوب! اللہ تعالیٰ ہمیں موت کے مقابلے میں آپ پر قربان کرے۔ ہم آپ کو خدا کی قسم دیتی ہیں (اپنے آپ کو موت سے دور رکھو)۔ امام حسین علیہ السلام کی ایک پھوپھی نے بھی گریہ کیا اور امام حسین علیہ السلام سے عرض کیا: میں نے سنا ہے کہ جنات آپ پر گریہ کرتے تھے اور کہتے تھے:

سرزمین طف پر بنی ہاشم کا شہید سبب بنا کہ قریش (اس کام کی وجہ سے) ذلیل و خوار ہوئے۔

محبوب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نقصان پہنچانے والا نہیں تھا؛ تیری مصیبت عظیم تھی اور ناک کٹ گئی[1]۔

پھر (عورتوں) نے یہ اشعار پڑھے:

حسین پر گریہ کرتی ہوں کہ وہ ہمارے آقا اور سرور ہیں؛ اس کے غم میں بال سفید ہو جاتے ہیں اور زمین میں زلزلہ آ جاتا ہے اور چاند گرہن لگ جاتا ہے۔

غروب اور سحر کے وقت آسمان کے افق سرخ ہو جاتے ہیں، شہروں کا خورشید گرد آلود ہو جاتا ہے اور ہر جگہ اندھیرا چھا جاتا ہے۔

وہ فرزند فاطمہ ہے، تمام مخلوقات اور بشریت اس کی موت میں مصیبت زدہ ہیں اور اس کی شہادت ہماری ذلت، ناک کٹنے اور دھوکہ کھانے کا سبب ہے۔[1]

---

[1] پرانے زمانہ میں رسم تھی جب بڑی مصیبت آتی تو لوگ عزاداری کرتے تھے اور بعض اپنے ناک کی نوک کاٹ دیتے تھے لیکن یہ کام اسلام میں حرام ہے۔

کاروانِ حسینی، مکہ کے راستے میں

امام حسین علیہ السلام ۲۸ رجب ۶۰ ہجری، اتوار کو رات کے وقت محمد بن حنفیہ کے علاوہ، دیگر چند بنی ہاشم ،بھائیوں، بھتیجوں اور بھانجوں کے ہمراہ، جن کی تعداد ۲۱ افراد تھی،[۲] مدینہ سے نکلے اور مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔[۳] مؤرخین میں سے ابو حنیفہ دینوری نے امام علیہ السلام کے ساتھیوں کی بیشتر تفصیلات بیان کی ہیں:

جب دن اپنے اختتام کو پہنچا اور رات نے اپنی تاریکی پھیلائی تو حسین۔ رضی اللہ عنہ۔ مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اس سفر میں آپ کی بہن ام کلثوم ،زینب، بھتیجے اور بھائی ابو بکر، جعفر، عباس اور خاندان کے چند لوگ جو مدینہ میں تھے، محمد بن حنفیہ کے علاوہ آپ علیہ السلام کے ساتھ گئے۔ عبد اللہ ابن عباس چند دن پہلے مکہ چلے گئے تھے۔[۴]

امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے روانہ ہوتے وقت یہ آیت تلاوت فرمائی:

فَخَرَجَ مِنۡهَا خَائِفاً يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الۡقَوۡمِ الظَّالِمِين۔[۵]

تو موسیٰ شہر سے باہر نکلے خوفزدہ اور دائیں بائیں دیکھتے ہوئے اور کہا کہ پروردگار! مجھے ظالم قوم سے محفوظ رکھنا۔

امام حسین علیہ السلام عبد اللہ ابن زبیر کی طرح ناشناختہ راستوں سے نہیں گئے، بلکہ اصلی راستوں سے سفر طے کیا اور جب حضرت مسلم بن عقیل نے مشورہ دیا کہ آپ بھی عبد اللہ ابن زبیر کی طرح ناشناختہ راستوں سے چلے جائیں تو امام علیہ السلام نے جواب دیا: میں جب تک مکہ کے گھروں کا مشاہدہ نہ کروں، اس راستہ سے جدا

۱۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، ص۱۹۵، باب ۲۹۔

۲۔ شیخ صدوق الامالی، مجلس ۳۰۔

۳۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۳۴؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵ ص ۳۴۱؛ ابو مخنف، وقعۃ الطف، ص ۸۵۔

۴۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۲۳۷۔

۵۔ قصص ۲۱۔

نہیں ہوں گا؛ یا اللہ تعالی جس چیز پر راضی و خوشنود ہے، اس کا حکم دے دے۔[1] پھر یزید بن مُفَرِّغ حمیری[2] کے اشعار پڑھے:

ترجمہ اشعار: **میں وہ دلیر نہیں ہوں کہ اگر (دشمن پر) صبح کی سفیدی میں میرے حملے سے جنگل کے حیوانات وحشت زدہ ہو جاتے۔ اگر میں موت کے خوف سے دشمن کی بیعت کروں تو میرا نام یزید بن مفرغ نہیں۔ اگرچہ موت سے راہِ فرار نہیں اور جتنا موت سے فرار کروں، موت میری کمین میں ہے۔**[3]

امام حسینؑ ۲۸ رجب کو مدینہ سے چلے اور تین شعبان کو مکہ پہنچے۔[4] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امامؑ نے یہ راستہ بہت تیزی سے طے کیا۔[5]

امام حسینؑ نے عبد اللہ زبیر کی طرح چور راستہ اختیار کیوں نہیں کیا اور اصلی راستے سے گئے؟ اس سوال کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ چور راستوں سے جانا ایک قسم کا فرار شمار ہوتا ہے، جبکہ یہ کام امامؑ کی شان کے مطابق نہیں تھا، نیز یہ کہ اصلی راستے سے جانا ایک طرح کی تبلیغ بھی تھی۔ مدینہ اور مکہ کے درمیان مسافرین کے قافلے امامؑ کو دیکھتے اور ان کے خروج کی خبر دنیا میں پھیلتی اور لوگوں کے اذہان میں یہ سوال پیدا ہوتا کہ امام حسینؑ نے کیوں اپنے اہل و عیال کے ہمراہ وطن اور نانا کا حرم چھوڑا اور مکہ کی طرف چل پڑے؟

بہر حال، عبد اللہ ابن زبیر کے واقعہ کے برعکس، اس مرتبہ مدینہ کے حاکم نے کسی کو امامؑ کے تعاقب میں نہ بھیجا اور یہ شاید ولید کی فکر کا نتیجہ تھا جس نے امامؑ کے ساتھ الجھنے کی کوشش نہ کی۔

---

[1] ۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲ ص ۳۵؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۲۲؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۱، ص ۱۸۹۔

[2] ۔ یاقوت، حموی، معجم الادباء، ج ۲۰، ص ۴۳؛ ابن خلکان، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، ج ۶، ص ۳۴۲۔

[3] ۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۲۲؛ مسعودی، مروج الذهب، ج ۳، ص ۶۴۔

[4] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵ ص ۳۸۲؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۳۵، ۳۴۔

[5] ۔ ماضی میں پانچ سو کلومیٹر کے اس راستے کو کاراون حمل و نقل کے وسائل کے ساتھ دس دن میں طی کرتے تھے۔ واقدی کی روایت کے مطابق جنگ احد کے موقع پر قریش کی فوج نے یہ راستہ آٹھ دن میں طی کیا۔ (رجوع کریں: ابن سعد، الطبقات الکبری، ج ۱، ص ۲۳۲۔ ۲۳۳)۔

چنانچہ نقل ہوا کہ ولید نے پہلی رات کسی کو امام علیہ السلام کے گھر بھیجا، تا کہ دیکھے کہ امام علیہ السلام مدینہ سے چلے گئے ہیں یا نہیں؟ اس نے واپس آکر خبر دی کہ میں نے حسین کو نہیں پایا۔ لہٰذا وہ خوش ہوا اور کہا: اللہ کا شکر ہے کہ وہ چلے گئے ہیں اور ہم ان کے خون میں مبتلا نہیں ہوئے۔ البتہ صبح کے وقت امام علیہ السلام گھر واپس آگئے۔[1]

ابن اعثم اور خوارزمی کی روایت کے مطابق امام حسین علیہ السلام اور عبد اللہ ابن زبیر کے مکہ جانے کے بعد ولید نے یزید کو خط لکھا اور اہل مدینہ اور عبد اللہ ابن زبیر کے حالات کی خبر دی اور اسی طرح امام حسین علیہ السلام کے بارے میں لکھا: اس نے خلافت پر ہماری بیعت نہیں کی۔ جب یہ خط یزید کو ملا تو وہ بہت غضبناک ہوا، یہاں تک کہ اس کی آنکھیں مُڑ گئیں (کیونکہ جب یزید کو غصہ آتا تھا تو اس کی آنکھیں ٹیڑھی ہو جاتی تھیں) پھر جواب میں لکھا:... جب تجھے میرا خط ملے تو اطمینان کی خاطر مدینہ والوں سے دوبارہ بیعت لو اور عبد اللہ بن زبیر کو چھوڑ دو، کیونکہ جب تک وہ زندہ ہے ہمارے ہاتھ سے نہیں بچ سکتا؛ لیکن حسین بن علی کا سر اس خط کے جواب کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اگر تو نے یہ کام انجام دیا تو مجھ سے بہت بڑا انعام پاؤ گے۔[2]

بالآخر امام حسین علیہ السلام کو خروج سے نہ روک سکنے کی وجہ سے، یزید نے ولید بن عتبہ کو حکومت سے معزول کر دیا اور عمرو بن سعید اشدق کو مدینہ کا گورنر بنا دیا؛[3] یوں وہ مدینہ اور مکہ دونوں کا والی بن گیا۔

عبد اللہ بن مطیع کے ساتھ ملاقات

مکہ کے راستے میں امام حسین علیہ السلام کی عبد اللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی۔ وہ اس وقت مدینہ سے مکہ کے راستے میں اپنی زمینوں کی آبیاری کے لیے کنواں کھود رہا تھا۔ جب امام حسین علیہ السلام اس کے پاس پہنچے تو اس نے امام علیہ السلام سے کنویں کا پانی پینے اور دعا کی درخواست کی۔ امام علیہ السلام نے اس کی درخواست قبول فرمائی۔[4]

پھر عبد اللہ بن مطیع نے امام حسین علیہ السلام سے پوچھا: آپ کہا جا رہے ہیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اس وقت مکہ جا

---

[1] ۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۸؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۸۶۔

[2] ۔ ابن اعثم، سابقہ منبع، ؛ خارزمی، سابقہ منبع، ص۱۸۵۔

[3] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۴۳ ۳؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۳۲۔

[4] ۔ ابن شعد، الطبقات الکبری، ج۵، ص ۱۴۴۔۱۴۵؛ ابن عساکر، تجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۱۵۵۔

رہا ہوں۔ عبد اللہ بن مطیع نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو خیر دے؛ لیکن میرا ابھی ایک مشورہ ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ بیان کروں۔ امامؑ نے فرمایا: آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: پس اگر مکہ جانے کے بعد کسی اور شہر جانا چاہیں تو کوفہ کے قریب نہ جانا، کیونکہ کوفہ بدبخت شہر ہے۔[1] اس میں آپ کے بابا قتل ہوئے اور بھائی تنہا رہ گئے تھے اور ان پر بھاری ضرب لگی۔ مکہ سے جدا نہ ہونا، کیونکہ آپ عرب کے سردار اور آقا ہیں۔ اللہ کی قسم؛ اگر آپ قتل ہوگئے تو آپ کا خاندان بھی ہلاک ہو جائے گا[2]۔

جب امامؑ مکہ پہنچے تو یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَى رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ[3]

اور جب موسیٰ نے (مصر سے خارج ہونے کے بعد) مدین کا رخ کیا تو کہا کہ عنقریب پروردگار مجھے سیدھے راستہ کی ہدایت کردے گا[4]۔

---

[1]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۲۳۸۔

[2]۔ سابقہ منبع، ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۲۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۸۹۔

[3]۔ قصص، (۲۸) ۲۲۔ اس آیہ کے بارے میں تھوڑی سی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

[4]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲ص۳۵۔

نویں فصل

امام حسین علیہ السلام مکہ میں

مکہ میں سکونت کے دوران امام حسین علیہ السلام کی فعالیت

۳شعبان ۶۰ ہجری کو امام حسین علیہ السلام مکہ میں داخل ہوئے[۱] اور شعب علی نامی ایک مقام پر ٹھہرے[۲] اور آٹھ ذی الحجہ تک اسی شہر میں قیام کیا۔[۳] آپ نے مکہ میں چار ماہ اور پانچ دن گزارے اور یہ آپ کی تحریک کی سب سے لمبی مدت ہے۔

امام علیہ السلام ابتدا میں مکہ کے گھروں سے باہر ایک بڑے خیمہ میں رہے اور خوارزمی کی تعبیر کے مطابق، مکہ کے بالائی علاقہ میں خیمہ لگایا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد عبد اللہ بن عباس کی دعوت پر ان کے گھر منتقل ہو گئے جو دار العباس کے نام سے مشہور تھا۔[۴]

امام حسین علیہ السلام کی طرف سے مکہ کا انتخاب ایک سنجیدہ اقدام تھا؛ کیونکہ مکہ امن کی جگہ تھی اور دشمن کا خطرہ بہت کم تھا۔ دوسری طرف امام حسین علیہ السلام حج کے موسم میں مکہ میں داخل ہوئے، اسی وجہ سے مکہ پوری اسلامی مملکت کے مسلمانوں کے اجتماع کی جگہ اور عوامی افکار تک پیغام پہنچانے کا سب سے مناسب نقطہ تھا۔ امام حسین علیہ السلام کے مکہ میں داخل ہوتے ہی لوگ گروہ گروہ ہو کر امام کی خدمت میں شرفیاب ہونے لگے اور اب عبد اللہ بن زبیر کو چھوڑ دیا۔ عبد اللہ بن زبیر بھی دن کو اکثر اوقات، خانہ کعبہ کے پاس

۱۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۵۔ بعض منابع میں، امام علیہ السلام کی مدینہ سے روانگی تین شعبان کہا گئی ہے جو کہ بعید نظر آتا ہے (سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص۱۰۱؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۲۵)۔

۲۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۳۸۔

۳۔ رجوع کریں: شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۶۶، ۳۵؛ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵، ص۳۸۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳ ص۳۷۱، ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۶۹؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۳۸۔

۴۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱ص۱۹۰۔ شعب علی اور شعب ابی طالب ایک ہی جگہ کے دو نام ہیں اور دار العباس شعب ابی طالب میں واقع تھا۔ (خلاصہ پاورقی)

نماز یا طواف میں مشغول ہوتا تھا۔ دو دن مسلسل یا دو دن میں ایک مرتبہ امام حسین علیہ السلام کے پاس آتا اور ہمیشہ آپ کو مشورے دیتا تھا۔ امام حسین علیہ السلام کا مکہ میں رہنا اس کے لیے سب سے زیادہ مشکل تھا؛ کیونکہ وہ جانتا تھا، جب تک امام حسین علیہ السلام مکہ میں ہیں تب تک مکہ کے لوگ اس کی بیعت نہیں کریں گے، بلکہ ان کے نزدیک امام حسین علیہ السلام سب سے عظیم شخصیت ہیں اور سب ان کی اطاعت کرتے ہیں۔[1]

امام حسین علیہ السلام کے مکہ میں قیام کے بارے میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ لوگوں نے آپ کا استقبال کیا۔ اگرچہ مکہ کے رہنے والے اکثر لوگ خاندانِ قریش میں سے تھے اور قبیلہ کے درمیان دیرینہ دشمنی کی وجہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے خاندان کے ساتھ ان کے تعلقات اچھے نہیں تھے؛ لیکن جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ مکہ کی مذہبی صورت حال اور موسم حج قریب ہونے کی وجہ سے دوسرے علاقوں سے لوگ وہاں آئے ہوئے تھے۔ اسی طرح یزید کی منفور شخصیت، جس کی وجہ سے اکثر مسلمان اس کی خلافت پر راضی نہیں تھے؛ لہٰذا امام حسین علیہ السلام کا شاندار کا استقبال ہوا۔ شیخ مفید فرماتے ہیں: اہل مکہ اور جو لوگ عمرہ انجام دینے کے لیے وہاں موجود تھے اور دوسرے لوگ بھی امام علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوتے تھے۔[2] ابو حنیفہ دینوری لکھتے ہیں: حسین بن علی کے ہاں لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی اور گروہ گروہ ہو کر ان کے ارد گرد بیٹھتے تھے۔[3] ابن اعثم اور خوارزمی، مکہ کے لوگوں کی طرف سے امام حسین علیہ السلام کے استقبال اور خوشحالی کے بارے میں فرح شدید (شدید خوشی) کی تعبیر لائے ہیں اور لکھا ہے کہ لوگ صبح و شام ان کی خدمت میں جاتے تھے[4]۔

---

[1]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۳۸؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۱؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲ ص۳۶۔

[2]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲ ص۳۶؛ و رجوع کریں: طبری تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۶۸؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲ ص۵۳۳۔

[3]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۳۸۔

[4]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۲۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۹۰۔

ابن اثیر لکھتے ہیں: جب حسین بن علی علیہ السلام مکہ میں داخل ہوئے اور وہاں ٹھہرے تو عمرہ بجالانے کے لیے آئے ہوئے وہاں کے لوگ اپنے ساتھیوں سمیت اور گردونواح کے مختلف افراد، آپ کے پاس آتے جاتے تھے۔[1] ابن کثیر لکھتے ہیں: حسین بن علی علیہ السلام کے پاس لوگ جاتے، وہاں بیٹھتے اور آپ کی گفتگو سنتے تھے۔[2] نیز عبد اللہ بن زبیر کے حاضر ہونے اور اس کی اچھی حالت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں: لوگوں کے نزدیک اس کی عظمت، امام حسین علیہ السلام جیسی نہیں تھی۔ لوگ صرف حسین علیہ السلام کی طرف مائل تھے؛ کیونکہ وہ سرور، آقا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی بیٹی کے فرزند تھے اور اُن دنوں روئے زمین پر کوئی ان کا ہم پلہ نہیں تھا؛ لیکن یزید کی حکومت ہمیشہ ان سے دشمنی وعداوت رکھتی تھی۔[3]

امام حسین علیہ السلام ہر روز مکہ میں باجماعت نماز پڑھاتے تھے۔[4] مکہ کے گورنر عمرو بن سعید (اشدق) نے امام کے پاس لوگوں کی آمد و رفت اور مقبولیت کا یہ منظر دیکھ کر یزید کو خط لکھا جس میں امام علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت کی مکہ میں آمد، قیام اور آپ کے پاس لوگوں کی آمد و رفت اور مقبولیت کی خبر دی۔[5]

یزید کا ابن عباس سے مدد مانگنا

امام حسین علیہ السلام کو مکہ میں رہنے سے روکنے کے لیے بزرگوں اور سرداروں، بالخصوص بنی ہاشم کو خط لکھنا حکومتِ شام کا ایک اقدام تھا، اس امید کے ساتھ کہ یہ لوگ امام علیہ السلام کے فیصلے میں اثر انداز ہوں گے۔ کتب تاریخ نے یزید کا ابن عباس کے نام خط نقل کیا ہے۔ ابن سعد اور ابن عساکر نے اس بارے میں لکھا ہے:

یزید نے عبد اللہ بن عباس کو خط لکھا اور اس میں امام علیہ السلام کے مکہ جانے کی خبر دی اور کہا:

۱۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۳۳،

۲۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص۱۶۲۔

۳۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ج۸، ص۱۶۲۔

۴۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۹۰۔

۵۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۹۰۔

ہمارا گمان ہے کہ مشرق سے کچھ لوگ ان کے پاس گئے ہیں اور انہیں خلافت کا لالچ دیا ہے۔ تم ان کے بارے میں آگاہی اور تجربہ رکھتے ہو۔ اگر حسین نے ایسا کیا ہے تو رشتہ داری توڑ دی ہے اور تم اپنے خاندان کے بزرگ اور ان کے اہمیت رکھتے ہو۔ اس کو تفرقہ ڈالنے سے روکو۔

یزید نے خط کے آخر میں ابن عباس اور مدینہ اور مکہ میں موجود قریش کے لوگوں کے لیے چند اشعار لکھے۔ ابن عباس نے جواب لکھا: امید کرتا ہوں کہ حسین کے خروج کا سبب کوئی ایسا کام نہ ہو جو تجھے ناپسند ہو۔ میں بھی اس کی ایسے امر کے متعلق خیر خواہی میں کوتاہی نہیں کروں گا، جس کے ذریعہ اللہ تعالی الفت پیدا کرتا ہے اور فتنہ وفساد کو ختم کرتا ہے۔[1]

سبط بن جوزی نے یزید کے خط اور ابن عباس کے جواب کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کا مفہوم مذکورہ بیان سے قدرے مختلف ہے[2]۔

امام ؑ کی طرف سے یزید کے خط کا جواب

ابن اعثم نے لکھا ہے: یزید نے مدینہ کے لوگوں، قریش اور بالخصوص بنی ہاشم کو چند اشعار کے ہمراہ خط لکھا۔ مدینہ والوں نے جب خط دیکھا تو امام حسینؑ تک پہنچا دیا۔ جب امام حسینؑ نے خط دیکھا اور پتہ چلا کہ یزید بن معاویہ کی طرف سے ہے تو جواب میں آیت کریمہ لکھی جو اسلام کی کفر سے جدائی اور پیغمبر ؐ کی کفار اور خدا کے منکرین سے برائت کو بیان کرتی ہے:

"بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ، وَإِنۡ كَذَّبُوكَ فَقُلۡ لِي عَمَلِي وَلَكُمۡ عَمَلُكُمۡ أَنۡتُمۡ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعۡمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تَعۡمَلُونَ"[3]

اور اگر یہ لوگ آپکو جھٹلائیں تو کہدیجیے: میرا عمل میرے لیے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لیے، تم میرے عمل سے بری ہو اور میں تمہارے عمل سے بری ہوں۔[1]

---

[1]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۶۸۔۱۶۹۔ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۲۰۳۔۲۰۴

[2]۔ سبطبن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج ۲، ص ۱۳۶، ۱۳۴؛ رجوع کریں: ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ ج ۸، ص ۱۷۷۔

[3]۔ یونس (۱۰) ۴۱۔

امام علیہ السلام کی دیگر مصروفیات اور اقدامات

اس دوران امام حسین علیہ السلام کے دیگر اقدامات میں سے کوفیوں، بصریوں اور بعض شخصیات کو خط لکھنا، کوفہ اور بصرہ کی طرف اپنے سفیر بھیجنا ہے جو تاریخی کتابوں میں ذکر ہوئے ہیں۔ ہم ان کی تفصیلات بیان کرتے ہیں۔

اہل بصرہ کے نام امام حسین علیہ السلام کا خط

امام حسین علیہ السلام نے مکہ سے بصرہ کے تمام بزرگوں کے نام خط لکھے جن میں مالک بن مسمع بکری، احنف بن قیس، منذر بن جارود، مسعود بن عمرو، قیس بن ہیثم، اور عمرو بن ابن زیاد بن معمر[۲] شامل ہیں؛ اس خط کا مضمون یہ تھا:

اما بعد: اللہ تعالی نے اپنی مخلوقات میں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو منتخب کیا اور ان کو اپنی نبوت کے ذریعہ کرامت بخشی اور اپنی پیغمبری کے لیے انتخاب فرمایا اور پھر ان کو اپنی طرف بلالیا؛ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ لوگوں کو نصیحت اور اپنی رسالت پہنچا چکے تھے۔ ہم ان کا خاندان، دوست، جانشین اور وارث تھے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ کے مقام و مرتبے کے سب سے زیادہ حقدار تھے؛ لیکن ہماری قوم نے اس مقام کو اپنے ساتھ مختص کر لیا اور ہمیں ایک طرف دھکیل دیا۔ ہم نے (مجبور ہو کر) رضایت دے دی اور ہمیں تفرقہ نہیں بلکہ صلح اور امن پسند ہے؛ حالانکہ ہم جانتے تھے کہ ہم ان لوگوں سے بہتر ہیں جو اس عہدہ پر قابض ہوگئے ہیں... اب یہ خط دے کر اپنے سفیر کو تمہاری طرف بھیج رہا ہوں اور آپ کو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی سنت کی طرف دعوت دیتا ہوں؛ کیونکہ سنت مردہ اور بدعت زندہ ہو چکی ہے۔ اگر آپ میری باتوں کو سنیں اور

---

[۱] ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۶۹؛ رجوع کریں: خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۱۹۔

۲۔ اگرچہ ابو حنیفہ دینوری نے ان کو شیعہ کہا ہے لیکن ان کے ماضی کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیعہ نہیں تھے بلکہ امام حسین علیہ السلام نے صرف اتمام حجت کے لیے ان کو دعوت دی کیونکہ یہ لوگ شہر کے بزرگ اور مؤثر افراد میں سے تھے۔

میرے دستور کی اطاعت کریں تو میں آپ کو راہ راست کی ہدایت کرتا ہوں۔ آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت وبرکت ہو[۱]۔

امام حسینؑ نے یہ خط سلیمان نامی شخص، جس کی کنیت ابارزین [۲] تھی، کو دے کر ان کی طرف بھیجا۔ ان سب لوگوں نے خط کو چھپالیا؛ لیکن منذر بن جارود، جس کی بیٹی حومہ [۳] ابن زیاد کی بیوی تھی، ڈر گیا کہ کہیں یہ خط ابن زیاد کی سازش نہ ہو؛ لہٰذا اسی رات جس کی صبح کو ابن زیاد نے کوفہ جانا تھا، خط لے کر اس کے پاس چلا گیا اور اسے دکھایا۔ ابن زیاد نے کہا: بصرہ میں حسین کا سفیر کون ہے؟ منذر نے کہا سلیمان نامی شخص۔ ابن زیاد نے کہا: اس کو میرے پاس لے آؤ۔ اس وقت سلیمان نے اپنے آپ کو بصرہ کے شیعوں کے پاس چھپایا ہوا تھا۔ اسے ابن زیاد کے پاس لایا گیا۔ ابن زیاد نے اس سے کلام کیے بغیر حکم دیا کہ اس کی گردن اڑادی جائے، اور اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ [۴]

یزید بن مسعود کا امامؑ کی مدد کے لیے اقدام

ابن نما اور سید بن طاووس نے بصرہ کے بزرگوں کے نام امام حسینؑ کے خط کا ذکر کرتے ہوئے ایک بزرگ یزید بن مسعود نہشلی کا تعارف کروایا ہے؛ وہ لکھتے ہیں: جب امام حسینؑ کا خط یزید بن مسعود کے پاس پہنچا تو اس نے قبیلہ تمیم، حنظلہ اور سعد کے لوگوں کو اکٹھا کیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو کہا: اے بنی تمیم! تمہارے نزدیک میری شان ومنزلت کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم؛ آپ ریڑھ کی ہڈی اور ہمارا افتخار ہیں۔ دائرہ شرافت کا محور اور ہم پر سبقت رکھتے ہیں۔ اس نے کہا: میں نے اس لیے تمہیں

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۷۔

۲۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۱۰؛ ابن نما، مثیر الاحزان؛ ص۲۷۔

۳۔ بعض کتب میں اس کا نام بحرۃ یا بحریۃ نقل ہوا ہے (رجوع کریں: خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱ ص۱۹۹؛ سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص۱۱۳؛ شیخ عباس قمی، نفس المھموم، ص۸۹)۔

۴۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۳۷؛ سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص۱۱۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۹۹؛ طبری نے اس واقعہ کو مختصر لکھا ہے (تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۷)۔

یہاں جمع کیا ہے کہ ایک معاملے میں تمہارے ساتھ مشورہ کروں اور کام کی پیش قدمی کے لیے تم سے مدد مانگوں۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم؛ ہم آپ کے خیر خواہ ہیں اور جو کچھ ہماری نظر میں درست ہو گا وہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کو شش کریں گے۔ آپ اپنی رائے بیان کریں، ہم سن رہے ہیں۔ اس نے کہا:

معاویہ مر گیا ہے اور اللہ کی قسم، اس کے مرنے اور چلے جانے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ آگاہ رہو، اس کے مرنے کی وجہ سے ظلم اور گناہ کا مرکز ختم ہو گیا اور ستم کی بنیادیں ہل گئی ہیں۔ اس کی ایک جنایت وہ بیعت تھی جو اس نے (اپنے بیٹے کی ولی عہدی کے لیے) لوگوں سے لی تھی اور اپنے خیال کے مطابق اس نے مشکل حل کر دی تھی؛ لیکن اپنے مقصد تک نہیں پہنچ سکا۔ اللہ کی قسم؛ اس کی کوشش بے نتیجہ ثابت ہوئی اور رسوائی اس کا مقدر بنی۔ اس نے اپنے شراب خوار اور فتنہ گر بیٹے یزید کو اپنی مسند پر بیٹھا دیا۔ اب وہ مسلمانوں کی خلافت کا دعویدار ہے اور ان کی رضایت کے بغیر ان پر حکومت کر رہا ہے۔ یہ لڑکا، کم علمی اور عدم تحمل کی وجہ سے حتی کہ اپنے جائے قدم کے برابر بھی حق کو نہیں پہچانتا۔ اللہ کی سچی قسم کھاتا ہوں کہ دین کی ترقی کے لیے اس مرد کے ساتھ جنگ، مشرکین کے ساتھ جہاد سے افضل ہے۔ حسین بن علی، پیغمبر کی بیٹی کے فرزند، خاندانی شرافت کے مالک اور صاحب تدبیر ہیں۔ ان کی فضیلت بیان سے باہر اور ان کا علم بے پایان ہے۔ وہ تمام لوگوں سے زیادہ مسند خلافت کے حق دار ہیں۔ وہ ہی ہیں جن کا ماضی بہتر، سنت زیادہ اور خاندانِ رسالت کے چشم و چراغ ہیں۔ ماتحت لوگوں کے ساتھ مہربان اور بزرگوں پر احسان کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے لیے کیسا عظیم رہبر و رہنما ہے کہ اللہ تعالی نے اس کے ذریعہ تمام لوگوں پر حجت تمام کی اور نصیحت کامل فرمائی ہے۔ پس نورِ حق کا مشاہدہ کرنے میں اندھے نہ بن جاؤ اور باطل کو نیچا دکھانے میں خاموش نہ رہو۔ جنگ جمل میں صخر بن قیس نے تمہیں علی علیہ السلام کی مدد کرنے سے روکا (اور تمہارے دامن پر ننگ و عار کا دھبہ لگا دیا) آج فرزندِ پیغمبر کی مدد کے لیے جا کر اس داغ کو دھو ڈالو۔ اللہ کی قسم؛ جس نے بھی اس کی مدد کرنے میں کوتاہی کی، اللہ تعالیٰ اس کی اولاد میں موروثی ذلت اور خاندانی پستی رکھ دے گا۔ یہ لو، میں نے ابھی جنگی لباس زیب تن کر رکھا ہے، زرہ پہن

رکھی ہے اور جنگی آلات اٹھائے ہوئے ہیں۔جو قتل نہ ہوا بالآخر مر جائے گا،جو جنگ سے فرار کرے گا موت کے چنگل سے نہیں بچ سکے گا۔اللہ تعالی آپ پر رحمت کرے۔میری باتوں کا جواب دو[1]۔

قبیلہ حنظلہ نے گفتگو کرتے ہوئے کہا:اے ابا خالد!ہم ہمیشہ آپ کی کمان کے تیر اور تمہارے خاندان کے گھڑ سوار ہیں۔اگر ہمارے ذریعے اپنے دشمن کی طرف تیر چلاؤ گے تو نشانہ پر جا لگے گا اور اگر ہمارے ساتھ جنگ پر جاؤ گے تو کامیاب ہو گے۔اللہ کی قسم؛جس مشکل میں آپ پھنسیں گے ہم بھی اس میں کود پڑیں گے اور جس سختی کا تمہیں سامنا کرنا پڑے گا ہم بھی سامنا کریں گے۔اللہ کی قسم؛اپنی تلواروں کے ساتھ تیرے یار و مددگار ہیں اور ہمارے بدن تیری مصیبتوں کے لیے ڈھال ہیں؛تم نے جو ارادہ کیا ہے اس پر عمل کرو۔

پھر سعد بن یزید کے قبیلہ نے بھی گفتگو کی: اے ابا خالد! ہمارے نزدیک مبغوض ترین کام آپ کی مخالفت اور آپ کی رائے کا انکار کرنا ہے؛لیکن صخر بن قیس نے خود ہمیں جنگ ترک کرنے کا حکم دیا تھا،ہم نے بھی اس کے حکم پر عمل کیا اور ہماری عزت اسی طرح باقی ہے۔اب آپ ہمیں مہلت دیں تا کہ ہم واپس جا کر مشورہ کریں اور آپ کو اس کا نتیجہ بتائیں۔

عامر بن تمیم کا قبیلہ کہنے لگا:اے ابا خالد!ہم آپ کے بھائی اور آپ کے ہم پیمان ہیں۔جہاں آپ ناراض ہو جائیں گے ہم راضی نہیں ہوں گے اور آپ جس مقام سے ہجرت کریں گے ہم اسے اپنا وطن نہیں بنائیں گے۔ہمارا اختیار آپ کے ہاتھ میں ہے۔ہمیں بلاؤ،ہم لبیک کہیں گے؛ہمیں حکم دو،ہم تعمیل کریں گے۔جب ارادہ کرو،ہم آپ کے اختیار میں ہیں۔

یزید بن مسعود نے کہا: اے بنی سعد! اللہ کی قسم؛اگر میری مخالفت کرو گے تو اللہ کبھی آپ میں سے تلوار کو نہیں اٹھائے گا اور تمہاری تلواریں ہمیشہ ایک دوسرے کا خون بہاتی رہیں گی۔

پھر امام حسین علیہ السلام کو یہ خط لکھا:

۱۔ ابن نما،مثیر الاحزان،ص۲۸؛سید بن طاووس،الملھوف علی قتلی الطفوف،ص۱۱۲۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ امابعد؛ آپ کا خط مجھے ملا، آپ نے مجھے دعوت دی اور مجھ سے طلب کیا کہ آپ کی اطاعت کروں اور جتنی آپ کی مدد کر سکتا ہوں انجام دوں۔ اللہ تعالی کسی وقت بھی زمین کو کار خیر انجام دینے والے اور صراط مستقیم کے رہبر سے خالی نہیں رکھتا۔ آپ زمین پر اللہ کی امانت اور مخلوق پر اس کی حجت ہیں۔ آپ زیتون احمدی کے اس درخت کی شاخ ہیں جس کی جڑ وہ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ) ہیں اور اس کی شاخ آپ ہیں۔ تشریف لائیے، بخت کا پرندہ آپ کے سر پر پر پھیلائے ہوئے ہے۔ میں نے قبیلہ بنی تمیم کو آپ کی پیروی کے لیے آمادہ کیا ہے اور وہ آپ کے فرمان کی اطاعت میں ان اونٹوں سے بھی تیز ہیں جو خالی شکم اور بھرے پیٹ (ہر حال میں) پانی کے چشموں پر حملہ کرتے ہیں۔ قبیلہ سعد کو بھی آپ کا مطیع بنا دیا ہے اور ان کے سینوں کو سفید بادلوں سے برسنے والے پانی سے دھویا ہے، ایسا بادل جو بجلی کی چمک سے زیادہ سفید ہے۔[1]

امام حسین علیہ السلام نے خط پڑھ کر فرمایا: ... اللہ تعالی، خوف (یعنی قیامت) کے دن تمہیں سکون اور عزت عطا فرمائے اور جس دن پیاس عروج پر ہو گی، اللہ آپ کو سیراب فرمائے۔

لیکن جوں ہی یزید بن مسعود امام حسین علیہ السلام کی طرف جانے کے لیے آمادہ ہوا تو روانگی سے پہلے اسے آپ علیہ السلام کی شہادت کی خبر ملی اور وہ، اس سعادت کو گنوانے پر بہت پریشان ہوا[2]۔

لیکن احنف بن قیس نے امام علیہ السلام کے خط کے جواب میں صرف یہ آیت لکھی:

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ[3]

پس آپ صبر کریں، یقینا اللہ کا وعدہ سچا ہے اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ آپ کو سبک نہ پائیں[4]۔

---

۱. سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص۱۱۳؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۲۹۔

۲. ابن نما، مثیر الاحزان، ص۲۹؛ سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص۱۱۳۔

۳۔ الروم (۳۰) ۶۰۔

۴۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۲۷۔

بصرہ سے یزید بن نُبَیط کا امام کے ساتھ ملنا

ابو مخنف کہتے ہیں: بصرہ کے شیعہ، قبیلہ "عبد القیس" کی خاتون ماریہ بنت سعد (یا منقذ) کے گھر میں جمع ہوتے تھے۔ وہ شیعہ تھی اور اس کا گھر شیعوں کے اجتماع اور گفتگو کا مقام تھا۔ جب ابن زیاد کو امام علیہ السلام کے روانہ ہونے کی خبر ملی (جو کوفہ کی حکمرانی پر مامور ہو چکا تھا) تو اس نے بصرہ میں اپنے کارندے کو خط لکھا اور کہا کہ جاسوس مقرر کر کے راستوں کا مکمل کنٹرول کرو۔ اسی اثنا میں قبیلہ عبد القیس کے ایک شیعہ شخص یزید بن نُبَیط نے امام حسین علیہ السلام کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ اس کے دس بیٹے تھے، اپنے بیٹوں سے کہا: تم میں سے کون میرے ساتھ آئے گا؟ اُس کے دو بیٹے عبد اللہ اور عبید اللہ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ یزید بن نبیط، اس شیعہ خاتون کے گھر گیا اور اپنے دوستوں سے کہا: میں (حسین کی طرف) جانے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ انہوں نے کہا: ہم آپ کے لیے پریشان ہیں کیونکہ ابن زیاد کے ساتھی ہر جگہ موجود ہیں۔ اس نے کہا: اگر راستے میں یہ دو بیٹے ثابت قدم رہے (اور ان کے پاس میرا ساتھ دینے کی طاقت ہوئی) تو پھر کوئی بھی ہمارا تعاقب کرے، پرواہ نہیں۔ وہ اپنے بیٹوں کے ہمراہ نکل پڑا، تیزی سے راستہ طے کرتے ہوئے منزلِ ابطح پر امام حسین علیہ السلام کے کاروان سے جا ملا۔ جب امام علیہ السلام کو یزید بن نبیط کے آنے کی خبر ملی تو آپ نے فوراً اس کی جستجو کی۔ یزید بن نبیط نے بھی امام علیہ السلام کی قیام گاہ کی طرف بڑھا، جب قریب پہنچا تو اسے بتایا گیا کہ امام تیرے استقبال کے لیے گئے ہیں۔ یزید یہ سنتے ہی جلدی سے امام کی طرف گیا اور دوسری طرف جب امام علیہ السلام نے یزید کو وہاں نہ پایا، تو اسی مقام پر اس کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ یزید وہاں پہنچا اور دیکھا کہ امام اس کے منتظر ہیں۔ سلام کیا اور امام کے پاس بیٹھ گیا اور اس کے پاس جو معلومات تھیں امام علیہ السلام کو بیان کیں اور دعائے خیر کی۔ وہ امام علیہ السلام کے ساتھ رہا، یہاں تک کہ اپنے دونوں بیٹوں سمیت امام کے رکاب میں جام شہادت نوش فرمایا۔[1]

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک۔ ج ۵، ص ۳۵۳-۳۵۴۔

کچھ شخصیات کی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ملاقاتیں اور مشورے

مکہ میں سکونت کے دوران امام حسین علیہ السلام کی ایک مصروفیت، وہاں موجود بزرگ شخصیات کے ساتھ ملاقاتیں ہے۔ سب نے امام علیہ السلام کے قیام کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ عبد اللہ بن زبیر کے علاوہ باقی سب شخصیات نے عراق جانے سے منع کیا؛ لیکن عبد اللہ بن زبیر چونکہ اپنی خلافت کی فکر میں تھا اور صرف امام علیہ السلام کو حجاز والوں کی توجہ میں رکاوٹ سمجھتا تھا، اس لیے وہ آپ کے عراق جانے سے خوش تھا، کیونکہ امام کے مکہ سے چلے جانے کی صورت میں وہ کسی رقیب کے بغیر اپنی خواہش کو عملی جامہ پہنا سکتا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مکہ میں اقامت کے دوران ملاقاتیں اور گفتگو کرتا تھا۔ وہ مکہ میں امام حسین علیہ السلام کے قیام کے آخری دنوں میں امام علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور جو گفتگو ان کے درمیان ہوئی وہ تاریخ نے یوں نقل کی ہے:

عبد اللہ بن زبیر کی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ گفتگو

عبد اللہ بن زبیر، امام حسین علیہ السلام کے پاس گیا اور انہوں نے کچھ دیر آپس میں گفتگو کی۔ ابن زبیر نے امام حسین علیہ السلام سے کہا: میں نہیں جانتا کہ ہم نے ان لوگوں کو کیوں چھوڑ دیا ہے اور ان سے دست بردار ہو گئے ہیں، جبکہ ہم مہاجرین کے بیٹے ہی حکمرانی کے حقیقی متولی ہیں، نہ کہ وہ (بنی امیہ)۔ مجھے بتائیں آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: کوفہ جانے کے بارے میں سوچ رہا ہوں؛ کیونکہ وہاں کے میرے شیعوں، سرداروں اور اشراف نے مجھے خط لکھے ہیں اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے خیر کا طلبگار ہوں۔ عبد اللہ بن زبیر نے کہا: اگر وہاں آپ کی طرح میرے بھی شیعہ اور پیروکار ہوتے تو کبھی اس کام سے صرف نظر نہ کرتا۔ پھر اپنے متہم ہو جانے کے خوف سے کہا: لیکن اگر حجاز میں رہیں اور اسی جگہ یہ کام (قیام) انجام دیں تو میں کبھی آپ کی مخالفت نہیں کروں گا، بلکہ آپ کی بیعت اور مدد کروں گا اور آپ کا خیر خواہ رہوں گا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: میرے بابا نے مجھے خبر دی ہے کہ ایک مرد کے قتل ہونے کی وجہ سے، اس جگہ کی بے حرمتی ہو گی اور میں نہیں چاہتا وہ مرد میں ہوں۔ عبد اللہ بن زبیر نے کہا: آپ اسی

جگہ قیام کریں اور اگر چاہیں تو یہ کام میرے سپرد کر دیں، تاکہ آپ کے فرمان کی اطاعت اور آپ کے دستور کی نافرمانی نہ ہو۔امام حسینؑ نے فرمایا: میں یہ بھی نہیں چاہتا۔ پھر انہوں نے آہستہ آہستہ گفتگو کی اور کسی نے ان کی بات نہ سنی۔ پھر امام حسینؑ ارد گرد موجود لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: آپ نے سمجھا ہے وہ کیا کہہ رہا تھا؟لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا: وہ کہتا ہے: اسی مسجد میں ٹھہرو، تاکہ میں لوگوں کو آپ کے گرد جمع کروں۔ پھر ابن زبیر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اللہ کی قسم؛ میرا حرم (مکہ) سے ایک بالشت باہر قتل ہونا، حرم میں قتل ہونے سے بہتر ہے۔ اللہ کی قسم؛ اگر میں حشرات کے بلوں میں بھی پناہ لے لوں تو وہ مجھے باہر نکال کر اپنا کام کریں گے۔ اللہ کی قسم؛ وہ میرے حق میں تجاوز کریں گے، جیسے یہودیوں نے ہفتہ کے دن کے بارے میں تجاوز کیا تھا۔ ابن زبیر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد امامؑ نے فرمایا: اس کے نزدیک، دنیا میں میرے یہاں سے چلے جانے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں، کیونکہ وہ جانتا ہے لوگ اسے میرے برابر نہیں سمجھتے؛ لہذا وہ چاہتا ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں، تاکہ یہ جگہ اس کے لیے خالی ہو جائے۔[1]

عبداللہ بن عباس کی امام حسینؑ کے ساتھ ملاقاتیں

عبداللہ بن زبیر کے علاوہ تمام بزرگ شخصیات، امامؑ کو عراق جانے سے روکتے تھے اور پیشین گوئی کرتے تھے کہ آپؑ کی تحریک ظاہری کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو گی۔ لہٰذا عبداللہ بن عباس، آپ کے مکہ میں اقامت کے دوران اور عراق جانے کی خبر مشہور ہونے کے بعد، آپؑ کے ساتھ تمام ملاقاتوں میں اسی موضوع کو زیر بحث لائے؛ لیکن ہر مرتبہ امامؑ نے قیام کے بارے میں اپنے حتمی فیصلے کا اظہار کیا۔

ابی مخنف نے نقل کیا ہے کہ جب امام حسینؑ نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن عباس آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کی: اے چچازاد! لوگوں میں مشہور ہو چکا ہے کہ آپ عراق جانے کا ارادہ رکھتے

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۴؛ ابن کثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۴۶۔

ہیں، مجھے بتائیں آپ کیا کرنا چاہتے ہیں ؟ آپ علیہ السلام نے جواب دیا: ان شاء اللہ، ایک دو دن میں جانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ ابن عباس نے کہا: کیا آپ ایسے لوگوں کے پاس جا رہے ہیں جنہوں نے اپنے حاکم کو قتل کیا ہے، اپنی زمینوں کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے اور اپنے دشمن کو شہر سے نکال دیا ہے ؟! اگر وہ ایسا کر چکے ہیں تو پھر ان کی طرف چلے جاؤ؛ لیکن اگر انہوں نے آپ کو دعوت دی ہے اور ابھی ان کا حکمران ان پر مسلط ہے اور ان کے کارندے ابھی تک وہاں سے ٹیکس وصول کر رہے ہیں، تو پھر انہوں نے آپ کو جنگ کے لیے بلایا ہے اور مجھے ان کی طرف سے آپ کے لیے امان نظر نہیں آتی۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کو دھوکہ دیں گے، جھٹلائیں گے، آپ کی مخالفت کریں گے، توہین کریں گے، آپ کے ساتھ جنگ کریں گے اور بدترین لوگ ثابت ہوں گے۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے نیکی کا طلبگار ہوں اور منتظر ہوں کہ کیا ہوتا ہے۔[۱]

دوسری ملاقات

ابن مخنف کی روایت کے مطابق ابن عباس دوسرے دن بھی امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہا: اے چچازاد، میں صبر کرنا چاہتا ہوں، لیکن نہیں کر سکتا۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں آپ اس سفر میں شہید نہ ہو جائیں۔ اہل عراق وعدہ شکن ہیں ان کے قریب نہ جانا۔ اسی شہر (مکہ) میں رہیں، کیونکہ آپ اہل حجاز کے سردار ہیں۔ اگر اہل عراق آپ کو چاہتے ہیں، جیسا کہ ان کا دعوی ہے تو انہیں لکھو کہ اپنے دشمنوں کو شہر سے باہر نکالو، پھر آپ ان کے پاس جانا۔ اگر اس شہر سے خارج ہونے کے علاوہ کوئی اور راہ حل نہ ہو تو یمن چلے جائیں کیونکہ وہاں پر قلعے اور وادیاں زیادہ اور زمین وسیع ہے اور آپ کے والد ماجد کے شیعہ وہاں رہتے ہیں۔ آپ لوگوں سے دور ایک سرزمین میں چلے جائیں گے۔ پھر لوگوں کی طرف خطوط اور اپنے مبلغ بھیجیں۔ امید ہے کہ اس صورت میں آپ امن وامان کے ساتھ اپنے ہدف تک پہنچ سکیں گے۔

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۳؛ اور تھوڑے سے فرق کے ساتھ: ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۶۰؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۶۵؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۱۶۔

امام حسینؑ نے فرمایا: اے چچا زاد! اللہ کی قسم؛ میں جانتا ہوں کہ آپ میرے خیر خواہ اور مہربان ہیں؛ لیکن میں جانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔[1] ابن عباس نے کہا: اگر جانے کا ارادہ رکھتے ہو، تو خواتین اور بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ؛ کیونکہ اللہ کی قسم، مجھے ڈر ہے کہ آپ ان کی آنکھوں کے سامنے قتل ہو جائیں....۔[2]

پھر ابن عباس نے کہا: اگر آپ حجاز کو خالی چھوڑ کر چلے گئے تو گویا آپ نے ابن زبیر کی دیرینہ تمنا پوری کر دی؛ آج آپ کی وجہ سے کوئی اس کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ خدائے وحدہ لاشریک کی قسم! اگر مجھے علم ہو کہ میں آپ کے بال اور پیشانی پکڑ لوں، اور آپ کے اور میرے ارد گرد لوگ جمع ہو جائیں، تو آپ میری بات مان جائیں گے، تو میں یہ بھی ضرور کرتا! ۔ پھر ابن عباس وہاں سے اٹھے اور ابن زبیر کے پاس گئے اور کہا: اے ابن زبیر! تیری آنکھیں روشن ہوں؛ پھر اس طرح اشعار پڑھے:

ترجمہ اشعار: اے لَوا[3]، تو کیسی لَوا ہے کہ آبادی کے ویرانے میں رہتی ہے، میدان تیرے لیے خالی ہو گیا ہے، جتنے انڈے دینا چاہے دے اور شور وغل کر، جو آواز نکالنا چاہتی ہے نکال، مبارک ہو! شکاری تم سے دور ہو گیا ہے، جال اٹھا لیا گیا ہے، اب کوئی خوف نہیں ہے۔ حسین جانے والا ہے، تم آزاد رہو۔[4]

محمد بن حنفیہؒ کی امامؑ کے ساتھ گفتگو

جناب محمد بن حنفیہ بھی مکہ میں امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے اور گفتگو کے دوران امامؑ کو عراق جانے سے روکنے کی کوشش کی؛ لیکن امام حسینؑ نے قبول نہ کیا۔[5]

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۴، ۳۸۳۔

[2]۔ سابقہ حوالہ، اور رجوع کریں: ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۶۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۱؛ ابن اعثم کتاب الفتوح، ج۵، ص۶۶، ۶۵؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۱۶۔

[3]۔ (لَوا) ایک پرندہ ہے، چڑیا سے تھوڑا سا بڑا اور اس کے سر پر چوٹی ہے اور اس کی آواز بہت سریلی ہے۔ اسے انگریزی میں Lark اور عربی میں قُبَّرہ کہا جاتا ہے۔

[4]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۴، ۳۸۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۱۷۔

[5]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین و مقتلہ، فصلنامہ تراث، ش۱۰، ص۱۷۰؛ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسینؑ من تاریخ مدینۃ دمشق، ص۲۰۴؛ ح۲۵۶؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص۱۷۸۔

سید بن طاووس لکھتے ہیں: محمد بن حنفیہ، اُس رات اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے، جس کی صبح کو آپ علیہ السلام مکہ سے نکلنے کا ارادہ رکھتے تھے، اور عرض کیا: بھائی جان! اہل کوفہ وہی لوگ ہیں جن کا تمہارے بابا اور بھائی کے ساتھ مکر و فریب آپ کو معلوم ہے۔ مجھے خوف ہے کہ آپ کے ساتھ بھی وہی سلوک ہو۔ اگر مکہ میں رہو گے تو سب سے زیادہ ہر دل عزیز ہو گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے خوف ہے کہ یزید مجھے قتل کر دے گا اور میں پہلا شخص ہوں گا جس کے قتل کی وجہ سے اللہ کے گھر کی بے حرمتی ہو گی (کیونکہ خدا کے حرمِ امن میں ہر صورت خون ریزی ممنوع اور حرام ہے)۔

محمد بن حنفیہ نے کہا: اگر ایسا ہے تو آپ یمن یا کہیں دور دراز بیابان میں چلے جائیں؛ کیونکہ وہاں آپ سب سے زیادہ عزیز اور کوئی آپ کو نہیں پا سکے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس بارے میں سوچوں گا۔ جب صبح ہوئی تو امام علیہ السلام کے کاروان نے حرکت کی۔ محمد بن حنفیہ کو جب یہ خبر ملی تو وہ جلدی سے امام کی خدمت میں آئے اور ناقہ کی رسی پکڑ کر کہا: بھائی جان! کیا تم نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ میری باتوں پر سوچو گے؟

فرمایا: ہاں، ایسا ہی ہے۔

محمد بن حنفیہ نے کہا: کس چیز نے آپ کو مکہ سے اتنا جلدی جانے پر مجبور کیا ہے۔

امام نے فرمایا: جب آپ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ میرے پاس تشریف لے آئے اور مجھے فرمایا: اے حسین (عراق کی طرف) نکلو، اللہ تعالیٰ آپ کو شہید دیکھنا چاہتا ہے۔

محمد بن حنفیہ نے کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ؛ اگر ایسا ہے تو خواتین (اور بچوں) کو اپنے ساتھ کیوں لے کر جا رہے ہو؟

امام نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے مجھے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسیر دیکھنا چاہتا ہے[1]۔

۱۔ سید بن طاووس، اللھوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۲۸، ۲۷۔

شیعہ حدیث کی قدیمی کتابوں میں، مدینہ میں بنی ہاشم کے نام امام حسین علیہ السلام کا ایک مختصر خط نقل ہوا ہے۔ حمزہ بن حمران کہتا ہے: امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں امام حسین علیہ السلام کے خروج اور محمد بن حنفیہ کے امام علیہ السلام کے ساتھ نہ جانے کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے تو امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اے حمزہ! تجھے ایک حدیث سناتا ہوں؛ لیکن اس کے بعد اس بارے میں سوال نہ کرنا۔ امام حسین علیہ السلام نے مدینہ میں بنی ہاشم کی طرف یہ خط لکھا: "اما بعد؛ جو میرے ساتھ آئے گا وہ شہادت کے درجے پر فائز ہو گا اور جو پیچھے رہ جائے گا اسے کامیابی حاصل نہیں ہو گی۔ والسلام"[1]

عمر بن عبد الرحمٰن کی امام علیہ السلام کے ساتھ گفتگو

عمر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہاشم[2] جو قریش کے سرداروں میں سے تھا اور اُس نے بعد میں عبد اللہ بن زبیر کے قیام میں اس کی مدد کی اور اس کی طرف سے کوفہ کا حاکم بنا؛[3] وہ بھی امام علیہ السلام کی خدمت میں آنے والی شخصیات میں شامل ہے۔ اس نے بھی آپ کو عراق جانے کا ارادہ ترک کرنے کو کہا۔ طبری نے اس کی امام کے ساتھ گفتگو کو اس طرح نقل کیا ہے:

عراقیوں کے خطوط ملنے کے بعد جب امام حسین علیہ السلام نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا تو عمر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام، مکہ میں آپ کی خدمت میں آیا اور کہا:... اے چچازاد! میں اس لیے آیا ہوں کہ خیر خواہی کے طور پر آپ کو ایک بات کہوں۔ اگر آپ مجھے اپنا خیر خواہ سمجھتے ہیں تو عرض کروں ورنہ کچھ نہ کہوں۔ آپ نے فرمایا: کہو؛ اللہ کی قسم! میں آپ کو گفتار و کردار میں بد گمان اور بد خواہ نہیں سمجھتا۔

عمر نے کہا: مجھے خبر ملی ہے کہ آپ عراق جانا چاہتے ہیں۔ میں آپ کے لیے اس راستہ کی وجہ سے پریشان ہوں، جو آپ نے اختیار فرمایا ہے۔ آپ اُس شہر میں جا رہے ہیں جہاں یزید کے والی اور کارندے

۱۔ محمد بن حسن بن فروخ صفار قمی، بصائر الدرجات، جزء۱۰، باب۹، ص۴۸۲۔ نیز رجوع کریں: ابن قولویہ، کامل الزیارات، باب۲۳، ح۲۰، ص۱۵۷؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۳۹؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۲۹، حاشیہ۔

۲۔ رجوع کریں: ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش۱۰، ص۱۶۷؛ مروج الذہب ج۳، ص۶۶۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۶، ص۷۱۔۷۲۔

موجود ہیں۔ بیت المال ان کے ہاتھ میں ہے اور لوگ درہم و دینار کے بندے ہیں۔ مجھے خوف ہے کہ وہی لوگ آپ کے ساتھ جنگ کریں گے، جنہوں نے نصرت کا وعدہ کیا ہے اور آپ سے دوستی کا اظہار کرتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے چچازاد! اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ اللہ کی قسم؛ مجھے معلوم ہے کہ آپ خیر خواہی کے لیے یہاں آئے ہیں اور عقل اور فہم کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں؛ لیکن جب کسی کام میں اللہ کا فیصلہ آجائے تو وہ کام ہو کر رہے گا، چاہے آپ کی رائے پر عمل کروں یا نہ۔ آپ میرے بہترین مشاور اور نصیحت کرنے والے ہیں[1]۔

مذکورہ لوگوں کے علاوہ بھی چند لوگ مثلا اوزاعی، ابو واقد لیثی، ابو سعید خُدری، سعید بن مُسیب، ابو سلمہ بن عبد الرحمن وغیرہ، امام حسین علیہ السلام کے کوفہ جانے کے مخالف تھے؛ حتیٰ مِسور بن مَخرَمہ، یزید بن اصم، اور عَمرہ بنتِ عبد الرحمن جیسے بعض افراد نے خطوط لکھ کر، امام علیہ السلام کو عراق جانے سے منع کیا[2]۔

کوفیوں کا خط امام علیہ السلام کے نام

جس دوران امام حسین علیہ السلام مکہ میں ٹھہرے ہوئے تھے، کوفیوں نے آپ علیہ السلام کو خط لکھا۔ متعدد تاریخی مصادر کی روایت کے مطابق جب کوفہ کے شیعوں کو معاویہ کی موت کا علم ہوا تو وہ سلیمان بن صُرَد خُزاعی کے گھر جمع ہوئے۔ سلیمان کوفی شیعوں کا سردار سمجھا جاتا تھا۔ اس نے شیعوں کو مخاطب کر کے کہا: "معاویہ دنیا سے چلا گیا ہے اور حسین بن علی علیہ السلام نے یزید کی بیعت کا انکار کر دیا ہے اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ تم لوگ ان کے اور ان کے والد کے شیعہ ہو۔ اگر تمہیں یقین ہے کہ ان کی مدد اور ان کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرو گے تو انہیں خط لکھو؛ لیکن اگر اپنی سستی سے ڈرتے ہو تو انہیں دھوکہ نہ دینا۔

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۲؛ ابن اثیر الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۴۵۔

[2]۔ مزید آگاہی کے لیے رجوع کریں: ترجمۃ الحسین و مقتلہ فصلنامہ تراثنا، ش۱۰، ص۱۶۷، ۱۶۶؛ ابن عساکر تاریخ مدینۃ دمشق، ج۶۵، ص۱۲۷؛ محمد بن جریر بن رستم طبری، دلائل الامامۃ ص۷۵۔

اس وقت حاضرین نے کہا: نہیں، بلکہ ہم آپ علیہ السلام کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کریں گے اور آپ کی رکاب میں قتل ہو جائیں گے۔"

پھر سلیمان کی رائے کے مطابق، امام علیہ السلام کو مندرجہ ذیل مضمون پر مشتمل ایک خط لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، سلیمان بن صرد خزاعی، مسیب بن نَجَبہ، رفاعۃ بن شداد، حبیب بن مظاہر اور اہل کوفہ کے مومنین کی طرف سے حسین بن علی علیہ السلام کے نام؛ سَلام علیک۔ آپ کے حضور اللہ کی تعریف کرتے ہیں، وہ اللہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ امابعد؛ حمد اس پرودگار کی ہے جس نے آپ کے غاصب اور معاند دشمن کو ختم کیا ہے۔ وہ دشمن جس نے ہمیشہ اس امت کے خلاف شرارت کی، انہیں دھوکہ دیا، بیت المال غصب کیا، لوگوں کی مرضی کے بغیر، انہیں حکم دیا. ان کے بزرگوں کو قتل کیا۔ ان کے شریر لوگوں کو باقی رکھا اور اللہ کے مال کو جابروں اور ثروتمندوں کے درمیان تقسیم کیا۔ اس پر ایسے لعنت ہو جیسے قوم ثمود پر لعنت ہوئی ہے۔ ہمارا کوئی رہبر ورہنما نہیں ہے۔ ہمارے پاس تشریف لائیں، شاید اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے ہمیں حق پر اکٹھا کردے۔ نعمان بن بشیر (کوفہ کا حاکم) حکومتی محل میں گھونسلا بنا چکا ہے۔ ہم جمعہ کے دن اس کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے اور نہ ہی نماز عید کے لیے اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ اگر ہمیں آپ کے یہاں آنے کا یقین ہو گیا، تو ہم اس کو کوفہ سے نکال کر شام کی طرف روانہ کردیں گے۔ ان شاء اللہ۔ والسلام علیک ورحمۃ اللہ۔[1]

انہوں نے یہ خط عبداللہ بن مسمع (سَبُع) ہمدانی اور عبداللہ بن وال تمیمی کے ہاتھ امام حسین علیہ السلام کی طرف بھیجا اور یہ لوگ ۱۰ رمضان المبارک ۶۰ ہجری کو مکہ میں امام کی خدمت میں پہنچے۔[2] دو دن بعد قیس

۱۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۷،۳۶؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳ص۳۶۹؛ ابن اعثم اور بلاذری نے عبداللہ بن وال کا نام خط لکھنے والوں میں اضافہ کیا ہے، (ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۲۸؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۰)۔

۲۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۷،۳۶؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۲۔

بن مُسہِر صیداوی، عبد الرحمن بن عبد اللہ ار حبی اور عمارۃ بن عبید سلولی، کوفیوں کی طرف سے ۱۵۰ خط لے کر امام کی خدمت میں پہنچے اور ہر خط ایک، دو یا چار افراد کی طرف سے لکھا گیا تھا۔[1]

اسی طرح کوفہ والوں نے دو دن بعد ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبد اللہ حنفی کے ذریعے مندرجہ ذیل خط امام حسین علیہ السلام کی طرف بھیجا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسین بن علی علیہ السلام کے مومن اور مسلمان شیعوں کی طرف سے آپ علیہ السلام کے نام۔ جلدی کریں کیونکہ لوگ آپ کے منتظر ہیں اور آپ کے علاوہ کسی کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ جلدی جلدی! پھر جلدی جلدی! اور آپ پر سلام ہو۔[2]

پھر شبث بن ربعی، حجار بن ابجر، یزید بن حارث بن یزید بن رویم، عزرۃ بن قیس، عمرو بن حجاج زبیدی، محمد بن عمر تمیمی، اور قیس بن اشعث نے ایک علیحدہ خط میں یوں لکھا:

باغات سبز ہو گئے ہیں، میوہ جات تیار اور دریا بھر چکے ہیں، پس اگر آپ آمادہ ہیں تو اپنی تیار شدہ فوج کے ساتھ شامل ہو جائیں۔[3]

اس طرح کوفیوں کی طرف سے امام علیہ السلام کے پاس بہت زیادہ خطوط پہنچے، جن میں یہ پیغام دیا گیا تھا: اگر آپ ہمارے پاس نہ آئے تو آپ گنہگار ہوں گے۔[4]

امام حسین علیہ السلام، ایک طرف بنی امیہ کی حکومت کے دباؤ میں تھے، کیونکہ وہ آپ سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کرتے تھے اور امام علیہ السلام بیعت کے انکار میں اپنے وطن سے مجبوراً ہجرت کر چکے تھے اور اب حرم الٰہی

۱۔ شیخ مفید، ابن اعثم، ابن اثیر اور خوارزمی نے خطوط کی تعداد ۱۵۰، ابو حنیفہ دینوری نے ۱۰۰، طبری نے ۵۳ خطوط اور اور بلاذری نے ۵۰ لکھی ہے (شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۸؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح ج۵، ص۲۹؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۳۴؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۹۵، ۱۹۴؛ الاخبار الطوال، ص۳۳۹؛ طبری، تاریخ الامم ج۵، ص۳۵۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۰) لیکن سید بن طاووس اور ابن نما نے خطوط کی تعداد ۱۲ ہزار بیان کی ہے جبکہ ایک دن میں ۶۰۰ خطوط پہنچے (سید ابن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص۱۰۵؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۲۶) لیکن یہ تعداد صحیح معلوم نہیں ہوتی گویا خطوط کی تعداد اور جناب مسلم عقیل کے ساتھ بیعت کرنے والوں کی تعداد میں اشتباہ ہوا ہے۔

۲۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۳، ص۳۸؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۳۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۸۔

۴۔ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص۱۳۶۔

میں بھی خطرہ لاحق تھا؛ دوسری طرف کوفیوں کے لاتعداد خطوط کا واضح جواب دینا بھی ضروری تھا، کیونکہ کوفہ کی بہت زیادہ تعداد نے امامؑ پر اتمام حجت کر دیا تھا جس کا شائستہ جواب ضروری تھا۔

کوفہ کے لیے حضرت مسلم بن عقیل کا انتخاب

کوفیوں کے بُرے ماضی اوران کے بارے میں امامؑ کی شناخت نے آپ کو مجبور کیا کہ سب سے پہلے اطمینان حاصل کرلیں کہ یہ دعوت نامے، صداقت اور علم و آگاہی پر مبنی ہیں یا نہیں؟ لہٰذا امامؑ نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے کسی شخص کو وہاں بھیجنا ضروری سمجھا۔ ان حالات میں ایسے شخص کا انتخاب ضروری تھا جو پرہیز گاری، سماجی فکر، سیاست اور ہوشمندی کے حوالے سے قابل اعتماد ہو۔ اس لیے آپؑ نے اپنے بااعتماد اور امین شخص حضرت مسلم بن عقیل کو اپنا نمائندہ بنایا، جو مدینہ سے مکہ تک آپؑ کے ہمراہ آئے تھے۔ اس کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل مضمون پر مشتمل کوفیوں کو خط لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسین بن علی کی طرف سے مومنین کے ایک گروہ کے نام خط ہے، امابعد، ہانی اور سعید تمہارے آخری قاصد تھے، جنہوں نے آپ کے خطوط مجھ تک پہنچائے اور جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے، میں سمجھ گیا ہوں۔ تم میں سے اکثر کا کہنا تھا کہ ہمارے پاس امام ورہبر نہیں ہے، آپ ہماری طرف آجائیں، شاید اللہ تعالیٰ آپ کے وسیلہ سے حق اور ہدایت کی طرف رہنمائی کر دے۔ میں نے ابھی اپنے چچازاد بھائی اور اپنے اہل بیت میں سے باوثوق اور مورد اطمینان شخص، مسلم بن عقیل کو تمہاری طرف بھیجا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ تمہارے حالات اور نظریات کے بارے مجھے لکھے۔ اگر مسلم نے مجھے لکھا کہ تمہاری رائے، فکر، تمہارے دانش مند اور عقلمند اسی طرح ہیں جس طرح میں نے تمہارے خطوط میں پڑھا ہے، تو ان شاءاللہ جلد ہی آپ کے پاس آجاؤں گا۔ مجھے اپنی جان کی قسم! امام و پیشوا کوئی نہیں، سوائے اُس کے جو اللہ کی کتاب کے مطابق عمل (اور حکومت) کرے، عدل و انصاف قائم کرے، دین حق پر قائم ہو اور اپنے آپ کو اللہ کے لیے وقف کر دے۔ والسلام۔[1]

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۵۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۹؛ اور تھوڑے سے فرق کے ساتھ: ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۲۴۰؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۳۰؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص ۱۹۵۔

حضرت مسلم بن عقیل کا انتخاب اور کوفیوں کی طرف یہ پیغام، اُن کے تمام خطوط اور دعوت ناموں کا جواب تھا۔ امام علیہ السلام کے اس پیغام کا خلاصہ مندرجہ ذیل نکات میں کیا جاسکتا ہے:

۱۔ بھائی، چچازاد اور قابل اطمینان نمائندہ ہونے کی حیثیت سے حضرت مسلم کی مکمل تائید۔

۲۔ حضرت مسلم کی کوفہ میں ذمہ داری اور لوگوں کے اتحاد اور صداقت کو پرکھنا۔

۳۔ اتمام حجت کے لیے بار بار آنے والی دعوتوں کا مثبت جواب۔

۴۔ لوگوں سے مسلم کی حمایت اور اطاعت کے لیے درخواست۔

البتہ یہ سوال قابلِ توجہ ہے کہ امام کے اس خط کا حامل کون تھا؟ خود حضرت مسلم یا کوئی اور شخص؟ خود حضرت مسلم کا یہ خط لے کر اہل کوفہ کے پاس جانا، تاریخ کے قدیمی مصادر مثلاً انساب الاشراف، تاریخ طبری، الاخبار الطوال اور الارشاد سے ثابت نہیں ہوتا، بلکہ ان کتب میں بیان ہوا ہے:

آپ علیہ السلام نے اپنا جواب ان کے (یعنی کوفیوں کے) آخری قاصد (ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبد اللہ حنفی) کو دیا[۱] اور انہیں بتایا کہ حضرت مسلم کو ان کے پاس بھیجوں گا، تا کہ ان کی اطاعت کا امتحان لیں اور ان کے حالات اور نظریات امام کو لکھیں۔ پھر حضرت مسلم کو بلایا اور ان کو قیس بن مسہر صیداوی[۲]، عمارۃ بن عبید سلولی، عبد الرحمن بن عبد اللہ کدن ارحبی کے ہمراہ کوفہ بھیجا۔ ان کو تقوائے الٰہی، اپنی ذمہ داری کو مخفی رکھنے اور لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا، مزید کہا: اگر دیکھو کہ لوگ متحد ہیں اور ان کی

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۳؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۴۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۹،۳۸۔

۲۔ قیس بن مسہر صیداوی امام علیہ السلام کو کربلا پہنچنے سے پہلے کئی مرتبہ آپ نے خطوط پہنچانے کی ذمہ داری سونپی ان کی ترتیب یہ ہے:

الف) کوفیوں کی طرف سے امام حسین علیہ السلام کے پاس دوسری مرتبہ خطوط لے گیے (رجوع کریں: طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۲؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۷؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۰؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۲۹)۔ **ب) حضرت** مسلم کے ساتھ کوفہ آیا (رجوع کریں: طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۹؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۰)۔ **ج)** بطن خبیت کے علاقہ سے حضرت مسلم کا خط امام حسین علیہ السلام کے پاس لے گیا۔ (مدینہ اور مکہ کے درمیان ایک مقام ہے) بعد میں ذکر ہوگا (رجوع کریں: طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۴۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۰؛) د: حاجر کے علاقہ سے امام کا خط کوفہ کی طرف اور حضرت کا کوفیوں کی طرف لے آیا، یہ بھی اپنے مقام پر ذکر ہوگا (رجوع کریں: طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵، ص۳۹۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۷۰؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۸؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۶۳)۔

ایک رائے ہے، تو یہ خبر میری طرف جلدی پہنچانا[1]۔ پھر ان کے حق میں یوں دعا فرمائی: امید ہے کہ میں اور آپ شہداء کے درجے پر فائز ہوں۔ پھر فرمایا: پس اللہ کی مدد سے چلو تاکہ کوفہ پہنچ جاؤ۔ پھر حضرت مسلم کو گلے ملے اور الوداع کیا۔[2] یوں حضرت مسلم کی حساس ذمہ داری کا آغاز ہوا۔

حضرت مسلم کی ذمہ داری کا آغاز

حضرت مسلم، امام حسین علیہ السلام کے خصوصی نمائندے کی حیثیت سے ۱۵ ماہ رمضان کو اپنے خاندان سے خداحافظی کرنے کے لیے مکہ سے[3] مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔[4] شروع میں حضرت مسلم مخفی طور مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ بنی امیہ ان کی ذمہ داری سے مطلع نہ ہوں۔[5] مدینہ میں داخل ہونے کے بعد مسجد نبوی تشریف لے گئے، وہاں نماز پڑھی پھر اپنے خاندان سے الوداع کیا۔ وہاں سے دو رہنما اجرت پر لیے اور کوفہ روانہ ہوگئے۔[6] انہوں نے اصلی راستے سے ہٹ کر سفر شروع کیا[7] اسی وجہ سے ایک رات راستہ بھول گئے اور پیاس کی شدت اور گرمی کی وجہ سے دونوں رہنما چلنے سے عاجز آگئے[8] اور راستے کی علامات دیکھ کر انہوں نے سمجھا کہ اصلی راستہ مل گیا ہے، حضرت مسلم کو وہ راستہ دکھایا اور کہا: اس راستے سے چلے جاؤ شاید نجات پالو۔[9] پھر پیاس کی شدت کی وجہ سے دونوں نے جان، جانِ آفرین کے حوالے

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۸۔۳۹؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۰۔

[2]۔ ابن اعثم کتاب الفتوح، ج۵، ص۳۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۹۶.

[3]۔ مسعودی، مروج الذھب، ج۳، ص۶۴؛

[4]۔ ابوحنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۴۰؛

[5]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۳۲؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۹۶۔

[6]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۴، شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۹، ابوحنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۴۰۔

[7]۔ خفیہ راستہ کا انتخاب شاید کم سفر ہونے کی وجہ سے ہو، یا ممکن ہے مخفی رہنے کی وجہ سے ہو۔

[8]۔ ابوحنیفہ دینوری، الاخبار الطوال ص۳۴۱؛ اسی طرح رجوع کریں: ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۳۲؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۹۶۔

۹۔ ابوحنیفہ دینوری، الاخبار الطوال ص۳۴۱؛

کر دی۔[1] حضرت مسلم شدید پیاس سے دوچار تھے اور طاقت ختم ہو گئی تھی۔ رہنماؤں کی رہنمائی کے مطابق اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کچھ سفر طے کرنے کے بعد ایک مضیق [2] نامی مقام پر پانی تک پہنچ گئے جو قبیلہ خُبَیت کی ملکیت تھا۔ وہاں سے امام علیہ السلام کو خط لکھا:

میں مدینہ سے دو راہنماؤں کے ساتھ چلا تھا، لیکن وہ راستہ بھول گئے۔ پیاس نے ہم پر ایسا غلبہ کیا کہ وہ دونوں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے؛ لیکن ہم نے سفر جاری رکھا اور پانی تک پہنچ گئے اور تھوڑی جان جو ابھی باقی تھی اس کے ساتھ نجات پالی ہے۔ وہ پانی بطن الخبیت [3] میں ایک مضیق نامی محلے میں ہے۔ میں نے اس سفر کو بدشگون سمجھا ہے، اگر آپ مصلحت جانیں تو مجھے اس سفر سے معاف کر دیں اور کسی اور شخص کو (کوفہ) بھیج دیں۔ والسلام۔

یہ خط قیس بن مُسہِر صیداوی نے مکہ میں امام علیہ السلام تک پہنچایا۔[4] امام علیہ السلام نے خط پڑھا، لیکن ان کے عذر کو قبول نہ فرمایا اور انہیں سفر جاری رکھنے کا حکم دیتے ہوئے حضرت مسلم کو یوں خط لکھا:

امابعد؛ مجھے خوف ہے کہ اس خط کا سبب صرف خوف اور اداسی ہو؛ لہٰذا اپنے راستہ کو جاری رکھو اور جو ذمہ داری آپ کو سونپی گئی ہے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤ[5]۔

امام علیہ السلام کا خط حضرت مسلم کو ملا، انہوں نے پڑھ کر کہا: میں اپنے لیے خوفزدہ نہیں ہوں۔ پھر چل پڑے اور کوفہ کے راستے میں قبیلہ طی کے کنویں تک پہنچے۔ وہاں تھوڑی دیر ٹھہرے۔ سفر کے دوران ایک

۱۔ رجوع کریں: طبر، تاریخ الامم والملوک، ج۵ ص ۳۵۴؛

۲۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک دیہات کا نام ہے (یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۵، ص ۱۷۱)۔

۳۔ خبیت خبت کی تصغیر ہے اور خبت مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک صحراء کا نام ہے (سابقہ حوالہ، ج۲، ص ۳۹۳) ظاہرا کیونکہ وہ راستہ گم کر چکے تھے اس لیے وہ عراق کی بجائے مکہ کی طرف چل پڑے اور خبیت کے مقام سے جا نکلے (محمد سماوی، ابصار العین، ص ۴۰؛ یوسفی غروی، وقعۃ الطف، ص ۹۷)۔

۴۔ رجوع کریں: طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۵۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۰؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۳۳، ۳۲؛ تھوڑے سے فرق کے ساتھ

۵۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۰؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۳۲۔۳۳۔

شخص سے ملاقات ہوئی جو شکار کے لیے تیر اندازی میں مشغول تھا، اس نے تیر چلایا اور ہرن کو مار گرایا۔ حضرت مسلم نے یہ ماجرا دیکھا، اسے نیک شگون جانا اور کہا: ہم دشمن پر غلبہ پالیں گے۔[۱]

معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں حضرت مسلم کے خوف زدہ ہونے کی طرف جو اشارہ کیا گیا ہے، یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ: اولاً، عمار دُہنی نے اسی روایت کو امام باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے لیکن اس میں امام حسین علیہ السلام سے اس طرح کی کوئی بات نقل نہیں ہوئی اور صرف امام علیہ السلام کی جانب سے حضرت مسلم کا استعفی قبول نہ کرنے کا ذکر ہوا ہے۔ ثانیاً: حضرت مسلم کی عظیم شخصیت، امام علیہ السلام کا مورد اعتماد ہونا اور سابقہ جنگی مہارت،[۲] اس روایت کے قبول کرنے سے مانع ہے۔

بلاذری کی روایت کے مطابق حضرت عقیل کے بیٹوں میں سے حضرت مسلم، سب سے قوی اور شجاع تھے۔[۳] اسی طرح محمد بن اشعث کا مسلم کی بہادری اور شجاعت کی تعریف کرنا بھی قابل توجہ ہے۔ جب ابن زیاد نے حضرت مسلم کی گرفتاری کے دوران فوج کے ایک دستے کی ہلاکت کی وجہ سے ابن اشعث کی سرزنش کی اور کہا: میں نے تجھے ایک فرد کی گرفتاری کے لیے بھیجا تھا (نہ ایک گروہ کی)؛ لیکن تو نے بہت زیادہ فوج تلف کر دی ہے، تو محمد بن اشعث نے اسے جواب دیا: کیا تم جانتے ہو کہ تم نے مجھے کس جرأت مند شیر اور دلاور کی گرفتاری کے لیے بھیجا ہے، جس کے ہاتھ میں کاٹنے والی تلوار ہے۔[۴] نیز یہ بات کیسے قبول کی جاسکتی ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے ایک ضعیف اور اس روایت کے مطابق ڈرپوک شخص کو، ایسی اہم اور حساس ذمہ داری کے لیے انتخاب فرما کر کوفہ بھیج دیا ہو؟! اسی لیے بعض معاصر محققین نے اس واقعہ میں تردید کا اظہار کیا ہے۔[۵]

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۵؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۱، ۴۰۔

۲۔ حضرت مسلم جنگ صفین میں حسنین علیہما السلام اور عبد اللہ بن جعفر کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کی فوج کے میمنہ (دائیں دستہ) کے کمانڈر تھے (ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۳، ص۱۹۷)۔

۳۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص۳۳۴۔

۴۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۵۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۰۹؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۰۱۔

۵۔ رجوع کریں: نجم الدین طبسی، باکاروان حسینی از مدینہ تا مدینہ، ترجمہ عبد الحسین بینش، ج۲، ص۴۹ تا ۵۲۔

حضرت مسلم کوفہ میں

حضرت مسلم بن عقیل پانچ شوال کو کوفہ میں داخل ہوئے۔[1] اب ان کا سامنا، حادثہ خیز شہر اور مختلف افکار اور نظریات سے تھا۔ اگرچہ یہ شہر ظاہری طور پر امن وامان میں تھا، لیکن حقیقت میں ایک طوفان سے پہلے امنیت کے دن گزار رہا تھا۔ حضرت مسلم کوفہ میں داخل ہونے کے بعد مختار بن ابی عبید ثقفی کے گھر گئے۔[2] ان کے آنے کی خبر کوفہ میں پھیل گئی اور شیعوں نے ان کے ہاں آنا جانا شروع کر دیا[3]۔

جب کوفہ کے شیعہ حضرت مسلم کے پاس جمع ہوئے تو انہوں نے امام علیہ السلام کا خط پڑھ کر سنایا؛ اور وہ لوگ خط سن کر گریہ کرنے لگے۔ عابس ابن ابی شبیب شاکری[4] اپنی جگہ سے اٹھا اور اللہ تعالی کی حمد وثنا کے بعد کہا:

میں آپ کو لوگوں کی طرف سے خبر نہیں دینا چاہتا، کیونکہ نہیں جانتا کہ ان کے دل میں کیا ہے، (اس لیے) ان کی طرف سے آپ کو دھوکہ نہیں دیتا؛ لیکن اللہ کی قسم، جو کچھ کہہ رہا ہوں، میں نے یہ اپنے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے۔ اللہ کی قسم، اگر مجھے دعوت دو تو احسن طریقہ سے جواب دوں گا اور آپ کے ساتھ دشمنوں کے خلاف لڑوں گا اور آپ کے ہمراہ تلوار چلاؤں گا، یہاں تک کہ اللہ کے حضور چلا جاؤں اور اس کے بدلے میں خدا سے اجر کے علاوہ کچھ نہیں مانگوں گا۔

۱۔ مسعودی، مروج الذھب، ج۳، ص۶۴۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم الملوک، ج۵، ص۳۵۵؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص۳۴۳؛ و ج۶، ص۳۷۶؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۴۱؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۳۳۔ ابن سعد نے لکھا ہے: امام نے حضرت مسلم کو حکم دیا تھا کہ ہانی بن عروہ کے گھر جانا۔ (ترجمۃ الحسین و مقتلہ،)فصلنامہ تراثنا، ش۱۰، ص۱۷۳؛ سبط بن جوزی اور مسعودی کے مطابق عوسجہ نامی شخص کے گھر گئے۔ (سبط بن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص۱۴۱؛ مسعودی، مروج الذھب، ج۳، ص۶۴)۔

۳۔ رجوع کریں: ابوحنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۴۱؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۵؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۱۔

۴۔ وہ شیعوں کی بڑی شخصیات میں سے تھا اور دلیر، عابد، خطیب اور شب زندہ دار تھا۔ بنی شاکر امیر المومنین کے ارادتمند اور مخلص لوگوں میں سے تھے، اللہ کے فضل وکرم سے اس کا زندگی نامہ اسی کتاب کی دوسری جلد میں امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کے باب میں آئے گا۔

پھر حبیب بن مظاہر فَقعَسی اسدی اپنی جگہ سے اٹھا اور عابس سے کہا: آپ پر اللہ کی رحمت ہو۔ تم نے مختصر الفاظ میں ضمیر کی آواز بیان کر دی ہے۔ اس خدا کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، میں نے بھی اپنے ساتھ یہی وعدہ کیا ہے۔[۱]

ان کے بعد سعید بن عبد اللہ نے بھی کھڑے ہو کر یہی جملات دہرائے۔[۲] دوسرے شیعوں نے بھی یکے بعد دیگرے اسی طرح کلام کیا۔ پھر اپنے اموال حضرت مسلم کے اختیار میں دے دیے لیکن انہوں نے قبول نہ کیے۔[۳]

یہ مخلصانہ گفتگو ان بزرگ شخصیات کی اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ محبت، عشق اور ان کی باطنی پاکیزگی پر دلالت کرتی ہے؛ لیکن کیا یہ اخلاص، ایثار اور اہل بیت علیہم السلام کی حرمت کے دفاع کے لیے آمادگی، ان تمام لوگوں میں تھی جنہوں نے خط لکھے تھے؟ کیا یہ لوگ سخت حالات کا سامنا کرنے کو تیار تھے؟ اگرچہ بعد میں پیش آنے والے واقعات نے اس سوال کا جواب دے دیا؛ لیکن انہی کلمات سے بھی جواب نکالا جا سکتا ہے۔ راوی (حجاج بن علی) کہتا ہے: میں نے محمد بن بشر ہمدانی (جو اس وقت موجود تھا اور ان واقعات کا راوی ہے) سے کہا: کیا (ان لوگوں کی طرح) تم نے بھی کوئی بات کہی؟ اس نے جواب دیا: میں چاہتا تھا کہ میرے دوست و احباب کامیاب ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کو عزت دے؛ لیکن مجھے نہ قتل ہونا پسند تھا اور نہ جھوٹ بولنا۔[۴]

بہر حال حضرت مسلم ایسے شہر میں تھے، جس میں مختلف افکار و نظریات موجود تھے اور حالات کی دیکھ بھال آپ کی ذمہ داری تھی۔ کوفہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے انہوں نے لوگوں سے بیعت لی۔ بیعت لینے کے طریقہ کار کے بارے میں تاریخی کتب میں کچھ نہیں بیان ہوا۔ اسی طرح

۱۔ رجوع کریں: طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۵؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۳۴؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۹۷۔

۲۔ رجوع کریں: طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۵؛

۳۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۳۴؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۹۷۔

۴۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۵۔

مؤرخین نے بیعت کرنے والوں کی تعداد بھی ایک جیسی بیان نہیں کی۔ بعض کتب نے ان کی تعداد بارہ ہزار[۱]، بعض نے اٹھارہ ہزار[۲] اور حتیٰ کہ پچیس ہزار[۳] اور چالیس ہزار[۴] بھی لکھی ہے؛ ان شاءاللہ دوسری جلد میں "عاشورہ، اعداد و شمار کے آئینہ میں" کے عنوان کے تحت ایک باب میں اس کی تحقیق کریں گے۔

حضرت مسلم کا امام حسین علیہ السلام کو خبر دینا

حضرت مسلم نے لوگوں سے بیعت لینے کے بعد امام علیہ السلام کو خط لکھا کہ وہاں کے لوگوں نے ان کی بیعت کر لی ہے۔ مسلم نے یہ خط اپنی شہادت سے ۲۷ دن پہلے[۵]، [۶] عابس بن ابی شبیب شاکری کے ہاتھ امام حسین علیہ السلام کو بھیجا۔ یہ خط ذی القعدہ کے آخری ایام میں امام علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ تاریخ طبری میں اس خط کا متن اس طرح نقل ہوا ہے:

اما بعد؛ قوم کا بھیجا ہوا اپنی قوم سے جھوٹ نہیں بولتا۔ اٹھارہ ہزار لوگوں نے میری بیعت کی ہے۔ جب میرا خط پڑھو، فوراً کوفہ کی طرف چل پڑو؛ کیونکہ سب لوگ آپ کے ساتھ ہیں اور معاویہ کے خاندان پر اعتقاد اور ان کی طرف رغبت نہیں رکھتے۔ والسلام۔[۷]

شیخ مفید کہتے ہیں: کوفہ کے لوگوں نے حضرت مسلم کے خط کے ہمراہ جس میں بیعت کی خبر دی گئی تھی، ایک اور خط بھی لکھا جس کا مضمون یہ تھا: یہاں لاکھوں شمشیر زن آپ کے منتظر ہیں، دیر نہ کریں۔[۸]

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۴۷۔۳۴۸؛ مسعودی، مروج الذھب، ج۳، ص۶۴؛

۲۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا ش۱۰ ص۱۷۴؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۵۹، ۳۴۷۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۱۔

۳۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۹۹؛ ابن اعثم نے بیعت کرنے والوں کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ لکھی ہے (کتاب الفتوح، ج۵، ص۴۰)۔

۴۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۲۶؛ ابن عبدربہ اندلسی نے بھی بیعت کرنے والوں کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ لکھی ہے (العقد الفرید، ج۴، ص۳۵۴)۔

۵۔ جناب مسلم کوفہ میں ۵ شوال کو داخل ہوئے اور ۹ ذی الحجہ کو شہید ہوئے، ان کی کوفہ میں اقامت کی مدت ۶۴ دن ہے، اگر ان ۲۷ دنوں کو اس سے کم کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جناب مسلم نے کوفہ کے لوگوں کی صداقت کی ۳۷ دن تک جانچ پڑتال کی اور اس کے بعد امام علیہ السلام کو خط لکھ کر بلایا۔

۶۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۷۱؛ بلاذری کہتا ہے یہی یہ مدت بیس سے زیادہ دن تھی (انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۸)۔

۷۔ طبری تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۵؛ اس خط کا مضمون بعض کتب میں تھوڑے فرق کے ساتھ بیان ہوا اور اکثر میں یہ کہا گیا ہے کہ اٹھارہ ہزار لوگوں نے بیعت کی تھی (رجوع کریں: ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۵۹؛ بلاذری انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۸)۔

۸۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۷۱۔

نُعمان بن بشیر کا موقف

حضرت مسلم کے پاس لوگوں کی زیادہ آمد و رفت کی وجہ سے ان کا مکان مشہور ہو گیا اور یہ خبر کوفہ کے حاکم نُعمان بن بشیر تک پہنچ گئی۔[1] جناب مسلم کے کوفہ آنے اور آپ کے ہاتھ پر لوگوں کی بیعت کی اطلاع ملتے ہی نعمان بن بشیر، مسجد کوفہ میں آیا اور لوگوں میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

اے بندگانِ خدا! خدا سے ڈرو، فتنہ پروری نہ کرو اور تفرقے کا باعث نہ بنو۔ یہ کام لوگوں کی نابودی، خون ریزی اور اموال کی لوٹ مار کا سبب ہے۔ جو میرے ساتھ جنگ نہ کرے، میں اس کے ساتھ جنگ نہیں کروں گا؛ اور جو میری نافرمانی نہ کرے میں اس پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ آپ کو برا بھلا نہیں کہوں گا اور تمہیں نہیں بھڑکاؤں گا۔ صرف تہمت اور جھوٹ کی وجہ سے کسی کو گرفتار نہیں کروں گا؛ لیکن اگر تم نے منہ موڑا اور بیعت توڑ کر عہد شکنی کی اور اپنے حکمران کے ساتھ جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، تو اللہ کی قسم تمہیں اپنی تلوار سے اس وقت تک قتل کروں گا جب تک تلوار میرے ہاتھ میں رہے گی؛ اگرچہ تم میں سے کوئی بھی میری مدد نہ کرے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ حق شناس لوگ ان لوگوں سے زیادہ ہیں جن کی ہلاکت کا سبب باطل ہے اور حق پرست زیادہ اور باطل کو چاہنے والے کم ہیں۔

عبداللہ بن مسلم بن سعید حضرمی جو بنی امیہ کے ساتھ عہد و پیمان کر چکا تھا، اس نے (نعمان بن بشیر کی) امن پسندانہ گفتگو پر اعتراض کیا[2] اور کہا: یہ معاملہ صرف غضب اور سختی سے ٹھیک ہو گا۔ جو طریقہ تم نے اختیار کیا ہے، اس سے لوگ سست اور کمزور ہو جائیں گے۔

نعمان نے جواب دیا: میں اللہ کی اطاعت میں ضعیف اور ناتواں ہوں۔ یہ کمزوری اور ناتوانی، اُس کی معصیت میں قدرتمند ہونے سے بہتر ہے؛ پھر منبر سے اتر گیا۔[3]

---

[1]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال ص ۲۴۱؛

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۵۶؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۳۵؛ ابن اثیر الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۳۵۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۵۶، ۳۵۵؛ شیخ مفید الارشاد، ج۲ ص ۴۲؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۳۵؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۳۵؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص ۱۹۷۔۱۹۸۔

اگرچہ نعمان کی گفتگو دھمکی آمیز تھی؛ لیکن جیسا کہ عبد اللہ بن مسلم نے بھی اسے کہا، اُس کی گفتگو نرم اور امن پسندانہ بھی تھی اور شدید دھمکی شمار نہیں ہوتی تھی؛ لیکن لوگوں نے اس کلام کو نعمان کی کمزوری اور ضعف سمجھا۔

حضرت مسلم بن عقیل کے ساتھ نعمان کی نرمی اور چشم پوشی کی چند وجوہات بیان کی گئی ہیں:

۱۔ یزید انصار کا سخت دشمن تھا اور ان کی عیب جوئی کرتا تھا، اس لیے نعمان، یزید کا مخالف اور اس کی حکومت سے ناخوش تھا۔[۱]

۲۔ اس کی بیٹی مختار بن ابی عبید ثقفی کی بیوی تھی اور حضرت مسلم بن عقیل اس کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے، لہذا یہ رشتہ بھی نرمی میں اثر انداز تھا۔[۲]

۳۔ معاویہ کی طرح نعمان بھی، امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مقابلے کی سیاست کا مخالف تھا۔[۳]

شاید نعمان جان بوجھ کر نرمی دکھا رہا تھا تاکہ دختر رسول اور ریحانۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ کے فرزند کے ساتھ جنگ میں ملوث نہ ہو۔ اسی لیے اس نے ظاہری طور پر دھمکی آمیز لہجہ اپنایا، تاکہ بنی امیہ کے ہم پیمان لوگوں کو اعتراض کا موقع نہ مل سکے۔ اگرچہ اس کا خاندانِ عصمت و طہارت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا، بلکہ وہ خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے دشمنوں کی صف میں شامل تھا اور عثمانی تھا؛[۴] لیکن معلوم ہوتا ہے کہ خاندان نبوت کی حقانیت سے بے خبر نہیں تھا، جیسا کہ اس نے ایک خصوصی محفل میں کہا تھا: رسول اللہ کی بیٹی کا فرزند ہمیں بجدل[۵] کے بیٹے (یزید) سے زیادہ محبوب ہے؛[۶] لیکن کیا کوفہ میں بنی امیہ کے ہم پیمان لوگوں نے بھی نعمان کا طرز عمل اختیار کیا اور خاموش بیٹھے رہے؟ ہر گز ایسا نہیں تھا، بلکہ جب نعمان کی طرف

---

[۱]۔ باقر شریف قرشی، حیاۃ الامام الحسین، ج ۲، ص ۱۹۰، ۱۸۸۔

[۲]۔ سابقہ حوالہ، ص ۳۴۹۔

[۳]۔ رجوع کریں: نجم الدین طبسی، مع الرکب الحسینی من المدینۃ الی المدینۃ، ج ۲، ص ۱۲۶-۱۳۰۔

[۴]۔ ابرہیم ثقفی کوفی اصفہانی، الغارات، ص ۳۱۱۔

[۵]۔ یزید کی ماں میسون بجدل بن انیف بن ولجہ کی بیٹی تھی (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۲۹۔)

[۶]۔ ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ ج ۲، ص ۸۔

سے حضرت مسلم کے خلاف اقدام کرنے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے تمام امور کی باگ ڈور، خود سنبھال لی۔

ابن زیاد اور کوفہ کی حکمرانی

عبداللہ بن مسلم بن سعید حضرمی اور عُمارۃ بن عقبہ بن ابی معیط جو کہ کوفہ میں یزید کے جاسوس تھے،[1] اور اسی طرح عُمر بن سعد اور محمد بن اشعث [2] نے یزید کو خط لکھا اور اس کو حضرت مسلم کے کوفہ آنے سے آگاہ کیا۔

عبداللہ بن مسلم نے یزید کو خط میں لکھا:

مسلم کوفہ میں داخل ہوا ہے اور حسین بن علی کے شیعہ اس کی بیعت کر چکے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کوفہ تمہارے حکم کے تحت رہے تو کسی مقتدر اور بااثر شخص کو کوفہ کی حکومت کے لیے انتخاب کرو، تا کہ تیرے دشمنوں کے ساتھ تجھ جیسا سلوک کرے، کیونکہ نعمان بن بشیر یا کمزور ہے یا خود کو کمزور ظاہر کر رہا ہے۔

اس کے بعد عمارۃ بن عقبہ اور پھر عمر بن سعد بن ابی وقاص نے بھی اس سے ملتے جلتے خطوط یزید کو لکھے [3]۔ جب یکے بعد دیگرے دو دن کے فاصلہ سے یزید کو خط ملے اور اسے معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کوفہ کی جانب روانہ ہو چکے ہیں، تو وہ پریشان ہوا [4] اور معاویہ کے غلام سرجَون کو بلا کر کہا: تیری کیا رائے ہے؟ حسین کوفہ کی طرف آرہا ہے اور مسلم بن عقیل کوفہ کے لوگوں سے بیعت لے رہا ہے۔ میں نے سنا ہے نعمان بن بشیر کمزور شخص ہے اور اس نے نامناسب گفتگو کی ہے۔ پھر اسے خط پڑھنے کو کہا اور پوچھا: تیری رائے کے مطابق کس کو کوفہ کا حاکم بناؤں؟ سرجون نے ابن زیاد کی پیش کش کی؛ لیکن یزید، ابن

---

[1]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۴۲۔

[2]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص ۳۳۵۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۵۶؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۴۲؛ ابن اعثم کوفی، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۳۶، ۳۵؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص ۱۹۸۔

[4]۔ بلاذری، انساب الشراف، ج۵، ص ۴۰۷۔

زیاد سے ناراض تھا، حتی کہ اس کو بصرہ کی حکومت سے بھی معزول کرنا چاہتا تھا۔[1] سرجون نے کہا: اگر معاویہ زندہ ہوتا تو تم اس کی رائے کے مطابق عمل کرتے یا نہ؟ یزید نے کہا: ہاں۔ سرجون معاویہ کا حکم نامہ لے آیا جس میں کوفہ پر ابن زیاد کی امارت کا ذکر تھا اور کہا: یہ کوفہ کی حکمرانی کے لیے ابن زیاد کے انتصاب کے بارے میں معاویہ کا خط ہے۔ اس نے مرتے وقت خط لکھنے کا حکم دیا اور میں نے یہ خط لکھا اور اس نے مہر لگائی۔ لیکن وہ دنیا سے چلا گیا اور یہ خط میرے پاس باقی رہا[2]۔

یزید نے اس کی رائے پر عمل کیا اور کوفہ اور بصرہ، دونوں کو ابن زیاد کے کنٹرول میں دے دیا اور اسے اس طرح خط لکھا:

میرے کوفی دوستوں نے مجھے خبر دی ہے کہ مسلم بن عقیل نے کوفہ میں لوگوں کو جمع کیا ہے اور مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنا چاہتا ہے، لہذا جب میرا خط پڑھو تو کوفہ کی طرف حرکت کرو اور مسلم بن عقیل کو تلاش کرو، جیسے تسبیح کے دانوں کو تلاش کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کو پالو۔ اسے قید کرلو، قتل کردو یا کوفہ سے باہر نکال دو۔ والسلام[3]

یزید نے یہ خط مسلم بن عمرو باہلی کو دے کر بصرہ بھیجا۔ وہ ابن زیاد کے پاس گیا، خط اور امارت کا حکم نامہ اسے دیا۔ ابن زیاد نے خط پڑھ کر فوراً حکم دیا کہ ابھی اس کا سامانِ سفر فراہم کیا جائے۔ سفر کے وسائل فراہم ہوگئے تا کہ اگلے دن سفر پر روانہ ہو جائے۔[4]

ابن زیاد نے کوفہ جانے سے پہلے حکم دیا کہ اہلِ بصرہ کے لیے امام حسین علیہ السلام کا خط لانے والے شخص سلیمان کو گردن کاٹ کر پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ پھر بصرہ کی مسجد میں لوگوں کے اجتماع میں جاکر دھمکی آمیز گفتگو کی اور کہا: اے اہل بصرہ! امیر المومنین یزید نے مجھے کوفہ کی حکمرانی کے لیے چنا ہے اور میں

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۴۸؛ ابو علی مسکویہ، تجارب الامم و تعاقب الہمم، ج۲، ص۴۲؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص۱۶۴۔

[2]۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۱۶۴۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۷، ۳۵۶؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۳، ۴۲؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۴۲؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۳۷، ۳۶۔

[4] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۳؛

کل وہاں چلا جاؤں گا۔ میں نے عثمان بن زیاد بن ابی سفیان کو یہاں اپنا جانشین مقرر کیا ہے اور تمہیں فتنہ اور شرارت سے منع کر رہا ہوں۔ اس خدا کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اگر مجھے خبر ملی کہ تم میں سے کوئی شور و غل کرنا چاہتا ہے، تو اُسے اس کے دوستوں اور اس کے ہم پیمان لوگوں کو قتل کر دوں گا اور قریبی کو دور کی جگہ پکڑوں گا(یعنی اگر مجرم کو نہ پایا تو اس کے قریبیوں کو گرفتار کر لوں گا) تاکہ میرے مطیع ہو جاؤ اور تمہارے درمیان مخالف اور فتنہ گر باقی نہ رہیں۔ میں زیاد کا بیٹا ہوں اور زمین پر قدم رکھنے والوں میں سب سے زیادہ اس کے ساتھ شباہت رکھتا ہوں۔ ماموں اور چچازاد[1] کی شباہت نے مجھے اس سے جدا نہیں کیا۔[2]

ابن زیاد کوفہ میں

دوسرے دن صبح کو ابن زیاد نے اہل بصرہ میں سے پانچ سو افراد کو چنا، جن میں عبد اللہ بن حارث بن نوفل اور شریک بن اعور (جو حضرت علی علیہ السلام کے شیعوں میں سے شمار ہوتا تھا[3] اور اس نے جنگ جمل اور صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے ہمرکاب جنگ لڑی[4]) شامل تھے۔ بعض تاریخی مصادر نے لکھا ہے کہ مسلم بن عمرو باہلی اور منذر بن جارود[5] بھی اس کے ہمراہ تھے۔ اس کے کچھ ساتھی راستے میں جدا ہو گئے؛ لیکن ابن زیاد اس ڈر سے وہاں نہ رکا، کہ کہیں امام حسین علیہ السلام اس سے پہلے کوفہ نہ پہنچ جائیں، لہٰذا وہ جلدی جلدی چلتا رہا۔ راستے میں جدا ہونے والوں میں سب سے پہلا شخص شریک بن اعور تھا۔ بعض کتب میں آیا

---

[1]۔ اس کی ماں مرجانہ عجمی تھی گویا اس کی مراد یہ ہے کہ میں اپنے ماموں جو عجم تھا اس کی طرح ڈرپوک نہیں ہوں اور اسی طرح چچازاد جو راحت طلب اور سست انسان تھا اور گھر بیٹھ گیا حتی کہ اس کو قتل کر دیا گیا (میں ان کے ساتھ شباہت نہیں رکھتا) بلکہ اپنے باپ کی طرح سخت گیر ہوں۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۸؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۳۸، ۳۷؛

[3]۔ ابن سعد، "ترجمۃ الحسین ومقتلہ"، فصلنامہ تراثنا، ش۱۰، ص۱۷۴؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۴۵؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۳۶؛ طبری، اور ابو الفرج اصفہانی نے اس کے بارے میں لکھا ہے: وکان شدید التشیع (تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۴۷؛ مقاتل الطالبین، ص۹۸)۔

[4]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص۳۳۷؛ رجوع کریں: طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵ ص۳۶۱۔

[5]۔ رجوع کریں: ابو الحسن اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص۹۶؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۳۸؛

ہے کہ اس نے جان بوجھ کر یہ کام کیا اور اس کے ساتھ ایک گروہ بھی جدا ہو گیا۔[۱] پھر عبد اللہ بن حارث نے بھی چند لوگوں کے ہمراہ اپنے آپ کو مزید ساتھ چلنے سے بے بس ظاہر کیا، اس امید کے ساتھ کہ ابن زیاد ان کے بارے میں پریشان ہو جائے (اور دیر کر دے) تا کہ امام حسین علیہ السلام اس سے پہلے کوفہ پہنچ جائیں ۔لیکن ابن زیاد نے کسی کی طرف توجہ نہ دی اور باقی افراد کے ہمراہ اپنا سفر جاری رکھا اور قادسیہ پہنچ گیا ۔وہاں اس کا غلام مہران بھی مزید چلنے سے عاجز آ گیا۔ ابن زیاد نے اسے کہا: اگر تو اسی حالت میں چلتا رہے اور ہم قصر تک پہنچ جائیں تو تجھے ایک لاکھ درہم دوں گا؛ لیکن اس نے کہا: اللہ کی قسم؛ مجھ میں مزید چلنے کی طاقت نہیں رہی۔ ابن زیادہ سواری سے اترا، یمنی لباس پہنا، اپنے چہرہ پر نقاب ڈالا اور پھر اپنے خچر پر سوار ہو گیا اور (گویا اس کی سواری بھی نہیں چل سکتی تھی) نیچے اترا اور پیدل چل پڑا۔ تمام تکلیفوں کے باوجود کوفہ پہنچ گیا۔[۲] کوفیوں نے سن رکھا تھا کہ امام حسین علیہ السلام ان کی طرف آ رہے ہیں۔ سب لوگ استقبال کے لیے گھروں سے باہر آ گئے ۔ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ حسین بن علی علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آئے ہیں؛ لہذا اس کے استقبال کے لیے گئے اور کہہ رہے تھے: اے فرزندِ رسول خدا، خوش آمدید۔ ابن زیاد نے جب دیکھا کہ لوگ اسے امام حسین سمجھ کر خوش آمد کہہ رہے ہیں تو اسے اچھا نہ لگا؛ لیکن اس نے کچھ نہ کہا اور اپنا سفر جاری رکھا اور اسی حالت میں دارالامارہ کے محافظوں کے سامنے سے گزرا۔ سب اسے دیکھ کر، بلاشک امام حسین علیہ السلام سمجھ رہے تھے۔

نعمان بن بشیر نے یہ منظر دیکھ کر دار الامارہ کا دروازہ بند کر دیا۔ ابن زیاد کے ساتھی چلائے: دروازہ کھولو۔ نعمان چونکہ یہ سمجھ رہا تھا کہ حسین علیہ السلام آ گئے ہیں، اُس نے قصر کی چھت سے آواز دی: تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں یہاں سے دور ہو جاؤ، کیونکہ میں یہ امانت آپ کو نہیں دوں گا اور آپ کے ساتھ جنگ کے لیے بھی آمادہ نہیں ہوں۔ ابن زیاد جو ابھی تک خاموش تھا قریب ہوا اور کہا: دروازہ کھولو، خدا تمہیں اپنے لیے دروازہ کھولنے کی توفیق نہ دے، رات گزر چکی ہے۔ کسی کوفی نے ابن زیاد کو امام حسین علیہ السلام سمجھ کر

---

[۱]۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۳۶؛

[۲]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۹۔

استقبال کے لیے آئے ہوئے لوگوں سے کہا: اے لوگو! اللہ کی قسم، یہ مرجانہ کا بیٹا ہے۔ اس وقت نعمان نے دروازہ کھولا۔ ابن زیاد قصر میں داخل ہوا اور لوگ بکھر گئے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔[1]

ابن زیاد کی لوگوں پر سختی

ابن زیاد نے دارالامارہ میں قیام کے بعد حکم دیا کہ لوگوں کو مسجد کوفہ میں جمع کیا جائے۔ جب لوگ جمع ہوگئے تو اس نے تقریر کی:

اے اہلِ کوفہ! امیر المومنین نے مجھے آپ کے شہر، سرحدوں اور آپ کے بیت المال کے استعمال پر حاکم بنایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ مظلومین کے ساتھ انصاف کروں اور محروم طبقے کو عطا کروں۔ دستور کی اطاعت کرنے والوں کے ساتھ باپ کی طرح اچھائی سے پیش آؤں۔ لیکن میرا تازیانہ اور تلوار ان لوگوں کے خلاف ہے، جو حکم کی نافرمانی کریں اور میرے پیمان کی مخالفت کریں۔ پس ہر شخص کو احتیاط سے رہنا ہو گا۔ "الصدق یُنبِیءُ عَنكَ لَا الوَعِید (اچھا کام انسان کی شخصیت کو ظاہر کرتا ہے، نہ کہ اس کے وعدے)۔[2]

ابن زیاد نے عزم کر لیا کہ اس طرح کی دھمکیوں سے ماحول میں رعب و دبدبہ پیدا کرے اور چونکہ وہ کوفیوں کو جانتا تھا کہ یہ دھمکیاں ان کے لیے بے اثر نہیں ہیں، اس لیے وہ اپنے بعد کے اقدامات کے ذریعے کسی حد تک کوفہ کے حالات پر مسلط ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

مرجانہ کے بیٹے نے یزید کی طرف سے ملنے والے وسیع اختیارات اور اپنی بے رحمی اور جنایت کاری کی بنا پر کوفہ کی بزرگ شخصیات کو ڈرانے دھمکانے اور سختی سے اپنی حکومت کا آغاز کیا۔ اس نے سرداروں، بزرگوں اور سرکردہ شخصیات کو بلایا اور ان پر دباؤ ڈالا اور کہا: مجھے ان لوگوں کے نام لکھ دو جو بیگانے ہیں، مشہور ہیں، جن پر امیر المومنین یزید نظر رکھے ہوئے ہے اور جو خوارج تمہارے درمیان موجود ہیں اور ان لوگوں کے نام جو لوگوں میں اختلاف ایجاد کر رہے ہیں۔ جو شخص انہیں میرے پاس لے آئے گا وہ امان

[1] شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۴، ۴۳؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۹؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۳۹، ۳۸۔

[2] شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۴؛ تھوڑے فرق کے ساتھ: ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۳۹؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص۹۷؛ اور اسی مضمون کے ساتھ: بلاذری، انساب الاشراف،، ج۲، ص۳۳۶۔

میں ہو گا اور جو ان لوگوں کے نام نہیں لکھے گا وہ ہمیں ضمانت دے کہ جو لوگ اس کے اختیار میں ہیں، وہ ہماری مخالفت اور بغاوت نہیں کریں گے۔ جس نے یہ کام نہ کیا اس کو امان حاصل نہیں ہو گی اور اس کی جان و مال ہمارے لیے مباح ہو گی۔ ہر عریف[1] جو اپنے زیرِ کفالت افراد میں یزید کے دشمنوں کو جانتا ہو اور ہمارے حوالے نہ کرے، تو بیت المال سے اس کا حصہ ختم ہو جائے گا اور (اس شخص کو) عریف کے دروازہ پر پھانسی پر لٹکایا جائے گا اور وہ عریف، "عمان زارہ"[2] کی طرف جلاوطن کر دیا جائے گا۔[3]

ابن زیاد کے کوفہ میں داخل ہونے اور خوفناک فضا ایجاد کرنے کی وجہ سے بہت سے لوگ خوف زدہ ہو گئے۔ بے رحم اور خون خوار شخص ابن زیاد نے شام کی حکومت کی مضبوط پشت پناہی اور اپنے اولیہ اقدامات کی وجہ سے کوفہ کے حالات یکسر بدل دیئے اور حضرت مسلم کی تحریک کمزور ہو گئی۔ اب تک مختار کے گھر میں موجود حضرت مسلم نے حالات کے بدلنے اور سرکردہ افراد پر ابن زیاد کی سختی کی اطلاع ملتے ہی ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہونے کا ارادہ کیا؛[4] لہذا آدھی رات کو مختار کے گھر سے ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہو گئے۔[5] ہانی کے گھر منتقل ہونے کے بعد شیعہ، ابن زیاد کے سپاہیوں سے مخفی ہو کر حضرت مسلم کے پاس آتے جاتے تھے اور ان کی جگہ مخفی رکھتے تھے۔[6]

---

[1]۔ عریف اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بلاواسطہ بیت المال کے رئیس کے تحت فرمان خدمات انجام دیتا تھا اور ایک لاکھ درہم اپنے زیر فرمان لوگوں میں تقسیم کرنے پر مامور تھا۔

[2]۔ عمان زارہ ایک صحراء کا نام ہے۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۹؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۳۶؛ اور تھوڑے فرق کے ساتھ: شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۴۔۴۵۔

[4]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۵؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۴۴؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۲۔

[5]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۴۰۔

[6]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۵۔

ابن زیاد کے قتل کا منصوبہ

ابن زیاد کے کوفہ آنے اور زمامِ حکومت سنبھالنے کی وجہ سے بہت سے لوگ بالخصوص شیعہ، پریشان ہوگئے اور لوگوں کے پُرجوش استقبال کی وجہ سے عروج حاصل کرنے والی تحریک اچانک ماند پڑ گئی، یہاں تک کہ شیعہ اپنے کام چھپ کر انجام دینے پر مجبور ہوگئے۔

حضرت مسلم کے ہانی بن عروہ کے گھر آتے ہی شریک بن اعور بھی وہاں پہنچ گئے،[1] جیسا کہ گزر چکا ہے کہ شریک بن اعور بصرہ میں حضرت علی علیہ السلام کے شیعہ میں سے تھے جنہوں نے جنگ جمل اور صفین میں امام علی علیہ السلام کے ہمرکاب جنگ کی۔ شریک بن اعور کی ہانی بن عروہ سے پرانی دوستی تھی اسی لیے ہانی انہیں اپنے گھر لے آئے اور انہیں اسی کمرے میں رہائش دی جس میں حضرت مسلم ٹھہرے ہوئے تھے۔[2] وہ ہانی کو حضرت مسلم کی مدد کرنے کی تشویق کرتے تھے۔[3] شریک (چند دن بعد) سخت مریض ہو گیا اور ابن زیاد کو یہ خبر ملی تو اس نے پیغام بھیجا کہ وہ اس کی عیادت کے لیے آرہا ہے۔[4] (یہ پیغام سنتے ہی شریک کے ذہن میں ایک تجویز آئی اور اس کے بارے میں حضرت مسلم کے ساتھ گفتگو کی) شریک نے حضرت مسلم سے کہا: آپ کا اور شیعوں کا اصل مقصد اس ظالم کو نابود کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا موقع فراہم کر دیا ہے۔ وہ میری عیادت کو آرہا ہے، آپ اس کمرہ کی بالکن میں چھپ جائیں وہ جونہی میرے قریب آئے، باہر نکل کر اسے قتل کر دینا اور حکومتی قصر میں چلے جانا اور اس پر قبضہ کر لینا۔ کوئی بھی اس کام کی مخالفت اور جنگ نہیں کرے گا۔ میں صحت اور سلامتی کے ساتھ بصرہ کو آپ کے ہمراہ کر دوں گا اور لوگوں کو آپ کی بیعت پر آمادہ کروں گا۔ ہانی بھی یہ گفتگو سن رہے تھے، انہوں نے کہا: میں نہیں چاہتا کہ ابن زیاد میرے گھر قتل ہو۔ شریک نے پوچھا: کیوں؟ اللہ کی قسم؛ اس کو قتل کرنا قرب الٰہی کا سبب

---

[1] بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص۳۳۷؛ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص۹۷؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۱۔

[2] ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۴۵۔

[3]۔ سابقہ حوالہ۔

[4]۔ لیکن بعض کتب نے ہانی کے مریض ہونے اور ابن زیاد کی اس کی عیادت کرنے کی روایت کی ہے (یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص۲۴۳؛ ابن عبد ربہ اندلسی، العقد الفرید، ج۴، ص۳۵۴؛ ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج۲، ص۸۔۹)۔

ہے۔ شریک نے دوبارہ حضرت مسلم کو تاکید کی کہ وہ اس کام میں کوتاہی نہ کریں۔ ابھی گفتگو جاری تھی اور آخری فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ خبر ملی کہ ابن زیاد گھر کے دروازہ پر پہنچ گیا ہے۔ حضرت مسلم بالکن میں چھپ گئے، ابن زیاد شریک کے پاس آیا اور اس کی احوال پرسی کی۔ ان کی گفتگو طولانی ہو گئی اور شریک نے دیکھا کہ حضرت مسلم نے اپنے کام میں دیر کر دی ہے تو حضرت مسلم کو سنانے کے لیے یہ شعر پڑھنے لگا:

مَا تَنْظُرُوْنَ بِسَلْمٰی عِنْدَ فُرْصَتِهَا ‌‌ ‌ فَقَدْ وَهٰی وُدُّهَا وَ اسْتَوْسَقَ الصَّرْم

جبکہ فرصت ہاتھ میں آگئی ہے تو کیوں سلمی کے انتظار میں ہو؟ اس کی دوستی کم رنگ ہو گئی ہے اور اس کا ہم سے جدا ہونا حتمی ہو گیا ہے۔[1]

شریک بار بار اس شعر کو پڑھ رہا تھا۔ ابن زیاد نے ہانی سے پوچھا: کیا شریک ہذیان کہہ رہا ہے؟ ہانی نے کہا: ہاں، وہ صبح سے اب تک یہی شعر پڑھ رہا ہے۔ ابن زیاد اٹھ کر باہر چلا گیا۔ پھر حضرت مسلم بالکن سے باہر آئے۔ شریک نے کہا: کوئی چیز تیرے کام میں مانع نہیں تھی، سوائے خوف اور سستی کے۔

مسلم نے کہا: دو چیزیں اس کام سے مانع تھیں: پہلے یہ کہ ہانی اس بات پر آمادہ نہیں تھا کہ ابن زیاد اس کے گھر قتل ہو اور دوسرے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کا فرمان:

اِنَّ الْاِیْمَانَ قَیَّدَ الْفَتْكَ، فَلَا یَفْتُكُ مُؤْمِن[2]

ایمان کسی کو غافل کر کے قتل کرنے سے منع کرتا ہے، مومن کسی کو غافل کر کے اور اچانک قتل نہیں کرتا۔

شریک نے کہا: اللہ کی قسم؛ اگر آپ اسے قتل کر دیتے تو آپ کا کام محکم اور آپ کی حکومت قائم ہو جاتی۔[3]

---

[1]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۶۴؛ ابن اعثم کتاب الفتوح، ج۵، ص ۴۲۔

[2]۔ اس حدیث کو احمد بن حنبل نے المسند (ج۱، ص ۳۵۲، ۳۵۱) میں اور تھوڑے فرق کے ساتھ علامہ مجلسی نے مراۃ العقول (ج ۲۴، ص ۲۱۳، ح۱۶) میں نقل کیا ہے۔

[3]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۴۵۔۳۴۷۔

بہرحال، اس واقعہ کے تین دن بعد شریک دنیا سے چلا گیا اور ابن زیاد نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ بعد میں جب ابن زیاد کو پتہ چلا کہ شریک نے حضرت مسلم کو اس کے قتل پر اکسایا تھا تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! اس کے بعد کسی عراقی کا جنازہ نہیں پڑھاؤں گا۔ پھر کہا: اگر (میرے باپ) زیاد کی قبر عراق میں نہ ہوتی تو شریک کی قبر کو نبش کر دیتا[1]۔

تحقیق

حضرت مسلم کے ابن زیادہ کو قتل نہ کرنے کی مزید تحقیق ضروری ہے۔ اس بارے میں مرحوم کمرہ ای لکھتے ہیں:

> **عرب کا اخلاق باعث بنا کہ ہانی نے حضرت مسلم کو پناہ دی اور حکومت کے ساتھ مقابلہ اور استقامت پر اکسایا۔ پس کیسے ممکن تھا کہ یہی عربی اخلاق، ہانی کو مہمان کشی کی اجازت دے؟! جو شخص صرف مہمان کے گھر آنے سے اس کی دیکھ بھال کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے، کیا وہ حاضر ہو گا کہ اسے مہمان کا قاتل کہا جائے؟! بلکہ فطری طور پر یہی عربی اخلاق، حضرت مسلمؑ کو ایسے میزبان کے احترام اور مقام و منزلت کی حفاظت پر مجبور کرتا ہے۔ کیا شریعتِ مقدسہ میں میزبان کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنے کے ناجائز ہونے کے بارے بحث نہیں ہے؟![2]**

ہم مزید کہتے ہیں: اخلاقی مسائل کا لحاظ کرنا، اہل بیتؑ اور ان کے پیروکاروں کی برجستہ خصوصیات میں سے تھا۔ اس مطلب کی تائید کے لیے ہم امیر المومنینؑ کا واقعہ نقل کرتے ہیں۔ جب آپ کو جنگِ صفین کے دوران فساد کی جڑ اور اس فتنہ کے اصلی سبب عمرو بن عاص کا سامنا ہوا اور اسے نیزہ مار کر زمین پر گرا بھی دیا؛ لیکن جب عمرو بن عاص ملعون نے اپنے آپ کو موت کے منہ میں دیکھا تو اپنے پاؤں بلند کیے اور

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۶۴، ۳۶۳؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۳۸؛

[2]۔ میرزا خلیل کمرہ ای، مسلم بن عقیل و اسرار پایتخت طوفانی ص ۵۴۳۔

اپنی شرمگاہ کو ننگا کر دیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے حیااور بزرگی کی وجہ سے اس سے منہ موڑ لیااور اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔[1]

بسر بن ارطاۃ (وہ جنایت کار جس نے جنگ صفین کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے علاقوں میں شب خون مارے اور بہت سارے شیعوں کو قتل کیا) جب حضرت علی علیہ السلام کے آمنے سامنے ہوا، تو اُس نے بھی یہی حربہ استعمال کیااور امام علی علیہ السلام نے اسے قتل نہ کیا۔[2]

حالانکہ ان دونوں کے قتل سے بہت سارے فتنوں کو روکا جا سکتا تھا؛ لیکن جو چیز اس سے مانع بنی وہ امام علی علیہ السلام کا پاکیزہ اخلاق اور آپ کی عظمت تھی۔ حضرت مسلم بھی آپ علیہ السلام ہی کے مکتب کے تربیت یافتہ تھے، لہٰذا اپنی اخلاقی فضیلت کو نہیں بھول سکتے تھے۔ اگرچہ جانتے تھے کہ ابن زیاد کے قتل سے سارے فتنے ختم ہو جائیں گے؛ لیکن ان کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ ہدف وسیلہ کی توجیہ کر دیتا ہے، (بلکہ مقدس ہدف کے لیے وسیلہ بھی پاک ہونا چاہیے)۔

اس کے علاوہ اگر فرض کر لیں کہ ہانی اور اس کی بیوی اپنے گھر میں قتل پر راضی ہوتے، جب بھی حضرت مسلمپیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کو کیسے نظر انداز کرتے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے؛ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا فرمان ہے:

اَلاِیْمَانُ قَیدُ الفَتْكِ، مَنْ آمَنَ رَجُلًا عَلٰی دَمِہٖ فَقَتَلَہ، فَاَنَا بَرِیٌٔ مِنَ الْقَاتِلِ وَاِنْ كَانَ الْمَقْتُوْلُ كَافِراً[3]

ایمان ناگہانی قتل سے مانع ہے۔ میں اس شخص سے بری الذمہ ہوں جو کسی کو امان دے اور پھر اسے قتل کر دے، اگرچہ مقتول کافر ہی کیوں نہ ہو۔

---

[1] ۔ نصر بن مزاحم منقری، وقعۃ صفین، ص۴۰۷؛ ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص۱۲۷؛

[2] ۔ نصر بن مزاحم منقری، وقعۃ صفین، ص۴۶۱؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۸، ص۹۶،۹۵۔

[3] ۔ ابن سلامہ، مسند الشہاب، ج۱، ص۱۳۰۔

جب کسی کے گھر میں مہمان داخل ہوتا ہے تو ایک طرح سے امن وامان میں ہوتا ہے۔ کم از کم عرف میں اسے امان حاصل ہوتی ہے، لہذا اسے قتل کرنا خیانت شمار ہوگا، اگرچہ وہ شخص کافر ہی کیوں نہ ہو۔ مرحوم کمرہ ای اس کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

شاید یہ کہا جائے کہ ابن زیاد ایک عام کافر، بے ضرر یہودی یا عیسائی کی طرح نہیں تھا جو گلی کوچے میں سر نیچے ڈال کر اپنے کام کی فکر میں ہو، تاکہ اس کے خون کی حرمت کا قانون لاگو کیا جائے، اعلانِ جنگ کے بغیر اسے قتل نہ کیا جائے اور اس کی ہدایت کی امید رکھی جائے۔ ابن زیاد تو ایک ایسا کافر تھا کہ اگرچہ اس کے آنے والے کام ابھی واضح نہیں تھے، لیکن اتنے واضح ضرور تھے کہ اس کے قتل کا سبب بنیں اور ابن زیاد میں کوئی ایسی صفت بھی موجود نہیں تھی، جو اسے اور اس کے خون کو اہمیت دے!

اس کا جواب یہ ہوگا کہ ایسا اقدام، استبدادی کام شمار ہوتا ہے جسے عوام کی مصلحت کے لیے روکنا چاہیے اور الٰہی قانون اس کی اجازت نہیں دیتا؛ کیونکہ قدرتمند ہمیشہ مسلمان نہیں ہوتا۔ متکبرین اس بہانے لوگوں کے خون بہانے کا موقع پا لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ خون کی حفاظت اور قتل کی حرمت کا قانون بھی دیگر قوانین کی طرح کسی کی اہمیت ہونے یا نہ ہونے کو مد نظر نہیں رکھتا۔۔۔ ابن زیاد جیسے کافر کی بے قدری اور بے وقعتی اس کی جان کی حفاظت کے قانون کی اہمیت کو ختم نہیں کرتی، بلکہ قانونِ عدالت میں تو ایک مچھر کا خون بھی محفوظ ہے۔ اگرچہ اس کی اپنی اہمیت نہیں ہے، لیکن عدل کو اہمیت حاصل ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ نیک اور فاجر دونوں اس سے محفوظ ہیں[1]۔

شریعتِ اسلام کی نگاہ میں قتل کرنا مذموم اور ناپسندیدہ عمل ہے۔ شیعہ و سنی احادیث کی کتب سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے اور قتل کی ممانعت کے بارے میں متعدد روایات نقل ہوئی ہیں، ان میں سے اہم ترین وہی روایت ہے جو حضرت مسلم نے بیان فرمائی ہے اور اسی بنا پر قتل کا اقدام نہیں کیا۔

---

[1]۔ میرزا خلیل کمرہ ای، مسلم بن عقیل واسرار پایتخت طوفانی، ص۸۳۹، ۸۳۸۔

حضرت مسلم کی مخفی گاہ کی تلاش کے لیے جاسوسی

ابن زیاد نے جناب مسلم کی کارکردگی کو بے اثر کرنے اور ان کو شکست دینے کے لیے دو طریقے استعمال کیے: ایک یہ کہ شہر کے سرکردہ اور بااثر شخصیات کو خوف زدہ کیا اور ان پر سختی کی جس کی تفصلات گزر چکی ہیں اور دوسرے جناب مسلم اور ان کے حامیوں کی تلاش اور جستجو شروع کردی۔

حضرت مسلم کی مخفی گاہ، ان کے پروگرام کی تفصیل اور ان کی تحریک میں مؤثر عوامل کی شناخت کے لیے ابن زیاد نے ایک مؤثر طریقہ یعنی جاسوس چھوڑنے کا راستہ اختیار کیا، تاکہ وہ جناب مسلم کی تحریک کی خبریں حکومت تک پہنچائے۔ یہ جاسوس شام کا رہنے والا "مَعقِل" نامی ایک شخص تھا۔ ابن زیاد نے اسے اپنے پاس بلایا، اسے تین ہزار درہم کی ایک تھیلی دی اور کہا: یہ تین ہزار درہم لو اور مسلم بن عقیل کی تلاش میں جاؤ۔ اس کے دوستوں کو ڈھونڈو اور یہ تین ہزار درہم انہیں دو اور ان سے کہو کہ یہ رقم (حسین علیہ السلام کے) دشمنوں کے ساتھ جنگ کے لیے لایا ہوں۔ اپنے آپ کو یوں ظاہر کرو کہ تم انہیں میں سے ہو، کیونکہ جب تم ان کو یہ رقم دوگے تو وہ تجھ پر اعتماد کریں گے اور مطمئن ہو جائیں گے۔ پھر صبح و شام ان کے پاس جاؤ، تاکہ مسلم بن عقیل کی جگہ تلاش کرکے اس کے پاس پہنچو۔

مَعقِل نے یہ رقم لی اور مسجد کوفہ میں جا کر ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ سوچ رہا تھا کہ یہ کام کیسے انجام دے؟ اس کی نظر ایک شخص پر پڑی جو مسجد کے ایک کونے میں نماز میں مشغول تھا۔ اس نے اپنے آپ سے کہا: شیعہ زیادہ نماز پڑھتے ہیں، میرا گمان ہے کہ یہ شخص بھی شیعہ ہے؛ لہذا اس کے قریب گیا، جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اسے کہا: اے بندہ خدا! میں شام کا رہنے والا ہوں، اللہ تعالی نے مجھے اہل بیت اور ان کے دوستوں کی محبت کی نعمت سے نوازا ہے؛ پھر جھوٹا گریہ کرتے ہوئے کہا: میرے پاس تین ہزار درہم ہیں؛ میں کسی شیعہ کو ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے خبر ملی ہے کہ وہ مرد اس شہر میں آیا ہوا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے فرزند کے لیے بیعت لے رہا ہے۔ مجھے کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں ملا۔ کیا آپ میری رہنمائی کرسکتے ہیں، تاکہ میں یہ رقم اس کے حوالے کروں اور وہ جیسے مناسب سمجھے شیعوں کے امور پر خرچ کرے؟ اس شخص نے کہا: مسجد میں میرے علاوہ اور لوگ بھی موجود تھے، تم میرے پاس کیوں آئے ہو؟ معقل نے

کہا: کیونکہ میں نے تیری پیشانی میں خیر ونیکی دیکھی ہے، مجھے امید ہے کہ تو اہل بیتِ پیغمبر علیہم السلام کے دوستوں میں سے ہے۔ اس مرد نے کہا: تم نے ٹھیک اندازہ لگایا ہے۔ میں تیرے بھائیوں میں سے ہوں۔ میرا نام مسلم بن عوسجہ ہے اور آپ کی ملاقات سے خوش ہوں؛ لیکن اس بات سے خوش نہیں ہوں کہ تم نے مجھے پہچان لیا ہے؛ کیونکہ میں شیعہ ہوں اور ابن زیاد ستمگر سے خوف زدہ ہوں۔ پس میرے ساتھ وعدہ کرو کہ اس راز کو لوگوں سے چھپا کر رکھو گے۔ معقل نے راز مخفی رکھنے کا جھوٹا وعدہ کیا۔ پھر مسلم بن عوسجہ نے اسے کہا: آج چلے جاؤ کل میرے پاس آنا۔ ہم اکٹھے مسلم بن عقیل کے پاس جائیں گے اور میں تمہیں ان کے پاس پہنچادوں گا۔

معقل چلا گیا اور دوسرے دن مسلم بن عوسجہ کے گھر گیا۔ دونوں اکٹھے حضرت مسلم کے پاس گئے۔ مسلم بن عوسجہ نے تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ حضرت مسلم کو سنایا۔ شامی نے حضرت مسلم کو پیسے دیے اور ان کی بیعت کی۔[1] حضرت مسلم کے حکم سے وہ پیسے ابو ثمامہ صیداوی کے حوالے کیے گئے۔ ابو ثمامہ نقدی معاونت دریافت کرنے اور اسلحہ اور جنگی آلات کی تیاری پر مامور تھے۔ اس کے بعد معقل، حضرت مسلم کے پاس آنے جانے لگا؛ یہاں تک کہ سب سے پہلے آتا اور سب سے آخر میں جاتا تھا اور رات کو مخفی طور پر ابن زیاد کے پاس جاکر[2] دن کے تمام واقعات اور گفت وشنید اس کو بتاتا تھا۔ اس طرح ابن زیاد کوفہ کے حالات پر تسلط حاصل کرنے کے علاوہ حضرت مسلم کی مخفی گاہ، نقل وحرکت، اہم فیصلہ جات اور شیعوں کے پروگراموں سے مطلع ہوتا رہتا اور تمام امور پر نظر رکھتا تھا۔

---

[1]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۴۷-۳۴۸۔

[2]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲ ص۴۶، ۴۵؛ اور تھوڑے فرق کے ساتھ: ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۴۷ و ۳۴۸؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۰-۳۶۴؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۴۴، ۴۱؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص۹۸، ۹۷؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۰۲، ۲۰۱۔

جناب ہانی کا ابن زیاد کے قصر میں لایا جانا اور اسیری

جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ حضرت مسلم کی مخفی گاہ جناب ہانی کا گھر ہے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ جب تک حضرت مسلم، ہانی گھر میں ہیں، اُسوقت تک انہیں اپنی موجودہ فوج کے ذریعے پکڑنا آسان نہیں ہے؛ لہذا اس نے فیصلہ کیا کہ کسی سازش کے تحت حضرت ہانی کو دارالامارہ بلایا جائے۔ اس نے اپنے درباریوں سے کہا: کیا ہوا ہانی نظر نہیں آرہے؟ انہوں نے کہا: وہ بیمار ہیں۔ اس نے کہا: اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں اس کی عیادت کے لیے جاتا؛ لیکن میں نے سنا ہے کہ اب وہ تندرست ہو چکا ہے اور دن کو اپنے گھر کے دروازہ پر بیٹھتا ہے۔ پھر محمد بن اشعث، اسماء بن خارجہ اور عمرو بن حجاج کو اپنے پاس بلا کر کہا: ہانی کو میرے پاس لے آؤ، میں نہیں چاہتا کہ ہانی جیسے عرب سرداروں کا حق مجھ سے ضائع ہو جائے۔

وہ لوگ حضرت ہانی کے پاس گئے اور ان کو گھر کے دروازہ پر پایا۔ ان سے کہا: امیر نے آپ کو اپنے پاس بلایا ہے۔ ہانی نے کہا: میں مریض ہوں۔ انہوں نے کہا: امیر نے سنا ہے آپ تندرست ہو گئے ہیں اور ہر روز، صبح و شام گھر کے دروازہ پر بیٹھتے ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ آپ جان بوجھ کر اس کے پاس نہیں جاتے۔ بے پروائی کو حاکم برداشت نہیں کر سکتا۔ پس اب آپ کو قسم دیتے ہیں اٹھیں اور حاکم کے پاس چلیں۔

حضرت ہانی مجبوراً کھڑے ہوئے، لباس پہنا اور اپنی سواری پر سوار ہو کر قصر کی طرف چل پڑے۔ جب قصر کے قریب پہنچے تو ہانی پریشان ہو گئے اور محسوس کیا کہ حالات خطرناک ہیں۔ حسان بن اسماء بن خارجہ کو کہا: اے میرے برادر زادے! اللہ کی قسم؛ میں اس مرد سے خوفزدہ اور بدگمان ہوں۔ تیرا کیا خیال ہے؟ حسان نے کہا اے چچا جان! مجھے آپ کے بارے میں کوئی خوف نہیں ہے، دل میں بدگمانی نہ لاؤ۔ حسان نہیں جانتا تھا کہ ابن زیاد نے ہانی کو کیوں بلایا ہے؛[1] لیکن محمد بن اشعث جانتا تھا۔[2]

بہر حال حضرت ہانی، ابن زیاد کی سازش سے آگاہی کے بغیر دار الامارہ پہنچ گئے۔ جب ابن زیاد کی محفل میں پہنچے تو اس نے اشارے سے کہا: اپنے پاؤں سے چل کر موت کی طرف آئے ہو۔ پھر قریب بیٹھے قاضی

---

[1]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۴۷، ۴۶؛ تھوڑے فرق کے ساتھ: ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۵۰، ۳۴۹؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۴۶، ۴۵۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۶۵۔

شریح[1] کی طرف منہ کر کے (اپنے آپ سے) کہا: میں اس کو عطا کرنا چاہتا ہوں اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔(اے ابن زیاد) تیرے دوست کے بارے میں کون تیرے عذر کو چاہتا ہے؟[2] (یہ اس بات سے کنایہ تھا کہ اس کے پاس کوئی عذر اور بہانہ نہیں ہے۔)

حضرت ہانی نے کہا: اس بات سے تیری کیا مراد ہے؟ کیا ہوا؟ ابن زیاد نے کہا: ہانی !ان چیزوں سے دور ہو جاؤ؛ اپنے گھر میں یزید اور مسلمانوں کے خلاف کون سے کام انجام دے رہے ہو؟ مسلم بن عقیل کو اپنے گھر لے گئے ہو اور اپنے ارد گرد کے گھروں میں اسلحہ اور لشکر جمع کر رہے ہو اور تم سمجھتے ہو کہ یہ کام مجھ سے پوشیدہ ہے؟ ہانی نے کہا: میں نے ایسا کام نہیں کیا اور مسلم بن عقیل میرے پاس نہیں ہے۔ ابن زیاد نے کہا: کیوں نہیں، ایسا ہی ہے۔

جب ان کے درمیان گفتگو طولانی ہوئی تو ابن زیاد نے معقل کو بلایا۔ معقل آیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ابن زیاد نے ہانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے معقل سے پوچھا: کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ جناب ہانی اسے دیکھ کر چکرا گئے اور سمجھ گئے کہ یہ ابن زیاد کا جاسوس تھا۔ جب تھوڑی دیر بعد ہوش میں آئے تو ابن زیاد کو مخاطب کر کے کہا: میری بات غور سے سن اور یقین کر لے کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں نے مسلم کو اپنے گھر میں دعوت نہیں دی اور اس کے کام کے بارے میں مجھے کوئی اطلاع نہیں تھی۔ وہ میرے گھر آیا اور مجھ سے درخواست کی کہ اس کو مہمانی کے لیے قبول کروں اور مجھے اس کے قبول نہ کرنے سے شرم آتی تھی۔ اس لحاظ سے اس کی عزت کی اور اس کو پناہ دی۔ اب اگر تو چاہتا ہے تو تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ تیرے بارے غلط فکر نہیں کروں گا، واپس گھر جا کر مسلم سے کہوں گا کہ کسی اور جگہ چلا جائے[3]۔

---

[1]۔ شریح بن حارث بن قیس بن جہم کندہ قبیلہ سے تھا(ابن سعد، الطبقات الکبری، ج۶، ص۱۳۲) آیا وہ پیامبر کا صحابی تھا یا تابعین میں سے تھا اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔

[2]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۷، ۴۶؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۵۰، ۳۴۹۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۱۔

ابن زیاد نے کہا: اللہ کی قسم؛ تم جب تک اسے میرے حوالے نہیں کرو گے، میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا۔ ہانی نے کہا: میں کبھی یہ کام نہیں کروں گا۔ اپنا مہمان لے آؤں، تا کہ تو اسے قتل کرے؟ گفتگو طولانی ہو گئی؛ مسلم بن عمرو باہلی اٹھا اور جناب ہانی کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے ابن زیاد سے اجازت مانگی۔ وہ ہانی کو ایک طرف لے گیا جبکہ ابن زیاد دونوں کو دیکھ رہا تھا اور ان کی آواز بھی سن رہا تھا۔ اس نے کہا: تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، اپنے آپ کو موت کے منہ میں نہ ڈالو اور اپنے قبیلے کو مصیبت میں مبتلا نہ کرو۔ وہ دونوں چچازاد ہیں۔ یہ اسے نقصان نہیں پہنچائے گا اور اسے قتل نہیں کرے گا۔ مسلم اس کے حوالہ کر دو، تم پر کوئی ملامت نہیں ہو گی، کیونکہ تم اسے حاکم کے حوالے کرو گے۔ ہانی نے کہا: اللہ کی قسم؛ میرے لیے یہ ننگ و عار کا باعث ہے کہ اپنے مہمان کو دشمن کے حوالے کر دوں، حالانکہ زندہ ہوں، تندرست ہوں، دیکھ سکتا ہوں، سن سکتا ہوں، میرے بازوؤں میں طاقت ہے اور میرے یار و مددگار زیادہ ہیں۔ اللہ کی قسم؛ اگر تنہا ہوتا اور کوئی میرا یار و مددگار نہ ہوتا پھر بھی اس کو تمہارے حوالے نہ کرتا، یہاں تک کہ اس کی راہ میں مر جاتا۔

ابن زیاد نے گفتگو سن کر ان کو اپنے پاس بلایا اور کہا: اس کو میرے پاس لے آؤ، ورنہ تمہاری گردن اڑا دوں گا۔ ہانی نے کہا: اس صورت میں کاٹنے والی تلواریں تیرے قصر کے ارد گرد جمع ہو جائیں گی۔ ابن زیاد نے کہا: مجھے تیز تلواروں سے ڈراتے ہو؟ پھر حکم دیا کہ ہانی کو میرے قریب لاؤ۔ چھڑی سے ہانی کو اتنا مارا کہ ان کی ناک ٹوٹ گئی؛ ان کا لباس خون آلود ہو گیا؛ ان کی پیشانی اور چہرہ کا گوشت پھیل گیا اور چھڑی ٹوٹ گئی۔ ہانی نے ایک سپاہی کی تلوار کھینچنا چاہی تا کہ اپنا دفاع کریں لیکن اس نے تلوار پر قابو پا لیا اور ہانی کو نہ دی۔ ابن زیاد نے کہا: تم اتنی مدت کے بعد باغی بن گئے ہو؟ تیرا خون ہمارے لیے مباح اور تیرا قتل ہمارے لیے حلال ہو گیا ہے۔ حکم دیا کہ اس کو قصر کے ایک کمرہ میں قید کر دو۔[1]

---

[1] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۷، ۳۶۵؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۷-۵۰؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۴۶-۴۸؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۰۰؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۱۵-۱۱۸؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۰۵، ۲۰۴؛

جب نوبت یہاں تک پہنچی تو اسماء بن خارجہ (اور ایک روایت کے مطابق حسان بن اسماء) اٹھا اور کہا: ہم خیانت کے بھیجے ہوئے تھے! تم نے ہمیں کہا کہ اس مرد کو میرے پاس لے آؤ، جب لے کر آئے تو تم نے اس کا چہرہ زخمی کر دیا اور اس کی داڑھی خون آلود کر دی اور تم نے اسے قتل کی دھمکی دی؟! ابن زیاد نے کہا: تو ابھی تک یہاں موجود ہے؟! پھر ابن زیاد کے حکم سے اسے پکڑ کر مارا اور پھر زندان میں ڈال دیا گیا؛ لیکن محمد بن اشعث نے کہا: امیر کی رائے ہمارے نفع میں ہو یا نقصان میں، ہم خوش ہیں کیونکہ امیر ادب سکھاتا ہے۔[1] اس طرح حضرت ہانی، ابن زیاد ملعون کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔[2]

حضرت ہانی کی اسیری کے بعد قبیلہ مذحج کی تحریک

ابن زیاد کے حکم سے حضرت ہانی کو قید کر لیا گیا۔ گرفتاری کے بعد ان کے قبیلہ میں یہ خبر پھیل گئی کہ حضرت ہانی کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس خبر نے آپ کے قبیلہ والوں کو غضبناک کر دیا۔ انہوں نے عمرو بن حجاج کی سربراہی میں قصر کا محاصرہ کیا۔ عمرو بن حجاج نے آواز دی: میں عمرو بن حجاج ہوں اور یہ سب قبیلہ مذحج کے بزرگ اور شاہسوار ہیں۔ ہم نہ اطاعت سے خارج ہوئے ہیں اور نہ جماعت سے جدا ہوئے ہیں۔ قبیلہ مذحج کو خبر ملی ہے کہ ان کے ساتھی کو قتل کیا جا رہا ہے اور یہ خبر ان پر گراں گزری ہے۔

ابن زیاد کو خبر ملی کہ قوم مذحج دارالامارہ کے دروازے پر جمع ہو گئے ہیں۔ قصر کے ارد گرد اس محاصرے کی وجہ سے ابن زیاد خوف زدہ ہوا اور اس مشکل سے نکلنے کے لیے غور کرنے لگا۔ اس نے محاصرہ کرنے والوں کو فریب دینے اور محاصرہ توڑنے کے لیے قاضی شریح جو کہ خود فروش اور ڈرپوک لیکن عوام کے لیے قابل اعتماد شخص تھا، سے کہا کہ ہانی کے پاس جائے، اس سے ملاقات کرے پھر اس کے قبیلہ کے پاس جا کر ان سے کہے کہ میں نے ہانی سے ملاقات کی ہے وہ زندہ ہے۔

---

[1] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۵۰؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۴۸؛ اور تھوڑے فرق کے ساتھ: ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۴۰؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۰۵؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۳۴۔

[2] شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۷۔

قاضی شریح کا بیٹا عبد الرحمن کہتا ہے: میں نے سنا میرا باپ اسماعیل بن طلحہ کو کہہ رہا تھا: میں ہانی کے پاس گیا۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا: اے مسلمانو! کیا میرا خاندان مر گیا ہے؟ دیندار کہاں ہیں؟ اہل شہر کہاں چلے گئے ہیں؟ کیا وہ نابود ہو گئے ہیں؟ مجھے دشمنوں اور دشمنوں کی اولاد کے حوالہ کر دیا ہے؟ اس وقت حالت یہ تھی کہ ان کے چہرے سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے قصر کے باہر سے شور سنا، میں باہر آیا، وہ بھی میرے پیچھے آیا اور کہا: لگتا ہے کہ یہ مذحج اور میرے مدد گار مسلمانوں کی آواز ہے۔ اگر ان میں سے دس لوگ بھی میرے پاس آجائیں تو مجھے رہا کروالیں گے۔ شریح کہتا ہے: میں ان کے پاس گیا، حمید بن بکر احمری بھی میرے ساتھ تھا۔ ابن زیاد نے اسے میرے ساتھ بھیجا تھا۔ وہ ابن زیاد کے سرہانے کھڑے ہونے والا محافظ تھا۔ اللہ کی قسم؛ اگر وہ نہ ہوتا تو میں ہانی کی باتیں اس کے دوستوں کو بتا دیتا۔ میں ہانی کے قبیلے کے پاس آیا اور ان سے کہا: امیر کو تمہارے یہاں آنے اور تمہاری باتوں کی اطلاع مل چکی ہے۔ مجھے اس نے ہانی کے پاس بھیجا تاکہ اس سے ملاقات کروں۔ میں نے ہانی سے ملاقات کی، اس نے مجھے حکم دیا کہ آپ کو بتاؤں کہ وہ زندہ ہے۔ اس کے قتل کی افواہیں جھوٹی ہیں۔ عمرو بن حجاج اور اس کے ساتھیوں نے کہا: اگر قتل نہیں ہوئے تو ہم شکر گزار ہیں۔ پھر وہ واپس چلے گئے۔[1]

ابن زیاد نے قاضی شریح کے تعاون سے مکر و فریب کے ذریعہ اس مشکل سے نجات پائی۔ بد قسمتی سے ابن زیاد کا ہر مکر و فریب کوفیوں کی ناسمجھی کی وجہ سے ابن زیاد کے فائدے میں گیا۔ اگر کوفی تمام معاملات میں تھوڑا سا بصیرت اور دانائی سے کام لیتے تو یقیناً ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں پر غلبہ پا لیتے؛ لیکن اپنی عدم بصیرت، نادانی اور جلدی یقین کر لینے کی وجہ سے ہمیشہ مغلوب رہے۔ اسی سادگی کی وجہ سے انہوں نے امیر المؤمنین علیہ السلام اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے دور حکومت میں بھی بنی امیہ کے مکاروں سے دھوکہ کھایا اور ناقابل تلافی نقصان اٹھایا۔

[1] شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۵۱، ۵۰؛ طبری، **تاریخ الامم والملوک**، ج۵، ص۳۶۸، ۳۶۷؛ ابن اعثم، **کتاب الفتوح**، ج۵، ص۴۹، ۴۸؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۳۴۔

بہر حال، اس بحران کے بعد چونکہ ابن زیاد کو لوگوں کی بغاوت کا خطرہ تھا، لہٰذا وہ کوفہ کی بڑی شخصیات اور اپنے اطرافیوں کے ہمراہ مسجد کوفہ گیا اور وہاں لوگوں سے کہا: اے لوگو! خدا اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو، تفرقہ اور اختلاف سے پرہیز کرو، ورنہ تم ہلاک اور تتر بتر ہو جاؤ گے، ذلیل و خوار اور بے گھر ہو جاؤ گے۔

پھر یہ ضرب المثل کہی: تیرا بھائی وہ ہے جو صدق و سچائی سے تیرے ساتھ گفتگو کرے اور جو کوئی ڈرائے، اس نے اپنا عذر پیش کر دیا (یعنی اپنی ذمہ داری انجام دے دی)۔ جب وہ منبر سے اترنے لگا تو محافظ دوڑتے ہوئے کھجور فروشوں کے دروازہ کی طرف سے مسجد میں داخل ہوئے اور کہا: ابھی مسلم بن عقیل اپنے ساتھیوں کے ہمراہ یہاں پہنچنے والے ہیں۔ ابن زیاد، فوراً قصر چلا گیا اور دروازے بند کر لیے[1]۔

حضرت مسلم علیہ السلام کا قیام

حضرت مسلم علیہ السلام کو جب ہانی کی گرفتاری کی خبر ملی تو وہ سمجھ گئے کہ اگر ابن زیاد کے خلاف فوراً اقدام نہ کیا گیا تو شاید کام زیادہ مشکل ہو جائے۔ اگرچہ وہ سب لوگ موجود نہیں تھے جنہوں نے آمادگی کا اظہار کیا تھا؛ لیکن حضرت مسلم، ابن زیاد کو فرصت نہیں دینا چاہتے تھے؛ اسی لیے دسترس میں موجود اصحاب کے ہمراہ قصر پر حملہ کی تیاری کر لی۔

عبداللہ بن خازم[2] کہتا ہے: اللہ کی قسم؛ مسلم بن عقیل نے مجھے قصر میں بھیجا تھا تاکہ ہانی بن عروہ کے حالات سے انہیں آگاہ کروں۔ جب ابن زیاد نے ہانی کو مارا اور قید کیا تو میں گھوڑے پر سوار ہوا اور مسلم کے پاس گیا اور سب سے پہلے میں نے مسلم کو یہ خبر دی۔ میں نے اچانک دیکھا کہ قبیلہ مراد کی خواتین جمع ہو کر فریاد کر رہی ہیں: افسوس ہے ہمارے خاندان پر، افسوس ہے داغِ مصیبت پر۔ مسلم نے مجھے حکم دیا کہ ساتھیوں کو خبردار کروں، کیونکہ ارد گرد کے تمام گھران کے حامیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اس وقت

---

[1] ۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۵۱؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص ۱۰۰؛ اور تھوڑے فرق کے ساتھ: ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۴۹؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۱، ص ۲۰۵-۲۰۶؛ اور اسی مضمون کے ساتھ مروج الذہب، ج ۳، ص ۶۷؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۰۱، ۱۰۰۔

[2] ۔ ابو الفرج اصفہانی اور شیخ مفید نے اس کے باپ کا نام حازم لکھا ہے (مقاتل الطالبین، ص ۱۰۰؛ الارشاد، ج ۲، ص ۵۱)۔

تک تقریباً اٹھارہ ہزار لوگ بیعت کر چکے تھے، لیکن ارد گرد کے گھروں میں چار ہزار لوگ موجود تھے۔ مسلم نے کہا: "**یا منصور امت**" کی صدا بلند کرو اور میں نے ایسا کیا تو کوفی، مسلم کے پاس اکھٹے ہو گئے[1]۔

جب ہانی کے گھر کے قریب چار ہزار لوگ جمع ہوئے اور "**یا منصور امت**" کا نعرہ بلند کیا تو حضرت مسلم نے عبید اللہ بن عمرو بن عزیز کندی کو ایک پرچم دیا اور اسے کندہ اور ربیعہ کے لشکر کا سپہ سالار بنایا اور کہا: تم میرے آگے آگے گھڑ سواروں کے ساتھ چلو۔ دوسرا پرچم مسلم بن عوسجہ کو دیا اور ان کو قبیلہ مذحج اور بنی اسد کا سردار بنایا اور کہا: آپ پیادہ جنگجوؤں کے ساتھ چلیں گے۔ تیسرا پرچم ابو ثمامہ صیداوی کو دیا اور اسے قبیلہ تمیم اور ہمدان کا سردار قرار دیا۔ عباس بن جعدہ جدلی کو مدینہ کے لوگوں کا سپہ سالار بنایا اور ابن زیاد کے قصر کی طرف چل پڑے۔[2]

یوں حضرت مسلم نے قیام کا آغاز کیا اور امید کی جا رہی تھی کہ حضرت مسلم، ابن زیاد پر فتح پا لیں گے۔ ابن زیاد دارالامارہ میں پناہ گزین ہو گیا اور دروازے بند کر لیے۔[3] اس کے پاس تیس محافظ اور شہر کے سرداروں، خاندان اور قریبی لوگوں پر مشتمل بیس لوگ بھی موجود تھے۔[4]

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ مسجد اور بازار، لوگوں سے بھر گئے اور لوگ مسلسل شامل ہو رہے تھے، ہر لحہ ابن زیاد پر کام دشوار ہوتا جا رہا تھا۔ حضرت مسلم کے ساتھیوں نے قصر کا محاصرہ کیا ہوا تھا، پتھر مار رہے تھے، ابن زیاد اور اس کے باپ کو گالیاں دے رہے تھے۔[5] ابن زیاد کی کوشش تھی کہ دروازہ کی اچھی طرح حفاظت ہو تا کہ لوگ قصر میں داخل نہ ہو سکیں۔ بنی امیہ کے حامیوں کا ایک گروہ جو قصر میں نہیں تھا (اور مسلم کے قیام سے باخبر ہو چکا تھا) ابن زیاد کے ساتھ ملنا چاہتا تھا، رومیوں کے گھر کے قریب والے

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۸۔

[2] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۹، ۳۶۸۔

[3] ۔ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص۱۰۱؛ ابن شہر آشوب، مقاتل الطالبین، ج۴، ص۱۰۱۔

[4] بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص۳۳۸؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۵۲؛ ابن کثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۴۱؛ ابو حنیفہ دینوری نے عبید اللہ کے ساتھ موجود افراد کی تعداد ۲۰۰ لکھی ہے (الاخبار الطوال، ص۳۵۲)۔

[5] ۔ رجوع کریں: ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۴۹؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۰۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۴۱؛

دروازے کی طرف سے (قصر کی پچھلی جانب سے) قصر میں داخل ہوا۔[1] ابن زیاد کے فوجی سوار ہو کر لوگوں میں داخل ہو گئے اور ان کے درمیان شدید لڑائی ہوئی۔ ابن زیاد اور اس کے حواری اوپر سے دیکھ رہے تھے[2]۔ قصر کے اندر جو لوگ موجود تھے وہ قصر کی دیواروں پر چڑھ کر لوگوں کو پتھر مار رہے تھے اور ان کو قصر کے قریب ہونے سے روک رہے تھے، یہ کام رات گئے تک جاری رہا۔[3]

ابن زیاد نے قبیلہ مذحج کے ایک شخص کثیر بن شہاب کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ اپنے قبیلہ کے فرمانبردار لوگوں کے ساتھ باہر نکل کر شہر میں چکر لگائے، لوگوں کو حضرت مسلم کی مدد سے روکے، جنگ سے ڈرائے اور حکومت کی سختی سے آگاہ کرے۔ نیز محمد بن اشعث بن قیس کو حکم دیا کہ قبیلہ کندہ اور حضرموت میں جو لوگ اس کے مطیع ہیں ان کے ساتھ جائے اور پناہ لینے والوں کے لیے امن کا پرچم بلند کرے۔ اسی طرح قعقاع بن شَور ذُہلی[4]، شبث بن ربعی تمیمی، حجار بن ابجر اور شمر ذی الجوشن کو بھی حکم دیا اور باقی سرداروں کو اپنے پاس رکھا کیونکہ محاصرہ کرنے والوں سے خوفزدہ تھا اور قصر میں اس کے ساتھ موجود لوگوں کی تعداد بہت کم تھی۔[5]

تذکرۃ الخواص میں بیان ہوا ہے کہ جب قصر کا محاصرہ ہوا تو کوفہ کے اشراف اور سرکردہ افراد ابن زیاد کے پاس موجود تھے۔ اس نے انہیں حکم دیا کہ جاؤ، اپنی اقوام کو مسلم سے دور کرو؛ ورنہ تمہاری گردن اڑا دوں گا۔[6] لہٰذا انہوں نے دیوار کے اوپر سے اپنی اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ گفتگو کی۔[7]

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۵۲؛

[2]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۴۹، خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۰۶۔

[3]۔ ابوحنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۵۲۔

[4]۔ حضرت علی علیہ السلام نے قدامہ بن عجلان کے بعد قعقاع کو کَسکَر کا والی بنایا لیکن اپنے غلط کارناموں کی وجہ سے امام علیہ السلام کا اعتماد کھو بیٹھا۔ اس نے ایک خاتون سے شادی کی اور اس کا حق مہر ایک لاکھ درہم رکھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ امام علی علیہ السلام اس کے کارناموں سے آگاہ ہو گئے ہیں تو خوف کے مارے معاویہ کے پاس بھاگ گیا اور اس کے ساتھ ملحق ہو گیا اور اسی وقت سے حکومت بنی امیہ کا خادم تھا (ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۴، ص۸۷)۔

[5]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۵۲۔

[6]۔ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص۱۴۳؛

[7]۔ ابوحنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۵۲؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۵۰؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۰۶۔

محمد بن اشعث، کثیر بن شہاب، قعقاع ذہلی اور شبث بن ربعی لوگوں کو مسلم بن عقیل کے ساتھ ملنے سے روکتے اور حکومت کی سزا سے ڈراتے تھے، یہاں تک کہ ان کی قوم و قبیلہ اور دوسرے لوگ ان کے پاس آئے اور رومیوں والے دروازے سے قصر میں داخل ہوئے۔[۱]

ابن زیاد نے شہر کے بزرگوں کو بلایا اور کہا: لوگوں کے پاس جاؤ، جو ہماری حمایت کرے اسے نیکی اور اجر کا وعدہ دو اور نافرمانی کرنے والوں کو سزا سے ڈراؤ اور انہیں آگاہ کرو کہ شام کا لشکر بہت جلد پہنچنے والا ہے۔[۲]

جن لوگوں نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھ کر کوفہ آنے کی دعوت دی تھی، حالات بدلتے ہی میدانِ عمل اور فیصلہ کن لمحات میں دشمن کی فوج کا حصہ بن گئے، لوگوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا، لوگوں کے دلوں کو خوفزدہ کرنے اور ڈرانے دھمکانے لگے۔

عبداللہ بن خازم (حضرت مسلم کا ایک صحابی) کہتا ہے: کوفہ کے اشراف، لوگوں کو منتشر کرنے کے لیے ہمارے پاس آتے تھے۔ دن کے آخری وقت میں کثیر بن شہاب آیا اور ہمارے ساتھ یوں گفتگو کی: اے لوگو! اپنے خاندان کے پاس جاؤ اور شر کی طرف جلدی نہ کرو، اپنے آپ کو قتل کے منہ میں نہ ڈالو۔ (شام سے) یزید کے مسلح سپاہی راستے میں ہیں اور امیر ابن زیاد نے عہد کیا ہے کہ اگر اس کے ساتھ جنگ جاری رکھو گے اور آج شام تک گھروں کو واپس نہ جاؤ گے تو تمہاری نسلوں کو بیت المال سے محروم کر دے گا اور تمہارے جنگجوؤں کو بلا معاوضہ شام کی سرحدوں پر جنگ کے لیے بھیج دے گا، بے گناہوں کو خطاکار کے بدلے اور حاضر کو غائب کے بدلے پکڑے گا تاکہ کوئی خطاکار اپنی سزا حاصل کیے بغیر باقی نہ رہے۔

شہر کے دوسرے وڈیروں نے بھی کثیر بن شہاب کی طرح گفتگو کی جو عوام کے حضرت مسلم کو چھوڑ جانے کا باعث بنی۔ عورت آتی اور اپنے بیٹے یا بھائی کا ہاتھ پکڑ کر کہتی: تیری جگہ لوگ موجود ہیں، تیری

---

[۱]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۵۳۔

[۲]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۵۳۔

ضرورت نہیں ہے۔ مرد آتا اور اپنے بیٹے یا بھائی کا ہاتھ پکڑ کر کہتا: کل، شام کی فوج پہنچ جائے گی، تجھے اس جنگ و جدال سے کیا سروکار ہے؟ واپس پلٹ آ اور جنگ سے دور ہو جا۔[1] ابن زیاد اور بنی امیہ کے غلاموں نے خالی دھمکیوں اور کوفیوں کی سستی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں منتشر کیا اور میدان سے نکال دیا۔

حضرت مسلم کی تنہائی اور غربت

قبائل کے سرداروں اور کوفہ کی بااثر شخصیات کی خیانت اور ابن زیاد کے زر خریدوں کی خالی دھمکیوں نے اپنا اثر دکھایا اور کوفہ کے لوگ، جناب مسلم سے دور ہو گئے۔ دلوں میں پیدا ہونے والے رعب و دبدبے کی وجہ سے لوگوں نے اپنا عہد و پیمان بھلا دیا اور ہر شخص نے کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈ کر اپنے گھر کا راستہ لیا۔ اسی طرح لوگ جدا ہوتے رہے یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ نمازِ مغرب کے وقت حضرت مسلم کے ساتھ صرف تیس افراد باقی تھے،[2] جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد حضرت مسلم قبیلہ کندہ کے محلے کی طرف چلے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو ساتھیوں کی تعداد دس سے زیادہ نہیں تھی اور جب اس محلہ سے عبور کیا تو ایک شخص بھی آپ کے ساتھ نہیں تھا۔[3] مسلم تنہا رہ گئے تھے۔ رات کی تاریکی میں حیران و پریشان چلتے رہے اور یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کہاں جا رہے ہیں۔ بنی جَبَلَہ (جو قبیلہ کندہ کی ایک شاخ ہے) کے گھروں کے پاس پہنچے، گلیوں میں گئے، طوعہ نامی خاتون کے گھر کے قریب پہنچے جو اشعث بن قیس کی آزاد کی ہوئی کنیز تھی اور اُسَید حضرمی نے اس کے ساتھ شادی کی ہوئی تھی اور اس سے اس کا ایک بیٹا بھی تھا جس کا نام بلال تھا۔

بلال اپنے دوستوں کے ساتھ باہر گیا ہوا تھا اور اس کی ماں کوفہ کے ان حالات میں گھر کے دروازے پر اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ حضرت مسلم تھکاوٹ اور پیاس کے عالم میں آگے بڑھے، اسے سلام کیا اور اس سے تھوڑا پانی مانگا۔ طوعہ، حضرت مسلم کے لیے پانی لے آئی۔ پھر گھر چلی گئی جب واپس آئی تو دیکھا کہ

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک۔ ج۵، ص۳۷۱، ۳۷۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۵۴، ۵۳؛ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص۱۰۱۔

[2] ۔ ابن اعثم نے باقی رہ جانے والوں کی تعداد دس افراد اور مسعودی نے ایک سو افراد بیان کی ہے۔ (کتاب الفتوح، ج۵، ص۵۰؛ مروج الذھب، ج۳، ص۶۷)۔

[3] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۱؛ شیخ مفید، ج۲، ص۵۴؛ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص۱۰۲۔

حضرت مسلم اسی طرح گھر کے قریب بیٹھے ہیں۔ اس (خاتون) نے کہا: اے بندہ خدا! کیا تم نے پانی پی نہیں لیا؟ حضرت مسلم نے کہا: ہاں، پی لیا ہے۔ اس نے کہا: تو اپنے خاندان کی طرف چلے جاؤ۔ مسلم خاموش رہے۔ اس نے دوبارہ وہی بات دہرائی اور دیکھا کہ یہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتے۔ اس نے کہا: سبحان اللہ! اے اللہ کا بندہ اٹھ کھڑا ہو اور یہاں سے چلا جا، تیرا یہاں بیٹھنا مناسب نہیں ہے اور میں تیرے یہاں بیٹھنے سے راضی نہیں ہوں۔ مسلم نے کہا: اے خاتون! میرا اس شہر میں کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ کیا تم میرے ساتھ نیکی کر سکتی ہو، شاید بعد میں آپ کو اس کا بدلہ دے سکوں؟ اس نے کہا: کون سی نیکی؟ حضرت مسلم نے کہا: میں مسلم بن عقیل ہوں، ان لوگوں نے میرے ساتھ جھوٹ بولا ہے، مجھے دھوکہ دیا اور مجھے اپنے گھروں سے نکال دیا ہے۔ طوعہ نے (بے یقینی کے عالم میں) کہا: تو مسلم بن عقیل ہے؟ مسلم نے کہا: ہاں۔ خاتون نے کہا: پس اندر آ جاؤ۔ انہیں علیحدہ کمرے میں جگہ دی اور بڑے شوق کے ساتھ ان کی مہمان نوازی کی۔ آپ کے لیے چراغ اور کھانا لے آئی، لیکن مسلم نے کھانا نہ کھایا۔ اس فداکار خاتون نے پیمان شکن، سست اور ڈرپوک مردوں کو شجاعت اور وفا کا درس سکھایا اور مکتبِ امام حسین علیہ السلام کا قرض ادا کیا اور آپ کے سفیر اور نمائندے کے سامنے اپنا فریضہ ادا کیا۔

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اس کا بیٹا گھر واپس آیا اور اس نے دیکھا کہ اس کی ماں دوسرے کمرے میں زیادہ آتی جاتی ہے اور کبھی کبھی گریہ بھی کرتی ہے[1]۔ اس نے کہا: اماں جان! آج اس کمرہ میں آپ کی آمد و رفت نے مجھے شک میں ڈال دیا ہے۔ حتماً کوئی ماجرا ہے کہ میں آپ کو اس طرح دیکھ رہا ہوں۔ ماں نے کہا: بیٹا! اس بات کو چھوڑو۔ بیٹے نے کہا: اماں جان! آپ کو اللہ کی قسم، مجھے اس ماجرا سے آگاہ کرو۔ طوعہ نے کہا: اپنا کام کرو، مجھ سے اس بارے کچھ نہ پوچھو۔ لیکن بیٹے نے اصرار کیا تو اس کی ماں نے کہا: یہ ماجرا تجھے بتاتی ہوں؛ لیکن کسی کو بتانا نہیں۔ اس نے کہا: وعدہ کرتا ہوں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ اس نے قسمیں کھائیں

---

[1]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۵۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۰۸۔

اور عہد کیا کہ کسی کو نہیں بتائے گا۔ ماں نے سارا ماجرا اپنے بیٹے کو بتا دیا۔ بیٹے نے سنا اور کچھ کہے بغیر بستر پر سو گیا[1]۔

طوعہ کے بیٹے کے بارے میں نقل ہوا ہے کہ وہ ایک اوباش لڑکا تھا، حتیٰ کہ بعض نے کہا ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ شراب بھی پیتا تھا[2]۔

جس وقت حضرت مسلم نے طوعہ کے گھر میں پناہ لی ہوئی تھی اور طوعہ بے انتہا محبت کے ساتھ اس کی مہمان نوازی میں مشغول تھی، ابن زیاد اپنی کامیابی سے بے خبر اپنے قصر میں بیٹھا تھا اور شاید اس کو یقین نہیں تھا کہ کوفی اتنے ڈرپوک اور بے وفا ہیں اور اتنا جلدی حضرت مسلم کو اکیلا چھوڑ دیں گے۔

رات کا کچھ وقت گزر گیا۔ جب ابن زیاد کو ان لوگوں کی آوازیں سنائی دینا بند ہو گئیں جو حضرت مسلم کی نصرت کے لیے آئے تھے تو اس نے گمان کیا کہ وہ لوگ مسجد میں چھپ گئے ہیں۔ اس نے اپنے درباریوں سے کہا: غور سے دیکھو کہ مسجد میں کوئی ہے؟ چونکہ مسجد قصر کے قریب تھی،[3] انہوں نے اوپر سے دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ ابن زیاد نے کہا: اچھی طرح دیکھو شاید سائے کے نیچے چھپے ہوں۔ یہ قصر کے اوپر ایسی جگہ ان کی تاک میں بیٹھے جہاں سے مسجد کا پورا صحن نظر آتا تھا۔ اوپر سے آگ کے شعلے پھینکتے اور دیکھتے تھے کہ سائے کے نیچے کوئی ہے یا نہیں؟ لیکن چونکہ شعلے کبھی روشنی دیتے اور کبھی نہیں دیتے تھے، اس لیے انہوں نے بانس کی لکڑی کے ساتھ چراغ باندھے اور ان کو روشن کر کے نیچے لٹکایا، چراغ زمین تک پہنچ گئے۔ انہوں نے یہ کام رات کے شروع، درمیان اور آخر میں انجام دیا، حتیٰ کہ جس سائبان کے نیچے منبر رکھا تھا وہاں بھی یہی کام کیا اور جب کوئی نظر نہ آیا تو ابن زیاد کو اس کی خبر دی۔

ابن زیاد کو جب اطمینان ہو گیا کہ مسلم کے پاس کوئی باقی نہیں رہا تو مسجد کی طرف کھلنے والا دروازہ کھولا اور نماز عشاء کے قریب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مسجد جا کر منبر پر بیٹھا اور اس کے ساتھی ارد گرد بیٹھ

---

[1]۔ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص ۱۰۲؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۷۱-۳۷۲؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۵۴-۵۵۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۷۲۔

[3]۔ ابوحنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۵۳۔

گئے۔اس نے عمر بن نافع کو حکم دیا کہ وہ اعلان کرے: آگاہ رہو! جنگجوؤں، شہر کے بزرگوں، رؤسا اور فوج میں سے جس شخص نے آج مسجد میں نماز عشا نہ پڑھی، تو میں اس کے امن و امان کا ذمہ دار نہیں ہوں ۔زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ مسجد بھر گئی۔ حصین بن تمیم نے ابن زیاد سے کہا: آج حفاظتی مسائل اور قتل کے احتمال کی وجہ سے مسجد میں نماز نہ پڑھو، لیکن ابن زیاد نے دستور دیا: محافظوں سے کہو، میرے پیچھے کھڑے ہوں (اور ہوشیار رہیں تا کہ کوئی اچانک حملہ نہ کر دے)؛ اور سخت حفاظت میں لوگوں نے نماز عشا پڑھی۔ ابن زیاد نے نماز کے بعد تقریر کی: احمق اور نادان ابن عقیل نے جو کچھ کیا تم نے دیکھ لیا۔ لوگوں کے درمیان تفرقہ ڈالا۔ جس کے گھر سے مسلم ملا میں نے اس سے ذمہ اٹھالیا ہے (یعنی وہ امان میں نہیں ہے اور اس کا خون مباح ہے) اور جس نے مسلم ہمارے حوالے کیا، اس کے خون کی قیمت اسے ادا کروں گا۔ اے بندگان خدا! اللہ سے ڈرو اور اپنی اطاعت اور بیعت پر قائم رہو اور اپنے لیے عذاب کا راستہ مت کھولو۔

پھر کوفہ کی فوج کے افسر حُصَین بن تمیم سے کہا: اے حصین بن تمیم![1] تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے، اگر کوفہ کا کوئی دروازہ کھلا رہے یا یہ مرد (مسلم بن عقیل)، شہر سے باہر چلا جائے اور تم اسے میرے پاس نہ لے آئے تو؟! میں نے تجھے کوفہ کے تمام گھروں پر مسلط کیا ہے۔ گلیوں میں محافظ بھیجو اور صبح ہوتے ہی گھروں کی تلاشی لو، تا کہ اس مرد کو میرے پاس لے آؤ۔ پھر منبر سے اترا[2] اور قصر میں داخل ہو گیا۔ اس نے عمرو بن حریث کو ایک پرچم دیا اور اس کو لوگوں کا فرمانروا بنا دیا[3]۔

مختار بن ابی عُبَید ثقفی اور عبد اللہ بن حارث بھی ان لوگوں میں سے تھے جو مسلم بن عقیل کے قیام کے روز اس کے ساتھ ملنا چاہتے تھے۔ مختار نے سبز پرچم اور عبد اللہ بن حارث نے سرخ پرچم اٹھایا[4]۔ مختار اس دن ایک خُطَرنِیَہ نامی دیہات میں تھا؛ ظہر کے وقت اس کو مسلم کے قیام کی خبر ملی... وہ (مسلم کی مدد کے

---

[1]۔ بعض کتب میں حصین بن نمیر آیا ہے (شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۵۷؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۵۴)۔

[2]۔ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص ۱۰۲۳، ۱۰۲؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۷۲، ۳۷۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۵۵-۵۷۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۷۳، ۳۷۲؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۵۵-۵۷۔

[4]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۸۱۔

لیے) اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلا اور غروب کے وقت باب الفیل کے سامنے پہنچا؛ یہ وہ وقت تھا کہ ابن زیاد نے عمرو بن حریث کو پرچم تھما دیا تھا۔(جب مختار باخبر ہوا کہ مسلم کا قیام شکست سے دوچار ہو گیا ہے) عمرو بن حریث کے پاس گیا اسے سلام کیا اور اس کے پرچم کے نیچے بیٹھ گیا۔ جب صبح ہوئی تو مختار کو ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ ابن زیاد نے اسے کہا: تو چند لوگوں کے ساتھ چلا تھا کہ مسلم کی مدد کرے؟ مختار نے کہا: میں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ میں آیا اور عمرو بن حریث کے پرچم کے نیچے بیٹھ گیا۔ عمرو نے بھی کہا: وہ سچ کہہ رہا ہے۔ ابن زیاد نے چھڑی اٹھائی اور مختار کے چہرہ پر مارنا شروع کیا، اس طرح مارا کہ اس کی آنکھ زخمی کر دی اور کہا: اللہ کی قسم! اگر عمرو تیرے حق میں گواہی نہ دیتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ پھر حکم دیا کہ اسے زندان میں ڈال دیا جائے۔[1] اس کے بعد امام حسین علیہ السلام کی شہادت تک، جناب مختار بدستور زندان میں رہے۔[2]

حضرت مسلم علیہ السلام کی گرفتاری

اگلی صبح کو ابن زیاد اپنی محفل میں بیٹھا اور لوگوں کو آنے کی اجازت دی۔ لوگ گروہ گروہ ہو کر داخل ہوئے۔ محمد بن اشعث بھی آ پہنچا۔ جونہی ابن زیاد نے اُسے دیکھا تو کہا: " خوش آمدید! تم نے ہماری دوستی میں منافقت نہیں کی اور نہ ہی تم پر ہماری دشمنی کی تہمت ہے" اور اس کو اپنے ساتھ بیٹھایا[3]۔

دوسری طرف، جب صبح ہوئی طوعہ کا بیٹا بلال، محمد بن اشعث کے بیٹے عبد الرحمن کے پاس گیا جو کہ نوجوان بلوغ کے قریب تھا؛ اور اسے بتایا کہ مسلم، اس کی ماں کے گھر ہے۔ عبد الرحمن فوراً ابن زیاد کے

---

[1]۔ رجوع کریں: طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۵۷۰،۵۶۹۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۵۷۰،۵۶۹؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۶، ص۳۷۷؛ مختار نے زندان سے زائدہ بن قدامہ کو خط لکھا اور کہا کہ مدینہ جاؤ اور عبداللہ بن عمر سے کہو کہ یزید کو خط لکھے کہ وہ ابن زیاد کو میری رہائی کا حکم دے۔ زائدہ بن قدامہ، عبداللہ بن عمر کے پاس گیا، اسے مختار کا خط دیا اور مختار کی بہن صیفہ کو خبر ملی تو اس نے گریہ وزاری کی۔ عبداللہ بن عمر نے یہ حالت دیکھی تو یزید کو خط لکھا کہ ابن زیاد کو مختار کی آزادی کا حکم دو۔ یزید نے ایسا ہی کیا۔ یوں مختار آزاد ہو گیا اور اپنے قیام کے مقدمات فراہم کیے۔ (رجوع کریں: طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۵۷۱،۵۷۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۶، ص۳۷۷)۔

[3]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص۱۰۳؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۵۷؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۵۲؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۰۸۔

قصر پہنچا اور آہستہ سے اپنے باپ کو بتا دیا۔ ابن زیاد نے پوچھا: تیرے بیٹے نے تجھے کیا کہا ہے؟ محمد ابن اشعث نے کہا: اس نے مجھے خبر دی ہے کہ مسلم ابن عقیل ہمارے گھروں میں سے ایک گھر میں ہے۔ ابن زیاد نے کہا: اٹھو اور ابھی اس کو میرے پاس لے آؤ[1]۔ جب محمد بن اشعث، مسلم بن عقیل کو پکڑنے کے لیے اٹھا تو ابن زیاد نے ایک شخص کو عمرو بن حریث[2] (جو مسجد میں اس کا نائب تھا) کے پاس بھیجا اور کہا: ساٹھ یا ستر آدمی جو سب کے سب قبیلہ قیس سے (عدنانی یا قرشی عرب) ہوں، محمد بن اشعث کے ساتھ بھیجو۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ آدمی اشعث کے قبیلے سے ہوں؛ کیونکہ وہ جانتا تھا ہر قبیلہ مسلم بن عقیل کے مدمقابل ہونے سے ڈر رہا ہے۔ ابن زیاد نے ساٹھ یا ستر آدمی، جو سب کے سب قیسی عرب (قبیلہ قیس سے) تھے، عمرو بن عبید اللہ بن عباس سُلَمی کی سربراہی میں محمد بن اشعث کے ساتھ حضرت مسلم کی گرفتاری کے لیے بھیجے[3]۔ قیسی عرب سے مراد عدنانی عرب ہیں، جو اصل میں قَرشی تھے۔ چونکہ محمد بن اشعث قبیلہ کندہ (یمنی قبائل میں سے ایک قبیلہ) سے تھا اور جنوبی عرب کا رہنے والا تھا۔ ابن زیاد نے شمالی (عدنانی) اور جنوبی عرب (قحطانی) کے درمیان اختلاف اور فساد کا سد باب کرنے کے لیے صرف قیسی (قرشی) لوگوں کو مسلم کے ساتھ جنگ کے لیے بھیجا۔ ابو حنیفہ دینوری نے اس مطلب کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے:

ابن زیاد نے کہا: قریش میں سے ایک سو لوگوں کو بھیجو۔ وہ غیر قرشی افراد کو مسلم کی گرفتاری کے لیے بھیجنے سے پریشان تھا اور اسے قبائلی تعصب کی وجہ سے لڑائی ہو جانے کا خوف تھا[4]۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابن زیاد قبائل کے مزاج سے بخوبی واقف تھا۔

---

[1]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۵۵، ۳۵۴؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص ۱۰۳؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۷۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۵۷۔

[2]۔ ابو حنیفہ دینوری نے اس کا نام عبید بن حریث لکھا ہے (الاخبار الطوال، ص ۳۵۵)۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۷۳؛ نیز رجوع کریں: ابو الحسن اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص ۱۰۳-۱۰۴۔

[4]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۵۵۔

حضرت مسلم نے جب گھوڑوں کی ٹاپوں اور مردوں کے شور وغل کی آواز سنی تو سمجھ گئے کہ ان کی گرفتاری کے لیے آئے ہیں۔ آپ اس وقت دعا اور تعقیبات میں مشغول تھے، جسے جلدی سے ختم کیا[1] اور اپنے گھوڑے کو لگام لگائی، زین رکھی، جنگی لباس زیب تن کیا، سر پر عمامہ رکھا اور تلوار حمائل کی۔ دشمنوں نے گھر پر پتھر مارے اور بانس کی لکڑی کو آگ لگا کر گھر میں پھینکا۔ مسلم نے تبسم فرمایا اور اپنے آپ سے کہا: اے نفس! موت کی طرف نکل، اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ پھر طوعہ کی طرف رخ کیا اور فرمایا: تو نے میرے ساتھ نیکی کی ہے، جیسے نیکی کرنے کا حق تھا۔ آپ کو رسول اللہؐ کی شفاعت نصیب ہو[2]۔ پھر کہا: آپ پر اللہ کی رحمت ہو اور اللہ تجھے جزائے خیر دے اور جو کچھ مجھ پر ٹوٹنے والا ہے تیرے بیٹے کی وجہ سے ہے؛ دروازہ کھولو۔[3]

طوعہ نے دروازہ کھولا اور مسلم نے غضبناک شیر کی طرح محمد بن اشعث کے لشکر پر حملہ کیا۔ دشمنوں نے خاتون کے گھر پر حملہ کیا؛ لیکن حضرت مسلم نے گھر سے باہر جنگ شروع کی اور ان کو عقب نشینی پر مجبور کر دیا (تاکہ اس شیر دل اور دیندار خاتون کا گھر خراب نہ ہو) لعینوں نے دوسری بار حملہ کیا۔ حضرت مسلم بھی ان پر حملہ آور ہوئے اور ان کو گھر سے باہر نکال دیا۔ حضرت مسلم، بہادر شیر کی مانند دشمنوں پر ٹوٹ پڑے[4]، تلوار کے ساتھ جنگ کی اور چند دشمنوں کو جہنم واصل کیا۔[5]

جب حکومتی فوجیں اس بہادر کے ساتھ آمنے سامنے مقابلہ کرنے سے عاجز آگئیں، تو چھتوں پر چڑھ کر حضرت مسلم کے سر پر پتھر اور آگ برسانے لگے[6] لیکن حضرت مسلم کے زوردار حملے اسی طرح جاری رہے اور ڈرپوک فوجی خوف کے مارے فرار کر رہے تھے۔

---

[1]۔ عمادالدین طبری، کامل بہائی، ج۲، ص۲۷۵؛ شیخ عباس قمی، نفس المهموم، ص۱۰۸۔

[2]۔ عمادالدین طبری، کامل بہائی، ج۲، ص۲۷۵؛

[3]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۵۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۰۹۔

[4]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۳، ص۵۸۔

[5]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۵۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۰۹۔

[6]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۵۸؛ مسعودی، مروج الذهب، ج۳، ص۶۸۔

لڑائی شروع تھی اور حضرت مسلم دشمنوں کی کثیر تعداد کا تنہا مقابلہ کر رہے تھے۔ دشمن کو اتنا عاجز کر دیا کہ محمد بن اشعث نے آپ کی گرفتاری کے لیے مزید فوج کی درخواست کی۔ ابن زیاد نے پیغام بھیجا کہ میں نے تجھے ایک شخص کی گرفتاری کے لیے بھیجا ہے، اس اکیلے مرد نے تمہارے درمیان ایسا شگاف ڈال دیا ہے؟! اگر میں تجھے اس سے زیادہ طاقتور (یعنی امام حسین علیہ السلام) کے ساتھ جنگ کے لیے بھیجوں تو تو کیا کرے گا؟ محمد بن اشعث نے پیغام بھیجا:

اَیُّهَا الْاَمِیْرُ! أَ تَظُنُّ اَنَّكَ بَعَثْتَنِیْ اِلٰی بَقَّالٍ مِنْ بَقَالِیْلِ الْكُوْفَةِ اَوْ جَرْمَقَانِیٍّ مِنْ جَرَامِقَةِ الْحِیْرَةِ، أَفَلَا تَعْلَمُ اَیُّهَا الْاَمِیْرُ اَنَّكَ بَعَثْتَنِیْ اِلٰی اَسَدٍ ضِرْغَامٍ وَ بَطَلٍ هَمَّامٍ فِیْ كَفِّهٖ سَیْفٌ حَسَّامٌ یَقْطُرُ مِنَ الْمَوْتِ الزُّؤَامِ۔

اے امیر، کیا تو یہ سمجھ رہا ہے کہ ہمیں کوفہ کے کسی سبزی فروش یا حیرہ (عراق) کے کسی موچی کے ساتھ جنگ کے لیے بھیجا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ ہمیں ایک طاقتور شیر اور باہمت دلاور کے ساتھ جنگ کے لیے بھیجا ہے، جس کے ہاتھ میں کاٹنے والی تیز تلوار ہے جس سے اچانک موت کی بارش برستی ہے؟[1]

کوئی شخص حضرت مسلم کے ساتھ جنگ کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ دشمن مسلسل حضرت مسلم کے سر پر آگ اور پتھر برساتے رہے اور حضرت مسلم مسلسل ان کے ساتھ جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ محمد بن اشعث آگے بڑھا اور کہا: تجھے امان ہے، بلاوجہ اپنے آپ کو موت کے منہ میں نہ ڈال۔[2]

امان کی پیشکش ابن زیاد کے حکم سے تھی؛ کیونکہ جب اس نے دیکھا کہ مزید فوج بھیجنا بھی سود مند نہیں رہا تو محمد بن اشعث کو پیغام بھیجا: اس کو امان دو کیونکہ وہ اِس کے علاوہ تمہارے ہاتھ آنے والا نہیں ہے۔[3] جناب مسلم نے فرمایا: میں حیلہ بازوں کی امان کا محتاج نہیں ہوں پھر یہ اشعار پڑھے:

---

[1]۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۰۹۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۷۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۵۸۔

[3]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۵۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۰۹۔

میں نے قسم کھائی ہے کہ آزاد ہو کر ہی مروں گا اگرچہ موت مجھے ناپسند ہے۔

ہر شخص ایک دن برائی اور شر کے ساتھ ٹکرائے گا اور زندگی کے شرین پانی کو (موت کے) گرم اور تلخ پانی کے ساتھ مخلوط کرے گا۔

دل میں جو پریشانی اور خوف تھا ختم ہو گیا ہے اور اب دل وجان سکون میں ہیں۔

مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے ساتھ جھوٹ بولا جا رہا ہو یا مجھے دھوکہ دیا جا رہا ہو۔ [1]

محمد بن اشعث نے آواز دی: وائے ہو تم پر، تیرے ساتھ جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہی مکر و فریب کیا ہے یہ قوم تیری قاتل نہیں ہے اور تجھے قتل کرنا نہیں چاہتے۔ اپنے آپ کو موت کے منہ میں نہ ڈال۔ حضرت مسلم نے اس کی گفتگو پر توجہ نہ دی اور مسلسل جنگ جاری رکھی، شدید زخمی ہو کر جنگ سے عاجز آ گئے۔ فوجوں نے ان پر حملہ کیا اور ان پر تیر اور پتھر برسائے۔ حضرت مسلم نے کہا: وائے ہو تم پر! تمہیں کیا ہو گیا ہے؛ مجھے ایسے پتھر مار رہے ہو جیسے کفار کو مارے جاتے ہیں؟ حالانکہ میں پیغمبر اکرمؐ کے نیک خاندان میں سے ہوں۔ وائے ہو تم پر! کیا تم رسول خداؐ اور اس کی عترت طاہرہ کے حق کا بھی لحاظ نہیں کرتے؟ آپ کے ضعف کے باوجود، دشمن نے دوبارہ آپ پر حملہ کیا؛ لیکن حضرت مسلم نے جوابی حملہ کر کے ان کو منتشر کر دیا اور اپنی جگہ واپس پلٹے اور ایک گھر کے دروازہ کی ٹیک لگالی۔ دشمن کی فوج نے دوبارہ حملہ کیا۔ محمد بن اشعث نے کہا: اسے چھوڑ دو، میں اس کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ ان کے سامنے کھڑا ہوا اور کہا: افسوس ہے تم پر اے ابن عقیل! اپنے آپ کو موت کے حوالے مت کرو۔ تم امان میں ہو، میں تیرے خون اور جان کا ذمہ دار ہوں۔ حضرت مسلم نے کہا: اے اشعث کے بیٹے! تیرا خیال ہے کہ میں تیری سازش میں آجاؤں گا؟ ہرگز نہیں! ابھی تک میں جنگ کی طاقت رکھتا ہوں۔ اللہ کی قسم؛ ایسا نہیں ہو گا۔ حضرت مسلم نے اس پر حملہ کیا اور اسے عقب نشینی پر مجبور کر دیا۔ پھر اپنی جگہ پر واپس پلٹ آئے اور کہا: "اے اللہ! مجھ پر پیاس غالب آگئی ہے"۔ لیکن کسی میں ان کے قریب ہونے اور پانی دینے کی جرات نہیں تھی۔

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۷۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۵۸۔

محمد بن اشعث نے اپنے لشکر کی طرف رخ کر کے کہا: افسوس ہے تم پر! یہ تمہارے لیے شرم کی بات ہے کہ ایک شخص کو گرفتار کرنے سے یوں عاجز آ گئے ہو۔ سب مل کر اس پر ایک حملہ کرو۔ سب نے مل کر حضرت مسلم پر حملہ کیا اور حضرت مسلم نے بھی ان پر حملہ کیا۔ بُکیر بن حُمران احمری نامی ایک کوفی حضرت مسلم کی طرف بڑھا، دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیے۔ بکیر نے حضرت مسلم کے ہونٹ پر وار کیا، حضرت مسلم نے بھی اس کی گردن پر ضرب لگائی قریب تھا کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے کہ[1] ایک دشمن نے پشت کی جانب سے حملہ کیا، جس کی وجہ سے آپ زمین پر گر پڑے۔ دشمن نے چاروں طرف سے آپ کو گھیرے میں لیا اور اسیر کر لیا[2]۔

لیکن قدیم تاریخ دانوں کے مطابق جب حضرت مسلم ان پیمان شکن دشمنوں کے پتھروں سے شدید زخمی ہوئے تو ایک گھر کی دیوار کا سہارا لیا۔ محمد بن اشعث نے قریب آ کر کہا: تجھے امان ہے۔ حضرت مسلم نے کہا: واقعاً میں امان میں ہوں؟ ابن اشعث نے کہا: ہاں، تو امان میں ہے۔ تمام لوگوں نے مل کر کہا: ہاں (تو امان میں ہے)۔ عمرو بن عبید اللہ بن عباس سلمی نے کہا: امان دینا یا نہ دینا میرے اختیار میں نہیں۔ وہ یہ کہہ کر پیچھے ہٹ گیا۔ حضرت مسلم نے کہا: اگر تم مجھے امان نہ دو تو میں اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہیں دوں گا (یہ امان کے قبول کرنے کی علامت تھی)۔ یہ لوگ خچر لے آئے جناب مسلم کو اس پر سوار کیا آپ کو گھیرے میں لیا، آپ کے ہاتھ سے تلوار لے لی...[3] یوں حضرت مسلم کو گرفتار کیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسلم کو کوفیوں کی بے وفائی اور خیانت کا اندازہ ہو چکا تھا، لہٰذا انہوں نے جنگ جاری رکھی اور امان کے دھوکے میں نہ آئے۔ آخر میں دشمن کے مکر و فریب یا آپ کی کمزوری اور زخموں کی شدت سے جنگ کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے اسیر ہوئے۔

---

[1]۔ رجوع کریں: مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۰۲؛ مقتل الحسین، ج۱، ص۲۱۰؛ کتاب الفتوح، ج۵، ص۵۴۔

[2]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۵۵، ۵۴؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۰۲؛ سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص۱۲۰؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۱۰۔

[3]۔ ابوالفرج اصبہانی، مقاتل الطالبین، ص۱۰۵، ۱۰۴؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۵۹، ۵۸۔

جو مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت مسلم امان لینے کی وجہ سے اسیر ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں: حضرت مسلم نے جب یہ سب کچھ دیکھا تو گویا اپنے آپ سے ناامید ہو گئے اور آپ کے آنسو بہنے لگے اور فرمایا: یہ تمہاری پہلی فریب کاری تھی۔ محمد بن اشعث نے کہا: امید ہے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ حضرت مسلم نے کہا: جو امید تم نے کہی ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ کہاں ہے تمہاری امان؟! انا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ، پھر گریہ کیا۔ عمرو بن عباس سلمی نے کہا: جو شخص بھی ایسی چیز کا خواہشمند ہو جس کے تم تھے (یعنی امارت و ریاست) اور اس پر وہ سب کچھ آئے جو تم پر آیا ہے، تو اسے گریہ نہیں کرنا چاہیے (یعنی ان آرزوؤں کا نتیجہ یہی ہے!)۔

حضرت مسلم نے کہا: اللہ کی قسم؛ میں اپنے لیے نہیں رو رہا اور نہ اپنی موت سے پریشان ہوں، میں نے تھوڑی دیر کے لیے بھی اپنے آپ کو موت کی فکر میں نہیں ڈالا تھا۔ میرا گریہ میرے خاندان اور رشتہ داروں کے لیے ہے جو میری طرف آ رہے ہیں۔ میں حسینؑ اور ان کے خاندان کے لیے گریہ کر رہا ہوں۔ محمد بن اشعث کو مخاطب کر کے کہا: تو اپنی امان کا دفاع کرنے کی قدرت نہیں رکھتا؛ لیکن کیا تم میرے لیے ایک نیکی کر سکتے ہو؟ ایک قاصد بھیجو، جو میری طرف سے حسینؑ کو پیغام دے؛ کیونکہ وہ آج یا کل اپنے خاندان کے ہمراہ تمہاری طرف چل پڑیں گے اور میرے رونے کی وجہ صرف یہی ہے۔ قاصد میری طرف سے ان سے کہے: مسلم اسیر ہو چکا ہے اور ہر لحظہ اپنی موت کا انتظار کر رہا ہے۔ مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے تا کہ آپ کو کہوں: اپنے خاندان کو لے کر واپس چلے جاؤ۔ کوفیوں کے وعدے کہیں آپ کو دھوکہ نہ دیں۔ یہ آپ کے بابا امیر المؤمنینؑ کے زمانہ والے لوگ ہیں، جن کے ہاتھوں آپؑ اپنی موت کی توقع رکھتے تھے۔ اس شہر کے لوگوں نے میرے اور آپ کے ساتھ جھوٹ بولا ہے اور دھوکے اور فریب کے دروازے سے داخل ہوئے ہیں اور جھوٹے شخص کی رائے قابل اعتماد نہیں ہے۔

محمد بن اشعث نے کہا: اللہ کی قسم؛ تیرا پیغام پہنچاؤں گا اور امیرِ کوفہ کو کہوں گا کہ تو امان میں ہے[1]۔ محمد بن اشعث نے حضرت مسلم کی وصیت کو ایک خط میں تحریر کیا اور ایاس بن العثل الطائی نامی شخص کو دیا،

---

[1] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۵، ۳۷۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۶۰، ۵۹؛ نیز رجوع کریں: ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص۱۰۵۔

اس کا زادِ راہ، سواری اور اس کے اہل و عیال کا نفقہ بھی دیا اور اسے کہا: یہ خط حسین علیہ السلام کو پہنچاؤ۔ وہ چل پڑا اور منزل زبالہ پر امام حسین علیہ السلام سے ملاقات کی اور خط آپ کو دیا[1]۔ اس خط کی تفصیل اپنے مقام پر ذکر ہو گی۔

مسلم کوفہ کے دار الامارہ میں

گرفتاری کے بعد حضرت مسلم کو دار الامارہ لے گئے۔ قصر کے دروازہ پر کچھ لوگ ابن زیاد سے ملنے کے لیے اجازت کے منتظر تھے، عمارۃ بن عقبہ بن ابی معیط، عمرو بن حریث، مسلم بن عمرو باہلی اور کثیر بن شہاب بھی ان میں شامل تھے۔ دار الامارہ کے دروازہ کے قریب ٹھنڈے پانی کا ایک کوزہ پڑا تھا۔ حضرت مسلم کو شدید پیاس لگی تھی۔ انہوں نے کہا: مجھے اس سے پانی پلاؤ۔ مسلم بن عمرو باہلی نے کہا: جانتے ہو یہ پانی کتنا میٹھا ہے؟ اللہ کی قسم؛ اس سے ایک قطرہ بھی تجھے نہیں ملے گا، یہاں تک کہ جہنم کا گرم پانی پینا۔ حضرت مسلم نے کہا: وائے ہو تجھ پر! تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا: میں اس کا بیٹا ہوں، جب تو نے حق کا انکار کیا، اس وقت اس نے حق کو پہچانا؛ جب تو نے اپنے وقت کے پیشوا کے ساتھ جنگ کی، وہ اپنے امام کا خیر خواہ تھا؛ اور جب تو نے عصیان اور نافرمانی کی، اس نے امام کا فرمان اپنی جان کے بدلے خریدا اور اس کی فرمانبرداری کی۔ میں مسلم بن عمرو باہلی ہوں۔

حضرت مسلم نے کہا: تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے! اے باہلہ کے بیٹے تو کتنا ظالم، سنگدل اور بے رحم ہے، تو سب سے زیادہ جہنم کے کھولتے ہوئے پانی اور اس کی آگ میں ہمیشہ رہنے کے لائق ہے۔

حضرت مسلم زمین پر بیٹھ گئے، دیوار کا سہارا لیا۔ عمرو بن حریث نے اپنے غلام سلیمان کو حضرت مسلم کے لیے پانی لانے کے لیے بھیجا۔ غلام، پانی کا کوزہ، ایک رومال اور برتن لے آیا، پانی برتن میں ڈالا اور حضرت مسلم کو دیا۔ حضرت مسلم نے پانی منہ کے قریب کیا، لیکن برتن آپ کے دہان مبارک کے خون سے بھر گیا۔ حضرت مسلم نے پانی زمین پر گرا دیا۔ اس نے دوسری مرتبہ برتن میں پانی ڈالا، حضرت مسلم

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۵؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۱۱۔

نے پھر منہ کے قریب کیا لیکن پھر برتن خون سے بھر گیا؛ تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا اور جناب مسلم کا سامنے والا دانت پانی کے برتن میں گر گیا۔ آپ نے کہا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَوْكَانَ لِیْ مِنَ الرِّزْقِ الْمَقْسُوْمِ شَرِبْتُه"

اللہ کی حمد ہے، اگر یہ میرا رزق ہوتا تو میں پی لیتا۔

ابن زیاد کا ایلچی قصر سے باہر آیا اور ان کو قصر میں داخل ہونے کی اجازت ملی[1]۔

جب حضرت مسلم کو ابن زیاد کے پاس لے گئے تو آپ بے پرواہی کے ساتھ داخل ہوئے اور سلام نہ کیا۔ ایک محافظ نے کہا: امیر کو سلام نہیں کرو گے؟ مسلم نے کہا: اگر میرے قتل کا ارادہ کر چکا ہے تو ہرگز اس پر سلام نہ ہو اور اگر ایسا ارادہ نہیں کیا تو میرا اس پر سلام ہو۔[2] ابن زیاد نے کہا: مجھے اپنی جان کی قسم، سلام کرو یا نہ کرو، تو قتل ضرور ہو گا۔ حضرت مسلم نے کہا: واقعا ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا: ہاں ایسا ہی ہے۔ حضرت مسلم نے (جب اپنی شہادت یقینی دیکھی) کہا: تو پھر مجھے اپنے رشتہ داروں کو وصیت کرنے دو۔ قصر میں حاضر لوگوں کی طرف نگاہ کی، عمر بن سعد کو دیکھا۔ فرمایا: اے عمر! تیرے اور میرے درمیان رشتہ داری ہے[3]۔ میں تجھ سے ایک حاجت رکھتا ہوں اور ایک مخفی اور پنہان وصیت ہے، میں چاہتا ہوں کہ تو اسے انجام دے۔ عمر سعد نے انکار کیا۔ ابن زیاد نے کہا: اپنے چچازاد کی وصیت سننے سے انکار نہ کر۔ عمر سعد اٹھا اور حضرت مسلم کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھ گیا، ابن زیاد اسے دیکھ رہا تھا۔

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۶، ۳۷۵؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۶۱، ۶۰؛ مسعودی، مروج الذہب، ج۳، ص۶۸؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص۱۰۶، ۱۰۵۔

[2]۔ بعض کتب میں ہے کہ مسلم نے اس محافظ کے جواب میں کہا: خاموش رہو؛ وائے ہو تم پر وہ میرا امیر نہیں ہے (ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۵۵؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۱۱)۔

[3]۔ مسلم نے اس لیے عمر سعد کو اپنا رشتہ دار کہا ہے کہ وہ بھی قریش کے قبیلہ بنی زہرہ سے تھا اور قریش کے قبیلے آپس میں رشتہ دار شمار ہوتے تھے۔ عمر سعد کے انتخاب کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ قریشی ہونے کے لحاظ سے مسلم کا رشتہ دار تھا لیکن ابن زیاد قریشی نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ عمر سعد، ابن زیاد سے بہتر تھا (عباس صفائی حائری، تاریخ سید الشہداء، ص۳۳۷، ۳۳۶)۔

حضرت مسلم نے وصیت میں تین باتیں بیان کیں : جب سے کوفہ میں داخل ہوا ہوں، سات سو درہم [1] قرض لیا ہے، ابھی تک مقروض ہوں، تم میری طرف سے ادا کر دینا۔ میری میت ابن زیاد سے لے کر دفن کر دینا اور کسی کو حسین بن علی کے پاس بھیجنا جو ان کو اس سفر سے روکے، کیونکہ میں نے خط میں انہیں لکھا ہے کہ کوفہ کے لوگ ان کے ساتھ ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ کوفہ روانہ ہوں گے۔ [2]

عمر سعد نے ابن زیاد سے کہا: تم جانتے ہو اس نے مجھے کیا کہا ہے؟ اس نے مجھے یہ کہا ہے۔

ابن زیاد نے عمر سعد سے کہا: امین خیانت نہیں کرتا؛ لیکن کبھی خیانت کار کو امین بنا دیا جاتا ہے!؛ پھر کہا: تیرا مال تیرے قبضے میں ہے، ہم اس میں رکاوٹ نہیں بنتے جو چاہو انجام دو (اور اس کا قرض ادا کر دو)؛ اور اگر حسین کو ہم سے سروکار نہیں ہے تو ہم بھی اس کے درپے نہیں ہیں؛ لیکن اگر اس نے ہمیں نشانہ بنایا تو ہم اس کو نہیں چھوڑیں گے۔ [3] شیخ مفید نے لکھا ہے کہ ابن زیاد نے کہا: ہمیں اس کو قتل کرنے کے بعد اس کے بدن سے کوئی کام نہیں، جو چاہو کرو۔ [4] محمد بن سعد کہتا ہے: عمر سعد نے مسلم کا قرض ادا کیا ،اس کی میت ابن زیاد سے لے کر کفن دیا اور دفن کیا اور ایک مرد کو سواری اور اس کے اہل وعیال کا خرچ دے کر امام حسین علیہ السلام کی طرف بھیجا اور کہا: جا اور جو کچھ مسلم بن عقیل نے کہا ہے حسین کو اس کی اطلاع دو۔ وہ گیا، امام سے ملاقات کی اور ان کو خبر دی۔ [5] (اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی)

ابن زیاد نے جناب مسلم سے کہا: اے ابن عقیل، یہاں پر لوگ متحد اور اکٹھے تھے، تو ان کو جدا کرنے اور ان کے درمیان اختلاف ڈالنے اور انہیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں لانے آیا ہے۔ حضرت مسلم نے کہا: میں ہرگز اس کام کے لیے نہیں آیا؛ لیکن اس شہر کے رہنے والوں کا یہ عقیدہ ہے کہ تیرے

---

[1]۔ ابوحنیفہ دینوری نے ایک ہزار درہم لکھا ہے (الاخبار الطوال، ص۳۵۶) اور ابوالفرج اصفہانی نے لکھا ہے کہ: مسلم نے عمر سعد سے کہا: میرا قرض ادا کردو تجھے میرے مدینہ کے غلوں سے واپس کیا جائے گا (مقاتل الطالبین، ص۱۰۷)۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۶؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۶۱؛ بعض کتب میں ذکر ہوا ہے مسلم نے کہا: میں کوفہ میں سات سو درہم کا مقروض ہوں میرا گھوڑا اور اسلحہ فروخت کرکے قرض ادا کردینا (ابن اثیر، کتاب الفتوح، ج۵، ص۵۷)۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۷؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص۳۳۹؛ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص۱۰۷۔

[4]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۶۱۔

[5]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا ش۱۰، ص۱۷۶۔

باپ نے ان کے نیک لوگوں کو قتل کیا ہے، ان کا خون بہایا ہے اور ان کے ساتھ قیصر و کسریٰ والے افعال انجام دیے ہیں۔ ہم آئے تا کہ عدالت قائم کریں اور اللہ کی کتاب کے حکم کی دعوت دیں۔ ابن زیاد نے کہا: اے فاسق! تجھے ان کاموں سے کیا تعلق؟! کیا ہم یہ کام انجام نہیں دیتے تھے جو تو کہہ رہا ہے؛ حالانکہ تو مدینہ میں شراب پیتا تھا؟! حضرت مسلم (جو کہ مکتب اہل بیتؑ کے شاگرد اور ایسے کاموں سے پاک تھے) نے جواب دیا: کیا میں شراب پیتا تھا؟! اللہ کی قسم؛ اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو جھوٹ بول رہا ہے اور تم نے علم و آگاہی کے بغیر بات کی ہے۔ جیسا تو نے کہا ہے، میں ایسا نہیں ہوں۔ شراب خوری کے لائق وہ ہے جس کے ہاتھ مسلمانوں کے خون میں رنگین ہیں اور ایسے نفوس محترمہ جن کا قتل اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے، انہیں بلا وجہ قتل کرتا ہے، لوگوں کا (بلا جرم) قصاص کرتا ہے، پاکیزہ خون بہاتا ہے اور لوگوں کو صرف غضب، دشمنی اور سوء ظن کی وجہ سے قتل کرتا ہے اور پھر اس طرح لہو و لعب میں مشغول ہو جاتا ہے جیسے کوئی واقعہ پیش ہی نہیں آیا ہو[1]۔

ابن زیاد (حضرت مسلم کے دندان شکن جواب سے لاجواب ہو گیا اور گالی گلوچ کی زبان کھولی اور) کہا: اے فاسق! تیرے نفس نے تجھے مجبور کیا ہے کہ ایسی چیز (خلافت و ریاست) کی آرزو کرو، اللہ تعالیٰ تیرے اور اس کے درمیان حائل ہو گیا ہے اور تجھے اس کا اہل نہیں سمجھا (بلکہ اسے، اس کے اہل کے ہاتھ میں دے دیا ہے)؛ حضرت مسلم نے کہا: اے ابن زیاد! پس کون اس کا اہل ہے؟ ابن زیاد نے کہا: امیر المومنین یزید۔ حضرت مسلم نے فرمایا: ہر حال میں اللہ تعالی کا شکر ہے، ہم راضی ہیں کہ اللہ تعالی ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔ ابن زیاد نے کہا: گویا تمہارا خیال یہ ہے کہ تمہارا حکومت میں حصہ ہے؟! حضرت مسلم نے جواب دیا: اللہ کی قسم؛ یہ خیال ہی نہیں، بلکہ مجھے یقین ہے۔[2]

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۶۲؛ نیز رجوع کریں: ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۵۶؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۱۲

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۶۲؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۵۶؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۱۲۔

ابن زیاد نے (جب اپنے آپ کو حضرت مسلم کے سامنے عاجز پایا اور ہر بات کا سخت ترین جواب ملا تو اس نے دھمکی دی اور) کہا: خدا مجھے قتل کرے، اگر تجھے قتل نہ کروں؛ تجھے ایسے قتل کروں گا کہ اب تک اسلام میں اس طرح کوئی قتل نہ ہوا ہو۔ حضرت مسلم نے کہا: تو سب سے زیادہ اسلام میں بدعت ایجاد کرنے والا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ بے گناہ قتل، مُثلہ کرنے کی برائی، بد کرداری، حقیرانہ کامیابی اور گھٹیا گفتگو کرنے جیسے کاموں میں کوئی تجھ سے سبقت لے جائے۔[1]

ابن اعثم کا بیان ہے کہ حضرت مسلم نے جواب دیا: تیرا، مجھے قتل کرنا کوئی نئی بات نہیں کیونکہ (ماضی میں) تجھ سے بدتر نے مجھ سے بہتر لوگوں کو قتل کیا ہے۔ ابن زیاد نے غصہ میں آکر کہا: اے وحدت شکن! اے تفرقہ ڈالنے والے! تو نے اپنے پیشوا کے خلاف بغاوت کی ہے، مسلمانوں کی وحدت میں رخنہ ایجاد کیا ہے اور فتنہ برپا کیا ہے۔

حضرت مسلم، جنہوں نے اپنے چچا امیر المومنین علی علیہ السلام کے مکتب میں پرورش پائی تھی؛ آپ نے بلا خوف و خطر، وضاحت کے ساتھ جواب دیا: ابن زیاد! تو نے جھوٹ بولا ہے۔ اللہ کی قسم؛ معاویہ نے امت کے اجماع کے ذریعے حکومت حاصل نہیں کی بلکہ مکر و فریب کے ساتھ پیغمبر علیہ السلام کے وصی حضرت علی علیہ السلام پر ناحق غلبہ پایا ہے اور خلافت کو غصب کیا ہے۔ اس کا بیٹا یزید بھی اسی طرح ہے۔ تو اور تیرے باپ زیاد نے فتنہ کو کامیاب کرایا ہے۔ پھر فرمایا: امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے، بدترین مخلوق کے ذریعہ شہادت نصیب فرمائے۔ اللہ کی قسم؛ میں نے نہ مخالفت کی ہے، نہ کفر کیا ہے اور نہ ہی اللہ کے دین میں تبدیلی پیدا کی ہے؛ بلکہ میں دخترِ پیغمبر علیہ السلام حضرت فاطمہ علیہا السلام کے فرزند حسین بن علی علیہ السلام کی اطاعت میں ہوں اور ہم معاویہ، اس کے بیٹے اور آلِ زیاد سے زیادہ خلافت کے لائق ہیں۔[2]

---

[1]۔ سابقہ حوالہ جات، رجوع کریں: ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص۱۰۷؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص۳۴۰۔

[2]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۵۶؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۱۱۔۲۱۲۔

حضرت مسلم کی شہادت

اس وقت ابن زیاد نے آپ کو، امام حسین، حضرت علی اور حضرت عقیل علیہم السلام کو گالیاں دینا شروع کر دیں؛ جس کے بعد حضرت مسلم نے اس کے ساتھ گفتگو نہیں کی۔[1] ابن زیاد نے کہا: اس کو قصر کی چھت پر لے جاؤ، گردن کاٹ دو اور جسد کو نیچے پھینک دو۔ مسلم نے کہا: اے ابن زیاد، اللہ کی قسم، اگر میرے اور تیرے درمیان رشتہ داری ہوتی تو تُو مجھے کبھی قتل نہ کرتا۔ ابن زیاد نے کہا: کہاں ہے وہ شخص جس کے سر اور گردن پر مسلم نے تلوار کے ساتھ ضرب لگائی ہے؟ بکیر بن حمران کو بلایا، جس پر جناب مسلم نے تلوار کا وار کیا تھا۔ ابن زیاد نے اسے کہا: اوپر جاؤ اور مسلم کی گردن کاٹ دو۔[2]

بکیر بن حمران، حضرت مسلم کو قصر کی چھت پر لے گیا۔ حضرت مسلم تکبیر بلند کر رہے تھے، استغفار کر رہے تھے، ملائکہ اور اللہ کے رسولوں پر درود بھیج رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے اللہ! ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ فرما، جنہوں نے ہمیں دھوکہ دیا ہے، ہمارے ساتھ جھوٹ بولا ہے اور ہماری مدد نہیں کی۔

پھر آپ کو قصر کی چھت پر لے جایا گیا اور قصر کے دروازے کے سامنے جمع لوگوں کے سامنے گردن کاٹ کر[3] بدن کو قصر سے نیچے پھینک دیا گیا۔ جب بکیر بن حمران نیچے آیا تو ابن زیاد نے کہا: اسے قتل کر دیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ پوچھا: وہ اوپر جاتے ہوئے کیا کہہ رہا تھا؟ اس نے کہا: اللہ اکبر اور سبحان اللہ کہہ رہا تھا، استغفار کر رہا تھا اور جب میں قتل کرنے کے لیے اس کے قریب گیا تو وہ کہہ رہا تھا:

اَللّٰھُمَّ احْکُمْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ قَوْمٍ کَذَبُوْنَا وَغَرُّوْنَا وَخَذَلُوْنَا وَقَتَلُوْنَا۔

میں نے اسے کہا: نزدیک آؤ، شکر ہے اس خدا کا جس نے تجھ سے میرا قصاص لیا ہے۔

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۶۳۔

[2] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۸؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۶۳۔

[3] ۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۵۷۔

پھر اسے ایک ضرب ماری جس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے مجھے کہا: اے شخص یہ خراش جو تم نے لگائی ہے، کیا تیرے قصاص کے لیے کافی نہیں ہے؟ ابن زیاد نے کہا: کیا وہ موت کے وقت فخر کر رہا تھا؟! بکیر نے کہا: میں نے پھر دوسری ضرب ماری اور اس کو قتل کر دیا۔[1]

بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ قاتل اس ظلم کے بعد خوف کی حالت میں قصر سے نیچے اترا۔ ابن زیاد نے پوچھا تجھے کیا ہوا ہے؟ اسے قتل کر دیا؟ اس نے کہا: ہاں، اللہ تعالیٰ امیر کو سلامت رکھے؛ لیکن میرے لیے ایک اتفاق پیش آیا ہے جس کی وجہ سے پریشان ہوں۔ ابن زیاد نے پوچھا: کونسا اتفاق؟ اس نے کہا: جب مسلم کی گردن کاٹنے لگا تو ایک بدصورت، سیاہ اور گھنے بالوں والا مرد اپنے قریب دیکھا جو اپنی انگلی کو دانتوں میں دبائے ہوئے تھا اور میں ایسے خوفزدہ ہوا کہ اب تک نہیں ہوا تھا۔ ابن زیاد مسکرایا اور کہا: شاید تو دہشت زدہ ہو گیا ہے، کیونکہ اس کام سے آشنا نہیں تھا اور تجھے پہلے سے اس کی عادت نہیں تھی۔[2]

حضرت مسلم کی شہادت، سنہ ساٹھ ہجری، ۹ ذی الحجہ (روز عرفہ) بروز بدھ کو ہوئی۔[3]

ہانی بن عروہ کی شہادت

حضرت مسلم کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے حکم دیا کہ ہانی کو بھی قتل کر دیا جائے۔ محمد بن اشعث نے ہانی کے لیے معافی کی درخواست کی اور ابن زیاد سے کہا: تو اس شہر میں ہانی کے مقام اور اس کے قبیلہ میں اس کے خاندان کی قدر و قیمت جانتا ہے اور اس کی قوم جانتی ہے کہ میں اور میرا ساتھی (اسماء بن خارجہ)

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۸؛ مسعودی، مروج الذھب، ج۳، ص۷۰،۶۹؛ اور اسی مضمون کے ساتھ ملتا جلتا: ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص۱۰۷؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص۳۴۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۶۳۔

[2]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۵۹،۵۸؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۱۳؛ سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص۱۲۲۔

[3]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۶۶۔

اسے تیرے پاس لائے ہیں۔ تجھے اللہ کی قسم؛ اسے میری وجہ سے معاف کر دے کیونکہ میں اس کے خاندان کی دشمنی سے خوفزدہ ہوں، یہ کوفہ میں سب سے زیادہ طاقتور خاندان ہے۔[1]

ابن زیاد نے شروع میں معافی کا وعدہ دیا تھا، لیکن حضرت مسلم کے واقعہ کے بعد اپنا فیصلہ بدل دیا اور حکم دیا کہ اس کو بازار لے جاؤ اور وہاں جا کر اس کی گردن اڑادو۔ ہانی کو بازار لے گئے، جب اس جگہ پہنچے جہاں گوسفند بیچے جاتے تھے، تو جناب ہانی نے فریاد دی: "اے قبیلہ مذحج! میرے پاس آج قبیلہ مذحج نہیں ہے! کہاں ہے قبیلہ مذحج ؟ ہانی کے ہاتھ کندھوں کے پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ ہانی نے جب دیکھا کہ کوئی ان کی مدد کو نہیں آتا تو اپنا ہاتھ کھینچا اور کندھے سے آزاد کر لیا اور کہا: یہاں کوئی عصا، خنجر، پتھر یا ہڈی نہیں ہے جس کے ساتھ ایک مرد اپنا دفاع کر سکے؟ سپاہی ان پر جھپٹے، ان کے ہاتھوں کو مضبوطی سے باندھ دیا (اور ان کو اسی مقام پر شہید کرنے کا ارادہ کر لیا)؛ لہذا انہوں نے ہانی کو کہا: اپنی گردن آگے کرو۔ اس نے کہا: میں اتنا سخی نہیں اور ہرگز اپنے قتل میں تمہاری مدد نہیں کروں گا۔ ابن زیاد کا غلام آگے بڑھا جس کا نام رشید (یا راشد) تھا اور اس کا تعلق ایک ترک خاندان سے تھا؛ اس نے ہانی پر تلوار کا وار کیا لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ہانی نے کہا:

اِلَی اللّٰہِ الْمَعَادُ اَللّٰھُمَّ اِلٰی رَحْمَتِكَ وَ رِضْوَانِكَ

بازگشت اللہ کی طرف ہے، خدایا تیری رحمت وخوشنودی کی طرف (آرہا ہوں۔

رشید نے دوسری ضرب ماری اور انہیں شہید کر دیا[2]۔ اس وقت اس بوڑھے مجاہد مرد کی عمر ۹۰ سال سے زیادہ تھی۔[3]

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۸؛ نیز رجوع کریں: شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۶۳۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۸-۳۷۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۶۴، ۶۳۔

[3]۔ ابن سعد، "ترجمۃ الحسین ومقتلہ"، فصلنامہ تراثنا ش۱۰، ص۱۷۵۔

اس طرح، ایک مخلص، باوفا مددگار، غیرت مند شیعہ اور جس کے ساتھ چار ہزار سوار اور آٹھ ہزار پیادہ چلتے تھے، وہ ان ڈرپوک اور بے وفا لوگوں کے سامنے درجہ شہادت پر فائز ہوا، اور ان بارہ ہزار لوگوں میں سے کسی نے بھی آگے بڑھ کر ہانی کی حمایت نہ کی اور اس کی نجات کے لیے کوئی اقدام نہ کیا۔

شہادت کے بعد

حضرت مسلم اور ہانی کی شہادت نے کوفہ میں خوف وہراس پھیلا دیا۔ ابن زیاد جس کا دل بے رحمی اور قساوت سے بھرا ہوا تھا، اس نے ان دو بزرگوں کے قتل پر اکتفا نہ کیا، بلکہ لوگوں میں مزید دہشت پھیلانے کے لیے ان دو بزرگوں کی شہادت کے بعد ایک ایسا دردناک ظلم کیا تاکہ کوئی رد عمل دکھانے اور انتقام کی جرات نہ کر سکے۔ چنانچہ شہادت کے بعد ابن زیاد کے حکم سے دونوں کے بے سر لاشوں کے پیروں میں رسی باندھ کر کوفہ کی گلیوں میں گھسیٹا گیا۔[1] پھر لاشوں کو دار الامارہ کے قریب الٹا لٹکا دیا گیا۔[2] بنی ہاشم کے سب سے پہلے شہید جن کے جسد کو لٹکایا گیا، وہ جناب مسلم ہیں۔[3]

ابن زیاد نے اس کامیابی پر خوشی کے ساتھ، مسلم اور ہانی کے سروں کو ایک خط کے ہمراہ ہانی بن ابی حَیَّہ وداعی اور زبیر بن اَرْوَح تمیمی کو دیکر شام بھیجا۔ اس نے خط میں لکھا:

اس خدا کی حمد وسپاس ہے جس نے امیر المومنین (یزید) کا حق لیا ہے اور اس کو دشمن کے گزند سے محفوظ رکھا ہے۔ امیر المؤمنین کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ مسلم بن عقیل نے ہانی بن عروہ مرادی کے گھر میں پناہ لی ہوئی تھی۔ میں نے ان پر جاسوس مقرر کیے اور ان دونوں کی تاک میں کچھ لوگ بٹھا دیے اور ان کے لیے منصوبہ بنایا؛ اور خدا نے مجھے ان پر مسلط کیا۔ میں نے انہیں بلا کر ان کی گردنیں کاٹ دیں اور ان کے سر، ہانی بن ابی حیہ اور زبیر بن اروح کے ہاتھوں تمہارے پاس بھیجے ہیں۔[4] یہ دونوں آدمی ہمارے

---

[1] بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۹؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۴۷۔

[2] ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۶۲؛ ابن شہر آشوب نے فقط ہانی کے بدن کو لٹکانے کا ذکر کیا ہے (مناقب آل ابی طالب، ج، ص۱۰۲)۔

[3] مسعودی، مروج الذھب، ج۳، ص۷۰؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص۱۴۵۔

[4] مسلم کا سر بنی ہاشم میں سے پہلا سر تھا جو ایک شہر سے دوسرے شہر تک منتقل کیا گیا (مسعودی، مروج الذھب، ج۳، ص۷۰؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص۳۴۱-۳۴۲؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص۱۴۵، ۱۴۴)۔

فرمانبردار، پیروکار اور بنی امیہ کے خیر خواہ ہیں۔ پس امیر المومنین (مسلم وہانی کے بارے میں) جو کچھ پوچھنا چاہتے ہیں ان سے پوچھ لیں، کیونکہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں اور یہ دونوں صادق، سمجھدار اور باتقوی شخص ہیں۔ والسلام۔[1]

یہ دونوں قاصد جناب مسلم اور ہانی کے مقدس سروں کے ہمراہ ابن زیاد کا خط لے کر یزید کے پاس شام لے گئے۔ یزید نے حکم دیا کہ ان کے سروں کو دمشق کے دروازے پر آویزاں کر دیا جائے[2] اور کوفہ کے واقعات کی معلومات اور ابن زیاد کے بھیجے ہوئے قاصدوں سے سوالات کرنے کے بعد یزید نے ابن زیاد کو خط لکھ کر اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی تعریف کی۔ اس نے لکھا:

امابعد؛ تونے ایسا کام کیا ہے جیسا میں چاہتا تھا، تیرا کام دور اندیشی پر مشتمل تھا اور تیرا حملہ قوت قلب کے ساتھ اور شجاعانہ تھا۔ تو نے مجھے دشمن کے بارے سوچنے سے بے نیاز کر دیا اور دشمن کے لیے تو ہی کافی ثابت ہوا ہے۔ تیرے اس کام کے ذریعے تیرے بارے میں میری رائے درست ثابت ہوئی ہے۔ میں نے تیرا خط پڑھا ہے اور تیرے قاصدوں سے سوالات اور ان کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ ان کی فضیلت، ذہانت اور رائے ویسے ہی تھی جیسا تو نے لکھا ہے۔ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ مجھے خبر ملی ہے کہ حسین بن علی عراق کی جانب روانہ ہو چکے ہیں۔ پس تم حساس مقامات پر نظر رکھو اور (لوگوں کو) ظن وگمان کے ساتھ گرفتار کرو؛ لیکن صرف اسے قتل کرو جو تمہارے ساتھ جنگ کرے اور ہر روز کی اچھی یا بری خبریں مجھے لکھتے رہو۔ والسلام۔[3]

جناب مسلم کے جسد شریف کو کوفہ کے دار الامارہ کے ایک دروازہ کے سامنے یا باہر دفن کیا گیا تاکہ ان کی قبر قصر کے محافظوں کے سامنے رہے۔ کوفہ کی جامع مسجد حضرت مسلم کے مرقد مبارک کے مشرق

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۸۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۶۵۔

[2] ۔ ابن اعثم کتاب الفتوح، ج۵، ص ۶۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص ۲۱۵؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۰۲۔

[3] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۸۱، ۳۸۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۶۶، ۶۵؛ اسی مضمون کے ساتھ: بلاذری، انساب الاشراف، ج۲، ص ۳۴۲۔

میں واقع ہے۔ مسجد اور مرقد کے پیچھے قصر کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔ مسجد، مرقد اور قصر کے بارے میں کلام بہت زیادہ ہے اور ان رازوں سے آگاہی کے لئے دل بیقرار ہیں[1]۔

عبد اللہ بن زیاد اسدی نے جناب مسلم بن عقیل اور جناب ہانی بن عروہ کی شہادت کے بعد یہ اشعار پڑھے:

اگر تو موت کا معنی نہیں جانتی تو ہانی بن عروہ اور مسلم بن عقیل کے پیکر کو بازار میں دیکھ۔ اس دلاور کے چہرہ کو دیکھ جس کو تلوار نے مجروح کر دیا اور دوسرے بہادر کو دیکھ جس کو بلندی سے پھینکا گیا۔ امیر کے فرمان نے ان دونوں کو اس مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ اس طرح کے مسافر راستے میں ان کی داستان نقل کرتے رہیں گے۔ جسم کو دیکھو موت نے اس کا رنگ تبدیل کر دیا ہے اور اس کے خون کے جوش کو دیکھو جو ہر رگ میں جاری ہے۔ مردِ میدان کو دیکھو جو ایک جوان لڑکی سے بھی زیادہ باحیار ہے اور (شجاعت میں) دو منہ والی تیز تلوار سے بھی زیادہ کاٹنے والا ہے۔ کیا اسماء (بن خارجہ مذحجی) آسودہ خاطر گھوڑوں پر سوار ہو گا (آرام سے راستہ چلے گا) حالانکہ قبیلہ مذحج اس سے ہانی کے خون کا مطالبہ کرے گا؟ قبیلہ مراد بھی اس (اسماء) کے ارد گرد رہے گا اور سب آنکھیں راستے پر لگی ہیں کہ وہ آئے اور اس سے پوچھیں یا وہ ان سے پوچھے۔ پس اگر آپ (یعنی قبیلہ مذحج اور قبیلہ مراد) اپنے بھائی ہانی کے خون کا انتقام نہ لوگے تو ان بدکار عورتوں کی طرح ہوگے جو معمولی سی چیز پر راضی ہو جاتی ہیں۔[2]

کوفہ جاتے ہوئے منزلِ ثعلبیہ پر امام حسین علیہ السلام کو حضرت مسلم اور جناب ہانی کی شہادت اور ان کے جسد کو کوفہ کے بازار میں گھسیٹے جانے کی اطلاع ملی۔[3] اس کی وضاحت اپنے مقام پر آجائے گی۔

---

[1]۔ محمد علی عابدین، مبعوث الحسین علیہ السلام، ص ۲۵۱۔

[2]۔ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص ۱۰۸؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۷۹، ۳۸۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۶۴۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۹۷۔

امام حسین علیہ السلام کے حامیوں سے ابن زیاد کا انتقام

جب ابن زیاد نے حضرت مسلم اور ہانی کے قتل کا حکم دیا اور ان کو شہید کر دیا گیا تو اس نے ان انقلابیوں سے انتقام لینا شروع کیا جنہوں نے حضرت مسلم کی حمایت کی تھی۔ وہ مندرجہ ذیل افراد تھے:

۱۔ عبد الاعلیٰ بن یزید کلبی: یہ حضرت مسلم کے قیام اور قصر کے محاصرے والے دن بنی فتیان کے محلہ سے گرفتار ہوا تھا۔ اس کو ابن زیاد نے بلایا اور کہا: تمہیں کیوں گرفتار کیا گیا ہے؟ عبد الاعلیٰ نے کہا: میں اس دن باہر یہ دیکھنے آیا کہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ اچانک کثیر بن شہاب نے مجھے گرفتار کر لیا۔ ابن زیاد نے کہا: سچی قسم کھاؤ کہ تو صرف اسی کام کے لیے باہر آیا تھا اور اس کے علاوہ کوئی ارادہ نہیں تھا۔ عبد الاعلی نے قسم کھانے سے انکار کیا اور ابن زیاد نے اس کی گردن کاٹنے کا حکم دیا۔[1]

۲۔ عَمارۃ بِن صَلخَب اَزدی: یہ حضرت مسلم کے قیام کے دن ان کی مدد کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، لیکن محمد بن اشعث نے اسے گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا تھا۔ ابن زیاد نے اس سے پوچھا: تو کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے کہا: میں ازد کا رہنے والا ہوں۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس کو اپنی قوم کے پاس لے جاؤ اور اس کی گردن کاٹ دو۔[2]

حضرت میثم تمار کی شہادت

کوفی شیعوں کے حق میں ابن زیاد کے ظلم کا ایک اور نمونہ، امام حسین علیہ السلام کے کربلا میں داخل ہونے کے بعد اس کے حکم سے حضرت میثم تمار کی گرفتاری اور ان کی تکلیف دہ شہادت ہے۔ ابن زیاد نے کوفہ میں داخل ہوتے ہی دہشت اور رعب پھیلانے کے لیے کچھ بزرگ شیعوں کو گرفتار اور شہید کرایا۔ حضرت میثم تمار بھی گرفتار ہونے والوں میں شامل تھے۔ اگر اس نقطہ پر غور کیا جائے کہ حضرت میثم تمار کی شہادت، واقعہ کربلا کے قریب اور امام حسین علیہ السلام کے کربلا میں داخل ہونے سے دس دن پہلے واقع ہوئی

---

[1]۔ سابقہ حوالہ؛ محمد تقی تستری، قاموس الرجال، ج۶، ص۵۴، ۵۳۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۷۹۔

ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ ابن زیاد کے کوفی شیعوں کو کنٹرول اور کوفہ میں امن قائم کرنے کے لیے، کیے جانے والے اقدامات کے ساتھ حضرت میثم کی شہادت کا گہرا تعلق ہے۔

اسی طرح کوفہ کے معزز شیعوں میں سے حضرت مختار جیسے افراد بھی اس وقت زندان میں تھے اور حضرت میثم نے زندان میں حضرت مختار سے ایک ملاقات کی اور ان کو آنے والے حالات سے آگاہ کیا[1]۔ زندان میں حضرت میثم کی حضرت مختار کے ساتھ ملاقات اور گفتگو بتاتی ہے کہ میثم تمار بھی طولانی عرصہ تک زندان میں رہے۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے اس وفادار صحابی کی گرفتاری اور شہادت کے بارے میں تاریخ اور علم رجال کی کتابوں میں ذکر ہوا ہے کہ وہ شہادت کے سال، عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے مکہ تشریف لے گئے۔[2] پھر مدینہ کا سفر کیا اور وہاں سے کوفہ روانہ ہوئے۔[3] حضرت میثم کی اپنے خاندان میں مقام و منزلت اور بنی امیہ کے خلاف آپ کے قیام کے خوف سے ابن زیاد نے حکم دیا کہ انہیں کوفہ میں داخل ہونے سے پہلے گرفتار کر لیا جائے۔ لہذا قبیلہ میثم کے عریف[4] کو حکم دیا گیا کہ حضرت میثم کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے حوالہ کیا جائے۔ سپاہیوں نے حضرت میثم کو گرفتار کیا، ابن زیاد کے پاس لے گئے اور آپ کو حضرت علی علیہ السلام کے سب سے قریبی اور خاص دوست کے عنوان سے متعارف کروایا۔ ابن زیاد نے حضرت میثم سے کہا: علی علیہ السلام سے بیزاری کا اعلان اور اسے برے الفاظ کے ساتھ یاد کرو ورنہ تیرے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تجھے سولی پر چڑھا دوں گا۔ حضرت میثم نے اس دھمکی کے جواب میں کہا: حضرت علی علیہ السلام نے مجھے خبر دی تھی کہ تم مجھے سولی پر چڑھاؤ گے۔ ابن زیاد نے کہا: علی کی بات کے ساتھ مقابلہ کروں گا (یعنی تجھے کسی اور طریقہ سے قتل کروں گا، تاکہ علی علیہ السلام کا کلام جھوٹا ثابت ہو)۔ حضرت میثم نے کہا: کیسے؟ جبکہ حضرت علی علیہ السلام نے یہ خبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ سے انہوں نے حضرت جبرائیل اور اس نے اللہ تعالیٰ سے نقل کی

---

[1]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۱، ص ۳۲۳

[2]۔ سابقہ حوالہ۔

[3] سابقہ حوالہ۔

[4] عریف سے مراد قبیلہ کا بزرگ اور حکومتی امور میں قبیلہ کا نمائندہ اور مسئول ہے۔

ہے۔اللہ کی قسم؛ جہاں مجھے سولی پر لٹکایا جائے گا اس جگہ کو اچھی طرح جانتا ہوں اور جانتا ہوں کہ وہ مقام کوفہ میں کہاں واقع ہے۔پہلا مسلمان میں ہوں جس کے منہ میں اسلام کی خاطر لگام دی جائے گی۔[1]

بالآخر ابن زیاد نے حکم دیا کہ حضرت میثم کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں اور ان کو درخت پر آویزاں کر دیا جائے۔ حضرت میثم نے سولی پر خوبصورت بیان اور تلوار کی طرح کاٹنے والی زبان کے ساتھ اہل بیتؑ کے فضائل و مناقب بیان کر کے بنی امیہ کو رسوا کیا۔ جب ابن زیاد کو حضرت میثم کی آتش نما گفتگو کی خبر ملی تو اس نے حکم دیا کہ اس کے منہ میں لگام دی جائے اور پھر حکم دیا کہ اس کی زبان کاٹ دی جائے۔ حضرت میثم سولی پر ہی تھے کہ آپ کے ناک اور منہ سے گاڑھا خون نکلا اور آپ کی پیشین گوئی کے مطابق داڑھی کے سفید بال سرخ ہوگئے اور آخر کار ان کے شکم مبارک میں ایک نیزہ مارا گیا، جس سے آپ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[2] جیسا کہ پہلے اشارہ ہو چکا ہے کہ حضرت میثم کی شہادت امام حسینؑ کے عراق میں داخل ہونے سے دس دن پہلے ہوئی ہے[3] لہٰذا ان کی گرفتاری اور بے رحمانہ شہادت کو کربلا کے دلخراش واقعہ کی ایک کڑی جانا جا سکتا ہے۔

خلاصہ

یہاں پر گزشتہ مطالب کو مد نظر رکھتے ہوئے، ابن زیاد کے کوفہ میں داخل ہونے کے بعد پیش آنے والے حوادث و واقعات کا خلاصہ بیان کرتے ہیں:

ابن زیاد جب حضرت مسلم کی مخفی گاہ سے مطلع ہوا تو ان کی گرفتاری کے کا پروگرام بنایا۔ حضرت مسلم نے مجبور ہو کر اپنے چار ہزار مسلح افراد کے ہمراہ قصر پر حملہ کیا۔ ابن زیاد پچاس[4] یا دو سو افراد[1] کے ساتھ قصر میں بیٹھا تھا۔ اس نے حضرت مسلم کی فوج کو منتشر کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے:

---

[1] شیخ مفید، الارشاد، ج۱، ص ۳۲۴۔ محمد بن حسن طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، ص ۸۴، ۸۳؛ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج۶، ص ۲۵۰۔

[2]۔ سابقہ حوالہ۔

[3]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۱، ص ۳۲۵؛ ثقفی کوفی، الغارات، ج۲، ص ۷۹۷؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۲، ص ۲۹۴۔

[4]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۶۹۔

۱۔ کوفہ کے ایک سردار کثیر بن شہاب کو حکم دیا کہ شہر میں جاکر قبیلہ مذحج سے اپنے مطیع افراد کو جمع کرو اور ان کو اپنے ساتھ لے کر کوفہ کے گلی کوچوں میں چکر لگاؤ اور مسلم کے خلاف تقریریں کر کے لوگوں کے جذبات بھڑکاؤ اور انہیں مسلم کا ساتھ دینے سے روکو اور لوگوں کو حکومت کی مخالفت سے ڈراؤ۔[2]

۲۔ محمد بن اشعث اور شمر بن ذی الجوشن جیسے پانچ سرکردہ کوفیوں کو حکم دیا کہ قصر سے باہر جائیں، اپنے اپنے تابعداروں کو ساتھ لے کر شہر کے مختلف مقامات پر بیٹھ جائیں، امان کے پرچم لہرائیں اور تقریروں کے ذریعہ لوگوں کو بتائیں کہ جو شخص حکومت کے غضب سے بچنا چاہتا ہے، ان میں سے کسی پرچم تلے آجائے۔ یہ کام بھی انجام دیا گیا۔[3]

۳۔ حضرت مسلم کے حامیوں میں سے دو افراد حضرت مسلم کے ساتھ شامل ہونا چاہتے تھے، جبکہ ان میں سے ایک شخص قبیلہ بنی فتیان کے ایک گروہ کو ساتھ لے کر حضرت مسلم کی مدد کرنا چاہتا تھا؛ لیکن کثیر بن شہاب اور محمد بن اشعث کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے اور ابن زیاد کے حکم سے انہیں قیدی بنالیا گیا۔[4] یہ اقدام قبیلہ بنی فتیان کے لوگوں کے لیے حضرت مسلم سے جدا ہونے کا سبب بنا اور حضرت مسلم کے حامیوں پر گہرا اثر پڑا، جس سے ان کے حوصلے پست ہوگئے۔

۴۔ کثیر بن شہاب اور امان کا پرچم بلند کرنے پر مامور دیگر پانچ افراد نے حضرت مسلم کے خلاف اور ابن زیاد کے حق میں تقریریں کیں۔ ان میں سے تین افراد کثیر بن شہاب، محمد بن اشعث اور قعقاع بن شور، بہت سے لوگوں کو لے کر رومیوں کے محلے کی طرف سے قصر واپس آئے[5] اور ابن زیاد کی طاقت میں اضافہ کیا جو کہ فوج کم ہونے کی وجہ سے پریشان تھا۔

---

[1] ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۵۲۔

[2] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۵۲۔

[3] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۵۳، ۵۲۔

[4] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۷۰، ۳۶۹۔

[5] سابقہ حوالہ؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۵۳۔

۵۔اس کے علاوہ ابن زیاد نے کوفہ کے اشراف کو قصر میں بلایا اور انہیں کہا: لوگوں کے درمیان جاؤ اور فرمانبردار لوگوں کو تنخواہ میں اضافہ اور ان کے احترام کی رعایت کی خوشخبری اور نافرمان لوگوں کو تنخواہ سے محرومی اور سزا کی دھمکی دو، اور انہیں بتاؤ کہ شام کا لشکر تمہیں نابود کرنے کے لیے آرہا ہے۔ اس حکم کے بعد کثیر بن شہاب نے حضرت مسلم کے خلاف دھمکی پر مبنی تقریر کی[1]۔ کثیر بن شہاب کے دوسرے ساتھیوں نے بھی اسی طرح کی تقریریں کیں۔ جب کوفیوں نے اشراف کی تقریریں سنیں تو حضرت مسلم کو چھوڑ کر گھروں کو واپس چلے گئے۔ [2]

اشراف کی مدد سے ابن زیاد کی طرف سے کیے جانے والے اقدامات نے فوراً اثر دکھایا اور ابن زیاد کے حق میں حالات بہتر ہونے لگے، یہاں تک کہ عورتیں اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے پاس جاکر کہتی تھیں: واپس آجاؤ، دوسرے لوگ تیری جگہ لڑرہے ہیں؛ اور مرد اپنے بیٹوں یا بھائیوں کے پاس جاکر کہتے تھے: شامی فوج کل پہنچ جائے گی، اگر جنگ ہوگئی تو اس وقت کیا کروگے؟ واپس آجاؤ۔ اس طرح انہیں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ لوگ مسلسل جدا ہورہے تھے کہ رات ہوگئی اور جب حضرت مسلم نے کوفہ کی جامع مسجد میں نماز مغرب ادا کی تو صرف تیس لوگ ان کے ساتھ تھے اور جب مسجد سے باہر نکلے اور قبیلہ کندہ کے گھروں کے پاس پہنچے تو دس لوگ باقی بچ گئے تھے اور جب اس محلے کو عبور کیا تو آپ کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا! حضرت مسلم کوفہ کی گلیوں میں اکیلے اور سرگردان تھے۔ بالآخر طوعہ نامی ایک خاتون کے گھر میں جاکر پناہ لی۔۔۔ [3]

---

[1]۔ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص ۱۰۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۷۱، ۳۷۰۔

[2]۔ ابوالفرج اصفہانی، سابقہ حوالہ؛ طبری، سابقہ حوالہ؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۵۴۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۷۱؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۵۴۔

دو تاریخی شبہات کا جواب

یہاں پر دو شبہات کی وجہ سے ابتدائی نگاہ میں حضرت مسلم کی فہم و فراست پر اعتراض ہوتا ہے؛ لیکن اگر اس واقعہ کے تاریک زاویوں کو غور سے دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت مسلم اور آپ کے ساتھیوں نے کہیں غفلت نہیں برتی۔

پہلا شبہ یہ ہے کہ جب حضرت مسلم کی فوج نے قصر کا محاصرہ کیا تو رومیوں کے محلے (جو کہ دار الرومیین کے نام سے مشہور تھا) والے دروازے کو کنٹرول اور قصر میں آنے جانے کا سد باب کیوں نہ کیا تاکہ ابن زیاد، اشراف کے ساتھ رابطہ قائم نہ کر سکتا اور نہ ہی حضرت مسلم کے قیام کو ناکام بنانے کے لیے مذکورہ بالا اقدامات انجام دے سکتا؟

اگر دو باتوں کی طرف توجہ کی جائے تو اس شبہ کا جواب واضح ہو جاتا ہے:

الف) جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت مسلم کی ذمہ داری صرف کوفہ کے حالات کی تحقیق کر کے امام حسین علیہ السلام کو خبر دینا تھی۔ اسی لیے حضرت مسلم ہر روز امام حسین علیہ السلام کے کوفہ پہنچنے کا انتظار کر رہے تھے تاکہ تمام کام آپ علیہ السلام کی نگرانی میں انجام دیئے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسلم نے کوفہ کے بیت المال کو اپنے قبضہ میں نہیں لیا تھا، بلکہ یہ کام امام علیہ السلام کی آمد پر موقوف کر دیا۔ لہٰذا حضرت مسلم کا قیام اچانک اور حقیقت میں ابن زیاد کے اقدامات کو روکنے کے لیے تھا۔ حضرت مسلم کے پاس جنگ کی تیاری اور فوجی انتظامات کی فرصت نہیں تھی، اسی لیے ان کی فوج میں مطلوبہ نظم و ضبط کی کمی تھی۔ قصر کا محاصرہ بھی پیشین گوئی اور آمادگی کے بغیر تھا اور یہ شب خون کی روک تھام کے لیے پیش آیا[1]۔

ب) دار الرومیین ایک مخفی دروازہ تھا جو ذمی کافروں کے محلہ میں کھلتا تھا۔ ابن زیاد نے اپنے منصوبے کے تحت فریب دیتے ہوئے یہ دروازہ استعمال کیا۔[2] شاید حضرت مسلم اس دروازہ سے واقف نہ تھے یا اگر واقف تھے تو اس کے ذمی کفار کی طرف کھلنے کی وجہ سے استعمال کرنا ممکن نہ تھا، کیونکہ اگر حضرت مسلم

---

[1]۔ اس بارے میں رجوع کریں: نعمت اللہ صالحہ نجف آبادی، شہید جاوید، ص۷۸،۷۷۔

[2]۔ یوسف غروی، وقعۃ الطف، ص ۱۲۳، حاشیہ ؟؟؟؟

اس دروازے سے آگاہ ہوتے اور اسے استعمال کرنا بھی ممکن ہوتا تو وہ یقیناً اس پر کنٹرول کرنے کے لیے اقدام کرتے۔

دوسرا شبہ: جب حضرت مسلم کو اپنے ساتھی چھوڑ کر چلے گئے اور آپ کوفہ کی گلیوں میں تنہا اور پریشان پھر رہے تھے، تو اس وقت حبیب بن مظاہر، مسلم بن عوسجہ اور ابو ثمامہ صیداوی جیسے افراد کہاں تھے؟ خصوصاً آخری دو شخص تو حضرت مسلم کی فوج کے سپہ سالار تھے۔[1] یہ افراد جو کوفہ کے شیعوں کے سردار اور ایک حقیقی مسلمان میں پائی جانے والی انسانی اور اخلاقی صفات (مثلاً ایمان و شجاعت و جوانمردی وایثار وفداکاری) کے حامل تھے (اور چند روز بعد امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ شہادت پاکر ثابت بھی کردیا)، انہوں نے حضرت مسلم کو تنہا کیوں چھوڑ دیا اور اپنے گھروں میں پناہ لے کر کیوں بیٹھے رہے ؟ آخر کوفہ میں کیسے حالات پیدا ہوگئے تھے اور ابن زیاد اور اس کے ہم فکر لوگوں نے کون سے اقدامات اٹھائے تھے کہ حضرت مسلم کا ان لوگوں سے رابطہ ختم ہوگیا اور وہ حضرت مسلم کو کسی پُرامن جگہ پر منتقل نہ کرسکے؟

اگر حضرت مسلم کا ان سے یا قیام کے دیگر سرکردہ افراد سے رابطہ ختم نہ ہوتا تو شاید آپ ہنگامی صورت حال میں مخفی ملاقات کرکے موجودہ حالات کی تحقیق کرتے اور ممکن ہوتا تو کوفہ کے سرداروں کے ساتھ رابطہ کرکے انہیں دوبارہ حضرت مسلم کی مدد کرنے کی دعوت دیتے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہوتا تو کم از کم بہادروں اور شاہسواروں کا ایک گروہ تیار کرلیتے اور حضرت مسلم کے ساتھ کوفہ چھوڑ کر امام حسین علیہ السلام (جو اس وقت کوفہ کے راستہ میں تھے) تک جا پہنچتے اور آپ علیہ السلام کو تازہ ترین حالات سے آگاہ کرتے، تاکہ آپ علیہ السلام موجودہ حالات کے مطابق فیصلہ کرتے۔[2]

جواب: لوگوں کی صلاحیت کو صحیح اور حقیقت کے مطابق پہچاننے کے لیے ان کی مجموعی زندگی اور عمل کو دیکھنا ہوگا۔ حبیب بن مظاہر، مسلم بن عوسجہ ، ابو ثمامہ صیداوی ایسی شخصیات ہی جنہوں

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۹۔

۲۔ رجوع کریں: نعمت اللہ صالحہ نجف آبادی، شہید جاوید، ص۸۰،۷۹۔

نے تحریکِ عاشورہ میں کامیاب امتحان دیا۔ انہوں نے ہر ممکن طریقے سے خود کو کربلا پہنچایا اور آگاہانہ انداز سے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہادت کا راستہ اختیار کیا۔ لہٰذا حضرت مسلم کی تنہائی اور گرفتاری کے وقت ان کے عمل کو اتنا جلد سستی اور کوتاہی پر حمل نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت کوفہ کے بحرانی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک تجزیہ نگار کے ذہن میں متعدد احتمالات پیدا ہوتے ہیں؛ مثلاً: شاید وہ حضرت مسلم کی تنہائی والی رات مسجد کوفہ یا کوفہ شہر میں ہی نہیں تھے یا لوگوں کی بے وفائی دیکھ کر حضرت مسلم کے حکم کے مطابق امام کے ساتھ ملحق ہونے اور کوفہ کی خبر پہنچانے کے لیے کوفہ سے نکل گئے تھے؛ کیونکہ موجودہ حالات کے پیش نظر مخلص حامیوں کو محفوظ رکھنا اور ان کو زندان اور قتل سے بچانا ہی عقل کا تقاضا تھا۔

دسویں فصل

کوفہ کے سیاسی اور مذہبی حالات

(امیر المؤمنین علیہ السلام کی شہادت سے یزید کی خلافت تک)

اگر واقعہ عاشور کا تجزیہ و تحلیل کیا جائے تو ہمیشہ یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے دورِ حکومت میں کوفیوں کی سستی اور امام حسن علیہ السلام کے مختصر دورِ حکومت میں کوفیوں کی خیانت کے باوجود ان کی دعوت، امام حسین علیہ السلام کو کوفہ لے آئی؟ جبکہ حضرت عبد اللہ بن عباس جیسی زمانے کی بزرگ سیاسی شخصیت نے[1] امام حسین علیہ السلام کو کوفیوں کے گذشتہ دھوکے، فریب اور بے وفائی یاد دلاتے رہے اور آپ علیہ السلام کو ان پر اعتماد کرنے سے منع کرتے رہے ؟

اس کے بعد یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہی دعوت دینے والے ہی نہ تھے جو عمر بن سعد کے لشکر میں شامل ہو کر امام علیہ السلام کے خون میں شریک ہوئے ؟ تو کیا یہ کہنا صحیح نہیں ہو گا کہ امام حسین علیہ السلام کو شامی فوج یا ابن زیاد کی طاقت نے نہیں، بلکہ آپ علیہ السلام کے شیعوں نے قتل کیا؟

ان سوالات کا صحیح جواب تب دیا جا سکتا ہے جب اس زمانے میں کوفی معاشرے کی کیفیت کا تجزیہ و تحلیل کیا جائے اور اسی طرح اہل کوفہ کی جانب سے کثیر تعداد میں امام حسین علیہ السلام کو خط لکھ کر دعوت دینے کے علل و اسباب کی تحقیق کی جائے۔

یہی تجزیہ و تحلیل بتائے گا کہ کوفیوں نے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شامل ہونے سے کیوں منہ پھیرا اور عمر بن سعد کی فوج میں کیوں شامل ہوئے ؟

---

[1] ۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص۱۰۹؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۶۱، ۳۶۰؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۳۔

بہتر یہ ہے کہ مختلف پہلوؤں کو روشن کرنے کے لیے سوالات کی شکل میں گفتگو کی جائے اور پھر جوابات دیئے جائیں۔ اگرچہ ممکن ہے کہ بعض سوالات کا تعلق اس بحث سے نہ ہو؛ لیکن اس کے باوجود یہ سوالات مسئلے کو سمجھنے میں ہماری مدد کرسکتے ہیں۔

۱۔ کوفیوں نے امام حسین علیہ السلام کو کس وقت خط لکھنا شروع کیے؟

تاریخی کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اہل کوفہ، امام حسن علیہ السلام کی معاویہ کے ساتھ صلح پر خوش نہ تھے اور معاویہ کے ساتھ جنگ کرنے کا موقع تلاش کر رہے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے معاویہ کے خلاف کوفہ میں قیام کیا جو خوارج کی شکل میں سامنے آئے؛ جبکہ شیعوں نے امام حسن علیہ السلام کی زندگی میں کوئی ایسا اقدام نہیں کیا۔

امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد کچھ شیعوں نے یہ سمجھا کہ حالات تبدیل ہو گئے ہیں، لہٰذا وہ جمع ہوئے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ امام حسین علیہ السلام کو خط لکھ کر معاویہ کے خلاف قیام کرنے کے لیے کوفہ آنے کی دعوت دیں اور آخری دم تک ان کا ساتھ دینے کا اعلان کریں۔

سب سے پہلا خط کوفہ کی نامور شخصیت جعدہ بن ہبیرہ[1] (امام حسین علیہ السلام کے پھوپھی زاد) نے لکھا۔ وہ خط یوں تھا:

> **یہاں پر آپ کے شیعوں کی ایک تعداد آپ کی طرف بے پناہ رغبت رکھتی ہے اور کسی کو آپ کے ساتھ قابل مقایسہ نہیں سمجھتی۔ یہ پہلے آپ کے بھائی حسن علیہ السلام کے جنگ سے دور رہنے کی وجہ جان چکے ہیں اور آپ کے دوستوں کے ساتھ مہربان اور دشمنوں کے ساتھ راہ خدا میں شدت سے پیش آنے کو**

---

[1]۔ جعدہ بن ہبیرہ دلیر، فقیہ، دانشمند اور زبردست خطیب تھا (ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۱۰، ص ۷۷؛ تستری، قاموس الرجال، ج ۲ ص ۵۹۳)۔ وہ قریش کے درمیان ممتاز اور اعلیٰ شخصیت کا مالک تھا حتی کہ امیر المومنین علیہ السلام کے نزدیک محبوب ترین شخص تھا (نصر بن مزاحم منقری، وقعۃ صفین، ص ۴۶۳) جعدہ کا باپ ہبیرہ بن ابی وہب قبیلہ بنی مخزوم اور اس کی ماں ام ہانی، امیر المومنین علیہ السلام کی ہمشیرہ تھیں۔ (ابن عبد البر قرطبی، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج ۱، ص ۳۱۱؛ ابن اثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج ۱، ص ۳۴۰)۔

بھی جانتے ہیں۔ اگر آپ یہ امر (حکومت) اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں تو ہمارے پاس آجائیں، ہم نے خود کو آپ کی راہ میں مرنے کے لیے آمادہ کیا ہے[۱]۔

امام علیہ السلام نے جواب میں لکھا:

میں ان حالات میں اس بات (یعنی حکومت) پر اعتقاد نہیں رکھتا۔ آپ پر اللہ کی رحمت ہو، جب تک معاویہ زندہ ہے کوئی حرکت نہ کرنا، گھروں میں چھپے رہنا اور حکومت کی بدگمانی سے بچنا۔ اگر اس (معاویہ) کے لیے کوئی حادثہ پیش آگیا (یعنی وہ دنیا سے چلا گیا) اور میں بھی زندہ رہا تو اس وقت تمہیں اپنی رائے لکھوں گا۔[۲]

اس جواب اور امام علیہ السلام کے ساتھ کوفیوں کے ایک گروہ کی ملاقات کے بعد (جس کا تذکرہ مروان کی طرف سے معاویہ کے نام لکھے گئے خط میں ہوا ہے)[۳] کوفی ناامید ہوگئے کہ امام علیہ السلام ان حالات میں کوئی اقدام نہیں کریں گے اور اس کے بعد انہوں امام علیہ السلام کو خط نہیں لکھا اور نہ ہی دعوت دی۔

لیکن پھر معاویہ کے دور میں ایک واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے کوفیوں نے سمجھا کہ حالات بدل چکے ہیں؛ لہٰذا انہوں نے دوبارہ خط لکھنا شروع کر دیئے۔ وہ واقعہ یزید کی ولیعہدی کا اعلان اور اس کی بیعت لینے کے لیے لوگوں پر دباؤ تھا۔[۴] معاویہ کا یہ اقدام امام حسن علیہ السلام کے صلح نامہ کے سراسر مخالف تھا، جس کے مطابق معاویہ کو اپنا جانشین انتخاب کرنے کا حق نہیں تھا۔[۵] کوفیوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ امام حسین علیہ السلام

---

[۱]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۲۸۔ بلاذری نے اس خط کی نسبت جعدہ کے فرزندوں کی طرف دی ہے (بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۶۶)۔

[۲]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۲۸؛ اور اسی مضمون کے ساتھ: بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۶۶۔

[۳]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۳۲،۳۳۱؛ بلاذری نے بھی اس خط کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن اس کا متن ذکر نہیں کیا (انساب الاشراف، ج۳، ص۳۶۷)۔

[۴]۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۰۹،۵۰۸۔

[۵]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۲۸۷؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۱۶، ص۲۲؛ ابن صباغ مالکی، الفصول المہمۃ فی معرفۃ الائمۃ، ج۲ ص۷۲۹؛ راضی آل یٰسین، صلح الحسن علیہ السلام، ص۲۶۰،۲۵۹۔

نے بیعت کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا اور آپ سے معاویہ کے خلاف قیام کا تقاضا کیا؛ لیکن امام حسین علیہ السلام نے ان کی درخواست قبول نہ فرمائی۔[1]

صلح امام حسن علیہ السلام، معاویہ کی قدرت، شخصیت اور معاشرے میں معاویہ کی حکومت کی مقبولیت جیسے مسائل، ان دعوت ناموں سے انکار کی وجہ تھے اور اسی طرح ممکن ہے کہ ایک سبب کوفی شیعوں کی روگردانی بھی ہو؛ کیونکہ اس وقت لکھے جانے والے خطوط سنہ ۶۰ ہجری کی طرح زیادہ تعداد میں نہ تھے؛ اسی طرح ان خطوط کا مقصد واضح نہ ہونا بھی انکار کا ایک سبب ہو سکتا ہے۔

۱۵ رجب ۶۰ ہجری کو معاویہ کی موت کے بعد امام حسین علیہ السلام نے مدینہ میں یزید کی بیعت سے انکار کی اور مکہ آئے۔ مکہ آنے کے بعد کوفیوں نے امام حسین علیہ السلام کی توجہ اس بات کی طرف جلب کرنے کی وسیع کوشش کی کہ آپ کوفہ جائیں اور یزید کے خلاف قیام کی سربراہی قبول کریں۔ مؤرخین کے مطابق سنہ ۶۰ ہجری ماہ رمضان المبارک میں سب سے پہلے جو خطوط امام کی خدمت میں پیش ہوئے، ان سب میں کوفیوں نے رہبر کے نہ ہونے اور نعمان بن بشیر کی حکومت کے کمزور ہونے پر تاکید کرتے ہوئے امام علیہ السلام سے کوفہ آنے کی درخواست کی۔[2]

منقولہ روایت کے مطابق صرف دو دن بعد خطوط کی تعداد ۱۵۰ تک پہنچ گئی اور امام علیہ السلام کو ملنے والے ہر خط میں ایک سے چار تک دستخط موجود تھے۔[3]

کوفہ کے سفر میں یہ خطوط امام حسین علیہ السلام کے پاس موجود تھے[4] اور جیسا کہ گزر چکا ہے کہ ان خطوط کے بعد امام علیہ السلام نے حضرت مسلم بن عقیل کو اپنا نمائندہ بنا کر کوفہ بھیجا اور ان کی دعوت قبول کرنے کو

---

[1]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۶۲؛ ابن عساکر، ترجمۃ الامام الحسین علیہ السلام من تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۱۹۷؛ ابن کثیر دمشقی، البدایۃ والنہایۃ، ج ۸، ص ۱۷۴۔

[2]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۳۷۰، ۳۶۹؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۵۲۔

[3]۔ شیخ مفید، الارشاد ج ۲، ص ۳۷-۳۸؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۲۹؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ۵۳۴۔

[4]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۳۷۷؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۰۲؛ ابو علی مسکویہ، تجارب الامم وتعاقب الھمم، ج ۲، ص ۵۹۔

اس کے ساتھ مشروط کیا کہ امام حسینؑ کی حمایت میں کوفیوں کے اکٹھا ہونے کے بارے میں خطوط کے متن کی تائید، حضرت مسلم کریں گے۔[1]

۲۔ خط لکھنے والے کون تھے؟

اس سوال کا جواب دینے سے پہلے اس وقت کے کوفی مسلمانوں کے سیاسی اور اعتقادی رجحانات سے آشنائی ضروری ہے۔

شیخ مفیدؒ نے معاشرہ شناسی کی اجمالی تحلیل کرتے ہوئے سنہ ۴۱ ہجری میں امام حسنؑ کی فوج میں شامل ہونے والے کوفیوں کی یوں تقسیم بندی کی ہے: ۱۔ شیعیان ۲۔ خوارج جو کہ معاویہ کا مقابلہ کرنے کے درپے تھے ۳۔ فتنہ گر اور مال غنیمت کے طالب ۴۔ شک کرنے والے ۵۔ قبائلی تعصب رکھنے والے، جن کو دین کے حکم سے کوئی سروکار نہ تھا، بلکہ وہ صرف قبائل کے سرداروں کے حکم کے تابع تھے۔[2]

بعض ہم عصر دانشمندوں نے کوفہ کے سماجی حالات کے مد نظر دو اور گروہ بھی بیان کیے ہیں:

الف) بنی امیہ کے طرفدار؛ ب) موالی (الحمراء)[3]۔

ہم اس تقسیم بندی کی بنیاد پر سنہ ۴۱ ہجری امام حسنؑ کی صلح سے لے کر ۶۰ ہجری میں کوفیوں کی خطوط نویسی تک، کوفہ میں واقع ہونے والی تبدیلیوں کی تحقیق کرتے ہیں:

بنی امیہ کے طرفدار

معاویہ کے بیس سالہ (۴۰-۶۰ ہجری) دور حکومت میں اپنے طرفداروں کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے یہ گروہ کوفہ میں بہت طاقتور بن چکا تھا اور شاید کہا جا سکتا ہے کہ اس دور میں یہ سب سے زیادہ طاقتور گروہ تھا، جس میں بعض سر کردہ افراد، اشراف اور قبائل کے سردار شامل تھے۔ لہٰذا کوفہ کے بہت سے لوگ ان کی وجہ سے اس گروہ کی طرف رغبت رکھتے تھے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ امام علیؑ کے کوفہ آنے سے

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۳؛ شیخ مفید، ج۲، ص۳۹۔

[2]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۔

[3]۔ راضی آل یٰسین، صلح الحسنؑ، ص۶۸-۷۳۔ خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔

پہلے وہاں شیعہ طرزِ تفکر موجود تھا اور آپؑ کے آنے کے بعد اور آپ کی خلافت کے دوران یہ فکر زیادہ مضبوط ہوئی، یہاں تک کہ کوفہ شیعوں کا سب سے پہلا مرکز شمار ہونے لگا؛ لیکن یہ بات قابل توجہ ہے کہ معاویہ کی بیس سالہ حکومت، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن ابیہ کی سختی کی وجہ سے شیعہ فکر کمزور پڑ گئی اور حکومتی حوصلہ افزائی کی وجہ سے اموی فکر کو تقویت ملی۔

اس زمانے میں اس گروہ کے سپہ سالاروں میں عبداللہ بن مسلم، عمارۃ بن عقبہ اور عمر بن سعد بن ابی وقاص (جس کا باپ جنگ قادسیہ میں اسلام کی فوج کا سپہ سالار تھا) جیسے لوگوں کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل کی روز بروز بڑھتی ہوئی طاقت سے خطرہ محسوس کیا اور ان کے مقابلہ میں کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کی کمزوری اور سستی پر اعتراض کیا۔ جب یہ لوگ ناامید ہو گئے تو خود میدان میں آئے اور یزید کو خط لکھے۔ ان خطوط میں نعمان کی کمزور پالیسی اور حضرت مسلم کے بڑھتے ہوئے نفوذ اور قدرت کا ذکر کیا اور یزید سے مطالبہ کیا کہ شیعوں کے مقابلے میں ایک ایسا شخص بھیجے جو خود اس کی طرح ان کا مقابلہ کر سکے۔[1]

قابل توجہ بات یہ ہے کہ جب کوفیوں کی امام حسینؑ کے ساتھ خط و کتابت زیادہ ہوئی تو خط لکھنے والوں میں، اس گروہ کے شبث بن ربعی، حجار بن ابجر عجلی، یزید بن حارث، عزرۃ بن قیس (کربلا میں عمر سعد کی سوار فوج کا سپہ سالار تھا)، عمر بن حجاج زبیدی اور محمد بن عمیر تمیمی جیسے لوگوں کے نام بھی شامل ہیں جنہوں نے سب سے زیادہ مؤثر اور جذباتی خط لکھے۔ انہوں نے لکھا کہ باغ سر سبز ہو گئے ہیں، درختوں نے پھل دینا شروع کر دیا ہے، پانی کے چشمے پھوٹ پڑے ہیں۔ انہوں نے امام حسینؑ سے کہا کہ کوفہ تشریف لائیں اور تیار فوج کی رہبری کریں۔[2]

طبری نے لکھا ہے: جب امام حسینؑ سرزمین کربلا پر رکے اور کوفی لشکر نے عمر بن سعد کی سربراہی میں صف بندی شروع کی تو شروع میں صلح کا ارادہ لے کر آنے والے عمر بن سعد نے عزرۃ بن قیس سے کہا

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۵۶۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۵۶؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۳۸۔

کہ امام حسین علیہ السلام کے پاس جاؤ اور ان سے یہاں آنے کا مقصد پوچھو؛ لیکن چونکہ عزرۃ خود بھی امام حسین علیہ السلام کو خط لکھنے اور دعوت دینے والوں میں شامل تھا اور اچھی طرح امام کا مقصد جانتا تھا اس لیے شرمندہ ہوا اور ذمہ داری قبول کرنے سے معذرت کر لی۔ پھر عمر بن سعد نے اپنی فوج کے دوسرے سرداروں سے درخواست کی، لیکن انہوں نے بھی اسی وجہ سے یہ ذمہ داری قبول نہ کی۔[1]

روزِ عاشورہ جب امام حسین علیہ السلام نے اِتمامِ حجت کے لیے کوفہ کی فوج کے ساتھ گفتگو کی تو ان میں سے چند افراد مثلاً شبث بن ربعی، حجار بن ابجر، یزید بن حارث اور قیس بن اشعث کا نام لیا اور ان خطوط کی طرف اشارہ کیا اور اپنے مقابلے میں ان کی صف بندی کی وجہ پوچھی؛ لیکن انہوں نے خطوط کا انکار کر دیا۔[2]

خوارج

خوارج، جنگ نہروان کے بعد ناکامی کی طرف چلے گئے تھے۔ معاویہ کے دور میں خصوصاً اس کی غیر اسلامی اور عراق مخالف سیاست کی وجہ سے کوفہ میں قدرتمند ہو گئے اور اس کے خلاف قیام کرنے کی طاقت حاصل کر لی؛ چنانچہ انہوں نے ۴۳ اور ۵۸ ہجری میں مستورد بن علفہ اور حیان بن ظبیان کی رہبری میں مغیرۃ بن شعبہ اور زیاد بن ابیہ کے دور حکومت میں قیام کیا لیکن شکست کھائی۔

انہوں نے زیاد بن ابیہ اور اس کے بیٹے عبید اللہ بن زیاد کے دور میں ان کی شدت پسندانہ اور ظالمانہ سیاست کی وجہ سے بہت نقصان اٹھایا اور بری طرح ناکام ہوئے۔[3]

اگر اس گروہ کے طرز تفکر، اموی حکومت کے مقابلہ میں ان کے رویے اور رہبری کے مسئلہ میں ان کے واضح موقف، جس میں اہل بیت علیہم السلام کی کوئی خاص شان و منزلت نہیں تھی؛ اور اسی طرح ان کی پوری زندگی میں عدم اعتدال کو مد نظر رکھا جائے، تو یہ احتمال نہیں دیا جا سکتا کہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو خط

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۸۴-۸۵۔

[2] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۲۵؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۹۸۔

[3] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۱۳، ۳۱۲؛ شوقی ضیف، تاریخ الادب العربی المصر الاسلامی، ج۲، ص۱۸۶؛ و نیز رجوع کریں: ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۹۹۔

لکھے ہوں اور اسی طرح عبید اللہ بن زیاد کی فوج میں بھی ان کا موجود ہونا ناممکن دکھائی دیتا ہے، جیسا کہ تاریخ نے بھی ان دو مقامات پر ان کا نام نہیں لیا۔

موقع پرست لوگ

اگرچہ کوفہ میں ایسے لوگوں کی تعداد کم نہیں تھی جو سیاسی مسائل کی رہبری میں کوئی خاطر خواہ کردار ادا نہیں کر سکتے تھے؛ لیکن ہمیشہ سیاسی معاملات میں قوتوں کا توازن برقرار نہیں رہنے دیتے تھے۔

یہ لوگ ہمیشہ حالات کے مطابق، جس گروہ میں اپنے مفادات دیکھتے تھے اسی میں شامل ہو جاتے تھے اور اپنے مفادات کی بناپر دوسرے گروہوں کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے۔

یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے حضرت مسلم بن عقیل کا سیاسی پلڑا بھاری دیکھا تو جوق در جوق ان کے ساتھ ملنے لگے؛ لیکن جب حالات بدل گئے تو ان سے جدا ہو گئے۔

موالی (الحمراء)

غیر عرب لوگوں کو موالی کہا جاتا تھا، جن کی اکثریت ایرانی تھی۔ ان میں تقریباً بیس ہزار ایرانی[۱] ایسے تھے جو جنگ قادسیہ سے پہلے اسلام کی فوج میں شامل ہوئے اور کوفہ میں ساکن تھے، پھر بعد میں دوسرے ایرانی بھی انہی کے ساتھ مل گئے۔

ان لوگوں کی اسلام کے ساتھ زیادہ آشنائی نہیں تھی۔ یہ لوگ مختلف سیاسی مسائل میں اپنے ذاتی مفاد ات کو زیادہ ترجیح دیتے تھے۔ کوفہ میں ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ کوفہ ان کے نام پر "کوفۃ کہلانے لگا۔ موالیوں نے اسلام قبول کرنے اور مسلمانوں کے معاشرے کے ساتھ ملنے اور کوفہ میں سکونت اختیار کرنے کے آغاز میں ہی، بنی تمیم جیسے قبائل کے ساتھ "پیمان ولاء" باندھ کر اپنا سماجی قلعہ مضبوط کیا۔[۳]

---

[۱]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۴۲۴۔

[۲]۔ راضی آل یٰسین، صلح الحسن علیہ السلام، ص ۲۷۔

[۳]۔ رجوع کریں: بلاذری، فتوح البلدان، ص ۲۷۹۔

ان کو توقع تھی کہ مسلمانوں کے درمیان مساوات اور اسلام کا رنگ، نسل اور زبان کو اہمیت نہ دینا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی حدیث مبارکہ: مولی القوم منهم [1] (ہر قوم کے موالی (غلام) اسی قوم کے افراد میں سے ہیں) کے تحت عرب کے مسلمان ان کو اپنی طرح سمجھیں گے اور اسلام نے مسلمانوں کے لیے جو حقوق معین فرمائے ہیں، وہ سب انہیں بھی ملیں گے، لیکن آلودہ سیاست، عرب حاکموں کے تعصب اور عرب قبائل کے تعصب کے باقی رہنے جیسے اسباب کی وجہ سے، موالی مساوی حقوق سے بہرہ مند نہیں تھے اور ان کے ساتھ دوسرے درجہ کے شہریوں والا سلوک کیا جاتا تھا۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ موالیوں کے ساتھ امتیازی سلوک کا آغاز دوسرے خلیفہ کے دور میں ہوا۔ دیوان حقوق اور مسلمانوں کا وظیفہ مقرر کرتے وقت مقدار کے تعین کے لیے مختلف معیار مقرر کیے گئے؛ مثلاً اسلام قبول کرنے میں سبقت، جنگ بدر جیسی ابتدائی جنگوں میں شرکت، مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت اور بالآخر قبیلوں کے شرف کو مد نظر رکھتے ہوئے وظائف مقرر کیے۔ مذکورہ شرائط رکھنے والوں کو دوسرے لوگوں سے زیادہ دیا جانے لگا [2] اور وظیفہ کی ادائیگی میں عرب کو عجم پر ترجیح دی جانے لگی۔ [3]

دوسرے خلیفہ عمر بن خطاب نے عجموں سے وراثت لینا منع کر دیا، سوائے یہ کہ کوئی عجمی، سرزمین عرب پر پیدا ہو۔ [4] وہ بالغ ہو جانے والے غیر عرب لڑکوں کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ [5]

حضرت علی علیہ السلام کے کوفہ آنے اور دارالخلافہ کے وہاں منتقل ہونے کے بعد، موالیوں کے دلوں میں امید کی کرن پیدا ہوئی اور انہوں نے آپ علیہ السلام کو عربوں کے غیر عادلانہ سلوک کی شکایت کی۔ آپ علیہ السلام

---

[1]۔ احمد حنبل، مسند، ج۷، ص۱۸، ح۱۹۰۱۴؛ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ج۲، ص۳۲۹۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۳، ص۶۱۴؛ نیز رجوع کریں: بلاذری، فتوح البلدان، ص۴۴۱ اور اس کے بعد۔

[3]۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۸، ص۱۱۱۔

[4]۔ مالک بن انس، الموطا، ج۲، ص۵۲۰ و نیز رجوع کریں: سلیم بن قیس، کتاب سلیم بن قیس، ص۲۸۲۔

[5]۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۱۲، ص۱۸۵؛ جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص۱۴۹۔ مسعودی، لکھتا ہے دوسرے خلیفہ کسی عجم کو مدینہ میں جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ (مروج الذہب، ج۲، ص۳۲۹)۔

نے عرب سرداروں کی سرزنش کی اور موالیوں کے ساتھ عادلانہ رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا؛ لیکن عرب کے سرداروں کو یہ بات بری لگی۔ انہوں نے فریاد بلند کی: ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ اگرچہ امام علی علیہ السلام ان کے سلوک سے افسردہ ہو چکے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ نے عجموں کو تسلی دی۔[1]

دوسری طرف آپ علیہ السلام نے انہیں بیت المال سے عربوں کے برابر عطا فرمایا۔ اس پر بھی کوفہ کے عربوں نے شدید اعتراض کیا لیکن امام علیہ السلام اپنے فیصلے سے دست بردار نہیں ہوئے۔[2]

کہا جاسکتا ہے کہ عجموں پر سماجی لحاظ سے سب سے بڑا حملہ اموی دور حکومت میں ہوا، کیونکہ اموی حکومت بڑی شدت سے قبائلی تعصب کی پابند تھی اور اسی وجہ سے انہوں نے عجموں کو بہت سے حقوق سے محروم کر رکھا تھا؛ مثال کے طور پر بعض عرب مسلمانوں کا سالانہ وظیفہ لاکھوں درہم تک تھا؛ لیکن ایک عجم کا سالانہ وظیفہ پندرہ درہم مقرر ہوا، اور وہ بھی انہیں نہیں ملتا تھا۔[3]

معاویہ کو اپنے دور حکومت میں یہ معلوم تھا کہ طبقاتی نظامِ سیاست نے عجموں کو بھڑکا دیا ہے؛ لیکن دوسری طرف ہر روز اس کے ارد گرد ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اس وقت ان کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ معاویہ نے ان سب کو اجتماعی صورت میں قتل کرنے کا ارادہ کیا، لیکن اپنے مشیروں اور طرفداروں کے مشورے کی وجہ سے اس ارادے سے صرف نظر کیا۔[4]

لیکن کوفہ جو کہ اموی حکومت کے خلاف انقلاب اور بغاوت کا مرکز تھا، اس میں امن قائم رکھنے کے لیے کوفہ کے گورنر زیاد بن ابیہ کو حکم دیا کہ ان میں سے بہت سے لوگوں کو بصرہ اور شام بھیج دو[5]۔ کہا

---

[1]۔ شیخ حر عاملی، وسائل الشیعہ، ج۱۴، ص۴۶، ح۴۔

[2]۔ نہج البلاغہ، تحقیق صبحی صالحی، خطبہ ۱۲۶۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۶، ص۵۵۹؛ محمد حسین زبیدی، **الحیاۃ المعاشرتیۃ والاقتصادیۃ فی الکوفۃ فی القرن الاول الهجری**۔ ص۸۸۔

[4]۔ ابن عبد ربہ اندلسی، العقد الفرید، ج۳، ص۳۷۸۔

[5]۔ بلاذری، فتوح البلدان، ص۲۷۹۔

جا سکتا ہے کہ موالی (عجمی غلام) اموی دور حکومت میں اسلامی معاشرے میں رہتے ہوئے، اپنی زندگی کا بدترین دور گزار رہے تھے۔

ہم نے جو کچھ موالیوں کے بارے میں بیان کیا ہے، یہ امویوں کی طرف سے ان پر ظلم و ستم کی علامت ہے؛ اسی لیے ممکن تھا کہ یہ لوگ امام حسین علیہ السلام کی تحریک اور کوفہ میں اس تحریک کے وجود میں آنے یعنی حضرت مسلم کی حمایت کریں؛ لیکن اس کے باوجود قیامِ امام حسین علیہ السلام، خطوط نویسی، حضرت مسلم کی فوج اور اسی طرح عمر بن سعد کی فوج میں بھی ان کا کوئی کردار نظر نہیں آتا۔ شاید یہ غیر جانبدار سیاست کی وجہ سے ہو، کیونکہ وہ بنی امیہ کے ظلم و ستم کی وجہ سے ان کی فوج میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے اور دوسری طرف اموی حکومت کے خوف، ان کی بہانہ جوئی اور امام حسین علیہ السلام کی حقیقی معرفت نہ رکھنے کی وجہ سے آپ علیہ السلام کی حمایت کر کے خطرناک انجام قبول نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ شاید ان کی سماجی پستی کی وجہ سے مؤرخین نے انہیں نظر انداز کر دیا ہو، یعنی ممکن ہے کہ وہ خطوط پر دستخط کرنے والوں میں شامل ہوں یا بعض مقامات پر کردار ادا کر رہے ہوں، لیکن تاریخ میں ان کا ذکر نہیں ہوا۔

شیعہ

اس زمانے میں کوفہ کی زیادہ تر آبادی شیعوں (یعنی حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے خاندان کے ساتھ محبت رکھنے والوں) سے تشکیل پاتی تھی۔ فرزدق جیسے زمانے کے کوفہ شناس افراد کے جملات سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ اس نے امام حسین علیہ السلام سے عرض کیا تھا: قلوب الناس معك و اسیافھم علیك[1]؛ (لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں؛ لیکن ان کی تلواریں آپ کے خلاف ہیں)۔ اسی طرح مجمع بن عبد اللہ عائذی کے جملات سے استناد کیا جا سکتا ہے کہ جب امام علیہ السلام نے اس سے کوفہ کے حالات دریافت کیے تو اس نے لوگوں کو اشراف اور عوام دو گروہوں میں تقسیم کرتے ہوئے یوں اظہار نظر کیا: و اما سائر الناس بعد؛ فان افئدتھم تھوی الیك و سیوفھم غدا مشھورۃ علیك[2] (عام لوگوں کے دل آپ کی طرف مائل

[1]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲۔ ص ۶۷۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۰۵۔

ہیں؛ لیکن ان کی تلواریں کل آپ کے خلاف نیام سے نکلیں گی)۔ یہ ان چار لوگوں میں شامل ہے جو امام علیہ السلام کی لشکرِ حُر کے ساتھ ملاقات کے وقت آپ علیہ السلام سے ملے اور کربلا میں شہید ہوئے۔

نقل ہوا ہے کہ عاشورہ کے دن (عمر بن سعد کی فوج کے) کچھ لوگ ایک طرف کھڑے ہو کر امام حسین علیہ السلام کو شہید ہوتا دیکھ رہے تھے، آنسو بہا رہے تھے اور دعا کر رہے تھے: اے اللہ! حسین کی مدد کر[1]۔ شاید اس محبت کا سبب امام حسین علیہ السلام کا مقام و مرتبہ ہے، اس لحاظ سے کہ اس وقت صرف آپ علیہ السلام ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے نواسے تھے، آپ علیہ السلام اعلیٰ شخصیت کے مالک اور امام علی علیہ السلام کے فرزند تھے۔

لیکن واضح رہے کہ صرف دوستی کارآمد نہیں ہو سکتی، بلکہ ایسی محبت کارآمد ہوتی ہے جو راسخ اور دینی عقیدے اور اس عقیدے کے مکمل دفاع کے لیے آمادہ ہونے کے بعد حاصل ہو۔ ایسی محبت صرف چند کوفیوں میں پائی جاتی تھی اور صرف انہی لوگوں کو آپ علیہ السلام کا حقیقی شیعہ کہا جاسکتا ہے۔ ان شخصیات میں حبیب بن مظاہر، مسلم بن عوسجہ، ابو ثمامہ صیداوی، مجمع بن عبد اللہ عائذی اور بریر بن خضیر کا نام لیا جاسکتا ہے، جنہوں نے میدانِ کربلا میں اپنا مخلص شیعہ ہونا ثابت کیا ہے۔

اسی طرح سلیمان بن صرد خزاعی، مسیب بن نجبہ فزاری اور رفاعۃ بن شداد کو ان شیعوں سے شمار کیا جاسکتا ہے، جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھ کر دعوت دینے کی ذمہ داری اٹھائی تھی۔ تاریخی کتب میں یوں نقل ہوا ہے کہ جب شیعوں کا ایک گروہ سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر خط لکھنے کے بارے میں مشورہ کرنے کے لیے جمع ہوا تو سلیمان بن صرد خزاعی نے انہیں امام حسین علیہ السلام اور آپ کے والد گرامی کا شیعہ کہہ کر پکارا۔[2]

---

[1]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۲۴۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۵۲۔

۳۔ کوفیوں کی دعوت اور خط لکھنے کے اسباب

اگرچہ گزشتہ ابحاث میں خطوط نویسی کے اسباب ایک حد تک واضح ہو چکے ہیں، لیکن مزید وضاحت کے لیے، ہم ان اسباب کو گزشتہ مطالب کے مطابق بیان کرتے ہیں:

الف) خط لکھنے والوں کا ایک گروہ حبیب بن مظاہر اور مسلم بن عوسجہ جیسے حضرت علی علیہ السلام کے خاص شیعہ تھے، جو حکومت کو اہل بیت علیہم السلام کا حق سمجھتے تھے اور اس موقع کی تلاش میں تھے کہ اموی خاندان سے حکومت واپس لے کر اپنے شائستہ مقام (یعنی اہل بیت علیہم السلام) تک پہنچائی جائے۔ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کی شخصیت اور یزید کی بیعت سے آپ کے انکار کو اپنی یہ حسرت پوری کرنے کا بہترین موقع سمجھا۔

ب) کوفہ کے بہت سے لوگوں کو ابھی تک امام علی علیہ السلام کا عادلانہ دور حکومت یاد تھا اور امویوں کی بیس سالہ حکومت کے ظلم وجور کے ساتھ مقائسہ کرتے ہوئے امیر المومنین علیہ السلام کی حکومت کی قدر ومنزلت کو جانتے تھے۔ اسی لیے وہ معمولی فرصت کی تلاش میں تھے کہ کسی طرح حکومت واپس پلٹا کر امام حسین علیہ السلام کی رہبری میں حکومتِ علی کا مظہر تلاش کریں۔

ج) حضرت علی علیہ السلام کے دور حکومت میں کوفہ، اسلامی حکومت کا مرکز تھا اور عراق کے لوگ شامیوں کے ساتھ دیرینہ دشمنی کی وجہ سے اسلامی حکومت کی مرکزیت واپس پلٹانا چاہتے تھے۔

واضح ہے کہ یہ شہر سیاسی اہمیت اور معاشرتی اور اقتصادی فوائد کا حامل تھا، لیکن معاویہ کے اسلامی مملکت پر مسلط ہونے کے بعد کوفہ کی سیاسی اہمیت کم ہوگئی اور یہ ایک عام شہر کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ معاویہ کی موت کے بعد لوگوں کو وہ زمانہ یاد آگیا جب کوفہ دار الخلافہ تھا؛ چنانچہ انہوں نے اس شہر کی کھوئی ہوئی عظمت واپس لانے کی کوشش کی۔ ان کے خیال کے مطابق اگر امام حسین علیہ السلام کو یزید پر کامیابی حاصل ہو جائے تو ان کی وہ آرزو پوری ہو جائے گی جو معاویہ کے بیس سالہ دور حکومت میں بری طرح پستی رہی۔ اسی لیے انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھنے میں وسیع پیمانے پر شرکت کی۔

د) خطوط نویسی کے شروع میں کوفہ میں بہت زیادہ شور وغل پیدا ہو گیا اور بہت سے موقع پرست اس تحریک سے متاثر ہو کر اس میں شامل ہو گئے۔

ھ) شبث بن ربعی اور حجار بن ابجر جیسے قبائل کے بعض سردار اور بااثر افراد، جن کا اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ اچھا تعلق نہیں تھا بلکہ مخالف سمجھے جاتے تھے؛ وہ بھی خطوط نویسی کی تحریک میں شامل ہو گئے تاکہ قافلے سے پیچھے نہ رہ جائیں اور امام حسین علیہ السلام کو حاصل ہونے والی ممکنہ حکومت میں اپنا اثر و رسوخ اور سرداری باقی رکھ سکیں۔[1]

۴۔ خط لکھنے والے کوفیوں کی تعداد کتنی تھی؟

یہ سوال اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ غالباً یہ گمان کیا جاتا ہے کہ کوفہ کی اکثریت نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھے، لہٰذا ان کا اس تحریک سے روگردانی کرنا ایک تاریخی مشکل بن کر سامنے آیا۔ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ اس زمانے میں کوفہ میں رہنے والے لوگوں کی تعداد کے بارے میں کم از کم اجمالی آشنائی ہو:

دوسرے خلیفہ کے حکم سے ۱۷ ہجری کو سعد بن ابی وقاص نے مشرقی جنگی مرکز (یعنی ایران) میں اسلامی فتوحات کی ترقی کے لیے فوجی چھاؤنی کی غرض سے کوفہ کی بنیاد رکھی۔[2] جناب عمر نے حکم دیا کہ اس شہر کی مسجد اتنی وسیع ہو کہ تمام جنگجو اور مجاہدین اس میں سما سکیں۔ ان کے حکم سے جس مسجد کی تعمیر کی گئی اس میں چالیس ہزار افراد کی گنجائش تھی۔[3]

اگرچہ مذکورہ بالا روایت واضح طور پر یہ نہیں بتا رہی کہ مسجد کی تعمیر کے وقت مجاہدین اور فوجیوں کی تعداد چالیس ہزار تھی، لیکن اگر بالفرض یہ تعداد مان لی جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس وقت مجاہدین کے بیوی، بچوں سمیت، اس شہر کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی کیونکہ اگر ہر خاندان پانچ افراد پر مشتمل ہو تو اس

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۳۸۔

[2] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۔۴۱۔

[3] ۔ یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۴، ص۵۵۸۔

خاندان کے سرپرست سمیت دو یا تین افراد مجاہد ہوں اور ان کا شمار انہی چالیس ہزار میں ہو تو مجاہدین کے علاوہ باقی افراد جو بچوں، خواتین اور بوڑھوں پر مشتمل ہیں، ان کی مجموعی تعداد چالیس سے ساٹھ ہزار تک ہو گی؛ اور اگر اس میں چالیس ہزار مجاہدین بھی شامل کیے جائیں تو کل تعداد تقریبا ایک لاکھ بنتی ہے۔ یہ اعداد و شمار طبری کی روایت کے مطابق ہیں، جو انہوں نے ۲۲ ہجری کے واقعات میں عمر بن خطاب سے نقل کیے ہیں۔[1]

کوفہ، خوشگوار آب و ہوا، ایران کے قریب ہونے اور مفتوحہ زمینوں کے غنائم اور خراج کی بہترین آمدنی کی وجہ سے مختلف اقوام کی مہاجرت کا مرکز بن گیا۔ وسیع اسلامی سلطنت کے گوشے گوشے سے لوگ یہاں آنے لگے، یہاں تک کہ تھوڑے سے عرصے میں حیرہ، انبار اور مدائن جیسے بڑے پڑوسی شہر بھی متأثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ ان شہروں سے بھی لوگ جوق در جوق ہجرت کرنے لگے۔

۳۶ ہجری میں جب حضرت علی علیہ السلام نے کوفہ کو اسلامی حکومت کا دارالخلافہ بنایا تو وقت ہجرت عروج کو پہنچ گئی یہاں تک کہ جنگ صفین میں آپ علیہ السلام کے سپاہیوں کی تعداد ۹۰ ہزار افراد سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔[2] اگرچہ ان سپاہیوں کی کچھ تعداد کوفہ کے اطراف کے قبائل میں سے تھی لیکن یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تقریبا ستر ہزار آدمی کوفہ سے تھے۔ اس بنا پر کوفہ میں سکونت اختیار کرنے والے ہر خاندان کے اوسطاً تین افراد شمار کریں (یعنی مجاہدین میں سے) تو اس زمانے میں کوفہ کی کل آبادی دو لاکھ کے قریب تھی۔

۴۱ ہجری میں امام حسن علیہ السلام اور معاویہ کی صلح سے تھوڑا عرصہ بعد، امام علیہ السلام کے بعض اصحاب اس صلح پر اعتراض کرتے ہوئے کوفیوں کی ایک لاکھ فوج کا تذکرہ کرتے تھے۔[3] یہ اعداد و شمار اس اعداد و شمار

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۴، ص۱۶۵۔

[2]۔ مسعودی، مروج الذہب، ج۲، ص۳۸۴؛ شہاب الدین احمد نویری، نہایۃ الارب فی فنون الادب، ترجمۃ ڈاکٹر محمود مہدوی دامغانی، ج۵، ص۲۰۴۔ ان دو کتابوں میں علی علیہ السلام کی فوج کی تعداد ۹۰ ہزار لکھی گئی ہے۔

[3]۔ ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص۱۸۵۔

کے تقریباً برابر ہے جو تھوڑے عرصے بعد زیاد بن ابیہ نے معاویہ کے دھمکی آمیز خط کے جواب میں ذکر کی ہے۔ اس نے امام حسن علیہ السلام اور عبید اللہ بن عباس (امام حسن علیہ السلام کی طرف سے بھیجی جانے والی فوج کے سپہ سالار) کی فوج کی تعداد تقریباً ۹۰ ہزار ذکر کی ہے۔[۱]

۵۰ ہجری میں کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ کی موت کے بعد معاویہ نے بصرہ کی حکومت کے ساتھ ساتھ کوفہ کی امارت بھی زیاد بن ابیہ کو دے دی اور اس نے کوفہ میں حضرت علی علیہ السلام کے شیعوں کی اکثریت اور اموی حکومت کے خلاف انقلاب کے خوف سے، بہت سے لوگوں کو کوفہ سے شام، خراسان اور دوسرے علاقوں میں بھیج دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے کوفہ کے اُن شیعوں کو جو انقلاب کے سرکردہ افراد تھے اور دیہات نشین لوگوں کو جن کی تعداد ۵۰ ہزار تھی، خراسان بھیج دیا۔[۲] بلاذری نے بھی ایک روایت نقل کی ہے جس میں سنہ ۵۰ ہجری میں کوفہ میں ساٹھ ہزار مجاہدین اور ۸۰ ہزار خاندانوں کا تذکرہ ہوا ہے[۳]۔ جب زیاد بن ابیہ نے کوفہ کی مسجد کی توسیع کی تو تقریباً ساٹھ ہزار آدمی کی گنجائش کو مد نظر رکھا۔[۴]

۶۰ ہجری میں معاویہ کی موت کے بعد کچھ کوفیوں نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھ کر بتایا کہ ایک لاکھ کا لشکر آپ کی خدمت کے لیے تیار ہے۔[۵] گویا ان کی مراد یہ تھی کہ کوفہ میں موجود مجاہدین کی کل تعداد یہ تھی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امویوں کے ظلم و ستم کے باوجود، زیاد بن ابیہ کے زمانہ سے اب تک کوفہ کی آبادی میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔

اگرچہ حضرت مسلم کی بیعت کرنے والوں کی تعداد ۱۲ ہزار سے چالیس ہزار تک بتائی گئی ہے[۶] لیکن امام باقر علیہ السلام سے منقول ایک روایت میں یہ تعداد بیس ہزار ذکر ہوئی ہے؛[۱] اس حساب سے حضرت مسلم

---

[۱]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۱۷۰۔

[۲]۔ کارل بروکلمان، تاریخ الشعوب الاسلامیہ، عربی میں ترجمہ نبیہ امین فارسی نے کیا ہے اور فارسی میں منیر البعلبکی نے کیا ہے ص ۱۲۳۔

[۳]۔ بلاذری، فتوح البلدان، ۳۴۵۔

[۴]۔ یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۴، ص ۵۵۸۔

[۵]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۹۱۔

[۶]۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۲۶۔

کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے افراد، کل مجاہدین کا پانچواں حصہ تھے۔ یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ امام سجاد علیہ السلام اور امام صادق علیہ السلام کی دو روایتوں میں عمر بن سعد کے لشکر کی جو تعداد تیس ہزار بتائی گئی ہے، یہ ابن زیاد کی فوج مجموعی کی نسبت معقول نظر آتی ہے جو پھر بھی مجاہدینِ کوفہ کی تعداد کے نصف تک نہیں پہنچتی۔

یہاں پر یہ احتمال مزید پختہ ہو جاتا ہے کہ اس فوج کے بہت سے لوگوں نے خط نہیں لکھے اور نہ وہ حضرت مسلم کے حامی تھے، کیونکہ کچھ عرصہ بعد ۶۶ ہجری میں انہی کوفیوں نے مختار کے لیے ساٹھ ہزار افراد کی فوج تشکیل دی۔[2] اگر یہ بات مد نظر رکھی جائے کہ مختار کی فوج کے اکثر لوگ عمر بن سعد کی فوج میں شرکت کرنے والوں میں سے نہیں تھے، تو اس احتمال کو مزید تقویت ملتی ہے؛ خصوصاً توابین کی چار ہزار فوج کو بھی اسی گروہ ساتھ شامل کیا جا سکتا ہے۔

یہاں تک یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اگرچہ خط لکھنے والوں کی تعداد زیادہ تھی اور حضرت مسلم بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے تھے؛ لیکن یہ تعداد کوفہ کے مجاہدین اور افواج کی کل تعداد کے مقابلے میں بہت کم تھی اور اکثر کوفیوں نے نہ خط لکھے اور نہ ہی حضرت مسلم کی تحریک میں شریک ہوئے۔

اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام، کوفہ اور اہل کوفہ کے حالات جاننے کے باوجود ایک ایسے گروہ کی دعوت پر کیوں اور کیسے کوفہ روانہ ہوئے، جس گروہ کی تعداد کوفہ کی کل آبادی کے نصف سے بھی کم تھی؟

جواب: بیعت کرنے والوں کا کوفہ کی کل آبادی کے ساتھ مقائسہ نہیں کرنا چاہیے اور نہ یہ نتیجہ لینا چاہیے کہ چونکہ بیعت کرنے والوں کی تعداد کوفہ کی کل آبادی سے کم تھی، لہٰذا امام حسین علیہ السلام کو کوفہ کے لوگوں پر اعتماد اور کوفہ کو اپنے قیام کا مرکز نہیں بنانا چاہیے تھا؛ کیونکہ مناسب تعداد میں مخلص اور

---

[1] ۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۱۱، ص۴۳۔

[2] ۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۴۴۴۔

وفادار فوج کا ہونا ضروری تھا جو شیعوں کو قیام کے لیے آمادہ کر سکے اور دشمن کے مقابلہ میں جسمانی اور معنوی آمادگی رکھتی ہو، اگرچہ دشمن کی فوج دو گنا یا کئی گنا ہو۔

اگرچہ کوفہ کی کل آبادی بیعت کرنے والوں سے کئی گنا زیادہ تھی، لیکن بیعت کرنے والوں کی تعداد اتنی تھی کہ اگر وہ اپنی بیعت پر باقی رہتے اور حضرت مسلم سے جدا نہ ہوتے تو امام حسینؑ کے قیام کی بے مثال تاریخ رقم ہو جاتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے حضرت مسلم کی بیعت نہیں کی تھی وہ سب حضرت مسلم اور امام حسینؑ کے مخالف اور دشمن نہیں تھے، بلکہ کچھ غیر جانبدار اور کمزور ارادے والے بھی تھے، کچھ اپنے اور اپنے خاندان کے امن اور آرام کے طالب تھے اور کچھ موقع پرست لوگ بھی تھے جو وعدہ و وعید کے ذریعہ کسی کے ساتھ بھی شامل ہو سکتے تھے۔ اس بنا پر بیعت کرنے والوں کی تعداد اتنی تھی جو آسانی سے دشمن کا مقابلہ کر سکتے تھے اور ابن زیاد کو کوفہ پر مسلط ہونے اور بعد میں پیش آنے والے واقعات سے روک سکتے تھے، جبکہ دشمن کی تعداد شروع میں بہت کم تھی لیکن بعد میں ابن زیاد کی شدید دھمکیوں اور سختی کی وجہ سے بڑھ گئی۔

۵۔ قیام کے دفاع میں کوفیوں کی کوتاہی کے اسباب

قیامِ امام حسینؑ کا تجزیہ و تحلیل کرنے والوں کے لیے ہمیشہ یہ سوال رہا ہے کہ کوفی کیسے لوگ تھے جنہوں نے تھوڑی سی مدت میں امام حسینؑ کو اتنے زیادہ خط لکھے اور دعوت دی اور تقریباً بیس ہزار لوگوں نے جوش و جذبے کے ساتھ امامؑ کے نمائندے حضرت مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کی اور تقریباً چار ہزار لوگ (ہانی بن عروہ کی رہائی کی غرض سے) ابن زیاد کے محل کا محاصرہ کرنے کے لیے

حضرت مسلم کے ساتھ گئے؛[1] لیکن چند گھنٹوں کے بعد یہ سب لوگ حضرت مسلم سے جدا ہو گئے اور انہیں کوفہ کی گلیوں میں حیران و پریشان تنہا چھوڑ کر چلے گئے؟![2]

جواب: اگرچہ اس کے متعلق ابھی تک کئی ابہامات موجود ہیں، لیکن اس بے وفائی کے اصلی اسباب کا اجمالی خلاصہ مندرجہ ذیل ہو سکتا ہے:

الف) نفسیاتی اور معنوی نقائص

ب) سماجی نظم و ضبط کا فقدان

ج۔ اقتصادی ڈھانچہ

سب سے پہلے یہ نقطہ قبل توجہ ہے کہ (اولاً) منفی صفات (جن کی تفصیل ابھی بیان کی جائے گی) تمام کوفیوں میں نہیں پائی جاتی تھیں، اگرچہ ان میں سے اکثر ان صفات کے حامل تھے؛ لیکن چونکہ عملی میدان میں یہ صفات اس شہر میں ظاہر ہوئیں، اس لیے سب کی طرف منسوب ہو گئیں۔

ثانیا: یہ خصوصیات تاریخ کے چند خاص ادوار میں ظاہر ہوئی ہیں، لہذا ممکن ہے کہ باقی زمانوں میں کوفیوں میں یہ صفات ظاہر نہ ہوں۔ اب مذکورہ بالا علل و اسباب کی وضاحت کرتے ہیں۔

الف) نفسیاتی اور معنوی نقائص

ا۔ جنگ سے اکتاہٹ اور آسائش کی طلب

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بنیادی طور پر کوفہ کی آبادی ان لوگوں پر مشتمل تھی جنہیں ایران جیسے طاقتور ملک کے ساتھ جنگ کے لیے جزیرۃ العرب سے ایران کی سرحدوں پر لایا گیا تھا۔[3] اسی طرح ہم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ شروع میں یہ شہر، فوجی چھاؤنی کے لیے تعمیر کیا گیا اور اس میں مجاہدین آباد

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۹،۳۶۸۔

[2]۔ سابقہ حوالہ، ص۳۶۹-۳۷۱۔

[3]۔ جنگ قادسیہ میں شریک ہونے والے قبائل اور ان کی تعداد معلوم کرنے کے لیے رجوع کریں: ہشام جعیط، کوفہ پیدائش شہر اسلامی، ترجمۃ ابوالحسن سروقد مقدم، ص۱۴،۴۰۔

ہوئے۔ انہوں نے معمولی اسلحہ کے ساتھ ایران کی مسلح افواج سے شجاعت کے ساتھ جنگ کی اور قادسیہ، نہاوند اور جلولا جیسے متعدد معرکوں میں ایرانی فوج کو شکست دی اور بالآخر ایران کی قدرتمند سلطنت کو سقوط پر مجبور کر دیا۔ جب حضرت علی علیہ السلام بصرہ کی جانب روانہ ہوئے اور ذی قار کے مقام پر کوفی آپ کے پاس پہنچے، تو امام علیہ السلام نے انہیں خوش آمدید کہا اور عجم (ایرانی سلطنت) کو شکست دینے پر ان کو دادِ شجاعت دی۔[1]

جنگ جمل اور صفین میں حکمیت والے مسئلے سے پہلے اور اسی طرح جنگ نہروان میں کوفیوں نے شجاعت کے ساتھ امام علی علیہ السلام کی مدد کی اور آپ علیہ السلام کے لیے اور عراقیوں کے لیے کامیابیاں حاصل کیں۔ ان میں اس قدر ایمان اور دینی غیرت موجود تھی کہ امام علی علیہ السلام نے جنگ جمل سے پہلے ان سے مدد مانگی تو اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور ان پر ایمان رکھتے ہیں۔[2]

حضرت علی علیہ السلام کی تین جنگیں، جن میں زیادہ لوگ شہید اور زخمی ہوئے، ان میں آپ کے سپاہی اپنے ہی رشتہ داروں اور خاندان کے افراد کا سامنا کرنے پر مجبور تھے، جس کی وجہ سے کوفیوں میں جنگ سے اکتاہٹ پیدا ہو گئی تھی اور آہستہ آہستہ ان کی شجاعت ختم ہو گئی، اور ان کے درمیان سستی اور آسائش طلبی نے بہادری کی جگہ لے لی۔ اسی لیے کوفیوں نے ۳۹ہجری میں امام علی علیہ السلام کی مملکت کے علاقوں پر شامیوں کی بربریت اور شب خون کے مقابلے میں سستی کا مظاہرہ کیا اور اسی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام نے ان کی مذمت اور شکوہ کیا۔ امام علیہ السلام نے ان کو سوسمار اور بِجّو سے تشبیہ دی جو خطرے کے وقت اپنے بلوں

۱۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے کوفیوں کو فرمایا: تم عجم کی شان و شوکت اور ان کے حکمرانوں پر کامیاب ہوئے اور ان کی فوجوں کو بھگا دیا حتی کہ ان کی میراث کو اپنا مال بنا لیا اور اپنے آپ کو دوسرون سے بے نیاز کر دیا اور دشمن کے مقابلہ میں مسلمان کی مدد کی، میں نے تمہیں دعوت دی تا کہ جنگ میں ہمارے ساتھ اہل بصرہ کی طرح رہو، پس اگر (دشمن) جو مقصد لے کر آیا ہے اس سے پیچھے چلا جائے تو یہ ہمارا مطالبہ ہے لیکن اگر اپنے لجاجت پر اصرار کرنے لگے تو ان کا کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں گے مگر یہ کہ انہوں نے ہمارے اوپر ستم کا آغاز کیا تھا جو چیز مناسب ہو گی اور فساد سے بہتر ہو گی اس کو ترجیح دیں گے۔ انشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۴، ص۴۸۷)۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۴، ص۴۷۷۔

میں چلے جاتے ہیں۔[۱] کوفیوں کے درمیان جنگ سے اکتاہٹ کا یہ سلسلہ حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد بھی جاری رہا؛ چنانچہ جب امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کے مقابلے میں فوج تیار کرنے لیے مسجدِ کوفہ میں عظیم خطبہ دیا اور لوگوں کو نخیلہ کی چھاؤنی پر بلایا تو صفین کے دسیوں ہزار سپاہیوں میں سے بڑی مشکل سے صرف چار ہزار افراد جمع ہوئے؛[۲] یہاں تک کہ مدائن میں امام حسن علیہ السلام نے اپنی اور جنگ صفین میں (حکمیت والے مسئلے سے پہلے) حضرت علی علیہ السلام کی فوج کی تعداد اور کیفیت میں فرق بیان کیا اور اس کا تجزیہ و تحلیل کرتے ہوئے فرمایا: جب تم جنگ صفین کے لیے جا رہے تھے تو اپنے دین کو دنیوی مفادات پر ترجیح دی؛ لیکن آج تم اپنے مفادات کو دین پر مقدم سمجھ رہے ہو۔[۳]

خطبے کے آخر میں جب امام علیہ السلام نے کوفیوں کو معاویہ کا مشورہ بتایا کہ یا ذلت کے ساتھ صلح کر لیں یا عزت کے ساتھ جنگ کریں تو چاروں طرف سے لوگ کہنے لگے "البُقیۃ البُقیۃ" (یعنی ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں، ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں) اور آسائش طلبی کو جنگ پر ترجیح دی۔[۴] یہ افسوس ناک صورت حال ابن زیاد کے کوفہ جانے کے بعد دوبارہ پیدا ہوئی اور کوفیوں نے سستی کا مظاہرہ کیا۔ در اصل ان دنوں کوفی، عادل حکمران اور حق کی حکومت بھی چاہتے تھے اور عافیت طلبی اور مفادات کی حفاظت کے بھی طلبگار تھے، جبکہ یہ ممکن نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ کئی مرتبہ حق کے پرچم تلے جمع ہوتے، لیکن جب دیکھتے کہ ان کے مفادات کو خطرہ لاحق ہے تو فوراً حق کو چھوڑ دیتے۔

۲۔ دنیا پرستی

واقعہ کربلا سے کئی سال پہلے، بالخصوص تیسرے خلیفہ کے دور میں کمزور سیاست کی وجہ سے معنوی اقدار پے در پے فراموش ہوتی رہیں اور لوگ دنیا پرستی کی طرف مائل ہو گئے۔ ان معنوی اقدار کو واپس پلٹانے کے لیے امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے بہت سی مشکلات کھڑی ہوئیں۔ اسی لیے نہج البلاغہ میں

---

[۱] ۔ سابقہ حوالہ ج۵، ص ۱۳، ۱۳۳ ۴۔

[۲] ۔ قطب الدین راوندی، الخرائج والجرائح، ج۲، ص ۵۷۴۔

[۳] ۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج۱، ص ۴۹۱؛ ابن جوزی، تذکرۃ الخواص ج۲، ص ۲۵۔

[۴] ۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۴۴۷۔

بہت سے خطبے دنیا پرستی کی مذمت میں ہیں، کیونکہ اُس وقت معاشرے کے اکثر افراد اور بالخصوص خاص لوگ دنیا پرستی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ بعد والی دہائیوں میں بالخصوص معاویہ کے بیس سالہ دور حکومت میں، حالات اتنے زیادہ خراب ہو گئے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے زمانے کے اکثر لوگوں کی یہی خصلت بیان کی:

اَلنَّاسُ عَبِيْدُ الدُّنْيَا وَالدِّيْنُ لَعِقٌ عَلٰى اَلْسِنَتِهِمْ ،يَحُوْطُوْنَهُ مَا دَرَّتْ مَعَائِشُهُمْ فَاِذَا مُحِّصُوْا بِالْبَلَاءِ قَلَّ الدَّيَّانُوْنَ[1]

لوگ دنیا کے غلام ہیں اور دین صرف ان کی زبانوں پر جاری ہے، جب تک ان کا اقتصاد درست رہے تو وہ دین دار ہیں لیکن جب امتحان میں مبتلاء ہو جائیں تو دیندار کم ہو جائیں گے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کی ایرانیوں کے ساتھ جنگوں کے آغاز میں ہی کچھ عرب قبائل، مال غنیمت کے لالچ میں مسلمانوں کی فوج کے ساتھ چلے۔[2] واضح ہے کہ یہ لوگ کوفہ شہر آباد ہونے کے بعد وہاں رہنے لگے اور اپنے اسی مقصد پر باقی رہنے کے ساتھ ساتھ دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتے رہے۔ اسی خصلت کی وجہ سے کوفی موقع پرست اور ابن الوقت بن گئے اور ان کی نظر میں جس حکومت یا گروہ سے ان کا دنیوی مقصد پورا ہوتا، اسی کی حمایت کرتے۔ اس شہر کے مختلف تاریخی واقعات اس بات کی دلیل ہیں۔ اس بنا پر اگرچہ امام حسین علیہ السلام کا گزشتہ فرمان عمومی ہے، لیکن اکثر کوفیوں پر صادق آتا ہے۔

کوفیوں کی یہ حالت، حضرت مسلم کی ان سے بیعت لینے سے اچھی طرح واضح ہوتی ہے، کیونکہ جب مخلص افراد کی ایک تعداد نے حضرت مسلم کی بیعت کرنے میں پیش قدمی کی تو دنیا پرستوں نے مرکزی حکومت کی کمزوری، یزید کی جوانی اور نعمان بن بشیر کی کمزوریوں کی وجہ سے حضرت مسلم کو کامیاب ہوتے دیکھا تو انہیں موجودہ حالات کے مطابق چلنے میں ہی اپنی مصلحت نظر آئی، لہٰذا جوق در جوق حضرت مسلم کے ساتھ ملنے لگے۔ حتی کہ ابن زیاد کے کوفہ آنے اور مسلم کی تحریک کی ناکامی کے لیے کوشش کرنے کے باوجود بھی کچھ لوگوں کو کامیابی کی امید تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ابن زیاد کے قصر کا محاصرہ کرنے کے لیے

---

[1]۔ رجوع کریں: محمد بن حسین حلوانی، نزھۃ الناظر و تنبیہ الخاطر (مجموعہ ورام) ص۸۷؛ علی بن عیسی اربلی، کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ، ج۲، ص ۲۴۲، ۲۴۱۔

[2]۔ ھشام جعیط، کوفہ، پیدائش شہر اسلامی، ص۱۲۹۔

انہوں نے چار ہزار کی فوج تشکیل دی؛[1] لیکن جب ابن زیاد کی وسیع تبلیغات، دھمکیوں اور شامی فوج کی آمد کی جھوٹی خبریں سنیں تو وہ سب مسلم کو چھوڑ کر کسی نہ کسی بل میں گھس گئے۔[2]

یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

وَقَدْ تَوَازَرَ عَلَيْهِ مَنْ غَرَّتْهُ الدُّنْيَا وَبَاعَ حَظَّهُ بِالْأَرْذَلِ الْأَدْنَىٰ وَشَرَىٰ آخِرَتَهُ بِالثَّمَنِ الْأَوْكَسِ وَتَغَطْرَسَ وَتَرَدَّىٰ فِي هَوَاهُ۔۔۔[3]

امام حسین علیہ السلام کے خلاف وہ لوگ جمع ہوئے جن کو دنیا نے دھوکہ دیا تھا، انہوں نے اپنے حصے کا معاملہ گھٹیا اور پست قیمت پر کیا اور اپنی آخرت کو سستی چیز کے عوض بیچ دیا اور انہوں نے تکبر اور غرور کیا اور اپنے نفس کے اسیر ہو گئے۔

۳۔ نظام کو قبول نہ کرنا

ہم کہہ چکے ہیں کہ کوفہ میں سب سے پہلے مجاہدین آباد ہوئے جو سلطنتِ ایران کے خلاف جنگ کے لیے جزیرۃ العرب سے آئے تھے اور چونکہ جزیرہ العرب کے زیادہ تر لوگ دیہات میں رہنے والے قبائل تھے لہٰذا بعد والی دہائیوں میں کوفہ کی زیادہ تر آبادی ان عربوں پر مشتمل تھی جو پہلے اپنے قبائل کے درمیان صحراء اور بیابان میں زندگی گزار چکے تھے۔ ان پر عرب کی جاہلانہ عادات حاکم تھیں اور اب پہلی مرتبہ شہر میں زندگی گزارنے کا تجربہ کر رہے تھے۔[4]

دوسری جانب ان صحراء اور بادیہ نشینوں کو صحراء اور بیابان میں بے حد آزادی حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لیے ایک منظم سسٹم کے قوانین کو قبول کرنا مشکل تھا۔ اس بات میں وہ شامیوں کے بالکل برعکس تھے، کیونکہ شام والے کئی صدیوں سے شہری زندگی گزار رہے تھے اور اسی لیے وہ حکومت

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۹۔

[2] ۔ سابقہ حوالہ، ص۳۷۱، ۳۷۰۔

[3] ۔ شیخ طوسی، تہذیب الاحکام، ج۶، ص۱۲۶؛ ھمو مصباح المجتہد و سلاح المتعبد، ص۷۸۸؛ ابن المشہدی، المزار الکبیر، ص۵۱۴؛ بحار الانوار، ج۹۸، ص۳۳۱۔

[4] ۔ رجوع کریں: ہشام جعیط، کوفہ پیدائش شہر اسلامی، ص۸۱، ۸۰۔

کے مطیع اور فرمانبر دار تھے۔ کوفیوں کی یہی خصلت سبب بنی کہ وہ ہمیشہ اپنے حکمرانوں اور والیوں کے ساتھ جھگڑتے اور نافرمانی کرتے رہتے تھے اور عرصہ دراز سے اس شہر کے بگڑے ہوئے لوگ، اپنے امیروں اور حکمرانوں کے تابعدار نہیں تھے۔

شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ کوفہ میں قاریوں اور اصحاب کی موجودگی اس اخلاق اور مزاج میں شدت کا سبب بنی، کیونکہ وہ اپنے آپ کو حکومت کے مقابلہ میں مجتہد اور صاحب نظر سمجھتے تھے اور جب تک انہیں اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوتا اس وقت تک حکومت کے مقابلہ میں پرچم بلند کرتے رہتے۔ اس کی واضح مثال جنگ صفین ہے۔ مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ نہروانی خوارج میں قاریوں اور حافظان قرآن کی بہت بڑی تعداد شامل تھی۔[1]

ایسا معاشرہ، عادل اور قانون کا تابع حکمران برداشت نہیں کر سکتا۔ ایسے معاشرہ کے لوگ حاکم کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسے معاشرہ میں وہ حاکم کامیاب ہے اور اپنے مقاصد کو حاصل کر سکتا ہے جو ڈکٹیٹر بن کر ان لوگوں کا قلع قمع کرے۔

۴۔ جذبات کی پیروی

کوفیوں کی زندگی کے مختلف ادوار کا جائزہ لینے سے ان میں جذبات کی پیروی کی خصلت نظر آتی ہے۔ ہم نے بہت سے واقعات میں دیکھا ہے کہ کوفی جذبات کے سائے میں بھڑک اٹھتے ہیں۔ ایک تقریر سنتے ہی کام شروع کر دیتے ہیں؛ لیکن جب ان کے جذبات ٹھنڈے ہو جائیں تو اپنا ارادہ بدل دیتے ہیں اور کام کو مزید آگے بڑھانے سے رک جاتے ہیں۔

پس جب دشمن کو ان کے جذبات ابھارنے کا موقع ملتا تو حالات کی موجوں کو اپنی طرف موڑ لیتا۔ اس کی بہترین مثال جنگ صفین میں قرآن کا نیزوں پر بلند کرنا ہے۔[2] اسی طرح اگر مد مقابل، ان کے جذبات کو کسی طرح ٹھنڈا کر سکتا تو میدانِ حق میں بہت سی جمع کی ہوئی فوج کو آسانی سے منتشر کر دیتا تھا۔ ہم

---

[1] ۔ مسعودی، مروج الذھب، ج ۲، ص ۴۰۵۔

[2] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۸۔

جناب مسلم کے واقعات میں بیان کر چکے ہیں کہ قبیلہ مَذحج نے ہانی بن عروہ کی گرفتاری پر اعتراض کرنے کے لیے کیسے ابن زیاد کے قصر کا محاصرہ کیا اور پھر قاضی شریح کی صرف ایک مبہم بات پر فوراً چھوڑ کر چلے گئے۔ یوں ابن زیاد اپنی تبلیغات کے ذریعہ لوگوں کے جذبات ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہو گیا[1] اور بہت کم مدت میں ان جذبات کو اپنی طرف موڑ کر، امام حسین علیہ السلام کے خلاف ایک عظیم لشکر تیار کر لیا۔

۵۔ دھوکا بازی اور بے وفائی

تاریخ میں کچھ بزرگ شخصیات موجود ہیں جنہوں نے اہل کوفہ کو دھوکا باز اور بے وفا کہا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے اہل عراق کو دھوکا باز کہا ہے۔[2] حضرت عبد اللہ بن عباس نے امام حسین علیہ السلام سے خیر خواہی کرتے ہوئے کہا:

اِنَّ اَهْلَ الْعِرَاقِ قَوْمٌ غُدُرٌ فَلَا تَقْرَبَنَّهُمْ[3]

"عراقی (اہل کوفہ و بصرہ) دھوکا باز ہیں ان کے قریب مت جانا"۔

امام حسین علیہ السلام نے بھی اپنی زندگی کے آخری لمحات میں (حضرت حُر کی شہادت کے بعد) فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اَنَّ اَهْلَ الْعِرَاقِ غَرُّوْنِيْ وَخَدَعُوْنِيْ[4]

"اے اللہ، اہل عراق نے مجھے دھوکہ دیا ہے اور میرے ساتھ بے وفائی کی ہے"۔

حضرت مسلم بن عقیل بھی کوفیوں کی اسی عادت کی وجہ سے گرفتار ہوئے اور طوعہ سے فرمایا:

اَنَا مُسْلِمُ بْنُ عَقِيْلٍ كَذَبَنِيْ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمُ وَغَرُّوْنِيْ[5]

"میں مسلم بن عقیل ہوں اس قوم نے میرے ساتھ جھوٹ بولا ہے اور مجھے دھوکا دیا ہے"۔

[1]۔ سابقہ حوالہ، ص ۳۷۱، ۳۷۰۔

[2]۔ انهم قوم خدع۔۔۔ (ابن عساکر، ترجمۃ الامام علی بن ابی طالب علیہ السلام من تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۳، ص ۱۹۹)۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۵، ص ۳۸۳۔

[4]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا ش ۱۰، ص ۱۸۱۔

[5]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۷۱۔

حضرت مسلم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں کوفیوں پر یوں لعنت کی: "اے اللہ تو ہمارے اور اس گروہ کے درمیان فیصلہ فرما جس نے ہمیں جھٹلایا، ہمیں دھوکہ دیا، ہماری توہین کی اور ہمیں قتل کیا ہے"۔[۱]

ب) قبائل کی سماجی حالت

معاشرتی عوامل کی تاثیر کا اندازہ لگانے کے لیے، ہمیں کوفہ کی اس وقت کی سماجی صورت حال کو پہچاننا ہو گا۔ اگرچہ اس وقت کوفہ، ایک شہر کی شکل اختیار کر چکا تھا لیکن ابھی تک قبائلی نظام باقی تھا۔ جزیرۃ العرب سے ہجرت کر کے یہاں آنے والے یمنی اور عدنانی (جنوبی اور شمالی) مختلف قبائل علیحدہ علیحدہ محلوں میں زندگی گزارتے تھے۔ تاریخی کتب کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ان کے محل سکونت کو بھی کوفہ کے نقشہ میں جانا جاسکتا ہے۔[۲]

کوفہ کی بنیاد کے بعد سعد بن ابی وقاص نے **"نظام اسباع"** قائم کیا۔ اس قانون کے مطابق کوفہ کی کل آبادی کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ہر حصے میں سعید بن نمران اور مَشعلۃ بن نعیم جیسے عرب کے ماہرین نسب کی مدد سے قبائل اور ان کی شاخوں کو ایک مقام پر جگہ دی گئی اور سعد بن ابی وقاص نے ہر حصے کا ایک رہنماء مقرر کیا۔[۳] (یہ رہنماء، قبیلہ کے سردار کے علاوہ، ایک اور شخص ہوتا جو اس سے افضل ہوتا تھا)۔

یہ قانون حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی علیہ السلام کے دور حکومت میں بھی باقی رہا۔ اس قانون میں ان حصوں کے سرداروں کو منصوب یا معزول کرنا حکومت کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ عام طور پر ان لوگوں سے یہ سردار انتخاب کیے جاتے تھے جو ہر ساتواں حصہ تشکیل دینے والے قبیلہ اور اس کی شاخوں

---

[۱]۔ مسعودی، مروج الذھب، ج۳، ص۶۹۔

[۲]۔ مزید اطلاع کے لیے رجوع کریں: لوبی ماسینیون، خطط الکوفۃ و شرح کریطتھا، ترجمۃ عربی بہ قلم: تقی محمدی مصعبی، کاظم جنابی، تخطیط مدینۃ الکوفۃ عن المصادر التاریخیۃ والاثریۃ؛ ہشام جعیط، کوفہ پیدائش شہر اسلامی۔

[۳]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۴، ص۴۸۔

میں اثر و رسوخ اور مقام و مرتبے کے مالک ہوتے۔ ان کی اصل ذمہ داری، جنگ کے وقت اپنے تحت فرمان لوگوں کی رہبری کرنا ہوتا تھا۔ جنگ کے دوران فوج کے مختلف گروہوں کے کمانڈر مثلاً میمنہ، میسرہ اور قلب لشکر کے کمانڈر، قبائل کے سرداروں کے ذریعے لوگوں کے ساتھ رابطہ قائم کرتے تھے۔

صلح کے وقت بھی زیر نظر قبائل کے افراد کے مسائل اور ان کے فیصلے، ان سات رؤساء کے ذمہ ہوتے تھے۔ وہ ہمیشہ ان کاموں کے ساتھ ساتھ اپنی اصل ذمہ داری یعنی مرکزی حکومت اور قبائل کے درمیان رابطے کو مد نظر رکھتے تھے۔[1]

ان کی ایک اہم ترین ذمہ داری یہ بھی تھی کہ وہ بیت المال سے عطیہ جات، نقدی اور غیر نقدی اموال لے کر اپنے قبائل کے افراد میں تقسیم کرتے تھے۔[2] اگر سیاسی بحران پیدا ہو جاتا تو قبائل پر قابو رکھنا بھی انہی کی ذمہ داری تھی۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حکومت کے سامنے قبائل کی تمام سیاسی سرگرمیوں کے ذمہ دار تھے۔ اسی لیے ان کی کوشش ہوتی تھی کہ ممکنہ حد تک امن و امان قائم رکھا جائے تاکہ حکومتِ وقت کو راضی رکھ کر اپنے منصب پر باقی رہیں۔

یہ نظام (یعنی نظام اسباع) سنہ ۴۹ یا ۵۰ ہجری، زیاد بن ابیہ کی حکومت تک باقی رہا؛ لیکن اس نے شہر پر کنٹرول مضبوط کرنے، اپنے خلاف متحدہ قبائل کا اتحاد روکنے اور بعض قبائل کو کمزور کرنے کے لیے اس نظام کو بدل دیا اور اس کی جگہ "**نظام ارباع**" متعارف کرایا، یعنی کوفہ کے قبائل کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور ہر حصے کے لیے ایک ایسے شخص کو رئیس بنایا جو بنی امیہ کی حکومت کا طرفدار تھا۔[3] ارباع کے رؤساء کی ذمہ داری بھی **اسباع** کے رؤساء کی طرح تھی۔ یہ نظام ابن زیاد کی حکومت کے وقت بھی کوفہ میں باقی تھا اور وہ ارباع کے رؤساء کے ذریعہ قبائل کو اپنے کنٹرول میں لانے میں کامیاب ہو گیا۔

---

[1] ۔ محمد حسین زبیدی، الحیاۃ المعاشرتیۃ والاقتصادیۃ فی الکوفۃ فی القرن الاول الھجری، ص۴۸۔

[2] ۔ ابن عساکر، ترجمۃ علی بن ابی طالب علیہ السلام من تاریخ مدینۃ دمشق، ج۳، ص۱۸۰۔

[3] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۴، ص۴۸۔

دوسرا عہدہ جو اُس وقت بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا اور اموی حکومت نے اس سے بخوبی فائدہ اٹھایا، وہ **"عرافت"** کا منصب تھا، اور اس منصب کے متولی کو عریف کہا جاتا تھا۔ نظام اسباع اور اس کے بعد نظام ارباع کے قیام کے بعد **"عریف"**، اسباع یا ارباع کے رؤساء کے زیر نگرانی اپنی ذمہ داریاں انجام دیتا تھا۔ اس دور میں فتوحات کم ہو جانے کی وجہ سے عریف کی زیادہ ذمہ داریاں باہر کی بجائے شہر کے اندر تک محدود ہو گئی تھیں۔ محققین نے عریف کی مندرجہ ذیل ذمہ داریاں بیان کی ہیں:

۱۔ اسباع یا ارباع کے رؤساء سے عطیہ لے کر لوگوں میں بانٹنا۔

۲۔ عطیہ لینے والوں کے نام کی لسٹ تیار کرنا، خواتین، مرد اور بچوں کے نام لکھنا، پیدا ہونے والے بچوں کے نام لکھنا اور مرنے والوں کے نام لسٹ سے نکالنا۔

۳۔ اپنی ذمہ داری کی حدود میں امن برقرار رکھنا۔

۴۔ حکومت کے مخالفین کی پہچان کرانا۔

۵۔ لوگوں کو جنگ میں شریک ہونے کے لیے آمادہ کرنا، اس دور کی اکثر جنگیں مسلمانوں کی باہمی جنگی تھیں۔[1]

قابل ذکر ہے کہ زیاد بن ابیہ کے دور حکومت میں آخری تین ذمہ داریاں عریف کو دی جاتی تھیں کیونکہ وہ عریف کو زیادہ اہمیت دیتا تھا، یہاں تک کہ وہ پہلے دور کے برعکس عریف کو خود منصوب کرتا تھا[2] (یعنی اس سے پہلے عریف کو رؤساء منصوب کرتے تھے)۔ معلوم ہوتا ہے کہ عریف اس دور میں رئیسِ ارباع کی بجائے زیاد بن ابیہ کے سامنے جوابدہ ہوتے تھے۔ ابن زیاد اس منصب کی اہمیت اور سماجی تحولات اور بحرانوں میں اس کے کردار کو اچھی طرح جانتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ کوفہ آیا تو سب سے پہلے اپنے عریفوں کو بلایا اور ان کی سرزنش کی، دھمکیاں دیں اور کہا کہ اپنے علاقے سے اجنبی لوگوں کو حاضر کرو،

---

[1]۔ محمد حسین زبیدی، الحیاۃ المعاشرتیۃ والاقتصادیۃ فی الکوفۃ فی القرن الاول الہجری، ص ۵۲، ۵۱۔

[2]۔ خالد کاظم جنابی، تنظیمات الجیش العربی الاسلامی فی العصر الاموی، ص ۲۲۴، ۲۲۳۔

کیونکہ اس کے خیال میں ہنگامہ آرائی اجنبیوں کا کام تھا اور ان سے یہ بھی کہا کہ اپنی عرافت کی حدود میں یزید کی حکومت کے موافق اور مخالف لوگوں کے نام لکھو۔ پھر کہا:

جس نے یہ کام انجام دیا اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں؛ لیکن جس نے یہ کام نہ کیا وہ اپنی عرافت کے علاقہ کی ذمہ داری خود لے اور ضمانت دے کہ اس کے علاقہ میں ہمارے خلاف کوئی مخالفت اور ہنگامہ آرائی نہیں ہوگی اور اگر ضمانت نہ دی تو اس کا خون اور مال، ہمارے لیے حلال ہوگا اور اگر کسی علاقے میں امیر المومنین (یزید) کا مخالف پایا گیا اور عریف نے اس کا نام ہمیں نہیں دیا ہو، تو اس شخص کو عریف کے دروازہ پر لٹکاؤں گا اور اس علاقہ کو عطیات اور حقوق سے محروم کر دوں گا۔[1]

عریفوں کو استعمال کرنے لیے ابن زیاد کا یہ حربہ بہت مفید ثابت ہوا، کیونکہ وہ اپنے زیرِ نگرانی افراد کو قریب سے پہچانتے تھے اور ان کو اچھی طرح کنٹرول کر سکتے تھے؛ چنانچہ یہ حربہ، کوفیوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے اور کوفہ کے حالات پر تسلط جمانے میں ابن زیاد کی کامیابی کا اہم سبب جانا جا سکتا ہے۔

ج) اقتصادی نظام

کوفہ کی اقتصادی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے اس بات کی طرف توجہ دینا ضروری ہے کہ اس زمانے میں حکومتِ کوفہ کی آمدنی مناسب تھی، کیونکہ ایران کے بہت سے شہر جن کو کوفیوں نے فتح کیا تھا اور ان پر کوفہ کا گورنر حکمرانی کرتا تھا، جیسے قزوین، زنجان، طبرستان، آذربایجان، ری، کابل، سیستان، قومس، نہاوند اور انبار کی آمدنی سیدھی کوفہ جاتی تھی۔[2] اسی وجہ سے کوفہ کا حاکم اقتصادی طور پر طاقتور تھا اور یہ طاقت اس وقت اپنے عروج کو پہنچ جاتی تھی جب ایک ہی شخص کو کوفہ اور بصرہ جیسے دو بڑے شہروں کا حاکم بنا دیا جاتا تھا۔ ان دو شہروں پر حکومت، پورے ایران اور اس کے ارد گرد کی سر زمینوں پر حکومت سمجھی جاتی تھی، جن کو ان دو شہروں کے لوگوں نے فتح کیا تھا۔

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۵۹؛ ابو علی مسکویہ، تجارب الامم وتعاقب الھمم، ج۲، ص۴۳۔

[2]۔ فاروق عمر فوزی، تاریخ العراق فی عصور الخلافۃ العربیۃ الاسلامیۃ، ص۲۲،۲۱؛ محمد حسین زبیدی، الحیاۃ المعاشرتیۃ و الاقتصادیۃ فی الکوفۃ فی القرن الاول الھجری، ص۲۲۱ سے بعد۔

ابن زیاد اُن گنے چنے حکمرانوں میں سے تھا جس کی حکومت دو شہروں پر تھی؛ بلکہ دوسرے الفاظ میں پورے عراق پر تھی اور بہت زیادہ بیت المال پر اس کا قبضہ تھا۔ سنہ ۶۰ ہجری کے خراج کی کل آمدنی تیرہ کروڑ پچاس لاکھ درہم بتائی جاتی ہے،[1] جس کا چالیس فیصد کوفہ کے مضافات کی زمینوں کا حکومتی ٹیکس تھا۔ حکومت کی یہ آمدنی صرف زمینوں کے ٹیکس سے تھی، جب کہ حکومت کے پاس اس کے علاوہ صدقات (زکات)، جزیہ، جنگی غنائم اور تاجروں کے ٹیکس جیسے اہم مالی ذرائع بھی موجود تھے، جو بہت بڑی مالیت کے حامل تھے۔

اس زمانے میں کوفہ کے عربوں کی زیادہ تر آمدنی وہ عطا (عطیہ) یا رزق تھا جو حکومت سے اس معاہدہ کے تحت لیتے تھے کہ ضرورت کے وقت میدان جنگ میں حاضر ہوں گے۔ اس طرح وہ مکمل طور پر حکومت کے پابند تھے؛ کیونکہ ایک طرف کوفی عرب، زراعت اور صنعت سے آگاہ نہیں تھے جو آمدنی کا بہترین ذریعہ تھا اور دوسری طرف ان کاموں کو اپنی شان و شوکت کے خلاف سمجھتے تھے۔[2]

عطا: حکومتِ کوفہ کی طرف سے دی جانے والی نقدی کی اس مقدار کو کہتے ہیں جو ہر سال ایک ہی مرتبہ یا قسطوں میں لوگوں کو دی جاتی تھی۔

ارزاق (رزق): ماہانہ مقرر شدہ کھانے پینے کا سامان جو مقامی غذاؤں مثلاً گندم، گھی، کھجور اور سرکہ پر مشتمل ہوتا تھا۔ عطا اور ارزاق کے سسٹم کی بنیاد جناب عمر نے رکھی تھی۔ اس طرح انہوں نے ایک لشکر ہر وقت تیار رکھنے اور مجاہدین کو دوسرے کاموں میں مصروف ہونے سے روکنے کے لیے ان کی زندگی کا خرچ حکومت کے ذمہ لیا اور اس کی ادائیگی کے لیے مخصوص معیار وضع کیے؛ مثلاً: صحابی ہونا، خاندانی شرافت اور جنگوں میں شرکت کی تعداد۔

---

[1] ۔ ابو القاسم اجتہادی، بررسی وضع مالی و مالیہ مسلمین از آغاز تا پایان دوران اموی، ص۲۳۹۔

[2] ۔ محمد حسین زبیدی، الحیاۃ المعاشرتیۃ والاقتصادیۃ فی الکوفۃ فی القرن الاول الہجری، ص۸۱-۸۲۔

حضرت علی علیہ السلام نے حکومت سنبھالنے کے بعد اصلی سسٹم کو باقی رکھا؛ لیکن عمر بن خطاب والے معیارات ختم کر دیے اور بیت المال کو مسلمانوں میں برابر تقسیم کرتے تھے اور یہ بات بہت سے عرب سرداروں اور اعراب کے اعتراض کا سبب بنی۔[1]

اموی دور حکومت میں دوبارہ طبقاتی عطیات کا نظام شروع ہو گیا؛ لیکن اس وقت جناب عمر کے معیارات کی بجائے، اموی حکومت کی قرابت اور حکومت کو مالیات کی ادائیگی کی مقدار (یعنی کون کتنی مالیات وغیرہ حکومت کو ادا کرتا ہے) کو مد نظر رکھا گیا۔[2]

اس زمانے میں حکومت، اس سسٹم کے ساتھ لوگوں کی شدید وابستگی کو ان کی کمزوری کا اہم ترین سبب سمجھ کر ان سے فائدہ اٹھاتی اور سیاسی مخالفین کا عطیہ بند کرنے کی دھمکی دیتی یا کبھی اس دھمکی پر عملد آمد بھی ہو جاتا۔ چنانچہ جب حضرت مسلم نے اپنی فوج کے ساتھ ابن زیاد کے قصر کا محاصرہ کیا اور اس پر اور اس کے ساتھیوں پر شدید دباؤ ڈالا تو ابن زیاد نے حضرت مسلم کو ناکام بنانے کے لیے لوگوں کو فریب دینے، امید دلانے، حضرت مسلم کے طرفداروں کو آپ سے جدا ہو جانے کی صورت میں عطا بڑھانے اور تفرقہ بازی جاری رکھنے کی صورت میں عطا بند کرنے کی دھمکیوں کا حربہ استعمال کیا۔ اس حربے کا فوری اثر ہوا اور حضرت مسلم کے حامی جدا ہو گئے۔[3] ابن زیاد نے امام حسین علیہ السلام کے خلاف بھی اسی طرز پر عظیم لشکر تیار کیا جس کی کثیر تعداد اندرونی طور پر امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھی۔

اس کے علاوہ تاریخی کتب میں ذکر ہوا ہے کہ اموی حکومت نے بیت المال کے ذریعے رغبت دلانے اور دھمکیاں دینے کے علاوہ، عرب کے سرداروں کو بھاری رشوت دے کر ان کی رضامندی حاصل کی۔ جب مُجمِّع بن عبد اللہ عائذی کربلا کے راستہ میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جاملا تو آپ کو کوفہ کے اشراف کی حالت یوں بیان کی:

---

[1]۔ نہج البلاغہ، تحقیق صبحی صالح، خطبہ ۱۲۶۔

[2]۔ خالد جاسم جنابی، تنظیمات الجیش العربی الاسلامی فی العصر الاموی، ص ۹۲۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۷۰۔

"اَمَّا اَشْرَافُ النَّاسِ فَقَدْ اَعْظَمَتْ رِشْوَتُهُمْ وَ مُلِئَتْ غَرَائِرُهُمْ يُسْتَمَالُ وُدُّهُمْ وَ يُسْتَخْلَصُ بِهِ نَصِيحَتُهُمْ فَهُمْ اَلْبٌ وَاحِدٌ عَلَيْكَ"[1]

کوفہ کے اشراف کو بھاری رشوت دی گئی ہے، ان کی تجوریاں بھر دی گئی ہیں تاکہ ان کی محبت حاصل کی جاسکے اور ان کی خیر خواہی اپنے لیے خالص کی جاسکے۔ وہ آپ کے خلاف متحد ہو گئے ہیں۔

تاریخی معاشرہ شناسی کے لحاظ سے حضرت مسلم کی شکست کا تجزیہ و تحلیل

اگر حضرت مسلم کی ذمہ داری، شروع میں کوفیوں کا استقبال، پھر ان کی بے وفائی اور حضرت مسلم کی شکست کو، تاریخی معاشرہ شناسی کی نگاہ سے تحلیل کریں تو اگرچہ اسی نتیجے تک پہنچیں گے جو بیان ہو چکا ہے؛ لیکن اس طرح یہ مسئلہ مزید واضح اور روشن ہو جائے گا؛ لہٰذا اس فصل کے آخر میں اس واقعہ کا اسی نگاہ سے تجزیہ و تحلیل کرتے ہیں۔

معاشرہ شناسی کی نگاہ سے یہاں دو بنیادی سوال سامنے آتے ہیں:

۱۔ کمزور حکومت کیسے طاقتور بن گئی اور دوسری طرف حضرت مسلم کی حمایت میں عوام کی طاقتور اور مذہبی تحریک کیسے کمزور پڑ گئی؟

۲۔ کوفہ کی عوامی آمادگی،[2] حضرت مسلم کی تحریک (قیامِ حسینی) کی حمایت پر کیوں باقی نہ رہی؟

ہم جانتے ہیں کہ یہ سوالات اس لیے اٹھتے ہیں کہ حضرت مسلم کی تحریک، شروع میں بہت امید کے ساتھ ترقی کر رہی تھی، کیونکہ حاکمِ شام جیسا سیاست باز مر چکا تھا اور اس کا بدنام زمانہ اور عیش پرست بیٹا یزید اس کا جانشین بن چکا تھا۔ ان حالات میں امام حسین علیہ السلام کو ایک بااثر اور نیک رہبر کے طور پر وسیع

---

[1]۔ سابقہ حوالہ، ص۴۰۵۔

[2]۔ (بسیج کے معنی اردو زبان میں عزم وارادہ کے ہیں لیکن) معاشرہ شناسی میں بسیج کا معنی مالی، ٹیکنیکلی، انسانی اور دوسرے منابع کو کہا جاتا ہے جو ایک معاشرتی کام کے لیے قابل قبول قدرت کے ہاتھ میں ہوں (گی روشہ، تغییرات معاشرتی، ترجمۂ منصور وثوقی، ص۲۷۸)۔

پیمانے پر کوفیوں کی حمایت حاصل تھی۔ کوفہ سے سینکڑوں دعوت نامے آپ کی طرف آئے اور کوفہ میں تقریباً اٹھارہ ہزار لوگوں نے آپ کے سفیر حضرت مسلم بن عقیل کی بیعت کی۔[1]

لہٰذا ان سوالوں کا جواب، حکومت کے کردار اور لوگوں کے رویے کو مد نظر رکھنے سے واضح ہوتا ہے۔

حکومت کا کردار

اگر اس بارے میں حکومت کے کردار پر غور کریں تو اس پوری تحریک کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ ابن زیاد کے کوفہ آنے سے پہلے۔

۲۔ اس کے کوفہ آنے کے بعد۔

اس بارے میں عوامی آمادگی اور ان میں واقع ہونے والی تبدیلیوں کی دونوں مراحل میں تحقیق کرتے ہیں۔

معاشرہ شناس اس بات کے قائل ہیں کہ عوامی عزم اور طاقت کا سبب "ہدف تک رسائی اور معاشرتی حرکت کے فائدے کی امید" کا ماحصل ہوتا ہے (یعنی دونوں چیزیں ملیں تو عوامی عزم حاصل ہوتا ہے)۔ دوسری طرف معاشرہ شناسی کی نگاہ میں اصولی طور پر جتنی زیادہ تعداد میں عام لوگ، بے انصافی اور محرومی کا احساس کریں اور مقصد کے حصول کی قیمت (مصیبتیں، زخمی یا قتل ہونا) جتنا کم ہو، اتنا لوگوں کی نگاہ میں انقلاب کا فائدہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس کا دوسرا سبب، حاکم اور انقلابیوں کے درمیان قدرت کا فاصلہ ہے۔ ان دو گروہ کے درمیان یہ فاصلہ جتنا زیادہ ہو، اتنا ان کے درمیان لڑائی کا احتمال کم ہوتا ہے؛ لیکن اگر قدرت کا فاصلہ کم ہو جائے اور انقلابی اس کو درک بھی کر لیں تو پھر ان میں بھی کامیابی کی امید زیادہ اور ہدف کو حاصل کرنے کی قیمت کا تخمینہ کم ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انقلابیوں کی طاقت بڑھ جاتی ہے لہٰذا لڑائی بھی مزید بڑھ جاتی ہے[2]۔ اب واپس کوفہ کے حالات کی طرف پلٹتے ہیں:

---

[1] ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۴۷۔

[2] فرامرز رفیع پور، توسعہ وتضاد، ص ۵۴-۵۵۔

ابن زیاد کے کوفہ آنے سے پہلے اور بعد میں وہاں کے لوگوں میں بے انصافی اور محرومی کا احساس موجود تھا۔(لوگوں کی امیدوں اور ان کے وسائل کے درمیان جتنا زیادہ فاصلہ ہو گا، اتنا احساسِ محرومی بھی زیادہ ہو گا)[1] ان کا شہر عمر بن خطاب کے زمانے میں ہمیشہ خلیفہ کی نگاہ میں قابل ستائش تھا اور وہ کوفہ کو"قبۃ الاسلام "(یعنی اسلام کا مینار)؛ اور وہاں کے لوگوں کو مسلمانوں کا سرور کہتے تھے۔[2] حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے دورِ خلافت میں کوفہ دار الخلافہ تھا؛لیکن اس کے بعد کوفی شامیوں کے زیر تسلط آگئے اور بنی امیہ انہیں ہمیشہ حقیر سمجھتے تھے۔ کوفہ کا خراج، دمشق بھیج دیا جاتا تھا اور بیت المال کی تقسیم کے وقت شامیوں کو مقدم کیا جاتا تھا۔ لہٰذا اپنے روشن ماضی کی طرف واپس پلٹنا، کوفیوں کی دیرینہ خواہش تھی۔

ابن زیاد کے کوفہ آنے سے پہلے، تحریک میں شریک ہونے (اور ہدف تک پہنچنے)کی قیمت بہت کم تھی جس کوفہ کے گورنر کا طرز عمل تھا۔ ابن زیاد کے برعکس، حاکمِ کوفہ نعمان بن بشیر بُردبار اور امن پسند شخص تھا۔ وہ حضرت مسلم کے کوفہ آنے اور شیعوں کی تحریک سے چشم پوشی کرتا رہا۔ جب حضرت مسلم کوفہ آئے اور آپ کے پاس شیعہ کی آمد ورفت کی خبریں نعمان کو پہنچیں تو اس نے کہا:جو شخص مجھ پر حملہ نہیں کرے گا میں اس کے ساتھ جھگڑا نہیں کروں گا اور کسی کو تہمت اور بدگمانی کی بنیاد پر قید نہیں کروں گا، لیکن جس نے بیعت توڑی اور کھلے عام میرے مقابلے میں آیا تو میں اس کے ساتھ جنگ کروں گا۔[3]

دوسری جانب کوفہ کے بزرگ شیعہ، نعمان بن بشیر کا احترام نہیں کرتے تھے اور اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ سلیمان بن صرد خزاعی اور حبیب بن مظاہر کی طرف سے امام حسین علیہ السلام کو لکھے گئے

---

[1]۔ نسبی محرومیت کے بارے میں مزید اطلاع کے لیے رجوع کریں: نظریات تدگور(Ted Gurr) ان منابع میں: فرامرز رفیع پور، توسعہ وتضاد ص ۴۴؛لوئیس کوزر و برنادروزبرگ، نظریہ ہای بنیادی جامعہ شناسی، ص ۶۲۰۔

[2]۔ سید حسین جعفری، تشیع در مسیر تاریخ، ص ۱۳۴۔

[3]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۴۲،۳۴۱۔

خطوط میں یوں ذکر ہوا ہے: "آج ہمارے پاس نہ امیر ہے اور نہ امام، کہ نماز جمعہ اور نماز عید میں اس کی اقتداء کریں۔ یزید کی طرف سے نعمان بن بشیر یہاں موجود ہے۔ کوئی اس کی عزت اور احترام نہیں ہے۔ رات کے وقت امارت کی کرسی پر بیٹھتا ہے؛ لیکن اس کو نہ کوئی خراج (ٹیکس) دیتا ہے اور نہ اس کی خدمت کرتا ہے۔ اگر کسی کو بلائے تو لوگ اس کی بات پر توجہ نہیں دیتے اور یہ امیر، قابلِ احترام نہیں ہے"۔[1] ان جملوں سے یہ نتیجہ لیا جا سکتا ہے کہ نعمان بن بشیر کے دور میں کوفہ کے لوگ تحریک کا ساتھ دینے میں خوف محسوس نہیں کرتے تھے، کیونکہ جانتے تھے کہ جب تک تلوار نہیں اٹھائیں گے، اس وقت تک نعمان کو ان سے کوئی سروکار نہیں ہے؛ لہذا اس دور میں ہدف تک پہنچنے کا خسارہ بہت کم تھا۔ اسی طرح اس دور میں حاکم اور انقلابیوں کے درمیان قدرت کا فاصلہ بھی بہت کم تھا۔ اگر امام حسین علیہ السلام اس وقت کوفہ پہنچ جاتے، تو یقیناً کوفہ والے آپ علیہ السلام کا استقبال کرتے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ابن زیاد نے یزید سے کوفہ کی امارت کا حکم لیا اور کوفہ کی طرف روانہ ہوا تو شہر کے قریب جا کر تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر گیا تاکہ اندھیرا چھا جائے۔ پھر چہرہ ڈھانپ کر کوفہ میں داخل ہوا۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ امام حسین علیہ السلام کوفہ پہنچ گئے ہیں۔ اسی لیے استقبال کے لیے گئے اور مسلسل کہہ رہے تھے: "اے فرزند رسول خوش آمدید! یہاں بہت سے لشکر آمادہ اور آپ کا حکم سننے کے منتظر ہیں"۔[2] پس اگر اس زمانے میں واقعاً ابن زیاد کی جگہ امام حسین علیہ السلام کوفہ داخل ہوتے تو لوگ آپ کی حمایت کرتے۔

ابن زیاد کے کوفہ میں داخل ہونے کے بعد تحریک میں شرکت اور ہدف تک پہنچنے کا خسارہ بہت زیادہ ہو گیا۔ اس کی قیمت تقریباً موت تھی۔ ابن زیاد نے اس قیمت کو بڑھانے کے لیے مندرجہ ذیل کام کیے:

۱۔ ابن زیاد نے چہرہ ڈھانپ کر کوفہ میں داخل ہونے سے لوگوں کو اشتباہ میں ڈال دیا اور لوگوں نے امام حسین علیہ السلام سمجھ کر اس کا استقبال کیا۔ اس نے اس مکر کے ذریعہ امام حسین علیہ السلام کی چاہت کا اندازہ لگایا اور

---

[1]۔ رجوع کریں: ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۲۸۔

[2]۔ سید جعفر شہیدی، پس از پنجاہ سال پژوہشی تازہ پیرامون قیام حسین علیہ السلام، ص۱۲۶۔

آپ کے حامیوں کو بھی پہچان لیا۔ یہ کام کوفیوں کی غفلت کا موجب بنا اور انہیں ابن زیاد سے خوف زدہ کر دیا۔

۲۔ ابن زیاد نے ایک مختصر خطبے میں لوگوں کو نافرمانی سے ڈرایا اور اطاعت کرنے والوں کو مال و دولت کا لالچ دیا۔

۳۔ اس نے اپنے خصوصی غلام معقل کی مدد سے، مکر و فریب کے ذریعہ، حضرت مسلم کی پناہ گاہ تلاش کی اور یوں (حضرت مسلم کی) تحریک کو ایک اور نقصان پہنچایا۔

۴۔ حضرت مسلم بن عقیل کے میزبان اور قبیلہ مذحج کے سردار جناب ہانی بن عروہ کو گرفتار کر لیا اور ظلم و ستم کے بعد زندان میں ڈال دیا۔ یہ کوفیوں کے لیے ناقابل یقین امر تھا۔ اس سے ابن زیاد کی جسارت اور خشونت ظاہر ہوئی، کیونکہ اس وقت عربوں کی رسم تھی کہ اگر کسی قبیلہ کے سردار کو چھوٹا سا نقصان پہنچتا تو پورا قبیلہ انتقام لینے کے لیے کھڑا ہو جاتا تھا۔ ابن زیاد نے کسی خوف اور خطرے کے بغیر جناب ہانی کو زندان میں ڈال دیا۔ اس جسارت کی وجہ سے کوفیوں کے دلوں میں (حضرت مسلم کی) تحریک کا ساتھ دینے سے مزید خوف پیدا ہو گیا۔

۵۔ حضرت ہانی کی گرفتاری کے بعد جب حضرت مسلم نے چار ہزار افراد کے ساتھ ابن زیاد اور اس کے پچاس یا دو سو آدمیوں کا محاصرہ کیا تو ابن زیاد ناامید نہیں ہوا، بلکہ ڈٹا رہا اور باریک بینی اور چالاکی سے حضرت مسلم اور آپ کی تحریک کے خلاف تبلیغات جاری رکھیں۔ یہ تبلیغات مندرجہ ذیل امور پر مشتمل تھیں:

الف) کوفہ ایک سردار کثیر بن شہاب کو حکم دیا کہ قبیلہ مذحج میں سے اپنے کچھ تابعدار افراد کو اپنے ساتھ لے کر شہر میں جائے اور زبانی تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو مسلم کی حمایت سے روکے۔

ب) کوفہ کے پانچ مقامات پر امان کا پرچم بلند کیا اور یہ اعلان کیا کہ جو بھی اس پرچم تلے آجائے گا، وہ ابن زیاد کی سزا سے محفوظ رہے گا۔

ج) ابن زیاد کے حواریوں نے قصر کے اوپر سے خوف ناک تقریریں کیں اور جھوٹی خبر پھیلائی کہ شامی فوج، کوفہ کی طرف روانہ ہو چکی ہے۔ اگر کوئی شخص رات تک مسلم کے ساتھ گھر سے باہر رہا تو ابن زیاد، اس کے خاندان کو بیت المال سے محروم اور اسے قتل کر دے گا[1]۔

ابن اعثم کوفی نے نقل کیا ہے کہ حضرت مسلم کی بیعت کرنے والوں نے جب یہ باتیں سنیں توڈر گئے اور آہستہ آہستہ (دس دس یا بیس بیس ہو کر) فرار کرنے لگے۔[2] غروب آفتاب کے وقت حضرت مسلم کے ساتھ صرف تیس لوگ باقی تھے اور عشاء کی نماز کے بعد ان کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔[3] ابن زیاد نے یوں حضرت مسلم کی تحریک پر آخری ضرب لگائی۔ ابن زیاد کے ان اقدامات کے ذریعے ورق پلٹ گیا۔ کوفہ کے لوگ متزلزل ہو گئے اور حکومتی تبلیغات کے رعب میں آ گئے۔ لہٰذا ہدف کو حاصل کرنے کی قیمت بہت زیادہ ہو گئی اور چونکہ کوفیوں نے اپنے آپ کو نہ صرف ابن زیاد کی فوج کے مدِ مقابل سمجھا بلکہ خود کو شام کی فوج کے مقابلہ میں دیکھنے لگے، لہٰذا ان کی اپنی اور حکومت کی طاقت کے درمیان کوئی توازن نہ رہا اور فاصلہ اتنا زیادہ ہو گیا کہ اب کسی میں مخالفت کرنے کی جرات نہیں تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کی نظر میں فائدے کی امید کم ہو گئی اور بالآخر ان کا عزم کمزور ہو گیا۔

لوگوں کا کردار

ابن زیاد کے میدان میں آنے کے بعد کوفیوں کا اتحاد پاش پاش ہو گیا، بلکہ ان میں اختلاف کی فضا پیدا ہو گئی اور ان کے درمیان کوئی متفق علیہ عملی راستہ باقی نہ رہا۔ ابن زیاد کے کوفہ میں داخل ہونے سے ہی، یہ حالت مسلسل شروع ہوئی اور حضرت مسلم کی شہادت کے بعد اوج تک پہنچ گئی۔ حضرت مسلم کی شہادت کے بعد مکمل عدم استحکام حاکم تھا، کیونکہ لوگ تحریک کے سربراہ کے ساتھ رابطہ رکھنے سے محروم

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۶۹،۳۷۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۵۲، ۵۳۔

[2]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۵۰۔

[3]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۵۳۔

ہو گئے اور اب انہیں اپنی ذمہ داری معلوم نہیں تھی۔ حکومت نے اس عدم استحکام سے اچھی طرح فائدہ اٹھایا اور لوگوں کو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے زبردستی بھیجا۔[1]

[1]۔ ھادی سعیدی رضوانی، "جامعہ شناسی تاریخی قیام عاشورا" مشکوۃ ش ۷۹، ص ۱۰۰، (اقتباس و خلاصہ)۔

گیارہویں فصل

امام حسین علیہ السلام کوفہ کے راستے میں

امام حسین علیہ السلام کی مکہ سے روانگی

امام حسین علیہ السلام کو مکہ مکرمہ میں بنی امیہ کے جاسوسوں کی جانب سے گرفتاری اور قتل کا خطرہ لاحق تھا۔ آپ منگل کے دن آٹھ ذی الحجہ ۶۰ ہجری کو مکہ سے نکلے اور عراق کی طرف روانہ ہوئے۔[1] ابو مخنف نے بیان کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اللہ کے گھر کا طواف کیا، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی، بال کٹوائے اور عمرہ کا احرام کھول دیا۔[2]

شیخ مفید کہتے ہیں: جب امام حسین علیہ السلام نے عراق کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو کعبہ کا طواف کیا ،صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی اور احرام سے خارج ہو گئے اور اسے عمرہ قرار دیا۔ آپ حج مکمل کرنے پر قادر نہیں تھے، کیونکہ (بنی امیہ کے کارندوں کے ہاتھوں) گرفتار ہونے اور یزید کے پاس بھیج دیے

۱۔ امام حسین علیہ السلام کی مکہ سے روانگی کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے؛ ابو حنیفہ اور سید بن طاووس نے تین ذی الحجہ کو امام علیہ السلام کے خروج کا دن قرار دیتے ہیں۔ ابن قولویہ اور سبط ابن جوزی نے سات ذی الحجہ کو ذکر کیا ہے ابن سعد اور ابن عساکر نے دس ذی الحجہ کو امام کی روانگی کا دن شمار کیا۔ لیکن اکثر مؤرخین نے آٹھ ذی الحجہ کو امام علیہ السلام کی روانگی کا دن شمار کیا ہے۔ خصوصا عراق کے راستہ میں امام حسین علیہ السلام نے کوفیوں کو دوسرے خط میں لکھا ہے: میں منگل کے دن آٹھ ذی الحجہ ترویہ کے دن مکہ سے خارج ہوا ہوں اور تمہاری طرف آ رہا ہوں۔ (ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۵۹؛ سید بن طاووس الملھوف علی قتلی الطفوف، ص۱۲۴؛ ابن قولویہ، کامل الزیارات، ص۱۵۲؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص۱۴۰؛ ابن سعد "ترجمۃ الحسین و مقتلہ" فصلنامہ تراثنا ش۱۰، ص۱۷۰؛ ابن عساکر، ترجمۃ الحسین علیہ السلام من تاریخ مدینۃ دمشق، ص۲۰۵؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۱؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۱؛ مسعودی، مروج الذھب، ج۳، ص۷۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۶۶؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۶۹؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۲۰؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۴۷)۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۵۔

جانے کا خوف تھا۔ اسی لیے عمرہ انجام دیا اور اپنے خاندان، اولاد اور اپنے ساتھ آ ملنے والے شیعوں کے ہمراہ مکہ سے خارج ہوئے۔[1]

امام حسین علیہ السلام کو مکہ میں جو خطرات لاحق تھے وہ کثرت سے آپ کے فرامین میں نقل ہوئے ہیں، جن کا تذکرہ پہلے حصہ کی تیسری فصل کے آخر میں امام علیہ السلام اور عبد اللہ بن زبیر کی ملاقات کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ اسی طرح امام حسین علیہ السلام نے بنی امیہ کے بارے میں فرمایا: اللہ کی قسم وہ مجھے نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ میرے بدن سے میری روح نکال لیں اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ ان پر ایسا شخص مسلط کرے گا جو ان کو ذلیل و خوار کرے گا اور یہ عورتوں کے حیض والے گندے کپڑے سے بھی زیادہ بے وقعت ہو جائیں گے۔[2]

امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت محمد بن حنفیہ سے فرمایا: اے بھائی! مجھے خوف ہے کہ یزید بن معاویہ مجھ پر حرم میں اچانک حملہ کرے اور میرے قتل کی وجہ سے حرم کی بے حرمتی ہو۔[3]

اس کے بعد عبد اللہ ابن عباس نے یزید کو خط کا جواب لکھا، جس میں اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے یزید سے کہا: میں بھول نہیں سکتا جس طرح تو نے حسین کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے حرم سے، اللہ کے حرم کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا اور پھر اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ ان کو (حرم میں) قتل کر دیں۔[4]

البتہ یزید نے اس سے پہلے بھی امام علیہ السلام کے قتل کا باقاعدہ حکم دیا تھا۔ جب یزید کو معلوم ہوا کہ امام علیہ السلام نے بیعت سے انکار کر دیا ہے، تو اس نے حاکم مدینہ کو حکم دیا کہ ابن زبیر کو چھوڑ دو اور اس کے ساتھ کوئی سروکار نہ رکھو؛ لیکن حسین کو قتل کر دو۔[5] حتی کہ اس نے ولید بن عتبہ کو (امام حسین علیہ السلام کو خروج

---

[1]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۶۷۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۹۴؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۴۷۔

۳۔ سید ابن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۲۸۔

[4]۔ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج ۲، ص ۲۴۹، ۲۴۸۔

[5]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۱۸۔

سے نہ روک پانے کی وجہ سے) مدینہ کی حکمرانی سے معزول کر دیا اور عمرو بن سعید اشدق کو اس کی جگہ مقرر کیا؛[1] لہٰذا اس کے بعد بنی امیہ کے کارندے امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے کے درپے تھے اور اپنے اس ناپاک ہدف تک پہنچنے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھے، لیکن جب امام حسین علیہ السلام کو خبر ملی کہ کوفیوں نے حضرت مسلم کی بیعت کر لی ہے اور کوفہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو انہوں نے اپنے کام کو تیز کیا اور حج کے اعمال مکمل ہونے سے پہلے، امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے کی کوشش کی۔ اسی لیے آپ علیہ السلام آٹھ ذی الحجہ کو بنی امیہ کے منصوبے پر عمل کرنے سے پہلے، مکہ سے نکل پڑے۔ جب فرزدق شاعر نے امام حسین علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ نے اتنی جلدی کیوں کی ہے اور اپنے حج کو مکمل کیوں نہیں کیا؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر جلدی نہ کرتا تو گرفتار ہو جاتا۔[2]

نامکمل حج؟

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام حسین علیہ السلام نے عمرہ تمتع کا احرام باندھا ہوا تھا اور چونکہ ناامنی کی وجہ سے حج کو انجام دینا ممکن نہیں تھا اس لیے حج کو عمرہ مفردہ میں تبدیل کر دیا؟ یا ابتداء سے ہی عمرہ مفردہ کے لیے مُحرم ہوئے تھے اور چونکہ ذی الحجہ قریب آ رہا تھا اور خطرہ بڑھ رہا تھا اس لیے امام علیہ السلام نے حج تمتع کا احرام باندھا ہی نہیں تھا، لہٰذا عمرہ مفردہ انجام دینے کے بعد مکہ کو ترک کر دیا؟

جواب: بعض مؤرخین کی روایت اور محدثین کی عبارت سے پہلا احتمال قوی نظر آتا ہے، یعنی امام علیہ السلام نے حج کو عمرہ مفردہ میں تبدیل کیا؛ جیسا کہ ابو مخنف سے نقل شدہ طبری[3] کی روایت اور مرحوم شیخ مفید کی روایت جو پہلے ذکر ہو چکی ہے، اس بات کی دلیل ہیں۔

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۴۳؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۳۲۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۶؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص۱۴۰؛ ملہوف کے ایک بعض ایڈیشنز میں آیا ہے کہ آٹھ ذی الحجہ (یوم ترویہ) کو عمرو بن سعید جلیلی (اشدق) چند سپاہیوں کے ہمراہ مکہ میں داخل ہوا۔ یزید نے اسے حکم دیا کہ اگر ممکن ہو حسین کو قتل کر دو۔ اسی لیے امام علیہ السلام ترویہ کے دن مکہ سے خارج ہو گئے۔ (رجوع کریں: سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۲۷، حاشیہ)۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۵۔

لیکن کچھ شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں تھا کہ امام حسین علیہ السلام نے پہلے عمرہ تمتع کا احرام باندھا ہو پھر اس کو عمرہ مفردہ میں تبدیل کر دیا ہو، یا حج تمتع کا احرام باندھا ہو اور اس کو مصدود کے عنوان سے عمرہ مفردہ میں بدل دیا ہو، بلکہ آپ علیہ السلام عمرہ مفردہ کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوئے اور عمرہ مفردہ انجام دے کر ذی الحجہ کے مہینہ میں نیت تبدیل کیے بغیر ،مکہ سے چلے گئے۔ انہی شواہد میں سے امام صادق علیہ السلام کی دو صحیح حدیث ہیں جن میں امام حسین علیہ السلام کے عمل کے ذریعہ اس کے سنت ہونے پر دلیل پیش کی گئی ہے۔

پہلی حدیث، ابراہیم بن عمر الیمانی کی صحیح روایت ہے؛ ابراہیم کہتا ہے: امام صادق علیہ السلام سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا، جس نے حج کے مہینے میں عمرہ مفردہ انجام دیا اور واپس اپنے شہر چلا گیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: جائز ہے اور اگر اسی سال حج انجام دے اور حج اِفراد بجالائے تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔ پھر فرمایا: حسین بن علی علیہ السلام ترویہ (آٹھ ذی الحجہ) کے دن عراق کی طرف چلے گئے، جبکہ عمرہ مفردہ کا احرام باندھا ہوا تھا۔[1]

دوسری روایت کے مطابق معاویہ بن عمار کا بیان ہے: میں نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کیا: عمرہ تمتع اور عمرہ مفردہ میں کیا فرق ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: عمرہ تمتع حج کے ساتھ مربوط ہے، لیکن جو شخص عمرہ مفردہ بجالانا چاہے تو عمرہ کو مکمل کرنے بعد جہاں جانا چاہے جا سکتا ہے، جس طرح حسین بن علی علیہ السلام نے ذی الحجہ میں عمرہ (مفردہ) انجام دیا اور پھر ترویہ (آٹھ ذی الحج) کے دن عراق چلے گئے، جبکہ لوگ منی کی طرف جا رہے تھے اور جو شخص حج نہیں کرنا چاہتا اس کے لیے عمرہ (مفردہ) بجالانا جائز ہے۔[2]

---

[1] ۔ کلینی، فروع کافی، ج۴، ص۵۳۵، ح۳؛ شیخ طوسی، تہذیب لاحکام، ج۵، ص۴۸۱، ح۱۶۲؛ شیخ طوسی الاستبصار، ج۲، ص۳۲۷، ح۱۱۶۰؛ شیخ حر عاملی، وسائل الشیعہ، ج۱۰، ص۲۶۴، باب۷، ح۲۔

[2] ۔ کلینی، فروع کافی، ج۴، ص۵۳۵، ح۴؛ شیخ حر عاملی، وسائل الشیعہ، ج۱۰، ص۲۶۴، باب ۷، ح۳۔

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ دو حدیثیں سند کے لحاظ سے صحیح ہیں (پہلی ابرہیم بن عمر یمانی اور دوسری معاویہ بن عمار کی وجہ سے)۔ شیعہ فقہاان دو روایتوں کے ذریعے استدلال کرتے ہیں اور امام حسین علیہ السلام کے عمل کے مطابق فتوی دیتے ہیں۔ مثلاً:

ا۔ مرحوم آیت اللہ سید محسن الحکیمؒ طباطبائی ان دو روایات کے متعلق فرماتے ہیں:... اہل بیت علیہم السلام سے منقول، مذکورہ روایات کے مقابلہ میں ان روایات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا جو مقتل کی بعض کتب میں نقل ہوئی ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے عمرہ کو عمرہ مفردہ میں تبدیل کیا۔ مقتل کی کتب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا عمرہ تمتع تھااور آپ نے عمرہ مفردہ میں بدل دیا۔[1]

۲۔ مرحوم آیت اللہ سید ابو القاسم خوئیؒ فرماتے ہیں: کوئی شک نہیں ہے کہ مذکورہ دو روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ترویہ کے دن امام حسین علیہ السلام کا روانہ ہونا (شرعی) قاعدے کے مطابق تھا، مجبوری کی وجہ سے نہیں تھا؛... جو شخص حج انجام نہیں دینا چاہتا، اس کے لیے آٹھ ذی الحجہ کو مکہ سے خارج ہونا جائز ہے۔[2]

قابل ذکر ہے کہ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے امام حسین علیہ السلام (تین شعبان کو) عمرہ مفردہ کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوئے اور اسی وقت عمرہ بجالائے؛ لیکن دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے مکہ سے نکلنے سے پہلے (ذی الحجہ کے ابتدائی ایام میں) عمرہ مفردہ انجام دیا۔ ان دونوں (یعنی چار ماہ کی مدت میں دو عمرے انجام دینے) کو قبول کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ گزشتہ روایت میں فقہی شواہد بھی موجود ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے عمرہ مفردہ انجام دیا تھا۔ وہ شواہد مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ اگر امام علیہ السلام ذی الحجہ کے مہینہ میں حج تمتع کا احرام باندھتے تو میقات پنجگانہ (مسجد شجرہ، جُحفہ، یلملم، قرن المنازل اور وادی العقیق) میں سے کسی ایک پر جاتے جو کہ مکہ سے کئی میل کے فاصلے پر ہیں، جبکہ تاریخ اور حدیث میں امام حسین علیہ السلام کا ان میں سے کسی ایک پر جانا ذکر نہیں ہوا۔

---

[1] سید محسن حکیم، مستمسک العروۃالوثقی، ج ۱۱، ص ۱۹۲۔

[2] سید رضا خلخالی، معتمد العروۃ الوثقی، کتاب الحج، ج ۳، ص ۲۳۷۔

۲۔ حج کے احکام میں یہ مسلم ہے کہ اگر کوئی شخص عمرہ یا حج کا احرام باندھنے کے بعد مصدود ہو جائے (یعنی دشمن یا کوئی اور شخص اس کے مکہ یا عرفات جانے میں رکاوٹ بن جائے اور اس کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی نہ ہو) تو اسی مقام پر جہاں مصدود ہوا ہے، قربانی کرے اور احرام سے خارج ہو جائے۔ صرف عمرہ کی نیت کر لینے سے احرام سے خارج نہیں ہو سکتا۔ اگر امام حسین علیہ السلام احرام کے بعد مصدود ہوئے تھے، تو آپ کو قربانی کرنا چاہیے تھی، جبکہ کتب تاریخ اور حدیث میں کوئی ایسی بات ذکر نہیں ہوئی۔[1]

امام حسین علیہ السلام کا خطبہ

امام حسین علیہ السلام نے مکہ سے خارج ہو کر عراق کی طرف روانہ ہونے سے پہلے ایک خطبہ دیا جس میں اپنے خروج کا اعلان کیا۔ خطبہ کا ترجمہ یہ ہے:

شکر اللہ کے لیے ہے، جو کچھ خدا چاہے گا وہی ہو گا اور ارادہ خدا کے علاوہ کوئی طاقت حاکم نہیں ہے اور اللہ کا درود و سلام ہو اس کے رسول پر۔ اولادِ آدم کے لیے موت لکھ دی گئی ہے جیسے لڑکیوں کی گردن میں گردن بند کا نشان ضروری ہے۔ میں اپنے آبا و اجداد کے دیدار کا مشتاق ہوں جیسے یعقوب، یوسف کے دیدار کا مشتاق تھے۔ میری قتل گاہ معیّن ہو چکی ہے، میں اسی جگہ پڑاؤ ڈالوں گا۔ گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ صحراء کے بھیڑیے (یعنی کوفی لشکر) نواویس اور کربلاء کے درمیان ایک سرزمین پر مجھے ٹکڑے ٹکڑے کریں گے، اپنے بھوکے پیٹ سیر اور خالی خزانے بھریں گے۔ قضا کے قلم سے لکھے ہوئے فیصلوں سے فرار ممکن نہیں ہے۔ جس پر اللہ راضی ہے ہم اہل بیت علیہم السلام بھی اس پر راضی ہیں۔ اس کے امتحان اور آزمائش کے سامنے صبر و استقامت سے کام لیتے ہیں اور وہ ہمیں صابرین کا اجر عطا کرے گا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ اور اس کی اولاد کے درمیان کبھی جدائی نہیں آئے گی اور وہ بہشت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ کے ساتھ ہوں گے، کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ کی آنکھ ان کے ذریعہ روشن ہو گی اور اس کا وعدہ بھی انہیں کے ذریعہ پورا

[1]۔ مزید اطلاع کے لیے رجوع کریں: نجم الدین طبسی، مع الرکب الحسینی من المدینۃ الی المدینۃ، ج۲، ص۹۳-۹۸؛ باقر شریف قرشی، حیاۃ الامام الحسین، ج۳، ص۵۰-۵۲؛ یوسفی غرویم وقعۃ الطف، ص۱۴۹، ۱۴۸؛ حاشیہ: ابراہیم ابراہیمی، حج نیمہ تمام، میقات حج، ش۵۳، ص۱۰۰۔

ہو گا۔ تم میں سے جو ہماری راہ میں اپنا خون قربان کرنا چاہے اور اپنی جان، شہادت کے راستے میں اور پروردگار کی ملاقات پر نثار کرنا چاہے، تو ہمارے ساتھ چلے، میں کل صبح چلا جاؤں گا، ان شاءاللہ۔[1]

امام حسین علیہ السلام نے عراق جانے کے ارادے سے آٹھ ذی الحجہ کو مکہ چھوڑا۔ جب امام حسین علیہ السلام کا قافلہ عراق کی جانب روانہ ہونے لگا تو مکہ اور مدینہ کے حاکم عمرو بن سعید کے فوجیوں نے اس کے بھائی یحیی بن سعید کی سربراہی میں امام علیہ السلام کے کاروان کو مکہ سے جانے سے روکنے کی کوشش کی۔ انہوں نے امام علیہ السلام سے کہا: کہاں جانا چاہتے ہو؟ واپس آجاؤ؛ لیکن امام علیہ السلام نے ان کی پروانہ کی اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اپنا سفر جاری رکھا۔ فوجی باربار روک رہے تھے، لیکن امام علیہ السلام اور آپ کے اصحاب زبردست مقابلہ کررہے تھے اور آخر کار انہوں نے ایک دوسرے کو تازیانے مارے۔[2] چونکہ فوجی، مکہ میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جھگڑنا بنی امیہ کی حکومت کے لیے مناسب نہیں سمجھتے تھے، اس لیے انہوں نے اس کام سے اجتناب کیا۔ دینوری کی روایت کے مطابق عمرو بن سعید نے لڑائی کے خوف سے اپنے فوجیوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔[3] اسی لیے انہوں نے بس یہی کیا کہ امام حسین علیہ السلام کو بلند آواز سے کہا: اے حسین! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے کہ مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو رہے ہو اور امت کے درمیان تفرقہ ڈال رہے ہو؟ امام علیہ السلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنتُم بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ[4]

اور اگر تجھے تکذیب کریں تو ان کو کہہ دو کو میرا عمل میرے لیے اور تمہارا عمل تمہارے لیے ہے، تم میرے کام سے بری الذمہ ہو اور میں تمہارے کام سے بری الذمہ ہوں۔

پھر اپنا سفر جاری رکھا۔[1]

۱۔ ابو سعد منصور بن حسین آبی، نثر الدر فی المحاضرات، ج۱، ص۲۲۸؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۴۱؛ حسین بن محمد حلوانی، نزہۃ الناظر وتنبیہ الخاطر، (مجموعہ ورام) ص۸۶؛ سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص۱۲۶؛ علی بن عیسی اربلی، کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ، ج۲، ص۲۳۹۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۵۔

۳۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۶۲،۳۶۱۔

۴۔ یونس (۱۰) آیت ۴۱۔

عبداللہ بن جعفر[۲] کی کوشش

تاریخی کتب کے مطابق امام حسین علیہ السلام کو عراق جانے سے روکنے والی شخصیات میں جناب عبداللہ بن جعفر طیار بھی تھے، جو امام علیہ السلام کے چچازاد بھائی اور حضرت زینب علیہا السلام کے شوہر تھے۔ حضرت عبداللہ کے اقدمات کو امام زین العابدین علیہ السلام یوں نقل فرماتے ہیں: جب ہم مکہ سے خارج ہوئے تو عبداللہ بن جعفر نے اپنے دو بیٹوں حضرت عون اور حضرت محمد کو خط دے کر حسین بن علی کے پاس بھیجا، جس میں لکھا ہوا تھا:

اما بعد! آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، آپ سے درخواست ہے کہ جب آپ کو میرا خط ملے واپس آجانا۔ جس راستے کو آپ نے اختیار کیا ہے، میں اس سے پریشان ہوں کہ کہیں یہ راستہ آپ کے قتل اور آپ کے خاندان کے ختم ہونے کا سبب نہ بن جائے۔ اگر آج آپ ہاتھ سے چلے گئے تو زمین کا نور ختم ہو جائے گا کیونکہ آپ ہدایت پانے والوں کو ہدایت کرنے والے اور مومنین کی امید ہیں۔ پس جانے میں جلدی نہ کریں، میں بھی اس خط کے پیچھے آرہا ہوں۔ والسلام۔[۳]

---

[۱]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۵۔

[۲]۔ عبداللہ بن جعفر طیار، حضرت علی علیہ السلام کا بھتیجا برادر زاد تھا اس کی ماں اسماء بنت عمیس تھی۔ عبداللہ کے ماں باپ بعثت کے ابتدائی سالوں میں مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے اور عبداللہ وہاں پر پیدا ہوا، ہجرت کے ساتویں سال اپنے ماں باپ کے ساتھ واپس مدینہ آیا۔ عبداللہ عرب کے سخی لوگوں میں سے تھا۔ وہ ۸۰ ق میں فوت ہوا۔ (ابن اثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج۳، ص ۹۴-۹۶)

[۳]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۷؛ امام نے اس کے خط کے جواب میں لکھا: اما بعد؛ آپ کا خط مجھے ملا ہے میں نے پڑھا اور جو کچھ تم نے لکھا ہے میں سمجھ چکا ہوں، لیکن میں آپ کو کہتا ہوں کہ میں نے اپنے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ کو خواب میں دیکھا ہے انہوں نے مجھے میری ذمہ داری سے آگاہ کیا ہے میں اسے ہر صورت میں انجام دوں گا، چاہے میرے ضرر میں ہو یا میرے نفع میں۔ اے میرے چچازاد اللہ کی قسم اگر میں حشرات الارض کے سوراخ میں بھی چلا جاؤں وہ مجھے باہر نکال کر قتل کریں گے، اے میرے چچازاد! انہوں نے میرے حق میں ایسے ہی تجاوز کیا ہے جیسے یھودیوں نے ہفتہ کے دن کے بارے میں تجاوز کیا ہے (ابن اعثم۔ کتاب الفتوح، ج۵، ص۶۷؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۱۷-۲۱۸) ابن سعد نے عبداللہ بن جعفر کا خط اور امام علیہ السلام کا خط مختصر ذکر کیا ہے (ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش۱۰، ص۱۶۸)۔

پھر حضرت عبداللہ مکہ اور مدینہ کے حاکم عمرو بن سعید کے پاس گئے اور اس سے بات کی: حسین کو خط لکھو اور اس میں ان کے لیے امان نامہ لکھو اور انہیں اپنی نیکی اور احسان کی امید دلاؤ اور ان سے کہو کہ واپس آ جائیں۔ شاید تیرا خط ان کے اطمینان کا باعث بنے اور وہ واپس آ جائیں۔

عمرو بن سعید نے عبداللہ بن جعفر سے کہا: جو چاہتے ہو لکھو اور میرے پاس لے آؤ میں مہر لگا دوں گا۔ عبداللہ بن جعفر نے (مکہ کے حاکم کی زبانی) امامؑ کو خط لکھا[1] اور عمرو بن سعید کے پاس لے آئے اور اسے کہا: اس خط پر مہر لگاؤ اور اپنے بھائی یحیی بن سعید کو دے کر (حسین کے پاس) بھیجو، کیونکہ اس کے جانے سے انہیں زیادہ اطمینان ہو گا اور سمجھ جائیں گے کہ یہ خط واقعاً تیری طرف سے ہے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ عمرو بن سعید اس وقت یزید کی طرف سے مکہ کا گورنر تھا۔[2]

امام زین العابدینؑ مزید فرماتے ہیں: عبداللہ بن جعفر اور یحیی، امام حسینؑ کے پاس پہنچے اور یحییٰ بن سعید نے امام حسینؑ کو خط پڑھ کر سنایا اور واپس عمرو کے پاس چلا گیا اور اسے یوں خبر دی: ہم نے انہیں خط پڑھ کر سنایا اور انہیں عراق جانے سے روکنے کی بہت کوشش کی، لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا اور انہوں نے ہمارے سامنے جو عذر پیش کیے ان میں سے ایک یہ تھا کہ میں نے اپنے نانا کو خواب میں دیکھا ہے اور اس خواب میں میرے ذمہ ایک کام لگایا گیا ہے جسے میں نے ضروری انجام دینا ہے، چاہے میرے نفع میں ہو یا نقصان میں۔ (امام زین العابدین کی روایت کے مطابق) انہوں نے پوچھا کہ وہ خواب کیا ہے؟ امام نے فرمایا: وہ خواب میں نے ابھی تک کسی کو نہیں بتایا اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات تک (یعنی جب تک

۱۔ شیخ مفید کہتے ہیں: عمرو بن سعید نے عبداللہ بن جعفر کے وصیت مطابق امام کو خط لکھا (شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۶۹) ابن اعثم نے خبر دی ہے کہ سعید بن عاص نے مدینہ میں امام کو خط لکھا (ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۶۷)؛ درحالانکہ وہ اس سے پہلے سال ۵۹ق میں دنیا سے چلا گیا تھا (ابن اثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج۲، ص۲۳۹-۲۴۱) خوارزمی نے بھی کہا ہے: عمرو بن سعید اس وقت مدینہ میں تھا اور جب سنا کہ امام عراق جانا چاہتے ہیں اس نے امام کو خط لکھا اور اپنے بھائی یحیی بن سعید کے ہاتھوں امام کو بھیجا۔ لیکن شواہد دلالت کرتے ہیں کہ عمرو اس وقت مکہ میں تھا۔ اسی طرح اس خط میں جو ابن اعثم اور خوارزمی نے نقل کیا ہے اس میں مسلم کی شہادت کی بات ذکر ہوئی ہے (خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۱۸؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۶۷)؛ درحالانکہ شیخ مفید نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ جناب مسلم امام کے مکہ سے خارج ہونے کے ایکی دن بعد یعنی ۹ ذی الحجہ کو شہید ہو گئے۔ (شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۶۶)۔

[2] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۸۔

زندہ ہوں) کسی کو نہیں بتاؤں گا؛ لہٰذا وہ دونوں عمرو بن سعید کے پاس واپس جانے اور اس کو خبر دینے پر مجبور ہو گئے کہ ہم امام علیہ السلام کو جانے سے روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔[1]

اس خط کا متن یوں تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ عمرو بن سعید کی طرف سے حسین بن علی کے نام۔ اما بعد! اللہ تعالیٰ سے میری درخواست ہے کہ آپ کو ہلاک کرنے والے کام سے منصرف کرے اور جو چیز آپ کی ہدایت کا موجب ہے اس کی طرف آپ کی رہنمائی فرمائے۔ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ عراق کی طرف روانہ ہو چکے ہیں؛ میں آپ کو اختلاف اور تفرقہ بازی سے روکتا ہوں اور مجھے خوف ہے کہ یہ کام تیری نابودی کا سبب بنے گا؛ لہٰذا عبد اللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کو تیری طرف بھیج رہا ہوں۔ ان کے ہمراہ میرے پاس آجاؤ یقیناً امان میں ہو گے اور آپ میرے پاس نیکی، جزاء اور اچھائی پاؤ گے۔ میں آپ کے حق میں ان باتوں کی پابندی پر اللہ تعالیٰ کو گواہ، کفیل اور وکیل بناتا ہوں، والسلام علیک۔

امام علیہ السلام نے جواب لکھا:

یقیناً جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہے، اعمال صالح بجالاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کی مخالفت نہیں کرتا۔ تو نے مجھے امان، نیکی اور بخشش کی دعوت دی ہے، لیکن بہترین امان اللہ تعالیٰ کی امان ہے، کیونکہ جو شخص دنیا میں اس سے نہیں ڈرے گا تو وہ خدا قیامت کے دن اسے امان نہیں دے گا؛ لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ سے دنیا میں اس کا خوف مانگتے ہیں تاکہ قیامت کے دن اس کی امان کا سبب بنے۔ اگر تو اس خط کے ذریعہ میرے ساتھ نیکی اور بخشش کرنا چاہتا تھا تو دنیا و آخرت میں جزائے خیر پائے گا۔ والسلام۔[2]

جب ابن زیاد کو اطلاع ملی کہ امام حسین علیہ السلام مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں تو اس نے اپنی فوج کے سربراہ حُصَین بن نُمَیر کو (کوفہ سے پندرہ فرسخ کے فاصلے پر) قادسیہ بھیجا۔ اس نے قادسیہ کے مقام پر

---

[1]۔ سابقہ حوالہ۔

[2]۔ سابقہ حوالہ۔

پڑاوڈالا اور اپنے لشکر کو قادسیہ سے لے کر خفان (جو قادسیہ سے کچھ آگے تھا)[1] تک اور قادسیہ سے قطقطانہ (جو خشکی کی طرف سے کوفہ کے قریب تھا)[2] اور لَعلَع (کوفہ اور بصرہ کے درمیان)[3] تک پھیلا دیا اور لوگوں کو بتایا کہ یہ حسین ہے جو عراق آرہا ہے۔[4]

مکہ سے کربلاتک منزلیں

امام حسین علیہ السلام کے کاروان نے مکہ سے کربلاتک متعدد منازل سے عبور کیا۔ کاروان حسینی کچھ منازل پر دن رات، کچھ پر صرف ایک دن، کچھ پر چند گھنٹے اور کچھ پر صرف نماز کے لیے رکا، جبکہ کچھ منازل پر بالکل نہ ٹھہرا۔ قدرے اختلاف کے ساتھ کتب میں ذکر ہونے والی یہ منازل مندرجہ ذیل ہیں:

تَنعِیم، صِفاح، عقیق (وادی عقیق)، ذات عِرق، غَمره، مُسلَح، اُفَیعِیَّه، مَعدِن بَنِی سُلَیم، عُمَق، سَلِیلِیّه (ماء السلیلیه، السلیله)، مُغِیثَه (مُغِیثَةُ الْمَاوَان)، نَقْرَة (مَعْدِن النقرة)، حَاجِر، سَمِیرَا، تُوز، فَیْد، بَطْنُ الْعَقْبَه، اَجْفُر، خُزَیْمِیَّه، زَرُود، ثَعْلَبِیَّه، بِطان بِطَانِیَّه)، شُقُوق، زَبَالَه، قَاع، عَقَبَه، وَاقِصَه، قَرعَاء، مُغِیثَه (یہ منزل مغیثہ الماوان کے علاوہ ایک اور منزل ہے)، شَرَاف، ذُوحُسَم، بَیْضَه، عُذَیب (عُذَیْبُ الهِجَانَاتِ)، اَقْسَاسُ مَالِك، رُهَیمَه، قَصرِ بَنِی مَقَاتِلِ، قُطْقُطَانَه اور نِینَوَا[5]۔

کچھ منازل پر چند واقعات پیش آئے جو تاریخ کی کتب میں درج ہیں۔ اب ہم ان منازل اور ان میں پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

1۔ یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۲، ص۴۳۴۔

2۔ سابقہ حوالہ۔ ج۴، ص۴۲۵۔

3۔ سابقہ حوالہ۔ ج۵، ص۲۱-۲۲۔

4۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۹۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ص۷۰،۶۹۔

۵۔ مزید معلومات کے لیے رجوع کریں: علی بن الحسین ہاشمی، الحسین فی طریقہ الی الشہادۃ، ص۲۲-۱۵۰۔

۱. تَنعِیم[۱]

یزید کے قافلہ سے بیت المال ضبط کرنا

مکہ سے نکلنے کے بعد قافلہ حسینی نے سب سے پہلے جہاں قیام کیا، وہ منزل تنعیم تھی۔ ابو مخنف کی روایت کے مطابق امام حسین علیہ السلام نے اس منزل پر ایک قافلہ سے ملاقات کی جو یمن کے حاکم بجیر بن ریسان حمیری کی جانب سے یزید کے دربار جا رہا تھا۔ یہ قافلہ یزید کے لیے وَرْس[۲] اور جدید اور خوبصورت لباس لے کر جا رہا تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے اس بیت المال پر قبضہ کر لیا۔ اونٹوں کے مالکوں سے (جنہوں نے اپنے اونٹ اموال کی حمل و نقل کے لیے کرائے پر دیئے ہوئے تھے) فرمایا: ہم آپ کو مجبور نہیں کرتے، تم میں سے جو کوئی ہمارے ساتھ عراق کی سرزمین تک آنا چاہے، ہم اس کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں گے اور اسے پورا کرایہ دیں گے، لیکن جو یہاں سے واپس جانا چاہے وہ جتنا سفر طے کر چکا ہم اس کا کرایہ دیں گے۔

جن لوگوں نے یہاں امام علیہ السلام کو چھوڑ دیا آپ نے حساب لگا کر ان کو پورا کرایہ دیا، لیکن جنہوں نے امام کے ساتھ آنا پسند کیا، ان کو اپنے کرائے کے علاوہ ایک پوشاک بھی عطا فرمائی۔[۳]

سید بن طاووس نے بھی امام کے بیت المال پر قبضہ کرنے کا تذکرہ کیا ہے، وہ کہتے ہیں: امام علیہ السلام نے تنعیم کے مقام پر ایک قافلہ دیکھا جو یمن کے والی بجیر بن ریسان حمیری کی جانب سے یزید بن معاویہ کے لیے

۱۔ یاقوت حموی کہتے ہیں: تنعیم، مکہ سے دو فرسخ کے فاصلہ پر (حرم سے باہر) واقع ہے اور اہل مکہ کا میقات ہے۔ وہ عمرہ انجام دینے کے لیے یہاں سے مُحرِم ہوتے ہیں۔ یہاں پانی کے کنویں موجود تھے۔ (معجم البلدان، ج۲، ص۵۸)۔ لیکن یہ اطلاعات ماضی سے مربوط ہیں۔ آج شہر مکہ کی وسعت کی وجہ سے تنعیم شہر کے اندر آگیا ہے اور وہاں بہترین مسجد، مسجد تنعیم کے نام سے بنائی گئی ہے۔ چونکہ نزدیک ترین مقام ہے جہاں پر حرم ختم ہوتا اس لیے مکہ والے یہاں سے عمرہ کے لیے مُحرِم ہو سکتے ہیں۔

۲۔ وَرْس: یمن کی سرزمین پر پیدا ہوتا ہے اس کا دانہ تل کے دانے کی طرح ہوتا ہے۔ علامہ شعرانی اس بارے میں کہتے ہیں: یہ یمن کا تحفہ ہے اور اسی جگہ پیدا ہوتا۔ اس کے دانے زعفران کے دانوں کی طرح اور اس کا بیج تلوں کے بیج کی طرح ہوتا ہے۔ یہ زرد اور خوبصورت رنگ کا ہوتا ہے (میرزا ابو الحسن شعرانی، ترجمہ نفس المہموم، ص۱۴۸)۔

۳۔ طبری، متاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۶؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۲۰۔

ہدیے لے کر جارہا تھا۔ امام علیہ السلام نے وہ ہدیے، ان سے لے لیے، کیونکہ (اس وقت حقیقت میں) مسلمانوں کے امور پر تسلط اور حکمرانی امام حسین علیہ السلام کی تھی (آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی امت کے امام تھے)۔[1]

لیکن شیخ مفید نے ان اموال کے بیت المال ہونے اور اس پر قبضہ کرنے کے بارے میں گفتگو نہیں کی بلکہ صرف یہی کہا: جب امام حسین علیہ السلام تنعیم کے مقام پر پہنچے تو ایک قافلے سے ملاقات ہوئی جو یمن سے آرہا تھا اور امام علیہ السلام نے ان سے سامان اٹھانے اور سواری کے لیے اونٹ کرائے پر لیے۔[2]

ہم بعد میں بیان کریں گے کہ دینوری اور بلاذری نے بھی یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

جرات مندانہ اقدام یا راہ زنی؟

موجودہ دور کے ایک ریسرچ اسکالر نے امام حسین علیہ السلام کے اس کام کو ڈکیتی اور ظلم قرار دیتے ہوئے، واقعہ عاشورہ میں تحریف جانا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ یہ بنی امیہ کا من گھڑت واقعہ اور تبلیغاتی اور نفسیاتی جنگ کا حملہ ہے۔ اس نے مذکورہ داستان کی سند اور مفہوم کے لحاظ سے نفی کی ہے اور اس پر دلائل دیئے ہیں۔[3]

اس نظریہ پر کچھ اعتراضات ہیں، جنہیں ہم اختصار کے ساتھ یہاں بیان کرتے ہیں:

۱۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس اعتراض کی بنیاد خلافتِ اسلام اور خلفاء کے مکتب کے بارے میں رائج نظریہ ہے جس کی بنا پر یزید کی خلافت شرعی لحاظ سے درست ہے اور اس کی مخالفت، بغاوت اور رہزنی شمار ہوتی ہے۔ مؤلف نے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ حقیقت میں اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ اس نے اس دعویٰ کو ثابت کرنے اور امام حسین علیہ السلام کو معاویہ اور یزید کے تصرف میں موجود اموال پر قبضہ جمانے کی تہمت سے بری کرنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ اگر امام حسین علیہ السلام اس نظریہ کو قبول کرتے (یعنی یزید کی شرعی

---

[1] سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۳۰۔

[2] شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ٦۸۔

[3] محمد صحتی سردرودی، تحریف شناسی عاشورا و تاریخ امام حسین علیہ السلام، ص ۱۳۹-۱۴۳۔

خلافت اور اس کی مخالفت کو ناجائز سمجھتے)تو دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح یزید کی بیعت کر لیتے اور مدینہ سے باہر نہ جاتے اور بعد والے واقعات بھی پیش نہ آتے۔

اگر مسلمانوں کا مال یزید جیسے فاسق، فاجر، مُفسِد اور غیر شرعی خلیفہ کے پاس پہنچ جاتا اور وہ اپنی مرضی سے خرچ کرتا، بنی امیہ اور اس کے حامیوں کی جیب میں ڈالتا، تو کیا یہ سب برحق اور شرعی تھا؛ لیکن اگر امام حسین علیہ السلام جیسے معصوم، طاہر اور پیغمبر اکرم علیہ السلام کے نواسے اس کو ضبط کر کے اپنے اصلی مقام پر خرچ کریں، تو یہ رہزنی اور ڈاکہ شمار ہوتا ہے؟! امام حسین علیہ السلام کی نگاہ میں بنی امیہ کا ایک غیر شرعی اور بدعتی عمل اور اُن کی غیر اسلامی خلافت کی مخالفت کرنے کا ایک بنیادی سبب ہی یہی تھا کہ وہ بیت المال پر قبضہ کر کے اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتے تھے۔ چنانچہ منزل بَیضَہ پر حر بن یزید ریاحی کے ساتھ ملاقات کے وقت آپ نے خطبے میں اس کام کو ان کی ایک بدعت شمار کیا ہے۔[1]

۲۔ امام حسین علیہ السلام کا یہ کام، نہ صرف ڈاکہ اور چوری نہیں تھا، بلکہ جرات مندانہ، شجاعانہ اور قابل فخر اقدام تھا؛ کیونکہ یہ اقدام اور اس طرح کے دوسرے اقدامات جو امام علیہ السلام نے حکومت معاویہ کے زمانے میں انجام دیے تھے، ان میں کوئی اقدام بھی مالی اہمیت کا حامل نہیں تھا، بلکہ یہ سیاسی پیغامات اور (حکومت کے خلاف) اعتراضات تھے اور باپ بیٹے کی حکومت کی شرعی حیثیت پر اعتراض اور اس پر ضرب لگانا تھا۔ اس زمانے میں امام حسین علیہ السلام کے علاوہ کسی میں یہ جرأت نہیں تھی۔ اس دور کی بہت سی بڑی شخصیات میں معاویہ کی اجازت کے بغیر پانی پینے کی جرات بھی نہیں تھی، چہ جائیکہ اس کے اختیارات اور حدود سے تجاوز کر سکیں۔

رہزنی یا ڈاکہ ڈالنے والے کا انداز چوروں جیسا ہوتا ہے اور وہ چھپ کر انجام دینے یا کسی اور کی گردن پر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے جبکہ امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کے دور میں اس کے اموال ضبط کیے اور جرأت کے ساتھ خط لکھ کر اسے اطلاع دی۔

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۰۳؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۸۱۔

معاویہ نے چونکہ پیمانِ صلح کو عملی طور پر پاؤں تلے روندا، اس کی توہین کی اور طے شدہ امور کی مخالفت کی، لہذا اس کے پاس صبر و تحمل کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا اور اس نے صرف دھمکی دینے پر ہی اکتفاء کیا۔ ابن ابی الحدید کا اسے معاویہ کی بردباری اور وسعت قلبی کہنا، اس کی غلطی کی ہے۔

۳۔ بنی امیہ یا ان کے طرف دار مؤرخین نے، کہیں بھی امام علیہ السلام کے اس کام کو طعنہ اور امام علیہ السلام کے قتل کا جواز نہیں بنایا۔ جیسا کہ اس کتاب کے دوسرے حصہ کی دوسری اور تیسری فصل میں گزر چکا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے یزید کی ولی عہدی کو قانونی حیثیت نہیں دی اور یہ بنی امیہ اور ان کے طرفداروں کی نگاہ میں کوئی چھوٹا گناہ نہیں تھا۔

۴۔ اگرچہ مقتلِ ابومخنف ایک مستقل کتاب کی شکل میں ہماری دسترس میں نہیں ہے، لیکن حوزہ علمیہ کے ایک محقق نے تحقیق کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ عاشورہ کے بارے میں ابومخنف کی روایات کا ایک عمدہ حصہ طبری نے اپنی تاریخ میں، شیخ مفید نے ارشاد میں اور سبط بن جوزی نے تذکرۃ الخواص میں نقل کیا ہے۔ طبری نے یہ واقعہ ابومخنف سے نقل کیا ہے اور ابومخنف نے اسے ایک واسطہ کے ذریعہ عقبہ بن سمعان سے نقل کیا ہے[1] جو امام حسین علیہ السلام کی زوجہ حضرت رباب کا غلام تھا اور وہ، اِس واقعہ کا عینی شاہد تھا اور چونکہ یہ غلام تھا، لہذا کربلا میں قتل نہیں ہوا، بلکہ اسے آزاد کر دیا گیا۔

دوسری طرف یہ بات اپنے مقام پر ثابت ہو چکی ہے کہ ابومخنف (۱۵۷ ہجری) اگر حقیقی شیعہ نہیں تھا تو اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ محبت رکھنے والا ضرور تھا اور بنی امیہ کا طرف دار نہیں تھا، لہذا اس کی نقل شدہ روایات قابل اعتماد ہیں۔[2]

اس کے علاوہ یہ واقعہ صرف تاریخ طبری نے نہیں، بلکہ دو قدیمی مسلم تاریخ دان، ابو حنیفہ دینوری (۲۸۲ق) اور احمد بن یحیی بلاذری (۲۷۹ ہجری) نے بھی نقل کیا ہے؛ جن کی کتب، مؤرخینِ اسلام کے نزدیک قابل اعتماد ہیں۔[1]

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۸۵۔

[2]۔ رجوع کریں: محمد ہادی یوسفی غروی، وقعۃ الطف، ص ۱۸-۲۰۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ بلاذری نے روز عاشورہ کو خیام حسینی کی لوٹ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ خیام میں وَرْس اور حُلّے موجود تھے، جو منزل تنعیم پر امام حسین علیہ السلام نے لیے تھے؛ وہ لکھتا ہے: وَ مَالَ النَّاسُ عَلَى الوَرْسِ وَالحُلَلَ وَالْاِبِلِ فَانْتَهَبُوهَا [2] "لوگوں نے (یعنی فوج کوفہ نے) ورس، لباس اور اونٹوں پر حملہ کیا اور لوٹ لیا"۔

۵۔ اموال پر قبضے کا ماجرا اس وقت پیش آیا جب امام حسین علیہ السلام مکہ سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہو چکے تھے، تاکہ یزید کی حکومت کے مد مقابل کوفیوں کی رہبری سنبھالیں۔ لہٰذا آپ علیہ السلام نے اس اقدام کے ذریعہ عملی طور پر یزید کی حکومت کے غیر قانونی ہونے کا اعلان کیا۔ دوسری جانب بنی امیہ کی فوج کے ساتھ مقابلہ بھی شروع ہو چکا تھا۔ تاریخ دان لکھتے ہیں: "(منزل تنعیم سے پہلے) مکہ کے حاکم عمرو بن سعید کے فوجیوں کا ایک گروہ، اس کے بھائی کی سربراہی میں امام حسین علیہ السلام کو عراق جانے سے روکنے آیا۔ حاکم کی فوج نے آپ اور آپ کے ساتھیوں کو روکنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے شدید مقابلہ کیا اور دونوں نے ایک دوسرے کو تازیانے مارے۔ بالآخر کاروانِ حسینی علیہ السلام نے اپنا سفر جاری رکھا [3]۔ اس بنا پر کیا امام حسین علیہ السلام سے یہ توقع تھی کہ آپ حکومتِ یزید کے احترام کا خیال رکھتے ؟! "

۶۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ یمن میں یزید کے گورنر بجیر بن ریسان حمیری نامی شخص کا تاریخ میں ثبوت نہیں ملتا؛ اس دعوے کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں: تاریخ اور رجال کے بعض علما نے اس کے بارے میں جو معلومات دی ہیں وہ صرف یہ ہیں کہ وہ یمن کا رہنے والا تھا اور اس کے بیٹوں نے اس سے ناپسندیدہ اور بیہودہ روایات نقل کی ہیں۔ وہ عبادۃ بن صامت سے روایات نقل کرتا تھا اور ابو سفیان شامی نے بھی اس سے روایتیں نقل کی ہیں۔ [4]

---

[1]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۶۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۳۷۵-۳۷۶۔

[2]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۹۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۸۵؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۳۷۵؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۶۲۔

[4]۔ عبد الرحمن بن ابی حاتم رازی، الجرح والتعدیل ج ۲، ص ۴۱۱، ش ۱۶۲۰؛ عبد اللہ بن عدی جرجانی، الکامل فی الضعفاء، ج ۲، ص ۵۶۔

اسی طرح طاؤوس بن کیسان یمانی، بُحَیر کا غلام تھا۔[1] صنعانی (۲۱۱ہجری) کی روایت کے مطابق بُحَیرہ پھر کچھ مدت عبد اللہ بن زبیر کا غلام تھا۔[2] اسی طرح طبری نے بھی ۶۶ہجری کے واقعات میں اس کا ذکر کیا ہے[3]۔ گزشتہ مطالب کو مد نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل نتیجہ لیا جاسکتا ہے:

اولاً: جیسا کہ سید بن طاؤوس نے کہا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا یہ اقدام مسلمانوں، ان کے اموال اور بیت المال میں تصرف کرنے پر امامت وولایت کے اختیارات میں سے تھا۔

ثانیاً: یزید، ان اموال کو غیر شرعی کاموں حتیٰ کہ فساد، فحاشی اور گناہوں پر خرچ کرتا؛ لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے ان اموال پر قبضہ کرکے برائی کا سدباب کیا۔

اس واقعہ میں سبق آموز نکتہ، آپ علیہ السلام کا اونٹ والوں سے پیش آنے کا انداز تھا۔ چونکہ امام علیہ السلام کا یہ اقدام، انہیں یزید سے اپنی اجرت نہ ملنے کا سبب تھا جبکہ امام علیہ السلام ان کے کام کو یزید سے علیحدہ جانتے تھے، لہٰذا اس لیے کہ وہ لوگ اپنی محنت کی اجرت سے محروم نہ رہیں، انہیں وہ مشورہ دیا جو پہلے گزرچکا ہے۔ یہ طرزِ عمل صرف الٰہی رہنما سے ہی صادر ہوسکتا ہے کہ ہر کام کو اس کے مقام پر انجام دیتے ہیں۔ آپ علیہ السلام کا نظریہ تھا کہ ایک شرعی اور خدا کا پسندیدہ عمل دوسروں کے حقوق ضائع ہونے یا کسی اور غیر شرعی اور خدا کے ناپسندیدہ کام کا سبب نہ بنے۔

۲. صفاح[4]

فَرَزْدَق شاعر کے ساتھ ملاقات

کتبِ تاریخ میں نقل ہوا کہ مکہ سے کربلا جاتے ہوئے، امام حسین علیہ السلام کی فرزدق شاعر کے ساتھ ملاقات ہوئی؛ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ یہ ملاقات کہاں اور کس منزل پر ہوئی۔ ابو مخنف نے عبد اللہ

---

[1]۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۵، ص۵۳۷؛ ابن ابی حاتم رازی، الجرح والتعدیل، ج۴، ص۵۰۰، ش۲۲۰؛ طبری، المنتخب من کتاب ذیل المذیل، ص۱۲۵۔

[2]۔ عبد الرزاق صنعانی، المصنف، ج۱۱، ص۲۴۵-۲۴۶؛ ش۲۰۴۴۴۔

[3]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۶، ص۹۔

[4]۔ صفاح حنین اور حرم کے درمیان ایک مقام ہے۔ یہ منزل مکہ میں داخل ہونے والوں کی بائیں جانب واقع ہے (یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۳، ص۴۶۷)۔

بن سلیم اسدی اور مُذری بن مُشْمعِل اسدی سے نقل کیا ہے کہ منزلِ صفاح پر فرزدق بن غالب شاعر آیا اور امام حسین علیہ السلام کے پاس رُک کر کہا: اللہ تعالیٰ اس چیز میں آپ کی خواہش اور آرزو پوری کرے جو آپ کو پسند ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اپنے پیچھے رہنے والوں (یعنی کوفیوں) کے بارے میں خبر دو۔

فرزدق نے کہا:

مِنَ الْخَبِیْرِ سَئَلْتَ، قُلُوْبُ النَّاسِ مَعَكَ وَ سُیُوْفُهُمْ مَعَ بَنِیْ اُمَیَّةَ وَ الْقَضَاءُ یَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَاللهُ یَفْعَلُ مَایَشَاءُ

آپ نے ایک آگاہ شخص سے سوال کیا ہے۔ لوگوں کے دل آپ کے ساتھ اور تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں اور اللہ کی قضا آسمان سے نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کو انجام دیتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: تو نے سچ کہا ہے، سب کام اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں، وہ جو کچھ چاہتا ہے انجام دیتا ہے اور ہمارا پروردگار ہر روز ایک کام میں ہے۔ اگر اللہ کی قضا ہماری مراد کے مطابق ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں گے اور شکر ادا کرنے کے لیے اس سے مدد مانگیں گے اور اگر اس کی قضا ہماری آرزو کے خلاف ہوئی ہوئی تو جو حق کا طالب ہو اور تقوی اور پرہیز گاری اسکی صفت ہو، تو اس نے کوئی نقصان نہیں کیا۔ پھر امام علیہ السلام نے اپنے اونٹ کو چلایا اور فرمایا: السلام علیک؛ اور ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔[1]

فرزدق کا بیٹا لَبَطه اپنے باپ سے نقل کرتا ہے کہ میں سنہ ۶۰ ہجری میں اپنی ماں کو حج پر لے گیا۔ حج کے ایام میں جب حرم کے اندر اس کے اونٹ کو چلا رہا تھا تو اچانک حسین بن علی علیہ السلام کو دیکھا، ان کی حالت یہ تھی کہ انہوں نے اپنی تلوار اور ذرہ اپنے ساتھ رکھی ہوئی تھی اور مکہ سے نکل رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کس کا قافلہ ہے؟ لوگوں نے بتایا: حسین بن علی کا۔ میں قریب گیا اور کہا: اے فرزند رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کس چیز نے حج مکمل ہونے سے پہلے آپ کو جلدی کرنے پر مجبور کر دیا ہے؟ فرمایا:

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۶۔

اگر جلدی نہ کرتا تو ضرور مصیبت میں گرفتار ہو جاتا۔ پھر آپ نے مجھ سے پوچھا: تم کس قبیلہ سے ہو؟میں کہا:اہل عراق۔ پھر فرمایا: ان لوگوں کے بارے میں خبر دو جنہیں پیچھے چھوڑ آئے ہو(یعنی اہل عراق)۔میں نے کہا: ان کے دل آپ کے ساتھ اور تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں اور قضا و قدر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔فرمایا:تم نے صحیح کہا ہے۔فرزدق کہتا ہے:میں نے ان سے نذر اور حج کے اعمال کے بارے میں پوچھا اور انہوں نے جواب دیا۔پھر میں چلا گیا۔اچانک ایک بڑا خیمہ دیکھا جو بہت خوبصورت تھا۔ میں اس کی طرف گیا تو مجھے پتا چلا کہ یہ عبداللہ بن عمرو بن عاص کا خیمہ ہے۔وہ مجھ سے حالات کے بارے میں پوچھنے لگا، میں نے اسے حسینؑ کے ساتھ ملاقات کی خبر دی۔اس نے کہا: افسوس ہے تجھ پر،تم ان کے ساتھ کیوں نہیں گئے ؟اللہ کی قسم؛وہ حکومت پالے گا،اسلحہ ان کے اور ان کے اصحاب میں اثر نہیں کرتا۔فرزدق کہتا ہے: اللہ کی قسم؛میں نے ارادہ کیا کہ ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں،کیونکہ عبداللہ کی باتوں نے میرے دل پر اثر کیا؛لیکن جب انبیاء اور ان کے قتل کی داستان مجھے یاد آئی تو ارادہ بدل لیا اور اپنے خاندان کے پاس عُسفان چلا گیا اور مسلسل ان کے پاس رہا،یہاں تک کہ کوفہ سے ایک قافلہ سامان لے کر ہمارے پاس آیا۔جب مجھے ان کی آمد کا پتہ چلا تو اس کے پیچھے گیا اور جب ایسے مقام پر پہنچا جہاں سے وہ میری آواز سن سکتے تھے تو میرے اندر مزید صبر نہ رہا کہ ان تک پہنچ جاؤں۔اسی لیے میں آواز دے کر ان سے پوچھا کہ حسین بن علی نے کیا کیا ہے؟انہوں نے جواب دیا: وہ قتل ہو گئے ہیں!اور میں عبداللہ بن عمرو پر لعنت کرتے ہوئے واپس آ گیا(کیونکہ اس نے حقیقت کے خلاف بات کی تھی اور مجھے موت کے منہ میں ڈال رہا تھا)۔[1]

۱۔طبری، تاریخ الامم والملوک،ج۵،ص۳۸۶-۳۸۷؛اور اسی مضمون کے ساتھ:خوارزمی، مقتل الحسینؑ،ج۱،ص۲۲۲۔

۳. ذات عِرق[1]

بِشر بن غالب[2] کے ساتھ ملاقات

امام حسین علیہ السلام کا قافلہ منزل صفاح سے منزل عقیق اور عقیق سے ذات عِرق پہنچا۔ وہاں قبیلہ بنی اسد کے ایک شخص بِشر بن غالب سے ملاقات ہوئی جو عراق سے آ رہا تھا۔ وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں آیا، امام علیہ السلام نے اس سے پوچھا: کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے کہا: میرا تعلق قبیلہ بنی اسد سے ہے۔ امام علیہ السلام نے پوچھا: کہاں سے آ رہے ہو؟ کہا: عراق سے۔ امام نے پوچھا: عراق کے لوگوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟ کہا: اے فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ ان کو اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ ان کے دل آپ کے ساتھ اور تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے عرب بھائی! تم نے سچ کہا ہے، اللہ تعالی جو چاہتا ہے انجام دیتا ہے، اور جو ارادہ کرتا ہے وہی فیصلہ کرتا ہے۔ اس نے امام سے کہا: اے فرزندِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ اس آیت "یوم ندعو کل اناس بامامهم"[3] کی وضاحت فرمائیں۔

امام نے فرمایا:

نَعَمْ يَا اَخَا بَنِىْ اَسَدٍ! هُمْ اِمَامَانِ اِمَامُ هُدًى دَعَااِلٰى هُدٰى وَ اِمَامُ ضَلَالَةٍ دَعَا اِلٰى ضَلَالَةٍ، فَهَدٰى مَنْ اَجَابَهُ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَنْ اَجَابَهُ اِلَى الضَّلَالَةِ دَخَلَ النَّارَ۔

اے اسدی بھائی! امام کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ ہدایت کا امام: جو ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے۔

۱۔ ذات عرق سرزمین تہامہ (مکہ کی مرکزی مقام کی نسبت نچلا علاقہ) کی ابتداء میں واقع ہے، نجد (پہاڑی علاقہ) اور تہامہ کے درمیان بارڈر ہے جہاں سے عراقی حاجی گزرتے ہیں اور یہ اہل عراق کا میقات ہے وہ یہاں سے محرم ہوتے ہیں (یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۴، ص۱۲۱، ذیل العرق)۔

۲۔ بِشر بن غالب اسدی کوفی کی کنیت ابو صادق ہے اور یہ امام علی، امام حسن، امام حسین اور امام سجاد علیہم السلام کے اصحاب میں سے تھا۔ دعای عرفہ اس کے اور اس کے بھائی بشیر سے نقل ہوئی ہے (شیخ طوسی، رجال الطوسی، ص۹۹، ۱۱۰؛ مجلسی بحار الانوار، ج۴۵، ص۳۷۵، ۳۳۸)۔

۳۔ سورہ سراء (۱۷) آیہ ۷۱؛ جس دن لوگوں کے ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ اٹھائیں گے۔

۲۔ گمراہی کا امام: جو گمراہی کی دعوت دیتا ہے۔ جس نے پہلے امام کی اتباع اور پیروی کی جنت میں جائے گا اور جس نے گمراہی کی دعوت پر لبیک کہا وہ جہنم میں جائے گا۔[۱]

شیخ صدوق نے یہ سوال و جواب منزل ثعلبیہ پر ذکر کیا ہے۔ امام نے یوں جواب دیا: ایک امام وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو صراط مستقیم، سعادت اور خوش بختی کی طرف بلاتا ہے۔ کچھ لوگ اس کی بات مان لیتے ہیں اور اس کی پیروی کرتے ہیں۔ دوسرا امام جو لوگوں کو گمراہی اور بد بختی کی دعوت دیتا ہے۔ کچھ لوگ اس کی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں۔ پہلا گروہ جنتی جبکہ دوسرا گروہ جہنمی ہے اور یہ اس آیت کا معنی ہے:

فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر۔[۲,۳]

عون بن عبداللہ کے ساتھ ملاقات

اسی منزل پر ایک شخص عون بن عبداللہ بن جعدہ اپنے باپ کی طرف سے خط لے کر امام حسین علیہ السلام کے پاس آیا۔ اس نے خط میں امام حسین علیہ السلام کے کوچ کرنے پر افسوس کا اظہار کیا اور امام سے درخواست کی کہ اس کام سے منصرف ہو جائیں اور واپس آ جائیں لیکن امام حسین علیہ السلام نے اس خط کو اہمیت نہ دی۔[۴]

۴. حاجِر

قَیس بن مُسْہِر کے ذریعہ کوفیوں کی طرف خط

امام حسین علیہ السلام نے بطن الرُّمہ[۵] میں واقع منزل حاجر پر، قَیس بن مُسْہِر صَیداوی کو خط دے کر کوفہ بھیجا۔ خط کا متن یوں تھا:

۱۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۷۰،۶۹؛ اور تھوڑے فرق کے ساتھ: خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۲۱،۲۲۰۔

۲۔ شوریٰ (۴۲)، ۷۔

۳۔ شیخ صدوق، الامالی، ص، ۲۱۷۔

۴۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۷۔

۵۔ اس کو وادی الرمۃ بھی کہا جاتا ہے۔ وادی کے معنی درہ، پانی بہنے کی جگہ اور نہر کے ہیں۔ یہ جزیرۃ العرب کے شمال میں خلیج فارس کے غربی سرے سے نجد کے شمال تک پھیلی ہوئی ہے (یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۱، ص ۵۳۲)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسین بن علی علیہ السلام کی طرف سے مسلمان اور مومن بھائیوں کی طرف۔ آپ پر سلام ہو، اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔ اما بعد! مسلم بن عقیل کا خط میرے پاس پہنچا ہے جس میں اس نے آپ کی نیک رائے کی خبر دی ہے اور تمہارے بزرگ ہماری مدد اور ہمارا حق طلب کرنے پر اکھٹے ہو چکے ہیں۔ لہٰذا میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے، ہمارے کام کو نیک قرار دے اور اس کام کے مقابلہ میں آپ کو بہترین اجر عطا فرمائے۔ میں آٹھ ذی الحجہ، ترویہ کے دن، بروز منگل، مکہ سے آپ کی جانب روانہ ہو چکا ہوں۔ جب میرا سفیر تمہارے پاس پہنچے تو اپنا کام جلدی اور زیادہ سنجیدگی سے انجام دینا، ان شاء اللہ میں انہی دنوں میں آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔[۱]

قَیس بن مُسہِر جاتے ہوئے قادسیہ کے علاقے میں حُصَین بن نمیر[۲] کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ ابن نمیر نے اسے ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ ابن زیاد نے اس سے کہا کہ منبر پر جاؤ اور حسین اور اس کے باپ کو برا بھلا کہو، قیس بن مُسہِر منبر پر گیا اور کہا: اے لوگو! حسین بن علی علیہ السلام، اللہ کی بہترین مخلوق اور رسول خدا علیہ السلام کی بیٹی کے فرزند ہیں۔ انہوں نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ میں منزلِ حاجِر پر ان سے جدا ہوا ہوں۔ ان کو پالو۔

پھر قیس نے ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت کی اور علی علیہ السلام پر درود و سلام بھیجا۔

جب وہ منبر سے اترا تو ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس کو دارالامارہ کی چھت سے نیچے پھینک دیا جائے۔ اس کے نوکروں نے قیس کو قصر دارالامارہ سے نیچے پھینک دیا اور وہ شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔[۳] بعض کتابوں میں آیا ہے کہ جب قیس بن مسہر کو ابن زیاد کے حکم کے مطابق ہاتھ باندھ کر قصر سے نیچے پھینکا گیا تو ان کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں، لیکن ابھی تک ان میں جان باقی تھی۔ اس وقت عبد الملک بن عمیر اٹھا اور قیس کا

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۹۵۔

۲۔ حصین بن نمیر بن نائل ابو عبد الرحمن کندی، حمص کا رہنے والا اور بنی امیہ کے دور میں ایک سنگ دل سردار تھا۔ اس نے یزید کے حکم سے عبد اللہ بن زبیر کو مکہ میں شکست دینے کے لیے مسجد الحرام میں جنگ کی اور منجنیق کے ساتھ خانہ کعبہ پر حملہ کیا۔ ابراہیم بن مالک اشتر کے خلاف ابن زیاد کی فوج کے دائیں دستہ میں لڑتا رہا اور بالآخر ابن زیاد کے ساتھ ۶۷ ہجری میں موصل کے قریب ہلاک ہو گیا (ابن منظور، مختصر تاریخ دمشق ابن عساکر، ج۷، ص۱۹۰-۱۹۲)۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۹۵؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۷۱، ۷۰؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۴۸۔

سر تن سے جدا کیا اور (جب لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو اس نے) کہا: میں اس کو تکلیف سے نجات دلانا چاہتا تھا۔[۱]

حاجر اور خزیمیہ کے درمیان پانی کا کنواں

امامؑ کی عبداللہ بن مطیع کے ساتھ ملاقات

امام حسینؑ کا قافلہ منزلِ حاجر کو عبور کر کے ایک علاقہ میں پہنچا جہاں پانی موجود تھا اور اس کی زمین زراعت والی تھی۔ تاریخ کی قدیمی کتب میں اس جگہ کا نام "ماءٌ مِن مِیاهِ العَرَب" (یعنی عرب کے پانیوں میں سے ایک پانی) لکھا ہے۔ عبداللہ بن مطیع بھی اسی مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ جب اس نے امام حسینؑ کو دیکھا تو آپ کی خدمت میں آیا اور کہا: اے فرزند رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، یہاں کیوں آئے ہوئے ہیں؟ پھر آپ کے گھوڑے کی رکاب پکڑی اور آپ کے اترنے میں مدد کی اور اتارا۔ امام حسینؑ نے فرمایا: تجھے معاویہ کی موت کی خبر تو مل چکی ہے۔ اہل عراق نے مجھے خط لکھے ہیں اور اپنے پاس آنے کی دعوت دی ہے۔ عبداللہ بن مطیع نے کہا: آپ کو اللہ کی قسم؛ (اپنے قتل کے ذریعہ) اسلام کی حرمت پامال نہ کرو۔ آپ کو اللہ کی قسم؛ رسول خداؐ کی حرمت کی حفاظت کرو۔ آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، عرب کی حرمت کو باقی رکھو۔ اللہ کی قسم؛ اگر آپ اُس (خلافت) کے خواہشمند ہیں جو بنی امیہ کے ہاتھوں میں ہے، تو وہ آپ کو قتل کر دیں گے اور اگر آپ کو قتل کر دیا تو آپ کے بعد کسی کی حرمت کا خیال نہیں رکھیں گے۔ خدا کی قسم؛ یہ کام اسلام، قریش اور تمام عرب کی توہین کا سبب ہو گا؛ پس یہ کام نہ کریں، کوفہ نہ جائیں اور بنی امیہ سے مقابلہ نہ کریں۔ لیکن امام حسینؑ نے قبول نہ کیا اور اپنا سفر جاری رکھا۔[۲]

---

[۱] ۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص ۱۸۲۔

[۲] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۹۵-۳۹۶؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۷۱-۷۲۔

ابو حنیفہ دینوری نے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ عبد اللہ بن مطیع کی گفتگو کو یوں نقل کیا ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا: اہل کوفہ نے مجھے خط لکھے ہیں اور چونکہ وہ حق کو زندہ کرنے اور بدعت کو نابود کرنے کے امیدوار ہیں اس لیے انہوں نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ ان کے پاس جاؤں۔ ابن مطیع نے کہا: آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کوفہ نہ جانا۔ اللہ کی قسم؛ اگر آپ وہاں چلے گئے تو وہ آپ کو قتل کر دیں گے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: لَنْ یُصِیْبَنَا اِلَّا مَا کَتَبَ اللهُ۔ ہمیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، سوائے اُس کے جو خدا نے ہمارے لیے لکھ دی ہے۔[1]

۵. خُزَیْمِیَّه[2]

حضرت زینب کا خواب

ایک منزل جہاں کاروانِ حسینی علیہ السلام نے پڑاؤ ڈالا، منزلِ خُزیمیہ ہے۔ یہاں امام حسین علیہ السلام نے ایک دن رات آرام کیا۔ صبح کے وقت امام کی خواہر گرامی حضرت زینب علیہا السلام امام علیہ السلام کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا: بھائی جان! کیا آپ پسند کریں گے کہ جو کچھ میں نے پچھلی رات سنا ہے، وہ آپ کی خدمت میں عرض کروں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا سنا ہے؟

حضرت زینب علیہا السلام نے کہا: رات کو میں کسی کام کے لیے خیمہ سے دور ہوئی تو ہاتف غیبی کی آواز سنی، کوئی کہہ رہا تھا:

اَلَا یَا عَیْنُ فَاحْتَفِلِیْ بِجُهْدٍ   وَمَنْ یَبْکِیْ عَلَی الشُّهَدَاءِ بَعْدِیْ

عَلٰی قَوْمٍ تَسُوْقُهُمُ الْمَنَایَا   بِمِقْدَارٍ اِلٰی اِنْجَازِ وَعْدِیْ

اے آنکھ کوشش کر اور آنسوؤں سے بھر جا، میرے بعد ان شہیدوں پر کون گریہ کرے گا؟

---

[1] ۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۶۴۔

[2] ۔ خزیمیہ، وہ جگہ ہے جو اس کے مالک خزیم بن خازم کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کوفہ سے مکہ کے راستہ میں ثعلبیہ کے بعد واقع ہے (یاقوت حموی، معجم البلدان، ج ۲، ص ۴۲۳)۔

ایسی جماعت جس کو موت اپنے ساتھ لے کر جارہی ہے اور اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

اس وقت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: میری بہن! اللہ کا فیصلہ پورا ہو کر رہے گا۔[1]

۶۔ زَرُود[2]

زُہَیر بن قَیْن کی کاروانِ حسینی میں شمولیت

ایک منزل جہاں امام حسین علیہ السلام نے آرام فرمایا، منزلِ زَرُود ہے۔ دینوری نے کہا ہے کہ زہیر بن قَین اسی منزل پر امام حسین علیہ السلام کے قافلے میں شامل ہوئے؛[3] لیکن طبری[4]، شیخ مفید[5] اور ابن اثیر[6] نے زُہیر کے شامل ہونے کا مقام معیّن نہیں کیا۔ ابو مخنف نے یہ واقعہ قبیلہ بنی فزارہ کے ایک شخص سے یوں نقل کیا ہے:

ہم زہیر بن قین بَجَلی کے ساتھ مکہ سے واپس عراق جارہے تھے۔ (حسین علیہ السلام بھی عراق کی طرف جا رہے تھے) ہم مجبوراً ایک ہی راستے پر ان کے ساتھ چل رہے تھے۔ ہمارے لیے اس سے زیادہ کوئی چیز ناپسند نہیں تھی کہ کسی منزل پر ان کے ساتھ اکٹھے ہو جائیں۔[7] یہی وجہ تھی کہ جب امام حسین علیہ السلام روانہ ہوتے تو زہیر ٹھہر جاتا تھا اور جہاں حسین علیہ السلام رک جاتے تھے تو زہیر چل پڑتا تھا؛ یہاں تک کہ ایسی جگہ پہنچے جہاں حسین کے ساتھ پڑاؤ ڈالنے پر مجبور ہوگئے۔ حسین نے ایک طرف اور ہم نے دوسری طرف پڑاؤ ڈالا۔ ہم کھانا کھانے بیٹھے تھے کہ حسین کی طرف سے ایک شخص آیا۔ اس نے سلام کیا اور کہا: اے

---

[1] ۔ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۷۰؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۰۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱ص ۲۲۵-۲۲۶۔

[2] ۔یہ منزل ثعلبیہ اور خزیمہ کے درمیان واقع ہے یہاں قصر اور پانی کے تالاب اور حوض تھے (یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۳، ص۱۵۶)۔

[3] ۔ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۶۴۔

[4] ۔طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۹۶۔

[5] ۔شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۷۲۔

[6] ۔ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۲، ص۵۴۹۔

[7] ۔سید بن طاووس، زہیر بن قین کے ساتھیوں کی روایت کے مطابق بیان کرتے ہیں کہ زہیر، امام حسین علیہ السلام کے ساتھ اس لیے نہیں ملنا چاہتا تھا کیونکہ آپ علیہ السلام کے قافلہ میں خواتین موجود تھیں۔ (الملھوف علی قتلی الطفوف، ص۱۳۲)۔

زہیر بن قین، ابو عبد اللہ حسین بن علی علیہ السلام نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے، وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔ اس وقت جو کچھ ہمارے ہاتھوں میں تھا، ہم نے پھینک دیا(اس طرح حیران ہو گئے کہ) گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھ گئے ہیں۔

زہیر کی بیوی دَلہم بنت عمرو نے زہیر سے کہا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے فرزند نے تیرے پاس آدمی بھیجا ہے اور تو نہیں جانا چاہتا؟! سبحان اللہ! جاؤ، ان کی بات سنو اور پھر واپس آ جاؤ۔

زہیر بن قین آپ کے پاس گیا، تھوڑی دیر کے بعد خوشی کے عالم میں واپس پلٹا اور حکم دیا کہ اس کا خیمہ اور ساز و سامان حسین علیہ السلام کے قریب لے جائیں۔ پھر اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی ہے۔ تم اپنے قوم و قبیلہ کے پاس چلی جاؤ، کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تجھے میری طرف سے کوئی برائی پہنچے۔ اپنے ساتھیوں سے کہا: جو شخص میرے ساتھ آنا چاہتا ہے آئے، ورنہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو گی۔(لیکن جانے سے پہلے) تمہیں ایک بات سناتا ہوں: ہم بَلَنْجَر (قفقاز) میں جنگ لڑ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمن پر غلبہ عطا فرمایا اور بہت سے غنائم ہمارے ہاتھ آ گئے۔ سلمان باہلی نے ہمیں کہا: کیا اس کامیابی پر جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی اور اس مال غنیمت پر جو تم نے حاصل کیا ہے، خوش ہو؟ ہم نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: اگر آل محمد علیہم السلام کے جوانوں سے تمہاری ملاقات ہو تو ان کے ہم رکاب ہو کر جنگ کرو گے تو اس مال غنیمت سے زیادہ خوش ہونا جو آج تمہیں حاصل ہوا ہے۔

زُہَیر نے الوداع کیا اور پھر ہمیشہ کاروان(حسینی علیہ السلام) کے آگے رہے، یہاں تک کہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[1]

سید بن طاؤوس نقل کرتے ہیں: زُہَیر نے اپنی بیوی کو اس کے ایک چچازاد کے سپرد کیا تاکہ اسے اپنے خاندان تک پہنچائے۔ دَلہم اٹھ کر گریہ کرنے لگی اور کہا: اللہ تجھے جزائے خیر دے، تجھ سے التماس کرتی ہوں کہ قیامت کے دن، حسین کے نانا کے پاس میری مدد کرنا...۔[2]

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۹۶۔

[2]۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۳۳۔

دینوری کہتاہے: زُہَیر نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اسے کہا: اپنے بھائی کے ساتھ اپنے گھر اور وطن چلی جاؤ، کیونکہ میں نے اپنی جان، حسین علیہ السلام پر قربانی کے لیے آمادہ کر لی ہے۔ پھر اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا: تم میں سے جو کوئی شہادت کو پسند کرتا ہے کھڑا ہو جائے (اور میرے ساتھ چلے) اور جو شہادت کو پسند نہیں کرتا، وہ چلا جائے۔ ان میں سے صرف ایک شخص کھڑا ہوا اور باقی سب زہیر کی بیوی اور اس کے بھائیوں کے ساتھ کوفہ کی طرف چلے اور کوفہ پہنچ گئے۔[1]

قبیلہ بنی اسد کے دو افراد کی کاروانِ امام کے ساتھ ملاقات

طبری نے نقل کیاہے کہ بنی اسد قبیلہ کے دو شخص عبد اللہ بن سلیم اور مُذری بن مُشْمَعِل، اسی منزل پر امام حسین علیہ السلام کے قافلے میں شامل ہونے کا ارادہ رکھتے تھے کہ کوفہ سے آنے والے اپنے قبیلے کے ایک شخص سے ملاقات کی۔ اس نے حضرت مسلم اور حضرت ہانی کی شہادت کی خبر دی۔ وہ اس منزل سے روانہ ہونے کے بعد امام کے قافلے سے جا ملے اور (منزل ثعلبیہ پر) امام حسین علیہ السلام کو حضرت مسلم اور حضرت ہانی کی شہادت کی خبر دی۔ ان کا امام کے ساتھ ملنے کا واقعہ ان کی اپنی زبانی کچھ یوں ہے:

جب ہم نے اپنا حج مکمل کر لیا تو صرف اس فکر میں تھے کہ راستہ میں امام علیہ السلام تک پہنچ جائیں کیونکہ ہم دیکھنا چاہتے تھے کہ ان کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم نکل پڑے۔ ہمارے اونٹ تیزی کے ساتھ ہمیں آگے لے گئے، یہاں تک کہ منزل زَرُود پر امام علیہ السلام سے جا ملے۔ جب ہم اس منزل کے قریب پہنچے تو ایک شخص کو دیکھا جس نے امام حسین علیہ السلام کو دیکھ کر اپنا راستہ بدل لیا اور کاروان سے دور ہو گیا۔

ہم نے کہا کہ اس شخص کے پاس جا کر کوفہ کے بارے میں پوچھیں۔ اگر اس کے پاس کوئی خبر ہوئی تو ہم بھی کوفہ کی اخبار سے مطلع ہو جائیں گے۔ ہم اس کے پاس گئے، اسے سلام کیا، اس نے جواب دیا۔ ہم نے اس سے پوچھا: کس قبیلہ سے ہو؟ اس نے کہا: قبیلہ بنی اسد سے ہوں۔ ہم نے کہا: ہم بھی قبیلہ بنی اسد سے

---

[1] ۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۶۵۔

ہیں، تم کون ہو؟ اس نے کہا: میرا نام بُکَیرُ بن مُثْعِبہ ہے۔ پھر ہم نے اسے اپنا تعارف کروایا اور کہا: پیچھے رہ جانے والوں (یعنی کوفیوں) کے بارے میں خبر دو۔

اس نے کہا: میں نے کوفہ سے نکلنے سے پہلے دیکھا کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ قتل ہو گئے تھے، اور انہیں پاؤں سے باندھ کر بازار میں گھسیٹا جا رہا تھا۔[1]

عبداللہ بن عمر کے ساتھ امام علیہ السلام کی ملاقات[2]

شیخ صدوقؒ نے نقل کیا ہے کہ جب عبداللہ بن عمر کو امام علیہ السلام کے مکہ سے نکلنے کی خبر ملی، تو وہ اپنی سواری پر سوار ہو کر جلدی سے امام کی طرف چلا اور ایک منزل پر ان کے پاس پہنچ گیا اور کہا: اے فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ! کہاں جانا چاہتے ہو؟ امام نے فرمایا: عراق۔ عبداللہ بن عمر نے کہا: صبر کرو اور اپنے نانا کے حرم واپس آ جاؤ۔ امام علیہ السلام نے اس کی تجویز کو قبول نہ کیا۔ جب اس نے دیکھا کہ امام علیہ السلام اس کی بات قبول نہیں کر رہے، تو اس نے کہا: اے اباعبداللہ! آپ کے بدن پر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ بوسہ دیا کرتے تھے، وہ جگہ مجھے دکھاؤ۔ امام (نے قمیص اوپر کی) اور اپنی ناف کو ظاہر کیا۔ عبداللہ بن عمر نے تین مرتبہ اس جگہ کا بوسہ لیا، گریہ کیا اور کہا: اے اباعبداللہ! آپ کو خدا کے حوالہ کرتا ہوں، کیونکہ آپ اس سفر میں قتل ہو جائیں گے۔ پھر امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب روانہ ہوئے اور منزل ثعلبیہ پر پہنچے۔[3]

ابن نما نے شعبی کے واسطے سے اس ملاقات کو یوں نقل کیا ہے:

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۹۷۔

[2] ۔ عبداللہ بن عمر کی امام علیہ السلام کے ساتھ ملاقات میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض نے مکہ بتایا ہے (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۴۳؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۴؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص۲۴۰؛ سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص۱۰۲)، بعض نے مدینہ بتایا ہے (ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج۴، ص۱۵۰-۱۵۱، ش۴۰۶؛ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ج۲، ص۳۰۷، ش۱۵۷۷؛ ابن عدیم، بغیۃ الطلب فی تاریخ الحلب، ج۶، ص۲۶۰۴) اور بعض نے مکہ و مدینہ کے درمیان ابوانامی مقام لکھا ہے (ابن سعد الطبقات الکبری، الطبقۃ الخامسۃ، ج۱، ص۴۴۴؛ ابن عدیم، بغیۃ الطلب فی تاریخ الحلب، ج۶، ص۲۶۰۸؛ ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق الکبیر، ج۱۴، ص۲۰۴)

[3] ۔ شیخ صدوق، الامالی، ص۲۱۷۔

عبد اللہ بن عمر اپنے کنویں کے پاس تھا، اسے خبر ملی کہ حسین نے عراق کے سفر کا ارادہ کر لیا ہے۔ وہ امام علیہ السلام کے قریب گیا اور ان سے درخواست کی کہ اطاعت اور نرمی کا راستہ اختیار کریں اور کینہ رکھنے والوں کے مد مقابل ہونے سے پرہیز کریں۔ امام حسین علیہ السلام نے اسے فرمایا: اے عبد اللہ! کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ کی بارگاہ میں دنیا کی پستی اور بے قدری کے لیے یہی کافی ہے کہ یحییٰ پیغمبر کا سر بنی اسرائیل کی ایک زناکار عورت کو ہدیہ دیا گیا؟!۔[1]

امام سجاد علیہ السلام سے روایت ہے: جب ہم حسین علیہ السلام کے ساتھ چلے، تو ہم نے جس جگہ بھی پڑاؤ ڈالا، اُس وقت تک وہاں سے آگے نہیں چلے، جب تک میرے بابا نے حضرت یحییٰ بن زکریا کو یاد نہیں کیا۔ ایک دن فرمایا: دنیا کی پستی اور بے قدری کے لیے یہی کافی ہے کہ یحیی پیغمبر کا سر بنی اسرائیل کی ایک زناکار عورت کو ہدیہ دیا گیا۔[2]

۷. ثعلبیہ

امام حسین علیہ السلام نے اپنے کاروان کے ہمراہ، منزل ثعلبیہ پر ایک رات آرام فرمایا۔ مورخین نے امام علیہ السلام کی یہاں اقامت کے دوران کچھ واقعات اور ملاقاتیں ذکر کی ہیں؛ جنہیں ہم بیان کرتے ہیں۔

حضرت مسلم بن عقیل اور حضرت ہانی بن عروہ کی شہادت کی خبر

عبد اللہ بن سُلَیم اور مُذری بن مُشمَعِل کہتے ہیں: ہم اس اسدی شخص کے ساتھ ملاقات کے بعد چل پڑے اور امام حسین علیہ السلام کے کاروان سے جا ملے۔ ہم نے ان کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھا، یہاں تک کہ ہم نے منزل ثعلبیہ پر پڑاؤ ڈالا۔ ہم امام علیہ السلام کی خدمت میں گئے اور سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ ہم نے کہا: آپ پر اللہ کی رحمت ہو؛ ہمارے پاس ایک خبر ہے، اگر کہیں تو سب کے سامنے بیان کر دیں اور اگر کہیں تو خفیہ طور پر آپ کو آگاہ کریں۔

---

[1] ۔ ابن نما حلی، مثیر الاحزان، ص ۴۱۔

[2] ۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۳۲؛ شیخ طبرسی، مجمع البیان، ج ۶، ص ۴۰۵ سورہ مریم کی سات نمبر آیت کے ذیل میں؛ ابن ابی جمہور، عوالی اللئالی، ج ۴، ص ۸۱۔

امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب کی طرف دیکھا اور فرمایا: ان سے کوئی بات مخفی رکھنا ضروری نہیں ہے۔

ہم نے کہا: کیا آپ نے اس سوار کو دیکھا تھا، جو کل غروب کے وقت آپ کے سامنے سے آ رہا تھا؟

آپ نے فرمایا: ہاں میں اس سے ایک بات پوچھنا چاہتا تھا۔

ہم نے کہا: ہم نے اس سے آپ کے لیے خبر لی ہے اور آپ کو اس سے پوچھنے سے بے نیاز کیا ہے۔ وہ ہمارے قبیلے بنی اسد کا شخص تھا، وہ سچا اور عقلمند آدمی تھا۔ اس نے کہا ہے کہ جب میں کوفہ سے باہر آیا تو میں نے مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کو قتل ہوئے دیکھا۔ اس نے دیکھا ہے کہ ان کے پیروں میں رسیاں ڈال کر بازار میں گھسیٹا جا رہا تھا۔

اس وقت امام علیہ السلام نے فرمایا: انا للہ و انا الیہ راجعون؛ اور کئی مرتبہ فرمایا: ان پر اللہ کی رحمت ہو۔

ہم نے عرض کیا: آپ کو اللہ کی قسم؛ اپنی اور اپنے خاندان کی خاطر یہاں سے واپس چلے جائیں، کیونکہ اب کوفہ میں آپ کے پیروکار اور مددگار نہیں رہے، بلکہ خطرہ یہ ہے کہ وہ آپ کے دشمن بن جائیں گے۔

اس وقت فرزندانِ عقیل بن ابی طالب نے جذبات میں آکر کہا: نہیں؛ اللہ کی قسم، جب تک ہم اپنا انتقام نہ لے لیں یا اپنے بھائی کی طرح شہید نہ ہو جائیں، اس وقت تک ان کو نہیں چھوڑیں گے۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ان کے بعد زندگی میں خیر نہیں ہے۔[۱]

ایک کوفی شخص کے ساتھ گفتگو

ایک کوفی شخص نے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کی۔ امام کے حضور آکر سلام کیا۔ امام علیہ السلام نے اس سے پوچھا: کس شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا: کوفہ سے ہوں۔ فرمایا: اے کوفی! اللہ کی قسم؛ اگر تجھے مدینہ میں دیکھتا تو تجھے اپنے گھر میں، نانا پر جبرائیل اور وحی نازل ہونے کے نشانات دکھاتا۔ اے کوفی بھائی! علم کے سرچشمے ہمارے پاس ہیں۔ کیا وہ جانتے ہیں اور ہم نہیں جانتے؟؛ ہرگز ایسا نہیں ہے۔[۲]

---

[۱] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۹۷-۳۹۸؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۷۵۔

[۲] ۔ محمد بن صفار، بصائر الدرجات، ص۳۱-۳۲؛ کلینی، الاصول من الکافی، ج۱، ص۳۲۹۔

بجیر بن شداد اسدی کہتا ہے: میں نے منزل ثعلبیہ پر حسین کے ساتھ ملاقات کی۔ اپنے بھائی کے ہمراہ ان کے پاس گیا۔ انہوں نے زرد رنگ کالباس پہنا ہوا تھا، جس کے سینہ پر جیب تھی۔

میرے بھائی نے انہیں کہا: مجھے خوف ہے کہ آپ کی جان خطرہ میں پڑ جائے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ میں لی ہوئی چھڑی اپنے پیچھے رکھے صندوق پر ماری اور کہا: یہ شہر کے بزرگوں کے خطوط ہیں۔[1]

۸. زُبالہ

محمد بن اشعث کا قاصد امامؑ کی خدمت میں

طبری کی روایت کے مطابق محمد بن اشعث نے حضرت مسلم اور حضرت ہانی کی شہادت کی خبر امام حسینؑ تک پہنچانے کے لیے، اَیاس بن عَثَل طائی کو خط دے کر بھیجا۔[2] جب امامؑ منزل زُبالہ پر پہنچے تو محمد بن اشعث اور عمر بن سعد کا قاصد ایک خط لے کر امامؑ کی خدمت میں آیا۔ خط میں حضرت مسلم کے انجام، ان کے ہاتھ پر کوفیوں کی بیعت اور پھر ان کی بے وفائی کا ذکر تھا۔ حضرت مسلم نے اس سے تقاضا کیا تھا کہ امام حسینؑ کو ایسا خط لکھیں۔[3]

عبداللہ بن یُقطر کی شہادت کی خبر

عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر بھی اسی منزل پر امامؑ کو ملی۔[4]

امام حسینؑ نے کوفہ کے راستہ میں (حضرت مسلم کی شہادت کی خبر ملنے سے پہلے) اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن یُقطر کو خط دے کر کوفہ روانہ کیا تھا؛[5] لیکن منزل قادسیہ پر حصین بن نمیر اور اس کے سپاہیوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ ابن زیاد نے اسے کہا: قصر کی چھت پر جا کر

۱۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ "فصلنامہ تراثنا" ش ۱۰، ص ۱۷۳۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۷۵۔

۳۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۶۶۔

۴۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۹۸۔

۵۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۹۸؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۷۹۔

(معاذاللہ) حسین پر لعنت بھیجو، پھر نیچے آؤ تا کہ تیرے بارے میں فیصلہ کروں۔ عبید اللہ بن یُقطر قصر کی چھت پر گیا اور جب لوگوں کے سامنے ہوا تو آواز دی: "اے لوگو! میں رسول اللہ علیہ السلام کی دختر فاطمہ کے فرزند کا سفیر ہوں۔ اے لوگو! ابن زیاد، ابن مرجانہ اور زناکار ابن سمیہ کے مقابلے میں ان (حسین) کی مدد کرو"۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے قصر سے نیچے گرا دیا جائے۔ انہوں نے اسے قصر سے نیچے گرا دیا اور اس کی تمام ہڈیاں ٹوٹ گئیں، لیکن ابھی جان باقی تھی۔ عبد الملک بن عمیر آگے بڑھا اور سر تن سے جدا کر دیا۔ لوگوں نے اس کام پر اس کی مذمت کی تو اس نے کہا: میں اس کام کے ذریعہ اُسے درد سے نجات دلانا چاہتا تھا۔[1]

چونکہ قیس بن مسہر اور عبد اللہ بن یُقطر کی گرفتاری اور شہادت کی کیفیت ایک جیسی تھی اس لیے بعض مؤرخین نے اس واقعہ کو نقل کرنے میں اشتباہ کیا ہے، حتی کہ بعض نے ان دونوں کو صرف ایک شخص سمجھا ہے؛ لیکن حقیقت میں دو شخص تھے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے بہت سے دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ جب قیس گرفتار ہوا تو اس کے پاس جو خط تھا اس نے ٹکڑے کر دیا تا کہ سپاہیوں کے ہاتھ نہ آئے،[2] لیکن عبد اللہ بن یقطر کا خط سپاہیوں کے ہاتھ لگ گیا تھا۔[3]

دوسری دلیل یہ ہے کہ شہادت کے وقت ان کی گفتگو میں فرق ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

تیسری دلیل یہ کہ امام علیہ السلام کو قیس کی شہادت کی خبر، منزل حاجر پر؛ جبکہ عبد اللہ کی شہادت کی خبر منزل زُبالہ پر ملی۔ اسی طرح ان کی شہادت کی خبر کے بعد امام علیہ السلام کا ردعمل بھی مختلف تھا۔ امام علیہ السلام نے قیس کی شہادت کی خبر سن کر اس کے لیے دعا کی اور جب عبد اللہ کی شہادت کی خبر سنی تو ایک خط نکالا اور لوگوں کو دکھا کر فرمایا:

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۹۸؛

[2]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۸۲؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۳۵-۲۳۶؛ سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص۱۳۵؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص۴۳۔

[3]۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۴۵؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۰۳۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اما بعد؛ ہمیں ایک ناگوار خبر ملی ہے۔ مسلم بن عقیل، ہانی بن عروۃ اور عبداللہ بن بقطر شہید ہوگئے ہیں۔ شیعوں نے ہمیں تنہا چھوڑ دیا ہے۔ جو واپس جانا چاہتا ہے چلا جائے، اس کی گردن پر ہمارا کوئی حق نہیں۔

اس وقت، امام کے پاس سے لوگ بکھر گئے اور صرف وہی لوگ باقی رہے جو مدینہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے، یا بعد میں آپ کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔[1]

شیخ مفیدؒ کہتے ہیں:

امام حسین علیہ السلام نے یہ کام اس لیے کیا، کیونکہ جانتے تھے کہ ان کے ساتھ عرب قبائل کے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کا خیال تھا کہ امام علیہ السلام اس شہر جا رہے ہیں جس کے باشندے یقینی طور پر آپ کے فرمانبردار ہیں، لیکن امام علیہ السلام کو یہ پسند نہیں تھا کہ ان کے ساتھ آنے والوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ امام علیہ السلام جانتے تھے کہ اگر یہ لوگ (اپنے انجام سے) واقف ہو جائیں، تو ان کے ساتھ نہیں آئیں گے؛ بلکہ صرف وہی لوگ آئیں گے جو اپنی جان قربان کرنے کا ارادہ کر چکے ہیں اور آپ کے ساتھ شہید ہونا چاہتے ہیں۔[2]

سید بن طاؤس کا نظریہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو حضرت مسلم کی شہادت کی خبر منزل زبالہ پر ملی۔ وہ مزید لکھتے ہیں: جب یہ خبر ملی تو امام علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو بتائی تو جو افراد دنیا کے لالچ کے لیے آئے تھے اور یقین کامل نہیں رکھتے تھے وہ آپ سے جدا ہو گئے، اور صرف آپ کا خاندان اور خالص اصحاب باقی رہ گئے تھے۔ پھر فرماتے ہیں: جب یہ خبر ملی تو اس بیابان میں گریہ کی صدائیں بلند ہوئیں اور آنسو جاری ہوئے، پھر امام علیہ السلام اپنے مقصد کی طرف چل پڑے، جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا۔[3]

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۹۸-۳۹۹؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۷۹-۳۸۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۷۵-۷۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۴۹؛ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ جب امام علیہ السلام مکہ سے کوفہ روانہ ہوئے تو راستے میں عرب قبائل کے اجتماعات سے گزرتے تھے۔ بعض لوگ امام کے ساتھ شامل ہو جاتے تھے۔ جب منزل زبالہ پر امام علیہ السلام کو یہ خبر ملی تو سب لوگ آپ سے جدا ہو گئے۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۹۸-۳۹۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۷۵-۷۶۔

[3]۔ سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص۱۳۴۔

بہر حال امام علیہ السلام نے اس منزل پر سحر کے وقت جوانوں کو حکم دیا کہ اپنے ساتھ پانی لے لیں اور انہوں نے پانی بھر لیا۔[1]

۹. بطن العقبہ

امام حسین علیہ السلام کا خواب

امام حسین علیہ السلام کا قافلہ، منزل زُبالہ سے چلا اور منزل بَطن العَقَبہ پر پہنچ کر آرام کیا۔[2] یہاں امام حسین علیہ السلام نے خواب دیکھا اور اپنے اصحاب کو فرمایا: میں اپنے بارے میں کوئی پیشین گوئی نہیں کرتا، البتہ یہ کہ میں قتل ہو جاؤں گا۔ انہوں نے کہا: کیوں؟ یا اباعبد اللہ!؛ امام نے فرمایا: کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ چند کتے مجھ پر حملہ کر رہے ہیں، سب سے زیادہ بُرا اور سخت کتا سیاہ اور سفید رنگ کا تھا۔[3]

اسی طرح عکرمہ، قبیلہ کا لُوذان نامی ایک بوڑھا (جس نے اسی منزل پر امام علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کی) کا کہنا ہے: اس کے ایک چچازاد نے حسین سے پوچھا: آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟

جب امام حسین علیہ السلام نے اپنی منزل مقصود بتائی تو اس نے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، اسی جگہ سے واپس چلے جاؤ، کیونکہ میرے خیال میں آپ کو نیزے کی اَنی اور تلوار کی تیز دھار پر اقدام کرنا پڑے گا اور اگر آپ کو دعوت دینے والے آپ سے جنگ کا بوجھ اٹھا لیتے اور آپ کے لیے حالات مہیا کر لیتے اور پھر آپ ان کے پاس چلے جاتے تو کوئی مشکل پیش نہ آتی؛ لیکن جو حالات آپ بیان فرما رہے ہیں، ان میں آپ کے کام میں مجھے مصلحت نظر نہیں آتی۔ امام حسین علیہ السلام نے اسے فرمایا: اے بندہ خدا! جو بات تم کہہ رہے ہو وہ میرے سامنے بھی واضح ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تبدیل ہونے والا نہیں ہے۔ پھر آپ علیہ السلام وہاں چل پڑے۔[4]

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۹۹،۳۹۸۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۷۶۔

[2] ۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۴۹۔

[3] ۔ ابن قولویہ، کامل الزیارات، ص۱۵۷۔ باب ۲۳؛ ابن قولویہ نے اس منزل کا نام عقبۃ البطن ذکر کیا ہے۔

[4] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۹۹۔

شیخ مفید نے یہ واقعہ، عمرو بن لوذان نامی ایک شخص سے نقل کیا ہے اور اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ لوگ جب تک میرا خون نہیں بہائیں گے اس وقت تک مجھے نہیں چھوڑیں گے؛ لیکن اس کام کے بعد اللہ تعالیٰ ان پر ایسا شخص مسلط کرے گا، جو انہیں بُری طرح ذلت کا تلخ مزہ چکھائے گا اور انہیں سب قوموں سے زیادہ ذلیل کرے گا۔[1]

ابن سعد اور اس کی پیروی میں ابن کثیر نے امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کے بطن العقبہ میں پہنچنے کے بعد ایک واقعہ نقل کیا ہے: راوی کہتا ہے کہ میں نے صحراء میں خیام لگے ہوئے دیکھے تو (میں نے) پوچھا: یہ کس کے خیمے ہیں؟ لوگوں نے بتایا: یہ حسین کے خیمے ہیں۔ میں ان کے پاس گیا، دیکھا کہ وہ قرآن پڑھ رہے تھے اور ان کے چہرہ اور داڑھی پر آنسو جاری تھے۔ میں نے کہا: اے فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! کس چیز نے آپ کو اس صحراء میں آنے پر مجبور کیا ہے، جس صحرا میں کوئی بھی نہیں ہے؟ انہوں نے کہا: یہ خطوط کوفیوں نے مجھے لکھے ہیں؛ لیکن وہ مجھے اپنے قاتل نظر آتے ہیں۔ اگر انہوں نے مجھے قتل کیا تو پھر اللہ تعالیٰ کی کسی حرمت کا لحاظ نہیں کریں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان پر ایسا شخص مسلط کرے گا جو انہیں ذلیل و خوار کر دے گا، حتی کہ یہ لونڈیوں کے مقنعہ سے بھی گھٹیا ہو جائیں گے۔[2]

۱۰. شَراف[3]

حر بن یزید ریاحی کی فوج سے مقابلہ

امام حسین علیہ السلام کے قافلہ نے منزل ذوحسم تک پہنچنے سے پہلے منزل شراف پر ایک رات قیام کیا اور صبح کے وقت وہاں سے روانہ ہوئے۔ کاروان حسینی علیہ السلام نے یہاں سے روانہ ہونے کے بعد حُر کی سربراہی

---

[1] ۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۳، ص۷۶؛ ابو حنیفہ دینوری نے اس گفتگو کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے (الاخبار الطوال، ص۳۶۶)۔

[2] ۔ ابن سعد، "ترجمۃ الحسین ومقتلہ" فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۷۳؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص ۱۸۳۔

[3] ۔ منزل **شراف**، **احساء** سے آٹھ میل کے فاصلہ پر واقصہ اور قرعاء کے درمیان واقع تھی۔ ان تین منازل میں پانی کے چشمے اور کم گہرائی والے کنویں زیادہ تھے جن میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا تھا (یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۳، ص ۳۷۵)۔

میں ایک لشکر کو دیکھا اور کوشش کی کہ ان کی دسترس سے نکل جائیں؛ لیکن یہ کام نہ کر سکے اور بالآخر منزل ذوحسم پر حر کا لشکر، کاروانِ حسینی علیہ السلام تک پہنچ گیا۔[۱]

ابو مخنف نے یہ واقعہ عبداللہ بن سلیم اسدی اور مذری بن مشمعل اسدی کی زبانی یوں نقل کیا ہے: حسین علیہ السلام منزل شراف پر آئے اور وہاں آرام کیا۔ صبح کے وقت اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ زیادہ مقدار میں پانی بھر لیں اور روانہ ہوں۔ معمول کے مطابق دن کے شروع میں چل رہے تھے کہ آدھا دن گزر گیا۔ اس وقت ایک شخص نے تکبیر کہی۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اللہ اکبر! تو نے کیوں تکبیر کہی ہے؟

اس نے کہا: میں نے کھجوروں کا باغ دیکھا ہے۔ ہم (یعنی عبداللہ بن سلیم اور مذری بن مشمعل اسدی) نے کہا: ہم نے کبھی اس علاقے میں کھجوروں کا باغ نہیں دیکھا۔

امام حسین علیہ السلام نے ہمیں فرمایا: تمہاری نظر میں، یہ کیا چیز آ رہی ہے؟

ہم نے کہا: ہمارے خیال کے مطابق یہ لشکر کے گھوڑوں کے سر ہیں۔

آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم؛ میرا بھی یہی خیال ہے۔ پھر فرمایا: کیا اس علاقہ میں کوئی پناہ گاہ موجود ہے جہاں ہم پناہ لے سکیں اور اس پناہ گاہ کو اپنے پیچھے قرار دے کر صرف ایک طرف سے ان کا مقابلہ کریں؟

ہم نے کہا: ہاں ایک جگہ موجود ہے۔ ذُو حُسَم آپ کے قریب ہے، آپ بائیں جانب سے وہاں جا سکتے ہیں۔ اگر آپ ان سے پہلے وہاں پہنچ گئے تو جو آپ چاہتے ہیں وہی ہو گا۔ امام حسین علیہ السلام بائیں جانب اس منزل کی طرف مڑے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ اسی طرف مڑ گئے۔ تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ ہم نے لشکر حُر کے گھوڑوں کے سر ظاہر ہوتے دیکھے۔ جب وہ واضح نظر آنے لگے تو ہم اُن کے راستے سے ہٹ گئے۔ جب انہوں دیکھا کہ ہم ذُو حسم کی طرف مڑ گئے ہیں تو وہ بھی ہمارے پیچھے آنے لگے۔ ان کے نیزہ کے سرے شہد کی مکھیوں کی طرح اور ان کے پرچم پرندوں کے پروں کی طرح تھے۔ ہم نے کوشش کی کہ ان سے پہلے ذوحسم تک پہنچ جائیں اور بالآخر ہم ان سے پہلے وہاں پہنچ گئے۔...[۲]

---

[۱] شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۷۷۔

[۲] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۰-۴۰۱۔

۱۱. ذُو حُسُم[۱]

عبداللہ بن سُلَیم اور مُذری بن مُشمَعِل اسدی کی روایت ہے: جب امام حسین علیہ السلام کا قافلہ ذُو حُسُم پر پہنچا تو امام حسین علیہ السلام نیچے اترے اور خیمے لگانے کا حکم دیا۔ جب خیمے نصب ہو گئے تو کوفہ کی فوج بھی پہنچ گئی۔ حر بن یزید ریاحی یَربُوعی کی سربراہی میں ایک ہزار مرد تھے۔ حُر اور اس کے سپاہی دوپہر کی گرمی میں پہنچے اور امام حسین علیہ السلام کے سامنے رک گئے۔ امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کے سروں پر عمامے تھے اور تلواریں حمائل کی ہوئی تھیں۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ان کو پانی پلاؤ، ان کو اور ان کے گھوڑوں کو سیراب کرو۔ جوان اٹھے اور اور انہیں سیراب کر دیا۔ پھر پانی کے برتن بھر کر گھوڑوں کے سامنے رکھے۔ جب ایک گھوڑا تین، چار یا پانچ مرتبہ پانی پی لیتا تو اس کے آگے سے برتن اٹھاتے اور دوسرے گھوڑے کے سامنے رکھ دیتے تھے۔ انہوں نے سارے گھوڑوں کو بھی پانی پلایا۔

علی بن طعّان مُحارِبی کہتا ہے: میں حر بن یزید ریاحی کے ساتھ تھا اور میں سب سے آخر میں ان تک پہنچا۔ حسین نے مجھے اور میرے گھوڑے کو پیاسا دیکھ کر کہا: راویہ کو بٹھا دو۔ میرے ذہن میں راویہ کا معنی مشک تھا، اس لیے مجھے ان کی بات سمجھ نہیں آئی۔ انہوں نے دوبارہ کہا: اپنے اونٹ کو بٹھا دو۔ میں نے اپنا اونٹ بٹھایا۔ پھر فرمایا: پانی پیو۔ جب میں پانی پی رہا تو پانی مشک سے بہہ رہا تھا۔ حسین نے کہا: مشک کو موڑ لو لیکن مجھے مشک کو موڑنا نہیں آتا تھا۔ وہ اٹھے، مشک کو موڑا اور میں نے پانی پیا اور اپنی سواری کو بھی پلایا۔[۲]

نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ امام حسین علیہ السلام نے حجاج بن مسروق جُعفی کو فرمایا: اذان دو۔ اس نے اذان دی۔ امام علیہ السلام ایک اِزار[۳]، رِداء[۴] اور نعلین پہن کر خیمے سے باہر آئے اور اللہ تعالی کی حمد و ثنا کرنے کے بعد فرمایا:

۱۔ ذو حسم ایک پہاڑ کا نام ہے یہ کوفہ سے ۳۳ میل کے فاصلے پر ہے (یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۲، ص۲۹۸)۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۰-۴۰۱۔

۳۔ وہ کپڑا جو کمر کے گرد باندھا جاتا ہے۔

۴۔ وہ کپڑا جو کندھے پر ڈالا جاتا ہے۔

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهَا مَعْذِرَةٌ إِلَى اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ إِلَيْكُمْ إِنِّي لَمْ آتِكُمْ حَتَّى أَتَتْنِي كُتُبُكُمْ وَ قَدِمَتْ عَلَيَّ رُسُلُكُمْ، إِنْ أَقْدِمْ عَلَيْنَا فَإِنَّهُ لَيْسَ لَنَا إِمَامٌ لَعَلَّ اللهُ يَجْمَعُنَا بِكَ عَلَى الْهُدَى- فَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى ذَالِكَ فَقَدْ جِئْتُكُمْ ،فَإِنْ تُعْطُونِي مَا أَطْمَئِنُّ إِلَيْهِ مِنْ عُهُودِكُمْ وَ مَوَاثِيقِكُمْ أَقْدَمْ مِصْرَكُمْ وَ إِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَ كُنْتُمْ لِمَقْدَمِي كَارِهِينَ انْصَرَفْتُ عَنْكُمْ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي أَقْبَلْتُ مِنْهُ إِلَيْكُمْ!

اے لوگو! میری یہ گفتگو اللہ کے سامنے عذر خواہی اورآپ کے لیے اتمام حجت ہے۔ میں اس وقت تک تمہاری طرف روانہ نہیں آیا جب تک تمہارے خط اور قاصد میرے پاس نہیں پہنچے، کہ ہمارے پاس کوئی امام نہیں ہے، تم ہمارے پاس آ جاؤ، شاید اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ ہمیں ہدایت پر جمع کردے۔اب اگر اپنی دعوت پر قائم ہوتو میں آگیاہوں۔اگر مجھے ایسا عہد وپیمان دوجو میرے لیے قابل اطمینان ہو تو میں تمہارے شہر میں داخل ہوں گا اور اگر تم یہ نہیں کرسکتے اور میرے آنے سے خوش نہیں ہوتو میں جہاں سے تمہاری طرف آیا تھا اسی جگہ واپس چلا جاتا ہوں۔[1]

وہ سب خاموش ہوگئے۔امام علیہ السلام نے مؤذن کو اقامت کہنے کا حکم دیا۔اقامت کے بعد امام علیہ السلام نے حر کی طرف رخ کرکے فرمایا: کیاتو اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتا ہے؟

حر نے کہا: نہیں، آپ نماز پڑھائیں اور ہم آپ کے پیچھے پڑھیں گے۔

امام علیہ السلام نے جماعت کرائی۔ پھر اپنے خیمہ میں چلے گئے اور آپ کے اصحاب، آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔حر بھی اپنے خیمے میں چلا گیا۔کچھ سپاہی اس کے پاس گئے اور باقی اپنی صفوں میں چلے گئے اور اپنے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر گھوڑے کے سایہ میں بیٹھ گئے۔

عصر کے وقت امام حسین علیہ السلام نے حکم دیا کہ روانہ ہونے کے لیے تیار ہوجائیں، پھر اپنے خیمہ سے باہر آئے اپنے مؤذن کو حکم دیا کہ عصر کے وقت کا اعلان کرو اور نمازِ عصر کی اقامت کہو۔ پھر امام آگے کھڑے

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۱۔ دینوری کے قول کے مطابق امام علیہ السلام نے یہ کلام نماز ظہر پڑھنے کے بعد فرمایا(دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۶۸)۔

ہو گئے اور لوگوں (یعنی اپنے اصحاب اور حُر کی فوج) کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے سلام کے بعد حُر اور اس کے لشکر کی طرف رخ کیا اور اللہ تعالی کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

اَیُّھَا النَّاس فَاِنَّکُمْ اِنْ تَتَّقُوْا اللهَ وَ تَعْرِفُوْا الْحَقَّ لِاَھْلِہٖ یَکُنْ اَرْضٰی لِلّٰہِ وَ نَحْنُ اَھْلُ الْبَیْتِ اَوْلٰی بِوِلَایَةِ ھٰذَا الْاَمْرِ عَلَیْکُمْ مِنْ ھٰؤُلَاءِ الْمُدَّعِیْنَ مَا لَیْسَ لَھُمْ، وَالسَّائِرِیْنَ فِیْکُمْ بِالْجَوْرِ وَ الْعُدْوَانِ وَاِنْ کُنْتُمْ کَرِھْتُمُوْنَا وَ جَھِلْتُمْ حَقَّنَا وَکَانَ رَأْیُکُمْ غَیْرَ مَا اَتَتْنِیْ کُتُبُکُمْ وَ قَدِمَتْ بِہٖ عَلَیَّ رُسُلُکُمْ اِنْصَرَفْتُ عَنْکُمْ!

اے لوگو! اگر تم تقوی اختیار کرو اور حق (یعنی حکومت) کو اپنے حقداروں کی طرف پلٹا دو تو یہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ہم اہل بیت علیہم السلام، ان لوگوں سے زیادہ اس امر حکومت کے حقدار ہیں جس کا وہ دعوی کرتے ہیں لیکن وہ ان کا حق نہیں ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ظلم و ستم سے پیش آتے ہیں؛ لیکن اگر تم ہمیں قبول نہیں کرتے اور ہمارے حق سے جاہل ہو اور تمہاری رائے اس کے علاوہ کچھ اور ہے جو کچھ تم نے خطوط میں لکھی ہے اور جس کے لیے تمہارے قاصد میرے پاس آئے ہیں، تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔[1]

حر نے کہا: اللہ کی قسم؛ ہم ان خطوط سے بے خبر ہیں، جو آپ کہہ رہے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے عُقبہ بن سِمعان خطوط والے دونوں تھیلے لے آؤ۔ وہ خطوط سے بھرے دونوں تھیلے لے آیا اور ان کے سامنے زمین پر انڈیل دیئے۔ حر نے کہا: ہم خط لکھنے والوں میں شامل نہیں ہیں۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے، جب آپ کے پاس پہنچیں تو آپ سے جدا نہ ہوں یہاں تک آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جائیں۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اس کام سے زیادہ موت تیرے قریب ہے۔ پھر اپنے اصحاب کو فرمایا: اٹھو اور سوار ہو جاؤ۔ وہ سوار ہو گئے اور خواتین کے سوار ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ امام علیہ السلام نے واپس جانے کا حکم دیا؛ لیکن جب واپس جانے لگے تو حُر کی فوج نے روک لیا۔ امام حسین علیہ السلام نے حُر سے کہا: تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے، تو کیا چاہتا ہے؟

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۰۲۔

حر نے کہا: اللہ کی قسم؛ اگر عرب میں تیرے علاوہ کوئی اور اس حالت میں ہوتا جس میں تو ہے اور مجھے یہ فقرہ کہتا تو میں اسے جواب دینے سے چشم پوشی نہ کرتا، جو کچھ ہوتا سو ہوتا؛ لیکن اللہ کی قسم! تیرے بارے میں میرے پاس کوئی چارہ نہیں ہے، سوائے اس کے کہ تیری ماں کو اچھائی کے ساتھ یاد کروں!

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: پس تو کیا چاہتا ہے؟ حر نے کہا: اللہ کی قسم؛ میں چاہتا ہوں کہ تجھے ابن زیاد کے پاس لے جاؤں۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کی قسم؛ میں اس صورت میں تیری پیروی نہیں کروں گا۔ حر نے کہا: میں بھی تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ انہوں نے تین مرتبہ یہ بات دہرائی۔ جب ان کی باتیں طول پکڑ گئیں تو حر نے کہا: مجھے آپ کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم نہیں ہے، بلکہ مجھے حکم ہے کہ آپ سے جدا نہ ہوں، یہاں تک کہ آپ کو کوفہ لے جاؤں۔ اگر آپ قبول نہیں کرتے تو کوفہ اور مدینہ کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کریں تا کہ میں ابن زیاد کو خط لکھوں؛ اور اگر آپ چاہتے ہیں تو یزید بن معاویہ یا عبید اللہ بن زیاد کو خط لکھیں، شاید اللہ پر امید کرتے ہوئے کوئی حکم آجائے اور مجھے آپ کے کام میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھے (اس وقت حر نے بائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا:) اب بائیں عُذیب اور قادسیہ کے راستہ پر چلو۔

ذُو حُسَم سے عُذَیب کا فاصلہ ۳۸ میل تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کے ساتھ سفر شروع کیا۔ حُر بھی ان کے ساتھ روانہ ہوا۔[1]

منقول ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے منزل ذو حسم پر ایک اور خطبہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

اِنَّهُ قَدْ نَزَلَ مَا تَرَوْنَ مِنَ الْاَمْرِ وَ اِنَّ الدُّنْيَا قَدْ تَغَيَّرَتْ وَ تَنَكَّرَتْ وَ اَدْبَرَ مَعْرُوْفُهَا وَ اسْتَمَرَّتْ وَ وَلَّتْ حَتّٰى يَبْقَ مِنْهَا اِلَّا صُبَابَةٌ كَصُبَابَةِ الْاِنَاءِ وَ اِلَّا خَسِيْسُ عَيْشٍ كَالْمَرْعٰى الْوَبِيْلِ اَلَا تَرَوْنَ اِلَى الْحَقِّ لَا يُعْمَلُ بِهٖ وَ اَنَّ الْبَاطِلَ لَا يُتَنَاهٰى عَنْهُ! فَلْيَرْغَبِ الْمُؤْمِنُ فِيْ لِقَاءِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ فَاِنِّيْ لَا اَرَى الْمَوْتَ اِلَّا

ا۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۰-۴۰۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۷۶-۸۱؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۷۶-۷۹؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۳۰-۲۳۳۔

سَعَادَةً وَالْحَيَاةَ مَعَ الظَّالِمِيْنَ الْبَاغِيْنَ اِلَّا بَرَمًا[1]۔ اَلنَّاسُ عَبِيْدُ الدُّنْيَا وَالدِّيْنُ لِعقٌ عَلٰى اَلْسِنَتِهِمْ يُحَوِّطُوْنَهُ مَا دَرَّتْ مَعَاشُهُمْ فَاِذَا مُحِّصُوْا بِالْبَلَاءِ قَلَّ الدَّيَّانُوْنَ[2]۔

ہمارے ساتھ یہی ہونے والا ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔زمانے کے حالات بدل گئے ہیں، برائیاں آشکار ہو گئی ہیں اور نیکی اور فضیلت نے ہمارے معاشرے سے منہ موڑ لیا ہے، دنیا کی زندگی تلخ اور ناگوار ہو گئی ہے اور دنیا نے ہماری طرف پیٹھ پھیر لی ہے۔ پانی کے برتن میں باقی رہ جانے والے قطروں کی طرح تھوڑے سے انسانی فضائل باقی ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے روکا نہیں جارہا؟ مومن کو اللہ تعالی کے دیدار کا مشتاق ہونا چاہیے۔ میں ایسی موت کو سعادت اور ظالموں کے ساتھ زندگی کو ننگ وعار سمجھتا ہوں... لوگ دنیا کے غلام بن گئے ہیں اور دین صرف ان کی زبان پر ہے ۔جب تک ان کی معیشت باقی رہے وہ دین دار ہیں، لیکن جب امتحان میں مبتلا ہو جائیں تو بہت تھوڑے لوگ دین دار رہتے ہیں۔

اس وقت زُہَیر بن قین اٹھا اور اصحاب سے کہا: کیا تم بات کرو گے یا میں کروں؟ انہوں نے کہا: آپ بات کریں۔(زہیر نے امام حسین علیہ السلام کی طرف رخ کیا) اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد کہا:

اے فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ، اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کا رہنما ہو۔ ہم نے آپ کا فرمان سنا ہے۔ اللہ کی قسم؛ اگر دنیا ہمیشہ ہمارے لیے باقی رہتی اور ہم اس میں باقی رہتے اور اس دنیا سے ہمارے جدا ہونے کا سبب صرف آپ کی نصرت ہوتی تو پھر بھی آپ کی مدد کرنے اور آپ کے ساتھ جانے کو، دنیا پر ترجیح دیتے۔

جب امام حسین علیہ السلام نے زہیر کی یہ بات سنی تو اس کے لیے دعائے خیر کی۔[3]

۱۔ قاضی نعمان تمیمی مغربی ،شرح الاخبار فی فضائل الائمۃ الاطہار، ج۳، ص۱۵۰؛ ابن شعبہ حرانی، تحف العقول، ص۲۴۵؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۳-۴۰۴؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۵۔

۲۔ ابن شعبہ حرانی، تحف العقول، ص۲۴۵؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۷۵، ص۱۱۶-۱۱۷۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۴؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۳۸؛

۱۲. بَیضَہ

منزل ذو حسم سے روانہ ہونے کے بعد امام حسین علیہ السلام کا قافلہ اور حر کی فوج، منزل بیضہ پر پہنچے۔ امام علیہ السلام کو دوبارہ خطبہ دے کر اپنے اصحاب کو اپنے قیام کے اہداف بیان کرنے کا موقع مل گیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا:

ایہاالناس؛ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) و سلم قال: مَنْ رَأَى سُلْطَاناً جَائِراً مُسْتَحِلّاً لِحُرُمِ اللهِ نَاكِثاً لِعَهْدِ اللهِ مُخَالِفاً لِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ يَعْمَلُ فِي عِبَادِ اللهِ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ثُمَّ لَمْ يُغَيِّرْ بِقَوْلٍ وَلَا فِعْلٍ كَانَ حَقِيقاً عَلَى اللهِ أَنْ يُدْخِلَهُ مَدْخَلَهُ، أَلَا وَأَنَّ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ قَدْ لَزِمُوا طَاعَةَ الشَّيْطَانِ وَتَوَلَّوْا عَنْ طَاعَةِ الرَّحْمٰنِ وَأَظْهَرُوا الْفَسَادَ وَعَطَّلُوا الْحُدُودَ وَاسْتَأْثَرُوا بِالْفَيْءِ وَأَحَلُّوا حَرَامَ اللهِ وَحَرَّمُوا حَلَالَهُ وَأَنَا أَحَقُّ مِنْ غَيْرِ---

اے لوگو، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: جس مسلمان کو کسی ایسے ظالم حکمران کا سامنا ہو جو اللہ کے حرام کو حلال کرے، پیمانِ خدا کو توڑے، سنت پیغمبر کی مخالفت کرے، بندگان خدا میں گناہ اور دشمنی کا راستہ اختیار کرے؛ لیکن وہ مسلمان ایسے حاکم کی عملی یا زبانی مخالفت نہ کرے تو اللہ تعالی پر واجب ہے کہ ایسے مسلمان کو اس ظالم کے ساتھ (جہنم میں) ڈال دے۔ آگاہ رہو! یہ لوگ (بنی امیہ)، شیطان کی پیروی کو اپنے لیے ضروری سمجھتے ہیں اور اطاعتِ خدا کو ترک کر دیا ہے، فساد کو آشکار اور اللہ کی حدود کو پامال کر دیا ہے، بیت المال کو اپنے ساتھ مخصوص کر دیا ہے، اللہ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا ہے۔ ان حالات کو بدلنے کے لیے سب سے بہتر میں ہوں۔

قَدْ أَتَتْنِي كُتُبُكُمْ وَقَدِمَتْ عَلَيَّ رُسُلُكُمْ بِبَيْعَتِكُمْ أَنَّكُمْ لَا تُسَلِّمُونِي وَلَا تَخْذُلُونِي، فَإِنْ أَتْمَمْتُمْ عَلَيَّ بَيْعَتَكُمْ تُصِيبُوا رُشْدَكُمْ، فَأَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ وَابْنُ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ نَفْسِي مَعَ أَنْفُسِكُمْ وَأَهْلِي مَعَ أَهْلِيكُمْ، فَلَكُمْ فِيَّ أُسْوَةٌ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَنَقَضْتُمْ عَهْدَكُمْ وَخَلَعْتُمْ بَيْعَتِي مِنْ أَعْنَاقِكُمْ فَلَعَمْرِي مَا هِيَ لَكُمْ بِنُكْرٍ، لَقَدْ فَعَلْتُمُوهَا بِأَبِي وَأَخِي وَابْنِ عَمِّي مُسْلِمٍ! وَالْمَغْرُورُ

مَنِ اغْتَرَّ بِکُمْ فَحَظَّکُمْ اَخْطَاتُمْ، وَ نَصِیبَکُمْ ضَیَّعْتُمْ فَمَنْ نَکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَ سَیُغْنِیَ اللّٰہُ عَنْکُمْ، وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ۔

میرے پاس، تمہارے خط اور قاصد آئے ہیں کہ تم نے میری بیعت کرلی ہے، (اور تم نے عہد کیا ہے کہ) مجھے دشمن کے حوالہ نہیں کروگے اور مجھے تنہا نہیں چھوڑوگے۔ اب اگر اپنی بیعت پر باقی ہو تو تم نے اپنی انسانیت کو حاصل کرلیا ہے، کیونکہ میں حسین بن علی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی بیٹی کا بیٹا ہوں، میری جان تمہاری جونوں کے ساتھ اور میرا خاندان تمہارے خاندان کے ساتھ ہے۔ پس میں تمہارے لیے اسوہ ہوں۔ اگر تم نے یہ نہ کیا اور عہد شکنی کی اور اپنی گردن سے میری بیعت نکال دی تو مجھے اپنی جان کی قسم تمہارا یہ کام بے سابقہ نہیں (یعنی پہلے بھی ایسا کرچکے ہو) کیونکہ تم نے میرے باپ، بھائی اور میرے چچا زاد مسلم کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا ہے۔ اس شخص دھوکہ کھایا، جو تمہارے دھوکہ میں آگیا، تم نے اپنے لیے خطا کا راستہ اختیار کیا ہے اور (اسلام سے) اپنا حصہ ضائع کردیا ہے، پس جس نے پیمان شکنی کی اس نے اپنا نقصان کیا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ مجھے تم سے بے نیاز کردے گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔[1]

اس خطبے کے بعد امام علیہ السلام منزل بَیضَہ سے روانہ ہوئے۔ حُر بھی آپ کے ساتھ چل رہا تھا اور کہہ رہا تھا: اے حسین! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، اپنے بارے میں سوچو۔ میں واضح طور پر جانتا ہوں کہ اگر آپ نے ان سے جنگ کی تو وہ بھی آپ کے ساتھ جنگ کریں گے اور اس صورت میں میری نظر کے مطابق آپ ضرور قتل ہوجاؤ گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے موت سے ڈراتے ہو؟! کیا تم اس حد تک پہنچ چکے ہو کہ مجھے قتل کروگے؟ میں نہیں جانتا کہ تجھے کیا جواب دوں، لیکن وہی کہتا ہوں جو قبیلہ اَوس کے ایک شخص نے اپنے چچازاد سے کہا: وہ اوسی، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی مدد کرنا چاہتا تھا کہ اپنے چچازاد سے ملا۔ چچازاد بھائی نے اسے کہا: کہاں جارہے ہو، قتل ہوجاؤ گے؟

اس نے جواب دیا:

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۳۔

سَاَمْضِیْ فَمَا بِالْمَوْتِ عَارٌ عَلَی الْفَتٰی　　اِذَا مَا نَوٰی حَقًّا وَ جَاهَدَ مُسْلِمًا

وَ وَاسٰی الرِّجَالُ الصَّالِحِیْنَ بِنَفْسِهٖ　　وَ فَارَقَ مَثْبُوْرًا وَ خَالَفَ مُجْرِمًا

فَاِنْ مُتُّ لَمْ اَنْدَمْ وَ اِنْ عِشْتُ لَمْ اُلَمْ　　کَفٰی بِكَ ذُلًّا اَنْ تَمُوْتَ وَ تُرْغَمَا[1]

میں عنقریب جارہاہوں، بہادر کے لیے موت عار نہیں ہے؛ اگر نیک ہدف ہو اور اللہ کے سامنے تسلیم ہو کر جہاد کرے اور دل وجان سے نیک لوگوں کی حمایت کرے اور اغیار اور گمراہوں سے اپنا راستہ جدا کرلے۔ پس اگر میں مر جاؤں تو پشیمان نہیں اور زندہ بچ جاؤں تو میری ملامت نہیں کی جائے گی۔ تیری ذلت کے لیے یہی کافی ہے کہ تو کسی مقصد کے بغیر مر جائے۔

جب حُر نے امام حسین علیہ السلام کا یہ جواب سنا تو آپ سے دور ہو گیا اور ایک طرف اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلنے لگا۔ امام دوسری طرف چلتے رہے اور منزل عُذَیب الہِجانات پر پہنچ گئے، جہاں نعمان بن منذر کے اونٹ چرائے جاتے تھے۔[2]

۱۳. عُذیب الہجانات [3]

طِرِمّاح بن عدی سے ملاقات اور قیس بن مسہر کی شہادت کی خبر

جب امام حسین علیہ السلام کا قافلہ اور حر کا لشکر منزل الہجانات پر پہنچے تو ایک دوسرے سے دور خیمے لگائے۔ ابو مخنف نے نقل کیا ہے کہ اس منزل پر کوفہ سے چار لوگ آئے جبکہ نافع بن ہلال کا کامل نامی گھوڑا اس کے پاس تھا۔ طرماح بن عدی، رہنما کے طور پر ان کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

یَا نَاقَتِیْ لَاتُذْعَرِیْ مِنْ زَجَرِیْ　　وَ شَمِّرِیْ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ

بِخَیْرِ رُکْبَانٍ وَ خَیْرِ سَفْرٍ　　حَتّٰی تَحُلِّیْ بِکَرِیْمِ النَّجْرِ

۱۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۰، ص۲۱۹؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۴۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۸۱۔

۳۔ ابو حنیفہ دینوری نے اس مقام کا نام عذیب الحمامات (پرندوں کے پانی پینے کی جگہ) لکھا ہے (الاخبار الطوال، ص۳۲۹)۔

السَّادَةِ الْبِیْضِ الْوُجُوْہِ الزُّھْرِ الطَّاعِنِیْنَ بِالرِّمَاحِ السُّمْرِ

الْمَاجِدِ الْجَدِّ رَحِیْبِ الصَّدْرِ اَتیٰ بِہٖ اللہُ لِخَیْرِ اَمْرِ

ثَمَّۃَ اَبْقَاہُ بَقَاءَ الدَّھْرِ

اے میرے اونٹ میرے ہانکنے سے نہ ڈر اور مجھے صبح طلوع ہونے سے پہلے بہترین سوار، سب سے نیک مسافر اور اعلیٰ نسب شخصیت کی خدمت میں پہنچادے جو پیغمبر کا سربلند خاندان ہے، جن کے سفید اور درخشاں چہرے ہیں، جن کے پاس گندمی رنگ کے نیزے ہیں، جس کا نانا بھی اور خود بھی فراخ دل ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں نیک کام کے لیے یہاں لایا ہے۔ جب تک دنیا باقی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں باقی رکھے۔

جب وہ امام حسین علیہ السلام کے پاس پہنچے تو ان کو بھی یہ اشعار سنائے۔[1]

آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کی قسم؛ میں امید کرتا ہوں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے پسند فرمایا ہے وہ بہتر ہے، چاہے ہم قتل ہو جائیں یا فتح پالیں۔

حُر نے امام علیہ السلام کی خدمت میں آکر کہا: یہ چار کوفی آپ کے ساتھ نہیں آئے، لہذا میں انہیں گرفتار کروں گا یا واپس بھیجوں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ میرے ساتھی ہیں، میں جیسے اپنا دفاع کروں گا ان کا بھی کروں گا۔ تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ جب تک ابن زیاد کا خط نہیں پہنچے گا، تجھے میرے ساتھ کوئی سروکار نہیں ہو گا۔

حر نے کہا: ہاں لیکن وہ آپ کے ساتھ نہیں آئے۔

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، س۴۰۴-۴۰۵۔ بعض کتب میں آیا ہے کہ اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اصلی راستہ کے علاوہ کوئی اور راستہ جانتا ہے؟ طرماح بن عدی نے کہا: اے فرزند رسول میں جانتا ہوں۔ امام حسین علیہ السلام نے کہا: ہمارے آگے چلو، طرماح آگے چلے اور امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب اس کے پیچھے چلے (ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۷۹-۸۰؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۳۳-۲۳۴؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۴، ص۳۷۸-۳۷۹)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ میرے ساتھی ہیں اور میرے ساتھ آنے والوں کی طرح ہیں۔ تو اپنے عہد وپیمان پر باقی رہے ورنہ تیرے ساتھ جنگ کروں گا۔

حُر نے یہ بات سن کر انہیں چھوڑ دیا۔

پھر امام حسین علیہ السلام نے ان چاروں سے فرمایا: جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں، مجھے ان کی خبر دو۔

ان میں سے ایک شخص مجمع بن عبد اللہ عائذی نے کہا: بزرگوں اور سرداروں کے دلوں پر قبضہ کرنے لیے انہیں بھاری بھرکم رشوت دی گئی ہے اور ان کی جیبیں بھری گئی ہیں تاکہ وہ مکمل طور پر ان کے خیر خواہ اور دلدادہ بن جائیں۔ یہی وجہ ہے وہ آپ کے خلاف جمع ہو گئے ہیں، لیکن باقی لوگوں کے دل آپ کے ساتھ اور ان کی تلواریں کل آپ کے خلاف نکلیں گی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میرے قاصد کے بارے میں خبر دو، کیا وہ آپ کے پاس آیا تھا؟

انہوں نے پوچھا: وہ کونسا قاصد؟

فرمایا: قیس بن مسہر صیداوی۔

طرماح نے کہا: ہاں، حصین بن نمیر (حصین بن تمیم) نے اسے گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دیا ، ابن زیاد نے اسے کہا کہ وہ آپ اور آپ کے آباواجدا پر لعنت کرے، لیکن اس نے آپ پر اور آپ کے آباواجداد پر درود بھیجا اور ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت کی اور لوگوں کو آپ کی مدد کی دعوت دی اور انہیں آپ کے آنے کی خبر دی۔ اسی لیے ابن زیاد کے حکم سے اسے قصر کی چھت سے نیچے پھینک دیا گیا۔

بے ساختہ امام حسین علیہ السلام کے آنسو جاری ہوئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا[1]

ان (مومنین) میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے (اپنا وعدہ پورا کر دیا اور) جان کی بازی ہار گئے اور دوسرے بعض (شہادت کی) انتظار میں ہیں اور اپنے عہد میں کوئی تبدیلی نہیں لائے۔

پھر فرمایا: اے اللہ ہم کو اور ان کو جنت عطا فرما، ہم کو اور ان کو رحمت اور پسندیدہ مقام پر جمع فرما۔

---

[1] ۔ احزاب، (۳۳)، ۲۳۔

پھر طِرِمّاح بن عدی امام حسینؑ کے پاس آیا اور کہا: اللہ کی قسم، جتنا بھی سوچتا ہوں کسی کو آپ کے ساتھ نہیں دیکھتا اور اگر اس لشکر کے علاوہ جو آپ کے مقابلہ میں آیا ہوا ہے، کوئی اور آپ ساتھ جنگ کرنے کے لیے نہ بھی آئے تو یہی کافی ہے۔ کوفہ سے نکلنے سے ایک دن پہلے میں نے کوفہ کے پیچھے لوگوں کا ایک ہجوم دیکھا کہ آج تک کسی جگہ اتنا بڑا ہجوم نہیں دیکھا تھا۔ جب میں نے ان کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ یہ لوگ اس لیے جمع ہوئے ہیں، کہ انہیں حسین کی طرف بھیجا جائے۔ آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو ایک بالشت بھی ان کی طرف نہ بڑھیں۔ اگر آپ کسی ایسی جگہ جانا چاہتے ہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے اور دیکھیں کہ آخر آپ کس نتیجے تک پہنچتے ہیں، اور آپ کے لیے واضح ہو جائے کہ کون سا کام ضروری ہے جو انجام دیا جائے، تو آپ تشریف لائیں؛ میں آپ کو اپنے صعب العبور علاقہ کی طرف لے چلتا ہوں جس کا نام "اَجَأ" ہے۔ (یہ علاقہ اتنا پر امن ہے کہ) اللہ کی قسم؛ ہمارے قبیلے نے غسّان، حِمیر، نعمان بن منذر اور سیاہ و سفید کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ (جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے کوئی دشمن اس پر قبضہ نہیں کر سکا اور) ابھی تک ہمیں کسی ذلت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ پس میں آپ کے ساتھ آتا ہوں تا کہ آپ کو وہاں پہنچا دوں پھر قبیلہ اَجأ اور طی کے لوگوں کو آپ کی طرف دعوت دوں گا اور اللہ کی قسم؛ دس دن سے زیادہ عرصہ نہیں لگے گا کہ قبیلہ طی کے تمام افراد، سوار اور پیادہ ، سب آپ کی مدد کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ اور جب تک آپ بہتر سمجھیں ہمارے پاس رہیں اور اگر کوئی چیز آپ کو پریشان کرے تو میں خود ضامن ہوں۔ آپ کی مدد کے لیے قبیلہ طی کے بیس ہزار افراد لے آؤں گا جو آپ کے آگے آگے تلوار چلائیں گے اور اللہ کی قسم؛ جب تک وہ زندہ رہیں گے، تب تک دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکے گا۔

امامؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے اور تیری قوم کو جزائے خیر دے۔ ہم نے ان لوگوں (حُر اور اس کے لشکر) کے ساتھ وعدہ کیا ہے جس کی وجہ سے ہمارا واپس جانا ممکن نہیں ہے اور ہم نہیں جانتے کہ ہمارا اور ان کا انجام کیا ہو گا۔[1]

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۸۱۔

ابو مِخنَف نے جمیل بن مرثَد سے نقل کیا ہے کہ طرماح بن عدی نے مجھے کہا کہ پھر میں نے حسین علیہ السلام سے الوداع کیا اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو جن وانس کے شر سے محفوظ رکھے؛ میں کوفہ سے اپنے خاندان کے لیے کھانے پینے کا سامان لایا ہوں اور ان کا خرچ بھی میرے پاس ہے۔ اب میں جاتا ہوں اور انہیں سامان دے کر ان شاء اللہ آپ کے پاس واپس آجاؤں گا۔ اگر آپ تک پہنچ سکا تو اللہ کی قسم، آپ کے مددگاروں میں شامل ہوں گا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: تجھ پر اللہ کی رحمت ہو، اگر تو نے ایسا کرنا ہے تو جلدی کرو۔ طرماح کہتا ہے مجھے پتہ چل گیا کہ آپ ان لوگوں کے رویے سے پریشان ہیں، اسی لیے مجھے جلدی آنے کا حکم دیا۔ جب میں اپنے گھر والوں کے پاس پہنچا تو میں نے جو کچھ ضرورت تھا انہیں دیا اور ان کو وصیت کی۔ میرے گھر والوں نے مجھے کہا: اس مرتبہ آپ کا انداز پہلے جیسا نہیں ہے۔ میں نے انہیں اپنے فیصلہ سے آگاہ کیا اور بنی ثعل کے راستہ سے واپس چل پڑا۔ جب میں عذیب الہجانات کے علاقہ میں پہنچا تو سماعۃ بن بدر میرے استقبال کے لیے آیا اور مجھے حسین علیہ السلام کے قتل ہو جانے کی خبر دی اور میں اسی جگہ سے واپس آگیا۔[1]

۱۴. رُہَیمَہ[2]

ابوہَرَم کوفی سے ملاقات

امام حسین علیہ السلام منزل رُہَیمَہ پر پہنچے۔ وہاں ایک کوفی آیا جس کی کنیت ابوہَرَم تھی۔ اس نے کہا: اے فرزند پیغمبر علیہما السلام مدینہ سے باہر کیوں آئے ہو؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: افسوس ہے تجھ پر اے اباہَرَم! انہوں نے بدکلامی کر کے میری توہین کی میں نے صبر کیا؛ انہوں نے میرا مال لوٹا میں نے بردباری کا مظاہرہ کیا؛ لیکن اب وہ میرا خون بہانا چاہتے تھے تو میں ان سے دور ہو گیا۔ اللہ کی قسم؛ وہ مجھے قتل کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو سر سے پاؤں تک ذلت کا لباس

ا۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۶-۴۰۷۔

۲۔ یہ کوفہ کے قریب ایک کھیت تھا اور وہاں پانی کا ایک چشمہ تھا (یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۳، ص۱۲۳)۔

پہنائے گا اور تیز دھار تلوار کو ان پر مسلط کرے گا۔ ان پر ایسا شخص حکومت کرے گا جو انہیں ذلیل وخوار کردے گا۔[1]

۱۵. قَصر بنی مُقاتِل[2]

عبید اللہ بن حُر جُعفِی سے ملاقات

جب امام حسین علیہ السلام منزل قصر بنی مقاتل پر پہنچے تو ایک خیمہ دیکھا اور پوچھا: یہ کس کا خیمہ ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ عبید اللہ بن حر جعفی[3] کا خیمہ ہے۔

وہ کوفہ کے اشراف اور بہادروں میں سے تھا۔ امام علیہ السلام نے حجاج بن مسروق کو اس کے پاس بھیجا۔ حجاج نے جا کر کہا: حسین بن علی علیہ السلام تجھے بلا رہے ہیں، ان کے پاس جاؤ۔

اس نے کہا: اللہ کی قسم؛ میں شہر کوفہ سے نکلا تو دیکھا کہ اس شہر کے اکثر لوگ حسین اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ جنگ کی تیاری کر رہے تھے اور مجھے یقین ہے کہ وہ اس جنگ میں قتل ہو جائے گا۔ میں اس کی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا؛ لہذا میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے دیکھے اور میں اسے دیکھوں۔

پھر امام علیہ السلام خود نعلین پہن کر اس کے خیمہ کی طرف گئے اور اسے اپنی مدد کے لیے کہا۔

عبید اللہ نے کہا: اللہ کی قسم؛ میں جانتا ہوں کہ جس نے آپ کے حکم کی پیروی کی وہ شہادت اور ہمیشہ کے لیے سعادت پر فائز ہو گا؛ لیکن میرے خیال میں میری مدد آپ کے لیے فائدہ مند نہیں ہے، کیونکہ

---

[1]۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۲۱۸۔

[2]۔ یہ مقاتل بن حسان کے قصر کی وجہ سے قصر بنی مقاتل کے نام سے مشہور تھی (یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۴، ص۴۱۳)۔

[3]۔ عبید اللہ بن حر حضرت عثمان کے طرف داروں میں سے تھا۔ جب حضرت عثمان قتل ہوئے تو یہ کوفہ سے شام معاویہ کے پاس چلا گیا اور اس کے ساتھ جنگ صفین میں شرکت کی۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد کوفہ واپس آگیا۔ امام حسین علیہ السلام نے اسے منزل قصر بنی مقاتل پر مدد کے لیے کہا تو اس نے قبول نہ کیا لیکن امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد ابن زیاد سے الگ ہو گیا اور مدائن چلا گیا اور مختار کی حکومت کے زمانہ تک وہاں رہا۔ مختار نے اس کی بیوی کو زندان بھیج دیا۔ رات کے وقت خفیہ طور پر کوفہ آیا اور اپنی بیوی کو آزاد کرا لیا۔ پھر مصعب بن زبیر کے پاس چلا گیا۔ پھر ان میں اختلاف ہو گیا۔ ۶۸ ہجری کو مصعب کی فوج کے ہاتھوں قتل ہو گیا (مزید تفصیلات معلوم کرنے کے لیے رجوع کریں: طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۶، ص۱۲۸-۱۳۸؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۴۳۶، ۴۳۴)

میں نے کوفہ میں کسی کو نہیں دیکھا جو آپ کی مدد کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے اس کام سے معاف کریں، کیونکہ میری جان نے ابھی موت کو اپنے لیے آسان نہیں سمجھا۔ میرا یہ گھوڑا (حاضر ہے) جس کا نام ملحقہ ہے، اللہ کی قسم؛ میں نے آج تک اس پر سوار ہو کر جس دشمن کا پیچھا کی، اس نے مجھے اس تک پہنچا دیا؛ اور جس دشمن نے میرا پیچھا کیا، اِس نے مجھے اُس سے بچالیا۔ یہ آپ کا مال ہے، آپ لے جائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو نے ہماری راہ میں اپنی جان قربان کرنے سے دریغ کیا ہے، ہمیں تیرے گھوڑے کی ضرورت نہیں۔[1]

انس بن حارث کاہلی کی گفتگو

انس بن حارث کاہلی بھی اسی ارادے سے کوفہ سے نکلا تھا، جس ارادے سے عبید اللہ بن حر جعفی نکلا تھا؛ لیکن جب اس نے عبید اللہ بن حر کے ساتھ امام علیہ السلام کی گفتگو سنی تو عبید اللہ سے الگ ہو گیا اور امام حسین علیہ السلام کے پاس آیا، سلام کر کے کہا: اللہ کی قسم؛ میں کوفہ سے اس لیے خارج ہوا تھا کہ آپ کے خلاف یا آپ کے ہمراہ جنگ میں شرکت نہ کروں، لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں آپ کی نصرت ڈال دی ہے اور آپ کا ساتھ دینے کے لیے مجھے شجاعت دی ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: پس تو ہمارے ساتھ چل، تو ہدایت یافتہ اور محفوظ ہے۔[2]

امام علیہ السلام کے ساتھ دو مِشْرَقی افراد کی ملاقات

شیخ صدوق نقل کرتے ہیں کہ عَمْرو بن قَیس مِشْرَقی نے بیان کیا ہے: میں اور میرا چچازاد قصر بنی مقاتل کے علاقہ میں حسین علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور ان کو سلام کیا۔ میرے چچازاد بھائی نے آپ علیہ السلام سے

---

[1]۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۰۷-۳۶۹؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۰۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۸۱-۸۲)۔ ابن اعثم کوفی نے کہا کہ اس نے امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد پشیمان ہو کر اشعار پڑھے۔ (ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۷۴-۷۵)

[2]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۸۴۔

کہا: آپ کی داڑھی خضاب کی وجہ سے سیاہ ہے یا آپ کے بالوں کا رنگ کالا ہے؟ آپ نے فرمایا: خضاب ہے، کیونکہ بنی ہاشم کے بال جلدی سفید ہوتے ہیں۔ پھر انہوں نے ہم سے پوچھا: میری مدد کے لیے آئے ہو؟ میں نے کہا: میں بوڑھا ہوں، شدید مقروض ہوں اور میری اولاد زیادہ ہے اور چونکہ معلوم نہیں آپ کا معاملہ کہاں تک پہنچے گا، لہٰذا مجھے لوگوں امانتیں ضائع ہونے کا خوف ہے۔ میرے چچازاد نے بھی میری طرح گفتگو کی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر یہاں سے چلے جاؤ تاکہ میری فریاد نہ سنو اور میرے نشان تک نہ دیکھو۔ جس نے میری فریاد سنی یا میری سیاہی اور میرا سایہ دیکھا، لیکن مجھے جواب نہ دیا اور میری مدد نہ کی، تو اللہ تعالیٰ پر واجب ہوگا کہ اسے منہ کے بل جہنم میں ڈالے۔[1]

اگرچہ ان میں سے ایک شخص اپنے ذمے قرض لے سکتا تھا اور دوسرا امام کی مدد کے لیے جا سکتا تھا، لیکن آسائش پرستی اور دنیا کی لذتوں نے انہیں اخروی سعادت اور لذتیں حاصل کرنے سے روک لیا۔

قصر بنی مقاتل اور نینوا کے درمیان امام علیہ السلام کا خواب

عُقبہ بن سِمعان کا بیان ہے: رات کے آخری پہر میں امام حسین علیہ السلام نے حکم دیا کہ پانی بھر لیں، پھر فرمایا چلیں۔ ہم نے اطاعت کی۔ جب قصر بنی مقاتل سے روانہ ہوئے اور کچھ راستہ طے کر چکے تھے کہ امام حسین علیہ السلام کو تھوڑی دیر کے لیے نیند آگئی، جب بیدار ہوئے تو فرما رہے تھے: "انا للہ و انا الیہ راجعون والحمد للہ رب العالمین" دو یا تین مرتبہ یہ جملے دہرائے۔ آپ کے فرزند حضرت علی اکبر اپنے گھوڑے پر سوار تھے، وہ امام علیہ السلام کے قریب آئے اور پوچھا: بابا جان! یہ حمد اور استرجاع (انا للہ و انا الیہ راجعون) کیوں کر رہے تھے؟

[1]۔ شیخ صدوق، ثواب الاعمال و عقاب الاعمال، ص ۳۰۹۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا، تھوڑی دیر کے لیے نیند نے میری آنکھوں پر غلبہ کیا۔ میں نے ایک گھڑ سوار کو دیکھا جو کہہ رہا تھا: یہ گروہ جا رہا ہے، جبکہ موت ان کے پیچھے ہے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ ہماری موت کی خبر تھی۔

حضرت علی اکبر علیہ السلام نے کہا: بابا جان! اللہ، آپ پر بُرا وقت نہ لائے، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام نے فرمایا: اس خدا کی قسم جس کی طرف سب پلٹ کر جائیں گے؛ کیوں نہیں (ہم حق پر ہیں)۔ حضرت علی اکبر علیہ السلام نے کہا: بابا! حق پر مرنے سے ہمیں کوئی خوف نہیں ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو نیک اجر عطا فرمائے جو باپ کی جانب سے بیٹے کو عطا کرتا ہے۔[1]

۱۶. قُطقُطانہ[2]

قطقطانہ، کوفہ کے راستے میں امام حسین علیہ السلام کی ایک منزل تھی، لیکن تاریخ کی معتبر کتب میں اس منزل کے متعلق کوئی خاص واقعہ نقل نہیں ہوا۔

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۷-۴۰۸؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۸۲؛ لیکن ابن اعثم، خوارزمی اور مجلسی نے یہ واقعہ منزل ثعلبیہ پر نقل کیا ہے (کتاب الفتوح، ج۵، ص۷۰-۷۱؛ مقتل الحسین، ج۱، ص۲۲۶؛ بحار الانوار، ج۴۴، ص۳۶۷، ج۵۸، ص۱۸۲)۔

[2]۔ بیابان کی طرف سے کوفہ کے قریب ایک مقام ہے۔ نعمان بن منذر (حیرہ کے گورنر) کا زندان اسی علاقہ میں تھا (یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۴، ص۴۲۴-۴۲۵)۔

بارہویں فصل

کربلائے معلّٰی پہنچنے سے روزِ عاشورہ تک

نینوا[1]

جب صبح ہوئی تو امام حسین علیہ السلام سواری سے اترے، نماز فجر ادا کی اور جلدی سے سوار ہو کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بائیں جانب روانہ ہوئے۔ امام علیہ السلام چاہتے تھے کہ اپنے ساتھیوں کو حُر کے لشکر سے علیحدہ رکھیں۔ حُر بھی اپنے لشکر سمیت اسی طرف گیا اور امام علیہ السلام کا راستہ روکا۔ جب حُر کے فوجی کوفہ جانے میں سخت رکاوٹ بنے تو آپ علیہ السلام نے ان کا مقابلہ کیا۔ حُر کے لشکر کو ایک طرف دھکیلتے ہوئے اسی کشمکش کی حالت میں بائیں جانب اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کہ نینوا پہنچ گئے۔

ایک مسلح گھڑ سوار کو کوفہ سے آتے ہوئے دیکھا۔ سب اس کے انتظار میں رک گئے۔ اس نے قریب آکر حُر اور اس کے لشکر کو سلام کیا، لیکن امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کو سلام نہیں کیا۔ پھر حُر کو ابن زیاد کا خط دیا جس میں لکھا تھا: (جونہی میرا قاصد خط لے کر تجھ تک پہنچے تو حسین پر سختی کرو اور اس کو ایسی خشک جگہ پر اتارو جہاں نہ پانی ہو اور نہ کوئی پناہ گاہ۔ میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر وقت تیرے ساتھ رہے اور تجھ سے ہرگز جدا نہ ہو، یہاں تک کہ میرے حکم پر عمل در آمد ہونے کی خبر مجھ تک پہنچائے)۔

حُر نے خط پڑھ کر امام علیہ السلام اور آپ کے اصحاب سے کہا: یہ، امیر کوفہ عبید اللہ ابن زیاد کا خط ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ جہاں یہ خط مجھے ملے، میں آپ پر سختی کروں اور یہ شخص اس کا قاصد ہے اور اس بات پر مامور ہے کہ مجھ سے جدا نہ ہو، یہاں تک کہ میں اس کے فرمان پر عمل در آمد کروں۔

---

[1]۔ نینوا ﴿نینوٰی﴾ ایک دیہات کا نام ہے۔ ابن شبہ اور یاقوت حموی کے مطابق دو مقامات کو نینوا کہا جاتا ہے: ایک موصل میں ہے اور دوسرے کوفہ کے نزدیک ایک مقام ہے۔ وہ شہر جو مشہور تھا اور حضرت یونس کا شہر جانا جاتا تھا وہ موصل میں واقع ہے۔ یاقوت حموی کے نزدیک کربلا بھی نینوا کا حصہ کہا ہے۔ ﴿ابن شبہ، تاریخ المدینہ المنورہ، ج۱، ص۱۴۹؛ یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۵، ص۳۹۱﴾

ابو شعثاء یزید بن زیاد مُہاصِر کندی بَہدَلی نے ابن زیاد کے قاصد کو پہچان لیا اور اسے کہا: کیا تو مالک بن نُسیر بدّی قبیلہ کندہ سے ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ یزید بن زیاد نے کہا: تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے! تو کون سا فرمان لے کر آیا ہے؟ اس نے کہا: میں اپنے پیشوا (یزید) کا پیرو کار اور اس کی بیعت کا وفادار ہوں۔ ابو شعثاء نے کہا: بلکہ تو نے اپنے پرورد گار کی نافرمانی کی ہے اور تو اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے لیے اپنے پیشوا کا فرمان لایا ہے۔ تو نے اپنے لیے ننگ و عار اور دوزخ کا سامان مہیا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(وَ جَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا يُنصَرُونَ)[۱]

اور ہم نے انہیں ایسے رہنما بنائے جو آتش کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔[۲]

ابن اعثم کوفی کی روایت، طبری اور دوسرے مؤرخین سے مختلف ہے کیونکہ ابن اعثم کی روایت میں بیان ہوا ہے کہ ابن زیاد نے حُر کو لکھا: (میرے بھائی، حسین پر سختی کرنا اور اس سے جدا نہ ہونا یہاں تک کہ اس کو میرے پاس لے آنا)۔ حُر خط پڑھ کر خیمے سے باہر آیا اور اپنے قابل اعتماد ساتھیوں کو بلا کر کہا: افسوس ہے آپ پر، ابن زیاد نے حکم دیا ہے کہ میں حسین علیہ السلام سے برا سلوک کروں؛ لیکن خدا کی قسم، میرا دل مجھے اس کام کی اجازت نہیں دیتا۔ حُر کے ایک ساتھی[۳] ابو شعثاء نے ابن زیاد کے قاصد کو مخاطب کر کے کہا: تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے، تو کیسا حکم لے کر آیا ہے؟!...۔[۴]

طبری نے ابو مخنف سے نقل کیا ہے: حُر کی کوشش تھی کہ امام علیہ السلام کے قافلے کو اسی بے آب و گیاہ بیابان میں اتارے۔ آپ نے فرمایا: ہمیں اجازت دو کہ اس آبادی (یعنی نینوا) یا اُس آبادی (یعنی غاضریہ)

۱۔ قصص ﴿۲۸﴾، ۴۱۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۰۸؛ اسی طرح رجوع کریں: بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۳۸۵؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۸۳۔

۳۔ اس روایت میں واضح طور پر آیا ہے کہ ابو شعثاء، حُر کے لشکر کا فوجی تھا۔ اور یہ وہ شخص ہے کہ جب اسے عمر بن سعد کے عزم اور جنگ کا یقین ہوا تو یہ امام علیہ السلام کی فوج میں شامل ہو گیا۔ ﴿بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۵؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج، ص ۴۴۵﴾۔

۴۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۷۷؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۱، ص ۲۳۱۔

یا کسی اور جگہ (یعنی شُفَیَہ)[1] میں قیام کریں۔ حُر نے کہا: خدا کی قسم؛ میں اجازت نہیں دے سکتا، کیونکہ یہ شخص ہماری طرف جاسوس بنا کر بھیجا گیا ہے۔[2] زہیر بن قین نے کہا: یابن رسول اللہ، بعد میں آنے والوں کی بجائے، ابھی اس گروہ کے ساتھ جنگ کرنا آسان ہے (لیکن جب وہ آجائیں گے تو جنگ کرنا مشکل ہو جائے گا)؛۔ مجھے اپنی جان کی قسم، بعد میں یہ لوگ اتنے زیادہ آجائیں گے کہ ہم ان کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: میں جنگ کا آغاز نہیں کروں گا۔ زہیر نے عرض کیا: تو پھر اس آبادی کی طرف چلے جائیں اور وہاں قیام کریں، کیونکہ وہ جگہ پُرامن، قابل دفاع اور دریائے فرات کے کنارے واقع ہے۔ اگر انہوں نے رکاوٹ ڈالی تو ہم ان سے جنگ کریں گے، کیونکہ ان کے ساتھ جنگ کرنا ہمارے لیے آسان ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: یہ کونسی آبادی ہے؟ کہا: یہ **"عقر"**[3] ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے اللہ! مصیبت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ پھر اسی مقام پر اتر گئے۔[4]

لیکن دینوری نے اس بارے لکھا ہے کہ زہیر نے امام حسین علیہ السلام سے عرض کیا: ہمارے قریب دریائے فرات کے کنارے ایک آبادی ہے جو جھاڑیوں سے بھری ہوئی ہے (اور یہ دشمن سے چھپنے اور اس کے نفوذ میں رکاوٹ ہے) اور اسے تینوں طرف سے فرات نے گھیرا ہوا ہے۔ امام علیہ السلام نے پوچھا: اس کا نام کیا ہے؟ کہا: عقر۔ فرمایا: میں عقر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ امام علیہ السلام نے حُر سے فرمایا: آئیں تھوڑا آگے چل کر اتریں گے۔ حُر اور اس کے سپاہی امام کے ساتھ چلے، یہاں تک کہ کربلا پہنچ گئے۔ وہاں حُر اور اس کے ساتھی، امام کے سامنے کھڑے ہو گئے اور آگے بڑھنے سے روک دیا۔ حُر نے کہا: اسی جگہ اتریں، فرات

۱۔ یہ آبادیاں واقعہ کربلا کی وجہ سے مشہور ہوئیں، اس سے قبل ان کا کوئی ذکر نہیں تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ ان آبادیوں میں صرف پانی موجود تھا۔ **"غاضریہ"** کے بارے میں صرف یہی کہا جاتا ہے کہ یہ کوفہ کے اطراف میں ایک آبادی تھی جو قبیلہ بنی اسد کے "غاضرہ" نامی ایک شخص کی طرف منسوب تھی۔ (یاقوت حموی، مُعجم البلدان، ج۴، ص۲۰۷، لفظ الغاضریہ) لیکن "شُفَیہ" کے بارے میں اس قدر بھی معلومات فراہم نہیں ہیں۔ کتب میں صرف اتنا ملتا ہے کہ اس نام سے مکہ میں قبیلہ بنی اسد کا ایک کنواں تھا۔ (یاقوت حموی، مُعجم البلدان، ج۳، ص۴۰۰)

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۸ تا ۴۰۹؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۸۰۔

۳۔ "عقر" کربلا کے نزدیک بابل کے علاقہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ (یاقوت حموی، مُعجم البلدان، ج۴، ص۱۵۳)

۴۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۹۔

بھی آپ کے نزدیک ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے پوچھا: اس جگہ کا نام کیا ہے؟ کہا: کربلا۔[1] فرمایا: یہ وہ مقام ہے جہاں رنج و مصیبت ہے۔ میرے بابا جنگ صفین پر جاتے ہوئے یہاں سے گزرے تھے اور میں ان کے ساتھ تھا۔ وہ یہاں ٹھہرے اور اس سرزمین کا نام پوچھا۔ نام بتایا گیا تو فرمایا: یہاں ان کے اترنے اور خون بہائے جانے کا مقام ہے۔ (ساتھیوں نے) پوچھا: وہ کون ہوں گے؟ فرمایا: خاندانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کا ایک قافلہ یہاں اترے گا۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے حکم دیا کہ یہاں (سواریوں سے) سامان اتار دیئے جائیں۔[2] سید بن طاؤوس کی روایت میں یہ جملہ اضافہ ہوا ہے:

أُنْزُلُوا هَا هُنَا مَحَطُّ رِكَابِنَا وَ سَفَكُ دِمَائِنَا، هَا هُنَا وَاللهِ مَحَطُّ قُبُوْرِنَا وَ هَا هُنَا وَ اللهِ مَسْبِيُ حَرِيْمِنَا، بِهٰذَا حَدَّثَنِيْ جَدِّيْ[3]

یہاں اتر جائیں۔ خدا کی قسم؛ یہ ہمارے قافلہ کے اترنے اور ہمارے خون بہنے کی جگہ ہے۔ خدا کی قسم؛ یہ ہماری قبروں کی جگہ ہے۔ خدا کی قسم یہ وہ جگہ ہے جہاں ہمارے اہل حرم کو قیدی کیا جائے گا۔ یہ خبر مجھے میرے نانا نے دی ہے۔

سبط ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ جب امام علیہ السلام نے کربلا کا نام سنا تو فرمایا: (آہ) غم و مصیبت؛ حضرت ام سلمہ نے مجھے خبر دی ہے کہ ایک دن جبرئیل علیہ السلام، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے پاس تھا اور تم میرے پاس تھے اور گریہ کر رہے تھے، اس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: میرا بیٹا مجھے دو۔ انہوں نے تجھے اپنی گود میں لیا۔

---

[1] ۔ یاقوت حموی کہتے ہیں: کربلا، "کربل" سے نکلا ہے جس کا معنی ہے: ۱۔ پاؤں کے نیچے والی مٹی کا سست ہونا۔ اس لیے اس کو کربلا کہا جاتا ہے کہ اس سرزمین کی مٹی نرم ہے جس میں پاؤں دھنس جاتے ہیں۔ جو زمیں بھی اس خاصیت کی حامل ہے اسے کربلا کہتے ہیں۔ ۲۔ "کربلا" صاف کرنے کے معنی میں ہے جیسا کہ گندم کو پتھروں وغیرہ سے صاف کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے "کربَلتُ الحنطہ" یعنی میں نے گندم کو صاف کیا ہے۔ چونکہ سرزمین کربلا پتھروں وغیرہ سے پاک ہے اس لیے اس کو کربلا کہا جاتا ہے۔ ۳۔ "کربل" ایک گھاس کا نام ہے جو اس علاقہ میں اگتا ہے جس کو نبت الحماص کہتے ہیں؛ کیونکہ یہ گھاس اس علاقہ میں زیادہ ہے، اس لیے اس کو کربلا کہتے ہیں۔ (یاقوت حموی، مُعجم البلدان، ج۴، ص۵۰۵، لفظ کربلا کے ذیل میں؛ اسی طرح رجوع کریں: ابن منظور، لسان العرب، ج۱۲، ص۶۰)۔ ۴۔ بعض اس بات کے قائل ہیں کہ یہ نام "کور بابل" یعنی بابل کی بستی، سے لیا گیا ہے۔ (ابو مخنف، وقعہ الطف، تحقیق یوسفی غروی، پاورقی ص۱۷۹)۔

[2] ۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۲۷۳، ۳۷۳۔

[3] ۔ سید بن طاوس، الملهوف علي قتلي الطفوف، ص۱۳۹۔

جبرئیل نے آنحضرتؐ سے کہا: کیا آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ جبرئیل نے کہا: آپ کی امت، اسے قتل کرے گی۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو آپ کو اس زمین کی مٹی دکھاؤں جہاں اسے شہید کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ جبرئیل نے اپنے پَر کربلا کی زمین پر پھیلائے اور وہاں سے کچھ مٹی اٹھا کر پیغمبر اکرمؐ کو دکھائی۔ امام حسینؑ نے یہ روایت سنانے کے بعد کربلا کی مٹی کو سونگھا اور فرمایا: خدا کی قسم؛ یہ وہی زمین ہے جس کے بارے میں جبرئیل نے میرے نانا کو خبر دی تھی کہ میں اس پر شہید کیا جاؤں گا۔[1]

امیر المؤمنینؑ کی پیشین گوئی

ہَرثَمہ بن سُلَیم کا بیان ہے: ہم نے صفین میں حضرت علیؑ کی رکاب میں جنگ کی۔ سفر کے دوران جب سرزمین کربلا پر قیام کیا تو امامؑ نے نماز پڑھی۔ جونہی آپ نے نماز کا سلام پھیرا تو تھوڑی سی مٹی اٹھائی، اسے سونگھا اور فرمایا: اے خاک، روز قیامت تجھ سے ایک گروہ محشور ہوگا جو بغیر حساب و کتاب، جنت میں داخل ہو گا۔

ہَرثَمہ جب اس جنگ سے واپس لوٹا تو اپنی بیوی "جَرداء بنت سَمیر" جو کہ حضرت علی کی شیعہ تھی، سے کہا: کیا تجھے تیرے مولا حضرت علیؑ کا ایک تعجب آور کام نہ بتاؤں؟! جب ہم سرزمین کربلا پر اترے، انہوں نے تھوڑی سی مٹی اٹھائی، اسے سونگھا اور فرمایا: اے خاک! روز قیامت تجھ سے ایک گروہ محشور ہو گا جو بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہو گا۔ وہ کہاں سے علم غیب جانتے ہیں؟ اس کی بیوی نے کہا: اے مرد! سب باتیں چھوڑو، امیر المومنین ہمیشہ حق کی بات کہتے ہیں۔

ہَرثَمہ کا بیان ہے: جب ابن زیاد نے حسین بن علیؑ اور آپ کے اصحاب کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے فوج بھیجی تو میں بھی اس میں شامل تھا۔ جب میں ابن سعد کے لشکر اور اسی طرح امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کے پاس پہنچا تو اس جگہ کو پہچان لیا جہاں حضرت علیؑ اترے تھے اور اس مقام کو

---

[1] ۔ سبط بن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج ۲، ص ۱۵۶، ۱۵۷۔

بھی پہچان لیا جہاں سے آپ علیہ السلام نے مٹی اٹھائی تھی۔ مجھے حضرت علی علیہ السلام کی بات یاد آ گئی؛ لہذا میں وہاں سے آگے بڑھنا نہیں چاہتا تھا۔ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آیا، آپ پر سلام کیا اور آپ کے سامنے آپ کے والد ماجد کی وہی گفتگو دہرائی جو اس سرزمین پر سنی تھی۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: کیا تو ہمارے ساتھ ہے یا ہمارے دشمن کے ساتھ؟ میں نے کہا: نہ آپ کے ساتھ ہوں اور نہ آپ کے دشمن کے ساتھ؛ میں اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر یہاں آیا ہوں؛ ان کے بارے میں ابن زیاد سے ڈرتا ہوں۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: پس جتنا جلدی ہو سکے یہاں سے چلے جاؤ، تاکہ ہمارے قتل کے گواہ نہ بنو۔ مجھے اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد علیہما السلام کی جان ہے، آج جو بھی ہمیں قتل ہوتے دیکھے، لیکن ہماری مدد کو نہ پہنچے، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں ڈالے گا۔ ہرثمہ کہتا ہے کہ یہ بات سنتے ہی میں جلدی سے وہاں سے فرار کر گیا اور ان کے قتل کا شاہد نہ بنا۔[1]

ابن قولویہ نے امام باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے کربلا سے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو یہ خط لکھا:

"بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ مِنَ الۡحُسَیۡنِ بۡنِ عَلِیٍّ اِلٰی مُحَمَّدِ بۡنِ عَلِیٍّ وَ مِنۡ قِبَلِهِ مِنۡ بَنِیۡ هَاشِمٍ، اَمَّا بَعۡدُ فَكَاَنَّ الدُّنۡیَا لَمۡ تَكُنۡ وَ كَاَنَّ الۡاٰخِرَةَ لَمۡ تَزَلۡ، وَ السَّلَامُ"[2]

"حسین بن علی کی جانب سے محمد بن علی اور ان کے ہمراہ دیگر بنی ہاشم کے نام۔ امابعد؛ گویا دنیا کبھی نہ تھی اور آخرت ہمیشہ تھی۔ والسلام"

کاروان حسینی کے کربلا میں اترنے کے بعد، امام حسین علیہ السلام اور آپ کے فرزندان کے خیام لگائے گئے۔ اور ان کے ارد گرد اصحاب اور دوسرے رشتہ داروں کے خیام لگائے گئے۔[3]

---

[1] ۔ نصر بن مُزاحم مِنقری، وقعہ صفین، ص ۱۴۰، ۱۴۱؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۳، ص ۱۶۹؛ صدوق، الامالی، ص ۱۹۹، ۲۰۰، مجلس ۲۸؛ ابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق الکبیر، ج ۱۴، ص ۲۱۶۔

[2] ۔ کامل الزیارات، باب ۲۳، ص ۱۵۸، ح ۲۱۔

[3] ۔ رجوع کریں: ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۸۴۔

امام باقر علیہ السلام سے منقول ایک روایت کے مطابق، امام حسین علیہ السلام نے (کربلا پہنچنے کے بعد) جھاڑیوں کو اپنی پشت پر قرار دیا، تاکہ دشمن کا مقابلہ صرف ایک طرف سے کرنا پڑے۔[1]

امام علیہ السلام کے کربلا پہنچنے کی تاریخ

بہت سے مؤرخین نے لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام دو محرم الحرام، اکسٹھ ہجری کو کربلا میں داخل ہوئے۔[2] البتہ یہ کہ دو محرم سن ۶۱ ہجری ہفتہ کے کس دن تھا؟ اس موضوع پر تحقیق کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ اس بارے چند اقوال بیان ہوئے ہیں۔[3] علم نجوم کے حساب کے مطابق، عاشورا سوموار کے دن تھا اور روز عاشورا سے پہلے آٹھ دن یعنی دو محرم، اتوار کے دن تھا۔

امام حسین علیہ السلام کو ابن زیاد کا خط اور امام کا جواب

امام حسین علیہ السلام کے عراق تشریف لانے سے پہلے عمر ابن سعد، ابن زیاد کی طرف سے علاقہ "ری" کا گورنر اور **"دَستبی"**[4] پر حملہ کر کے قابض ہونے والے **"دِیلمیوں"**[5] کے خلاف جنگ کا سردار مقرر ہو چکا تھا۔[6] عمر بن سعد نے چار ہزار کے لشکر کے ہمراہ **"حمام اَعیَن"**[1] کے مقام پر پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ امام حسین

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۸۹۔

[2] ۔ امام حسین علیہ السلام کے کربلا میں داخل ہونے کے بارے میں تین قول ہیں: ۱۔ دو محرم الحرام (بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۸۵؛ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵، ص۴۰۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۸۴؛ ابن نما، مُثیر الاحزان، ص۴۹؛ سید بن طاؤوس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص۱۳۹؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۳۷) ۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پہلی محرم کو داخل ہوئے (ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۷۳) ۳۔ عاشورا کے دن اور یہ قول شاذ و نادر ہے (محمد بن علی عمرانی "۵۸۰ ہجری قمری"، الانباء فی تاریخ الخلفاء، ص۱۵)۔

[3] ۔ اس بارے مندرجہ ذیل اقوال بیان ہوئے ہیں: ۱۔ مشہور ترین قول: عاشورا جمعہ کے دن تھا۔ ۲۔ دوسرا قول: ہفتہ کے دن۔ ۳۔ تیسرا قول: اتوار کے دن۔ ۴۔ چوتھا قول: سوموار کے دن۔ ۵۔ پانچواں قول: بدھ کے دن۔

[4] ۔ "دَستبی یا دستوا" بنی امیہ کے دور میں ایک **ضرابخانہ** (ضرابخانہ اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں سکے بنائے جاتے ہیں) تھا۔ (لسترنج، جغفرفیائی تاریخی سرزمین ہای خلافت شرقی، ترجمہ محمود عرفان، ص۲۳۸)۔

[5] ۔ "دِیلم" ایران کے ایک علاقے کا نام تھا۔ ﴿رجوع کریں: اصطخری، مسالک و ممالک، ایرج افشار، ص۱۶۸؛ حدود العالم، منوچہر ستودہ، ص۱۴۳؛ علی اصغر فقیہی، شاہنشاہی عضد الدولہ، ص۲﴾ کیونکہ یہ پہاڑی علاقہ تھا اور اس کے باشندے بھی شجاع تھے اس لیے بڑی مشکل سے بنی امیہ کے فاتحان کے سامنے تسلیم ہوئے۔

[6] ۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۷۳۔

علیہ السلام کے عراق آنے کی وجہ سے وہ کوفہ لوٹ آیا اور اسے ایک نئی پیشکش کی گئی۔ جب ابن زیاد کو امام حسین علیہ السلام کے کربلا پہنچنے کی خبر ملی تو عمر سعد کو بلایا اور اسے کہا: حسین کی طرف جا اور جونہی تو اس کام سے فارغ ہو جائے گا تو اپنا منصب سنبھالنے چلے جانا۔ عمر بن سعد نے کہا: تجھ پر اللہ کی رحمت ہو، مجھے اس کام سے معاف کر۔ ابن زیاد نے جواب دیا: منظور ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ "ری" کی حکومت مجھے واپس لوٹا دے۔ عمر سعد نے کہا: آج کا دن مجھے سوچنے کی مہلت دے۔ پھر چلا گیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورہ کیا۔ جس کے ساتھ بھی مشورہ کرتا وہ اسے اس کام سے منع کرتا تھا۔ اس کا بھانجا "حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ" اس کے پاس آیا اور کہا: ماموں جان! تجھے اللہ کی قسم، حسین کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے نہ جاؤ، کیونکہ اس میں اللہ کی نافرمانی اور قطع رحمی ہے۔[۲] خدا کی قسم؛ اگر تیرا سارا مال و دولت اور پوری دنیا کی بادشاہی ہاتھ سے چلی جائے، اس سے بہتر ہے کہ حسین کا خون تیری گردن پر ہو اور تم اس حالت میں اللہ کے ساتھ ملاقات کرو۔ عمر بن سعد نے کہا: ان شاء اللہ، ایسا ہی کروں گا۔[۳]

عمر بن سعد مشورہ لینے کے بعد، ابن زیاد کے پاس گیا اور کہا: **أصلحک الله**، (اللہ تجھے خیر دے) جب تُو مجھے ری کی حکومت دے چکا ہے اور میرے لیے حکم نامہ لکھ چکا ہے اور لوگ بھی اس سے آگاہ ہو چکے ہیں، تو مجھے اپنا منصب سنبھالنے کے لیے بھیج دے اور حسین کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے کوفہ کے سردار موجود ہیں جو مجھ سے زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ پھر اس نے کچھ لوگوں کے نام لیے۔

ابن زیاد نے کہا: ضروری نہیں ہے کہ تو مجھے کوفہ کے سرداروں کے نام بتائے، میں جسے بھیجنا چاہوں اس کے بارے میں تجھ سے حکم نہیں لوں گا۔ اگر ہمارے لشکر کے ساتھ جانا ہے تو ٹھیک، ورنہ ہمارا حکم نامہ واپس کر دے۔ اصرار دیکھ کر عمر بن سعد نے کہا: میں جاؤں گا۔[۴]

---

[۱] ۔ تاریخ اسلام میں حمام اعین کا نام مشہور رہے۔ یہ علاقہ کوفہ سے تین فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے ﴿طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۷، ص۴۱۹﴾۔

[۲] ۔ یہاں قطع رحمی سے مراد، قبائلی نسبت ہے کیونکہ امام حسین علیہ السلام اور عمر بن سعد دونوں قبیلہ قریش سے تھے۔ نیز سعد بن ابی وقاص اور پیغمبر اسلام کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب، بنی زہرہ کی شاخ سے اور ایک دوسرے کے چچازاد تھے۔ ﴿ابن اثیر، اُسد الغابہ فی معرفہ الصحابہ، ج۲، ص۲۱۵﴾۔

[۳] ۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۸۵، ۳۸۶؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۰۹؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص۱۸۹۔

[۴] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۰۔

ایک اور روایت کی بناپر ابن زیاد نے عمر سعد کو دھمکی دی اور کہا: میں خدا کے ساتھ عہد کرتا ہوں کہ اگر تم، حسین کے مقابلے میں جنگ کرنے نہ گئے تو تجھے تیرے منصب سے معزول کر دوں گا اور تیرا گھر برباد کر دوں گا اور تیری گردن اڑا دوں گا۔ اس وقت عمر سعد نے قبول کر لیا۔[1] لیکن جب بنی زُہرہ (عمر سعد کے قبیلے والے) اس کے پاس آئے اور کہا: تجھے خدا کی قسم دیتے ہیں کہ حسین کے مقابلے میں نہ جانا اور ہمارے اور بنی ہاشم کے درمیان دشمنی پیدا نہ کرنا۔ وہ دوبارہ ابن زیاد کے پاس گیا اور اس سے معذرت خواہی کی؛ لیکن اس نے قبول نہ کیا۔[2]

عبداللہ بن یسار اپنے والد سے نقل کرتا ہے: جب عمر بن سعد، امام حسین علیہ السلام کی طرف جانے کے لیے ابن زیاد کی جانب سے منصوب ہو چکا تھا تو میں اس کے پاس گیا؛ اس نے مجھ سے کہا: امیر نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں حسین کی طرف جاؤں، لیکن میں نے اسے قبول نہیں کیا۔ میں نے کہا: خدا تجھے صراط مستقیم نصیب کرے اور تیری رہنمائی کرے، یہ کام نہ کرنا اور حسین کے ساتھ جنگ کرنے نہ جانا۔ پھر میں واپس آگیا یہاں تک کہ ایک شخص نے آکر کہا: عمر بن سعد لوگوں کو حسین کے ساتھ جنگ لڑنے کے لیے بھیج رہا ہے۔ یسار کہتا ہے: میں اس کے پاس گیا؛ دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے، جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو منہ دوسری جانب پھیر لیا، میں سمجھ گیا کہ یہ حسین کی طرف جانے کے لیے تیار ہے، لہٰذا میں واپس آگیا۔[3]

بہر حال عمر بن سعد نے امام علیہ السلام کے ساتھ جنگ قبول کر لی اور ابن زیاد نے چار ہزار سوار اس کے اختیار میں دیئے اور وہ، امام حسین علیہ السلام کے کربلا پہنچنے کے دوسرے دن وہاں پہنچا۔[4]

سبط بن جوزی نے روایت نقل کی ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ایک دن عمر بن سعد کو دیکھا اور اسے فرمایا: افسوس ہے تجھ پر، تو کیسا کام انجام دے گا! جہنم اور جنت کے درمیان تجھے اختیار دیا جائے گا اور تو جہنم کو چنے گا۔[1]

---

[1] ۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۸۶۔

۲ ۔ ابن سعد، ترجمہ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص۱۷۸۔

[3] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۰۔

[4] ۔ سابقہ حوالہ۔

عمر بن سعد کربلا میں

عمر سعد چار ہزار افراد پر مشتمل لشکر کی کمان کرتے ہوئے روانہ ہوا اور امام حسین علیہ السلام کے کربلا پہنچنے کے دوسرے دن (تین محرم کو) وہاں پہنچا۔ وہ جس لشکر کے ہمراہ دستبی جارہا تھا وہی لشکر لے کر کربلا کی طرف روانہ ہوا اور وہاں حُر بھی اپنے لشکر کو لے کر اس کے ساتھ مل گیا۔[۲] اس نے عَزرہ بن قیس احمسی کو حکم دیا کہ وہ امام علیہ السلام کے پاس جاکر ان سے پوچھے کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ عَزرہ چونکہ ان کوفیوں میں شامل تھا جنہوں نے امام علیہ السلام کو خط لکھے تھے لہٰذا امام علیہ السلام کے پاس جانے سے شرما گیا ۔ عمر بن سعد نے اُن تمام سرداروں کو جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھے تھے، (امام علیہ السلام کے پاس جانے کو) کہا لیکن ان سب نے جانے سے انکار کردیا۔

کثیر بن عبد اللہ شَعبی جو گھڑ سواری کا ماہر اور دلیر شخص تھا اور کسی کام سے بھی دریغ کرنے والا نہ تھا[۳]، عمر بن سعد کے قریب آیا اور کہا: میں جاؤں گا؛ اللہ کی قسم! اگر تم چاہو تو میں اس کو (امام علیہ السلام) کو قتل کردوں۔ عمر سعد نے کہا: میں اس کا قتل نہیں چاہتا، بلکہ تم جا کر اس سے یہ پوچھو کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے ۔ کثیر، امام علیہ السلام کے پاس آیا۔ جب ابو ثُمامہ صائدی نے اسے دیکھا تو امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: **"اصلحلک اللہ ابا عبد اللہ"** بدترین اور خونریزی اور حیلہ گری میں جسورترین شخص آپ کے پاس آرہا ہے۔ ابو ثُمامہ اس کی طرف بڑھا اور کہا: اپنی تلوار زمین پر رکھ دے۔ کثیر نے کہا: نہیں (ہوسکتا)؛ خدا کی قسم، یہ کام میری شرافت کے منافی ہے؛ میں ایک قاصد ہوں، جو پیغام میں لے کر آیا ہوں اگر سنو تو بیان کروں ورنہ واپس چلا جاؤں۔ ابو ثُمامہ نے کہا: میں تیری تلوار کے قبضہ کو پکڑ کے رکھوں گا، پھر جو چاہے کہو۔ کثیر نے کہا: یہ بھی نہیں ہوسکتا؛ خدا کی قسم، تیرا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ پائے گا۔ ابو ثُمامہ نے کہا

---

[۱] ۔ سبط بن جوزی، تذکرہ الخواص، ج ص ۱۵۰؛ ابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق الکبیر، ج ۴۸، ص ۳۲؛ ابن نما، مُثیر الاحزان، ص ۵۰؛ شیخ عباس قمی، نفس المہموم، ص ۲۱۱۔

[۲] ۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۷۴۔

[۳] ۔ وہ اہل بیت کا شدید دشمن تھا﴿خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۱، ص ۲۴۰﴾۔

: پس اپنا پیغام مجھے سنا دے، میں امام علیہ السلام تک پہنچا دوں گا، لیکن تجھے امام علیہ السلام کے قریب جانے کی اجازت نہیں دوں گا؛ کیونکہ تو فاسق انسان ہے۔ پھر ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہا؛ کثیر، عمر بن سعد کے پاس واپس پلٹ گیا اور سارا ماجرا بیان کیا۔

اب عمر بن سعد نے ارادہ کیا کہ قُرہ بن قیس حنظلی کو اس کام کی ذمہ داری سونپے۔ لہٰذا اس کو بلایا اور کہا: حسین کے ساتھ ملاقات کر اور اس سے پوچھ کہ یہاں کیوں آیا ہے اور کیا چاہتا ہے؟۔ قُرہ، امام علیہ السلام کے پاس آیا۔ جب امام علیہ السلام نے اسے آتے ہوئے دیکھا تو اپنے اصحاب سے پوچھا، اسے جانتے ہو؟ حبیب بن مُظاہر نے کہا: جی ہاں (میں جانتا ہوں)، یہ قبیلہ بنی تمیم کی ایک شاخ حنظلہ کا فرد ہے اور ہمارا بھانجا ہے۔ میں اس کے بارے میں حُسن عقیدہ ہونے کے حوالے سے جانتا تھا، مجھے گمان نہیں تھا کہ یہ بھی یہاں آئے گا۔ قُرہ، آیا اور امام حسین علیہ السلام کو سلام کیا اور عمر بن سعد کا پیغام دیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: تیرے شہر کے لوگوں نے مجھے لکھا ہے کہ میں ان کے پاس آؤں؛ اب اگر وہ نہیں چاہتے تو میں واپس لوٹ جاؤں گا۔[1]

دینوری نے امام علیہ السلام کا جواب تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے؛ چنانچہ وہ لکھتا ہے: امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: میری طرف سے اسے کہہ دے کہ اس شہر کے لوگوں نے مجھے خطوط لکھے ہیں اور ان میں ذکر کیا ہے کہ ہمارے پاس کوئی پیشوا نہیں ہے اور مجھ سے یہاں آنے کی درخواست کی۔ میں نے ان پر بھروسہ کیا ؛اگرچہ اٹھارہ ہزار افراد نے میری بیعت ک، لیکن دھوکہ کیا اور جب میں کوفہ کے قریب پہنچا تو ان کے فریب سے آگاہ ہوا، میں نے چاہا کہ وہیں سے واپس لوٹ جاؤں لیکن حُر بن یزید نے میرا راستہ روکا اور مجھے یہاں لے آیا۔ تیرے ساتھ میری قریبی رشتہ داری ہے، پس مجھے اجازت دے تاکہ میں واپس چلا جاؤں۔[2]

حبیب بن مُظاہر نے جانے سے پہلے قاصد سے کہا: اے قُرّہ بن قیس! افسوس ہے تجھ پر؛ تم ظالموں کے پاس واپس کیوں جا رہے ہو؟ آؤ، اور اس شخص کی مدد کرو جس کے آباؤ اجداد کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۸۶؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۸۵۔

[2] ۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۷۴۔

ہمیں اور تمہیں عزت عطا کی ہے۔ قُرّہ نے جواب دیا: ابھی میں اپنے امیر کے پاس جاؤں گا تا کہ اس کو پیغام پہنچاؤں، پھر اس بارے سوچوں گا۔[1]

ابن زیاد اور ابن سعد کے درمیان خط وکتابت

جب عمر بن سعد کا قاصد واپس پلٹا اور امام علیہ السلام کا پیغام اس تک پہنچایا تو عمر بن سعد نے کہا: مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کے ساتھ جنگ کرنے سے بچالے گا۔ پھر ابن زیاد کو خط لکھا اور اسے اس بات سے آگاہ کیا۔[2]

حَسّان بن فایدِ عَبسی کہتا ہے: جب ابن زیاد کو عمر بن سعد کا خط ملا تو میں اس کے پاس موجود تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ امابعد، میں جب حسین کے پاس پہنچا تو اس کی طرف قاصد بھیجا اور پوچھا کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے اور کیا چاہتا ہے اور اس کی کیا خواہش ہے؟ اس نے کہا: اس شہر کے لوگوں نے مجھے خط لکھے ہیں اور ان کے قاصد میرے پاس آئے ہیں اور مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں ان کے پاس آؤں؛ میں نے ان کی درخواست قبول کی ہے۔ اب اگر وہ اپنی بات سے پھر گئے ہیں اور انہیں ضرورت نہیں ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔"

جب ابن زیاد کو یہ خط سنایا گیا تو اس نے یہ شعر پڑھا:

أَلْآنَ اِذْعَلِقَتْ مَخَالِبُنَابِهِ　　　يَرْجُوْالنَّجَاةَ وَلَاتَ حِيْنَ مَنَاصِ[3]

اب جبکہ وہ ہمارے پنجے میں پھنس گیا ہے تو رہائی کی امید رکھتا ہے؛ مگر
اب نجات کا وقت نہیں۔

---

[1] ۔ سابقہ حوالہ، ﴿تھوڑے سے فرق کے ساتھ﴾؛ نیز رجوع کریں: خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۴۱۔

[2] ۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص۱۸۹۔

[3] ۔ ﴿بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۸۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۵۶﴾۔

پھر اس نے عمر بن سعد کو یوں لکھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ امابعد، تیرا خط مجھے ملا ہے اور میں نے اس کا مطلب سمجھ لیا ہے؛ حسین اور اس کے ساتھیوں سے یزید بن معاویہ کی بیعت طلب کر؛ اگر اس نے قبول کر لیا تو پھر اس بارے سوچیں گے۔ والسلام۔

جب یہ خط عمر بن سعد کو ملا تو اس نے کہا: مجھے گمان ہے کہ ابن زیاد صلح، صفائی کو قبول نہیں کرے گا۔[1] بعض روایات کے مطابق، عمر بن سعد نے امام حسین علیہ السلام سے یزید کے لیے بیعت طلب نہیں کی، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ امام علیہ السلام اس کی بیعت نہیں کریں گے۔[2] مگر بعض دوسرے مؤرخین کے مطابق، عمر بن سعد نے ابن زیاد کا خط امام حسین علیہ السلام کی طرف بھیجا اور امام علیہ السلام نے اس کے قاصد سے فرمایا: میں ہرگز ابن زیاد کا مطالبہ پورا نہیں کروں گا۔ مگر موت کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے؟ اے موت، خوش آمدید۔ جب ابن سعد نے یہ جواب ابن زیاد کو بھیجا تو وہ بہت غصہ ہوا اور اپنے گماشتوں کو نُخَیلہ[3] بھیجا۔[4]

کوفیوں کو جنگ کے لیے بھیجنا

جب ابن زیاد نے عمر بن سعد کو حمام اَعین کے علاقہ سے کربلا کی جانب بھیجا تو تمام لوگوں کو نُخیلہ کے مقام پر جمع ہونے کا حکم دیا۔ (اور کہا کہ) کوئی بھی اس لشکر سے خلاف ورزی نہ کرے۔ پھر وہ منبر پر گیا، معاویہ کی تعریف کی اور اس کی نیکیاں، بخشش، سرحدی مسائل پر اس کی خاص توجہ اور لوگوں کے درمیان ایجاد وحدت و الفت کو بیان کیا اور کہا: اس کا بیٹا یزید بھی اپنے باپ کے اخلاق و سلیقے کا مالک ہے، اسی کی سیرت پر چلتا ہے اور اس نے تمہارے لیے سینکڑوں گنا اپنی بخشش میں اضافہ کر دیا ہے؛ پس کوئی تاجر، رئیس یا کوفہ کا رہائشی یہاں نہ رہے، بلکہ لشکر کے ساتھ ملنے کے لیے میرے ساتھ (شہر سے) خارج ہوں

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۱۲؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۸۶؛ طبرسی، اِعلام الوری باعلام الہُدی، ص ۲۳۲۔

[2] ۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص ۲۴۲۔

[3] ۔ نُخیلہ ''نخلہ'' کی تصغیر ہے۔ یہ کوفہ کے نزدیک شام کی جانب ایک جگہ کا نام ہے ﴿یاقوت حموی، مُعجم البلدان، ج۵، ص ۳۲۱، ۳۲۲﴾۔ تاریخی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں نُخیلہ سیر گاہ کی شکل اختیار کر چکا تھا خلفاء اور حکمران جب کوفہ سے لشکر کشی کرنا چاہتے تھے تو پہلے یہاں آتے اور لشکر اکٹھا ہونے کے بعد آگے حرکت کرتے تھے۔

[4] ۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۷۴، ۳۷۵۔

اور اس کے بعد جو شخص ہماری فوج میں شامل نہیں ہو گا، تو اس کی امان میرے ذمہ نہ ہو گی۔ پھر ابن زیاد نے کسی کو حُصین بن تمیم کے پاس بھیجا۔ وہ اپنے چار ہزار افراد پر مشتمل جس لشکر کے ہمراہ قادسیہ میں تھا، نُخیلہ پہنچ گیا۔

پھر کثیر بن شہاب حارثی، محمد بن اَشعث بن قیس، قَعقاع بن سُوید بن عبد الرحمن منقری اور اسماء بن خارجہ فزاری کو بلایا اور ان سے کہا: لوگوں کے درمیان جاؤ اور انہیں اطاعت اور استقامت کی دعوت دو۔ فتنہ بازی اور سرکشی کے انجام سے ڈراؤ اور لشکر کے ساتھ شامل ہونے کی ترغیب دلاؤ۔ انہوں ایسا ہی کیا۔ کوفہ میں گردش کی اور لوگوں کو جنگ کی طرف راغب کیا پھر ابن زیاد کے ساتھ جا ملے، مگر کثیر بن شہاب اسی طرح کوفہ میں ہی گھومتا رہا اور لوگوں کو لشکر کے ساتھ شامل ہونے کی ترغیب دلاتا رہا اور فتنہ بازی، تفرقہ اور امام حسین علیہ السلام کی مدد کرنے سے ڈراتا رہا۔ عمر سعد کو کربلا میں دو دن گزر چکے تھے کہ ابن زیاد نے حُصین بن تمیم کو چار ہزار افراد کے ہمراہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ اسی طرح حجار بن ابجر عجلی، شبث بن رِبعی اور یزید بن حارث بن یزید کو دس دس ہزار افراد کے ہمراہ کربلا بھیجا۔ (شَبث نے پہلے تو بیماری کا بہانہ بنایا، لیکن ابن زیاد کے دباؤ کی وجہ سے روانہ ہوا)۔ البتہ کربلا کی طرف بھیجے جانے والے ہر ایک ہزار افراد میں سے تین یا چار سو سے کم لوگ جاتے؛ کیونکہ زیادہ تر لوگ امام حسین علیہ السلام کے قتل میں شریک نہیں ہونا چاہتے تھے اور بے رغبتی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ تاہم ابن زیاد خود نُخیلہ گیا اور عمرو بن حُریث کو کوفہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ صبح، ظہر اور شام کے وقت، بیس، تیس، پچاس اور سو افراد کے گروہ کو عمر بن سعد کی حمایت کے لیے کربلا بھیجتا رہا۔ اس نے قَعقاع بن سُوید بن عبد الرحمن کو حکم دیا کہ وہ سپاہیوں کے ایک گروہ کے ساتھ کوفہ کے اطراف میں چکر لگائے۔ سپاہیوں نے اسی دوران، ایک ہمدانی شخص کو دیکھا جو اپنی وراثت لینے کے لیے کوفہ آیا ہوا تھا۔ اسے ابن زیاد کے پاس لے گئے، ابن زیاد نے اسے قتل کر دیا۔ یہ کام اس بات کا موجب بنا کہ کوئی بھی بالغ شخص کوفہ میں رہنے کی جرات نہیں کرتا تھا۔ اسی طرح اس نے کوفہ میں جاسوس مقرر کیے تا کہ کوئی شخص لشکر سے پیچھے نہ رہے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ کاروان حسینی کے ساتھ شریک ہو جائے اور امام علیہ السلام کی مدد کرے۔ اسی طرح اس نے کوفہ کے

اطراف میں بھی اس نے مسلحہ گروہ بٹھا دیئے؛ ان نگہبانوں اور مسلح گروہوں کا کمانڈر، زَحر بن قیس جُعفی تھا۔ ابن زیاد نے اپنے اور عمر بن سعد کے درمیان کچھ مخفی سوار مقرر کیے ہوئے تھے جو ہر پیش آنے والے نئے واقعے کی اطلاع فوراً اس تک پہنچاتے تھے۔ [1]

بلاذری نے نقل کیا ہے کہ عمار بن ابی سلامہ دالانی نے کوشش کی کہ ابن زیاد کو نُخیلہ میں ہی قتل کر دے، لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا؛ جس کے بعد امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جاملا اور آپ کی رکاب میں جام شہادت نوش کیا۔ [2]

امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھیجے جانے والے عمر بن سعد کے لشکر کی تعداد اور کوفی لشکر کے کمانڈروں کے ناموں کے بارے میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے۔ ان شاء اللہ ہم اس کتاب کی دوسری جلد کی فصل "**عاشورہ، اعداو شمار کے آئینہ میں**" میں تفصیل سے ذکر کریں گے؛ لیکن یہاں بطور اشارہ چند اقوال ذکر کرتے ہیں:

۱۔ ابن اعثم کوفی کی روایت:

الف) حُر کے ساتھ ہزار افراد؛ ب) عمر بن سعد کے ہمراہ چار ہزار افراد؛ ج) شمر کے ساتھ ہزار افراد؛ د) زید بن رکاب کلبی کے ہمراہ دو ہزار افراد؛ ہ) حُصین بن نمیر سکونی کے ہمراہ چار ہزار افراد؛ و) مصاب ماری کے ساتھ تین ہزار افراد؛ ز) نصر بن حربہ کے ساتھ دو ہزار افراد؛ ح) شَبَث بن ربعی کے ساتھ ہزار افراد؛ ط) حجار بن اَبجر کے ساتھ ہزار سوار، کل انیس ہزار افراد۔

۲۔ امالی شیخ صدوق کی روایت کے مطابق:

الف) عمر بن سعد کے ہمراہ چار ہزار افراد؛ ب) عبد اللہ بن حُصین تمیمی کے ہمراہ ہزار افراد؛ ج) شَبَث بن ربعی کے ہمراہ ہزار اسوار؛ د) محمد بن اشعث بن قیس کے ہمراہ ہزار افراد، کل سات ہزار افراد۔

۳۔ خوارزمی کی روایت کے مطابق:

---

[1] ۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۸۶ تا ۳۸۸؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۷۵۔

[2] ۔ بلاذری، سابقہ کتاب کا حوالہ۔

الف) حُر کے ساتھ ہزار افراد؛ ب) عمر بن سعد کے ہمراہ چار ہزار افراد؛ج) شمر بن ذی الجوشن کے ساتھ چار ہزار افراد؛د) یزید بن رکاب کلبی کے ساتھ دو ہزار افراد؛ہ) حُصین بن نُمیر سکونی کے ساتھ چار ہزار افراد؛و) فلان مازنی کے ساتھ تین ہزار افراد؛ز) نصر بن فلان کے ساتھ دو ہزار افراد؛ح) شَبَث بن ربعی کے ساتھ ہزار افراد سوار؛ط) حجار بن ابجر کے ساتھ ہزار سوار، کل بائیس ہزار افراد۔[1]

۴۔ ابن شہر آشوب کی روایت کے مطابق:

الف) حُر کے ساتھ ہزار افراد؛ب) کعب بن طلحہ کے ساتھ تین ہزار افراد؛ج) عمر بن سعد کے ساتھ چار ہزار افراد؛د) شمر بن ذی الجوشن کے ساتھ چار ہزار افراد؛ہ) یزید بن رکاب کلبی کے ساتھ دو ہزار افراد؛و) حُصین بن نُمیر کے ساتھ چار ہزار افراد؛ز) مضایر بن رُھبہ مازنی کے ساتھ تین ہزار افراد؛ ح) نصر بن حَرشہ کے ساتھ دو ہزار افراد؛ط) شَبَث بن ربعی کے ساتھ ہزار افراد؛ی) حجار بن ابجر کے ساتھ ہزار افراد[2] کل تعداد پچیس ہزار افراد۔ ابن اعثم نے لکھا ہے: چھ محرم تک عمر بن سعد کے پاس فوج پہنچ گئی۔[3] سید بن طاؤوس نے بیان کیا ہے: چھ محرم تک بیس ہزار سپاہی کربلا پہنچ چکے تھے۔[4]

حبیب ابن مظاہر کی کوشش (فوج جمع کرنے کے لیے)

جب چھ محرم کا دن ہوا اور عمر بن سعد کا لشکر مکمل ہو گیا تو جناب حبیب بن مظاہر اسدی، امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں گئے اور عرض کیا: یابن رسول اللہ! یہاں نزدیک ہی قبیلہ بنی اسد کے کچھ لوگ رہتے ہیں، ہمارے اور ان کے درمیان دوستی ہے۔ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں جا کر ان کو آپ کی مدد کے لیے بلاؤں؟ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے ہمیں فائدہ پہنچائے گا، یا آپ سے کچھ مشکلات دور کر دے گا۔ امام علیہ السلام نے اجازت دے دی؛ حضرت حبیب نے جا کر انہیں کہا: میں تمہیں آخرت کے

---

[1] ۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۲۴۲۔

[2] ۔ محمد بن علی بن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۰۶، ۱۰۷۔

[3] ۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۹۰۔

[4] ۔ سید بن طاؤوس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۴۵۔

شرف وعظمت اور ثواب کی طرف دعوت دیتاہوں، میں تمہیں تمہارے رسول کی بیٹی کے لختِ جگر کی مدد کے لیے بلاتاہوں، وہ مظلوم ہوچکے ہیں؛ کیونکہ کوفیوں نے ان کو دعوت دی کہ ان کی مدد کریں گے؛ لیکن جب امام علیہ السلام یہاں تشریف لائے تو انہوں نے آپ علیہ السلام کو تنہا چھوڑ دیااور آپ کے ساتھ دشمنی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کو قتل کرناچاہتے ہیں۔

اس گفتگو کے بعد تقریباًستر افراد آپ کے ہمراہ ہوگئے۔ دوسری جانب جبلہ بن عمر نامی ایک شخص نے عمر بن سعد کے پاس آکر ساراماجرا بیان کیا۔ ابن سعد نے ازرق بن حارث صیداوی کو ایک گروہ کے ساتھ وہاں بھیجاجو ان کے اور کاروانِ امام علیہ السلام کے درمیان حائل ہوگئے اور ان کے امام کے ساتھ ملنے میں رکاوٹ بنے۔ جناب حبیب بن مظاہر، امام علیہ السلام کے پاس آئے اور ساراماجرا بیان کیا، امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: **الحمد لله کثیراً**۔[1]

خیام حسینی میں پانی کا بند ہونا

حُمید بن مُسلم ازدی[2] کا کہناہے: عمر بن سعد کو ابن زیاد کاخط ملا جس میں لکھاتھا: امابعدُ، حسین اور اس کے اصحاب تک پانی کی رسائی بند کر دے، وہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پی سکیں، جس طرح انہوں نے امیر المومنین عثمان بن عفان کے ساتھ کیاتھا۔[1]

---

[1] ۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۸۸؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۹۰، ۹۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۴۳، ۲۴۴۔

[2] ۔ اس شخص کا نام واقعہ کربلا سے پہلے کتب میں نہیں ملتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں اس کا شمار نہیں ہوا؛ لیکن یہ بھی یقینی نہیں ہے کہ وہ عمر بن سعد کے لشکر کا فرد تھا، کیونکہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب شمر نے خیمہ گاہ پر حملے اوراسی طرح امام سجاد علیہ السلام کو شہید کرنے کا ارادہ کیاتو وہ، شمر اور اس کے ساتھیوں کے سامنے رکاوٹ بنا۔ اس طرح کہ پہلے واقعہ میں شمر نے اس پر اعتراض کیااور دوسرے واقعہ میں امام سجاد علیہ السلام نے اس کے لیے دعاکی۔ ﴿طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۸، ۴۵۳، ۴۵۴۔﴾ البتہ "ہمارا لشکر" جیسے اس کے الفاظ سے پتہ چلتاہے کہ وہ لشکر کوفہ کے ہمراہ تھا؛ لیکن قوی احتمال ہے کہ وہ ایک خبر نگار اور راوی کے عنوان سے کربلا میں آیاہوا تھا، چنانچہ وہ سر مقدس کے ہمراہ کوفہ گیا۔ ﴿رجوع کریں: طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۵﴾ اسی طرح عمر بن سعد کی جانب سے اس کے خاندان تک جنگ کے ختم ہوجانے کی خبر پہنچانے کا بھی ذمہ دار تھا۔ ﴿طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۶﴾۔ ابومخنف نے شیعہ مذہب کی طرف رغبت رکھنے کے باوجود، روایت کربلا کا بیشتر حصہ اسی سے نقل کیاہے۔ اور یہ کہ حُمید روایت نقل کرتے وقت لشکر کوفہ اور اس کے حاکموں کی طرفداری نہیں کرتا، بلکہ اس کے برعکس اہل

عمر بن سعد نے حَجّاج زُبیدی کو پانچ سو سواروں کے ساتھ نہر فرات کی طرف روانہ کیا تا کہ امام اور ان کے اصحاب کو پانی تک جانے سے روکیں۔ یہ واقعہ سات محرم یعنی شہادت امام حسین علیہ السلام سے تین دن پہلے پیش آیا۔[۲]

اس وقت عبد اللہ بن حُصین ازدی چِلّایا: اے حسین، کیا یہ پانی دیکھ رہے ہو؟ آسمان کی طرح (صاف و شفاف) ہے؛ خدا کی قسم؛ تو اس کا ایک قطرہ بھی نہیں چکھ سکے گا، یہاں تک کہ پیاس سے مر جائے گا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے اللہ! اسے پیاس کی حالت میں موت دینا اور اس کو معاف نہ کرنا۔ حُمید بن مُسلم کہتا ہے: واقعہ کربلا کے بعد وہ بیمار ہوا اور میں اس کی عیادت کے لیے گیا۔ مجھے قسم اس اللہ کی جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے؛ میں نے اس کو دیکھا کہ وہ پانی پیتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا؛ پھر قے کر دیتا ہے، دوبارہ پیتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا، مرنے تک اس کی یہی حالت تھی۔[۳]

اس قسم کے توہین آمیز الفاظ، چاہے پانی کا معاملہ ہو یا کوئی دوسرا مسئلہ، کئی بار عمر بن سعد کے ساتھیوں نے اپنی زبان پر جاری کیے ہیں اور بعض اوقات ان الفاظ کے بعد امام علیہ السلام نے ان پر لعنت بھی کی ہے۔ بطور نمونہ کہا گیا ہے: عمرو بن حجّاج نے گستاخی کی اور کہا: اے حسین! نہر فرات کے پانی سے کتے، خنزیر اور خرگوش تو سیراب ہو سکتے ہیں، لیکن اس کا ایک قطرہ تیرے نصیب میں نہیں ہے یہاں تک تو جہنم کا پانی

بیت علیہم السلام کی عظمت اس کی روایات میں نمایاں ہے۔ یہ تمام چیزیں اس کے راوی ہونے کے شواہد ہیں۔ بعد میں توابین کے قیام میں ﴿طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۵۹۷، ۵۹۸﴾ یا تو وہ خبر نگار کے عنوان سے یا شہدائے کربلا کے خون کا بدلہ لینے والے کے عنوان سے موجود تھا۔

[۱] ۔ کربلا میں پانی بند کرنے کا بہانہ یہ تھا کہ جب قتل عثمان کے وقت اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تھا تو اس کا پانی بند کر دیا گیا تھا، یہ بنی امیہ کا ایک جھوٹ ہے ۔ کیونکہ اس وقت حملہ آوروں کی مخالفت کے باوجود حضرت علی علیہ السلام نے پانی کے تین مشکیزے اس کی طرف بھیجے اور امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو حکم دیا کہ عثمان کے گھر جا کر اس کی مدد کریں، حتی یہ کہ اس سلسلہ میں امام حسن علیہ السلام زخمی بھی ہو گئے تھے۔ ﴿مسعودی، مروج الذہب، ج۲، ص۳۵۳، ۳۵۴﴾۔

[۲] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۸۹۔ بلاذری نے ان سواروں کے کمانڈر کا نام ذکر نہیں کیا۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۷۵، ۳۷۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۵۶۔

[۳] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۸۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۸۷۔

پیئے۔[1] اس کے متعلق نقل ہوا ہے کہ وہ ان لوگوں میں شامل تھا، جنہوں نے امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کا پانی بند کیا اور امام حسین علیہ السلام نے اس پر لعنت کی اور یہ ملعون پیاس کی شدت کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔[2]

بعض مقتل نویسوں کی روایت کے مطابق، جب دشمن نے پانی بند کیا اور امام علیہ السلام اور اصحاب پر پیاس کا غلبہ ہوا تو امام علیہ السلام نے کدال اٹھایا اور خواتین کے خیام کے پیچھے آئے اور انیس قدم قبلہ کی طرف چلے، اور اس جگہ کو کھودا؛ میٹھے پانی کا ایک چشمہ پھوٹا، امام علیہ السلام اور آپ کے اصحاب نے وہاں سے پانی پیا اور اپنی مشکیں بھریں۔ پھر وہ چشمہ غائب ہو گیا اور کسی کو اس کا کوئی نام و نشان نہیں ملا۔[3] اس کے بعد ابن زیاد نے ابن سعد کو لکھا: مجھے خبر ملی ہے کہ حسین نے کنواں کھودا ہے اور پانی حاصل کیا ہے۔ جب یہ خط تجھے ملے تو تُو اس کو کنواں کھودنے سے منع کر اور اس پر سختی کر۔ اور فرات سے ایک قطرہ پانی نہ پینے پائے اور جیسا کہ انہوں نے مقدس اور پرہیز گار شخص عثمان کے ساتھ سلوک کیا ہے، تُو بھی ان کے ساتھ یہی سلوک کر۔

اس کے بعد عمر بن سعد نے دباؤ اور سختی بڑھادی۔[4]

مقدسی اور ابن حجر ہَیتمی (اہل سنت کے بزرگ علما) کہتے ہیں: اگر دشمن، امام حسین علیہ السلام پر پانی بند نہ کرتے تو امام علیہ السلام کی لازوال شجاعت کی وجہ سے ہر گز آپ علیہ السلام کی طرف ہاتھ نہ بڑھا سکتے۔[5]

شیخ صدوق نے نقل کیا ہے: جب امام علیہ السلام کا پانی بند کر دیا گیا اور آپ اور آپ کے اصحاب پر پیاس نے غلبہ کیا تو امام علیہ السلام نے تلوار کی ٹیک لگا کر کوفیوں کو قسم دی اور ان سے اپنی شخصیت، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ،

---

[1] ۔ رجوع کریں: بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۹۰، ۳۹۶، ۳۹۹ تا ۴۰۱؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۹۲؛ سبط بن جوزی، تذکرہ الخواص، ج۲، ص ۱۵۲۔

[2] ۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص ۱۸۹۔ لکھتے ہیں کہ قیام مختار کے بعد عمر بن حجّاج کوفہ سے فرار کر گیا کیوکہ جانتا تھا کہ اگر مختار نے اسے پالیا تو کم از کم اس کی سزا موت ہے؛ اور ایک قول کے مطابق مختار کے فوجیوں نے اس کا تعاقب کیا اور اس کو ایک بیابان میں پایا کہ پیاس کی وجہ سے اس کی حالت خراب ہے، وہ اس کا سر کاٹ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ ﴿ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۶۷۔۸﴾

[3] ۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص ۲۴۴۔

[4] ۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۹۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص ۲۴۴۔

[5] ۔ مطہر بن طاہر مقدسی، البدءُ والتاریخ، ج۶، ص ۱۱؛ ابن حجر ہیتمی، الصواعق المحرقہ، ص ۱۹۷۔

حضرت علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ علیہا السلام، حضرت حمزہ، حضرت جعفر طیار اور اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ اپنی قرابت کا اقرار لیا؛ جب انہوں نے اقرار کر لیا تو آپ نے فرمایا: پس تم میرا خون کیوں جائز سمجھتے ہو؟ وہ کہنے لگے: جو کچھ تو نے کہا ہے، ہم جانتے ہیں لیکن تجھے نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ تجھے پیاسا قتل کریں گے۔ اس وقت عورتوں اور بچوں نے آہ و بکا شروع کر دی۔ امام علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت عباس علیہ السلام اور اپنے بیٹے حضرت علی اکبر علیہ السلام سے فرمایا: ان کو خاموش کرو، انہوں نے ابھی بہت رونا ہے۔[1]

حضرت عباس علیہ السلام کا پانی لانا

جب امام علیہ السلام اور آپ کے اصحاب پر پیاس کا غلبہ ہوا تو امام علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت عباس علیہ السلام کو تیس سواروں اور بیس پیادوں[2] کے ہمراہ، بیس مشکیزے[3] دے کر پانی لانے کے لیے نہر فرات کی جانب روانہ کیا۔ وہ رات کے وقت فرات کے قریب گئے، نافع بن ہلال جملی ان کے آگے آگے پرچم تھامے ہوئے تھا۔ عمرو بن حجّاج زُبیدی (ابن سعد کی طرف سے نہر فرات کے نگہبان) نے آواز دی: تُو کون ہے اور کیوں آیا ہے؟ نافع نے جواب دیا: ہم اس لیے آئے ہیں کہ جس پانی سے تو نے ہمیں منع کیا ہے، وہ پئیں۔

(اس نے کہا): پی لے، پانی تیرے نصیب ہو۔

(نافع نے کہا): جب تک حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب تشنہ ہیں، اس وقت تک میں ایک قطرہ بھی پانی نہیں پیوں گا۔ نافع کے ساتھی آگے بڑھے۔ عمرو نے کہا: یہ نہیں ہو سکتا اور ان کو پانی دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ہماری یہاں ذمہ داری لگائی گئی ہے کہ ہم ان کو پانی سے روکیں۔ نافع کے ساتھی جب اس کے قریب ہوئے تو نافع نے (عمرو کی باتوں سے بے توجہی کرتے ہوئے) پیادوں سے کہا کہ مشکیزے بھریں، انہوں نے حملہ کیا اور مشکیں بھر لیں۔ عمرو بن حجّاج نے اپنی فوج کے ہمراہ نافع پر حملہ کیا، لیکن عباس بن علی علیہ السلام اور نافع بن ہلال ان پر ٹوٹ پڑے اور حملہ روکا۔ پھر اپنی جگہ واپس لوٹ آئے لیکن پھر انہوں نے

---

[1] ۔ شیخ صدوق، الامالی، ص ۲۲۲، ۲۲۳، مجلس نمبر ۳۰؛ سید بن طاؤوس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۴۵ تا ۱۴۷۔

[2] ۔ ابو الفرج اصفہانی: تیس پیادہ افراد ﴿مقاتل الطالبیین، ص ۱۷۷﴾۔

[3] ۔ ابو حنیفہ دینوری: ہر شخص کے پاس ایک مشکیزہ تھا ﴿الاخبار الطوال، ص ۳۷۶﴾۔

راستہ روک لیا اور عمرو بن حجّاج لڑنے لگا، اس کا ایک ساتھی زخمی ہوا اور اسی زخم کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔ بالآخر امام حسین علیہ السلام کے اصحاب (پانی سے) بھرے ہوئے مشکیزے لے کر امام علیہ السلام کی خدمت میں آئے۔[1] خوارزمی کہتا ہے: اس کے بعد حضرت عباس علیہ السلام کو "سقاء" کا لقب ملا۔[2]

مرحوم شیخ صدوق نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی اکبر علیہ السلام پانی لائے؛ مگر اس بات میں مزید غور و فکر کی ضرورت ہے۔[3]

پانی بند کرنے کا مقصد

جیسا کہ طبری سے نقل ہو چکا ہے، پانی بند کرنے کا حکم، عاشورا سے تین دن پہلے یعنی سات محرم کو یا حد اکثر آٹھ محرم کو صادر ہوا۔ اس اقدام سے دشمن کا ہدف ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ: اولاً امام علیہ السلام کا قافلہ پانی تک دسترسی حاصل کرنے سے مشکلات کا شکار ہو اور ان کے لیے جنگ کرنا دشوار ہو جائے۔ اور دوسرے، ممکن ہے یہ حربہ عورتوں اور بچوں کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہو اور شاید دشمن کا گمان تھا کہ اس کام کے ذریعے امام علیہ السلام پر دباؤ پڑے گا اور عورتوں اور بچوں کی وجہ امام علیہ السلام تسلیم ہونے پر مجبور ہو جائیں گے، جبکہ ایسا نہیں ہوا۔ تیسرا اور اہم مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ پانی کا بند کرنا حزب عثمانی (یعنی بنی امیہ) کی جانب سے علویوں اور بنی ہاشم کے خلاف ایک سیاسی اور تبلیغاتی اقدام تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ جب عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تھا اور حضرت علی علیہ السلام پر عثمان کا پانی بند کرنے کے الزام لگایا گیا تھا، اس کو دوبارہ بیان کر کے اپنے دیرینہ کینے کو زندہ کریں اور اپنے حواریوں کو ابھاریں۔ ابن زیاد کا عمر بن سعد کے نام اپنے خط میں عثمان اور اس کے پانی بند ہونے کا تذکرہ بھی اسی مقصد کے لیے تھا۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے عثمان کے گھر کے محاصرہ کے وقت، حضرت علی علیہ السلام یا بنی امیہ کا کردار اور پانی کا بند کرنا، بنی امیہ کا بہت بڑا جھوٹ تھا۔

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۱۲؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۹۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۸۹۔

[2] ۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص ۲۴۵۔ اس پانی لانے کا وقت معلوم نہیں ہے۔ طبری کہتا ہے کہ یہ پانی ابن زیاد کے پانی بند کرنے کے بعد لایا گیا؛ بنا بریں یہ پانی ساتویں دن یا اس کے بعد لایا گیا۔ مگر ابو الفرج اصفہانی قائل ہے کہ پانی، روز عاشورا لایا گیا۔ ﴿مقاتل الطالبیین، ص ۱۱۷﴾۔

[3] ۔ الامالی، ص ۲۲۱، مجلس نمبر تیس۔

کیا امام علیہ السلام، اس مدت میں پانی تک دسترسی رکھتے تھے یا نہ؟ بعض شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ صبح عاشورا تک ایک محدود اور ضروری مقدار میں (البتہ مشکل سے)، امام علیہ السلام نے پانی حاصل کیا۔ طبری اور ابن اعثم کوفی وغیرہ کی کتب میں کنواں کھودنے کے متعلق کوئی روایت ذکر نہیں ہوئی؛ لیکن ابن سعد کے نام، ابن زیاد کے خط سے پتہ چلتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے کم از کم ایک دفعہ کنواں کھودا تھا؛ چاہے کرامت اور مقامِ امامت کے ذریعے یا معمولی طریقے سے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں پانی کی سطح اونچی ہو گئی ہو؛ بہر حال کاروان حسینی نے محدود مقدار میں پانی حاصل کیا۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ، پانی بند کرنے پر مشتمل سب سے پہلا حکم نامہ آنے کے بعد یعنی سات محرم کے بعد، پیش آیا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام نے اصحاب کے ایک گروہ کے ہمراہ بیس مشکیزے لے کر قافلے کے لیے پانی حاصل کیا اور احتمال یہ ہے کہ ابھی تک اسی سے کچھ پانی بچا ہوا تھا۔ ابو مخنف کی روایت کے مطابق، امام حسین علیہ السلام آخری لمحات میں فرات کے قریب گئے، لیکن پانی حاصل کرنے سے پہلے دشمن نے آپ کو زخمی کر دیا۔[1]

واضح رہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے اس کا مطلب، کربلا میں پانی نہ ہونے کی نفی کرنا نہیں؛ بلکہ مقصد یہ ہے کہ پانی کی کمی اور پیاس کا تعلق روزِ عاشورا کے ساتھ ہے اور یہ مصیبت بھی کوئی کم نہیں؛ کیونکہ ایک طرف حالت جنگ اور زخموں کی وجہ سے پیاس تھی، اور دوسری طرف دشمن نے امام علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کے لیے، بالخصوص بچوں اور عورتوں کے لیے سخت حالات پیدا کر دیے تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دشمن نے توہین آمیز زبان کے ذریعے امام علیہ السلام کے ساتھ نفسیاتی جنگ بھی چھیڑ رکھی تھی۔

امام حسین علیہ السلام کی عمر بن سعد کے ساتھ ملاقات

محرم کے ابتدائی ایام کے واقعات میں سے ایک واقعہ، امام حسین علیہ السلام کی عمر بن سعد کے ساتھ ملاقات ہے۔ کتبِ تاریخ کے مطابق امام علیہ السلام نے انہی ایام میں عمر بن سعد کے ساتھ ایک نہیں، بلکہ کئی ملاقاتیں کیں اور آپ علیہ السلام نے اسے جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ تاریخ میں اس ملاقات کا تذکرہ قدرے

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۹۔

اختلاف اور اس کی تفصیلات میں فرق کے ساتھ ہوا ہے۔ بعض تفصیلات بالکل ہی قابل قبول نہیں ہیں۔ ہم پہلے ان روایات کو تفصیل کے ساتھ نقل کریں گے اور پھر ان پر تبصرہ و تنقید کریں گے، اور پھر ان کی جمع بندی کرنے کے ساتھ ساتھ صحیح روایات کو نقل کرنے کی کوشش کریں گے:

۱۔ طبری کی روایت کے مطابق، ہانی بن ثُبیت حَضرمی، واقعہ کربلا کا عینی شاہد تھا؛ وہ کہتا ہے: حسین بن علی نے اپنے ایک صحابی "عمرو بن قَرَظہ انصاری" کو عمر بن سعد کے پاس بھیجا اور اسے پیغام دیا کہ رات کے وقت دونوں لشکر آپس میں ملاقات کریں۔[1] امام حسین علیہ السلام اور عمر بن سعد نے بیس بیس سواروں کے ہمراہ ملاقات کی اور جب ایک دوسرے کے نزدیک ہوئے تو امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے کہا کہ ایک طرف چلے جائیں اور عمر سعد نے بھی ایسا ہی کیا؛ پھر ایک دوسرے سے گفتگو کی۔ یہ ملاقات اتنی لمبی ہوئی کہ رات کا ایک حصہ گزر گیا۔ پھر دونوں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ واپس لوٹ گئے۔ لوگوں نے یہ اندازہ لگایا کہ حسین علیہ السلام نے عمر بن سعد سے کہا کہ ہم دونوں لشکر کو چھوڑ دیں اور اکٹھے یزید کے پاس چلے جائیں۔ عمر سعد نے جواب دیا: اس صورت میں میرا گھر ویران کر دیں گے۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: میں تیرے لیے گھر مہیا کروں گا۔ ابن سعد نے کہا: میری جائداد چھین لیں گے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: میں حجاز میں اس سے بہتر تجھے جائداد دوں گا۔ عمر بن سعد نے یہ بھی قبول نہ کیا۔ اس روایت کا راوی "ہانی" مزید کہتا ہے: لوگوں نے یہ باتیں بیان کی ہیں اور کسی سے سنے یا اس بارے میں کسی علم و آگاہی کے بغیر، یہ باتیں لوگوں کے درمیان مشہور ہو گئیں۔

پھر طبری نے محدثین کے ایک گروہ سے نقل کیا ہے: امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: تین میں سے میری ایک پیش کش قبول کر: میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس لوٹ جاؤں؛ یا یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لوں تاکہ وہ جیسے چاہے میرے ساتھ سلوک کرے؛ یا مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد میں بھیج دے تاکہ میں وہاں کے لوگوں میں سے ہو جاؤں اور میرے لیے بھی انہی جیسے حقوق و ذمہ داریاں ہوں۔

گویا کہ طبری کو ان دو روایتوں پر اطمینان نہیں ہے؛ اسی لیے وہ بلافاصلہ لکھتا ہے: لیکن عُقبہ بن سِمعان کہتا ہے: جب امام حسین علیہ السلام، مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق آئے تو میں ان کے ساتھ تھا، اور ہر گز ان سے جدا

---

[1]۔ جیسا کہ آگے آجائے گا، کہ سبط بن جوزی کے نظریئے کے مطابق ابن سعد نے ملاقات کی پیشکش کی (تذکرۃ الخواص، ج ۲، ص ۱۵۲)۔

نہیں ہوا، یہاں تک کہ امام علیہ السلام شہید ہو گئے۔ میں نے مکہ، مدینہ، راستے، عراق اور کربلا میں ان کی تمام باتیں سنیں۔ ایک لفظ ایسا نہ تھا جو میں نے نہ سنا ہو۔ اللہ کی قسم؛ جو کچھ لوگ کہتے اور سمجھتے ہیں ویسا نہیں تھا، اور ہر گز آپ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا: کہ میں اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ پر رکھوں گا، اور اسی طرح یہ بھی نہیں کہا: کہ مجھے کسی سرحد کی جانب روانہ کر دو؛ البتہ یہ کہا: مجھے چھوڑ دو کہ میں اس وسیع و عریض سرزمین میں چلا جاؤں تاکہ دیکھوں کہ لوگوں کا معاملہ کہاں تک جاتا ہے۔[1]

طبری نے عمار دُہنی سے منقول ایک مختصر مقتل میں ذکر کیا ہے اور عمار نے امام باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے ابن سعد سے کہا: میری تین باتوں میں سے ایک بات مان لے: مجھے اپنے آپ پر چھوڑ دے تاکہ میں جہاں سے آیا ہوں وہاں لوٹ جاؤں؛ یا مجھے یزید کے پاس جانے دو؛ یا میں کسی سرحد کی طرف چلا جاؤں۔ عمر بن سعد نے یہ پیش کش قبول کر لی اور ابن زیاد کو اس کی اطلاع دے دی۔ ابن زیاد نے اسے لکھا: یہ کام ہر گز نہیں ہو سکتا، سوائے یہ کہ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھے۔ حسین بن علی علیہ السلام نے اس کو قبول نہ کیا اور فرمایا: ہر گز ایسا کام ممکن نہیں ہے۔[2]

۲۔ ابن اعثم، امام علیہ السلام کے پیغام، گفتگو، بیس افراد کے ساتھ جانے اور ساتھیوں کے ایک طرف چلے جانے، کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: عباس بن علی علیہ السلام، علی بن حسین علیہ السلام، حفص بن عمر اور اس کا غلام امام حسین علیہ السلام کے پاس آئے۔ حسین علیہ السلام نے ابن سعد سے فرمایا: کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا جس کی طرف تیری بازگشت ہے؟! میرے ساتھ جنگ کرتا ہے، حالانکہ تو جانتا ہے کہ میں کس کا بیٹا ہوں اور پیغمبر علیہما السلام کے ساتھ میری کیا نسبت ہے۔ اس جماعت کو چھوڑ کر میرے ساتھ آجا، تاکہ تجھے بارگاہ الٰہی کا قرب حاصل ہو جائے۔ عمر بن سعد نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ میرا گھر برباد کر دیں گے، امام علیہ السلام نے فرمایا: میں تیرے لیے گھر بناؤں گا۔ کہا: میرے اموال غارت کر لیں گے۔ فرمایا: میں اس سے بہتر تجھے مال دوں گا۔ عمر بن سعد خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ امام علیہ السلام نے وہاں سے جاتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے جلد ہی اپنے بستر

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۱۳، ۴۱۴۔

[2] ۔ سابقہ حوالہ، ص ۳۸۹۔

پر قتل کرے گا اور روز قیامت تجھے نہیں بخشے گا؛ مجھے امید ہے کہ تو عراق کی گندم زیادہ دیر تک نہیں کھائے گا۔[1] خوارزمی نے مزید کہا ہے کہ عمر بن سعد نے کہا: اگر گندم نہ ہو گی تو جَو ہوں گے۔ پھر اپنے لشکر کی طرف پلٹ گیا۔[2]

۳۔ محمد بن سعد نے، امام علیہ السلام کی اس گفتگو کو لشکر کوفہ کے آمنے سامنے آنے کے وقت جانا ہے اور وہ لکھتا ہے: حسین علیہ السلام نے ان سے کہا: چھوڑ دو، ہم جس جگہ سے آئے ہیں وہیں لوٹ جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا: ممکن نہیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر مجھے جانے دو، میں رے جا کر دیلموں سے جنگ کروں گا۔ انہوں نے کہا: یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: تو پھر مجھے چھوڑو، میں یزید کے پاس جا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا: نہیں، ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کر۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے جواب دیا: اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔[3]

۴۔ سبط بن جوزی کا نظریہ ہے کہ عمر بن سعد نے گفتگو کی پیشکش کی، اور امام علیہ السلام نے یزید کی بیعت یا اس کے پاس جانے کی کوئی پیشکش نہیں کی، چنانچہ وہ لکھتا ہے: عمر بن سعد، امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کے حق میں نہیں تھا؛ لہٰذا اس نے امام علیہ السلام کو پیغام بھیجا اور ملاقات کی درخواست کی۔ دونوں نے اکیلے ملاقات کی۔ عمر بن سعد نے آپ سے کہا: یہاں کیوں آئے ہو؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اہل کوفہ مجھے یہاں لے آئے ہیں۔ عمر سعد نے کہا: تجھے معلوم نہیں کہ انہوں تیرے ساتھ کیا کیا ہے (یعنی تجھے دھوکہ دیا ہے)؟!۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: ہم خدا کے لئے نکلے تھے، اگرچہ انہوں نے دھوکا دیا ہے۔ ابن سعد نے کہا: اب جب کام یہاں تک پہنچ گیا ہے، تو تُو کیا کرنا چاہتا ہے؟ فرمایا: مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو تاکہ میں مکہ یا مدینہ واپس چلا جاؤں، یا کسی سرحد کی طرف چلا جاؤں اور وہاں کے لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔ عمر بن سعد نے کہا: یہ بات ابن زیاد کو لکھوں گا...۔[4]

---

[1] ۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۹۲، ۹۳۔

[2] ۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۱، ص ۲۴۵۔

[3] ۔ ابن سعد، ترجمہ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۷۸۔

[4] ۔ سبط ابن جوزی، تذکرہ الخواص، ج ۲، ص ۱۵۲، ۱۵۳۔

بعض کتب میں، امام علیہ السلام کی عمر سعد کے ساتھ گفتگو کے بعد یہ نقل ہوا ہے کہ جب عمر سعد نے حسین بن علی علیہ السلام کی پیشکش قبول نہیں کی تو تیس افراد اس کے لشکر سے جدا ہو گئے اور امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مل گئے اور انہوں نے کہا: نواسہ رسول علیہما السلام تجھے پیشکش کرے اور تو کوئی ایک بھی نہ مانے؟ وہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ رہے اور جنگ کی۔[1] لیکن کچھ دلائل کی بنیاد پر اس روایت کو اتنا آسانی سے قبول نہیں کیا جا سکتا اور ہم عنقریب ہم اس کی وضاحت کریں گے۔

تبصرہ و تنقید

سابقہ بیان سے واضح ہے کہ کتب تاریخ میں امام حسین علیہ السلام کی طرف منسوب ان آراء کے بارے میں ایسی مختلف، متناقض اور مخلوط روایات ذکر ہوئی جن سے واضح اور روشن نتیجہ نہیں لیا جا سکتا۔ البتہ قرائن و شواہد کا ملاحظہ کیا جائے اور اس کے مختلف جوانب کی تحقیق کی جائے تو چند قابل اطمینان نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ ان روایات میں سے عُقبہ بن سِمعان کی روایت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وہ عینی شاہد ہے اور ہر جگہ امام علیہ السلام کے ساتھ تھا؛ حالانکہ اس کے علاوہ دوسری روایات، لوگوں کے خیالات اور اندازوں پر مبنی ہیں، لہٰذا وہ اس حد تک دقیق اور قابل وثوق نہیں ہیں۔

۲۔ اگر عُقبہ بن سِمعان کی روایت نہ بھی ہوتی، پھر بھی امام حسین علیہ السلام کی سیرت اور آپ کے قاطعانہ نظریہ سے معمولی آشنائی رکھنے والوں کے لیے، ان روایات کے غلط ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام نے یزید کے سامنے تسلیم ہونے یا اس کے پاس جانے کی پیشکش کی ہے۔ اگر امام حسین علیہ السلام، یزید کی بیعت کرنے پر راضی ہوتے یا اس کے پاس جانا چاہتے تو پہلے مکہ اور پھر عراق نہ جاتے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ امام علیہ السلام نے کئی سال پہلے، یزید کی ولیعہدی کی بیعت نہیں کی تھی اور آپ

---

[1] ۔ ابن عبد ربہ، العِقد الفرید، ج ۴، ص ۳۵۵، ۳۵۶؛ ابن قتیبہ دینوری، الامامہ و السیاسہ، ج ۲، ص ۱۲؛ ابن عساکت، تاریخ مدینہ دمشق الکبیر، ج ۱۴، ص ۲۱۴؛ ذہبی، تاریخ الاسلام، ج ۵، ص ۱۴؛ سِیَرُ اعلام النُبلاء، ج ۴، ص ۱۵۸۔

اُسے ایک فاسق اور خلافت کے لیے ناشائستہ سمجھتے تھے؛لہذا اب جب کہ معاویہ مر گیا ہے اور یزید خلافت کا دعویدار ہے، تو امامؑ ہر گز اس کی بیعت کرنے پر حاضر نہ تھے۔

۳۔ اگر امام حسینؑ نے مکہ یا مدینہ کی طرف لوٹ جانے کی پیشکش کی ہے تو وہ کوفیوں کی خیانت کی وجہ سے تھی، کیونکہ انہوں نے امامؑ کو دعوت دی تھی اور حمایت کا وعدہ کیا تھا اور اب انہوں نے آپ کے خلاف تلوار نکال لی تھی۔ امامؑ کا موقف یہ تھا کہ اگر تم اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکتے تو میرے ساتھ جنگ کرنے کے لیے کیوں کمربستہ ہو؟ مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو تا کہ میں جہاں چاہوں چلا جاؤں؛ پس یہ موقف کہاں اور یزید کی بیعت کہاں؟!

۴۔ اگرچہ یزید کے پاس جانے والی بات، امام باقرؑ سے منقول عمار دہنی کی روایت میں نقل ہوئی ہے، لیکن علم رجال کی کتب میں اس (عمار دُہنی) کے بارے میں جو کچھ ذکر ہوا ہے اس کی روشنی میں اس کی روایت کے ذریعے اس امر کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

۵۔ گویا امامؑ اور عمر بن سعد کی ملاقات کے بعد جو چیز اس بات (امامؑ کی طرف سے بیعت کی آمادگی) کے مشہور ہونے کا سبب بنی، وہ عمر سعد کا خط ہے جو اُس نے ابن زیاد کو لکھا اور اس میں خوشی کا اظہار کیا کہ صلح کے ذریعے یہ مشکل حل ہوگئی ہے اور امام حسینؑ نے اپنے موقف سے عقب نشینی کر لی ہے۔ واضح ہے کہ ابن سعد شروع ہی سے صلح کے کسی راستے کی تلاش میں تھا تا کہ اس بحران میں نہ پھنسے اور آسانی سے "رے" کی حکومت حاصل کر لے۔ یقینی طور پر امامؑ نے ایسی بات نہیں کی؛ کیونکہ جیسے پہلے گزر چکا ہے کہ کسی مقام پر بھی امامؑ نے اس بات کی طرف معمولی اشارہ بھی نہیں فرمایا؛ ممکن ہے عمر بن سعد نے اس مشکل سے نکلنے کے لیے آخری تیر چلایا ہو اور اس قسم کی بات کو پیش کر کے ابن زیاد کو قانع کرنے کی کوشش کی ہو۔ اس نے جو خط ابن زیاد کو لکھا وہ یوں تھا:

"امابعد، اللہ تعالیٰ نے فتنے کی آگ کو بجھا دیا ہے اور اختلاف کو ختم کر دیا ہے اور اس امت کے کام کی اصلاح کی ہے۔ حسین نے وعدہ کیا ہے کہ جہاں سے آئے ہیں اسی جگہ لوٹ جائیں یا ہماری مرضی کے مطابق کسی سرحد کی طرف چلے جائیں اور وہاں کے مسلمانوں کی طرح زندگی گزاریں یا امیر المؤمنین یزید

کے پاس جائیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں تا کہ وہ جو چاہے، حسین کے ساتھ سلوک کرے۔ اس میں تمہاری خوشنودی اور امت کی اصلاح ہے۔"[1]

شمر بن ذی الجوشن کا بغض

جب یہ خط ابن زیاد کے پاس پہنچا اور اس کے سامنے پڑھا گیا تو اس نے کہا: یہ اس شخص کا خط ہے جو اپنے امیر اور اپنی قوم کا خیر خواہ ہے۔ ہاں میں اس کو قبول کرتا ہوں۔ شمر اٹھا اور کہا: تم اس کی یہ بات قبول کر رہے ہو؟ حالانکہ وہ تیری سرزمین پر آیا ہوا ہے اور تیرے قریب ہے۔ اللہ کی قسم؛ اگر وہ تیری حکومت سے باہر چلا گیا اور تیرے ہاتھ پر بیعت نہ کی تو اس کی عزت بن جائے گی اور وہ قدرتمند ہو جائے گا اور تُو ضعیف وناتوان سمجھا جائے گا۔ اسے یہ رتبہ نہ دے، اس میں تیری توہین ہے۔ ضروری ہے کہ وہ اور اس کے اصحاب تیرے سامنے گردن جھکائیں، اگر تو انہیں سزا دینا چاہے تو یہ تیرا حق ہے اور اگر اسے بخش دے تو یہ تیرے مفاد میں ہے۔ اللہ کی قسم؛ میں نے سنا ہے کہ حسین اور عمر بن سعد اکھٹے بیٹھتے ہیں اور رات گئے تک ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا: تم نے بہت اچھی رائے دی ہے، میں بھی اس کے ساتھ موافق ہوں۔[2]

ابن زیاد نے عمر بن سعد کے نام ایک خط لکھا اور اس تک خط پہنچانے کی ذمہ داری شمر کو سونپی، کہ وہ ابن زیاد کی طرف اسے کہے کہ حسین اور اس کے اصحاب کو پیشکش کرے کہ اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کریں؛ اگر وہ قبول کرلیں تو انہیں میرے پاس بھیج دو، اور قبول نہ کریں تو اس کے ساتھ جنگ کرو۔ اور پھر شمر سے کہا: اگر عمر بن سعد یہ کام انجام دے تو وہ لشکر کا سردار ہے اور تم اس کے حکم کی پیروی کرنا

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۸۷۔

۲۔ طبری، سابقہ حوالہ۔ ممکن ہے، ابن زیاد کا شمر کی وجہ سے تبدیل ہونے والا نقطہ نظر، راویوں اور مؤرخین کی گھڑی ہوئی کہانی ہو تا کہ اس کے ذریعے ابن زیاد اور ابن سعد کے جرم کی سنگینی کو کم کریں اور ان کی برائیوں اور جنایات کا رخ شمر کی طرف موڑ دیں کیونکہ یہ بنی امیہ اور قریش کے طائفہ متنفذ سے باہر کسی اور قبیلہ کا فرد ہے۔

اور اگر وہ، حسین کے ساتھ جنگ کو قبول نہ کرے تو تم امیر لشکر ہو اور ان کے ساتھ جنگ کرنا اور عمر بن سعد کی گردن کاٹ کر اس کا سر میرے پاس بھیج دینا۔ عمر بن سعد کے نام ابن زیاد کا خط ان الفاظ میں تھا:

"امابعد، میں نے تجھے حسین کے پاس اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تو اس کے ساتھ جنگ کرنے سے پس و پیش کرے، وقت گزارتا رہے، اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور اس کی سلامتی اور زندگی کی آرزو کرے، یا میرے اور اس کے درمیان واسطہ بنے (یعنی واسطہ بن کر معاملہ حل کرے)۔ دیکھ، اگر حسین اور اس کے اصحاب میرے حکم کے سامنے گردن جھکالیں اور سر تسلیم خم کرلیں تو انہیں نرمی کے ساتھ میرے پاس بھیج دے؛ اور اگر دریغ کریں اور قبول نہ کریں تو ان پر حملہ کر، ان کا خون بہا اور ان کے اعضاء کو مُثلہ کر، کیونکہ وہ اسی سزا کے مستحق ہیں۔ جب حسین قتل ہو جائے تو اس کے سینے اور پشت پر گھوڑے دوڑا دے؛ کیونکہ وہ ناشکری کرنے والا، تفرقہ باز اور ظالم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ کام اس کے مرنے کے بعد اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، لیکن میں نے اپنے ساتھ عہد کیا ہے کہ اس کو قتل کرنے کے بعد ایسا ہی کروں گا۔ پس اگر تو اس حکم پر عمل کرے گا تو تیرا انعام، مطیع اور فرمانبردار لوگوں والا ہوگا؛ اور اگر یہ تجھے قبول نہیں تو ہماری نوکری اور لشکر کی سرداری سے استعفیٰ دے اور لشکر کی سپہ سالاری شمر کو سونپ دے، میں نے اس کو ضروری ہدایات دے دی ہیں؛ والسلام"[1]۔

نو محرم کے واقعات

جب شمر کو کربلا جانے کی ذمہ داری سونپی گئی تو اُس نے ابن زیاد سے خط لیا، اور عبد اللہ بن ابی محل بن حزام (حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی بیوی، حضرت عباس، جعفر اور عثمان کی والدہ ماجدہ حضرت ام البنین بنت حزام اس کی پھوپھی تھیں) کے ساتھ کھڑا ہوا۔ عبد اللہ بن ابی محل نے ابن زیاد سے کہا: اصلح اللہ الامیر؛ ہماری بہن کے بیٹے[2] حسین کے ساتھ ہیں، اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں تو ان کے لیے امان نامہ لکھ دیں۔ ابن زیاد نے خوشی کے ساتھ قبول کرلیا اور اپنے منشی کو حکم دیا کہ ان کے لیے امان نامہ لکھے۔ عبد اللہ بن

---

[1]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۱۴، ۴۱۵؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۸۸؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۹۱۔

[2]۔ ہماری بہن سے مراد ہمارے قبیلہ کی لڑکی ہے۔

ابی محل نے یہ امان نامہ اپنے غلام کزمان [1] کو دے کر کربلا بھیجا۔ کزمان نے ام البنین کے بیٹوں کو بلا کر کہا: یہ امان نامہ تمہارے ماموں نے بھیجا ہے۔ انہوں نے جواب دیا: ماموں کو ہمارا سلام دینا اور کہنا کہ ہمیں تمہارے امان نامہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی امان، سمیہ کے بیٹے کی امان سے بہتر ہے۔ [2]

۱۔ کربلا میں شمر کی آمد

شمر بن ذی الجوشن نو محرم، جمعرات کے دن، عصر کے وقت، ابن زیاد کا جدید حکم لے کر کربلا پہنچا اور عمر ابن سعد کے پاس گیا اور اسے ابن زیاد کا خط دیا۔ [3] ابن سعد نے خط پڑھ کر شمر سے کہا: وائے ہو تجھ پر، خدا تجھے آوارہ کرے، بُرا ہو یہ حکم، جو تم میرے لیے لائے ہو۔ اللہ کی قسم؛ میرا خیال ہے کہ میں نے ابن زیاد کو جو خط لکھا تھا اس کا رخ تم نے اس سے موڑا ہے، اور ہمیں جو امید تھی کہ یہ معاملہ صلح و آشتی کے ساتھ حل ہو جائے گا، تم نے ہمیں تباہی میں ڈالا ہے۔ اللہ کی قسم؛ حسین ہر گز تسلیم نہیں کرے گا؛ کیونکہ اس کے قلب میں (بیعت) قبول کرنے والی روح نہیں ہے۔

شمر نے کہا: بتا، اب تو کیا کرے گا؟ اپنے امیر کا حکم نافذ کرے گا اور اس کے دشمن کے ساتھ جنگ کرے گا یا کنارہ کشی کرے گا اور لشکر کی کمان مجھے سونپے گا؟ ابن سعد نے کہا: نہیں؛ تم اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ میں خود یہ کام سنبھالوں گا اور تُو پیدل فوج کا کمانڈر ہو گا۔ [4]

۲۔ امان نامے کا ٹھکرانا

اس کے بعد شمر، لشکرِ امام علیہ السلام کے سامنے آیا اور آواز دی: ہمارے خواہر زادے کہاں ہو؟ [5] امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے بیٹے حضرت عباس، جعفر اور عثمان علیہم السلام اس کی طرف بڑھے اور کہا: تو کس لیے آیا

---

[1] ۔ ابن اعثم اور خوارزمی نے اس کا نام عرفان لکھا ہے۔ ﴿ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۹۴؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۱، ص ۲۴۶﴾۔

[2] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۱۵؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۹۳، ۹۴۔

[3] ۔ ابن سعد، ترجمہ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۷۹۔

[4] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۱۵، ۴۱۶۔

[5] ۔ حضرت ام البنین، شمر کی بہن نہ تھیں بلکہ دونوں قبیلہ بنی کلاب سے تھے۔ اسی مناسبت سے اس کے بیٹوں کو "بہن کے بیٹے" کہا ہے۔

ہے اور کیا چاہتا ہے ؟ اس نے کہا: تم میرے بھانجے ہو، تمہارے لیے امان ہے۔ کسی ایک بھائی نے کہا: اللہ کی لعنت ہو تجھ پر اور تیری امان پر، اگر تم واقعاً ہمارے ماموں ہو تو اس بات پر کیسے تیار ہوئے کہ ہم امان میں ہوں اور فرزند رسول خداؐ کے لیے امان نہ ہو؟[1]

۳۔ جنگ کا آغاز

نو محرم کو شمر کے کربلا میں جدید حکم لانے کے بعد، عمر بن سعد، لشکرِ حسینی کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو گیا۔ سعد بن عُبیدہ کہتا ہے: میں نے عمر بن سعد کے ساتھ اپنے پاؤں ٹھنڈے کرنے کے لیے پانی میں ڈالے ہوئے تھے کہ اس کے پاس ایک شخص آیا اور آہستہ سے اس کے کان میں کہا: ابن زیاد نے جُویریہ بن بدر تمیمی کو تیرے پاس بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ اگر اب تم حسین کے ساتھ جنگ نہیں کرو گے تو تیری گردن کاٹ دے گا۔ یہ خبر سنتے ہی عمر بن سعد نے اسلحہ لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کے ہمراہ امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کے لیے آمادہ ہو گیا۔[2] وہ پکارا: **يا خيل الله اركبي و ابشري**؛ "اے لشکر خدا، سوار ہو جاؤ اور تمہیں بشارت ہو" نماز عصر کے بعد انہوں نے خیام حسینی کی طرف حرکت کی۔[3]

امام حسینؑ اپنے خیمے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ اپنی تلوار کا سہارا لیے زانو پر سر رکھا ہوا تھا۔ انہیں ایک ہلکی سی اونگھ آگئی۔ حضرت زینبؑ نے جب دشمن کی آواز سنی تو جلدی سے بھائی کے پاس آئیں اور عرض کیا: بھائی جان! کیا آپ اپنے قریب یہ شور سن رہے ہیں؟ امام حسینؑ نے سر اٹھایا اور فرمایا: ابھی میں نے نانا رسول خداؐ، بابا علیؑ، ماں زہراؑ، اور بھائی حسنؑ کو خواب میں دیکھا ہے، انہوں نے مجھے کہا: تو جلدی ہمارے پاس آنے والا ہے۔ اللہ کی قسم؛ یہ امر نزدیک ہے اور اس میں کوئی

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۶؛ اور رجوع کریں: شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۸۹؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۹۱؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۹۴؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۴۶۔

[2] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۹۳؛ بلاذری، انساب الاشرا، ج۳، ص۴۲۴؛ اسی طرح تقریباً اسی مضمون کے ساتھ: خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۴۵، ۲۴۶۔

[3] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۶؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۹۱۔

شک نہیں۔ حضرت زینب علیہا السلام نے اپنے منہ پر ماتم کیا اور گریہ کرنے لگیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: بہن صبر کرو، آرام کرو، خاموش ہو جاؤ اور فریاد نہ کرو، کہیں دشمن ہمیں طعنہ نہ دے۔[1]

۴۔ امام حسین علیہ السلام کا مہلت مانگنا

حضرت عباس علیہ السلام قریب آئے اور عرض کیا: بھائی جان! دشمن کا لشکر ہماری طرف آرہا ہے۔ امام حسین علیہ السلام اپنی جگہ سے اٹھے اور فرمایا: بھائی! میری جان تجھ پر فدا ہو، سوار ہو اور ان سے پوچھ کیا ہوا ہے اور وہ کیا چاہتے ہیں؟ حضرت عباس علیہ السلام، زُہیر بن قین اور حبیب بن مظاہر جیسے بیس سواروں کے ساتھ ابن سعد کے پاس آئے اور اسے کہا: کیا ہوا ہے؟ تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: امیر کی طرف سے حکم آیا ہے کہ تمہیں مشورہ دوں کہ تم اس کے حکم کی فرمانبرداری کرو، ورنہ ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں۔ حضرت عباس نے فرمایا: جلدی نہ کرو؛ میں اباعبد اللہ کے پاس جا کر تمہارا پیغام دیتا ہوں۔ وہ رک گئے۔ حضرت عباس علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام کے پاس آئے اور ماجرا بیان کیا۔ اس وقفے میں حضرت عباس علیہ السلام کے ساتھی، لشکر کوفہ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور ان کے ساتھ گفتگو کرنے لگے۔ حبیب بن مُظاہر نے زُہیر بن قین سے کہا: اگر تم اس قوم کے ساتھ بات کرنا چاہتے ہو تو بات کرو؛ اور اگر کہتے ہو تو میں ان سے بات کروں۔ زہیر نے کہا: تم آغاز کرو کیونکہ یہ تمہارا مشورہ ہے۔ حبیب بن مظاہر نے ابن سعد کے لشکر کی طرف رخ کر کے فرمایا: اللہ کی قسم؛ کل روزِ قیامت اللہ کے نزدیک بدترین لوگ وہ ہوں گے جنہوں نے فرزند پیغمبر، اس کے خاندان اور اس سرزمین کے پاکیزہ لوگوں کو قتل کیا، جو سحر خیز اور ہمیشہ ذکر الٰہی کرنے والے ہیں۔ عَزرہ بن قیس نے جواب دیا: تو اپنی ہی تعریف کر تا رہتا ہے۔ زُہیر نے کہا: البتہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پاکیزہ بنایا ہے اور اس کی ہدایت کی ہے۔ اے عزرہ! میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈر اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جا، جو پاکیزہ لوگوں کو قتل کرنے لیے، گمراہوں کی مدد کرتے ہیں۔ عزرہ نے کہا: اے زُہیر! تم تو اس خاندانکے شیعہ ہی نہیں تھے، تم تو عثمانیتھے؟!۔ زُہیر نے کہا: کیا میری اس ہمراہی سے یہ

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۶؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۹۷؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۴۹۔

نہیں سمجھ سکتے کہ میں اس خاندان کے شیعوں میں سے ہوں؟! البتہ، اللہ کی قسم؛ میں نے ہر گز آپ کو خط نہیں لکھا اور کسی کو آپ کے پاس نہیں بھیجا اور نہ ہی میں نے آپ کے ساتھ نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ راستے میں میری ان سے ملاقات ہوئی اور ان کو دیکھتے ہی مجھے پیغمبرﷺ اور ان کی مقام و منزلت کی یاد آئی۔ جب مجھے پتہ چلا کہ آپؑ، تم جیسے دشمنوں کی طرف جارہے ہیں تو میں نے ارادہ کیا کہ میں ان کی مدد کروں، ان کے لشکر میں شامل ہو جاؤں اور اپنی جان ان پر فدا کر دوں تاکہ تم نے خدا اور اس کے رسول کا جو حق ضائع کیا ہے، اس کی حفاظت کروں۔

حضرت عباسؑ، امام حسینؑ کے قریب آئے اور اس لشکر کا پیغام امامؑ کی خدمت میں پہنچایا۔ امام حسینؑ جب حقیقت سے آگاہ ہوئے تو فرمایا: ان کے پاس جاؤ، اور اگر ہو سکے تو کل تک ان سے مہلت مانگو اور ان کو ہم سے دور ہٹاؤ تاکہ میں آج کی رات اپنے پروردگار کی نماز ادا کروں، دعا مانگوں اور مغفرت طلب کروں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں کس قدر نماز، تلاوت قرآن، دعا اور استغفار کی کثرت کو پسند کرتا ہوں۔

حضرت عباسؑ، لشکر کوفہ کی طرف پلٹے اور یوں کہا: ابو عبد اللہؑ چاہتے ہیں کہ تم آج کی رات واپس چلے جاؤ، تاکہ آپؑ اس مسئلے کے بارے میں غور و فکر کریں؛ کیونکہ اس بارے میں ہم نے آپس میں کوئی گفتگو نہیں کی۔ جب صبح ہو گی تو ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے؛ (اس وقت) ہم تمہاری خواہش قبول کریں گے یا انکار کریں گے۔ عمر بن سعد نے شمر سے کہا: تیری کیا رائے ہے؟ شمر نے کہا: تو کمانڈر ہے اور تجھے اختیار ہے۔ ابن سعد نے کہا: کاش میں نہ ہوتا۔ پھر اپنے لشکر کی طرف رخ کر کے کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟ عمرو بن حجاج زُبیدی نے کہا: سبحان اللہ، اللہ کی قسم، حتی اگر وہ تُرک اور دیلمی ہوتے اور یہ درخواست کرتے تو بہتر تھا کہ تم اس کو قبول کرو (چہ جائیکہ خاندان پیغمبر اکرمﷺ)۔ قیس بن

اشعث نے کہا: ان کی درخواست قبول کرلو، مجھے اپنی جان کی قسم، وہ کل صبح تیرے ساتھ جنگ کریں گے۔ ابن سعد نے کہا: اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں انہیں آج رات کی مہلت نہ دیتا۔[1]

شب عاشورا کے واقعات

ا۔ اصحاب کے ساتھ امام علیہ السلام کی گفتگو

امام سجاد علیہ السلام سے منقول ہے کہ عمر بن سعد کا ایک قاصد ہمارے پاس آیا اور کہا: ہم کل تک تمہیں مہلت دیتے ہیں؛ اگر تم نے سر تسلیم خم کرلیا تو تمہیں ابن زیاد کے پاس لے جائیں گے، ورنہ تمہیں معاف نہیں کریں گے۔ ابن سعد جب واپس چلا گیا تو میرے بابا نے اپنے اصحاب کو جمع کیا، یہ عصر کا وقت تھا۔ میں اگرچہ بیمار تھا، لیکن یہ دیکھنے کے لیے نزدیک گیا کہ بابا ان کو کیا جواب دیتے ہیں۔ بابا نے ان کی طرف رخ کرکے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوں اور خوشی اور مصیبت کی حالت میں اس کا شکر گزار ہوں۔ اے اللہ! میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں اس پر کہ تونے ہمیں نبوت کے ذریعے عزت بخشی ہے اور ہمیں قرآن کی تعلیم دی ہے، ہمیں دین سے آشنا کیا ہے اور ہمیں گوش شنوا، چشم بینا اور روشن دل عطا کیا ہے اور ہمیں مشرکین میں سے قرار نہیں دیا۔ امابعد؛ میں اپنے اصحاب سے زیادہ کسی کو باوفا اور مہربان نہیں جانتا۔ اور میں نے اپنے خاندان سے زیادہ نیک اور مہربان خاندان نہیں دیکھا؛ خدا، میری وجہ سے تجھے جزائے خیر دے۔ جان لو! میں جانتا ہوں کہ کل ان دشمنوں کے ساتھ ہمارا کیا انجام ہوگا۔ اب میں تم سب کو جانے کی اجازت دیتا ہوں؛ آپ سب آزاد ہیں، جاسکتے ہیں، اب تمہاری گردنوں میں میری بیعت نہیں ہے۔[2] ہر طرف رات چھائی ہوئی ہے (رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاؤ) اور جس میں قدرت ہے وہ میرے

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۶؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۹۱ تا ۳۹۳؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۹۷، ۹۸؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۵۰، ۲۵۱۔

[2] ۔ امام سجاد علیہ السلام سے جو خطبہ نقل ہوا ہے وہ یہاں تک ہے۔ اس کے بعد، دوسری روایات سے نقل ہوا ہے۔

اہل بیت سے کسی بھی مرد کا ہاتھ پکڑے اور اس تاریکی میں چلا جائے (اور جہاں چاہے، جائے)۔ یہ لوگ مجھے چاہتے ہیں، اگر مجھے پالیں تو کسی اور کے ساتھ ان کا کوئی کام نہیں ہے۔[1]

امام علیہ السلام کے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور حضرت عبد اللہ بن جعفر کے بیٹوں نے کہا: ہم کیونکر ایسا کام کریں کہ آپ کے بعد زندہ رہیں؟ اللہ تعالیٰ کبھی ایسا دن نہ لائے۔

سب سے پہلے حضرت عباس علیہ السلام نے یہ بات کہی اور پھر دوسروں نے بھی آپ کی پیروی میں اسی جیسے الفاظ کے ساتھ وفا کا اظہار کیا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

"اے فرزندان عقیل، تمہارے لیے مُسلم کی شہادت کافی ہے؛ میں تمہیں جانے کی اجازت دیتا ہوں، تم چلے جاؤ"۔ انہوں نے کہا: "لوگ کیا کہیں گے؟ وہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے سردار اور بہترین چچازاد کو تنہا چھوڑ دیا ہے اور اس کی نصرت کرتے ہوئے ایک تیر بھی نہیں پھینکا، ایک نیزہ اور ایک تلوار بھی نہیں ماری اور ہمیں نہیں معلوم انہوں نے کیا کیا۔ نہیں؛ اللہ کی قسم، ہم ایسا نہیں کریں گے۔ ہم اپنی جان، مال اور اولاد آپ پر فدا کریں گے۔ آپ کی رکاب میں جنگ لڑیں گے، جو مصیبت آپ پر آئے ہم پر بھی آنی چاہیے، کیونکہ آپ کے بعد زندگی فضول ہے"۔

پھر جناب مُسلم بن عوسجہ اسدی اٹھے اور کہا: "ہم آپ کو چھوڑ کر اللہ کی بارگاہ میں کیا عذر پیش کریں گے؟ اللہ کی قسم؛ ان کے ساتھ ایسے جنگ کروں گا کہ میرا نیزہ ان کے سینوں میں ٹوٹے اور جب تک قبضہ تلوار میں میرا ہاتھ ہے میں ان کو ماروں گا اور اگر لڑنے کے لیے اسلحہ میرے پاس نہ ہو تو آپ کا دفاع کرنے لیے ان کو پتھر ماروں گا؛ لیکن میں آپ کو ہرگز چھوڑ کر نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ مجھے آپ کے قدموں میں موت نصیب ہو"۔

اس کے بعد جناب سعید بن عبد اللہ حنفی اٹھے اور عرض کی: "نہیں؛ اللہ کی قسم، اے فرزند پیغمبر! ہم آپ کو چھوڑ کر ہرگز نہیں جائیں گے، تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ ہم نے اس کے پیغمبر کی عدم موجودگی میں

۱۔ امام علیہ السلام کا ہدف یہ تھا کہ جو شخص بھی میدان میں قدم رکھے وہ مکمل طور سے آزاد اور ثابت قدم ہو؛ اسی وجہ سے مختلف مقامات پر اور مختلف انداز سے امام علیہ السلام نے اصحاب کو رخصت دی ہے، جس کی طرف بعد میں ہم اشارہ کریں گے۔

آپ کی حفاظت کی ہے۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ آپ کی راہ میں قتل ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مجھے جلا دیا جائے، پھر میرے بدن کے ذرات کو ہوا میں اڑا دیا اور ستر بار ایسا کیا جائے، پھر بھی آپ سے جدا نہیں ہوں گا، یہاں تک کہ آپ کی رکاب میں قتل ہو جاؤں۔ ایسا کیوں نہ کروں؟! حالانکہ میں ایک دفعہ سے زیادہ قتل نہیں ہوں گا، جبکہ ہمیشہ کے لیے صاحب عزت بن جاؤں گا۔"

حضرت زُہیر بن قین اٹھے اور کہا: "اللہ کی قسم؛ مجھے پسند ہے کہ ہزار بار قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ آپ سے اور آپ کے اہل بیت سے قتل کو ٹال دے۔"

تمام اصحاب نے اسی طرح کی گفتگو کی کہ اللہ کی قسم؛ آپ کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے، بلکہ اپنی جانیں آپ پر فدا کریں گے اور دست و صورت اور اپنی گردنوں کو آپ کی مصیبت کے سامنے ڈھال بنائیں گے، اگر آپ کی رکاب میں قتل ہو گئے تو خدا کے ساتھ اپنے کیے ہوئے وعدے کی وفا کر دی اور اپنی ذمہ داری انجام دے دی۔[1]

بعض کتبِ مناقب میں امام سجاد علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ جب اصحاب نے وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے، جانے سے انکار کیا تو بابا نے فرمایا: کل تم سب شہید ہو جاؤ گے اور تم میں سے ایک شخص بھی زندہ نہیں رہے گا۔ انہوں نے کہا: اللہ کی حمد ہے کہ اس نے ہمیں آپ ساتھ شہادت عطا کی۔ امام علیہ السلام نے ان کے لیے دعائے خیر کی اور فرمایا: اوپر نگاہ کرو، انہوں نے بہشت میں اپنا مقام دیکھا اور امام علیہ السلام نے سب کو اپنا مقام دیکھایا...۔[2]

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۸؛ رجوع کریں: ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۹۵۔

۲۔ قطب الدین راوندی، **الخرائج والجرائح**، ج۲، ص۸۴۷، ۸۴۸۔ اسی طرح کہا گیا ہے کہ اس رات حضرت قاسم بن امام حسن مجتبی علیہ السلام نے سوال کیا: چچا جان کیا میں بھی قتل ہو جاؤں گا؟ امام حسین علیہ السلام نے ان سے پوچھا: تیرے نزدیک موت کیسی ہے؟ قاسم نے جواب دیا: شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، تیرا چچا تجھ پر فدا ہو، تو بھی ان لوگوں میں شامل ہے جو مصیبت اور عظیم امتحان کے بعد شہید ہو جائیں گے (حسین بن حمدان الخصیبی، الہدایۃ الکبری، ص۲۰۴)۔

۲۔ کیا امام حسین علیہ السلام کا کوئی ساتھی چھوڑ کر چلا گیا؟

بعض متاخر کتب میں حضرت سکینہ بنت امام حسین علیہ السلام سے یوں نقل ہوا ہے کہ امام علیہ السلام کی اس گفتگو کے بعد، امام علیہ السلام کے کچھ ساتھی میدان کربلا کو چھوڑ کر چلے گئے۔[1] لیکن یہ بات تاریخ کی معتبر کتب میں نہیں ملتی اور کوئی روایت اس کی تائید نہیں کرتی۔ سابقہ بیان کیے گئے مطالب کی بنا پر، شب عاشورا امام علیہ السلام کے تمام اصحاب نے وفاداری کا اعلان کیا اور کہا کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جنہوں نے یہ کہا ہے ان کو منزل زُبالہ والے واقعہ سے اشتباہ ہوا ہے کہ وہاں امام علیہ السلام کے ساتھ مختلف اغراض و مقاصد کے تحت آنے والے کچھ لوگ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔[2] اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ کربلا میں داخل ہوتے وقت پانچ سو سوار اور ایک سو پیادہ[3] افراد کے امام علیہ السلام کے ساتھ ہونے پر مشتمل مسعودی کی روایت صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ یہ تعداد دوسرے مؤرخین نے نہیں لکھی بلکہ بعض نے تو کہا ہے صرف پچاس افراد امام علیہ السلام کے ساتھ کربلا آئے تھے۔[4] شواہد اور قرائن بھی مسعودی کی روایت کی تائید نہیں کرتے۔ اس بنا پر بعض محققین کا یہ کہنا کہ شب عاشورا امام علیہ السلام کے لشکر سے ایک گروہ چلا گیا تھا،[5] اور اس بات کو مسعودی سے منسوب کرنا، کوئی یقینی بات نہیں ہے۔

البتہ بلاذری نے امام علیہ السلام کے ایک ساتھی کے واپس چلے جانے کی روایت نقل کی ہے چنانچہ اُس نے لکھا ہے: فِراس بن جعدہ بن ہُبیرہ مخزومی، امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھا اور اس کا خیال تھا کہ امام علیہ السلام کی مخالفت نہیں ہو گی۔ لیکن جب اس نے سخت حالات کا مشاہدہ کیا تو ڈر گیا؛ امام علیہ السلام سے اجازت مانگی اور

---

[1]۔ فاضل دربندی، **اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات**، ج ۲، ص ۲۲۲؛ محمد باقر بہبہانی، الدمعۃ الساکبۃ، ج ۴، ص ۲۷۱، ۲۷۲۔

[2]۔ رجوع کریں: طبری، **تاریخ الامم والملوک**، ج ۵، ص ۳۹۹۔

[3]۔ مسعودی، **مروج الذہب**، ج ۳، ص ۷۰۔

[4]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۷۸۔

[5]۔ رسول جعفریان، حیات فکری و سیاسی امامان شیعہ، ص ۲۱۲۔

راتوں رات چلا گیا۔[1] ظاہری طور پر یہ واقعہ اگر صحیح بھی ہو تب بھی اس کا تعلق شب عاشورا کے ساتھ نہیں ہے۔

۳۔ کیا کچھ لوگ کاروان حسینی میں شامل بھی ہوئے؟

بعض کتب (مثلاً العِقد الفرید، الامامہ والسیاسہ اور تاریخ مدینہ دمشق) میں ذکر ہوا ہے کہ جب عمر بن سعد نے امام حسین علیہ السلام کی بات نہیں مانی تو اس کے لشکر سے ۱۳۰ افراد جدا ہو کر لشکرِ حسینی میں شامل ہو گئے اور انہوں کہا: فرزند پیغمبر تجھے پیشکش کرتا ہے اور تم ایک بات بھی قبول کرنے کو تیار نہیں؟! وہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ رہے اور جنگ کی۔ سید بن طاؤوس بھی کہتے ہیں: شب عاشورا بتیس افراد، ابن سعد کے لشکر سے جدا ہو کر امام علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہوئے۔[2] سید بن طاؤوس کے ہم عصر "ابن نما" نے بھی تعداد ذکر کیے بغیر اشارہ کیا ہے کہ ابن سعد کے لشکر سے ایک گروہ امام علیہ السلام کے پاس آیا۔[3] معلوم ہوتا ہے کہ سید بن طاؤوس اور ابن نما کی روایت، العِقد الفرید اور الامامہ والسیاسہ سے لی گئی ہے، جسے ہم نے پہلے نقل کیا ہے۔ لیکن کچھ شواہد کی بنا پر جو کہ ہم نے وہاں ذکر کیے ہیں، امام علیہ السلام کی اس پیشکش کی نفی ہوتی ہے۔ اس بنا پر امام حسین علیہ السلام کی پیشکش کے ذیل میں تیس لوگوں کے کاروان حسینی میں شامل ہونے کی روایت قابل اعتماد نہیں۔ ایک ہم عصر محقق نے کہا ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے متعدد روایات میں ذکر کیا جاتا اور بہت ساری کتب میں نقل کیا جاتا اور یہ بات دو تین کتابوں میں محدود نہ رہتی۔ ثانیاً امام علیہ السلام کے اس قلیل سے گروہ کے ساتھ تیس افراد کے شامل ہونے کی بہت بڑی تاثیر ہوتی اور روز عاشورا کی جنگ میں اس کے اثرات ظاہر ہوتے، حالانکہ کتب مقتل میں ان کے آثار نہیں ملتے۔[4]

---

[1] ۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۸۸۔

[2] ۔ سید بن طاؤوس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۵۴۔

[3] ۔ ابن نما، مُثیر الاحزان، ص ۵۲۔

[4] ۔ شیخ محمد مہدی شمس الدین، انصار الحسین، ص ۵۹، ۶۰۔

اسی طرح کربلا کے کسی شہید کے بارے میں نہیں ملتا کہ وہ اُن بتیس افراد میں سے ہو (جس طرح حضرت حُر ہیں)، لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ بتیس افراد کا یہ گروہ ۷۲ افراد میں شامل تھا۔ اسی طرح یہ احتمال بھی غلط ہے کہ تاریخ دانوں نے ایسے کسی گروہ کو امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہونے کو چھپایا ہے کیونکہ یہ امام علیہ السلام کی مظلومیت و حقانیت اور دشمن کی سنگدلی و ظلم کی نشانی ہے؛ کیونکہ حقائق کو چھپانے اور ان کی تحریف میں شہرت رکھنے والے ابن سعد اور اس جیسے دوسرے مؤرخین نے اس طرح کے واقعات کو ذکر کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ دقیق تاریخی اعتبار سے ان واقعات کو قبول نہیں جاسکتا اور قرائن و شواہد ان کی تائید نہیں کرتے۔

امام حسین علیہ السلام کے کربلا پہنچنے کے بعد، آپ علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہونے والوں میں سے ایک "عبد اللہ بن عُمیر کلبی" ہے جو شہدائے کربلا میں شامل ہے۔ طبری نے ابو مخنف سے نقل کیا ہے کہ وہ قبیلہ بنی عُلیم [1] سے تھا اور کوفہ میں رہتا تھا۔ جب لوگ کربلا جانے کے لیے نُخیلہ کے مقام پر تیار کھڑے تھے تو اس نے پوچھا: کیا مسئلہ ہے؟ کہا گیا: حسین بن فاطمہ علیہ السلام کے ساتھ جنگ کے لیے جارہے ہیں۔ اس نے کہا: "میں مشرکین کے ساتھ جنگ کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے امید ہے کہ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنا، مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے سے کم نہیں"۔ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ مشورہ کیا، اُس نے بھی عبد اللہ کو ترغیب دلائی اور کہا: "مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ"۔ وہ (دونوں) رات کے وقت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جاملے۔ [2]

پہلے (یعنی کوفیوں کو جنگ کے لیے آمادہ کرنے کے باب میں) بلاذری سے نقل ہوچکا ہے کہ عمار بن ابی سلامہ نامی ایک شخص نے ابن زیاد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکا اور امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جاملا۔ [3]

---

[1]۔ بنی عُلیم، مشہور قبیلہ "کلب" سے ہے (ابو عبید قاسم بن سلام، کتاب النسب، ص ۳۶۲، ۳۶۳)۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۲۹۔

[3]۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۳۸۸۔

اس کے علاوہ (جیسا کہ روز عاشورا کے واقعات میں آئے گا) یزید بن زیاد بن مہاصر (ابو الشعثاء کندی) بھی شروع میں عمر بن سعد کے لشکر میں تھا، لیکن بعد میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مل گیا اور روز عاشورا سب سے پہلے اس نے جنگ کی اور درجہ شہادت پر فائز ہوا۔

۴۔ جنگ سے رُخصت طلبی

ابی جحاف نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے: ایک انصاری شخص، امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کی: میں مقروض ہوں۔ انہوں نے فرمایا: جس کی گردن پر قرض ہے وہ ہمارے ساتھ مل کر جنگ نہ کرے۔[1]
اسی طرح کہتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے حکم دیا کہ ندا دی جائے: جو بھی مقروض ہے ہمارے ساتھ مل کر جنگ نہ کرے۔ ایک شخص اٹھا اور عرض کی: میری بیوی نے میرے قرض کی ضمانت اٹھائی ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: عورت کی ضمانت کیا ہے؟![2] معلوم ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام نے عورت کی ضمانت کو کافی نہیں سمجھا۔

گویا اسی رات، محمد بن بشیر حضرمی کو خبر ملی کہ اس کا بیٹا "رے" میں اسیر ہو گیا ہے۔ اس نے کہا میں یہ گرفتاری خدا کے سپرد کرتا ہوں؛ مجھے پسند نہیں کہ وہ اسیر ہو اور میں زندہ رہوں۔ امام حسین علیہ السلام نے اس کی بات سنی تو فرمایا: تجھ پر اللہ کی رحمت ہو؛ میں نے تجھ سے اپنی بیعت اٹھالی ہے، تو جا اور اپنے بیٹے کی آزادی کا بندوبست کر۔ وہ کہنے لگا: اگر میں آپ سے جدا ہو جاؤں تو درندے مجھے زندہ زندہ کھا جائیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ بُرد یمانی کا لباس ہے، اپنے بیٹے کو دے تاکہ وہ اپنے بھائی کی آزادی کے لیے استعمال کرے (یعنی فدیہ دے کر اسے آزاد کرائے)۔ چنانچہ آپ نے پانچ عدد لباس جن کی قیمت ہزار دینار تھی، محمد بن بشیر کو عطا فرمائے۔[3]

---

[1]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین و مقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۸۰۔
[2]۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ج ۳، ص ۱۲۳۔
[3]۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین و مقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۸۰؛ ابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق الکبیر، ج ۱۴، ص ۱۸۳؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۵۴۔ ملہوف کی روایت سب سے زیادہ کامل تر ہے اسی ہم نے اسی سے نقل کی ہے۔

۵۔ حضرت زینبؑ کی بے تابی

امام سجادؑ فرماتے ہیں: میرے بابا کے شہید ہونے سے ایک رات قبل (شب عاشورہ) مَیں بیٹھا تھا اور پھوپھی زینبؑ میری تیمار داری میں مصروف تھیں۔ میرے بابا یہ اشعار پڑھتے ہوئے ہمارے خیمہ میں داخل ہوئے:

يَا دَهْرُ أُفٍّ لَكَ مِنْ خَلِيلِ ... كَمْ لَكَ فِي الْإِشْرَاقِ وَالْأَصِيلِ

مِنْ طَالِبٍ وَصَاحِبٍ قَتِيلِ ... وَالدَّهْرُ لَا يَقْنَعُ بِالْبَدِيلِ

وَإِنَّمَا الْأَمْرُ إِلَى الْجَلِيلِ ... وَكُلُّ حَيٍّ سَالِكُ السَّبِيلِ

"اے زمانہ! افسوس ہے تجھ پر، تو کتنا برا ساتھی ہے، ہر صبح و شام تیرے کتنے ساتھی اور چاہنے والے قتل ہوتے ہیں؛ مگر زمانہ اس پر قانع نہیں ہوتا، کہ کسی کو دوسرے کی جگہ پر لائے۔ معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے اور ہر زندہ شخص نے اس راہ پر گامزن ہونا ہے"[1]

میں، آپؑ کا مقصد سمجھ گیا۔ میرے آنسو بھر آئے لیکن میں نہ رویا اور سمجھ گیا کہ مصیبت آن پڑی ہے؛ مگر میری پھوپھی نے جب یہ سنا تو ان سے نہ رہا گیا۔ کیونکہ عورتوں کے دل نازک اور بے تاب ہوتے ہیں۔ اپنی جگہ سے بلند ہوئیں، ان کا لباس کھچا چلا جا رہا تھا اور سر و صورت کھلا ہوا تھا، [امامؑ کے پاس آئیں] فریاد کی: وَاثَكْلَاهُ (ہائے مصیبت)، اے کاش میں زندہ نہ ہوتی۔ گویا آج میری ماں فاطمہ، بابا علی اور بھائی حسنؑ دنیا سے جا رہے ہیں۔[2]

میرے بابا نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: بہن جان، کہیں آپ کے صبر کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے۔ حضرت زینبؑ نے عرض کیا: اے ابا عبد اللہ! میرے ماں، باپ اور میری جان آپ پر فدا ہو، کیا تو موت کے لیے تیار بیٹھا ہے؟ امام حسینؑ نے اپنے غم کا اظہار کیا اور آپؑ کی آنکھیں آنسوؤں سے

---

[1]۔ ان اشعار کے بیان ہونے کا فلسفہ پہلے حصے کی چھٹی فصل میں حاشیے میں بیان ہو چکا ہے۔

[2]۔ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج ۲، ص ۲۴۳، ۲۴۴؛ تھوڑے سے تفاوت کے ساتھ: طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۲۰۔

بھر گئیں پھر فرمایا: لوترك القطا ليلاً لنام اگر قطا[1] پرندے کو رات کے وقت گھونسلے میں اپنے حال پر چھوڑ دیتے تو وہ سو جاتا۔ حضرت زینب علیہا السلام نے عرض کیا: افسوس ہے مجھ پر، کیا یہ لوگ ظلم کے ساتھ تجھے قتل کر دیں گے ؟ اس سے میرا دل بہت زیادہ چھلنی ہو گا اور یہ مجھ پر بہت سخت گزرے گا۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

بہن! تقویٰ اختیار کرو اور اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرو اور جان لو کہ اہل زمین مر جائیں گے اور اہل آسمان باقی نہیں رہیں گے؛ اس اللہ کے علاوہ جس نے اپنی قدرت سے زمین بنائی ہے اور لوگوں کو اٹھائے گا اور ان کی بازگشت اسی کی طرف ہو گی، ہر چیز ختم ہو جائے گی۔ وہ واحد و یکتا ہے۔ میرے ماں، باپ اور بھائی مجھ سے بہتر تھے (کہ سب کے سب دنیا سے چلے گئے)؛ مجھ کو اور ہر مسلمان کو چاہیے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی پیروی کریں۔ پھر فرمایا: بہن جان، تجھے قسم دیتا ہوں، تو اس قسم کے ساتھ وفاداری کرنا کہ جب میں شہید جاؤں تو میرے غم میں گریبان چاک نہ کرنا، اپنے چہرے کو نہ نوچنا اور آہ و بکا نہ کرنا۔[2]

سید بن طاؤوس نے اس روایت کے علاوہ ایک اور روایت بھی نقل کی ہے کہ یہ بے تابی اور امام علیہ السلام کا خطاب، اہل بیت کی تمام خواتین کے ساتھ مربوط ہے اور امام علیہ السلام نے حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت رقیہ، حضرت فاطمہ کبریٰ اور حضرت رباب علیہن السلام کو وصیت کی کہ میرے بعد گریبان چاک نہ کرنا، منہ پر نہ پیٹنا اور ایسی بات نہ کرنا جس میں اللہ تعالیٰ رضا نہ ہو۔[3]

٦۔ خیمہ گاہ کے حفاظتی انتظامات

امام سجاد علیہ السلام کی روایت میں ہم مزید پڑھتے ہیں: اس کے بعد میرے بابا، پھوپھی (حضرت زینب علیہا السلام) کو میرے پاس لائے اور ان کو میرے ساتھ بٹھایا۔ پھر اصحاب کے پاس گئے اور ان کو حکم دیا کہ خیموں کو ایک دوسرے کے قریب کریں، رسیوں کو ایک دوسرے میں ڈال دیں اور اپنے آپ کو اس طرح قرار

---

[1]۔ امیل بدیع یعقوب، موسوعہ امثال العرب، ج۵، ص۲۰٦؛ ابن منظور، لسان العرب، ج۱۱، ص۲۳۳۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۲۰؛ مفید، الارشاد، ج۲، ص۹۳، ۹۴؛ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص۲۴۴۔

[3]۔ سید بن طاؤوس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۴۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ۱، ص۲۳۷، ۲۳۸؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۸۴۔

دیں کہ دشمن کے ساتھ مقابلے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ ہو۔[۱] اسی طرح امام علیہ السلام نے اصحاب کو حکم دیا کہ رات کے وقت خیام کے ارد گرد خندق کی مانند ایک گڑھا کھودیں اور اس میں لکڑیاں ڈال دیں تا کہ جنگ کے وقت دشمن کو روکنے کے لیے انہیں جلایا جائے۔[۲] اس روایت سے پتہ چلتاہے کہ امام حسین علیہ السلام نے یہ حفاظتی انتظامات کربلا میں داخل ہوتے وقت انجام دیے۔ اُس وقت جھاڑیوں کو اپنے پیچھے قرار دیا تھا اور پھر شب عاشورا ان انتظامات کی تکمیل کی۔

۷۔ عبادت اور ملاقاتیں

ضحّاک بن عبد اللہ مشرقی[۳] کہتا ہے: امام علیہ السلام اور آپ کے اصحاب پوری رات جاگتے رہے اور دعا، استغفار اور اللہ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول رہے۔[۴] اور دوسری طرف عمر بن سعد نے عزرہ بن قیس اَحمسی کی کمان میں کچھ سواروں کو ہماری نگرانی کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔ جب امام حسین علیہ السلام اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے:

وَ لایَحْسَبَنَّ الَّذینَ کَفَرُوا أَنَّما نُمْلی لَهُمْ خَیْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ إِنَّما نُمْلی لَهُمْ لِیَزْدادُوا إِثْماً وَ لَهُمْ عَذابٌ مُهینٌ ما کانَ اللهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنینَ عَلی ما أَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّی یَمیزَ الْخَبیثَ مِنَ الطَّیِّبِ۔[۵]

اور کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہم انہیں جو ڈھیل دے رہے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے، ہم تو انہیں صرف اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں تا کہ یہ لوگ اپنے گناہوں میں اور اضافہ کر لیں اور آخر کار ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔ اللہ مومنوں کو اس حال میں رہنے نہیں دے گا جس حالت میں اب تم لوگ ہو اور یہاں تک کہ پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے الگ کر دے۔

---

[۱]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۲۱؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۹۳۔

[۲]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۳۲۲۔

[۳]۔ آگے آجائے گا کہ ضحاک واقعہ کربلا کا عینی شاہد تھا۔ وہ روز عاشورا آخری لحات تک امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ پھر اس نے امام علیہ السلام کی اجازت سے میدان چھوڑ کر نجات پالی۔ اس نے واقعات کربلا کی کچھ گزارش پیش کی ہے جو بہت قیمتی ہے۔ اور اپنے مقام پر آجائے گی۔

[۴]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۲۱۔

[۵]۔ آل عمران، ۱۷۸، ۱۷۹۔

خیام کے قریب سے ان سواروں کا گزر ہوا۔ کسی سوار نے کہا: رب کعبہ کی قسم؛ ہم پاک ہیں جو کہ تم سے جدا ہوئے ہیں۔ ضحاک کہتا ہے میں نے اس شخص کو پہچان لیا اور بُریر سے کہا: تو جانتا ہے یہ کون ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ میں نے کہا: یہ ابو حَرب عبد اللہ بن شہر سُبَیعی ہے؛ بیہودہ گفتگو اور قتل و غارت کرنے والا شخص ہے، لیکن وہ مشہور اور بہادت بھی ہے۔ ایک زمانے میں سعید بن قیس نے اس کو کسی جنایت کی وجہ سے قید کر لیا تھا۔ جناب بُریر نے اسے کہا: اے فاسق! کیا اللہ تعالیٰ تجھے بھی نیک لوگوں میں قرار دے گا؟! اس نے کہا: تو کون ہے؟ کہا: میں بُریر بن خُضیر ہوں۔ اس نے کہا: انّا اللہ، مجھے افسوس ہے کہ تجھے بد بختی میں دیکھ رہا ہوں۔ حضرت بُریر نے کہا: اے ابو حَرب! ہم نیک لوگوں میں سے ہیں اور تو بد کار؛ کیا تم اپنے گناہان کبیرہ سے توبہ کر کے اللہ تعالی کی بارگاہ میں پلٹنے پر آمادہ ہو؟ اس نے کہا: میں بھی اسی بات کی گواہی دیتا ہوں (ابو حَرب شاید اپنی بات سے پھر گیا یا مذاق اڑایا)۔ میں نے کہا: افسوس ہے تجھ پر، یہ معرفت تجھے فائدہ کیوں نہیں دیتی؟ (اس نے طعنہ دیتے ہوئے کہا): میں تجھ پر قربان ہو جاؤں، یزید بن عُذرہ عنزی جو کہ اب میرے ساتھ ہے، کون اس کے ساتھ ہو گا؟ بُریر نے کہا: تم نادان اور بے وقوف ہو، تیری سوچ غلط ہے۔[1]

ابن اعثم نے یہ روایت دوسری طرح نقل کی ہے۔ اس کی روایت کے مطابق ضحاک کہتا ہے: شب عاشورا آدھی رات کے وقت شمر بن ذی الجوشن اپنے کچھ سپاہیوں کے ساتھ خیام حسینی کے قریب گشت کر رہا تھا، امام علیہ السلام کے خیمہ کے نزدیک آیا اور اس نے یہ آیت سنی "﴿ وَ لا يَحْسَبَنَّ الَّذينَ كَفَرُوا ﴾"۔ شمر کے ایک ساتھی نے بلند آواز سے کہا: ہم پاکیزہ لوگ ہیں اور تم ناپاک۔ بُریر نے نماز چھوڑ دی اور اسے جواب دیا: اے فاسق و فاجر! اے دشمن خدا! اے خبیث نسل! کیا تو پاکبازوں میں سے ہے اور فرزند رسول حسین علیہ السلام ناپاک لوگوں میں سے ہیں؟! اللہ کی قسم؛ تم تو بس ایک حیوان ہو، تجھے اچھے بُرے کی کیا تمییز؟ روز قیامت کی رسوائی اور دردناک عذاب تیرا مقدر ہے۔ شمر نے کہا: اللہ تجھے اور تیرے امام کو ابھی قتل کرے گا۔ حضرت بُریر نے کہا: کیا تو مجھے موت سے ڈراتا ہے؟! اللہ کی قسم؛ مجھے فرزندِ پیغمبر کی صحبت

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۲۱۔

میں موت، تمہارے ساتھ زندہ رہنے سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم؛ ایسے لوگوں کو حضرت محمدﷺ کی شفاعت نصیب نہیں ہو گی، جو ان کی اولاد اور اہل بیت کا خون بہائیں ۔ بُریر کا ایک دوست اس کے قریب آیا اور کہا: حضرت اباعبد اللہ علیہ السلام (امام حسین علیہ السلام) فرمارہے ہیں: واپس آجاؤ اور ان کے ساتھ کلام نہ کرو۔ مجھے اپنی جان کی قسم؛ جس طرح مومن آل فرعون نے اپنی قوم کو نصیحت کی اور ان کو دعوت دینے کے لیے اپنی پوری کوشش کی، اسی طرح تم نے بھی نصیحت کی ہے اور ان کو دعوتِ حق دینے کے لیے پوری پوری کوشش کی ہے۔[1]

۸۔ حضرت بُریر کی ابن سعد کے ساتھ گفتگو

جناب بُریر بن خُضیر ہمدانی ایک زاہد، تہجد گزار اور روزہ دار شخص تھے۔ انہوں نے امام علیہ السلام سے عرض کی: اے فرزند رسول خدا ﷺ! اجازت دیں، میں ابن سعد فاسق کے پاس جاکر اسے نصیحت کروں، شاید نصیحت کو قبول کرلے اور اپنے ارادے سے منصرف ہو جائے۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: تجھے اختیار ہے۔ حضرت بُریر، عمر بن سعد کے پاس گئے، اس کے خیمے میں داخل ہوئے اور بغیر سلام کیے بیٹھ گئے۔ ابن سعد نے آگ بگولہ ہو کر کہا: اے مرد ہمدانی، تو نے سلام کیوں نہیں کیا؟ کیا میں مسلمان نہیں، اللہ اور اس کے پیغمبر کی معرفت نہیں رکھتا اور کلمہ شہادت نہیں پڑھتا؟! بُریر نے کہا: اگر تو اللہ اور اس کے رسول کو پہچانتا، جیسا کہ تُو کہہ رہا ہے، تو کبھی بھی پیغمبر کی عترت کو قتل کرنے یہاں نہ آتا؛ اس کے علاوہ، فرات کا پانی سانپ کی طرح پیچ وخم کھا رہا ہے، کتے اور خنزیر اس سے سیراب ہو رہے ہیں؛ لیکن تم نے حسین بن علی علیہما السلام، ان کے بھائیوں اور خاندان کا پانی بند کر رکھا ہے جو پیاس کی شدت کی وجہ سے جان بلب ہیں؛ پھر بھی تیرا خیال یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے پیغمبر کی معرفت رکھتا ہے ؟! عمر بن سعد نے سر جھکا لیا، پھر سر اٹھا کے کہنے لگا: اللہ کی قسم اے بُریر! مجھے یقین ہے کہ جو بھی ان کے ساتھ جنگ کرے اور ان کا حق غصب کرے، (اس

---

[1] ۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۹۹؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص۲۵۱۔

کاٹھکانا) جہنم ہے؛ لیکن کیا تم مجھے یہ مشورہ دے رہے ہو کہ میں "رے" کی حکومت کو چھوڑ دوں تا کہ کسی اور کے پاس چلی جائے؟ اللہ کی قسم؛ میرا دل اس بات پر راضی نہیں ہے۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

دعانی عبید اللہ من دون قومه — الی خطه فیها خرجتُ لحینی

فواللہ لا ادری وانّی لحائر — افکر فی امری علی خطرین

أأترك ملك الری والری مُنیَتی — ام ارجع ماثوماً بقتل حُسین

وفی قتله النار التی لیس دونها — حجابٌ و ملك الری قُرۃ عین

"ابن زیاد نے مجھے اس جنگ کی دعوت دی ہے جس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے میں نکلا ہوں۔ اللہ کی قسم؛ میں نہیں جانتا اور سر گرداں ہوں کہ ان دو اہم کاموں میں سے کس کو اختیار کروں: کیا رَی کی حکومت کو چھوڑوں، یہ تو میری آرزو ہے؛ یا حسین کے ساتھ جنگ کر کے گناہ کا مرتکب ہو جاؤں؟ حالانکہ اس کو قتل کرنے کا انجام جہنم ہے، اس سے کوئی رکاوٹ بھی نہیں؛ لیکن رَے کی حکومت میری آنکھوں کا نور ہے۔"

جناب بُریر (نے جب یہ سنا تو ابن سعد کے ہدایت پانے سے نا امید ہو گئے) اور امام حسین علیہ السلام کے خدمت میں آکر عرض کیا: یابن رسول اللہ! عمر ابن سعد حکومت رَے کے بدلے آپ کو قتل کرنا چاہتا ہے۔[1]

خوارزمی سے پہلے ابن اعثم کوفی نے بھی اس روایت کا مفہوم مختصر انداز میں بیان کیا ہے۔[2] معلوم ہوتا ہے کہ خوارزمی کے پاس کوئی اور کتاب تھی، کیونکہ اس نے اس روایت کو زیادہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے؛ مگر یہ احتمال بھی ہے کہ ابن اعثم کی اسی روایت کو نقل کیا ہو۔ بہر حال دوسری کتابوں میں اس روایت کو ذکر نہیں کیا گیا اور شاید اس لحاظ سے قابل غور بات ہے کہ اگر امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ابن سعد واقعاً اسی نظریے کا حامل تھا تو کبھی بھی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ نہ کرتا۔ لہذا یقینا اس کا

---

[1] ۔خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۱، ص ۲۴۸۔

[2] ۔ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۹۶۔

عقیدہ اتنا کمزور تھا کہ اس نے اس کام (قتل حسین علیہ السلام) میں ہاتھ ڈالا۔ اگر اصل روایت موجود ہو، تو نفسیاتی تجزیہ و تحلیل کے مطابق اس کو قابل قبول سمجھا جاسکتا ہے؛ کیونکہ انسان کے اندر موجود تضاد کی بنا پر، کہ ایک طرف عقل و ایمان اور دوسری طرف گناہ کی رغبت اور خواہشات میں سرگردان ہو، بعض لوگوں کا ان تضادات میں سرگردان ہونا ممکن ہے۔ اگر ابن سعد کے یہ الفاظ حقیقت پر مبنی ہوں تو یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ اس کے اندر کس قدر شقاوت اور دنیا کی محبت تھی؛ جیسا کہ شمر بن ذی الجوشن نے بھی واقعہ کربلا کے بعد ایک شخص کے اعتراض کے جواب میں کہا: ہماری ذمہ داری تھی کہ ہم ایسا کریں، اگر حکم پر عمل نہ کرتے تو حیوانات کی طرح ہوتے۔[1]

---

[1] ۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین علیہ السلام ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۹۷۔

تیرہویں فصل

بنی ہاشم کی شہادت تک روزِ عاشورہ کے واقعات

فوجوں کی صف آرائی

امام حسین علیہ السلام نے نماز فجر ادا کرنے کے بعد، بتیس سوار اور چالیس پیادوں پر مشتمل[1] اپنے لشکر کو یوں ترتیب دیا:

زُہیر بن قین کو "میمنہ" یعنی دائیں جانب اور حبیب بن مُظاہر کو "میسرہ" یعنی بائیں جانب پر مقرر کیا۔ اپنے بھائی حضرت عباس علیہ السلام کو علَم دیا اور خیام کو اپنی پُشت کی جانب قرار دیا۔ امام علیہ السلام نے حکم دیا کہ خیام کے پیچھے موجود لکڑیوں اور جڑی بوٹیوں کو اُس خندق میں ڈال دیا جائے جو پہلے سے کھودی جاچکی تھی اور جنگ کے وقت ان میں آگ جلادی جائی جائے تا کہ دشمن، پُشت کی جانب سے حملہ نہ کرسکے اور صرف ایک طرف سے دشمن کے ساتھ جنگ کی جائے۔[2]

عمر بن سعد نے بھی نماز صبح کے بعد اپنے لشکر کو آراستہ کیا: عمرو بن حجاج زُبیدی کو میمنہ اور شمر بن ذی الجوشن کو میسرہ پر مقرر کیا۔ عزرہ بن قیس اَحمسی کو سواروں کا اور شبث بن ربعی[3] کو پیادوں کا کمانڈر بنایا اور پرچم اپنے غلام "دُرید" کو دیا اور خود اس نے قلب لشکر کو سنبھالا۔[1]

ا۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۹۵؛ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵، ص ۴۲۲؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۹۵؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۷۸؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۰۱؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۶۰؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۴؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص ۱۹۲؛ ابن اثیر، اُسد الغابہ، ج۱، ص ۴۹۹۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۲۲؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۹۵؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۹۵۔

۳۔ شبث بن ربعی ریاحی، ابن الوقت قسم کا آدمی تھا اور کسی محکم موقف کا مالک نہ تھا۔ یہ "سجاح" کا مؤذن تھا جس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کے بعد پیغمبر کا دعوی کیا تھا۔ (طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۳، ص ۲۷۴)۔ وہ جنگ صفین میں امام علی علیہ السلام کے لشکر میں شامل تھا (منقری، وقعہ صفین، ص ۲۰۵)۔ جنگ نہروان میں امام علیہ السلام کے لشکر کے میسرہ کا سردار تھا (طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵، ص ۸۵؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۰۸)۔ پھر یہ شیعوں کا دشمن بن گیا، اس نے حُجر بن عدی کے خلاف گواہی دی (طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵، ص

عمرو حضرمی یوں کہتا ہے: جب عمر بن سعد میدان میں لشکر لے کر آیا تو اہل مدینہ کے گروہ کا کمانڈر عبد اللہ بن زُہیر ازدی، بنی مذحج اور بنی اسد کا کمانڈر عبد الرحمن بن ابی سبرہ جُعفی، ربیعہ اور کندہ کے گروہ کا سر دار قیس بن اشعث بن قیس اور تمیمیوں اور ہمدانیوں کا سر دار حر بن یزید ریاحی تھا۔ یہ تمام افراد امام حسین علیہ السلام کے خلاف جنگ اور آپ علیہ السلام کے قتل میں شریک تھے، لیکن حُر بن یزید ریاحی امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہو گیا اور آپ علیہ السلام کی رکاب میں جام شہادت نوش کیا۔[2]

جتنے افراد بھی امام حسین علیہ السلام کے قتل میں شریک تھے وہ سب کے سب کوفی تھے، کوئی بھی شامی ان کے ساتھ نہ تھا۔[3]

شہادت کا استقبال

عبد الرحمن بن عبد ربہ انصاری کا غلام کہتا ہے: جب عمر بن سعد کا لشکر جمع ہو گیا اور امام حسین علیہ السلام کی جانب بڑھا تو امام علیہ السلام کے حکم سے ایک خیمہ لگایا گیا اور ایک برتن میں مشک تیاری کی گئی۔ امام علیہ السلام خیمے میں داخل ہوئے اور مشک کے ساتھ اپنے بدن کو معطر کیا۔[4]

غلام کہتا ہے: میرے آقا عبد الرحمن بن عبد ربہ بُریر بن خضیر ہمدانی کے ہمراہ خیمہ میں صف میں کھڑے تھے۔ دونوں چاہتے تھے کہ امام علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے خیمہ میں داخل ہوں۔ بُریر نے عبد الرحمن کے ساتھ کوئی مذاق کیا۔ عبد الرحمن نے کہا: اے دستِ برادر! یہ مذاق کا وقت نہیں۔ بُریر نے

۲۶۹)۔ اور ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھے تھے (سابقہ حوالہ، ص ۳۵۳)۔ واقعہ کربلا میں موجود تھا اور عمر بن سعد کے لشکر کے پیادوں کا سر دار تھا (سابقہ حوالہ، ص ۴۲۲)۔ اس نے واقعہ عاشورا کے بعد قتل امام حسین علیہ السلام کی خوشی میں، کوفہ میں ایک مسجد بنائی (کلینی، الفروع من الکافی، ج۳، ص ۳۹۰)۔ اور مختار کے خلاف جنگ میں شرکت کی۔ تین ہزار افراد کے ساتھ حاکم کوفہ عبد اللہ بن مطیع کے حق میں، عبد اللہ بن زبیر کی طرف سے مختار کے خلاف جنگ کی (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۶، ص ۲۳)۔

[1]۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۴۔

[2]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۲۲۔

[3]۔ مسعودی، مروج الذہب، ج۳، ص ۷۱؛ سبط بن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج ۲، ص ۱۶۱۔

[4]۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۲۳؛ رجوع کریں: بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۹۵ تا ۳۹۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۶۱؛ نویری، نہایۃ الارب، ج ۲۰، ص ۴۷۵۔

کہا: اللہ کی قسم؛ میرے ساتھی جانتے ہیں کہ میں نہ جوانی میں مذاق کرتا تھا اور نہ بڑھاپے میں؛ لیکن جو چیز ہمارے انتظار میں ہے، اس وجہ سے خوش ہوں اور پھولے نہیں سما رہا۔ اللہ کی قسم؛ ہمارے اور جنت کی حوروں کے درمیان کوئی فاصلہ باقی نہیں، سوائے اس گروہ کے کہ جو شمشیر کے ساتھ ہمارے اوپر حملہ آور ہوں گے۔

غلام مزید کہتا ہے: جب امام حسین علیہ السلام خیمہ سے باہر تشریف لائے تو ہم اندر داخل ہوئے اور ہم نے اپنے آپ کو معطر کیا۔ امام علیہ السلام اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور قرآن طلب کیا اور اسے اپنے سامنے رکھا [اور میدان کی طرف روانہ ہوئے]۔[1]

امام حسین علیہ السلام کی مناجات

حضرت امام سجاد علیہ السلام سے روایت ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: عاشورہ کی صبح کو جب دشمن کا لشکر سامنے آیا تو امام حسین علیہ السلام نے اپنے دست مبارک آسمان کی طرف بلند کیے اور عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ أَنْتَ ثِقَتِي فِي كُلِّ كَرْبٍ، وَ رَجَائِي فِي كُلِّ شِدَّةٍ، وَ أَنْتَ لِي فِي كُلِّ اَمْرٍ نَزَلَ بِي ثِقَةٍ وَ عُدَّةٌ، كَمْ مِنْ هَمٍّ يَضْعُفُ فِيهِ الْفُؤَادُ، وَ تَقِلُّ فِيهِ الْحِيلَةُ، وَ يَخْذُلُ فِيهِ الصَّدِيقُ، وَ يَشْمِتُ فِيهِ الْعَدُوُّ، اَنْزَلْتُهُ بِكَ، وَ شَكَوْتُهُ إِلَيْكَ رَغْبَةً مِنِّي إِلَيْكَ عَمَّنْ سِوَاكَ، فَفَرَّجْتَهُ وَ كَشَفْتَهُ، فَأَنْتَ وَلِيُّ كُلِّ نِعْمَةٍ، وَ صَاحِبُ كُلِّ حَسَنَةٍ، وَ مُنْتَهٰى كُلِّ رَغْبَةٍ.

"اے اللہ، تو ہر دکھ میں میری تکیہ گاہ اور ہر سختی میں میری امید ہے۔ تو ہر مشکل میں میری پناہ گاہ ہے۔ بہت سے غم جن میں دل کمزور ہو جاتے ہیں، اسباب کم ہو جاتے ہیں، دوست چھوڑ جاتے ہیں اور دشمن ملامت کرتے ہیں، میں تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں اور تجھ سے شکوہ کرتا ہوں اور صرف تیری

[1] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۲۳؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۶۱؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص۱۹۳۔

طرف رخ کرتا ہوں، نہ تیرے غیر کی طرف؛ پس تو نے مجھے غم سے نجات دی، اے اللہ! تو ہر نعمت کا مالک ہے اور ہر رغبت کا ملجا و ماویٰ ہے۔"[1]

ابن قولویہ قمی نے کامل الزیارات میں اپنے ہی سلسلہ سند کے ساتھ حسین بن ابی العلاء سے، اس نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنی شہادت کے روز اصحاب سے فرمایا:

أَشْهَدُ أَنَّهُ قَدْ أُذِنَ فِي قَتْلِكُمْ فَاتَّقُوا اللهَ وَاصْبِرُوا[2]

میں گواہی دیتا ہوں کہ تمہارے قتل ہونے کی اجازت صادر ہو چکی ہے؛ پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صبر کرو۔

سید الشہدا علیہ السلام کا آغازِ جنگ سے پرہیز

ضحاک بن عبد اللہ مشرقی کہتا ہے: [صبح عاشورہ] کو جب دشمن ہماری طرف آیا اور اس نے دیکھا کہ خندق میں ڈالے گئے ایندھن (لکڑیوں) کو آگ لگی ہوئی ہے تو ان میں سے گھوڑے پر سوار اور اسلحہ سے لیس ایک شخص آگے بڑھا۔ وہ ہم سے کوئی بات کیے بغیر خیام کے قریب گیا۔ خیام کی طرف نگاہ کی، دیکھا کہ لکڑیوں اور آگ کے علاوہ کچھ نظر نہیں آرہا۔ واپس چلا گیا اور بلند آواز سے کہا: اے حسین! تم نے قیامت سے پہلے دنیا کی آگ میں جانے کی جلدی کی ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لگتا ہے شمر بن ذی الجوشن ہے؟ کسی نے عرض کی: ہاں وہی ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے بکریاں چرانے والی عورت کے بیٹے! تو آگ میں جلنے کا حق دار ہے۔

جنابِ مسلم بن عوسجہ نے عرض کی: اے فرزند پیغمبر علیہ السلام میں تجھ پر فدا ہو جاؤں، مجھے اجازت ہے میں اس کو تیر ماروں؟ وہ میرے نشانے پر ہے، میرا تیر خطا نہیں جائے گا۔ یہ فاسق سب سے بڑا ظالم ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، تیر نہیں چلانا؛ کیونکہ میں جنگ کا آغاز نہیں کرنا چاہتا۔[1]

---

[1] ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۲۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۲۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۶۱)۔ ابن عساکر نے اپنی کتاب ترجمۃ الحسین میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہ مناجات ذکر کی ہیں (ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق، ص۲۱۳، ۲۱۴۔

[2] ۔ ابن قولویہ، کامل الزیارات، ص۱۵۲؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۸۶؛ مسعودی، اثبات الوصیہ، ص۱۳۹۔

امام علیہ السلام کا اتمام حجت کرنا

امام حسین علیہ السلام نے اپنے بابا اور نانا کی طرح ہدایت اور خیر خواہی کا وظیفہ انجام دیا؛ کوفیوں پر اتمام حجت کرنے کے لیے اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور عمر بن سعد کے لشکر کے سامنے تشریف لائے اور بلند آواز سے گفتگو کی جسے تمام لوگ سن سکتے تھے، آپ نے فرمایا: "اے لوگو، میری بات سنو اور میرے معاملے میں جلدی نہ کرو، تاکہ میں تجھے نصیحت کروں جو میرے اوپر لازم ہے اور اپنے آنے کا مقصد بیان کروں؛ اگر میری بات مان لو اور میری تصدیق کرو اور میرے ساتھ انصاف کا راستہ اختیار کرو تو سعادت مند ہو جاؤ گے اور میرے ساتھ جنگ کرنے کا کوئی بہانہ تمہارے پاس نہ ہو گا۔ لیکن اگر میری بات نہ مانو گے اور میرے ساتھ انصاف سے پیش نہ آؤ گے تو؛" ﴿فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَ شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَ لَا تُنظِرُونِ﴾"[2] (پس تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر مضبوطی سے اپنا فیصلہ کر لو پھر اس فیصلے کا کوئی پہلو تم پر پوشیدہ نہ رہے پھر میرے ساتھ جو کچھ کرنا ہے کر گزرو اور مجھے مہلت بھی نہ دو۔)"

﴿إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ﴾[3]

بے شک میرا آقا تو وہ اللہ ہے جس نے کتاب نازل کی اور جو صالحین کا کارساز ہے۔

راوی کہتا ہے: جب امام حسین علیہ السلام کی بہن نے یہ گفتگو سنی تو گریہ وزاری کرنے لگیں اور آپ کی بیٹیاں بھی رونے لگیں اور گریہ کی آواز بلند ہوئی۔ امام علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت عباس علیہ السلام اور اپنے بیٹے حضرت علی اکبر علیہ السلام کو یہ کہہ کر ان کے پاس بھیجا: ان کو خاموش کرو، مجھے اپنی جان کی قسم؛ انہوں نے بہت رونا ہے۔

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۲۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۹۶؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۹۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۵۶۱۔

۲۔ یونس (۱۰) ۷۱۔

۳۔ اعراف (۷)، ۱۹۶۔ یہ آیت، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کفار کے ساتھ گفتگو کو بیان کر رہی ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کفار کی لجاجت اور گمراہی کے مقابلے میں بیان فرما رہے ہیں کہ اس کا مالک اور صاحب اختیار اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی حمایت ہی پناہ گاہ ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے اس آیت کے ذریعے کوفیوں کے سامنے یہی استدلال کیا ہے۔

جب مخدرات خاموش ہو گئیں تو امام علیہ السلام نے اللہ کی حمد و ثناء کی؛ محمد و آل محمد، ملائکہ اور انبیائے الٰہی پر درود بھیجا اور کچھ باتیں کیں جو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور قابل ذکر نہیں۔ راوی کہتا ہے: اللہ کی قسم؛ میں نے اس سے پہلے اور بعد، اس سے زیادہ کوئی فصیح و بلیغ کلام نہیں سنا۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اما بعد؛ میرا نَسب تمہیں معلوم ہے، دیکھو میں کون ہوں؟ پھر تم ہوش کے ناخن لو اور اپنی ملامت کرو، اور سوچو، کیا میرا قتل اور ہتک حرمت جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا میں اس کے وصی، چچازاد، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے اور اللہ کا رسول جو کچھ خدا کی جانب سے لے کر آیا ہے، اس کی تصدیق کرنے والے کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا سید الشہدا حمزہ، میرے والد ماجد کے چچا نہیں ہیں؟ کیا جعفر طیار جو جنت میں دو پروں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں میرے چچا نہیں؟ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کا وہ مشہور فرمان تم تک نہیں پہنچا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ میرے اور بھائی (حسن علیہ السلام) کے بارے میں فرمایا تھا کہ "یہ دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں"؟ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ حق ہے، اگر تم اس کی تصدیق کرتے ہو، تو جان لو! اللہ کی قسم؛ جب سے میں نے یہ جانا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹوں پر ناراض ہوتا ہے اور جھوٹ بولنے والے نقصان اٹھاتے ہیں، تو میں نے جھوٹ نہیں بولا اور اگر تم مجھے جھٹلاتے ہو تو تم میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں، اگر تم ان سے پوچھو تو وہ تمہیں بات بتا دیں گے (کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ حق ہے)۔ جابر بن عبد اللہ انصاری، ابو سعید خُدری، سہل بن سعد ساعدی، زید بن ارقم یا انس بن مالک سے پوچھ لو۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے یہ بات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے میرے اور بھائی (حسن علیہ السلام) کے بارے میں سنی ہے۔ کیا یہ بات تمہیں، میرا خون بہانے سے نہیں روکتی؟

شمر بن ذی الجوشن نے (گستاخانہ انداز سے) کہا: یہ ظاہری طور پر خدا کی پرستش کرتا ہے، نہ کہ قلبی ایمان کے ساتھ؛ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، اسے خود نہیں سمجھتا ہے۔[1]

[1]۔ سید علی اکبر قرشی، قاموس قرآن، ج ۲، ص ۱۲۰۔

حبیب بن مظاہر نے جواب میں کہا: اللہ کی قسم؛ میں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ تو ستر دفعہ ظاہری اور بے یقینی کے عالم میں اللہ تعالی کی پرستش کرتا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو سچ کہتا ہے کہ تو ان (امام حسین علیہ السلام) کی بات نہیں سمجھ سکتا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل پر مہر لگادی ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اگر تجھے میری بات میں شک ہے تو کیا اس میں بھی تجھے شک ہے کہ مَیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی بیٹی کا فرزند ہوں؟ اللہ کی قسم؛ اس کائنات میں مشرق سے لے کر مغرب تک تمہارے اور دوسروں لوگوں کے درمیان میرے علاوہ کوئی رسول کا نواسہ نہیں ہے، اور تمہارے رسول کا نواسہ صرف میں ہوں۔ مجھے یہ بتا کہ میں نے تمہارا کوئی قتل کیا ہے جس کے خون کا بدلہ مجھ سے لیتے ہو؟ یا تمہارا کوئی مال لوٹا ہے یا کسی کو زخم لگایا ہے جس کا قصاص لینا چاہتے ہو؟

فوج اشقیاء پر خاموشی چھا گئی، کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

پھر امام علیہ السلام نے بلند آواز سے فرمایا: اے شبث بن ربعی! اے حجّار بن ابجر! اے قیس بن اشعث! اے یزید بن حارث! کیا یہ تم نہیں تھے، جنہوں نے مجھے خط لکھے تھے: کہ پھل پک چکے ہیں، باغ سرسبز ہو گئے ہیں، اور کنویں پانی سے لبریز ہو چکے ہیں، اور تم تیار شدہ لشکر کے پاس آؤ گے؛ لہٰذا، تم ہماری طرف آجاؤ؟ انہوں نے کہا: ہم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: سبحان اللہ۔ اللہ کی قسم؛ تم نے یہ کیا ہے۔

تب امام علیہ السلام نے فرمایا: اے لوگو! اگر تمہیں میرا آنا پسند نہیں تو مجھے جانے دو، میں کسی پُرامن جگہ پر چلا جاؤں۔

قیس بن اشعث نے کہا: تو اپنے چچازاد بھائیوں کے سامنے سر تسلیم خم کیوں نہیں کرتا؟ اگر تو ایسا کرلے گا تو وہ تیرے ساتھ تیری مرضی کے مطابق سلوک کریں گے اور ان کی طرف سے تجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: سچ ہے کہ تو اپنے بھائی [محمد بن اشعث] کا بھائی ہے[1]۔ کیا تو چاہتا ہے کہ بنی ہاشم، مسلم بن عقیل کے خون سے بڑھ کر تجھ سے مطالبہ کریں؟

وَ اللّٰهِ لَا اُعْطِيهِمْ بِيَدِیْ اِعْطَاءَ الذَّلِيْلِ وَ لَا اُقِرُّ اِقْرَارَ الْعَبْدِ۔

اللہ کی قسم؛ میں، نہ ذلیل لوگوں کی طرح ان کے ہاتھ میں ہاتھ دوں گا، اور نہ ہی غلاموں کی طرح ان کے سامنے تسلیم ہوں گا۔

اے بندگان خدا! ﴿وَ إِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُوْنِ﴾[2]

اور میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں آگیا ہوں (اس بات سے) کہ تم مجھے سنگسار کرو۔

﴿إِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ﴾[3]

میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس تکبر کرنے والے سے، جو یوم حساب پر ایمان نہیں لاتا۔

پھر آپ علیہ السلام نے اپنی سواری کو بٹھایا اور نیچے اترے اور عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اس کا زانو باندھ دے؛ اسی موقع پر دشمن کی فوج نے حملہ کیا۔[4]

۱۔ اس کے بھائی محمد بن اشعث نے کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل کو جھوٹی امان دی اور ابن زیاد نے اس کی امان کو قبول نہیں کیا اور مسلم بن عقیل کو شہید کر دیا۔

۲۔ دخان (۴۴) ۲۰۔ اللہ تعالی اس آیت میں حضرت موسی کی فرعونیوں پر اتمام حجت کی داستان بیان کر رہا ہے اور ان کو انجام سے ڈرا رہا ہے۔ امام حسین علیہ السلام جو کہ وارث انبیاء الہی ہیں، بار بار ان کی باتوں کے ذریعے استدلال کرتے رہے اور ان کے منشور کی بنیاد پر بات کرتے رہے۔

۳۔ سورہ غافر، آیت ۲۷۔ فرعون نے حضرت موسی علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دینے کی داستان کو یوں حکایت فرمایا: "**قال موسی إِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ**" امام حسین علیہ السلام نے بھی انہی الفاظ میں اپنے زمانے کے فرعونیوں سے بات کی، جب انہوں آپ کو قتل کی دھمکی دی۔

۴۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۲۴ تا ۴۲۶؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۹۷،۹۸۔

زُہیر بن قین کی کوفیوں کے ساتھ گفتگو

کثیر بن عبد اللہ شعبی، جو کہ لشکر کوفہ کا سپاہی اور واقعہ کربلا کا عینی شاہد ہے، کہتا ہے: جب ہم نے حسین پر حملہ کیا تو زُہیر بن قین ایک گھنے بالوں کی دُم والے گھوڑے پر سوار اور اسلحے سے لیس ہو کر ہماری طرف آیا اور کہا:

"اے کوفیو! اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ مسلمان کو مسلمان بھائی کے لیے خیر خواہ ہونا چاہیے۔ ہم سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں، ایک ہی دین پر ہیں اور ایک ہی امت کا حصہ ہیں؛ اور یہ بات اس وقت تک ہے، جب تک ہمارے درمیان تلواریں نہ اٹھیں اور آپ میں خیر خواہی اور نصیحت کی لیاقت ہو۔ لیکن جب تلوار اٹھ گئی تو رشتے ٹوٹ جائیں گے اور ہم اور آپ علیحدہ علیحدہ امتیں ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو خاندانِ پیغمبرؐ کے ذریعے آزمایا ہے، تاکہ وہ یہ دیکھے کہ ہم اور آپ کیا کرتے ہیں۔ ہم، آپ کو اس خاندان (پیغمبر اکرمؐ) کی نصرت اور ظالم کے بیٹے ظالم عبید اللہ ابن زیاد کا ساتھ چھوڑنے کی دعوت دیتے ہیں۔ تم نے اس باپ اور بیٹے (زیاد اور ابن زیاد) کی حکومت میں برائی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا۔ یہ لوگ تمہاری آنکھوں میں سُرمچہ پھیرتے، تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹتے، تمہیں مُثلہ کرتے اور تمہارے مُردوں کو کھجور کے درختوں کے ساتھ لٹکاتے رہے ہیں۔ حُجر بن عدی، اس کے دوست واحباب اور ہانی بن عُروہ جیسے قاری قرآن اور بہترین لوگوں کو قتل کرتے رہے ہیں"۔

راوی کہتا ہے: انہوں نے زُہیر کو گالیاں دیں اور ابن زیاد کی تعریف کرتے ہوئے اس کے لیے دعا کی اور کہا: اللہ کی قسم؛ ہم یہاں سے نہیں جائیں گے، یہاں تک کہ تمہارے سردار اور اصحاب کو قتل کریں یا وہ سر تسلیم خم کر کے ابن زیاد کے پاس حاضر ہوں۔

جناب زُہیر نے جواب دیا: اے بندگانِ خدا! فاطمہ زہراءؑ کا فرزند، سمیہ کے بیٹے سے زیادہ دوستی اور حمایت کے لائق ہے۔ اگر تم ان کی نصرت نہیں کر سکتے تو انہیں قتل نہ کرو۔ تم انہیں، اس (ابن زیاد) کے چچازاد یزید بن معاویہ کے ساتھ آزاد چھوڑ دو۔ مجھے اپنی جان کی قسم؛ یزید، قتلِ حسینؑ کے علاوہ بھی تمہاری تابع داری پر خوش ہو گا۔

راوی کہتا ہے: شمر نے اس کی طرف تیر پھینکا اور کہا: خاموش ہو جا، اللہ تجھے خاموش کرے۔ تو نے اتنی لمبی گفتگو کر کے ہمارے جذبات بھڑکا دیے ہیں۔

زُہیر نے کہا: اے گھٹیا انسان کی اولاد! میں تجھ سے بات نہیں کر رہا؛ تیری حیثیت تو ایک حیوان سے زیادہ نہیں۔ میرا خیال نہیں ہے کہ تو نے قرآن کی صرف دو آیات بھی صحیح سمجھی ہوں۔ تجھے ذلت اور روز قیامت کا دردناک عذاب مبارک ہو۔

شمر نے کہا: اللہ تجھے اور تیرے سردار کو وقت سے پہلے قتل کرے گا۔

زُہیر نے کہا: تو مجھے موت سے ڈراتا ہے؟ اللہ کی قسم؛ مجھے اس (امام حسین علیہ السلام) کی رکاب میں مرنا، تمہارے ساتھ ہمیشہ زندہ رہنے سے زیادہ پسند ہے۔ پھر (زُہیر نے) بلند آواز سے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا: اے بندگانِ خدا! خیال رہے کہ کہیں اس جیسے بے نسل انسان، تمہیں بے دین نہ کر دیں۔ اللہ کی قسم! جو لوگ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کے خاندان اور ان کی اولاد کا خون بہاتے ہیں اور ان کی حمایت کرنے والوں کو قتل کرتے ہیں، انہیں ہرگز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی شفاعت نصیب نہیں ہو گی۔

راوی کہتا ہے: کسی نے زُہیر کو آواز دی: امام حسین علیہ السلام فرما رہے ہیں واپس آجاؤ، مجھے اپنی جان کی قسم؛ جس طرح مومن آل فرعون نے اپنی قوم کو نصیحت کی، اسی طرح تم نے بھی اس قوم کو نصیحت کر دی ہے اور ان تک حق کا پیغام پہنچا دیا ہے، اگر نصیحت ان کے لیے فائدہ مند ہو۔ (زُہیر واپس آ گیا)۔[1]

بُریر بن خُضَیر کی کوفیوں کو نصیحت اور اتمامِ حجت

امام حسین علیہ السلام اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے کچھ اصحاب کے ہمراہ، ابن سعد کی فوج کی طرف گئے۔ جناب بُریر بن خضیر، امام علیہ السلام کے آگے آگے تھے۔ امام علیہ السلام نے اسے فرمایا: اے بُریر! ان لوگوں سے بات کرو اور ان پر اتمام حجت کرو۔ حضرت بُریر آگے بڑھے، ان کے قریب کھڑے ہو کر یوں کہا:

۱۔ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵، ص ۴۲۶، ۴۲۷؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۶۲، ۵۶۳؛ ابن کثیر، البدایہ و النہایہ، ج۸، ص ۱۹۴، ۱۹۵۔

اے لوگو! خدا سے ڈرو؛ رسولﷺ کی ذریت تمہارے کے سامنے ہے۔ یہ اس کی اولاد، خاندان، بیٹیاں اور حرم ہیں۔ اب تم نے ان کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟

انہوں نے کہا: ہم ان کو ابن زیاد کے سپرد کریں گے، وہ جو چاہے گا، ان کے ساتھ سلوک کرے گا۔

جناب بُریر نے کہا: اے کوفیو! کیا تمہیں ان کا واپس چلے جانا منظور نہیں؟ تم نے جو خطوط لکھ کر ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا تھا، کیا اس کو بھلا دیا ہے؟ وہ عہد و پیمان کہ جس پر تم نے اللہ کو گواہ بنایا تھا اور اللہ تعالیٰ بہترین گواہ ہے۔ افسوس ہے تم پر، تم نے اپنے پیغمبر کی اہل بیت کو (اپنے پاس) بلایا ہے اور تمہارا دعوی تھا کہ تم ان پر اپنی جان قربان کرو گے، اب جب وہ آگئے ہیں تو تم ان کو ابن زیاد کے سپرد کرو گے؟! تم نے ان کا پانی بند کیا ہے؛ جبکہ یہود، نصاریٰ اور مجوسیوں کے لیے مباح ہے اور کتے اور خنزیر اس میں داخل ہوتے ہیں۔ تم نے ذریت کے بارے میں پیغمبر اکرمﷺ کی حرمت کا لحاظ نہیں رکھا؛ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اللہ تمہیں روزِ قیامت سیر اب نہ کرے۔[1]

بعض روایات کے مطابق، جب بُریر کی گفتگو یہاں تک پہنچی تو کسی نے کہا: ہم نہیں جانتے، تم کیا کہہ رہے ہو؟

بُریر نے کہا: اللہ کا شکر ہے اس پر کہ اس نے مجھے تمہارے بارے میں زیادہ آگاہ کیا ہے۔ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اس قوم کے کردار سے برائت کا اعلان کرتا ہوں۔ اے اللہ! ان کو اس وقت تک خوف و ہراس میں مبتلا فرما جب یہ تیری بارگاہ میں آئیں اور تو ان سے ناراض ہو۔ اس وقت کوفیوں نے بُریر کو تیر کا نشانہ بنایا اور حضرت بُریر واپس پلٹ گئے۔[2]

امام حسین علیہ السلام کی کوفیوں کو نصیحت

خوارزمی نے امام علیہ السلام کے خطبے کو طبری کی روایت سے قدرے فرق اور اضافے کے ساتھ یوں ذکر کیا ہے:

۱۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۰۰؛ تھوڑے سے فرق کے ساتھ: خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۱، ص ۲۵۲۔

۲۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۱، ص ۲۵۲؛ فتال نیشاپوری، روضہ الواعظین، ج ۱، ص ۱۸۵۔

امام علیہ السلام، لشکرِ عمر سعد کی طرف گئے اور ان کے سامنے کھڑے ہو کر ایک عظیم سیلاب کی مانند ان کی صفوں میں نگاہ دوڑائی اور عمر بن سعد کی طرف بھی دیکھا جو کہ سرداران کوفہ کے درمیان کھڑا ہوا تھا۔ پھر یوں فرمایا: حمد ہے اس اللہ کی جو دنیا کا خالق ہے اور جس نے دنیا کو زوال پذیر بنایا ہے اور جو اہل دنیا کو ہمیشہ دگرگوں کرتا رہتا ہے۔ جس نے دنیا سے محبت کی وہ فریب کھا گیا؛ اور جو دنیا کے فتنے میں پھنس گیا وہ بدبخت ہو گیا۔ دنیا کے دھوکے میں نہ آؤ، کیونکہ یہ امید رکھنے والوں کی امیدیں اور آرزومندوں کی آرزوئیں منقطع کر دیتی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایسے کام پر کمربستہ ہو جو اللہ کی ناراضگی کا موجب ہے اور اس کے کرم اور مہربانی کا رخ موڑ دینے والا ہے؛ جس نے اللہ کا عذاب تمہاری طرف پلٹا دیا ہے اور اس کی رحمت کو تم سے دور کر دیا ہے۔ پس کتنا اچھا ہے ہمارا پروردگار، اور کتنے بُرے ہو تم لوگ؛ کیونکہ تم نے اللہ کی اطاعت کا اقرار کیا ہے اور اس کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کا کلمہ پڑھا ہے؛ لیکن اب تم اس کی اہل بیت پر حملہ آور ہو۔ بے شک شیطان نے اپنا جال تم پر ڈال دیا ہے اور تم نے اللہ کو بھلا دیا ہے۔ اللہ تمہیں ہلاک کرے۔ ﴿قالُوا إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ راجِعُونَ﴾[1] (ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا ہے ﴿فَبُعْدًا لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ﴾[2] (پس (رحمت حق سے) دور ہو یہ ظالم قوم۔)

(جب امام علیہ السلام کی گفتگو یہاں تک پہنچی)، عمر بن سعد نے اپنے فوجیوں سے کہا: افسوس ہے تم پر، تم بھی کوئی بات کرو۔ وہ اپنے باپ (علی علیہ السلام) کا (حقیقی) بیٹا ہے۔ اللہ کی قسم؛ اگر ایک دن مزید وہ تمہارے درمیان کھڑے ہو کر گفتگو کرتا رہے تو وہ اس پر قادر ہے؛ اس کے ساتھ بات کرو، شمر قریب آیا اور کہا: اے حسین! تو کیا کہہ رہا ہے؟ ایسی بات کر جو ہمیں بھی سمجھ آئے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ اپنے رب سے ڈرو اور میرے خون سے اپنے ہاتھ رنگین نہ کرو، میرا قتل اور میری بے احترامی تم پر حرام ہے؛ کیونکہ میں تمہارے نبی کی بیٹی کا بیٹا ہوں اور میری نانی حضرت خدیجہ علیہا السلام تمہارے پیغمبر کی زوجہ

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۵۶۔

۲۔ مؤمنون، ۴۱۔

ہیں؛ اور شاید تم نے اپنے پیغمبر کی یہ حدیث سنی ہو، انہوں نے فرمایا: "حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں...۔"[۱]

خوارزمی نے روز عاشورا کو امام حسین علیہ السلام کا ایک اور خطبہ عبد اللہ بن حسن سے نقل کیا ہے:

عمر سعد نے اپنی فوج کو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آمادہ کیا؛ لشکر کو مرتب کیا اور ہر شخص کو اپنی جگہ پر مقرر کیا اور پرچم لہرا دیئے۔ امام حسین علیہ السلام نے بھی اپنے اصحاب کو لشکر کی دائیں اور بائیں جانب مقرر کیا۔ دشمن نے ہر طرف سے امام حسین علیہ السلام کا محاصرہ کیا۔ ایک دائرہ کی مانند آپ علیہ السلام کو گھیرے میں لے لیا۔ امام علیہ السلام اپنے اصحاب کے درمیان سے باہر آئے اور قوم اشقیاء کی طرف گئے تاکہ ان کے ساتھ گفتگو کریں۔ انہیں کہا کہ خاموش ہو جائیں؛ لیکن وہ خاموش نہ ہوئے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: افسوس ہے تم پر، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خاموش نہیں ہوتے کہ میری بات سنو؟! میں تمہیں صراط حق کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ جو شخص میری پیروی کرے گا وہ راہ حق پا لے گا اور جو شخص سرکشی کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ تم سب لوگ سرکشی کر رہے ہو اور میری بات پر توجہ نہیں دے رہے؛ کیونکہ تمہیں مال حرام سے نوازا گیا ہے، حرام سے تمہارے پیٹ بھرے گئے ہیں، پس اللہ تعالی نے تمہارے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ افسوس ہے تم پر؛ کیوں خاموش نہیں ہوتے اور کیوں میری بات پر توجہ نہیں دیتے؟! ابن سعد کے بعض فوجی ایک دوسرے کی ملامت کرنے لگے اور بعض ایک دوسرے کو خاموشی اختیار کرنے کی تلقین کرنے لگے۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے قوم! ہلاکت ہو تم پر، تم نے حیران و پریشان ہو کر ہمیں اپنی مدد کے لیے پکارا اور ہم جلدی سے آمادہ ہو کر تمہاری مدد کے لیے پہنچ گئے۔ اب تم نے ہمارے خلاف اپنی تلواریں کھینچ لی ہیں جبکہ حق تو یہ تھا کہ تم انہی تلواروں کے ساتھ ہمارا دفاع کرتے۔ فتنہ کی آگ جو تمہارے اور ہمارے دشمن نے جلائی تھی وہ تم نے ہمارے خلاف استعمال کی ہے۔ تم نے اپنے دوستوں کے خلاف گٹھ جوڑ کر لیا ہے اور اپنے دشمنوں کا ساتھ دینے کے لیے آمادہ ہو گئے ہو؛ حالانکہ دشمن نے تمہارے درمیان عدل نہیں کیا اور نہ ہی تمہارے دلوں میں

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۱، ص ۲۵۲، ۲۵۳۔

کوئی امید ڈالی ہے، سوائے دنیا کے معمولی مالِ حرام کے، جو اس نے تمہیں دیا ہے اور وہ پست زندگی، جس کا تمہیں لالچ ہے؛ حالانکہ ہم سے نہ کوئی گناہ سرزد ہوا ہے اور نہ ہی ہم نے کوئی غلط بات سوچی ہے۔

وائے ہو تم پر، تم نے ہمیں خوش نہیں کیا اور ہماری مدد سے دست بردار ہو گئے ہو۔ تم نے فتنہ کی آگ جلائی ہے، حالانکہ تلواریں نیام میں تھیں، دل پُر سکون تھے اور جنگ کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن تم نے چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی طرح ہم پر حملہ کیا ہے اور پروانہ وار ایک دوسرے کو پکارا ہے اور ہمارے اوپر ٹوٹ پڑے ہو۔ تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں۔

تم امت کے سرکش، قوم سے پیچھے رہ جانے والے، قرآن کو ترک کرنے والے، شیطان کے پیروکار، گناہ گار ٹولہ، قرآن کی تحریف کرنے والے اور سنت پیغمبر کو نابود کرنے والے ہو۔ تم اولاد انبیاء کے قاتل ہو، خاندان اوصیاء کو برباد کرنے والے ہو، زنازادوں کا شجرہ نسب بنانے والے ہو، مومنین کو تکلیف پہنچانے والے ہو اور ایسے سرکش حکمرانوں کی صدا پر لبیک کہنے والے ہو، جنہوں نے قرآن کا مذاق اڑایا اور اسے پارہ پارہ کیا ہے۔ اب تم نے آل ابی سفیان اور ان کے پیروکاروں پر اعتماد کیا ہے اور ہماری نصرت سے دست بردار ہو گئے ہو۔ ہاں؛ اللہ کی قسم، تمہارا یہ کام (یعنی بے وفائی) مشہور ہے۔ تمہاری جڑیں اس سے ملی ہوئی ہیں اور تمہاری شاخیں اسی سے پروان چڑھی ہیں۔ تمہارے دل اسی سے وابستہ ہیں اور تمہارے سینے اسی سے مالا مال ہیں۔ تم بدترین انسان ہو، اس شخص کے لیے جس نے تمہارے لیے تکلیف جھیلی ہے اور غاصبوں کے لیے تم بہترین لقمہ ہو۔ اللہ کی لعنت ہو وعدہ خلافی کرنے والوں پر، جو پیمان باندھنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔ تم نے اپنے پیمان پر اللہ کو ضامن بنایا؛ لیکن پھر اس کو توڑ دیا۔ اللہ کی قسم؛ تم پیمان شکنی کرنے والے ہو۔

اَلَا اِنَّ الدَّعِیَّ ابْنَ الدَّعِیِّ قَدْ رَکَزَ بَیْنَ اثْنَتَیْنِ، بَیْنَ الْقِتْلَةِ وَ الذِّلَّةِ، وَ هَیْهَاتَ مِنَّا اَخْذَ الدَّنِیَّةِ، اَبَی اللّٰهُ ذٰالِكَ وَ رَسُوْلُهُ، وَ جُدُوْد طَابَتْ، وَ حُجُوْر طَهُرَتْ، وَ اُنُوْف حَمِیَّة وَ نُفُوْس اَبِیَّة لَا تُؤْثَرُ طَاعَةُ اللِّئَامِ عَلٰی مَصَارِعِ الْکِرَامِ[۱]

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۷، ۶۔

"خبر دار، حرام زادے کا حرام زادہ بیٹا(ابن زیاد) دو میں سے ایک کام پر ڈٹا ہوا ہے: قتل یا ذلت؛ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ذلت کو قبول کریں اور پستی کو اختیار کریں۔ اللہ، اس کا رسول، نیک اجداد، پاکدامن لوگ، غیرت مند اور آبرومند نفوس اس کو قبول نہیں کرتے۔ اور کمینے لوگوں کی پیروی کو قتل ہونے کے مقابلے میں قبول نہیں کرتے"۔

آگاہ رہو، میں نے حجت تمام کر دی اور تمہیں توجہ دلا دی ہے۔ میں خاندان کے انہی افراد کے ہمراہ، فوج اور مدد گار کم ہونے کے باوجود تم سے جنگ لڑوں گا۔ پھر امام حسینؑ نے یہ اشعار پڑھے:

فإن نهزم فهزّامون قدما   و إن نغلب فغير مغلّبينا

و ما إن طبّنا جبن و لكن   منايانا و دولة آخرينا

اذا ما الموتُ رفّع عن اناس   كلا كله اناخ بآينا

فأفنى ذلكم سروات قومى   كما افنى القرون الاولينا

فلو خلُدَ الملوك اذاً خلُدنا   و لو بقى الكرام اذاً بقينا

فقُل للشامتين بنا افيقوا   سيلقى الشامتُون كما لقينا

اگر ہم نے دشمن کو شکست دے دی تو یہ ہمارا پرانا شیوہ ہے؛ اور اگر مغلوب ہو گئے تو ہم نے حقیقت میں شکست نہیں کھائی۔

خوف ہمارے مزاج میں نہیں لیکن یہ ہماری اور بیگانوں کی حکومت کی موت ہے جو پہنچ جاتی ہے۔

جب موت ایک گروہ کے سر سے اپنا تاج اٹھالے تو دوسروں کے سر پر رکھ دیتی ہے۔

میری قوم کے بزرگوں نے تمہیں برباد کر دیا ہے جیسا کہ زمانے نے ہمارے آباؤاجداد کو فنا کر دیا ہے

۔

اگر بادشاہ ہمیشہ رہتے تو ہم بھی ہمیشہ رہتے اور اگر بزرگان باقی رہتے تو ہم بھی باقی رہتے۔

پس ظالموں سے کہہ دو کہ ہوش میں آجائیں؛ وگرنہ وہ اسی چیز(موت) سے ملاقات کریں گے جس سے ہم کریں گے۔

پھر فرمایا:

خبر دار، اس کے بعد ایک طاقتور گھوڑے پر سوار ہونے کی مقدار سے زیادہ دیر باقی نہیں رہو گے، یہاں تک کہ حوادث کی چکی تمہیں (چکی کے پتھر کی مانند) گھما دے گی (اور تم قطب کی طرح سر گرداں ہو گے)۔ یہ (غیبی خبر) ایک وعدہ ہے جو کہ میرے بابا نے میرے دادا سے مجھ تک نقل کیا ہے۔ "پس تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر مضبوطی سے اپنا فیصلہ کر لو"[1] "تم سب مل کر میرے خلاف سازش کرو، پھر مجھے مہلت نہ دو۔ میں نے اللہ پر بھروسہ کیا ہے جو میرا اور تمہارا رب ہے، کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی پیشانی اللہ کی گرفت میں نہ ہو، بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ہے"[2] اے اللہ! ان پر آسمان کی بارش نازل نہ فرمانا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کی طرح انہیں قحط سالی میں مبتلا فرما۔ اور ان پر ثقیف کے جوان کو مسلط فرما، تا کہ وہ ان کو موت کے تلخ جام کا مزہ چکھائے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑے؛ ہر مقتول اور ہر ضرب کا بدلہ لے، اور اولیا، میرا اور میرے خاندان اور اصحاب کا انتقام لے۔ انہوں نے مجھے دھوکہ دیا ہے اور میرے ساتھ جھوٹ بولا ہے اور ہمیں چھوڑ دیا ہے۔ اے اللہ! تو ہی ہمارا پروردگار ہے؛ ہم تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری طرف توجہ رکھتے ہیں اور سب کی بازگشت تیری طرف ہے۔

پھر فرمایا:

عمر بن سعد کہاں ہے؟ اسے میرے پاس بلاؤ۔ عمر بن سعد کو بلایا گیا، اگرچہ وہ آنا نہیں چاہتا تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اے عمر بن سعد! کیا تو یہ سوچ کر مجھے قتل کرے گا کہ یہ حرام زادے کا حرام زادہ بیٹا (ابن زیاد)، تجھے رَے اور گرگان کا حاکم بنا دے گا؟! اللہ کی قسم؛ ہرگز تو اس کا مزہ نہیں چکھ سکے گا۔ یہ یقینی وعدہ ہے؛ پس

۱۔ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ (یونس، ۷۱) یہ آیت حضرت نوح علیہ السلام کی زبان مبارک سے ان کی قوم کی حالت بیان کر رہی ہے، چنانچہ پہلے اشارہ ہو چکا ہے۔

۲۔ ہود، ۵۵و۵۶۔ یہ آیات حضرت ہود علیہ السلام کی زبان اقدس سے ان کی قوم کی حالت بیان کر رہی ہیں۔ جب قوم نے حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت کو مسترد کر دیا، شرک اور بت پرستی سے دستبردار نہ ہوئے اور آپ علیہ السلام کی مخالفت کی تو حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو مخاطب ہو کر یہ جملات ارشاد فرمائے۔

جو تیرا جی چاہے انجام دے، تم میرے بعد دنیاو آخرت میں خوشی نہیں دیکھ سکو گے۔ گویامیں کوفہ میں تیرا سر نیزے پر بلند دیکھ رہاہوں، جسے بچے پتھر مار رہے ہیں۔

عمر بن سعد، امام علیہ السلام کی گفتگو سے آگ بگولہ ہو گیااور دوسری جانب منہ پھیر لیااور اپنے لشکر سے کہا: کس چیز کاانتظار کر رہے ہو؟سب مل کر حملہ کرو، یہ ایک لقمے سے زیادہ نہیں ہیں۔

پھر امام حسین علیہ السلام ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے "مُرتَجَز" نامی گھوڑے پر سوار ہوئے، اپنے لشکر کو مرتب کیا اور جنگ کے لیے آمادہ ہو گئے۔[1]

عمر بن سعد کاایک سپاہی کہتاہے: جس دن حسین علیہ السلام شہید ہوئے، اس دن آپ نے ہمیں ایک خطبہ دیا، انہوں نے پہلے اللہ کی حمد وثنا کی اور پھر کہا: اے اللہ کے بندو! اللہ کا تقوی اختیار کرو اور اس دنیا سے ڈرو، کیونکہ اگر یہ دنیاہمیشہ ہوتی یا اس میں کوئی ہمیشہ رہتا تو انبیاء اس کے زیادہ حقدار تھے کہ اس پر راضی ہو جاتے اور قضا پر راضی ہوتے؛ لیکن اللہ تعالی نے اس دنیا کو امتحان کے لیے خلق کیاہے اور اہل دنیا کو فنا کے لیے؛ پس نئی اشیاء پرانی ہونے والی ہیں، اس کی نعمات ختم ہونے والی ہیں اور اس کی خوشیاں تمام ہو جانے والی ہیں۔ اور دنیا، منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے ہے، دنیاایک عارضی منزل اور گزر گاہ ہے؛ تم زاد راہ کی فکر کرو اور بہترین زادراہ تقوی الٰہی ہے۔ تقوی الٰہی اختیار کرو شاید کامیاب ہو جاؤ۔[2]

سعد بن عُبیدہ نامی ایک شخص نقل کرتاہے: امام حسین علیہ السلام کے بدن پر ایک یمنی قمیص تھی، آپ آگے آئے تاکہ ابن زیاد کے سپاہیوں سے گفتگو کریں؛ ان کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد واپس پلٹ گئے۔ اسی وقت قبیلہ بنی تمیم کے عمر طَہَوی نامی ایک شخص نے آپ کی طرف ایک تیر پھینکااور میں اس تیر کو دیکھ رہاتھا، میں نے دیکھا کہ تیر امام علیہ السلام کے دونوں کندھوں کے بالکل درمیان میں پیوست ہوااور اس قمیص

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۶، ۷؛ ترجمۃ الحسین الامام من تاریخ مدینۃ دمشق، ص۲۱۶ تا۲۱۸۔

۲ ۔ ابن عساکر، ترجمۃ الحسین ریحانۃ الرسول من تاریخ دمشق، ص۲۱۵۔

میں سے لٹکنے لگا۔ جب حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ، ان کی بات قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں تو آپ اپنے لشکر کی طرف پلٹ گئے۔[1]

حُر کی توبہ اور لشکر امام حسین علیہ السلام میں شمولیت

سید بن طاووس نے لکھا ہے کہ حضرت حُر علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کے استغاثہ "هَل مِن ذَابٍّ يَذُبُّ عَن حَرَمِ رَسُولِ اللهِ "بلند کرنے کے بعد توبہ کی۔

جناب حُر بن یزید ریاحی نے جب دیکھا کہ کوفیوں نے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کا اعلان کر دیا ہے تو عمر بن سعد سے کہا:

اے عمر! تو اس شخص کے ساتھ جنگ کرے گا؟ اس نے کہا: ہاں میں جنگ کروں گا؛ اللہ کی قسم، ایسی جنگ کہ کم از کم جس میں سَر اور بازو قلم ہوں۔ حُر نے کہا: کیا تو ان کاموں میں سے کسی ایک کام پر بھی راضی نہیں ہوا، جس کی اس (امام حسین علیہ السلام) نے تجھے پیشکش کی ہے؟ ابن سعد نے کہا: اللہ کی قسم، اگر اس کام کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوتا تو قبول کر لیتا، لیکن تیرا امیر (ابن زیاد) قبول نہیں کرتا۔ اس گفتگو کے بعد جناب حُر، لشکر سے باہر نکلے اور ایک طرف چلے گئے۔ اس کے قبیلہ کا ایک شخص "قُرۃ بن قیس" اس کے ساتھ تھا۔ حُر نے کہا: اے قُرہ! کیا تو نے آج اپنے گھوڑے کو پانی پلایا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ جناب حُر نے کہا: کیا تو اسے پانی پلانا چاہتا ہے؟ قُرہ کہتا ہے: میں نے گمان کیا کہ یہ کنارہ کشی کرنا چاہتا ہے اور جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہتا اور نہیں چاہتا کہ میں اس کے کام پر شاہد ہوں اور اسے خوف ہے کہ کہیں میں یہ قصہ دوسروں کو بتا نہ دوں۔ لہٰذا میں نے کہا: میں نے اپنے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا اور اس کو پانی پلانا چاہتا ہوں۔ قُرہ کہتا ہے کہ میں وہاں سے دور چلا گیا۔ اللہ کی قسم! اگر وہ (جناب حُر) مجھے اپنے ارادے سے آگاہ کر دیتا تو میں بھی اس کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں چلا جاتا۔

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۹۲؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص ۱۸۴۔

قُرہ کہتا ہے: حُر آہستہ آہستہ اپنے آپ کو امام حسینؑ کے قریب کر رہا تھا۔ حُر کے قبیلہ کے ایک شخص "مہاجر بن اَوس" نے کہا: اے حُر بن یزید! تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا تم حسین پر حملہ کرنا چاہتے ہو؟ حضرت حُر خاموش رہے اور وہ ایسے کانپ رہے تھے جیسے ان کو رعشہ کی بیماری لگی ہوئی ہو۔ مہاجر نے کہا: اے حُر، میں تیرے کام پر بہت حیران ہوں۔ اللہ کی قسم، میں نے کسی بھی مشکل گھڑی میں تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی تھی۔ اگر لوگ مجھ سے پوچھتے کہ کوفہ کا دلیر ترین مرد کون ہے تو میں تیرے علاوہ کسی اور کی نشاندہی نہ کرتا؛ لیکن میں تیرا عجیب انداز دیکھ رہا ہوں؟ جناب حُر نے کہا:

اِنِّی وَ اللهِ اُخیِّرُ نَفسِی بَینَ الجَنَّہِ وَ النَّارِ، وَوَ اللهِ لَا اَختَارُ عَلَی الجَنَّہِ شَیئاً وَ لَو قُطِعتُ وَ حُرِقتُ، ثُمَّ ضَرَبَ فَرَسَہ فَلَحِقَ بِحُسَینَ علیہ السلام

اللہ کی قسم؛ میں اپنے آپ کو جنت اور جہنم کے درمیان مختار دیکھ رہا ہوں۔ اور کسی چیز کو جنت پر ترجیح نہیں دوں گا، اگرچہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا دیا جائے۔ پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر امام حسینؑ کے لشکر میں شامل ہو گیا۔[1]

جب حضرت حُر، امام حسینؑ کے اصحاب کے قریب آئے تو اپنی ڈھال سرنگوں کر دی اور انہیں سلام کیا۔[2]

شیخ صدوق نے کتاب "الامالی" میں حُر بن یزید ریاحی کے امام حسینؑ کے پاس آنے کی کیفیت یوں نقل کی ہے:

حُر بن یزید اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور عمر سعد کے لشکر سے جدا ہو گیا؛ وہ امام حسینؑ کی طرف آیا، اس کی حالت یہ تھی کہ اس نے اپنے ہاتھوں کو اپنے سر کے اوپر رکھا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا: اے اللہ!

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۲۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۹۹۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم الملوک، ج۵، ص۳۹۲۔

میں تیری طرف لوٹ آیا ہوں، میری توبہ قبول فرما؛ میں نے تیرے محبان اور فرزندان پیغمبر علیہم السلام کے دلوں کو خوف زدہ کیا ہے۔[۱]

جناب حُر بن یزید ریاحی نے امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ میں آکر عرض کی: اے فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ! میری جان آپ پر فدا ہو جائے۔ میں وہی ہوں جس نے آپ کا راستہ روکا تھا اور واپس نہیں جانے دیا تھا، اور آپ کے ساتھ ساتھ آیا تھا، یہاں تک کہ آپ کو اس (بے آب و گیاہ) سرزمین پر لے آیا۔ مجھے اس اللہ کی قسم جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے، مجھے گمان نہیں تھا کہ یہ قوم آپ کی تمام تجاویز اور باتوں کو رد کر دے گی اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا: کہ اس قوم کے کچھ احکام مان لوں تاکہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ میں ان کی اطاعت سے نکل گیا ہوں؛ اور بالآخر وہ حسین علیہ السلام کی کسی ایک تجویز کو قبول کرلیں گے۔ اللہ کی قسم؛ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ آپ کی کوئی بھی تجویز نہیں مانیں گے تو میں ہرگز ایسا نہ کرتا؛ اور اب آیا ہوں کہ میں نے جو کچھ انجام دیا ہے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کروں اور اپنی جان قربان کروں اور آپ کے قدموں میں قتل ہو جاؤں۔ کیا ایسا کرنے سے میری توبہ قبول ہو جائے گی؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، اللہ تعالیٰ تیری توبہ قبول کرے گا اور تجھے بخش دے گا۔ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: میں حُر بن یزید ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اَنْتَ الْحُرُّ كَمَا سَمَّتْكَ اُمُّكَ اَنْتَ الْحُرُّ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ اِنْزِلْ

"تو آزاد ہے جیسا کہ تیری ماں نے تیرا نام رکھا ہے۔ تو دنیا اور آخرت میں آزاد ہے۔ (گھوڑے سے) اتر آ۔"

حضرت حُر نے کہا: میرا سوار رہنا آپ کے لیے میرے اترنے سے بہتر ہے۔ کچھ دیر سوار ہو کر جنگ کروں گا؛ البتہ میرا انجام، میرے اترنے پر ہو گا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: جو تیرا جی چاہے انجام دے؛ اللہ تجھ پر

۱۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۰، ص ۲۲۳۔

رحم کرے۔ مقتل خوارزمی میں ذکر ہوا ہے کہ حضرت حُر اپنے تُرکی غلام سمیت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شامل ہوا۔[1]

جناب شیخ صدوق نے روایت کی ہے کہ حُر نے کہا: جب میں نے اپنے مقام سے امام حسین علیہ السلام کی طرف حرکت کی تو ایک آواز سنی، تین بار آواز آئی: اے حُر، تجھے جنت مبارک ہو۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ اپنے آپ سے کہا: حُر کی ماں اس کے غم میں بیٹھے، وہ رسول خدا کے بیٹے کے ساتھ جنگ کرنے جا رہا ہے اور اسے بہشت کی بشارت دی جا رہی ہے۔[2]

ابن نما نے اس واقعہ کو تھوڑے سے فرق اور اضافے کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس کی روایت کے مطابق، حُر نے یہ گفتگو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مل جانے کے بعد امام علیہ السلام کو مخاطب کر کے کی۔ ابن نما، یہ گفتگو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ حُر نے کہا: میں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ تیرا پیروکار بن جاؤں گا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اب تو نے نیک انجام پالیا ہے۔[3]

سبط بن جوزی نے حُر کے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ملنے کے واقعہ کو یوں لکھا ہے:

امام حسین علیہ السلام نے کوفیوں کو مخاطب کر کے فرمایا: اے اہل کوفہ! کیا یہ خطوط تمہارے نہیں ہیں جو تم نے مجھے لکھے تھے اور مجھے فریب دیا ہے؟ تمہارا وہ عہد و پیمان کہاں گیا؟ کسی نے جواب نہ دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ امام علیہ السلام نے پکار کے کہا: اے شَبَث بن رِبعی! اے حجار بن حر! اے قیس بن اشعث! اے زید بن حَرَث! اے فلاں اور فلاں! کیا تم نے مجھے خط نہیں لکھا؟ سب نے کہا: ہم نہیں جانتے، تم کیا کہہ رہے ہو۔ حُر جو کہ ان کے سرداروں میں سے تھا، نے کہا: اللہ کی قسم؛ ہم نے آپ کو خط لکھے ہیں اور ہم نے ہی آپ کو یہاں بلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ باطل اور اہل باطل کو نابود کرے۔ اللہ کی قسم؛ میں ہر گز آخرت کے بدلے دنیا کو انتخاب نہیں کروں گا۔ پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر امام حسین علیہ السلام سے جا ملا۔ امام

---

[1] ۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۱۰۔

[2] ۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۰، ص ۲۱۸۔

۳ ۔ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۵۹۔

حسین علیہ السلام نے اسے فرمایا: اَهْلاً بِكَ وَ سَهْلاً اَنْتَ وَ اللهُ الْحُرُّ فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ[1] "خوش آمدید؛ اللہ کی قسم، تو دنیا اور آخرت میں آزاد ہے"۔

حضرت حُر کی کوفیوں پر اتمام حجت

حضرت حُر، لشکرِ کوفہ کی طرف گئے اور ان کی طرف رخ کر کے کہا: اے کوفیو! کیا تم حسین علیہ السلام کی کسی ایک تجویز کو قبول نہیں کرتے، تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے ساتھ جنگ کرنے سے بچالے؟! انہوں نے کہا: یہ کمانڈر عمر بن سعد ہے؛ اس کے ساتھ بات کرو۔ حُر نے وہی الفاظ اس کے سامنے دہرائے۔ عمر سعد نے کہا: میرا دل چاہتا ہے کہ اگر کوئی راستہ نکل آئے تو میں یہی کام کروں گا۔ پھر حُر نے کوفیوں کو مخاطب کر کے کہا: اے اہل کوفہ! تمہاری مائیں تمہارے غم میں بیٹھیں؛ تم نے اسے دعوت دی ہے کہ وہ تمہارے پاس آئے اور پھر اسے تنہا چھوڑ دیا ہے؟ تم سمجھتے تھے کہ اس کی راہ میں فداکاری کرو گے، اب اس پر حملہ کر دیا ہے تا کہ اسے قتل کرو؟ تم نے اس کا راستہ روکا ہے اور اس کا گھراؤ کر لیا ہے۔ اسے اللہ کی وسیع و عریض زمین پر جانے سے روکا ہے اور تم نے اس کو اور اس کے خاندان کو امان نہیں دی۔ وہ تمہارے ہاتھوں اسیر ہو گیا ہے، اب وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ تم نے اس پر، عورتوں، بچوں اور اصحاب سمیت آب فرات بند کر دیا ہے؛ وہ پانی کہ جس کو یہود و نصاریٰ اور مجوسی پی رہے ہیں، سرزمین عراق کے کتے اور خنزیر اس میں غوطے مار رہے ہیں اور امام حسین علیہ السلام پیاس سے نڈھال ہیں۔ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد ان کے نواسے کے ساتھ بُرا سلوک کیا ہے۔ اگر تم نے توبہ نہ کی اور اس کام سے دستبردار نہ ہوئے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں تشنگی کے دن (روز قیامت) سیراب نہ کرے۔

جب حُر کی بات یہاں تک پہنچی تو لشکر کوفہ نے اس پر حملہ کر دیا اور اس کی طرف تیر پھینکے؛ حُر، امام حسین علیہ السلام کی خدمت واپس پلٹ گئے۔[2]

۱۔ سبط بن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص۱۶۲۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۲۸؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۰، ۱۰۱؛ ابن اثیر الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۶۳، ۵۶۴۔

کوفی سپاہی "یزید بن زیاد" کی لشکر حسینی میں شمولیت

یزید بن زیاد وہ شخص تھا جو کوفہ سے عمر بن سعد کے ہمراہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے آیا تھا؛ لیکن جب عمر بن سعد کے لشکر نے امام علیہ السلام کی تجاویز اور شرائط کو قبول نہیں کیا(اور آپ علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا) تو وہ، امام علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہو گیا۔[1]

ملاقاتِ الٰہی کا انتخاب

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حسین علیہ السلام پر اپنی نصرت نازل کی اور جب اللہ تعالیٰ کی مدد زمین و آسمان کے درمیان تھی اور آپ علیہ السلام کو دشمن پر کامیابی حاصل کرنے اور دیدار خدا کے درمیان اختیار تھا، انہوں نے دیدارِ خدا کو انتخاب کیا۔[2]

شیخ صدوق نے روایت نقل کی ہے کہ جب عمارہ نے امام صادق علیہ السلام سے اصحابِ امام حسین علیہ السلام کی شہادت طلبی کے بارے میں سوال کیا تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا: ان کی آنکھوں سے پردہ ہٹ گیا تھا اور انہوں نے جنت میں اپنا مقام دیکھ لیا تھا۔[3]

شیخ کلینی نے جو روایت امام صادق علیہ السلام سے نقل کی ہے اس میں انقل ہوا ہے کہ روزِ عاشورا امام حسین علیہ السلام کا نعرہ "یا محمد" تھا۔[4]

جنگ کا آغاز

حمید بن مسلم کہتا ہے: عمر بن سعد، فوج کوفہ کے آگے آگے تھا۔ فوج نے امام حسین علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اصحاب پر حملہ کیا اور اس نے اپنے غلام "دُرَید" سے کہا کہ پرچم کو آگے لے جا۔ وہ پرچم آگے لے

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۵۔

۲۔ کلینی، الاصول من الکافی، ج۱، ص۳۸۷ (باب: ولادت حسین بن علی علیہ السلام، حدیث ۷)؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۵۸، ۱۵۹۔

۳۔ شیخ صدوق، علل الشرائع، ج۱، ص۲۶۸، باب ۱۶۳۔

۴۔ کلینی، الفروع من الکافی، ج۵، ص۴۷۔

گیا۔ پھر عمر بن سعد نے کمان میں ایک تیر رکھا اور امام حسین علیہ السلام کی طرف رہا کر کے کہا: اِشْهَدُوا اَنَا اَوَّلُ مَنْ رَمٰی؛ "امیر ابن زیاد کے پاس گواہی دینا کہ سب سے پہلے، میں نے تیر چلایا"[1] پھر لشکر والوں نے تیر چلائے، یوں جنگ کا آغاز ہو گیا۔[2] امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا: یہ تیر دشمن کی طرف سے تمہارے لیے پیغام ہیں؛ پس اٹھو اور موت کی تیار کرو، جس سے کوئی راہِ فرار نہیں ہے۔ پھر امام علیہ السلام نے اپنا لشکر مرتب کیا۔ زُہیر بن قین کو میمنہ (دائیں جانب) اور حبیب بن مُظاہر کو میسرہ (بائیں جانب) پر مقرر کیا اور پرچم، حضرت عباس علیہ السلام کے حوالے کیا۔[3]

ابن شہر آشوب نے لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے اصحاب، جب میدان جنگ کی طرف جانے لگتے تو امام علیہ السلام کی خدمت میں الوداع کرنے جاتے اور یوں کہتے تھے: السلام علیك یا بن رسول الله؛ "تجھ پر درود ہو اے رسول خدا کے فرزند"۔

امام حسین علیہ السلام فرماتے: عَلَیكَ السَّلَامُ وَ نَحنُ خَلفَكَ؛ "تجھ پر سلام ہو، ہم بھی آپ کے پیچھے آرہے ہیں"۔ پھر سورہ احزاب کی آیت نمبر تئیس کی تلاوت فرماتے:

"فَمِنْهُم مَّنْ قَضٰی نَحْبَهُ وَ مِنْهُم مَّنْ یَنْتَظِرُ"[4]

"ان میں سے بعض نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا اور ان میں سے بعض انتظار کر رہے ہیں"[5]

عبد اللہ بن عُمیر کلبی کی پیش قدمی

جب عمر بن سعد جنگ کے لیے تیار ہو گیا اور خیام حسینی کی طرف تیر چلایا تو اس کی فوج نے بھی تیر اندازی شروع کر دی اور جنگ کا آغاز ہو گیا۔ اس وقت زیاد بن ابی سفیان کے آزاد کیے ہوئے غلام "یسار"،

۱۔ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵، ص۴۲۹؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۰۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۹۸۔

۲۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۱؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۰۹۔

۳۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۰۱؛ تھوڑے سے فرق کے ساتھ: ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۰۹۔

۴۔ احزب، آیت ۲۳۔

۵۔ ابن شہر آشوب، مناقب آلی ابی طالب، ج۴، ص۱۰۹۔

اور ابن زیاد کے آزاد کیے ہوئے غلام "سالم" نے میدان جنگ میں قدم رکھا اور رجز خوانی کی۔ حبیب بن مُظاہر اور بُریر بن خُضیر اپنی جگہ سے اٹھے۔ امام حسین علیہ السلام نے انہیں فرمایا: تم بیٹھ جاؤ۔ جناب عبد اللہ بن عُمیر کلبی اٹھے اور عرض کیا: اے ابا عبد اللہ! اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے، مجھے میدان جنگ میں جانے کی اجازت دیجئے۔ امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ ایک گندمی رنگ کا بلند قامت، موٹے بازوؤں اور مضبوط اندام والا مرد ہے؛ تو فرمایا: میرا خیال ہے کہ یہ اپنے مدمقابل کو قتل کرے گا۔ پھر اسے فرمایا: اگر ارادہ ہے تو میدان میں جاؤ۔ جناب عبد اللہ بن عُمیر میدانِ جنگ میں اترے۔ انہوں نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے اپنا تعارف کرایا۔ انہوں کہا: ہم تجھے نہیں جانتے، زُہیر بن قین، حبیب بن مُظاہر، بُریر بن خُضیر میں سے کوئی میدان میں آئے۔ یسار (سالم سے پہلے) تیار کھڑا تھا۔ عبد اللہ بن عُمیر نے اسے کہا: اے بدکار عورت کے بیٹے! ان لوگوں میں سے (مجھ جیسے) کسی کے ساتھ جنگ کرنے پر تم خوش نہیں ہو (کہ میں بھی انہیں کے ساتھ ہوں)؟ حالانکہ ان میں سے کوئی بھی تیرے ساتھ جنگ کرنے نہیں آئے گا، جب تک کوئی تجھ سے بہتر مدمقابل نہ ہو۔ پھر عبد اللہ نے اس پر حملہ کیا اور اس پر تلوار کا وار کر کے اسے نیچے گرا دیا۔ اپنی تلوار کے ساتھ اس کو ضربیں مار رہا تھا کہ اچانک سالم نے عبد اللہ پر حملہ کر دیا۔ امام حسین علیہ السلام کے اصحاب نے عبد اللہ بن عُمیر کو آواز دی کہ یہ غلام تیری طرف آ رہا ہے؛ لیکن اس نے نہیں سنا، یہاں تک کہ سالم نے نزدیک آ کر اس پر وار کیا۔ عبد اللہ بن عُمیر نے اس کا وار اپنے بائیں ہاتھ سے روکا، ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں۔ پھر عبد اللہ نے اس پر حملہ کیا، ایک ہی وار سے اس کو جہنم واصل کر دیا. اس وقت عبد اللہ یہ رجز پڑھ رہا تھا:

إِنْ تُنْكِرُونِي فَأَنَا ابْنُ كَلْبِ ‏ ‏ ‏ حَسْبِي بَيْتِي فِي عُلَيْمٍ حَسْبِي

إِنِّي امْرُؤٌ ذُو مِرَّةٍ وَ عَضْبِ ‏ ‏ ‏ وَ لَسْتُ بِالْخَوَّارِ عِنْدَ النَّكْبِ

إِنِّي زَعِيمٌ لَكِ أُمَّ وَهَبِ ‏ ‏ ‏ بِالطَّعْنِ فِيهِمْ مُقْدِماً وَ الضَّرْبِ

ضَرْبُ غُلَامٍ مُؤْمِنٍ بِالرَّبِّ

"اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو میں کلب کا بیٹا اور عُلَیم قبیلہ کا چشم و چراغ ہوں، میرے فخر کے لیے یہی کافی ہے۔

میں ایک دلیر اور غیر مند مرد ہوں، میں ذلیل اور مصیبت کے وقت ڈرنے والا نہیں ہوں۔

اے ام وہب، میں تیری جگہ پر بھی نیزہ اور تلوار کے ساتھ ان سے لڑوں گا۔ اور اس کو ایک عبد مومن جیسی ضرب لگاؤں گا۔"

اس کی بیوی ام وہب لکڑی کا ایک ڈنڈا لے کر اس کی طرف گئی اور کہا: میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہو جائیں، فرزند پیغمبر کی راہ میں جنگ کر۔ عبد اللہ نے اسے مستورات کے خیمے میں بھیجنے کی کوشش کی لیکن اس نے اپنے شوہر کا لباس تھام لیا اور کہنے لگی: میں تجھ سے جدا نہیں ہوں گی، یہاں تک کہ تیرے ساتھ شہید ہو جاؤں۔ امام حسین علیہ السلام نے اسے آواز دے کر فرمایا: "اللہ تعالیٰ، اہل بیت کی جانب سے تجھے جزائے خیر دے، اللہ تعالیٰ تیرے اوپر اپنی رحمت نازل فرمائے، واپس لوٹ آ، اور خواتین کے ساتھ بیٹھ جا، کیونکہ عورتوں پر جنگ واجب نہیں"؛ جس کے بعد ام وہب واپس خواتین کے پاس لوٹ آئی۔[1]

عبد اللہ بن عُمیر اس حملے میں شہید نہیں ہوا، بلکہ تیسرے حملے میں شہید ہوا، جس کا تذکرہ ہم اپنے مقام پر کریں گے۔

پہلا اجتماعی حملہ

اسی وقت دشمن کی فوج کے میمنہ کے سردار عمر بن حجاج نے (اپنے فوجیوں کے ہمراہ) حملہ کیا۔ جب وہ، امام حسین علیہ السلام کے قریب آئے تو امام کے اصحاب گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور دشمن کا نشانہ لے کر اپنے نیزے تان لیے۔ (دشمن کے) گھوڑے نیزوں سے ڈر گئے اور ان کی طرف نہ آئے، لہٰذا وہ عقب نشینی پر

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۲۹، ۴۳۰۔ عبد اللہ بن عُمیر کلبی کی مبارزہ طلبی اور جنگ کا واقعہ مندرجہ ذیل کتب میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ ذکر ہوا ہے: بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۹۸؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۰۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۱؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۱۲؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۰۹؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۶۴؛ سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص۱۶۱؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۱۷، ۱۶۔

مجبور ہو گئے۔ جب دشمن عقب نشینی کر رہا تھا، اصحابِ امام نے ان پر تیر برسائے، کچھ جہنم واصل ہو گئے اور کچھ زخمی ہوئے۔[1]

امام حسین علیہ السلام کی بد دعا کا قبول ہونا

قبیلہ بنی تمیم کا عبد اللہ بن حَوزَہ نامی ایک شخص دشمن کی فوج سے باہر آیا اور امام حسین علیہ السلام کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور کہا: اے حسین !اے حسین !؛ امام علیہ السلام نے فرمایا: تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: تجھے آتشِ جہنم مبارک ہو۔ امام علیہ السلام نے فرمایا:

كَلَّا، اِنِّيْ اَقْدَمُ عَلٰى رَبٍّ رَحِيمٍ وَشَفِيعٍ مُطَاعٍ ؛

"ہرگز ایسا نہیں ہے، کیونکہ میں مہربان پروردگار اور ایسے شفیع کی طرف جا رہا ہوں، جس کی شفاعت اللہ نے قبول کی ہے"۔

پھر امام علیہ السلام نے پوچھا: یہ کون ہے؟ اصحاب نے کہا: یہ حَوزہ کا بیٹا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ حُزْهُ اِلَى النَّارِ۔ "اے اللہ، اسے آگ میں جلا"۔ اچانک اس کا گھوڑا کود پڑا اور اسے ایک گڑھے کی جانب لے گیا ، وہ اپنے گھوڑے پر سنبھل نہ سکا، اس کا ایک پاؤں رکاب میں پھنس گیا اور یہ سر کے بل لٹکنے لگا۔ گھوڑے نے دوڑنا اور اسے گھسیٹنا شروع کر دیا، اس کا سر پتھروں اور درختوں کے تنوں کے ساتھ ٹکرا رہا تھا، اور پھر جہنم واصل ہو گیا۔[2] شیخ مفید لکھتے ہیں: اس کا بایاں پاؤں رکاب میں اٹک گیا، جبکہ دایاں پاؤں آزاد تھا۔ مُسلم بن عوسجہ نے اس پر حملہ کیا اور اس کا دایاں پاؤں کاٹ دیا۔ گھوڑا اسے گھسیٹ کر لے گیا۔ اس کا سر پتھروں اور مٹی کے ساتھ ٹکراتا رہا، یہاں تک کہ وہ جہنم واصل ہو گیا۔[3]

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۵۶۴؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۹۸؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۲؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۶۴۔ کچھ مؤرخین نے پہلے حملے میں شہید ہونے والوں کی تعداد پچاس سے زیادہ لکھی ہے (ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۰۱؛ اربلی، کشف الغمہ، ج۲، ص۲۶۱؛ کمال الدین، مطالب السؤول، ص۷۸،۷۹)۔

۲ ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۰؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۳۹۹۔

۳ ۔ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۲۔

واقعہ کربلا کے ایک عینی شاہد مسروق بن اوائل نے اس واقعے کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، وہ آخر میں کہتا ہے: میں نے یہ واقعہ دیکھتے ہی عمر سعد کا لشکر چھوڑ دیا اور واپس پلٹ گیا۔ مَسروق کا بھائی عبد الجبار کہتا ہے: میں نے اس (اپنے بھائی) سے عقب نشینی کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: میں نے اس خاندان میں ایک ایسی چیز دیکھی ہے، جس کی وجہ سے ان کے ساتھ ہرگز جنگ نہیں کروں گا۔[1]

بُریر بن خُضیر کا مباہلہ، جنگ اور شہادت

حضرت بُریر بن خُضیر ہمدانی جو کہ اس دور کے مشہور قاری قرآن تھے، میدانِ جنگ میں اترے اور ان الفاظ میں رجزخوانی کی:

أَنَا بُرَيْرٌ وَ أَبِيْ خُضَيْرٌ　　لَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَيْسَ فِيْهِ خَيْرٌ

میں بُریر ہوں اور میرا باپ خُضیر ہے؛ جس میں کوئی اچھائی نہیں ہے، سو نہیں ہے۔

بُریر نے تیس دشمنوں کو قتل کیا اور پھر خود شہید ہو گئے۔[2]

ماجرا کے عینی شاہد عَفِیف بن زُہیر نے بُریر بن خُضیر کی جنگ اور شہادت کے بارے میں یوں نقل کیا ہے: قبیلہ بنی عُمَیر بن ربیعہ کا ایک فرد بنامِ یزید بن مَعقِل، جو قبیلہ عبد القیس کا ہم پیمان تھا، ابن سعد کے لشکر سے نکلا اور بُریر کو مخاطب ہو کر کہا: اے بُریر بن خُضیر! تو نے دیکھا کہ اللہ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟! بُریر نے کہا: اللہ کی قسم؛ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ نیکی کی ہے اور تجھے شر میں مبتلا کیا ہے۔ ابنِ مَعقِل نے کہا: تم نے جھوٹ بولا ہے، اس سے پہلے تو تم جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ کیا تجھے یاد ہے کہ ہم محلہ بنی لُوذان میں اکٹھے گھومتے تھے اور تم نے کہا کہ عثمان نے اپنے اوپر ظلم اور اسراف کیا ہے اور معاویہ بن سفیان خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے اور علی بن ابی طالب امامِ برحق ہے؟

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۳۱۔

۲۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۰، ص ۲۲۴۔ اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بُریر بن خُضیر جنگ اور کچھ لوگوں کو قتل کرنے کے بعد شہید ہوئے نہ جنگ ابتدائی مراحل میں جو کہ ایک ایک کے مقابلے میں تھی؛ لہذا آپ عاشوراء کو سب سے پہلے شہداء میں شمار نہیں ہوتے۔

بُریر نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میری بات اور عقیدہ یہی ہے۔ ابن مَعقِل نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تو گمراہ ہے۔ بُریر نے کہا: آؤ، ہم مباہلہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ جھوٹے پر اس کی لعنت ہو اور جو حق پر ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے، تاکہ مد مقابل کو قتل کرے۔ پھر وہ دونوں میدان جنگ میں گئے اور ایک دوسرے سے جنگ کی، یزید بن معقل نے بُریر کو ایک ہلکی سی ضرب لگائی۔ پھر حضرت بُریر نے اس پر وار کیا۔ بُریر کی تلوار، اس کی خُود کو چیرتی ہوئی دماغ تک پہنچ گئی اور وہ زمین پر گر گیا، جیسے اس کو بلندی سے نیچے پھینکا گیا ہو، جبکہ بُریر کی تلوار اُسی طرح اس کے سَر میں موجود تھی۔ میں نے دیکھا کہ جناب بُریر شمشیر کو حرکت دے رہا تھا، گویا وہ اپنی تلوار کو اس کے سَر سے نکالنا چاہتا تھا۔ اس وقت، رضی بن مُنقذ عبدی (قبیلہ عبد القیس کے ایک فرد) نے بُریر پر حملہ کیا اور کچھ دیر تک وہ آپس میں نبرد آزما ہوتے رہے، یہاں تک کہ بُریر نے اسے زمین پر گرایا اور اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ رَضی بن مُنقذ نے اپنے ساتھیوں سے مدد مانگی۔ کعب بن جابر بن عمرو اَزدی اس کی مدد کے لیے دوڑا۔ عفیف کہتا ہے: میں نے کعب سے کہا: یہ بُریر ہے، قاری قرآن ہے، مسجد میں ہمیں قرآن پڑھاتا تھا۔ کعب نے [پرواہ نہ کی]، نیزہ لے کر بُریر پر حملہ آور ہوا، بُریر کی پشت میں نیزہ مارا۔ جونہی بُریر کو نیزے کا درد ہوا تو اس نے دشمن کی ناک کاٹ لی۔ کعب نے حضرت بُریر کو گرایا اور تلوار کے وار سے انہیں نڈھال کر دیا۔ عفیف کہتا ہے: گویا میں اس ازدی شخص (یعنی بُریر) کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ زمین سے بلند ہوا جبکہ خاک اس کے لباس سے ٹپک رہی تھی، اس نے کہا: اے برادرِ ازدی، تو نے میرے ساتھ مہربانی کی ہے جسے میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ راوی کہتا ہے: میں نے عفیف سے پوچھا: کیا تو نے خود دیکھا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اپنے کانوں سے سنا ہے۔

جب کعب بن جابر کوفہ پلٹا تو اس کی بیوی (یا بہن) نے اسے کہا: تو نے فرزند فاطمہ علیہا السلام کے ساتھ جنگ کی ہے، اور قاریانِ قرآن کے سردار کو شہید کیا ہے؛ بے شک تو بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔ اللہ کی قسم؛ اب میں تیرے ساتھ ایک لفظ بھی نہیں بولوں گی۔[1]

ا۔ طبری، تاریخ الامم الملوک، ج۵، ص ۴۳۱ تا ۴۳۳؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۳۹۹؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۵۶۵۔

عَمرو بن قَرَظہ بن کعب انصاری کی شہادت

طبری نے کہا ہے: جناب عمرو بن قَرَظہ میدان میں اترے اور ان الفاظ میں رجز خوانی کی:

قَدْ عَلِمَتْ كَتِيْبَةُ الْاَنْصَارِ   اِنِّيْ سَاَحْمِيْ حَوْزَةَ الذِّمَارِ

ضَرْبَ غُلَامٍ غَيْرِ نَكْسٍ شَارِي   دُوْنَ حُسَيْنٍ مُهْجَتِيْ وَ دَارِي

انصاری جنگجو جانتے ہیں کہ میں اپنے پیمان کا دفاع کرتا ہوں۔ سستی نہ دیکھانے والے بہادر کی طرح ضرب لگاؤں گا، جو اپنی جان و مال، حسین علیہ السلام کی راہ میں قربان کرنے والا ہے۔

سید بن طاؤوس نے کتاب الملھوف (یا لہوف) میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرو بن قَرَظہ نے امام حسین علیہ السلام سے اجازت مانگی تو امام علیہ السلام نے انہیں اجازت دے دی۔ عمرو میدان میں گیا، پاداشِ الٰہی کے مشتاق کی مانند جنگ کی اور بہت سے ناریوں کو جہنم واصل کیا۔ اس نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ امام علیہ السلام کی طرف جو تیر بھی آتا وہ اپنے آپ کو اس کے آگے ڈھال بنا کر، امام تک جانے سے روک لیتا تھا؛ اسے اتنے زیادہ زخم آئے کہ اپنے خون میں لت پت ہو گیا۔ امام علیہ السلام کی جانب رُخ کر کے عرض کیا: کیا میں نے اپنا وعدہ وفا کر دیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، تو مجھ سے پہلے جنت میں جائے گا؛ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کو میرا سلام پہنچانا اور انہیں بتانا کہ میں بھی آپ کے پیچھے آرہا ہوں۔[1]

جب جناب عمرو بن قَرَظہ نے امام حسین علیہ السلام کی رکاب میں جام شہادت نوش کر لیا تو ان کا بھائی علی بن قَرَظہ جو ابن سعد کے لشکر میں تھا، لشکر سے باہر آکر پکارا: اے حسین! اے جھوٹے! جھوٹے کے بیٹے! تو نے میرے بھائی کو گمراہ کیا ہے، تو نے اسے فریب دے کر قتل کروایا ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرے بھائی کو گمراہ نہیں کیا، بلکہ اس کی ہدایت کی ہے اور تجھے گمراہ کیا ہے۔ اس نے کہا: اگر میں تجھے قتل نہ کروں یا جنگ میں تیرے ہاتھوں قتل نہ ہو جاؤں، تو اللہ مجھے قتل کرے۔ پھر اس نے امام

۱۔ سید بن طاؤوس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۶۲۔

حسین علیہ السلام پر حملہ کیا؛ لیکن نافع بن ہلال مرادی نے اس پر نیزے کا وار کیا، جس سے وہ زمین پر گر گیا۔ تاہم اس کے ساتھیوں نے اسے نجات دلائی۔[۱]

حُر بن یزید ریاحی کی جنگ

جب حضرت حُر بن یزید، امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جا ملے، تو خاندانِ بنی شَقرہ کے قبیلہ بنی تمیم کے یزید بن سفیان نامی ایک مرد نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں حُر بن یزید کو (ابن سعد کے لشکر سے) نکلتے اور حسین کے لشکر میں شامل ہوتے دیکھ لیتا تو اس پر نیزے کا وار کرتا۔ راوی کہتا ہے: جب جنگجو جنگ کرنے میں مصروف تھے تو جناب حُر بن یزید، ابن سعد کے لشکر پر حملہ کر رہے تھے اور "عنترہ" کا یہ شعر پڑھ رہے تھے:

مَا زِلْتُ اَرْمِيهِمْ بِثُغْرَةِ نَحْرِهِ   وَ لَبَانِهِ حَتّٰى تَسَرْبَلَ بِالدَّمِ

میں نے ہمیشہ اس کی گردن اور سینے پر وار کیا ہے، یہاں تک کہ اس نے اپنے خون کا لباس کا لبادہ لیا۔

شدتِ جنگ کی وجہ سے حضرت حُر کے گھوڑے کے کانوں اور آبروؤں پر بہت زیادہ زخم آ چکے تھے اور زخموں سے خون جاری تھا۔

حصین بن تمیم جو کہ ابن زیاد کی فوج کا کمانڈر تھا اور ابن زیاد نے اسے ابن سعد کے ہمراہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھیجا تھا اور ابن سعد نے اسے زرہ پوش سواروں کا کمانڈر بنایا تھا، اس نے یزید بن سفیان سے کہا: یہ وہی حُر ہے جس کے ساتھ تُو جنگ کرنا چاہتا تھا۔ یزید نے کہا: ہاں، پھر وہ حضرت حُر کے مقابلے میں گیا اور کہا: اے حُر بن یزید! کیا تُو میرے ساتھ جنگ کرے گا؟ حُر نے کہا: ہاں، پھر انہوں نے ایک دوسرے سے جنگ کی۔ راوی کہتا ہے: میں نے سنا کہ حصین بن تمیم کہہ رہا تھا: اللہ کی قسم؛ جب یزید، حُر کے ساتھ جنگ کرنے گیا، ایسا لگتا تھا کہ اس کی جان حُر کے ہاتھوں میں ہے۔ حُر نے اسے بہت تھوڑی سی دیر میں جہنم واصل کر دیا۔[۲]

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۴۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۴؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۲۔

حضرت حُر نے یزید بن سفیان کے علاوہ، قبیلہ بنی زُبید کے مزاحم بن حُریث نامی ایک شخص کو بھی جہنم واصل کیا۔[1]

نافع بن ہلال جملی کی جنگ

یحییٰ بن ہانی بن عُروہ کہتا ہے: حضرت نافع بن ہلال اُس دن یہ اشعار پڑھتے ہوئے جنگ کر رہے تھے:

اَنَا الْجَمَلِیْ اَنَا عَلٰی دِیْنِ عَلِیّ

میں جملی ہوں۔ میں علی علیہ السلام کے دین پر ہوں۔

راوی کہتا ہے: مزاحم بن حُریث نامی ایک شخص اس کے ساتھ میدان جنگ میں گیا اور کہا: "اَنَا عَلٰی دِیْنِ عُثْمَانَ" **"میں عثمان کے دین پر ہوں"**؛ نافع نے اسے کہا: تم شیطان کے دین پر ہو۔ پھر اس پر حملہ کر کے اسے جہنم واصل کر دیا۔[2]

لشکرِ ابن سعد کا دوسرا اجتماعی حملہ

[لشکرِ ابن سعد کے میمنہ کے سردار] عمرو بن حجاج نے کوفیوں کو آواز دی: اے بے وقوفو! کیا تمہیں معلوم ہے تم کن لوگوں کے ساتھ جنگ کر رہے ہو؟ یہ اس دیار (عرب) کے جنگجو ہیں، انہوں نے اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھا ہوا ہے اور موت کا استقبال کر رہے ہیں۔ تم میں سے کوئی بھی اکیلا کسی کے مقابلے میں نہ جائے۔ ان کی تعداد کم ہے اور وہ تھوڑی دیر زندہ رہیں گے۔ اللہ کی قسم؛ اگر تم ان کی طرف صرف پتھر بھی پھینکو تو وہ قتل ہو جائیں گے۔ عمر سعد نے کہا: تُو نے سچ کہا ہے، پھر اپنی فوج کو حکم دیا کہ کوئی شخص اکیلا میدان جنگ میں نہ جائے۔[3]

۱۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۰۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۵؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۳۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۵؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۳؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۰۔

راوی کہتا ہے: جب عمرو بن حجاج، امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کے قریب ہوا تو میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا: اے کوفیو! اپنی اطاعت پر باقی رہو اور جماعت سے خارج نہ ہوں۔ اور اس شخص کے قتل میں شک نہ کرو جو دین سے خارج ہو گیا ہے اور اس نے خلیفہ کی مخالفت کی ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے اسے فرمایا: اے عمرو بن حجاج! تم لوگوں کو میرے خلاف بھڑکا رہے ہو؛ کیا ہم دین سے خارج ہو گئے ہیں اور تُو ثابت قدم ہے؟ اللہ کی قسم؛ جب تیری روح نکلے گی اور تُو اپنے ان اعمال کے ساتھ مر جائے گا تو پھر تجھے پتہ چلے گا کہ کون دین سے خارج ہوا اور کون ہمیشہ کے لیے آتشِ جہنم میں جلنے کا مستحق ہے؟[۱]

مُسلم بن عوسجہ کی شہادت

عمرو بن حجاج نے فرات کی جانب سے اصحابِ حسینی علیہ السلام پر حملہ کیا۔ دونوں لشکر کچھ دیر تک آپس میں نبرد آزما رہے۔ اسی اجتماعی حملے میں حضرت مُسلم بن عوسجہ اسدی شہید ہوئے۔ طبری اور بلاذری نے نقل کیا ہے: "پھر جناب مسلم بن عوسجہ اسدی زمین پر گرے اور جام شہادت نوش کیا اور آپ، امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں سب سے پہلے شہید تھے۔"[۲]

ابن کثیر کہتا ہے: "اس حملے میں مُسلم بن عوسجہ شہید ہوئے۔ وہ اصحابِ امام حسین علیہ السلام میں سب سے پہلے شہید تھے۔"[۳]

جب عمرو بن حجّاج اور اس کے فوجیوں نے عقب نشینی کی اور غبار چھٹی تو انہوں نے دیکھا کہ جناب مُسلم بن عوسجہ زمین پر گرے ہوئے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام اُن کے سرہانے تشریف لائے جبکہ مُسلم میں ابھی تک رمق باقی تھی۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: "اے مُسلم بن عوسجہ، اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت نازل کرے"؛ اور پھر اس آیت کی تلاوت کی:

﴿فَمِنْهُمْ مَنْ قَضى نَحْبَهُ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَ ما بَدَّلُوا تَبْديلا﴾[۱]

۱۔ تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۵۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۵؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۰۔

۳۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص۱۹۷۔

ان میں سے بعض نے اپنی ذمے داری کو پورا کیا اور ان میں سے بعض انتظار کر رہے ہیں اور وہ ذرا بھی نہیں بدلے۔[1]

حضرت حبیب بن مُظاہر نے قریب آکر کہا: اے مُسلم بن عوسجہ! تیرا زمین پر گرنا میرے لیے ناگوار ہے؛ تجھے بہشت مبارک ہو۔ مُسلم نے آہستہ سے کہا: اللہ تعالیٰ تجھے بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔ حضرت حبیب نے کہا: اگر میں نہ جانتا ہوتا کہ تھوڑی دیر بعد میں بھی تجھ سے آملوں گا تو میری تمنا ہوتی کہ تُو مجھے وصیت کرے اور میں رشتہ داری اور دینی تقاضوں کے مطابق اسے پورا کروں۔ مُسلم نے امام حسین علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے کہا: اللہ تعالیٰ تیری مغفرت فرمائے، میں تجھے سفارش کرتا ہوں کہ اس شخص کی راہ میں شہید ہو جانا۔ حبیب نے کہا: خدائے کعبہ کی قسم؛ ایسا ہی کروں گا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت مُسلم نے اپنے دوستوں کے ہاتھوں میں جان دے دی۔ اس کی کنیز نے نالہ و فریاد کرنا شروع کر دیا۔ عمرو بن حجّاج کے ساتھیوں نے آواز دی: ہم نے مُسلم بن عوسجہ اسدی کو قتل کر دیا ہے! شَبَث بن رِبعی نے جونہی یہ سنا، اپنے ساتھیوں سے کہا: تمہاری ماں تمہارے غم میں بیٹھے، تم اپنے آپ کو قتل کر کے دوسروں کے سامنے ذلیل و رُسوا ہوتے ہو، مُسلم بن عوسجہ کے قتل پر خوش ہو رہے ہو؟ اللہ کی قسم؛ میں نے اس کے کئی عظیم کام دیکھے ہیں۔ میں نے "سَلَق[2] آذربائیجان" کی جنگ میں اسے دیکھا تھا۔ دوسرے مسلمانوں کے جنگ کے لیے تیار ہونے سے پہلے، اس نے حملہ کیا اور مشرکین کے چھ افراد کو قتل کیا۔ اس جیسے شخص کے قتل پر تم خوش ہوتے ہو؟![3]

۱۔ احزاب، (۳۳) ۲۳۔

۲۔ ''سَلَق'' عراق کے شمالی شہر ''موصل'' اور ''آذربائیجان'' کی حدود پر واقع ایک پہاڑ کا نام ہے۔ (فرہاد میرزا معتمد الدولہ، قمقام زخّار و صمصام بتّار، ص ۴۹۴۔)

۳۔ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵، ص ۴۳۵، ۴۳۶؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۰۰، ۴۰۱؛ تھوڑے سے فرق کے ساتھ: شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۰۳، ۱۰۴۔

راوی کہتا ہے: حضرت مُسلم بن عوسجہ نے مُسلم بن عبد اللہ ضُبابی اور عبد الرحمن بن ابی خُشکارہ بَجَلی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔[۱]

تیسرا اجتماعی حملہ، عبد اللہ بن عُمیر کلبی اور اس کی بیوی کی شہادت

شمر بن ذی الجوشن نے فوجیوں کے ایک دستے کے ہمراہ اصحابِ امام حسین علیہ السلام پر حملہ کیا۔ اصحاب نے مقابلہ کیا اور ان پر نیزوں کے وار کیے۔ تاہم انہوں نے ہر طرف سے اصحاب امام علیہ السلام پر یلغار کی۔ اس حملے میں، عبد اللہ بن عُمیر کلبی شہید ہوئے، یہ وہ بزرگ تھے جنہوں نے ابتدائی جنگ میں ایک ایک کے مقابلے میں جنگ کی تھی۔[۲] [اسی ابتدائی جنگ میں] انہوں نے یسار اور سالم کو قتل کیا تھا اور اس [اجتماعی] حملے میں دو اور افراد کو بھی قتل کیا۔ جنگ شدت اختیار کر گئی، ہانی بن ثُبیت حضرمی اور بُکیر بن حیّ تَیمی نے ان پر حملہ کر کے شہید کیا۔ عبد اللہ، امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں سے دوسرے شہید ہیں۔[۳]

حضرت عبد اللہ بن عُمیر کی شہادت کے بعد ان کی بیوی [ام وہب] خیمے سے باہر آئی اور اپنے شوہر کے لاشے کے پاس بیٹھ گئی؛ جناب عبد اللہ کے سر اور چہرے سے خاک ہٹا رہی تھی اور کہہ رہی تھی: تجھے بہشت مبارک ہو۔ شمر بن ذی الجوشن نے "رُستم" نامی ایک جوان سے کہا: جا اور اس کے سر پر لکڑی سے حملہ کر۔ اس نے ایسا ہی کیا، اس عورت کا سر پھٹ گیا اور اس کی روح پرواز گئی۔[۴]

اصحابِ امام حسین علیہ السلام کی ثابت قدمی

امام حسین علیہ السلام کے اصحاب پوری جرأت اور قوت کے ساتھ جنگ کر رہے تھے۔ ان میں سے بتیس سوار تھے، وہ ہر طرف سے ابن سعد کے لشکر پر حملہ کرتے تھے، انہیں منتشر کرتے اور پیچھے دھکیل دیتے تھے۔ انہوں نے کوفی سواروں کو جب ہر طرف سے پیچھے دھکیل دیا تو ان کے سردار عَزرہ بن قیس نے عبد

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۶؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۰۔
۲۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۱؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۶۔
۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۶۔
۴۔ سابقہ حوالہ، ص۴۳۸؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۱۔

الرحمن بن حصین کو عمر بن سعد کے پاس بھیجا اور پیغام دیا: کیا تو نے دیکھا کہ آج میرے سوار اس تھوڑے سے گروہ کے ہاتھوں کتنی سختی جھیل رہے ہیں؟ پیادوں اور تیر اندازوں کو بھیج۔ ابن سعد نے شبث بن رِبعی سے کہا: ان کی مدد کو نہیں جاؤ گے؟ شبث نے کہا: سبحان اللہ، تم قبیلہ مُضَر اور اس دیار (عرب) کے سردار کو حکم دیتے ہو کہ تیر اندازوں کے ساتھ جائے؟ اس کام کے لیے تجھے میرے علاوہ کوئی اور نہیں ملا؟

راوی کہتا ہے: شبث بن رِبعی ہمیشہ جنگ سے ناخوش دیکھائی دیتا تھا۔ وہ نقل کرتا ہے کہ مُصعب بن زُبیر کی کوفہ پر حکمرانی کے زمانے میں وہ ہمیشہ کہتا تھا: اللہ اس علاقے کے لوگوں کو کبھی خیر و خوبی نہ دے اور انہیں صراط مستقیم کی ہدایت نہ کرے؛ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ ہم علی بن ابی طالب اور ان کے فرزند کے ہمراہ پانچ سال تک آلِ ابی سفیان کے خلاف جنگ کرتے رہے اور اب ان کے بیٹے حسین پر حملہ کیا ہے، جو روئے زمین پر سب سے بہترین انسان ہیں، اور آلِ معاویہ اور زانیہ عورت "سمیہ" کے بیٹے کی مدد کی ہے؟ یہ گمراہی ہے اور کتنی خطرناک گمراہی ہے!۔

شبث بن رِبعی کے انکار کے بعد عمر بن سعد نے حصین بن تمیم کو بلایا اور اس کے ساتھ زرہ پوشوں کا ایک گروہ اور پانچ سو تیر انداز بھیجے۔ انہوں نے امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کے قریب جاکر ان پر تیر برسائے، ان کے سارے گھوڑے پاؤں کٹ جانے کی وجہ سے گر گئے اور اب سب اصحاب امام علیہ السلام پیدل جنگ لڑنے لگے۔

ابن سعد کے ایک سپاہی ایوب بن مِشرح خَیوانی نے کہا: اللہ کی قسم، میں نے حُر بن یزید کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیے، گھوڑے کے شکم میں تیر مارا، تھوڑی دیر بعد گھوڑا چلنے سے عاجز ہو گیا۔ حُر نے فوراً گھوڑے سے چھلانگ لگائی اور ہاتھ میں تلوار لیے شیر کی طرح یوں رَجز خوانی کرنے لگے:

اِنۡ تَعۡقِرُوۡا بِیۡ فَاَنَا ابۡنُ الۡحُرِّ   اَشۡجَعُ مِنۡ ذِیۡ لَبِدٍ هِزَبۡرٍ

اگر تم نے میرے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیے ہیں (تو کوئی پرواہ نہیں)، میں آزاد شخص کا بیٹا ہوں؛ شیر سے زیادہ شجاع ہوں۔

راوی کہتا ہے: میں نے کبھی کسی کو اس کی طرح خوش و خرم نہیں دیکھا تھا۔

بعد میں قبیلہ خَیوان کے کچھ بزرگوں نے ایوب بن مِشرح سے کہا: تم نے حُر کو قتل کیا ہے ؟ کہا: نہیں؛ اللہ کی قسم، میں نے قتل نہیں کیا، بلکہ دوسرے لوگوں نے اسے قتل کیا ہے، میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کا قاتل بنوں۔ ابوالوَدّاک نے کہا: تُو کیوں اسے قتل نہیں کرنا چاہتا تھا؟ اس نے کہا: کیونکہ لوگ اسے نیک و صالح سمجھتے تھے۔ اللہ کی قسم، اگر ہمارا یہ کام (یعنی میدان کربلا میں جانا اور حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنا) گناہ تھا تو زخم لگانے اور کربلا میں حاضر ہونے کا گناہ، جو میری گردن میں ہے، اس سے بہتر ہے کہ میں خدا سے ملاقات کروں اور ان میں سے کسی شخص کا قتل میری گردن میں ہو۔ ابوالوَدّاک نے کہا: تُو اللہ سے ملاقات کرے گا جبکہ ان سب کے قتل کا گناہ تیری گردن میں ہوگا۔ تم نے اس دن کلہاڑے کے ساتھ گھوڑے کے پاؤں کاٹے ہیں، تیر چلائے ہیں، اس جنگ میں شرکت کی ہے، ان لوگوں پر حملہ کیا ہے، اپنے ساتھیوں کو مزید بھڑکایا اور ان کو جرأت دلائی، لشکر کی سیاہی میں اضافہ کیا ہے، اسی طرح جب تجھ پر حملہ ہوا تو تم نے فرار نہیں کیا اور تیرے دوسرے ساتھیوں نے بھی یہی کام کیے ہیں؛ بالآخر حُر اور اس کے ساتھی شہید ہوگئے۔ تم سب ان کے خون میں شریک ہو۔ ایوب نے کہا: اے ابوالوداک، تم ہمیں اللہ کی رحمت سے مایوس کر رہے ہو۔ اگر قیامت کے دن ہمارا حساب و کتاب تیرے ہاتھ میں دے دیں اور تُو ہمیں بخش دے تو اللہ تعالیٰ تجھے معاف نہ کرے۔[1]

خیامِ حسینی پر حملہ

عمر بن سعد کی فوج نصف روز تک اصحابِ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شدت سے جنگ لڑتی رہی؛ اتنی شدید جنگ جو اب تک نہیں دیکھی گئی تھی۔ اور چونکہ خیام حسینی آپس میں جُڑے ہوئے تھے اس لیے فوج اشقیاء صرف ایک طرف سے حملہ کر سکتی تھی؛ لہٰذا وہ کوئی خاص پیش قدمی نہیں کر سکی۔

عمر بن سعد نے جب یہ حالت دیکھی تو خیام (حسینی) کو دائیں اور بائیں طرف سے اکھیڑنے کے لیے ایک دستہ بھیجا تاکہ امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کا محاصرہ کر سکیں۔ اصحابِ امام تین اور چار افراد پر

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۳۔

مشتمل گروہ کی صورت میں خیام کے اندر کمین لگائے بیٹھ جاتے تھے، جو بھی خیام کو اکھیڑنے اور لوٹنے کی غرض سے آتا، اس پر حملہ کرتے، نزدیک سے تیر برساتے اور اسے بچھاڑ دیتے تھے۔ جب عمر بن سعد نے دیکھا کہ پیش قدمی نہیں ہو رہی تو حکم دیا کہ کوئی خیام میں داخل نہ ہو اور ان کو نہ اکھیڑے، بلکہ خیام کو آگ لگا دی جائے۔ انہوں نے خیام کو آگ لگا دی۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ان کو آگ لگانے دو، کیونکہ اس صورت میں وہ آگ سے نہیں گزر سکیں گے اور تمہاری طرف نہیں آسکیں گے اور یہی ہوا۔ پھر بھی وہ صرف ایک طرف سے جنگ کر سکتے تھے۔[1]

شمر بن ذی الجوشن نے امام حسین علیہ السلام کے خیمے پر حملہ کیا، خیمے میں نیزہ مارا اور بلند آواز سے کہا: آگ لے آؤ، تا کہ ہم اس خیمے کو بندوں سمیت جلا دیں۔ یہ سن کر عورتیں فریاد کرتی ہوئی خیام سے باہر آگئیں۔ امام حسین علیہ السلام نے شمر کو صدا دی: اے ابن ذی الجوشن! تُو آگ منگوا رہا ہے تا کہ مجھے میرے خاندان سمیت جلا دے؟ اللہ تعالیٰ تجھے آتشِ جہنم میں جلائے۔

حُمید بن مُسلم کہتا ہے: میں نے شمر سے کہا: سبحان اللہ، تیرا یہ کام صحیح نہیں ہے۔ کیا تُو دو بڑے گناہ کرنا چاہتا ہے؟ ایک آگ کا عذاب اور دوسرا بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے کا گناہ؟! اللہ کی قسم، امیر (یزید) کو راضی کرنے کے لیے مردوں کو قتل کرنا کافی ہے۔ شمر نے کہا: تو کون ہے؟ میں نے کہا: میں تجھے نہیں بتاؤں گا کہ میں کون ہوں۔ حُمید کہتا ہے: اللہ کی قسم، میں ڈر گیا کہ اگر اس نے مجھے پہچان لیا تو حکومت کو میری شکایت لگا دے گا اور وہ مجھے نقصان پہنچائیں گے۔ اس کے بعد شبث بن رِبعی آیا اور شمر سے کہا: میں نے تیری گفتگو سے زیادہ تُند گفتگو اور تجھ سے زیادہ بد کردار کسی کو نہیں دیکھا۔ کیا نوبت یہاں تک آن پہنچی ہے کہ تو عورتوں اور بچوں کو ڈرائے؟

راوی کہتا ہے: میں نے دیکھا کہ شمر، شرمندہ ہوا اور واپس پلٹنا چاہا کہ زُہیر بن قین نے دس افراد کے ہمراہ اس پر اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا اور ان کو خیام سے دور بھگا دیا[2]، اور شمر کا ایک ساتھی ابو عزّہ

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۸۔

۲۔ سابقہ حوالہ؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۲؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۵۔

ضُبابی جہنم واصل ہو گیا۔[1] شمر واپس پلٹا، ان پر حملہ کیا اور کچھ افراد کو شہید کیا اور باقی اپنی جگہ واپس پلٹ گئے۔[2]

ابو ثمامہ اور نماز کی یاد دہانی

کوفیوں کی کثیر تعداد نے اصحابِ امام حسینؑ کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اصحابِ امام کی تعداد اتنی کم تھی کہ اگر ان میں سے ایک یا دو افراد شہید ہو جاتے تو معلوم ہو جاتا، لیکن عمر بن سعد کی فوج اتنی زیادہ تھی کہ جتنے افراد بھی قتل ہو جاتے پتہ نہیں چلتا تھا۔ جب ابو ثمامہ صائدی نے یہ حالت دیکھی تو امام حسینؑ سے عرض کیا: اے اباعبد اللہ! میری جان آپ پر فدا ہو؛ میں دیکھ رہا ہوں کہ دشمن آپ کے قریب ہے۔ اللہ کی قسم، میں چاہتا ہوں کہ آپ سے پہلے شہید ہو جاؤں، ان شاء اللہ، اور میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ یہ نماز ادا کر چکا ہوں جس کا وقت قریب ہے۔ امام حسینؑ نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا: تم نے نماز کی یاد دہانی کرائی ہے، اللہ تعالیٰ تجھے نمازیوں میں شمار کرے؛ ہاں، نماز کا اول وقت ہے۔ پھر فرمایا: ان سے کہو کہ رُک جائیں تا کہ ہم نماز پڑھ لیں۔ حُصین بن تمیم نے جواب دیا: تمہاری نماز قبول نہیں ہے۔ جناب حبیب بن مُظاہر نے اسے کہا: اے بے عقل! کیا تو سمجھتا ہے کہ آل محمدؑ کی نماز قبول نہیں اور تیری قبول ہے؟[3]

حبیب ابن مُظاہر کی شہادت

حصین بن تمیم نے امامؑ کی فوج پر حملہ کیا۔ حضرت حبیب اس کی طرف بڑھے اور اس کے گھوڑے کے منہ پر تلوار کا وار کیا۔ گھوڑے نے چھلانگ لگائی اور وہ لعین زمین پر گر پڑا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے اٹھالیا اور [جناب حبیب سے] نجات دلائی۔ حضرت حبیب یہ رَجز پڑھ رہے تھے:

۱۔ طبری، تاریخ الامم الملوک، ج۵، ص۴۳۹۔

۲۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۵۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۹۔

أُقسِمُ لَوْ كُنَّا لَكُمْ اَعْدَادًا　　　　اَوْ شَطْرَكُمْ وَلَّيْتُمْ اَكْتَادًا

يَا شَرَّ قَوْمٍ حَسَبًا وَ آدًا[1]

میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہماری تعداد تمہارے برابر یا نصف ہوتی تو تم سب ہمارے سامنے فرار کر جاتے؛ اے بے اصل اور بد نسب قوم۔

حبیب مسلسل کہہ رہے تھے:

أَنَا حَبِيبٌ وَ اَبِیْ مُظَاهِرُ　　　　فَارِسُ هَيْجَاءَ وَ حَرْبٍ تُسْعَرُ

أَنْتُمْ اَعَدُّ عُدَّةً وَ اَكْثَرُ　　　　وَ نَحْنُ اَوْفىٰ مِنْكُمْ وَ اَصْبَرُ

وَ نَحْنُ اَعْلىٰ حُجَّةً وَ اَظْهَرُ　　　　حَقًّا وَ اَتْقىٰ مِنْكُمْ وَ اَعْذَرُ

"میں حبیب ہوں، میرا باپ مُظاہر ہے؛ میں شعلہ ور جنگوں کا سوار ہوں۔ تمہارے جنگی آلات اور تعداد ہم سے زیادہ ہے؛ لیکن ہم وفادار ہیں۔ ہمارے پاس بہترین حجت (خدا) اور روشن حق ہے۔ ہم تم سے زیادہ پرہیز گار اور استغفار کرنے والے ہیں۔"

حبیب نے سخت جنگ کی اور ابن شہر آشوب کی روایت کے مطابق باسٹھ یزیدیوں کو واصل واصل کیا،[2] بنی تمیم کے بُدیل بن صُریم نامی ایک شخص نے حضرت حبیب پر حملہ کیا، ان کے سَر پر تلوار کا وار کر کے زمین پر گرا دیا۔ بنی تمیم کے ایک اور شخص نے نیزے کا وار کیا اور انہیں زمین بوس کر دیا۔ جناب حبیب نے زمین سے اٹھنا چاہا؛ لیکن حصین بن تمیم نے آپ کے سر پر تلوار کا وار کیا، آپ دوبارہ زمین پر گر گئے، تمیمی شخص نیچے اترا اور آپ کا سر تن سے جدا کر دیا۔

حصین بن تمیم نے اسے کہا: اسے قتل کرنے میں، مَیں تیرے ساتھ شریک ہوں۔ تمیمی شخص نے کہا: اللہ کی قسم؛ میرے علاوہ کسی نے اسے قتل نہیں کیا۔ حصین نے کہا: اس کا سر مجھے دے میں اسے اپنے گھوڑے کی گردن کے ساتھ آویزاں کروں گا تاکہ لوگ دیکھ کر یہ سمجھیں کہ میں اس کے قتل میں تیرے

۱۔ سابقہ حوالہ۔

۲۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۱۲۔

ساتھ شریک ہوں، پھر لے لینا اور ابن زیاد کے پاس لے جانا، کیونکہ وہ (ابن زیاد) جو انعام تجھے دے گا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اس نے قبول نہ کیا، لیکن قبیلہ کے دوسرے افراد نے فیصلہ کیا اور اس نے حبیب کا سر حصین کو دے دیا۔ اس نے سر کو اپنے گھوڑے کی گردن کے ساتھ لٹکایا اور لشکر کے درمیان ایک چکر لگایا اور پھر اسے تمیمی شخص کو واپس کر دیا۔[۱]

جب حضرت حبیب بن مُظاہر شہید ہوگئے تو امام حسین علیہ السلام پر جناب حبیب کی شہادت بہت گراں گزری، آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو اور اپنے اصحاب کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔[۲]

حُر بن یزید کی ریاحی کی شہادت

حضرت حبیب بن مُظاہر کی شہادت کے بعد، حضرت حُر بن یزید ریاحی میدان جنگ میں گئے اور ان الفاظ میں رجز پڑھا:

آلَیْتُ لَا اَقْتُلُ حَتّٰی اَقْتُلَا وَلَنْ أُصَابَ الْیَوْمَ اِلَّا مُقْبِلَا

اَضْرِبُهُمْ بِالسَّیْفِ ضَرْبًا مِقْصَلَا لَا نَاکِلًا عَنْهُمْ وَلَا مُهَلِّلَا

میں نے اپنے آپ سے عہد کیا ہے کہ قتل کیے بغیر شہید نہیں ہوں گا؛ اور آج حملے میں ضرب نہیں کھاؤں گا۔

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۹، ۴۴۰۔ جب ابن سعد کی فوج واپس کوفہ پلٹ گئی تو وہ تمیمی شخص حبیب بن مُظاہر کا سر اپنے گھوڑے کے سینے کے ساتھ لٹکائے ہوئے ابن زیاد کے قصر کی طرف جا رہا تھا کہ حبیب کے نابالغ بیٹے قاسم کی نگاہ اپنے باپ کے سر پر پڑی۔ قاسم نے گھوڑے سوار کے ساتھ چلنا شروع کر دیا اور اس سے جدا نہ ہوا؛ جب وہ قصر میں داخل ہوا وہ بھی ساتھ داخل ہو گیا اور جب وہ باہر آیا وہ بھی باہر آگیا۔ تمیمی کو شک پڑ گیا اور اس نے قاسم سے پوچھا: بیٹے! تو کیوں میرے پیچھے پیچھے آرہا ہے؟ قاسم نے کہا: کوئی بات نہیں۔ تمیمی نے کہا: نہیں، کچھ ضرور ہے۔ مجھے بتا دے۔ قاسم نے کہا: یہ سر میرے بابا کا ہے۔ کیا تو مجھے دے سکتا ہے کہ میں اسے دفن کروں؟ اس نے کہا: بیٹا! امیر نہیں مانتا کہ سر دفن ہو اور میں چاہتا ہوں کہ اس سر کے بدلے اس سے انعام حاصل کروں۔ قاسم نے کہا: اللہ تعالیٰ تجھے اس کام کی وجہ سے بدترین عذاب کا اجر دے؛ اللہ کی قسم، تو نے اپنے سے اچھے انسان کو قتل کیا ہے۔ یہ کہہ کر گریہ کرنے لگا۔ قاسم ہمیشہ اس کی تاک میں رہا، چاہتا تھا کہ اسے غافل پاکر اپنے باپ کے خون کا بدلہ لے؛ یہاں تک کہ مُصعب بن زبیر کا زمانہ آگیا۔ مُصعب عراق کے شہر تکریت کے نزدیک "باجُمیرا" کے مقام پر جنگ میں مشغول تھا۔ قاسم، مُصعب کے لشکر میں داخل ہو گیا اور اپنے باپ کے قاتل کے خیمے کو ڈھونڈ لیا۔ وہ موقع کی تلاش میں تھا تاکہ اسے سویا ہوا پاکر قتل کرے۔ خیمے میں داخل ہوا اور تلوار کے وار سے اسے قتل کر دیا۔ (بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۲، ۴۰۳؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۳۹، ۴۴۰)۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۰۔

تلوار کے ساتھ ان کو کاری ضرب لگاؤں گا، ان کے سامنے سستی یا فرار نہیں کروں گا۔

اور اسی طرح وہ کہہ رہے تھے:

اَضْرِبُ فِیْ اَعْرَاضِھِمْ بِالسَّیْفِ عَنْ خَیْرِ مَنْ حَلَّ منی و الخیف

اس عظیم شخصیت کے دفاع میں جو منیٰ اور خیف میں اترا ہے، اُن کو تلوار سے ماروں گا۔

حضرت حُر، جناب زُہیر بن قَین کے ہمراہ شجاعانہ جنگ کر رہے تھے۔ جب ان میں سے ایک کو خطرہ لاحق ہوتا تو دوسرا حملہ کرتا اور اس کو نجات دلاتا۔ کچھ دیر تک وہ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ ابن سعد کی فوج کے پیادوں نے (مل کر) جناب حُر پر حملہ کیا اور آپ جام شہادت نوش کر گئے۔[1]

شیخ مفید کی روایت کے مطابق، حُر کے قتل میں ایوب بن مُسرّح اور ایک کوفی سوار شریک تھے۔[2]

شیخ صدوق نے امالی میں اس طرح روایت نقل کی ہے:

امام حسین علیہ السلام ان کے سرہانے تشریف لائے، جبکہ حضرت حُر کے بدن سے خون جاری تھا۔ امام علیہ السلام نے حُر کو مخاطب کر کے فرمایا:

بَخٍّ بَخٍّ یَا حُر اَنْتَ حُرٌّ کَمَا سُمِّیْتَ فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَۃِ

اے حُر! تم خوش قسمت ہو، تم دنیا میں بھی آزاد ہو اور آخرت میں بھی، جیسا کہ تیری ماں نے تیرا نام حُر (یعنی آزاد) رکھا ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے یہ اشعار پڑھے:

لَنِعْمَ الْحُرُّ حُرُّ بَنِیْ رِیَاحٍ وَ نِعْمَ الْحُرُّ عِنْدَ مُخْتَلَفِ الرِّمَاحِ

وَ نَعْمَ الْحُرُّ اِذْ نَادٰی حُسَیْنًا فَجَادَ بِنَفْسِہٖ عِنْدَ الصِّیَاحِ[3]

حُر، کیسا آزاد انسان ہے، اور کیا خوب آزاد مرد ہے جو پے در پے نیزوں میں اترا۔ اور کیا خوب آزاد مرد ہے کہ حُسین کو ندا دی اور جنگ میں اپنی جان فدا کر دی۔

۱۔ سابقہ حوالہ، ص ۴۴۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۳۔

۲۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۰۳۔

۳۔ صدوق، الامالی، مجلس ۳۰، ص ۲۲۳، ۲۲۴۔

اسی وقت جناب ابو ثمامہ نے بھی دشمنوں میں موجود اپنے چچازاد کو ہلاک کیا۔[1]

نماز ظہر

حضرت ابو ثُمامہ کی یاد دہانی کے بعد، امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کے ہمراہ نماز خوف ادا کی۔[2] امام حسین علیہ السلام کی نمازِ خوف کی کیفیت کو بعض کتب میں مختصر جبکہ بعض میں مفصل ذکر کیا گیا ہے۔

سید بن طاؤس نے آپ علیہ السلام کی نماز کو تفصیل کے ساتھ یوں ذکر کیا ہے:

نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ امام حسین علیہ السلام نے زُہیر بن قین اور سعید بن عبد اللہ حَنفی کو حکم دیا کہ آدھے لوگ، امام علیہ السلام اور نمازیوں کے آگے کھڑے ہوں (اور دشمن کا خیال رکھیں)۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے باقیماندہ اصحاب کے ہمراہ نمازِ خوف ادا کی۔ دشمن کی طرف سے امام علیہ السلام کی طرف تیر آنا شروع ہو گئے۔ جناب سعید بن عبد اللہ سامنے آئے اور تیروں کو اپنے بدن پر روک کر امام حسین علیہ السلام کی حفاظت کی۔ [نماز ختم ہونے تک انہیں اتنے تیر لگ چکے تھے کہ] وہ زمین پر گر گئے اور کہا: "اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے جیسے قوم عاد اور ثمود پر لعنت کی ہے۔ اے اللہ! اپنے پیغمبر کو میرا اسلام پہنچا، میرے زخموں کے اس رنج کو اس تک پہنچا۔ بے شک میں نے تیرے رسول کے خاندان کی نصرت کی ہے، اور تجھ سے اس کا اجر چاہتا ہوں"۔

پھر اپنی جان دے دی۔ آپ پر اللہ کی رحمت ہو۔ آپ کے بدن پر تلوار اور نیزوں کے زخموں کے علاوہ تیرہ زخم لگے ہوئے تھے۔[3]

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۱؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص۱۹۹۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۵؛ سید بن طاؤس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۶۵؛ ابن نما، مُثیر الاحزان، ص۶۵؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۱۷۔ نماز خوف کا مخصوص طریقہ ہے، اسے جاننے کے لیے فقہی کتب کی طرف رجوع کریں۔

۳۔ سید بن طاؤس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۶۵۔

زُہَیر بن قَین کی شہادت

حضرت زُہیر بن قین دلیرانہ جنگ کر رہے تھے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے:

اَنَا زُهَيْرٌ وَ اَنَا ابْنُ الْقَيْنِ   أَذُوْدُهُمْ بِالسَّيْفِ عَنْ حُسَيْنِ

میں زُہیر بن قین ہوں، اپنی تلوار کے ذریعے انہیں حسین علیہ السلام سے دور کروں گا۔

اس نے امام حسین علیہ السلام کے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا:

اَقْدِمْ هُدِيْتَ هَادِيًا مَهْدِيًا   فَالْيَوْمَ تَلْقىٰ جَدَّكَ النَّبِيَّا

وَ حَسَنًا وَ الْمُرْتَضٰى عَلِيًّا   وَ ذَا الْجَنَاحَيْنِ الْفَتَى الْكَمِيَّا

وَاَسَدَ اللهِ الشَّهِيْدِ الْحَيَّا

تو (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) ہدایت یافتہ ہے، تو خود ہدایت یافتہ اور دوسروں کو ہدایت کرنے والا ہے۔ آج تو اپنے نانا پیغمبر، حسن مجتبیٰ، علی مرتضی اور اس جوان کے ساتھ جس کو اللہ نے دو پَر عطا کیے ہیں (یعنی جعفر طیار) اور حمزہ شیر خدا کے ساتھ ملاقات کرے گا۔

پھر شدید جنگ کی۔ بالآخر کثیر بن عبد اللہ شَعبی اور مُہاجر بن اوس تمیمی نے جناب زُہیر پر حملہ کیا اور آپ کو شہید کر دیا۔[۱]

خوارزمی نے لکھا ہے: جب حضرت زُہیر زمین پر گرے، امام حسین علیہ السلام نے انہیں فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے اپنی رحمت سے دور نہ کرے اور تیرے قاتل پر لعنت کرے، ان لوگوں کی طرح جو ملعون ہیں اور وہ خنزیر اور بندر کی طرح مسخ ہو گئے ہیں۔[۲]

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۰۳۔

۲۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۲۰۔

نافع بن ہلال جملی کی شہادت

حضرت نافع بن ہلال، تیر اندازی میں ماہر تھے۔ وہ تیروں کے اوپر اپنا نام لکھتے تھے اور علامت لگے تیر دشمن کی طرف چلاتے تھے اور کہتے تھے:

اَنَا الْجَمَلِیُ، اَنَا عَلٰی دِیْنِ عَلِیٍّ

میں جملی ہوں اور علی کے دین پر ہوں۔

اور اسی طرح وہ کہتے تھے:

أَرْمِیْ بِهَا مُعَلَّماً اَفْوَاقُهَا وَ النَّفْسُ لَا یَنْفَعُهَا اَشْفَاقُهَا[1]

میں ایسا تیر چلاؤں گا جس پر میں نے علامت لگائی ہوئی ہے اور ڈر انسان کو فائدہ نہیں پہنچاتا۔

جناب نافع نے دشمن پر اتنے تیر برسائے کہ سارے تیر ختم ہوگئے۔ اب قبضہ تلوار میں ہاتھ رکھا اور یہ رجز پڑھ کر جنگ شروع کی:

أَنَا الْغُلَامُ الْیَمَنِیُ الْجَمَلِیُ دِیْنِیْ عَلٰی دِیْنِ حُسَیْنٍ وَ عَلِیْ

اِنْ أُقْتَلُ الْیَوْمَ فَهٰذَا اَمَلِیْ وَ ذَاكَ رَأْیِیْ وَ اُلَاقِیْ عَمَلِیْ[2]

میں یمنی و جملی جوان ہوں، میرا دین، حسین اور علی والا دین ہے۔ آج اگر میں قتل ہوگیا تو یہی میری آرزو ہے، اور میرا عقیدہ یہ ہے کہ میں اپنے عمل کے ساتھ ملاقات کروں گا۔

جناب نافع نے زخمی کرنے کے علاوہ دشمن کے بارہ افراد کو جہنم واصل کیا۔

ابن سعد کے سپاہی، جناب نافع پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ نافع کے دونوں بازو کٹ گئے اور (دشمن نے) انہیں پکڑ لیا۔ شمر بن ذی الجوشن نے اپنے سپاہیوں کے ہمراہ انہیں پکڑا اور عمر بن سعد کے پاس لے گیا۔ ابن سعد نے کہا: افسوس ہے تجھ پر، تم نے اپنے آپ کے ساتھ یہ کام کیوں کیا؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ میری نیت سے واقف ہے۔ نافع کے چہرے پر خون جاری تھا اور وہ کہہ رہے تھے: اللہ کی قسم

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۱۴۔

۲۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۴۔

، میں نے زخمیوں کے علاوہ تمہارے بارہ افراد قتل کیے ہیں اور یہ جو میں نے اتنی زحمت اٹھائی ہے اس پر اپنی ملامت نہیں کرتا۔ اگر میرے بازو اور کوئی ایک مدد گار باقی ہوتا تو تم لوگ مجھے اسیر کرنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے۔ شمر نے ابن سعد سے کہا: اللہ تیرا بھلا کرے، اسے قتل کر دے۔ ابن سعد نے کہا: تو اسے لے کر آیا ہے، اگر چاہے تو خود اسے قتل کر۔ شمر نے اسے قتل کرنے کے لیے جونہی تلوار نکالی تو جناب نافع نے شمر سے کہا: اگر تُو مسلمان ہوتا تو تجھ پر گراں گزرتا کہ ہمارے خون کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے۔ اللہ کی حمد ہے کہ اس نے ہماری موت شریر ترین لوگوں کے ہاتھوں ہوئی۔ پس شمر نے اسے شہید کر دیا۔[1] نافع کو قتل کرنے کے بعد شمر واپس پلٹا اور اصحاب امام حسین علیہ السلام پر حملہ کیا اور کہہ رہا تھا:

خَلُّوْا عُدَاةَ اللهِ خَلُّوْا عَنْ شَمِر يَضْرِبُهُمْ بِسَيْفِهِ وَ لَا يَفِر

وَهُوَلَكُمْ صَابٌ وَ سَمٌّ وَ مَقِرْ[2]

اے دشمنان خدا! راستہ کھول دو، شمر کو آزاد چھوڑو، وہ شمر جو اپنی تلوار کے ساتھ دشمنوں پر حملہ آور ہوتا ہے، وہ تمہارے لیے تلخ، ناگوار اور زہر قاتل ہے۔

عبد اللہ اور عبد الرحمٰن کی شہادت

جب امام حسین علیہ السلام کے اصحاب نے دیکھا کہ دشمنوں کی تعداد اِن سے زیادہ ہے اور معلوم ہو گیا کہ اب وہ اپنی اور امام حسین علیہ السلام کی حفاظت کرنے پر قادر نہیں ہیں، تو امام علیہ السلام کے قدموں میں جام شہادت نوش کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لینے لگے۔

عَزرَہ غفاری کے دو بیٹے عبد اللہ اور عبد الرحمٰن نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آکر عرض کیا: ہمارا سلام ہو تجھ پر اے اباعبد اللہ! دشمن نے ہمیں گھیر لیا ہے [اور آپ کے قریب آگیا ہے]، ہم آپ کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ کے سامنے شہید ہو جائیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: مرحبا! قریب

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۳۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۰۴۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۲۔

آئے، دونوں امام علیہ السلام کے قریب گئے اور امام علیہ السلام کے رقاب میں جنگ کی، ان میں سے ایک بھائی یوں رجز خوانی کر رہا تھا:

قَدْ عَلِمَتْ حَقًّا بَنُو غِفَارِ وَ خِنْدِفٌ بَعْدَ بَنِیْ نِزَارِ
لَنَضْرِبَنَّ مَعْشَرَ الْفُجَّارِ بِکُلِّ عَضْبٍ صَارِمٍ بَتَّارِ
یَا قَوْمُ ذُوْدُوْا عَنْ بَنِیْ الْأَحْرَارِ بِالْمَشْرَفِیْ وَ الْقَنَا الْخَطَّارِ[1]

قبیلہ بنی غفار، خِندِف اور بنی نزار بخوبی جانتے ہیں کہ ہم بدکاروں کو تیز اور کاٹنے والی تلوار کے ساتھ قتل کرتے ہیں۔ اے لوگو! مَشرَفی تلوار اور تیز دھار نیزوں کے ساتھ آزاد خاندان کا دفاع کرو۔

دونوں بھائیوں نے جنگ کی اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی روایت کے مطابق، حضرت حبیب بن مظاہر کے بعد جناب عبد اللہ بن عزرہ، جنگ کے لیے گئے اور یوں رجز خوانی کی:

قَدْ عَلِمَتْ حَقًّا بَنُو غِفَارِ أَنِّیْ أَذُبُّ فِیْ طُلَّابِ الثَّارِ

قبیلہ بنی غفار بخوبی جانتے ہیں کہ میں شہداء کے خون کا دفاع کروں گا۔

آپ دشمنوں کے ایک گروہ کو قتل کرنے کے بعد شہید ہوگئے۔[2]

حَنظَلَہ بن اسعد شبامی کی شہادت

جنگ جب اس مرحلے تک پہنچ گئی تو حضرت حَنظلہ آگے بڑھے، امام علیہ السلام کے سامنے کھڑے ہوگئے اور ابن سعد کے لشکر کو مخاطب کر کے بلند آواز سے ان آیات کی تلاوت کی:

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۳۲۔

۲۔ صدوق، الامالی، مجلس ۳۰، ص ۱۶۰۔

﴿يَاقَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُم مِّثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ. مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ. وَيَاقَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ. يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ مَا لَكُم مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ﴾.[1]

اور جو شخص ایمان لایا تھا کہنے لگا: اے میری قوم! مجھے خوف ہے کہ تم پر کہیں وہ دن نہ آئے جیسا (پہلی) امتوں پر آیا تھا، جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والی امتوں پر آیا تھا اور اللہ تو بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ اور اے میری قوم! مجھے تمہارے بارے میں فریاد کے دن (قیامت) کا خوف ہے۔ جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے، تمہیں اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا کوئی نہ ہو گا اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔

پھر کہا: اے لوگو، کیا تم حسین علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتے ہو؟! اللہ تمہیں دردناک عذاب سے ہلاک کرے۔ پھر سورہ طٰہ کی آیت نمبر ۶۱ کا کچھ حصہ تلاوت کیا، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَى﴾

اور جس نے بھی بہتان باندھا وہ نامراد رہا۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے ابن اسعد، اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت نازل کرے۔ تم نے انہیں حق کی دعوت دی ہے اور انہوں نے تیری دعوت کو ٹھکرا دیا ہے اور یہ لوگ تیرا اور تیرے دوستوں کا خون بہانے پر تُلے ہوئے ہیں، تو اب وہ عذاب کے مستحق ہو گئے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے تیرے نیکوکار بھائیوں کو قتل کیا ہے۔ حنظلہ نے کہا: میری جان آپ پر فدا ہو جائے، آپ نے سچ فرمایا ہے، آپ ہم سے زیادہ جانتے ہیں اور لوگوں کو حق کی طرف بلانے کے زیادہ اہل ہیں۔ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں آخرت کی طرف رختِ سفر باندھ لوں اور اپنے بھائیوں کے ساتھ جا ملوں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ، اُس چیز کی طرف جو تیرے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، ایسی بادشاہی کی طرف جس کی انتہا نہیں ہے۔ حضرت حنظلہ نے کہا: آپ پر سلام ہو، اے اباعبد اللہ! اور خدا کا درود ہو آپ پر اور آپ کے خاندان پر، اللہ تعالیٰ جنت میں آپ

۱۔ غافر (۴۰) ۳۰ تا ۳۳۔

اور ہمیں اکھٹا محشور فرمائے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: آمین، آمین۔ جناب حَنظَلہ (میدان جنگ کی طرف) کی طرف گئے، جنگ کی اور جام شہادت نوش کیا۔[۱]

سیف بن حارث بن سُرَیع اور مالک بن عبد بن سُرَیع کی شہادت

قبیلہ بنی جابر کے دو جوان "سیف بن حارث بن سُریع اور مالک بن عبد بن سُریع" جو کہ چچازاد اور ماں کی طرف سے بھائی تھے، امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آئے۔ دونوں رو رہے تھے اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ امام حسین علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم کیوں گریہ کر رہے ہو؟ امید ہے کہ تمہاری آنکھیں جلدی روشن ہو جائیں گی۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ہمیں آپ پر قربان کرے، ہم آپ کے لیے گریہ کر رہے ہیں، نہ کہ اپنے لیے؛ کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ دشمنوں کے محاصرے میں ہیں اور ہم دشمنوں کو آپ سے دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ، آپ کو میرے ساتھ اس ہمدردی، دوستی اور فداکاری کے بدلے جزائے خیر عطا فرمائے۔[۲]

حضرت حَنظَلہ کی شہادت کے بعد یہ دونوں جوان امام علیہ السلام کی خدمت میں آئے۔ امام علیہ السلام کی طرف رُخ کر کے عرض کیا: اے فرزندِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ، آپ پر سلام ہو۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: تم پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور درود ہو۔ پھر وہ میدان میں گئے اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[۳]

عابس بن ابی شَبیب اور شَوذَب بن عبد اللہ کی شہادت

حضرت عابس بن ابی شبیب شاکری، بنی شاکر کے ہم پیمان اور رشتہ دار حضرت شوذب بن عبد اللہ کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آئے۔ عابس نے شوذب سے کہا: اے شوذب تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ [تم کیا کرنا چاہتے ہو؟] شوذب نے کہا: میں کیا کروں؟! آپ کے ہمراہ نواسہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۳؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۰۵؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۲۴، ۲۵؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۶۴، ۱۶۵۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۳۲ تا ۴۴۳۔

۳۔ سابقہ حوالہ، ص ۴۴۳۔

رکاب میں جنگ کروں گا، یہاں تک کہ قتل ہو جاؤں۔ عابس نے کہا: میرا بھی یہی ارادہ ہے؛ لیکن پہلے حضرت اباعبداللہ علیہ السلام کے پاس جاؤ[اور ان سے اذنِ جہاد طلب کرو تا کہ ان کے مددگاروں میں شامل ہو جاؤ] اور وہ تجھے، دوسرے مددگاروں کی طرح اللہ تعالیٰ کے حوالے کریں، اور میں بھی تجھے اللہ کے حوالے کرتا ہوں؛ کیونکہ اگر اس وقت تیرے علاوہ کوئی اور میرا تجھ سے زیادہ قریبی ہوتا تو میں اسے بھیجتا تا کہ میری آنکھوں کے سامنے شہید ہو جائے اور اُسے اللہ کے حوالے کرتا۔ آج ایسا دن ہے، جتنا ہو سکے ہم اجر وثواب حاصل کریں؛ کیونکہ آج کے بعد پھر عمل کا موقع نہیں ملے گا، بلکہ صرف حساب و کتاب ہو گا۔

حضرت شوذب امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں گئے، سلام پیش کیا اور اجازت لے کر میدان جنگ میں گئے، جنگ کی اور جام شہادت نوش کیا۔ پھر عابس نے امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: اے اباعبد اللہ! اللہ کی قسم، روئے زمین پر کوئی اپنا اور بیگانہ مجھے، آپ سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔ اگر میں اپنی جان اور خون سے زیادہ کسی چیز کے ساتھ آپ سے ظلم و ستم کو دور کر سکتا، تو ضرور کرتا۔ آپ پر سلام ہو، میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اب میں آپ اور آپ کے بابا کا پیروکار ہوں۔

پھر حضرت عابس نے تلوار نکالی اور دشمن کی طرف گئے جبکہ ان کی پیشانی پر تلوار کا زخم تھا۔

ربیع بن تمیم اس وقت موجود تھا، وہ کہتا ہے: جب میں نے عابس کو آتے ہوئے دیکھا تو پہچان لیا۔ میں نے اسے جنگوں میں دیکھا ہوا تھا۔ وہ شجاع مرد تھا۔ میں نے کہا: اے لوگو! جسے دیکھ رہے ہو، یہ شیروں کا شیر ابن ابی شبیب ہے۔ خبردار! کوئی اکیلا اس کے ساتھ لڑنے نہ جائے۔ جناب عابس نے آواز دی: کوئی مرد ہے جو اکیلا میرے مقابلے میں آئے؟ عمر بن سعد نے کہا: اس پر پتھر برساؤ۔

چاروں طرف سے اس کے سر پر پتھر برسنا شروع ہو گئے۔ عابس نے جب یہ حالت دیکھی تو اپنی زرہ اور خود اتار کر ان پر حملہ کیا۔ راوی کہتا ہے: اللہ کی قسم، میں نے دیکھا کہ اس نے دو سو افراد سے زیادہ لوگوں کو بھگا کر منتشر کر دیا۔ تاہم ابن سعد کے لشکر نے ہر طرف سے اس پر حملہ کیا اور اسے شہید کر دیا۔ راوی کہتا ہے: اس کے بعد میں نے عابس کا سَر کچھ لوگوں کے ہاتھ میں دیکھا [جو سَر کی وجہ سے آپس میں جھگڑ رہے تھے]؛ ایک کہتا تھا: اسے میں نے قتل کیا ہے اور دوسرا کہتا تھا کہ اسے میں نے قتل کیا ہے۔ وہ دونوں

عمر بن سعد کے پاس گئے؛ اس نے کہا: جھگڑو نہیں، اسے کسی نے اکیلا قتل نہیں کیا؛ پھر وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔[1]

شہداء کی ترتیب

یہاں تک روز عاشورا کے کچھ واقعات اور امام حسینؑ کے بعض اصحاب کی شہادت کا تذکرہ ہوا ہے؛ ان واقعات اور شہادتوں کی ترتیب، اُسی ترتیب کے مطابق ہے جو طبری نے تاریخ الامم والملوک، بلاذری نے انساب الاشراف، اور شیخ مفید نے الارشاد میں ذکر کی ہے (طبری اور شیخ مفید کی روایت بھی ابو مخنف کے مطابق ہے اور اس (ابو مخنف) کا معتبر ہونا اپنے مقام پر ثابت ہو چکا ہے)۔ بابصیرت اور دقیق مورخ اور محدث جناب شیخ عباس قمیؒ نے بھی نفس المہموم میں اسی ترتیب کو ذکر کیا ہے؛ لیکن انہوں نے اس ترتیب کو بھی نظر انداز نہیں کیا جو ابن اعثم نے الفتوح میں اور ابن شہر آشوب نے مناقب آل ابی طالب میں ذکر کی ہے، بلکہ اسے مناسب جگہ پر ذکر کیا ہے۔ البتہ اطمینان سے نہیں کہا جا سکتا کہ ان دو ترتیبوں میں سے کونسی یقینی طور پر درست ہے یا ان کے علاوہ کوئی اور ترتیب یقینی طور صحیح ہے اور امام حسینؑ کے اصحاب اسی ترتیب کے ساتھ شہید ہوئے ہیں؛ لیکن چونکہ طبری کی ترتیب جو ابو مخنف اور شیخ مفید سے نقل کی گئی ہے، زیادہ قابل اعتماد ہے، لہٰذا ہم نے یہاں تک اسی ترتیب کو ذکر کیا ہے۔

بہر حال یہ ترتیب بھی ضعف سے خالی نہیں ہے؛ کیونکہ تمام غیر ہاشمی شہدائے کربلا کے نام اور ان کی شہادت کی کیفیت ذکر نہیں ہوئی۔ اسی لیے ہم نے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے باقی شہداء کے نام، ان کی شہادت کی کیفیت اور دیگر واقعات کو دوسری کتب مثلاً فتوح ابن اعثم، مقتل الحسین خوارزمی، مناقب ابن شہر آشوب اور ملہوف سید بن طاووس وغیرہ سے نقل کی ہے تاکہ واقعہ عاشورہ کا تذکرہ مکمل ہو جائے اور کسی حد تک حق ادا ہو جائے۔

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۳، ۴۴۴۔

سب سے پہلے شہید

یہ بات بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ گذشتہ صفحات میں واضح بیان کیا گیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں سے، سب سے پہلے شہید حضرت مُسلم بن عوسجہ اور دوسرے شہید جناب عبد اللہ بن عُمیر کلبی ہیں۔ لیکن طبری نے ابو مِخنَف سے جو روایت کی ہے اس کے مطابق امام حسین علیہ السلام کے بعض اصحاب کی شہادت کی کیفیت کو اصحاب کی شہادت کا تذکرہ کرنے کے بعد ذکر کیا ہے؛ لیکن یہ بھی کہا ہے کہ یہ ان شہدا میں سے ہیں جو سب سے پہلے شہید ہوئے ہیں؛ اور چونکہ اس نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ان میں سے کونسا شہید کس نمبر پر شہید ہوا ہے؛ لہٰذا اس کا تعین ممکن نہیں ہے؛ ہم بھی یہاں پر ان کی شہادت کی کیفیت کو ذکر کریں گے اور صرف یہی کہیں گے کہ اس کا شمار اولین شہدا میں ہوتا ہے۔ ابو شَعثَاء کندی، عمرو بن خالد صیداوی، جابر بن حارث سَلمانی، مُجمّع بن عبد اللہ عائذی اور عمر بن خالد کا آزاد کیا ہوا غلام سَعد کا شمار انہی میں ہوتا ہے۔ بلاذری نے بھی انساب الاشراف میں کچھ ایسے شہداء کے نام ذکر کیے ہیں جن کا ذکر تاریخ طبری میں نہیں ہوا ہے؛ ہم ان کو بھی بلاذری کی روایت کے مطابق ذکر کریں گے اور اس کے بعد والی کتب سے انہیں مکمل کریں گے:

یزید بن زیاد بن مُہاصِر (ابو شعثاء کندی)

حضرت یزید بن زیاد، ابو شعثاء کندی کے نام سے معروف تھے، یہ مشہور تیر انداز تھے جو ابتدا میں ابن سعد کے لشکر میں تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ہدایت ان کے شامل حال ہوگئی اور امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جا ملے۔[1] ابو مِخنف نے فُضَیل بن خُدیج کندی سے نقل کیا ہے: یزید بن زیاد قبیلہ بَہدَلہ کا فرد تھا، اسے ابو شعثاء کندی کہتے تھے، آپ، امام حسین علیہ السلام کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور دشمن کی طرف سو تیر برسائے، پانچ تیروں کے علاوہ کوئی بھی خطا نہیں گیا۔ وہ ماہر تیر انداز تھے۔ وہ تیر چلاتے وقت کہتے تھے:

اَنَا ابْنُ بَهْدَلَهْ، فُرْسَانِ الْعَرْجَلَهْ

۱۔ تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۶۔

میں ابن بہدلہ ہوں، عَرجلہ کا گُھڑ سوار ہوں۔

امام حسین علیہ السلام فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ سَدِّدْ رَمْيَتَهُ، وَاجْعَلْ ثَوَابَهُ الْجَنَّه

اے اللہ، اس کا تیر نشانے پر لگا ہے، اسے جنت الفردوس کا اجر عطا فرما۔

حضرت ابو شعثاء، تیر ختم ہونے کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: پانچ سے زیادہ تیر ضائع نہیں ہوئے، اور مجھے یقین ہے کہ میں نے دشمن کے پانچ افراد کو ہلاک کیا ہے۔ اس دن وہ یوں رجز خوانی کر رہے تھے:

اَنَا يَزِيْدٌ وَ اَبِيْ مُهَاصِرُ — اَشْجَعُ مِنْ لَيْثٍ بَغِيْلٍ خَادِرُ

يَا رَبِّ اِنِّيْ لِلْحُسَيْنِ نَاصِرُ — وَ لِابْنِ سَعْدٍ تَارِكٌ وَ هَاجِرُ

میں یزید ہوں اور میرا باپ مہاصر ہے، میں کمین لگائے بہادر شیر سے زیادہ شجاع ہوں۔ اے اللہ! میں حسین علیہ السلام کا ناصر ہوں اور میں نے ابن سعد کو چھوڑ دیا ہے۔

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ ابو شعثاء کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے سب سے پہلے امام حسین علیہ السلام کی رکاب میں جنگ کی اور شہید ہوئے۔[1]

امام حسین علیہ السلام کے چار اصحاب

(۱) عمرو بن خالد صیداوی؛ (۲) جابر بن حارث سَلمانی؛ (۳) عمر بن خالد کا آزاد کیے ہوئے غلام سعد (۴) اور مُجمّع بن عبد اللہ عائذی نے سب سے پہلے میدان جنگ میں قدم رکھا اور فوج اشقیاء کے قلب کو تیز دھار تلواروں سے چیرا۔ یہ چار افراد دشمن کی فوج میں گئے اور دشمن نے ان کا محاصرہ کیا۔ نزدیک تھا کہ دشمن انہیں اپنے ساتھیوں سے دور کرے اور ان پر غلبہ پالے، کہ حضرت عباس علیہ السلام نے دشمن پر حملہ کر دیا اور انہیں نجات دلائی، جبکہ یہ (چاروں اصحاب) شدید زخمی ہو چکے تھے۔ جب دشمن نے (امام

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۵۔

حسین علیہ السلام کی فوج کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور) قریب آ چکا تھا تو انہوں نے دوبارہ تلوار کھینچی اور میدان جنگ میں اترے اور اسی پہلی جنگ میں ایک ہی جگہ اکٹھے شہید ہو گئے۔[1]

عمرو بن خالد صَیداوی

حضرت عمرو بن خالد صَیداوی نے میدان جنگ میں جانے سے پہلے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں جا کر کہا: السلام علیک یا اباعبد اللہ، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ کے اصحاب میں شامل ہو جاؤں۔ میں نہیں چاہتا کہ زندہ رہوں اور آپ کو، آپ کے خاندان کے درمیان تنہا شہید ہوتا دیکھوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ، ہم بھی چند لمحات بعد تجھ سے آملیں گے۔ وہ میدان جنگ میں اترے، شدید جنگ کی اور جام شہادت نوش کیا۔[2]

حضرت عمرو بن خالد نے میدان جنگ میں یوں رجز خوانی کی:

اَلیَوْمَ یَا نَفْسُ إِلَی الرَّحْمٰنِ　　تَمْضِیْنَ بِالرُّوْحِ وَ بِالرَّیْحَانِ

اَلْیَوْمَ تَجْزِیْنَ عَلَی الْإِحْسَانِ　　قَدْ کَانَ مِنْكَ غَابِرُ الزَّمَانِ

مَا خط فِیْ اللَّوْحِ لَدَی الدَّیَّانِ　　لَا تَجْزَعِیْ فَکُلُّ حَیٍّ فَان

وَ الصَّبْرُ أَحْظٰی لَكَ بِالْأَمَانِ　　یَا مَعْشَرَ الْأَزْدِ بَنِیْ قَحْطَان

کُوْنُوْا لَدَی الْحَرْبِ کَأَسَدِ حَفَان

اے نفس، آج تو رحمان اللہ کی طرف جانے والا ہے اور روح و ریحان تک جا پہنچے گا۔ آج تجھے نیکی کا بدلہ دیا جائے گا، جو پہلے سے لوح محفوظ میں تیرا مقدر بن چکا ہے۔ بے تاب نہ ہو، کیونکہ ہر زندہ رہنے والی شئی کے لیے فنا ہے۔ صبر، تجھے اپنی آرزوؤں تک پہنچائے گا۔ اے ازدی گروہ بنی قحطان! جنگ میں شیر کی مثل ہو جاؤ۔

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۶۔

۲۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۲۴؛ سید بن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص۱۶۳، ۱۶۴۔

حضرت جَون (حضرت ابوذر غفاری کے غلام)

بلاذری،[1] نے جناب جَون کی جنگ اور شہادت کو حضرت زُہیر بن قین کی شہادت کے بعد ذکر کیا ہے اور ابن اعثم کوفی[2] نے حضرت حبیب بن مُظاہر کے بعد ذکر کیا ہے۔

بلاذری کہتا ہے: حضرت جَون، حضرت ابوذر غفاری کے غلام تھے، یہ امام حسین علیہ السلام کے آگے آگے دشمنوں سے لڑ رہے تھے اور یوں رجز خوانی کر رہے تھے:

كَيْفَ تَرَى الْفُجَّارُ ضَرْبَ الْأَسْوَدِ　　بِالسَّيْفِ صَلْتًا عَنْ بَنِيْ مُحَمَّدِ
أَذُبُّ عَنْهُ بِاللِّسَانِ وَ الْيَدِ　　أَرْجُو بِهِ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْمَوْرِدِ[3]

بدکار کیسے اس سیاہ (غلام) کی ضربت دیکھ سکیں گے، اُس تلوار کے ساتھ جو اس نے آل نبی کے دفاع میں بلند کی ہے۔ میں اپنی زبان اور ہاتھ کے ساتھ ان (آل نبی) کی حمایت کرتا ہوں اور اس کام کے ذریعے روزِ قیامت جنت کی آرزو رکھتا ہوں۔

سید بن طاوس نے اس طرح نقل کیا ہے: پھر [عمرو بن قَرَظہ کے بعد] ابوذر کا غلام جَون میدان جنگ میں اترا، جو ایک سیاہ غلام تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے اسے فرمایا: میں تجھے اجازت دیتا ہوں [کہ تو اس سرزمین سے چلا جا اور اپنی جان کی حفاظت کر]۔ تو ہمارے ساتھ سلامتی کے لیے آیا ہے؛ لہذا تُو اپنے آپ کو ہماری مصیبت میں نہ پھنسا۔ جَون نے کہا: اے فرزند رسول! کیا یہ صحیح ہے کہ میں خوشی کے زمانے میں تمہارا رزق کھاؤں اور مصیبت کے زمانے میں تمہیں تنہا چھوڑ دوں؟ اللہ کی قسم؛ میرا بدن بدبودار ہے، پست خاندان کا فرد ہوں اور میرا رنگ سیاہ ہے؛ مجھ پر احسان کریں اور مجھے جنت پہنچائیں تاکہ میرا بدن خوشبودار، نسل شریف اور میرا چہرہ سفید ہو جائے۔ نہیں؛ اللہ کی قسم، میں ہرگز آپ سے جدا نہیں ہوں گا، یہاں تک

١۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج٣، ص ٤٠٣۔
٢۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج٥، ص ١٠٨۔
٣۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج٣، ص ٤٠٣۔

کہ میرا یہ سیاہ خون آپ کے خون میں مل جائے۔ پھر اس نے جنگ کی اور جام شہادت نوش کیا۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ۔[1]

بَشیر بن عَمرو (عُمَر) حضرمی

بلاذری کی روایت کے مطابق، حضرت جَون کے بعد حضرت بشیر بن عمرو حضرمی میدان جنگ میں گئے اور یوں رجز خوانی کی:

اَلْيَوْمَ يَا نَفْسُ اُلَاقِيْ الرَّحْمٰن   وَ الْيَوْمَ تَجْزِيْنَ بِكُلِّ اِحْسَانِ

لَا تَجْزَعِيْ فَكُلُّ شَيْئٍ فَانِ   وَ الصَّبْرُ اَحْظٰى لَكَ عِنْدَ الدَّيَّانِ[2]

اے نفس، آج تو خدائے رحمان کے ساتھ ملاقات کرے گا، اور آج تو تمام اچھائیاں حاصل کرے گا۔ بے صبری نہ کر؛ کیونکہ ہر چیز فنا ہو جائے گی، صبر کی وجہ سے تیرا مقدر زیادہ ہو گا۔

عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن الکدَن یزنی

مورخین نے حضرت عبد الرحمن بن عبد اللہ کے میدان جنگ میں جانے اور شہادت کو حضرت بشیر بن عمرو حضرمی کے بعد ذکر کیا ہے۔ انہوں نے یوں رجز پڑھا:

اِنِّيْ لِمَنْ يُنْكِرُنِيْ ابْنُ الْكَدِنِ   اِنِّيْ عَلٰى دِيْنِ حُسَيْنٍ وَ حَسَنٍ[3]

میں ابنِ کدَن ہوں اور میں حسین اور حسن کے دین پر ہوں۔

ایک اور روایت کے مطابق ان الفاظ کے ساتھ رجز خوانی کی:

أَنَا ابْنُ عَبْدِ اللهِ مِنْ آلِ يَزَنٍ   دِيْنِيْ عَلٰى دِيْنِ حُسَيْنٍ وَ حَسَنٍ

أَضْرِبُكُمْ ضَرْبَ فَتًى مِنَ الْيَمَنِ   أَرْجُوْ بِذَاكَ الْفَوْزَ عِنْدَ الْمُؤْتَمَنِ

۱۔ سید بن طاوس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۶۳۔

۲۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۴۔

۳۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۴۔

میں عبد اللہ ہوں، میں قبیلہ یَزَن سے ہوں، میرا دین حسن و حسین والا دین ہے۔ میں تمہیں یمنی جوان کی طرح ضرب ماروں گا، اور اس کام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیابی کی امید رکھتا ہوں۔

پھر حملہ کیا، جنگ کی اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[1]

بعض دوسرے اصحاب کی شہادت

بلاذری نے کچھ اور افراد کے نام ذکر کیے ہیں جنہوں نے روز عاشورہ امام حسین علیہ السلام کی رکاب میں شہادت پائی ۔شہادت کی ترتیب، میدان جنگ میں جانے کی کیفیت اور رجز خوانی کو ذکر کیے بغیر صرف ان کے نام ذکر کیے ہیں۔ البتہ ان میں سے بعض افراد کی جنگ اور شہادت کی کیفیت، تاریخ طبری اور دوسری کتب میں ذکر ہوئی ہے۔ ان شہداء کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ زیاد بن عمرو بن عُرَیب الصائدی، قبیلہ ہمدان میں سے تھا، اس کی کنیت ابو ثمامہ تھی۔[2]

۲۔ جیاد بن الحارث السلمانی (جابر بن الحارث السلمانی)، قبیلہ مراد میں سے تھا۔

۳۔ سُوار بن ابی خُمیر، قبیلہ ہمدان کی شاخ، بنی فہم جابری سے تھا۔

۴۔ بدر بن المُغَفَّل بن جَعُونَہ بن عبد اللہ بن حُطیط بن عُتبہ بن الکلاع الجُعفی۔

قابل ذکر ہے کہ بلاذری نے بدر بن مُغَفَّل کی رجز خوانی اس طرح ذکر کی ہے:

اَنَا ابْنُ جُعْفِیٍ وَ اَبِیَ الْکَلَاعُ   وَ فِیْ یَمِیْنِیْ مُرْهَفٌ قَرَاعُ
وَ مَازِنٌ ثَعْلَبُهُ لَمَّاعُ[3]

میں ابنِ جُعفی ہوں، میرا باپ کلاع ہے۔ میرے دائیں ہاتھ میں کاٹنے والی تلوار اور چمکنے والا نیزہ ہے۔

۵۔ عبد الاعلی بن زید بن الشجاع الکلبی۔

۱۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۰۶۔

۲۔ یہ وہی شخص ہے جس نے امام حسین علیہ السلام کو نماز کی یاد دہانی کرائی تھی، اس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

۳۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۵۔

۶۔ حَجاج بن مَسروق۔

قابل ذکر ہے کہ خوارزمی اور ابن شہر آشوب نے حضرت حجاج بن مسروق کی شہادت کی کیفیت کے بارے میں کچھ روایات بیان کی ہیں، ہم ذیل میں ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

خوارزمی نے حضرت حجاج بن مسروق کی جنگ اور شہادت کو حضرت زُہیر بن قین سے پہلے ذکر کیا ہے اور اُنہی کے اشعار کی طرح، اس کے اشعار ذکر کیے ہیں، جن کو طبری نے زُہیر کی طرف نسبت دی ہے اور امام حسین علیہ السلام کا مؤذن بتایا ہے۔[1] وہ اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

اَقْدِمْ حُسَيْنٌ هَادِيًا مَهْدِيًّا　　اَلْيَوْمَ نَلْقٰى جَدَّكَ النَّبِيَّا

ثُمَّ اَبَاكَ ذَا الْعُلَا عَلِيًّا　　وَ الْحَسَنَ الْخَيْرَ الرِّضَا الْوَلِيَّا

وَ ذَا الْجَنَاحَيْنِ الْكَمِيَّا　　وَ اَسَدَ اللهِ الشَّهِيْدِ الْحَيَّا

اے حسین! آپ آگے بڑھیں، آپ ہدایت یافتہ اور ہدایت کرنے والے ہیں۔ آج ہم آپ کے نانا کے ساتھ ملاقات کریں گے اور پھر آپ کے بابا، آپ کے بلند مرتبہ بھائی حسن، جو ولی اور اللہ کی رضایت کا سبب ہیں، اس جوان کے ساتھ جس کے دو پَر ہیں (جعفر طیار) اور شیر خدا، زندہ شہید (حضرت حمزہ) کے ساتھ ملاقات کریں گے۔

خوارزمی نے جناب حجاج بن مسروق کے بعد حضرت زُہیر بن قین کی جنگ اور شہادت کا تذکرہ کیا ہے، وہ کہتا ہے: روایت ہوئی ہے کہ حضرت زُہیر نے امام حسین علیہ السلام کے پاس کھڑے ہو کر حملہ شروع کیا اور امام علیہ السلام کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا: اقدم حسین ھادیا مھدیا... مجھے نہیں معلوم کہ یہ اشعار حجاج بن مسروق نے کہے ہیں یا زُہیر نے۔[2]

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۲۰۔

۲۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۲۰۔

لیکن ابن شہر آشوب نے حجاج بن مسروق کی جنگ اور شہادت کا تذکرہ، یزید بن مہاصر کے بعد اور سعید بن عبد اللہ حنفی سے پہلے، یعنی حبیب بن مُظاہر اور زُہیر بن قین سے پہلے کیا ہے اور مندرجہ ذیل اشعار کو حجاج بن مسروق سے نسبت دی ہے:

اَقْدِمْ حَسَیْنٌ هَادِیًا مَهْدِیًّا فَالْیَوْمَ نَلْقِیْ جَدَّكَ النَّبِیَّا

ثُمَّ اَبَاكَ ذَا النَّدِیْ عَلِیًّا ذَاكَ الَّذِیْ نَعْرِفُهُ وَصِیًّا[1]

اے حسین! آپ آگے بڑھیں، آپ ہدایت یافتہ اور ہدایت کرنے والے ہیں۔ آج ہم آپ کے نانا کے ساتھ ملاقات کریں گے اور پھر آپ کے کریم بابا علی کے ساتھ ملاقات کریں گے، جسے ہم پیغمبرِ خدا کا وصی مانتے ہیں۔

وہ شہدا جن کے نام متأخرہ مصادر میں ذکر ہوئے ہیں

یہاں تک ہم نے ان شہدائے کربلا کے نام، جنگ اور شہادت کی کیفیت ذکر کی ہے جن کا تذکرہ قدیمی کتب میں ہوا ہے مثلاً تاریخ طبری، انساب الاشراف، الارشاد وغیرہ میں؛ اور اسی طرح ان شہدا کا تعارف کروایا ہے جن کے نام، شہدا میں آئے ہیں۔ اب ہم حتی المقدور کوشش کریں گے کہ اُن شہدا کے نام اور جنگ وشہادت کی کیفیت کو ذکر کریں، جن کا تذکرہ متأخرہ مصادر مثلاً مقتل خوارزمی، مناقب آل ابی طالب ابن شہر آشوب اور الملہوف سید بن طاووس وغیرہ میں ہوا ہے۔ ہم ترتیب کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتے ہیں:

خالد بن عمرو بن خالد

ابن اعثم اور خوارزمی نے حضرت عمرو بن خالد اور ان کے بیٹے کی جنگ اور شہادت کا واقعہ اور اسی طرح حضرت سعد بن حنظلہ تمیمی اور حضرت عُمیر بن عبد اللہ مذحجی کا تذکرہ، حضرت ابن عُمیر کلبی اور حضرت مسلم بن عوسجہ کے بعد کیا ہے۔ چونکہ خوارزمی کی روایت میں شہدا کے نام اور اشعار، ابن اعثم سے زیادہ

۱۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۱۲۔

واضح اور دقیق معلوم ہوتے ہیں، لہذا ہم ان شہدا کا تذکرہ خوارزمی کی روایت کے مطابق کرتے ہیں۔ قابل ذکر ہے کہ عمرو بن خالد کی شہادت کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے پس ہم دوبارہ اسے ذکر نہیں کرتے؛ لہذا ہم خالد بن عمرو بن خالد سے آغاز کرتے ہیں۔

خوارزمی کا بیان ہے: عمرو بن خالد کی شہادت کے بعد اس کا بیٹا خالد بن عمرو میدان جنگ میں گیا اور یہ رجز پڑھا:

صَبْرًا عَلَى الْمَوْتِ بَنِىْ قَحْطَانِ　　كَيْمَا نَكُوْنَ فِيْ رِضَى الرَّحْمٰنِ
ذِيْ الْمَجْدِ وَ الْعِزَّةِ وَ الْبُرْهَانِ　　يَا اَبَتَا قَدْ صِرْتَ فِيْ الْجِنَانِ

اے بنی قحطان، موت پر صبر کرو تاکہ خدائے رحمٰن کی خوشنودی حاصل کر سکو؛ وہ خدا جو عظمت، عزت اور دلیل و بُرہان کا مالک ہے۔ بابا جان، تو جنت میں چلا گیا ہے۔

اس نے اشعار پڑھے اور جنگ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔[1]

سعد بن حنظلہ تمیمی

حضرت خالد بن عمرو کے بعد حضرت سعد بن حنظلہ میدان جنگ میں گئے اور یہ اشعار پڑھے:

صَبْرًا عَلَى الْأَسْيَافِ وَ الْأَسِنَّةِ　　صَبْرًا عَلَيْهَا لِدُخُوْلِ الْجَنَّةِ
وَ حُوْرُ عِيْنٍ نَاعِمَاتٍ هُنَّه　　لِمَنْ يُرِيْدُ الْفَوْزَ لَا بِالظَّنَّةِ
يَا نَفْسُ لِلرَّاحَةِ فَاجْهَدَنَّه　　وَ فِيْ طُلَّابِ الْخَيْرِ فَارْغَبَنَّه

تلواروں اور نیزوں کے سامنے صبر کر؛ ایسا صبر جو جنت میں داخل ہونے اور حورُ العین کے حصول کا سبب ہے۔ البتہ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو کامیابی چاہتے ہیں، نہ ان کے لیے جو شک و گمان پر ہیں۔ اے جان! آسائش کو ترک کر اور خیر و نیکی کے حصول کا اشتیاق پیدا کر۔

پھر اس نے شدید جنگ کی اور درجہ شہادت پر فائز ہوا۔[2]

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۱۴؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۰؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۱۰۵۔
۲۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۱۴؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۰؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۱۰۵۔

عُمیر بن عبد اللہ مذحجی

حضرت سعد بن حنظلہ کے بعد حضرت عُمیر بن عبد اللہ میدان جنگ میں تشریف لے گئے اور یہ اشعار پڑھے:

قَدْ عَلِمَتْ سَعْدٌ وَ حَيٌّ مِذْحَج　　أَنِّيْ لَيْثُ الْغَابِ لَمْ أُهَجْهَج
أَعْلُوْ بِسَيْفِيْ هَامَةَ الْمُدَجَّج　　وَ أَتْرُكُ الْقِرْنَ لَدَى التَّعَرُّج
فَرِيْسَةَ الضَّبُعِ الْأَزَلِّ الْأَعْرَج　　فَمَنْ تَرَاهُ وَاقِفًا بِمَنْهَجِ[1]

قبیلہ سعد اور قبیلہ مذحج جانتے ہیں کہ میں جنگل کا شیر ہوں، کبھی مجھے ٹھکرایا نہیں گیا۔ میں اپنی تلوار کو اسلحہ سے ڈھانپے ہوئے سر سے بلند کروں گا اور میں شکار کو زمین پر چھوڑ دوں گا، تا کہ وہ لنگڑے شیر کا لقمہ بن جائے۔ کون ہے جو میری راہ میں رکاوٹ بنے؟

عُمیر پوری قوت کے ساتھ جنگ لڑتا رہا، یہاں تک کہ مسلم ضُبابی اور عبد اللہ بَجَلی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔[2]

یحییٰ بن سُلیم مازنی

خوارزمی نے حضرت یحییٰ بن سُلیم کی جنگ اور شہادت کو روز عاشورہ بعد از نماز ظہر اور جناب عبد الرحمن بن عبد اللہ یزنی کی شہادت کے بعد ذکر کیا ہے۔[3]

ابن اعثم اور ابن شہر آشوب نے اس کی جنگ اور شہادت کو حضرت مسلم بن عوسجہ اور حضرت عبد الرحمن بن عبد اللہ یزنی کی شہادت کے بعد ذکر کیا ہے، جو عاشورہ کے دن نمازِ ظہر سے پہلے تھی۔[4]

١۔ سابقہ حوالہ۔

٢۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ٢، ص ١٤۔

٣۔ سابقہ حوالہ، ص ١٧۔

٤۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ٥، ص ١٠٦؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ٤، ص ١١١۔

اس روایت کے مطابق یحیی بن سلیم، عبد الرحمن بن عبد اللہ کے بعد میدان میں گئے اور یوں رجز خوانی کی:

لَأَضْرِبَنَّ الْقَوْمَ ضَرْبًا فَيْصَلَا　　ضَرْبًا شَدِيْدًا فِيْ الْعِدَا مُعْجِلًا

لَا عَاجِزًا فِيْهَا وَ لَا مُوَلْوَلَا　　وَ لَا أَخَافُ الْيَوْمَ مَوْتًا مُقْبِلًا

میں دشمنوں کو شدید اور فیصلہ کن ضرب لگاؤں گا؛ ایسی ضرب جس سے دشمن جلد نابود ہو جائیں۔

اور میں اس کام سے عاجز ہوں، اور نہ متزلزل؛ اور آنے والی موت سے خوف زدہ بھی نہیں ہو۔

پھر انہوں نے حملہ کیا اور سخت جنگ کرنے کے بعد شہید ہو گئے۔[1]

قُرّہ بن ابی قُرّہ غفاری

حضرت یحییٰ بن سُلیم کے بعد حضرت قُرَّہ بن ابی قرہ، میدان جنگ میں گئے اور یہ اشعار پڑھے:

قَدْ عَلِمَتْ حَقًّا بَنُوْ غِفَّارِ　　وَ خِنْدِفٌ بَعْدَ بَنِيْ نِزَارِ

بِأَنَّنِيْ اللَّيْثُ الْهِزَبْرُ الضَّارِيْ　　لَأَضْرِبَنَّ مَعْشَرَ الْفُجَّارِ

بِحَدِّ عَضْبٍ ذَكَرٍ بَتَّارِ　　يَشِعُّ لِيْ فِيْ ظُلْمَةِ الْغُبَارِ

دُوْنَ الْهُدَاةِ السَّادَةِ الْأَبْرَارِ　　رَهْطِ النَّبِيِّ أَحْمَدِ الْمُخْتَارِ

قبیلہ غفار، قبیلہ خنذف اور بنی نزار میری بہادری سے واقف ہیں۔ میں فاجروں کو تیز فولادی تلوار سے ضرب لگاؤں گا، جو غبار کی تاریکی میں بجلی کی مانند چمکتی ہے۔ اسی کے ساتھ خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کا دفاع کروں گا۔[2]

انہوں نے بہادری سے جنگ لڑی اور کچھ ناریوں کو فی النار کرنے کے بعد شہید ہو گئے۔[3]

۱۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۱۱؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۰۶۔

۲۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۱۸۔

۳۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۱۱۔

مالک بن انس کاہلی

حضرت قُرّہ بن ابی قُرہ کے بعد حضرت مالک بن انس کاہلی میدان جنگ میں گئے اور یوں رجزخوانی کی:

آلُ عَلِیٍّ شِیعَةُ الرَّحْمٰنِ   آلُ زِیَادٍ شِیعَةُ الشَّیْطَانِ[1]

حضرت علی علیہ السلام کا خاندان، خدائے رحمٰن کا پیروکار ہے؛ جبکہ خاندانِ ابوسفیان، شیطان کا پیروکار ہے۔

انہوں نے کچھ دشمنوں کو جہنم واصل کرنے بعد شہادت پائی۔[2]

شیخ صدوق رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق حضرت بُریر بن خُضیر کے بعد حضرت مالک بن انس کاہلی میدان جنگ میں تشریف لے گئے اور یوں رجزخوانی کی:

قَدْ عَلِمَتْ کَاهِلُهَا وَ دُوْدَانِ   وَ الْخِنْدِفِیُّوْنَ وَ قَیْسِ عِیْلَانِ

بِأَنَّ قَوْمِیْ قُصَّمُ الْأَقْرَانِ   یَا قَوْمُ کُوْنُوْا کَأُسُوْدِ الْجَانِ

آلُ عَلِیٍّ شِیْعَةُ الرَّحْمٰنِ   وَ آلُ حَرْبٍ شِیْعَةُ الشَّیْطَانِ

بنوکاہل، بنودودان، قریش اور بنوقیس جانتے ہیں کہ میرا قبیلہ کمر توڑ دینے والا ہے۔ اے میری قوم! شیر کی طرح کمین گاہ میں بیٹھو۔ آلِ علی علیہ السلام ، خدائے رحمٰن کے بندے ہیں؛ جبکہ آلِ سفیان، شیطان کے غلام ہیں۔

آپ، دشمن کے کچھ افراد کو قتل کرنے کے بعد درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[3]

عمرو (عمر) بن مُطاع جُعفی

حضرت مالک بن انس کے بعد حضرت عمرو بن مُطاع جُعفی میدان جنگ کے حریف بنے اور یوں رجز پڑھا:

۱۔ سابقہ حوالہ۔

۲۔ سابقہ حوالہ۔

۳۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۰، ص ۲۲۴ تا ۲۲۵۔

أَنَا ابْنُ جُعْفِيٍّ وَ أَبِيْ مُطَاعُ   وَ فِيْ يَمِيْنِيْ مُرْهِفٌ قَطَّاعُ
وَ أَسْمَرٌ سِنَانُهُ لَمَّاعُ   يُرٰى لَهُ مِنْ ضَوْئِهِ شُعَاعُ
قَدْ طَابَ لِيْ فِيْ يَوْمِيَ الْقِرَاعُ   دُوْنَ حُسَيْنٍ لَهُ الدِّفَاعُ

میں ابن جعفی ہوں اور بابا مطاع ہے۔ میرے ہاتھ میں قلع قمع کرنے والی شمشیر اور چمکدار نیزہ ہے جس کی شعائیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ آج امام حسین کا دفاع میری خوش نصیبی ہے۔

پھر دشمنوں پر حملہ آور ہوئے اور جنگ کرنے کے بعد جام شہادت نوش کیا۔

انیس بن معقل الاصبحی

پھر جناب انیس بن معقل میدان جنگ میں اترے اور یہ رجز پڑھا:

أَنَا أُنَيْسٌ وَ أَنَا ابْنُ مَعْقِلِ   وَ فِيْ يَمِيْنِيْ نَصْلُ سَيْفٍ مِصْقَلِ
أَضْرِبُ بِهِ فِي الْحَرْبِ حَتّٰى يَنْجَلِيْ   أَعْلُ بِهِ الْهَامَاتِ وَسْطَ الْقَسْطَلِ
مِنَ الْحُسَيْنِ الْمَاجِدِ الْمُفَضَّلِ   اِبْنِ رَسُوْلِ اللهِ خَيْرِ مُرْسَلِ

میں انیس ہوں، میں معقل کا بیٹا ہوں، میرے ہاتھ میں قاطع تلوار ہے۔ جنگ کی گرد و خاک کے درمیان، اس کے ساتھ دشمن کے سر پھوڑوں گا۔ اس کے ذریعے فرزند رسول امام حسین علیہ السلام کا دفاع کروں گا۔

پھر حملہ آور ہوئے اور جنگ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

جُنادہ بن حارث انصاری

ابن اعثم، خوارزمی اور ابن شہر آشوب نے حضرت نافع بن ہلال کے بعد حضرت جُنادہ بن حارث انصاری کا تذکرہ کیا ہے۔

عمرو بن جُنادہ

حضرت جُنادہ کے بعد ان کے بیٹے جناب عمرو بن جُنادہ میدان میں کود پڑے اور یہ رجز پڑھا:

أَصِفُ الْخَنَاقَ مِنِ ابْنِ هِنْدٍ وَ ارْمِهِ   مِنْ عَاهَةٍ لِفَوَارِسِ الْأَنْصَارِ
وَ مُهَاجِرِيْنَ مُخَضَّبِيْنَ رِمَاحَهُمْ   تَحْتَ الْعَجَّاجَةِ مِنْ دَمِ الْكُفَّارِ
حَسُنَتْ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ   فَالْيَوْمَ تَخْضَبُ مِنْ دَمِ الْفُجَّارِ
وَ الْيَوْمَ تَخْضِبُ مِنْ دِمَاءِ أَرَاذِلِ   رَفَضَ الْقُرْآنَ لِنُصْرَةِ الْأَقْدَارِ
طَلَبُوْا بِثَأْرِهِمْ بِبَدْرٍ إِذْ أَتَوْا   بِالْمُرْهَفَاتِ وَ بِالْقِنَا الْقَتَّارِ
وَ اللهِ رَبِّيْ لَا أَزَالُ مُضَارِبًا   فِيْ الْفَاسِقِيْنَ بِمُرْهَفٍ بَتَّارِ
هٰذَا عَلٰى الْأَزْدِيْ حَقٌّ وَاجِبٌ   فِيْ كُلِّ يَوْمٍ تَعَانُقٍ وَ كَرَارِ

ہند کے بیٹے کا گلا گھونٹ دے، انصار کے اسب سواروں کو اس کے دیار میں بھیج، اور اسی طرح مہاجرین کو بھیج جن کے نیزے جنگ کی گرو غبار میں کافروں کے خون سے رنگین ہوں گے۔ یہ وہ پیغمبر کے زمانہ میں رنگین ہوئے تھے اور آج ان فاجروں کے خون سے رنگین ہوں گے۔ یہ بدر میں بہائے جانے والے خون کا مطالبہ کر رہے ہیں، تلواروں اور نیزوں کے ساتھ واپس پلٹ آئے ہیں۔ اللہ کی قسم، میں فیصلہ کن شمشیر کے ذریعے فاسقوں سے جنگ کروں گا۔ آج ایسی جنگ ہم پر واجب ہے۔

پھر حملہ آور ہوئے اور جنگ کرتے ہوئے شہادت پائی۔[1]

ایک نوخیز لڑکے کی شہادت

پھر ایک نوخیز لڑکا میدان میں اترا۔ اس کا والد پہلے جام شہادت نوش کر چکا تھا اور اس کی ماں اس کے ہمراہ تھی۔ ماں نے اسے کہا: بیٹا جاؤ اور فرزند رسول کی حمایت میں جہاد کرتے ہوئے اپنی جان قربان کر دو۔ وہ میدان جہاد میں گیا۔ امام حسین علیہ السلام نے اسے فرمایا: اس لڑکے کا والد، پہلے شہید ہو چکا ہے، شاید اس کی ماں اس کے میدانِ جنگ میں جانے پر راضی نہ ہو۔ لڑکے نے کہا: اے فرزند رسول! میری ماں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میدان میں جاؤں۔ یہ رجز پڑھتے ہوئے وہ میدان میں نکلا:

۱۔ ابن اعثم، الفتوح، ج۵، ص۱۱۰۔

أَمِيْرِيْ حُسَيْنٌ وَ نِعْمَ الْأَمِيْر سُرُوْرُ فُؤَادِ الْبَشِيْرِ النَّذِيْرِ

عَلِيٌّ وَ فَاطِمَةُ وَالِدَاهُ فَهَلْ تَعْلَمُوْنَ لَهُ مِنْ نَظِيْرِ

میرا، امیر حسین ہے اور وہ بہترین سردار ہے۔ وہ بشیر، نذیر اور قلب پیغمبر کا سرور ہے۔ اس کا بابا علی اور ماں فاطمہ زہراء صلوات اللہ علیہا ہیں۔ کیا اس جیسا کوئی ہے؟

اسے نے جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ دشمنوں نے اس کے سر کو تن سے جدا کرکے، لشکرِ حسینیکی طرف پھینکا۔ اس کی ماں نے سر کو اٹھا کر کہا: شاباش اے میرے لخت جگر اور آنکھوں کی ٹھنڈک! پھر سر اٹھا کر دشمن کی طرف پھینکا، ایک سپاہی کو لگا جس سے وہ جہنم واصل ہو گیا۔ پھر اس نے خیمے کی ایک چوب اٹھائی اور یہ رجز پڑھتی ہوئی حملہ آور ہوئی:

أَنَا عَجُوْزٌ فِيْ النِّسَاءِ ضَعِيْفَة بَالِيَةٌ خَاوِيَةٌ نَحِيْفَة

أَضْرِبُكُمْ بِضَرْبَةٍ عَنِيْفَة دُوْنَ بَنِيْ فَاطِمَةَ الشَّرِيْفَة

میں بڑھیا ہوں، ضعیف و ناتواں ہوں۔ فرزند فاطمہ علیہا السلام کا دفاع کرتے ہوئے، تمہیں کاری ضرب لگاؤں گی۔

اس نے دو ناریوں کو جہنم واصل کیا۔ امام حسین علیہ السلام نے اسے واپس پلٹ آنے کا حکم دیا اور اس کے حق میں دعائے خیر کی۔[1]

تُرکی غلام کی شہادت

ابن شہر آشوب لکھتے ہیں: حُر بن یزید ریاحی کے تُرکی غلام، میدان جنگ میں اترے۔[2] لیکن خوارزمی نے لکھا ہے: یہ امام حسین علیہ السلام کا آزاد کیا ہوا غلام تھا۔ ترکی غلام، قرآن کے قاری اور عربی زبان کے عالم تھے۔ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان کارزار میں کود پڑے:

اَلْبَحْرُ مِنْ طَعْنِيْ وَ ضَرْبِيْ يَصْطَلِيْ وَ الْجَوُّ مِنْ سَهْمِيْ وَ نَبْلِيْ يَمْتَلِيْ

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۲۲؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۳۔

۲۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۳۔

إِذَا حُسَامِیْ فِیْ یَمِیْنِیْ یَنْجَلِیْ   یَنْشَقُّ قَلْبُ الْحَاسِدِ الْمُبَجَّلِ

میری تلوار اور نیزے کی ضربت سے دریا میں آگ لگ جاتی ہے اور ہوا میرے تیروں سے آلودہ ہو جاتی ہے۔ جب میرے ہاتھ میں ننگی تلوار بلند ہوتی ہے تو حاسدوں اور بخیلوں کے دل چیر دیتی ہے۔

پھر انہوں نے جہاد کرتے ہوئے دشمن کی ایک جماعت کو جہنم واصل کیا۔ دشمن نے چاروں طرف سے حملہ کیا۔ آپ زمین پر گرے۔ امام حسین علیہ السلام ان کے سرہانے پہنچے۔ امام علیہ السلام نے گریہ کیا اور اپنا چہرہ مبارک، غلام کے چہرے پر رکھا۔ اس وقت غلام نے آنکھیں کھولیں، امام حسین علیہ السلام کی زیارت کی، تبسم کیا اور روح پرواز کر گئی۔[1]

مالک بن دودان

پھر حضرت مالک بن دودان، یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جہاد میں اترے:

إِلَیْکُمْ مِنْ مَالِكِ الضِّرْغَامِ   ضَرْبَ فَتًی یَحْمِیْ عَنِ الْکِرَامِ

یَرْجُوْثَوَابَ اللهِ ذِی الْإِنْعَامِ

غضبناک شیر اور خاندانِ ابرار کا دفاع کرنے والے جوان کی ضربت تمہاری طرف آرہی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی آرزو رکھتا ہے۔[2]

ابو ثُمامہ صائدی

ان کے بعد ابو ثُمامہ صائدی میدان کارزار میں نکلے اور یہ رجز پڑھا:

عَزَاءً لِآلِ الْمُصْطَفٰی وَ بَنَاتِهِ   عَلٰی حَبْسِ خَیْرِ النَّاسِ سِبْطِ مُحَمَّدٍ

عَزَاءً لِزَهْرَاءِ النَّبِیِّ وَ زَوْجِهَا   خِزَانَةِ عِلْمِ اللهِ مِنْ بَعْدِ أَحْمَدَ

عَزَاءً لِأَهْلِ الشَّرْقِ وَ الْغَرْبِ کُلِّهِمْ   وَ حُزْناً عَلٰی حَبْسِ الْحُسَیْنِ الْمُسَدَّدِ

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۲۴؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۳۔

۲۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۳۔

فَمَنْ مُبْلِغٌ عَنِّي النَّبِيَّ وَ بِنْتَهُ بِأَنَّ ابْنَكُمْ فِي مَجْهَدٍ أَيِّ مَجْهَدٍ

میں آلِ محمد کا سوگ مناؤں گا، کیونکہ ظالموں نے سب سے افضل انسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے نواسہ کا محاصرہ کیا۔ میں حضرت زہرا علیہا السلام اور ان کے شوہر نامدار کا غم مناؤں گا جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد علم کا خزانہ ہیں۔ تمام اہل مشرق و مغرب کو تسلیت عرض کرتا ہوں، کون ہے جو میری طرف سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ اور اس کی دختر نیک اختر کو خبر پہنچائے کہ آپ کے فرزند شدید جنگ کے عالم میں ہیں۔

ابراہیم بن حُصَین اسدی

ان کے بعد حضرت ابراہیم بن حُصین میدان کارزار میں یہ رجز پڑھتے ہوئے داخل ہوئے:

أَضْرِبُ مِنْكُمْ مَفْصَلًا وَ سَاقًا لِيُهْرَقَ الْيَوْمَ دَمِي إِهْرَاقاً

وَ يُرْزَقَ الْمَوْتَ أَبُو إِسْحَاقاً أَعْنِي بَنِي الْفَاجِرَةِ الْفُسَّاقَا

میں تمہاری ٹانگیں کاٹ دوں گا یہاں تک کہ میرا خون بہایا جائے اور مجھے شہادت نصیب ہو۔ میری مراد بدکار عورت کا بیٹا ہے۔

حضرت ابراہیم نے ناریوں کی ایک جماعت کو جہنم واصل کر کے جام شہادت نوش کیا۔[1]

احمد بن محمد الہاشمی

پھر حضرت احمد بن محمد ہاشمی یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں گئے:

الْيَوْمَ أَبْلُو حَسَبِي وَ دِينِي بِصَارِمٍ تَحْمِلُهُ يَمِينِي

أَحْمِي بِهِ يَوْمَ الْوَغَى عَنْ دِينِي

آج اس تلوار کے ذریعے جو میں نے تھامی ہوئی ہے، میرے دین اور شرافت کا امتحان ہے۔ میں آج اس تلوار سے اپنے دین کا دفاع کروں گا۔

وہ جنگ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے۔

۱۔ سابقہ حوالہ، ص ۱۱۴۔

دو غلاموں کی شہادت

طبری نے کہاہے: امام حسین علیہ السلام کے آزادہ کیے ہوئے غلام سلیمان، کربلا میں سلیمان بن عوف حضرمی کے ہاتھوں شہید ہوئے اور اسی طرح آپ کے ایک آزاد کیے ہوئے غلام مُنجح نے بھی جام شہادت نوش کیا۔

ضحاک بن عبد اللہ مِشرَقی کا واقعہ

ابو مخنف نے ایک واسطے سے ضحاک بن عبد اللہ مِشرقی سے نقل کیاہے: جب میں نے دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام کے سارے اصحاب شہید ہوگئے اور آپ علیہ السلام اور آپ کے خاندان کی نوبت آگئی ہے اور آپ کے پاس سُوید بن ابی المطاع خثعمی اور بشیر بن عمرو حضرمی کے سوا کوئی باقی نہیں رہا تو میں نے امام علیہ السلام سے عرض کیا: اے فرزندِ پیغمبر! آپ بہتر جانتے ہیں کہ میرے اور آپ کے درمیان ایک بات طے تھی؛ اُس دن میں نے کہا تھا: جب تک آپ کے ہمراہ مجاہدین باقی ہیں تو میں آپ کی رکاب میں جنگ لڑوں گا؛ اور اگر کوئی مجاہد باقی نہ رہا تو مجھے جانے کی اجازت ہوگی اور آپ نے میری تائید کی تھی۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: تو نے سچ کہاہے، لیکن تو کیسے جائے گا؟ اگر تو جاسکتا ہے تو تجھے جانے کی اجازت ہے۔

ضحّاک کہتا ہے: جب میں نے دیکھا کہ لوگ گھوڑوں کے پاؤں کاٹ رہے ہیں، تو میں نے اپنے گھوڑے کو خیام میں چھپادیا اور واپس آکر پیادہ جنگ کی۔ اس دن میں نے امام حسین علیہ السلام کے سامنے دو ناریوں کو جہنم واصل کیا اور ایک کا ہاتھ کاٹا۔ امام حسین علیہ السلام مجھے بار بار فرمارہے تھے: اللہ تیرے ہاتھوں کو سلامت رکھے؛ اللہ تجھے خاندانِ پیغمبر کے صدقے جزائے خیر عطا کرے۔

ضحاک کہتا ہے: جونہی حسین نے مجھے اجازت دی تو میں گھوڑے کو خیام سے باہر لایا اور سوار ہو کر گھوڑے کو تیزی سے دوڑاتے ہوئے لشکر کے اندر گھس گیا، انہوں نے میرے لیے راستہ کھول دیا۔ پندرہ فوجیوں نے میرا تعاقب کیا، یہاں تک کہ میں ساحلِ فرات کے قریب شُفَیَّہ نامی گاؤں میں پہنچ گیا۔ جب فوجی مجھ تک پہنچ گئے تو میں واپس پلٹا۔ کثیر بن عبد اللہ شعبی، ایوب بن مِشرح خیوانی اور قیس بن عبد اللہ

صائدی نے مجھے پہچان لیا اور کہا: یہ ضحاک بن عبد اللہ مشرقی ہے، یہ ہمارا چچازاد ہے، تجھے اللہ کا واسطہ اسے چھوڑ دو۔ بنی تمیم کے تین افراد ان کے ساتھ تھے، انہوں نے بات مان لی اور کہا: اللہ کی قسم؛ ہم اپنے بھائیوں کی بات مانتے ہیں اور ان کے دوست کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جب تمیمیوں نے قبول کر لیا تو باقی افراد بھی مان گئے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے نجات دی۔[1]

۱۔ طبری، تاریخ الامم الملوک، ج۵، ص ۴۴۴، ۴۴۵۔

چودھویں فصل

بنی ہاشم کا جہاد اور شہادت

شہزادہ علی اکبر علیہ السلام کا جہاد

روز عاشورہ، جب تک اصحاب زندہ تھے میدان میں جاتے رہے اور پے در پے جام شہادت نوش فرماتے رہے۔ لیکن جب امام حسین علیہ السلام کے تمام اصحاب شہید ہو گئے اور اہل بیت (حضرت علی علیہ السلام، جعفر، عقیل، امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی اولاد) کے علاوہ کوئی نہ رہا، تو وہ سب جمع ہوئے اور ایک دوسرے کو الوداع کر کے جہاد کرنے لگے۔[1]

اکثر قدیمی اور معتبر کتب تاریخ اس بات پر متفق ہیں کہ خاندانِ بنی ہاشم کے سب سے پہلے شہید حضرت علی اکبر علیہ السلام ہیں۔[2]

حضرت علی اکبر بنی ہاشم کے جوانوں میں سے سب سے زیادہ خوبصورت اور خوب سیرت تھے۔ آپ نے اپنے والد ماجد کی خدمت میں جا کر اذنِ جہاد مانگا۔ امام حسین علیہ السلام نے جہاد کی اجازت دے دی۔ ایک نگاہ اپنے بیٹے پر ڈالی، پھر اپنی آنکھیں جھکا[3] کر گریہ کرنے لگے۔ پھر فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ! فَقَدْ بَرَزَ إِلَيْهِمْ غُلَامٌ أَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقًا وَ خُلُقًا وَ مَنْطِقًا بِرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ، وَ كُنَّا إِذَا اشْتَقْنَا اِلٰى نَبِيِّكَ نَظَرْنَا اِلَيْهِ.[1]

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۲۶۔

۲۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۲۷۹؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۶؛ طبری، تاریخ الامم الملوک، ج۵، ص۴۴۶؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۶؛ ابو الفرَج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۸۰؛ ابو علی مسکویہ، تجارب الامم و تعاقب الہمم، ج۲، ص۷۱؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۶۹؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۶۶؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص۲۴۲؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص۲۰۰۔
قابل ذکر ہے کہ ابن اعثم نے کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۱۰، خوارزمی نے مقتل الحسین ج۲، ص۲۶، ابن شہر آشوب نے مناقب آل ابی طالب ج۴، ص۱۱۴ پر عبد اللہ بن مسلم بن عقیل کو خاندان بنی ہاشم کا پہلا شہید کہا ہے۔

۳۔ ابن اعثم اور خوارزمی نے لکھا ہے کہ امام علیہ السلام نے اپنا رخ انور آسمان کی طرف بلند کیا (کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۱۴؛ مقتل الحسین، ج۲، ص۳۰)۔

خدایا، تو گواہ رہنا، میدان کارزار کی طرف ایسا جوان بھیج رہا ہوں جو صورت، سیرت اور گفتار میں سب سے زیادہ تیرے رسول کی شبیہ ہے۔ اور جب ہمیں تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کی زیارت کا شوق ہوتا تھا تو ہم اس کی زیارت کر کے اپنا شوق پورا کر لیتے تھے۔[1]

شہزادہ علی اکبر کا حملہ

حضرت علی اکبر علیہ السلام نے یہ رجز پڑھ کر حملہ کیا:

أَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيّ   نَحْنُ وَ بَيْتُ اللهِ أَوْلٰى بِالنَّبِي

وَ اللهِ لَا يَحْكُمُ فِيْنَا ابْنُ الدَّعِي   أَطْعَنُكُمْ بِالرُّمْحِ حَتّٰى يَنْثَنِي

أَضْرِبُكُمْ بِالسَّيْفِ حَتّٰى يَلْتَوِي   ضَرْبَ غُلَامٍ هَاشِمِيٍّ عَلَوِي

میں علی بن حسین بن علی ہوں، خانہ کعبہ کی قسم ہم نبی (کی جانشینی) کے زیادہ لائق ہیں۔ اللہ کی قسم، حرام زادہ (ابن زیاد) ہم پر حکمرانی نہیں کر سکتا۔ میں ہاشمی اور علوی جوانوں کی طرح اپنے نیزے سے اس قدر تمہیں ماروں گا کہ وہ خم ہو جائے، تلوار سے ایسا وار کروں گا کہ وہ ٹوٹ جائے۔

شہزادہ علی اکبر علیہ السلام مسلسل جہاد کر رہے تھے کہ کوفیوں نے نالہ و فریاد شروع کر دی، کیونکہ شہزادے نے ان کی کثیر جماعت کو جہنم واصل کیا۔[2]

امان نامے کو ٹھکرانا

اس وقت ایک شامی شخص نے شہزادے کو آواز دے کر کہا: تیری ماں کی جانب سے، امیر المؤمنین یزید کے ساتھ رشتہ داری ہے، اگر چاہو تو ہم آپ کو امان دیتے ہیں تاکہ تم جہاں جانا چاہو چلے جاؤ۔ شہزادہ

۱۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۶۶۔ تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہ جملات نقل ہوئے ہیں: مقتل الطالبیین، ابو الفرج اصفہانی، ص ۱۱۵؛ ابن اعثم، الفتوح، ج ۵، ص ۱۱۴؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۳۰ اور شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۰، ص ۲۲۶۔

۲۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۳۰۔ بعض کتب تاریخ میں شہزادہ علی اکبر کا رجز مختلف الفاظ میں ذکر ہوا ہے۔ رجوع کریں: تاریخ الامم و الملوک، ج ۵، ص ۴۴۶؛ الارشاد، ج ۲، ص ۱۰۶۔

علی اکبر علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی رشتہ داری کی پاسداری، ابوسفیان کی رشتہ داری سے بہتر ہے۔ اور اپنا جہاد جاری رکھا۔[1]

شہزادہ علی اکبر نے شدید جنگ کی اور قوم اشقیاء کی ایک کثیر جماعت کو جہنم واصل کیا، پھر واپس اپنے بابا کی خدمت میں پلٹ کر عرض کی:

یَا أَبَةِ! اَلْعَطَشُ قَدْ قَتَلَنِیْ، وَثِقْلُ الْحَدِیْدِ قَدْ أَجْهَدَنِیْ، فَهَلْ إِلٰی شُرْبَةِ مَاءٍ مِنْ سَبِیْلٍ؟

باباجان! مجھے پیاس نے مار دیا ہے، اور ہتھیاروں کے بوجھ نے تھکا دیا ہے، کیا ایک گھونٹ پانی مل سکتا ہے؟

امام علیہ السلام نے رو کر فرمایا: اے میرے لخت جگر، میں تیرے لیے پانی کہاں سے لاؤں، تھوڑی دیر اور جنگ کرو، بہت جلدی اپنے نانا سے ملاقات کرو گے، وہ تمہیں پانی کا ایسا جام پلائیں گے کہ جس کے بعد پھر پیاس محسوس نہیں کرو گے۔[2]

شہزادہ علی اکبر علیہ السلام کی شہادت

شہزادہ علی اکبر علیہ السلام دوبارہ میدانِ کارزار میں گئے اور یہ رجز پڑھتے ہوئے دشمنوں پر تابڑ توڑ حملے کیے:

اَلْحَرْبُ قَدْ بَانَتْ لَهَا حَقَائِقُ وَ ظَهَرَتْ مِنْ بَعْدِهَا مَصَادِقُ

وَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ لَا نُفَارِقُ جُمُوْعَكُمْ أَوْ تُغْمَدُوْا الْبَوَارِقُ

جنگ کی حقیقت واضح ہو گئی ہے اور حقیقی جنگجو کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔ عرش کے پروردگار کی قسم ، میں اس وقت تک تمہیں نہیں چھوڑوں گا جب تک تلواریں نیام میں نہیں چلی جاتیں۔

شہزادے نے بڑھ چڑھ کر جنگ کی اور دشمنوں کی کثیر تعداد کو جہنم واصل کیا۔[1] آپ بار بار رجز پڑھتے اور بڑھ چڑھ کر حملے کرتے تھے۔ کوئی آپ کو شہید کرنے سے کتراتے تھے۔ یہاں تک کہ مُرہ بن مُنقذ بن

۱۔ ابن سعد، ترجمہ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش ۱۰، ص ۱۸۲۔ جناب لیلیٰ کی ماں میمونہ، ابوسفیان کی بیٹی تھی۔

۲۔ سید بن طاووس، الملھوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۶۶؛ ابن اعثم، الفتوح، ج ۵، ص ۱۱۵۔

نعمان عبدی لیثی (ملعون) نے آپ کو دیکھ کر کہا: اگر یہ جوان میرے پاس سے گزرے اور میں اس کے باپ کو اس کے غم میں نہ بیٹھادوں، تو عرب کے گناہوں کا بوجھ میری گردن پر ہو۔ شہزادہ علی اکبر علیہ السلام نے دوبارہ دشمنوں پر حملہ کیا اور اسی دوران مُرہ بن منقذ عبدی نے آپ کو ضرب ماری، جس سے شہزادہ زمین پر آئے۔ فوج اشقیاء نے آپ کو گھیرے میں لیا اور تلواروں سے آپ بدن اطہر کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے۔[۲]

خوارزمی نے مُرہ بن منقذ کے وار کے بعد ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: شہزادے نے اپنی باہیں گھوڑے کے گلے میں ڈالیں اور گھوڑا انہیں لشکر دشمن کی طرف لے گیا۔ دشمنوں نے تلوار کے ساتھ شہزادے کے نازک بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے۔

شہزادے نے آواز دی:

يَا اَبَتَاهُ عَلَيْكَ مِنِّيْ السَّلَامُ هٰذَا جَدِّيْ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ لَكَ عَجِّلِ الْقُدُوْمَ عَلَيْنَا

باباجان، آپ کو میرا سلام ہو، یہ میرے نانا ہیں، آپ کو سلام دے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں: آپ جلد میرے پاس آؤ۔

پھر شہزادے کی روح پرواز کر گئی۔ امام حسین علیہ السلام شہزادے کے سرہانے آئے اور اپنا رخسار مبارک بیٹے کے رخسار پر رکھ[۳] کر فرمایا:

قَتَلَ اللهُ قَوْماً قَتَلُوْكَ مَا اَجْرَأَهُمْ عَلَى اللهِ وَعَلَى انْتِهَاكِ حُرْمَةِ الرَّسُوْلِ، عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعَفَا

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۳۱۔ بلاذری، دینوری، طبری، ابوالفرج اصفہانی، ابن اعثم اور شیخ مفید وغیرہ نے حضرت علی اکبر کے ہاتھوں فی النار ہونے والوں کی تعداد نہیں لکھی۔ لیکن شیخ صدوق نے الامالی، مجلس ۳۰، ص ۲۲۶ میں چوالیس (۴۴)، خورزمی نے دو سو (۲۰۰)، ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۱۸ میں (۷۰) ستر اور قندوزی نے ینابیع المودہ میں (۸۰) اسی افراد لکھے ہیں جو شہزادہ علی اکبر علیہ السلام کی تلوار کے ساتھ واصل جہنم ہوئے۔

۲۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۶؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۶؛ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۱۱۵۔

۳۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۳۱۔

اللہ اس قوم کو ہلاک کرے جس نے تجھے شہید کیا ہے۔ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان ہیں۔ تیرے بعد دنیامیں خاک ہے۔

جناب زینب عالیہ علیہا السلام جلدی سے خیمہ سے باہر آئیں اور بین کیا:"ہائے میرے بھائی، ہائے میرے بیٹے" اور اپنے آپ کو علی اکبر کے بدن پر گرادیا۔ امام حسین علیہ السلام بہن کو خیمہ میں لے گئے۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے جوانان بنی ہاشم کو آواز دی: **احملوُا اخاکم؛(بھائی کو اٹھالو۔)** وہ شہزادے کو اٹھا کر لے گئے اور خیمہ کے سامنے زمین پر رکھ دیا۔[1] پھر امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: یا اللہ، انہوں نے ہمیں بلایا ہے کہ ہماری مدد کریں گے؛ لیکن انہوں نے ہمارا احترام نہیں کیا اور ہمیں قتل کیا ہے۔ یا اللہ، ان پر آسمان سے بارش نہ برسانا اور انہیں زمین کی برکات سے محروم رکھنا۔ ان کے درمیان جدائی ڈال دے اور انہیں مختلف گروہوں میں بانٹ کر منتشر کردے اور حکمرانوں کو ہمیشہ ان سے ناخوش فرما۔[2]

امام حسین علیہ السلام نے عمر بن سعد کو مخاطب کرکے فرمایا:

مَا لَکَ قَطَعَ اللهُ رَحِمَکَ، وَ لَا بَارَکَ لَکَ فِی أَمْرِکَ، وَ سَلَّطَ عَلَیْکَ بَعْدِیْ مَنْ یَقْتُلُکَ عَلیٰ فِرَاشِکَ، کَمَا قَطَعْتَ رَحِمِیْ وَلَمْ تَحْفَظْ قَرَابَتِیْ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ

تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اللہ تیری نسل ختم کرے، تیرے امور میں برکت نہ ہو، تجھ پر ایسے شخص کو مسلط کرے جو بستر پر تیرا سر تن سے جدا کرے جس طرح تو نے میری ذریت کو شہید کیا ہے اور میری رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے رشتہ داری کا حیا بھی نہیں کیا۔

پھر بلند آواز سے یہ آیت تلاوت فرمائی:

"إِنَّ اللهَ اصْطَفَى آدَمَ وَ نُوحاً وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا من بَعْضٍ وَ اللهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ"[3]

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۶؛ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص۱۵۵۔

۲۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش۱۰، ص۱۸۲۔

۳۔ آل عمران، (۳) ۳۳-۳۴۔

بے شک اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام عالمین پر برگزیدہ فرمایا ہے۔ وہ اولاد جو ایک دوسرے کی نسل سے ہیں اور اللہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔

ابو حمزہ ثمالی نے زیارت سید الشہدا علیہ السلام کے متعلق امام صادق علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں شہزادہ علی اکبر علیہ السلام کی زیارت کا طریقہ بھی ذکر ہوا ہے اور اس میں کچھ ایسی باتیں نقل ہوئی ہیں جو تاریخی کتب میں نہیں ملتی؛ ان میں سے ایک یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے شہزادہ علی اکبر علیہ السلام کی شہادت کو اللہ کے سپرد کیا اور اس کا خون، چلو میں بھر کر آسمان کی طرف پھینکا اور ایک قطرہ بھی واپس نہ آیا۔ اس زیارت کا کچھ حصہ امام صادق علیہ السلام سے یوں نقل ہوا ہے:

"اے شہیدِ جفا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اسی خون کے ساتھ تو نے حبیب خدا کی طرف سفر کیا ہے۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ اپنے بابا کے دیکھتے ہی میدان جہاد کی طرف گئے ہو، حالانکہ انہوں نے آپ کی شہادت کو اللہ کے حوالے کیا ہے، آپ پر گریہ کیا اور ان کا دل آپ کی وجہ سے جل رہا تھا؛ انہوں نے آپ کا خون اپنے ہاتھوں میں لے کر آسمان کی طرف پھینکا اور ایک قطرہ بھی زمین کی طرف واپس نہ آیا۔ جب آپ نے بابا کو الوداع کہا تو وہ آہ و بکا کرتے رہے۔ آپ کا اور آپ کے والد کا مقام اللہ کے ہاں ہے۔ جنت میں آپ نعمات الٰہی سے بہرہ مند ہوں گے۔ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کے قاتلوں سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں۔"[1]

جناب عبد اللہ بن مُسلم بن عقیل علیہ السلام کی شہادت

خاندان ابوطالب کے دوسرے شہید حضرت عبد اللہ بن مُسلم ہیں۔[2] جناب عبد اللہ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدانِ جنگ میں گئے:

اَلْيَوْمَ أَلْقٰى مَسْلِمًا وَ هُوَ أَبِیْ　　وَ فِتْيَةٌ مَاتُوْا عَلٰى دِيْنِ النَّبِیْ

۱۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۷۹، ص ۴۱۵، ۴۱۶، ح ۶۳۹۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۴۷؛ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۷۹؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۶؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۰۷۔ ابن اعثم نے کتاب الفتوح ج ۵، ص ۱۱۰، خورزمی نے مقتل الحسین، ج ۲، ص ۲۶ اور ابن شہر آشوب نے مناقب آل ابی طالب، ج ۳، ص ۱۱۴ میں عبد اللہ بن مسلم کو پہلا شہید قرار دیا ہے۔

لَيْسَ كَقَوْمٍ عُرِفُوْا بِالْكَذِبِ　　　لٰكِنْ خِيَارٌ وَ كِرَامُ النَّسَبِ[1]

میں آج اپنے بابا مُسلم اور دین خدا کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والوں کا دیدار کروں گا۔ وہ ان لوگوں کی طرح نہیں تھے جو مشہور و معروف جھوٹے ہیں، بلکہ وہ (مسلم اور شہدائے راہ حق) نیک سیرت اور پاکیزہ نسب ہیں۔

پھر جناب عبد اللہ نے دشمن کی کثیر جماعت کو جہنم واصل کرنے کے بعد عمرو بن صُبَیح صیداوی اور اسد بن مالک کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔[2]

مورخین نے حضرت عبد اللہ بن مسلم کی شہادت کے بارے میں لکھا ہے کہ عمرو بن صُبَیح صیداوی نے عبد اللہ کو تیر کا نشانہ بنایا، عبد اللہ نے ہاتھ پیشانی پر رکھا تو تیر ہاتھ میں پیوست ہو کر پیشانی کے ساتھ اس طرح پیوست ہوا کہ آپ اسے حرکت نہ دے سکتے تھے۔ اس کے بعد ایک اور تیر چلایا جس نے عبد اللہ کے جگر کو زخمی کیا۔ قوم اشقیاء نے ہر طرف سے شہزادے کو گھیرے میں لے کر شہید کر دیا۔[3][4]

محمد بن مسلم بن عقیل علیہ السلام کی شہادت

مورخین نے حضرت محمد بن مسلم بن عقیل علیہ السلام کو شہدائے کربلا میں شمار کیا ہے۔ آپ نے کوفیوں کے ساتھ جنگ کی اور ابو مریم ازدی نامی ایک شقی نے آپ پر نیزے کا وار کیا جس سے جام شہادت نوش کیا۔[5]

بعض مورخین نے کہا: ابو مریم ازدی اور لُقیط بن ایاس جُہنِی دونوں شقی، جناب عبد اللہ کے قاتل ہیں۔[1]

۱۔ خوارزمی، قت، الحسین، ج ۲، ص ۲۶؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۱۱۱ (تھوڑے سے فرق کے ساتھ)۔

۲۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۴۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۴۷۔

۴۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۶۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جناب عبد اللہ کو زید بن رفا الجنبی نامی ایک شخص نے شہید کیا ہے۔ رجوع کریں: بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۶، اور ج ۶، ص ۴۰۸۔

۵۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۵۔

عون بن عبد اللہ بن جعفر طیار علیہ السلام کی شہادت

مورخین کی روایات کے مطابق، بنی ہاشم میں سے تیسرے شہید جناب عون بن عبد اللہ بن جعفر طیار علیہ السلام ہیں۔[۲]

جناب عون بن عبد اللہ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جہاد میں تشریف لے گئے:

إِنْ تُنْكِرُوْنِيْ فَأَنَا ابْنُ جَعْفَرِ   شَهِيْدُ صِدْقٍ فِيْ الْجِنَانِ أَزْهَرِ

يَطِيْرُ فِيْهَا بِجِنَاحٍ أَخْضَرِ   كَفٰى بِهٰذَا شَرَفًا فِيْ الْمَحْشَرِ

تم اگر مجھے نہیں پہچانتے تو جان لو کہ میں جعفر طیار کا بیٹا ہوں؛ جو نور جنت سے منور ہیں اور سبز پروں کے ساتھ محو پرواز ہیں۔ روز محشر میں یہی شرف کافی ہے۔

فوج اشقیاء کے کچھ ناریوں کو جہنم واصل کرنے کے بعد عبد اللہ بن قُطبہ طائی ملعون کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔[۳]

محمد بن عبد اللہ بن جعفر طیار علیہ السلام کی شہادت

پھر حضرت محمد بن عبد اللہ بن جعفر یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں گئے:

نَشْكُوْ إِلَى اللهِ مِنَ الْعُدْوَانِ   فِعَالَ قَوْمٍ فِي الرَّدىٰ عُمْيَانِ

قَدْ تَرَكُوْا مَعَالِمَ الْقُرْآنِ   وَ أَظْهَرُوْا الْكُفْرَ مَعَ الطُّغْيَانِ

اللہ کی بارگاہ میں ہم ان دشمنان ستم گر کی شکایت کرتے ہیں جو گمراہی اور اندھیرے میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ انہوں نے قرآنی تعلیمات کو چھوڑ دیا ہے اور کفر و سرکشی کا پرچار کیا ہے۔

پھر شدید جنگ کی[۴] اور عامر بن نَہشل تیمی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔[۱]

۱۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۹۴۔ البتہ اس کتاب میں اس کا نام غلط لکھا ہوا ہے، یعنی ابو مرہم۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۴۷؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۶؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۰۷۔ ابو حنیفہ دینوری نے ان کا نام عدی بن عبد اللہ بتایا ہے۔ (الاخبار الطوال، ص ۳۷۹)۔

۳۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۵۔

۴۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۲۶۔

عبید اللہ بن عبد اللہ بن جعفر طیار علیہ السلام کی شہادت

جناب عبید اللہ بن عبد اللہ بن جعفر طیار کا شمار بھی شہدائے کربلا میں ہوتا ہے۔ آپ ، بِشر بن حُویطر قانِصی نامی ایک لعین کے ہاتھوں شہید ہوئے۔[۲]

عبد الرحمٰن بن عقیل بن ابو طالب علیہ السلام کی شہادت

پھر جناب عبد الرحمٰن بن عقیل نے یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جہاد میں قدم رکھا:

أَبِیْ عَقِیْلٌ فَاعْرِفُوْا مَکَانِیْ   مِنْ هَاشِمٍ وَ هَاشِمٌ اِخْوَانِیْ

فِیْنَا حُسَیْنٌ سَیِّدُ الْاَقْرَانِ   وَ سَیِّدُ الشَّبَابِ فِیْ الْجِنَانِ

میرا بابا عقیل ہے، بنی ہاشم میں میرا مقام پہچانو اور جان لو کہ ہاشمی میرے بھائی ہیں۔ حسین جو کہ جوانانِ جنت کے سردار ہیں، وہ ہم میں سے ہیں۔

دشمنوں کی ایک تعداد کو جہنم واصل کیا[۳] اور بالآخر بِشر بن سَوط (یا حُوط) ہمدانی اور عثمان بن خالد جُہنی کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔[۴]

جعفر بن عقیل بن ابو طالب علیہ السلام کی شہادت

ان کے بعد جناب جعفر بن عقیل یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں تشریف لے گئے:

أَنَا الْغُلَامُ الْاَبْطَحِیُّ الطَّالِبِیُّ   مِنْ مَعْشَرٍ فِیْ هَاشِمٍ وَ غَالِبِ

فَنَحْنُ حَقًّا سَادَةُ الذَّوَائِبِ   فِیْنَا حُسَیْنٌ اَطْیَبُ الْاَطَائِبِ

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۴۷؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۶؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۰۷۔ ابن شہر آشوب نے اس کا نام نہشل تمیمی لکھا ہے۔

۲۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۹۲؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۵۔

۳۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۵۔

۴۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۴۷۔

میں خاندان ابو طالب کا ابطحی جوان ہوں، قبیلہ بنی ہاشم اور غالب سے ہوں۔ ہم حقیقی سردار ہیں اور حسین علیہ السلام ہم میں سے ہیں۔

انہوں نے دلیرانہ جنگ کی اور دشمن کے سواروں کی ایک تعداد کو جہنم واصل کرنے کے بعد عبد اللہ بن عزرہ خَثعَمی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔[1]

عبد اللہ بن عقیل بن ابو طالب علیہ السلام کی شہادت

مورخین کی ایک جماعت نے حضرت عبد اللہ بن عقیل بن حضرت ابو طالب علیہ السلام کو بھی شہدائے کربلا میں شمار کیا ہے۔[2] لیکن ان کے جہاد اور شہادت کی کیفیت بیان نہیں کی۔ ان کے قاتل کے نام میں اختلاف ہے۔ طبری نے لکھا ہے: عبد اللہ بن عقیل بن ابی طالب علیہ السلام، جن کی ماں کنیز تھیں، روز عاشورہ شہید ہوئے ہیں۔ عمرو بن صُبَیح صیداوی نے تیر کے وار سے انہیں شہید کیا ہے۔[3]

محمد بن ابی سعید بن عقیل علیہ السلام کی شہادت

حضرت محمد بن ابی سعید بن عقیل نے بھی روز عاشورہ جام شہادت نوش کیا ہے۔[4] آپ، لُقیط بن یاسر جُہنی کے ہاتھوں شہید ہوئے ہیں۔[5]

شہزادہ قاسم بن امام حسن علیہ السلام کی شہادت

حضرت قاسم بن امام حسن علیہ السلام میدان میں تشریف لے گئے جبکہ آپ کی عمر مبارک بلوغ تک نہیں پہنچی تھی۔ جب امام حسین علیہ السلام کی نظر اپنے بھتیجے پر پڑی تو آپ نے اسے آغوشِ امامت میں لیا اور دونوں

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۷۔

۲۔ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصلنامہ تراثنا، ش۱۰، ص۱۸۵؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۹؛ مسعودی، مروج الذہب، ج۳، ص۷۱۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۹؛ ابو الفرج اصفہانی نے کہا ہے کہ ان کا قاتل عثمان بن خالد بن اسیر جُہنی ہے جبکہ ابن شہر آشوب کے نزدیک قاتل عثمان بن خالد جُہنی ہے۔ (مقاتل الطالبیین، ص۹۳؛ مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۱۵)

۴۔ ابن سعد، سابقہ حوالہ، ص۱۸۵؛ تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۹۔

۵۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۹۔

نے گریہ کیا۔ جناب قاسم علیہ السلام نے اذنِ جہاد مانگا، لیکن سید الشہدا نے انہیں اجازت نہ دی۔ شہزادے نے کئی بار چچا کے دست و پا کا بوسہ لے کر اذن جہاد مانگا۔ آخر کار امام حسین علیہ السلام نے انہیں اجازت دے دی۔ شہزادہ قاسم یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں تشریف لے گئے جبکہ آپ کی آنکھوں سے اشک جاری تھے:

اِنْ تُنْكِرُوْنِیْ فَاَنَا فَرْعُ الْحَسَنِ سِبْطُ النَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی وَ الْمُؤْتَمَنِ

هٰذَا حُسَیْنٌ كَالْاَسِیْرِ الْمُرْتَهَنِ بَیْنَ اُنَاسٍ لَاسُقُوْا صَوْبَ الْمُزْنِ[1]

اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو جان لو کہ میں سبط پیغمبر حسن کا بیٹا ہوں۔ یہ حسین ہیں جو قیدیوں کی طرح لوگوں کے درمیان گھرے ہوئے ہیں کہ میٹھا پانی نہ پی سکیں۔

ابن شہر آشوب کی روایت کے مطابق شہزادہ قاسم نے یہ رجز پڑھا:

اِنِّیْ اَنَا الْقَاسِمُ مِنْ نَسْلِ عَلِیْ نَحْنُ وَ بَیْتُ اللهِ اَوْلٰی بِالنَّبِیْ

مِنْ شِمْرِ ذِی الْجَوْشَنِ اَوِ ابْنِ الدَّعِیْ[2]

میں قاسم ہوں اور علی علیہ السلام کی نسل سے ہوں۔ ہمارے لیے، شمر بن ذی الجوشن اور بدکار عورت کے بیٹے کی قرابت سے نبی کی قرابت زیادہ بہتر ہے۔

حمید بن مسلم کہتا ہے:

ایک جوان ہماری طرف نکلا جس کا چہرہ چاند کی طرح (چمک رہا) تھا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اس کے بدن پر پیراہن اور شلوار تھی۔ اس کے پیروں میں جوتے تھے، ایک جوتے کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا اور میں نہیں بھولتا کہ وہ بائیں پاؤں کے جوتے کا تسمہ تھا۔ عمرو بن سعد بن نُفَیل ازدی نے مجھے کہا: اللہ کی قسم؛ میں اس پر حملہ کروں گا۔ میں نے کہا: سبحان اللہ، تو اس پر حملہ کرے گا؟ جبکہ اتنے بڑے لشکر نے اس کو گھیرا ہوا ہے، وہی کافی ہے۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم؛ میں اس پر حملہ کروں گا۔ اس (شقی) نے حملہ

---

١. خوارزمی، مقتل الحسین، ۲، ص ۲۷۔

۲۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۵۔

کیا۔ شہزادے کا سر شگافتہ ہو گیا۔ نوجوان زمین پر گرا اور آواز دی: چچا جان۔ حسین اس طرح گئے، جیسے باز اپنے شکار پر جھپٹتا ہے اور غضبناک شیر کی طرح (دشمنوں پر) حملہ آور ہوئے، عمرو بن سعد پر تلوار کا وار کیا، اس نے ہاتھ سے وار کو روکنا چاہا تو اس کا ہاتھ کہنی سے کٹ گیا۔ اس نے فریاد کی اور ایک طرف چلا گیا۔ فوج اشقیاء نے حملہ کر کے اسے نجات دلانا چاہی؛ لیکن وہ گھوڑوں کے سموں تلے کچلا گیا اور جہنم واصل ہو گیا۔[1] جب غبار چھٹا تو میں نے دیکھا کہ حسین علیہ السلام نوجوان کے سرہانے بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ زمین پر ایڑھیاں رگڑ رہا ہے۔ حسین کہہ رہے ہیں: بُعْدًا لِقَوْمٍ قَتَلُوْكَ وَ مِنْ خَصْمِهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْكَ جَدُّكَ۔ اللہ کی رحمت سے دور ہوں وہ لوگ جنہوں نے تجھے شہید کیا ہے اور روز قیامت جن کے دشمن تیرے جد امجد ہوں گے۔[2]

پھر فرمایا:

عَزَّ وَ اللهِ عَلٰى عَمِّكَ أَنْ تَدْعُوَهُ فَلَا يُجِيبُكَ أَوْ يُجِيبُكَ فَلَا يَنْفَعُكَ صَوْتٌ وَ اللهِ كَثُرَ وَاتِرُوْهُ وَ قَلَّ نَاصِرُوْهُ

اللہ کی قسم؛ تیرے چچا پر بہت سخت ہے کہ تو پکارے اور وہ جواب نہ دیں؛ یا جواب تو دیں لیکن تیرے لیے فائدہ مند نہ ہو۔ اللہ کی قسم؛ یہ، وہ آواز ہے جس کے خون خواہ (بدلہ لینے والے دشمن) زیادہ اور مددگار (دوست) کم ہیں۔[3] پھر حسین نے اسے اٹھایا، گویا میں ابھی دیکھ رہا ہوں کہ حسین نے اس کا سینہ اپنے سینے سے ملایا اور خیام کی طرف لے کر چلے اور شہزادے کے پاؤں زمین پر خط کھینچ رہے تھے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ وہ اسے کیا کرے گا؟ میں نے دیکھا کہ شہزادے کو لے گئے اور اپنے بیٹے حضرت علی اکبر اور دوسرے شہدائے بنی ہاشم کے ساتھ رکھ دیا۔ میں نے پوچھا: یہ جوان کون ہے؟ انہوں نے کہا: قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے۔[4]

۱۔ کچھ لوگوں نے عربی عبارت کے ترجمے میں اشتباہ کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت قاسم گھوڑوں کے سموں تلے روندے گئے لیکن صحیح یہ ہے کہ جناب قاسم کا قاتل گھوڑوں کے سموں تلے کچلا گیا۔

۲۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۰۸؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۶۸۔

۳۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۰۸۔

۴۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۴۷، ۴۴۸؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۰۸، ۱۰۸۔

امام حسینؑ نے شہزادہ قاسم کا لاشہ شہدائے بنی ہاشم کے ساتھ رکھ کر آسمان کی طرف رُخ انور کیا اور فرمایا: اے اللہ! انہیں ہلاک کر، ان میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ رکھنا اور ان کو کبھی معاف نہ کرنا۔ اے میرے چچازاد بھائیو! صبر کرو، صبر کرو؛ اے میرے خاندان والو! آج کے بعد کبھی ذلت نہیں دیکھو گے۔

ابو بکر بن امام حسنؑ کی شہادت

شہزادہ قاسم کی شہادت کے بعد حضرت ابو بکر بن امام حسنؑ نے شہادت پائی۔ عبد اللہ بن عُقبہ غَنَوی نے ابو بکر کے طرف ایک تیر چلایا جس سے شہزادہ نے جام شہادت نوش کیا۔ ابن ابی عقب نامی ایک شاعر اس کی یوں تصویر کشی کرتا ہے:

وَ عِنْدَ غَنِيٍّ قَطْرَةٌ مِنْ دِمَائِنَا   وَ فِي اَسَدٍ اُخْرٰى تُعَدُّ وَ تُذْكَرُ

قبیلہ غنی میں ہمارے خون کا قطرہ موجود ہے [جس کا انتقام لینا ضروری ہے] اور اسی طرح ایک اور خون بھی اس قبیلہ اسد میں ہے جو کبھی نہیں بھلایا جائے گا۔[1]

ایک کمسن کی شہادت

ابو الہُذیل سکونی نامی ایک شخص کہتا ہے: کوفہ کے حاکم خالد بن عبد اللہ کے زمانے میں ایک دن ہانی بن ثُبیت حضرمی اپنے خاندان والوں کی ایک محفل میں بیٹھا تھا۔ میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا: میں کربلا میں حسینؑ کی شہادت کا شاہد تھا۔ اللہ کی قسم، میں دس افراد کے ایک گروہ میں کھڑا تھا۔ ہم سب اپنے اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔ گھوڑے جولان اور حرکت کی حالت میں تھے کہ اچانک میں نے آل حسینؑ میں سے ایک کمسن کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، پیراہن اور شلوار زیب تن کی ہوئی تھی اور حیران ہو کر دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے دونوں کانوں میں گوشوارے تھے اور جب وہ

۱۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۸۰؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۶؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۴۸۔

حرکت کرتا تو گوشوارے بھی دائیں بائیں جھولتے تھے۔ اس وقت ایک شخص نے اس پر حملہ کیا۔ جونہی اس کے قریب پہنچا تو نیچے جھک کر تلوار کے ساتھ اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔

سکونی کہتا ہے: ہانی بن ثُبیت نے ہی اس کمسن کو شہید کیا تھا اور لعنت و ملامت کے خوف سے اپنا نام نہیں لیتا تھا۔[1]

ابو بکر بن امام علی علیہ السلام کی شہادت

پھر امام حسین علیہ السلام کے بھائی میدان جنگ کے حریف بنے؛ سب سے پہلے جناب ابو بکر بن علی علیہ السلام ہیں۔ ان کا نام عبد اللہ ہے اور ان کی والدہ ماجدہ لیلیٰ بنت مسعود بن خالد بن ربعی ہیں۔ آپ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں تشریف لے گئے:

شَيْخِيْ عَلِيٌّ ذُوْ الْفِخَارِ الْاَطْوَلِ   مِنْ هَاشِمِ الصِّدْقِ الْكَرِيْمِ الْمُفْضَّلِ
هٰذَا الْحُسَيْنُ ابْنُ النَّبِيِّ الْمُرْسَلِ   نَذُوْدُ عَنْهُ بِالْحُسَامِ الْفَيْصَلِ
تَفْدِيْهِ نَفْسِيْ مِنْ اَخٍ مُبَجَّلٍ   يَا رَبِّ فَامْنَحْنِيْ ثَوَابَ الْمِجْزَلِ

میرے سردار علی علیہ السلام ہیں؛ وہ افتخار اعلیٰ کے مالک ہیں، خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ ہیں، کریم اور صاحب فضل ہیں۔ یہ فرزند پیغمبر حسین علیہ السلام ہیں، اور ہم شمشیر قاطع کے ذریعے ان کا دفاع کریں گے۔ میری جان فدا ہو اس عظیم بھائی پر۔ اے اللہ، مجھے ثواب جزیل عطا فرما۔

زَحر بن قیس نَخعی نے جناب ابو بکر پر حملہ کیا اور انہیں شہید کیا۔ کہا گیا ہے کہ عبد اللہ بن عُقبہ غنوی نے ان کو تیر سے شہید کیا ہے۔[2]

مورخین کے ایک گروہ نے حضرت ابو بکر کو شہدائے کربلا میں شمار کرنے کے باوجود، ان کے سرزمین کربلا پر شہید ہونے میں شک کیا ہے۔[3]

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۹۔

۲۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۲۸۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۸؛ مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۲۲۔

محمد بن امام علی علیہ السلام کی شہادت

مورخین نے حضرت محمد بن علی علیہ السلام کو شہدائے کربلا میں شمار کیا ہے۔[1] طبری کہتے ہیں: محمد بن علی بن ابی طالب نے جن کی والدہ ماجدہ کنیز تھیں، قبیلہ بنی ابان بن دارِم کے ایک شخص کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔[2]

حضرت حسن مثنیٰ علیہ السلام کا جہاد

ایک اور شخصیت جنہوں نے واقعہ عاشورا میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اپنے زمانے کے امام کی راہ میں جانثاری کی ہے اور اپنا نام امام حسین علیہ السلام کے وفادار ساتھیوں میں درج کرایا ہے، وہ جناب حسن مثنیٰؒ ہیں۔ آپ، امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے بڑے بیٹے ہیں۔

سید بن طاووس کہتے ہیں: کتاب المصابیح کے مصنف نے روایت کی ہے کہ روز عاشورہ حسن بن حسن مثنیٰؒ علیہ السلام نے اپنے چچا کے سامنے جنگ کی اور آپ کے بدن مبارک پر اٹھارہ زخم آئے۔ آپ زخموں کی شدت کی وجہ سے شہداء میں گر گئے۔ جب کوفیوں نے شہداء کے سرہائے مبارک جسموں سے جدا کرنا شروع کیے تو دیکھا کہ جناب حسن مثنی میں ابھی تک رمق باقی ہے۔ ان کے ماموں اسماء بن خارجہ[3] نے کوفیوں سے بات کر کے انہیں اس بات پر راضی کر لیا کہ حسن مثنی کو اس کے سپرد کر دیں اور کہا: اگر ابن زیاد نے اسے مجھے دے دیا تو بہت بہتر، اور اگر نہ دیا تو وہ خود فیصلہ کرے گا؛ لہذا جناب حسن مثنی کو کوفہ لے گیا۔ وہ قبیلہ فرازہ کا سردار تھا اور کوفہ کے اشراف میں شمار ہوتا تھا۔ ابن زیاد نے حضرت حسن مثنی کو اسے دے دیا۔ اس نے شہزادے کا علاج کیا اور پھر مدینہ واپس بھیج دیا۔[4]

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۸؛ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصنامہ تراثنا، ش۱۰، ص۱۸۵؛ مسعودی، مروج الذہب، ج۳، ص۲۵۸؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۲۲۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۸؛ ابن سعد، ترجمۃ الحسین ومقتلہ، فصنامہ تراثنا، ش۱۰، ص۱۸۵؛ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۸۵۔

۳۔ اسماء بن خارجہ اور جناب حسن مثنی کی والدہ ماجدہ حضرت خولہ دونوں قبیلہ بنی فرازہ سے تھے، اسی لیے اس نے اپنے آپ کو حسن مثنی کا ماموں کہا ہے۔

۴۔ ابن عنبہ، عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، ص ۹۲۔

لیکن طبری کہتے ہیں: حضرت حسن بن حسن علیہ السلام جن کی والدہ ماجدہ خولہ بنت منظور بن زبان بن سیار فرازی تھیں، کم سن ہونے کی وجہ سے شہید نہیں ہوئے۔[1]

حضرت حسن مثنیٰ علیہ السلام نے سن ۹۰ ہجری میں وفات پائی۔[2]

حضرت ام البنین علیہا السلام کے بیٹوں کی شہادت

مورخین نے حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار، حضرت عقیل بن ابی طالب اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے بیٹوں کی شہادت کے بعد حضرت ام البنین علیہا السلام کے بیٹوں کی شہادت کا تذکرہ کیا ہے۔[3] انہوں نے لکھا ہے: حضرت ابو الفضل العباس علیہ السلام نے اپنے بھائیوں (عبد اللہ، جعفر اور عثمان) کو ترغیب دلائی کہ وہ، ان سے پہلے میدان جہاد میں تشریف لے جائیں اور جہاد کریں۔ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ وہ پے در پے میدان جنگ میں گئے، جنگ کی اور جام شہادت نوش فرمایا۔ ہانی بن ثُبیت حضرمی نے جناب عبد اللہ کو شہید کیا اور پھر جناب جعفر کو شہید کر کے ان کا سَر اپنے ساتھ لے گیا۔ پھر خَولی بن یزید اصبحی نے جناب عثمان کو تیر کا نشانہ بنایا اور اس وقت قبیلہ بنی ابان بن دارِم کے ایک شخص نے حضرت عثمان پر حملہ کیا اور انہیں شہید کر دیا اور سَر قلم کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔[4]

دینوری نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو الفضل العباس علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا: میری جان تُم پر قربان ہو جائے، جاؤ اور اپنے سردار کا دفاع کرو اور ان کی راہ میں اپنی جان نچھاور کرو۔[5]

شیخ مفید رحمہ اللہ نے یوں نقل کیا ہے: آگے بڑھو، تاکہ میں خدا اور اس کے رسول کی راہ میں آپ کا خلوص اور خیر خواہی دیکھوں؛ کیونکہ تمہاری اولاد نہیں ہے۔[1]

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۶۹۔

۲۔ سید بن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص۱۹۱؛ ابن عساکر، تہذیب تاریخ دمشق، ج۴، ص۱۲۱۔

۳۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۸۰؛ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۵، ص۴۴۸؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۹۔

۴۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۸، ۴۴۹۔

۵۔ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، ص۳۸۰۔

عثمان بن علی علیہ السلام کی شہادت

حضرت عثمان بن امام علی علیہ السلام یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان وغا میں گئے:

إِنِّيْ أَنَا عُثْمَانُ ذُوْ الْمَفَاخِرِ   شَيْخِيْ عَلِيٌّ ذُوْ الْفِعَالِ الطَّاهِرِ
وَ ابْنُ عَمِّ النَّبِيِّ الطَّاهِرِ   أَخُوْ حُسَيْنٍ خِيَرَةِ الْأَخَائِرِ
وَ سَيِّدِ الْكِبَارِ وَ الْأَصَاغِرِ   بَعْدَ الرَّسُوْلِ وَ الْوَصِيِّ النَّاصِرِ

میں عثمان ہوں، میں صاحب افتخار ہوں، میرے سردار علی علیہ السلام ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے چچازاد ہیں۔ یہ حسین علیہ السلام ہیں جو سب سے زیادہ نیک ہیں اور پیغمبر کے وصی ہیں اور آپ علیہ السلام کے بعد ہر چھوٹے بڑے کے سردار ہیں۔[۲]

خولی بن زید اصبحی نے آپ علیہ السلام کے پہلو مبارک میں تیر مارا۔ آپ زین سے زمین کی طرف آئے۔ قبیلہ بنی ابان بن دارم کے ایک شخص نے شہزادے کا سر تن سے جدا کیا۔[۳]

حضرت جعفر بن امام علی علیہ السلام کی شہادت

پھر حضرت جعفر بن امام علی علیہ السلام میدان جنگ میں تشریف لے گئے اور آپ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا:

اِنِّيْ اَنَا جَعْفَرُ ذُو الْمَعَالِيْ   اِبْنُ عَلِيِّ الْخَيْرِ ذُوْ النَّوَالِ
ذَاكَ الْوَصِيُّ ذُوْ السَّنَا وَ الْوَالِيْ   حَسْبِيْ بِعَمِّيْ جَعْفَرٍ وَ الْخَالِ
أَحْمِيْ حُسَيْناً ذَا النَّدَى الْمِفْضَالِ

۱۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۰۹۔

۲۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۱۱۳؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۲۹؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۶۔

۳۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۶۔

میں جعفر ہوں، میں افتخار و بزرگی رکھتا ہوں، میں نیک سیرت اور بخشش والے علی کا بیٹا ہوں، جو پیغمبر علیہ السلام کے وصی اور ولی ہیں۔ میرے فخر کے لیے یہی کافی ہے کہ میرا چچا جعفر طیار ہیں۔ میں کریم اور صاحب عظمت حسین کا دفاع کروں گا۔

خولی بن یزید اصبحی نے آپ کو تیر مارا۔ تیر آپ کی پیشانی یا آنکھ میں لگا[1] اور آپ نے ہانی بن ثُبیت حضرمی کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔[2]

حضرت عبداللہ بن امام علی علیہ السلام کی شہادت

ان کے بعد جناب عبداللہ بن علی یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان کارزار میں کود ے:

أَنَا ابْنُ ذِيْ النَّجْدَةِ وَ الْإِفْضَالِ ذَاكَ عَلِيُّ الْخَيْرِ ذُوْ الْفِعَالِ
سَيْفُ رَسُوْلِ اللهِ ذِيْ النِّكَالِ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ ظَاهِرِ الْأَهْوَالِ[3]

میں سربلند اور صاحب بخشش علی کا بیٹا ہوں، وہ علی جو نیکی کا مظہر ہیں، جو رسول خدا کی کاٹنے اور انتقام لینے والی تلوار ہیں۔

حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کی جنگ اور شہادت

واقعہ عاشورا میں حجتِ خدا کے دفاع اور امام وقت کی اطاعت میں وفاداری اور فداکاری کی تاریخ رقم کرنے والی ایک اہم شخصیت، حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام ہیں۔ آپ نے جہاں میدان جنگ میں ایسی داد شجاعت دی کہ دشمن حیران و پریشان ہو گیا؛ وہاں امام حسین علیہ السلام کے ایسے فرمانبردار اور وفادار تھے کہ تاریخ نے ہمیشہ آپ کو فداکار، شجاع اور بھائی کے وفادار کے القاب سے یاد کیا ہے۔ ایسی عظیم شخصیت کی شہادت روز عاشورا کی بہت بڑی مصیبت ہے۔ اگرچہ مورخین نے حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کی جنگ

۱۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۱۶۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۴۹؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۹۔

۳۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۱۳۔

اور شہادت بارے مختلف اقوال نقل کیے ہیں، لیکن ہم یہاں کوشش کریں گے کہ تمام قدیمی منابع و مصادر تاریخی کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ علیہ السلام کی جنگ اور شہادت کو، واقعات کی ترتیب کے مطابق ذکر کریں۔

حضرت ابوالفضل العباس سقائے اہل بیت علیہ السلام

کربلا میں حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کا افتخار، خیام میں پانی لانا تھا؛ کیونکہ ساتویں کے دن اشقیا نے پانی بند کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے آپ کا ایک لقب "سقا" (پانی پلانے والے) تھا۔[1] آخرکار، آپ پانی لانے کے دوران فرات کے قریب، مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے حکم سے حضرت عباس علیہ السلام نافع بن ہلال اور اصحاب کی ایک جماعت کے ہمراہ پانی لانے کے لیے دشمن کی طرف تشریف لے گئے۔ جناب عباس علیہ السلام کی شجاعت کی وجہ سے خیام تک پانی لانے میں کامیاب ہوئے۔ اور یہ حضرت عباس کے سقائے کربلا ہونے کی بہترین دلیل ہے۔

میدان جنگ میں حضرت عباس علیہ السلام کی فداکاری

جب تمام اصحاب امام جام شہادت نوش کر گئے، اہل حرم کو پانی کی شدید ضرورت تھی اور امام حسین علیہ السلام پر پیاس کی شدت کا غلبہ تھا، تو دونوں بھائیوں نے پانی لانے کا فیصلہ کیا۔ دونوں اکٹھے میدان جنگ میں تشریف لے گئے اور نہر فرات کا رُخ کیا۔[2] حضرت عباس علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام کے آگے آگے جنگ کر رہے ہیں۔ جس طرف امام حسین علیہ السلام جاتے تھے اسی طرف حضرت عباس علیہ السلام جاتے تھے۔[3]

امام عالی مقام علیہ السلام بندِ فرات تک پہنچ کر فرات کی طرف روانہ ہوئے۔ عمر بن سعد کے سپاہیوں نے روک لیا۔ قبیلہ بنی دارم کے ایک شخص نے کہا: ہلاکت ہو تم پر، پانی اور ان کے درمیان حائل ہو جاؤ اور یہ

۱۔ مصعب بن عبد اللہ زبیری، نسب قریش، ص ۴۳؛ ابن ابی الدنیا، مقتل الامام امیر المؤمنین، ص ۱۲۰؛ ابن حبان، الثقات، ج ۲، ص ۳۱۰؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۱۱۷؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۱، ص ۲۴۵۔

۲۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۰۹۔

۳۔ ابو حنفیہ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۳۸۰۔

پانی تک نہ جانے پائیں۔[1] امام حسین علیہ السلام نے اسے بد دعا دیتے ہوئے فرمایا: یا اللہ، اسے پیاسا رکھ۔ وہ شخص غضبناک ہو گیا اور امام علیہ السلام کو تیر کا نشانہ بنایا جو امام عالی مقام کے گلوئے اطہر میں پیوست ہوا۔ امام علیہ السلام نے تیر کھینچا اور ہاتھوں کو نیچے رکھا، ہاتھ خون سے بھر گئے۔ پھر خون کو پھینک کر فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَشْکُوْ اِلَیْكَ مَا یَفْعَلُ بِابْنِ بِنْتِ نَبِیِّكَ۔ اے اللہ، میں تیری بارگاہ میں شکایت کرتا ہوں کہ انہوں نے تیرے نبی کے نواسے کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔[2] امام عالی مقام پر پیاس نے غلبہ کیا اور آپ واپس تشریف لائے۔ فوج اشقیاء نے حضرت عباس علیہ السلام کو چاروں طرف سے گھیرے میں لیا اور امام حسین علیہ السلام سے جدا کر دیا۔ اب قمر بنی ہاشم اکیلے ان کے ساتھ، جنگ کر رہے تھے۔[3] آپ یہ رجز پڑھ کر حملہ آور ہوتے:

أَقْسَمْتُ بِاللهِ الْأَعَزِّ الْأَعْظَمِ — وَ بِالْحُجُوْرِ صَادِقًا وَ زَمْزَمَ

وَ ذُوْ الْحَطِيْمِ وَ الْفِنَا الْمُحَرَّمِ — لَيَخْضِبَنَّ الْيَوْمَ جِسْمِيْ بِالدَّمِ

أَمَامَ ذِيْ الْفَضْلِ وَ ذِي التَّكَرُّمِ — ذَاكَ حُسَيْنٌ ذُوْ الْفِخَارِ الْأَقْدَمِ[4]

اللہ رب العزت کی قسم، حجون[5] و زمزم کی قسم، خدائے حطیم[6] اور کعبہ کی قسم، صاحب فضل و کرم حسین علیہ السلام کی حمایت میں آج میرا جسم، خون سے رنگین ہو جائے گا۔

حضرت قمر بنی ہاشم علیہ السلام یہ رجز پڑھ کر پانی لانے کے لیے تشریف لے گئے:

لَا أَرْهَبُ الْمَوْتَ إِذَا الْمَوْتُ زَقَا — حَتّٰى أُوَارِيْ فِي الْمَصَالِيْتِ لَقٰى

نَفْسِيْ لِنَفْسِ الْمُصْطَفٰى الطُّهْرِ وِقَا — إِنِّيْ أَنَا الْعَبَّاسُ أَغْدُوْ بِالسِّقَا

۱۔ ایک روایت کے مطابق بنی کلاب نے ان کو پانی سے روکا (شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۰، ص ۲۲۶؛ ابن فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۸۹)۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۴۹، ۴۵۰؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۴۰۷۔

۳۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۰۹۔

۴۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۱۱۴؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۳۰۔

۵۔ "حجون" مکہ میں ایک پہاڑ کا نام جس پر فرزندان حضرت اسماعیل، اصحاب و علما اور حضرت خدیجہ کی قبر ہے۔ (حسین قرہ چانلو، حرمین شریفین، ص ۱۰۰)

۶۔ "حطیم" ایک مکان ہے جو کعبہ اور حجر الاسود کے درمیان واقع ہے۔ (یاقوت حموی، معجم البلدان، ج ۲، ص ۲۷۳)

وَلَا أَخَافُ الشَّرَّ يَوْمَ الْمُلْتَقٰى

جب موت کا پرندہ صدا دے تو مجھے موت سے کوئی خوف نہیں، یہاں تک کہ میں میدان جنگ میں غوطہ زن ہو جاؤں۔ میری جان قربان ہو حسین پاک پر۔ میں عباس ہوں اور میں سقائی کے ساتھ صبح کرتا ہوں۔ اور جس دن مجھے شر کا سامنا ہو تو میں نہیں ڈرتا۔

پھر حضرت ابو الفضل العباس علیہ السلام نے حملہ کر کے دشمنوں کو منتشر کر دیا۔[1]

اس وقت زید بن ورقاء جُہنی کھجور کے ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا اور حُکیم بن طُفیل سِنبِسی نے اس کی مدد کی۔ حکیم نے حضرت عباس علیہ السلام کے بازو پر وار کیا۔ قمر بنی ہاشم نے بائیں ہاتھ میں تلوار پکڑی اور یہ رجز پڑھ کر ان پر حملہ آور ہوئے:

وَ اللهِ إِنْ قَطَعْتُمْ يَمِيْنِيْ ۞ إِنِّيْ أُحَامِيْ أَبَدًا عَنْ دِيْنِيْ

وَ عَنْ إِمَامٍ صَادِقِ الْيَقِيْنِ ۞ نَجْلِ النَّبِيِّ الطَّاهِرِ الْأَمِيْنِ

اللہ کی قسم، اگر تم نے دایاں بازوں قلم کر دیا ہے تو بھی میں اپنے دین اور سچے امام، صاحب الیقین اور نواسہ رسولِ امین کا دفاع کروں گا۔

حضرت عباس علیہ السلام نے اس قدر داد شجاعت دی کہ جسم اطہر پر نقاہت طاری ہو گئی۔ حکیم بن طفیل طائی نے کھجور کے ایک درخت کے پیچھے چھپ کر بائیں بازو پر وار کیا۔ جناب عباس نے یہ رجز پڑھا:

يَا نَفْسُ لَا تَخْشِيْ مِنَ الْكُفَّارِ ۞ وَ أَبْشِرِيْ بِرَحْمَةِ الْجَبَّارِ

مَعَ النَّبِيِّ السَّيِّدِ الْمُخْتَارِ ۞ قَدْ قَطَعُوْا بِبَغْيِهِمْ يَسَارِيْ

فَأَصْلِهِمْ يَا رَبِّ حَرَّ النَّارِ

اے جان، کفار سے خوف زدہ نہ ہونا، تجھے رحمتِ خدا میں نبی مختار کا جوار مبارک ہو۔ ظالموں نے میرا بایاں بازو قلم کر دیا؛ اے اللہ، ان کو آتش جہنم میں جلا۔

۱۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۰۷؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۴۰، ۴۱۔

پھر اس ملعون نے آہنی گرز کا وار کر کے شہزادے کو شہید کر دیا۔[1] اور یہ اس وقت تھا کہ جب حضرت عباس علیہ السلام شدید زخمی ہو چکے تھے اور آپ میں مزید حرکت کرنے کی طاقت نہ رہی؛[2] آپ نے دشمنوں کی ایک جماعت کو جہنم واصل کرنے کے بعد جام شہادت نوش کیا۔[3]

جب امام حسین علیہ السلام نے بھائی کو فرات کے کنارے زمین پر دیکھا تو ان کی شہادت پر گریہ کرتے ہوئے فرمایا: **اَلْآنَ اِنْكَسَرَ ظَهْرِيْ وَ قَلَّتْ حِيْلَتِيْ**؛ اب میری کمر ٹوٹ گئی اور رشتہ تدبیر کمزور پڑ گیا۔ اور پھر یہ اشعار پڑھے:

تَعَدَّيْتُمْ يَا شَرَّ قَوْمٍ بِبَغْيِكُمْ   وَ خَالَفْتُمْ دِيْنَ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ

أَمَا كَانَ خَيْرُ الرُّسُلِ أَوْصَاكُمْ بِنَا   أَمَا نَحْنُ مِنْ نَجْلِ النَّبِيِّ الْمُسَدَّدِ

أَمَا كَانَتِ الزَّهْرَاءُ أُمِّيْ دُوْنَكُمْ   أَمَا كَانَ مِنْ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ أَحْمَدِ

لُعِنْتُمْ وَ أُخْزِيْتُمْ بِمَا قَدْ جَنَيْتُمْ   فَسَوْفَ تُلَاقُوْا حَرَّ نَارٍ تَوَقَّدِ[4]

اے بدترین لوگو! تم نے بغاوت اور تجاوز کیا ہے۔ تم نے دین مصطفی کی مخالفت کی ہے۔ کیا خیر المرسلین (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ) نے ہمارے بارے تمہیں سفارش نہیں کی ہے؟ کیا ہم ذریت رسول خدا نہیں ہیں؟ کیا ہماری ماں زہرا سلام اللہ علیہا نہیں ہیں؟ کیا احمد مرسل، سب سے افضل نہیں ہیں؟ تم نے جنایت کی ہے اور لعنت خدا کے مستحق اور رسوا ہوئے ہو اور آتش جہنم کے شعلوں کا مزہ چکھو گے۔[5]

حضرت قمر بنی ہاشم کے دونوں بازو قلم ہونے کی تائید امام سجاد علیہ السلام کی اس روایت میں ہوتی ہے کہ آپ اپنے چچا کی فداکاری کے بارے میں فرمایا ہے:

۱۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۱۷؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۴۰، ۴۱۔

۲۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص۱۰۹، ۱۱۰۔

۳۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۴، ص۱۱۴؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۳۰۔

۴۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۱۷؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۴۵، ص۴۰، ۴۱۔

۵۔ ابن شہر آشوب، سابقہ حوالہ؛ مجلسی، سابقہ حوالہ۔

رَحِمَ اللّٰهُ الْعَبَّاسَ، يَعْنِيْ ابْنَ عَلِيٍّ، فَلَقَدْ آثَرَ وَ اَبْلٰى وَ فَدٰى اَخَاهُ بِنَفْسِهٖ حَتّٰى قُطِعَتْ يَدَاهُ[1]

خدا میرے چچا عباس علیہ السلام پر رحم کرے۔ انہوں نے ایثار کیا ہے، جان نثاری ہے، اپنے بھائی پر اپنی جان قربان کر دی ہے۔ حتی کہ ان کے دونوں بازو قلم ہو گئے۔

بعض روایات کے مطابق حکیم بن طفیل نے جناب قمر بنی ہاشم علیہ السلام کو شہید کرنے کے بعد ان کا لباس لوٹ لیا۔[2]

ایک مشہور روایت کی تحقیق

حضرت عباس علیہ السلام کی جنگ اور شہادت کی کیفیت کے متعلق جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے یہ مشہور کتب میں نقل ہوا ہے؛ لیکن بعض متاخر کتب میں اور بھی روایات موجود ہیں جن کے راوی معلوم نہیں اور نہ ہی وہ متن کے لحاظ سے قابل اعتماد ہیں۔ منجملہ ایک روایت علامہ باقر مجلسی نے نقل کی ہے، ان کی تعبیر یہ ہے: بعض علما کی کتب میں یوں آیا ہے....۔[3]

قوی احتمال ہے کہ علامہ مجلسی نے یہ روایت فخر الدین طُریحی کی کتاب المُنتخب سے خلاصہ کر کے نقل کی ہے[4] لیکن طریحی نے کہاں سے نقل کی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ملا حسین کاشفی کی کتاب روضۃ الشہدا جو دسویں صدی کے آغاز میں لکھی گئی؛ سے تھوڑے سے فرق کے ساتھ نقل کی ہے۔ اس کے بعد یہ روایت مجالس میں شہرت پا گئی ہے کیونکہ اس میں غم اور احساسات کا پہلو موجود تھا۔[5]

۱۔ شیخ صدوق، الخصال، ص۶۸؛ الامالی، مجلس ۷۰، ح ۱۰، ص ۵۴۸؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۲۲، ص ۲۷۴، جلد ۴۴، ص ۲۹۸۔

۲۔ قاضی نعمان تمیمی مغربی، شرح الاخبار فی فضائل الائمۃ الاطہار، ج ۳، ص ۱۹۱۔

۳۔ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۴۱، ۴۲۔

۴۔ فخر الدین طریحی، المنتخب فی جمع المراثی والخطب، ص ۳۰۵ تا ۳۰۷، ۴۳۰۔

۵۔ محمد تقی سپہر، ناسخ التواریخ، ج ۶، ص ۲۷۸، ۲۷۹؛ محمد باقر بہبہانی، الدمعۃ الساکبہ، ج ۴، ص ۳۲۲، ۳۲۳؛ حائری مازندرانی، معالی السبطین، ص ۲۷۱، ۲۷۲۔ بعض مصنفین نے اس کی نوک پلک سنوار کر اس میں مزید تحریف کی ہے۔ رجوع کریں: فاضل دربندی، اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات، ج ۲، ص ۴۹۶۔

وہ روایت یہ ہے کہ جب حضرت عباس علیہ السلام پانی تک پہنچ گئے اور پانی پینا چاہا تو اپنے بھائی حسین علیہ السلام کی پیاس یاد آئی۔ جناب عباس علیہ السلام نے پانی کی مشک اٹھائی ہوئی تھی کہ آپ کے دونوں بازو قلم ہو گئے اور مشک کو دانتوں سے پکڑا۔ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

پندرہویں فصل

سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کا جہاد اور شہادت

انقلابِ عاشورہ کے رہبر، سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کی شہادتِ عظمیٰ، ایسا دل گداز اور ماتم خیز سانحہ ہے کہ قلم کی نوک میں اس کو ضبط تحریر میں لانے کی طاقت نہیں ہے۔ بعض مورخین اور صاحبانِ مقاتل نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے جبکہ بعض نے مختصر بیان کیا ہے اور مجموعی طور پر کچھ فرق کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ لیکن کسی نے بھی دقیق، صاف شفاف، ترتیب و تنظیم اور منطقی طریقے سے واقعہ کی جزئیات کو ذکر نہیں کیا۔ لہذا امام حسین علیہ السلام کے میدان جنگ میں تشریف لے جانے، جنگ کرنے اور شہادت کی ایک روشن تصویر پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی اور مختلف روایات کو ایک دوسرے کے ساتھ رکھ کر جہاں تک ممکن ہے، منطقی ترتیب و تنظیم دی جائے تا کہ اس واقعہ کی صحیح اور دقیق تصویر پیش کی جاسکے:

وصیت اور اسرارِ امامت کی سپردگی

امام حسین علیہ السلام نے میدان جنگ میں تشریف لے جانے سے پہلے، اپنے بعد کے امام یعنی امام سجاد علیہ السلام کو وصیتیں کیں اور میراثِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ ان کے حوالے کی۔ ابو الجارود نے امام باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے:

"جب امام حسین علیہ السلام کا وقت شہادت قریب آیا تو انہوں نے اپنی بیٹی فاطمہ کبریٰ علیہا السلام کو بلا کر ایک لپٹی ہوئی تحریر ان کے حوالے کی جو ظاہراً وصیت تھی۔ امام سجاد علیہ السلام اتنے مریض تھے کہ لوگ سمجھتے تھے کہ وہ ٹھیک نہیں ہوں گے۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جناب فاطمہ کبری علیہا السلام نے وہ تحریر امام سجاد علیہ السلام کے حوالے کی، پھر امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کی قسم، یہ تحریر میرے پاس موجود ہے۔۔۔"[1]

۱۔ کلینی، الاصول من الکافی، ج۱، ص۲۴۱، ۲۳۰، ۲۳۱؛ محمد بن حسن بن فروخ صفار، بصائر الدرجات، ص۱۶۸؛ ابن بابویہ قمی، الامامۃ و التبصرۃ، ص۶۴؛ مسعودی، اثبات الوصیۃ، ص۱۶۷؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۸۵۔

واقعہ عاشورہ کے بعد، امام سجاد علیہ السلام نے گفتگو کے دوران اپنے چچا جناب محمد بن حنفیہ سے فرمایا: چچا جان، میرے بابا نے عراق کی طرف روانہ ہونے سے پہلے مجھے اپنا جانشین مقرر کیا تھا اور شہادت سے کچھ لمحات قبل بھی مجھے اس بارے وصیت کی تھی۔ اب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کا سلاح (میراث امامت) میرے پاس ہے۔[1]

جناب ابو حمزہ ثمالی، امام باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں: جب بابا کی شہادت کا وقت آن پہنچا، انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگا کر فرمایا: بیٹا جان! میرے والد گرامی نے وقت شہادت مجھے اور ان کے والد گرامی نے انہیں جو وصیت کی تھی، میں آپ کو کرتا ہوں: بیٹا! حق پر قائم رہنا، اگرچہ حق کڑوا ہے۔[2] اور فرمایا: بیٹا! کسی ایسے شخص پر ظلم نہ کرنا جس کا اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ ہو۔[3]

مخدرات عصمت و طہارت سے الوداع

عمر بن سعد کے لشکر کے پیادوں نے امام حسین علیہ السلام کی باقی ماندہ فوج پر دائیں بائیں سے حملہ کر کے شہید کر دیا، یہاں تک کہ امام حسین علیہ السلام کے پاس تین یا چار افراد کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا۔ جب امام علیہ السلام نے ان حالات کا مشاہدہ کیا تو آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا ایک یمنی لباس منگوایا، اسے جگہ جگہ سے پارہ کیا تاکہ شہادت کے بعد ظالم اسے لوٹ نہ لیں اور پھر زیب تن فرمایا۔[4]

پھر امام حسین علیہ السلام نے بیبیوں سے وداع کیا۔ حضرت سکینہ علیہا السلام نالہ و فریاد کر رہی تھیں۔ سید الشہدا علیہ السلام نے انہیں سینے سے لگایا اور فرمایا:

سَيَطُوْلُ بَعْدِيْ يَا سَكِيْنَةُ فَاعْلَمِيْ   مِنْكِ الْبُكَاءُ إِذَا الْحِمَامُ دَهَانِيْ
لَاتُحْرِقِيْ قَلْبِيْ بِدَمْعِكِ حَسْرَةً   مَادَامَ مِنِّيْ الرُّوْحُ فِيْ جُثْمَانِيْ

۱۔ کلینی، الاصول من الکافی، ج۱، کتاب الحجۃ، باب مایفصل بہ بین دعوی المُحق والمبطل فی الامامۃ، ص ۲۸۲، ح۵۔

۲۔ کلینی، اصول کافی، ج۲، ص ۴۷۔

۳۔ کلینی، سابقہ کتاب، ج۲، ص ۲۴۹؛ شیخ صدوق، الخصال، ص ۱۶، ح۵۹؛ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۴۳، ص ۲۴۹، ح۱۰؛ ابن شعبہ حرانی، تحف العقول، ص ۲۴۶؛ ابن فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین، ج۲، ص ۴۶۵۔

۴۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۱؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۵۱۔ رجوع کریں: مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۱۱۸، ۱۱۹؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۷۴۔

وَ اِذَا قُلْتُ فَاَنْتِ اَوْلٰی بِالَّذِیْ   تَأْتِیْنَہُ یَا خَیْرَةَ النِّسْوَانِ[1]

اے سکینہ ! جان لو، میرے بعد تمہارا گریہ بڑھ جائے گا۔ جب تک میرے جسم میں روح موجود ہے حسرت بھرے بینوں سے میرا دل نہ جلاؤ۔ اے خیر النساء! جب میں شہید ہو جاؤں تو پھر تو اس کا زیادہ حق رکھتی ہے۔

امام حسینؑ میدان جنگ میں

یزیدی فوج کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا جس کا ابتدائی حصہ یہ ہے:

یَا اَھْلَ الْکُوْفَةِ، قُبْحاً لَکُمْ وَ تَرْحاً وَ بُؤْساً لَکُمْ وَ تَعْساً اِسْتَصْرَخْتُمُوْنَا وَالِھِیْنَ فَاَتَیْنَاکُمْ مُوْجِبِیْنَ فَشَحَذْتُمْ عَلَیْنَا سَیْفاً کَانَ فِیْ اَیْمَانِنَا[2]

اہل کوفہ ! ہلاکت ہو تم پر، تم نے حیران و پریشان ہو کر ہمیں اپنی مدد کے لیے پکارا اور ہم جلدی سے آمادہ ہو کر تمہاری مدد کے لیے پہنچ گئے۔ اب تم نے اپنی تلواریں ہمارے اوپر کھینچ لی ہیں، جبکہ حق تو یہ تھا کہ تم انہی تلواروں کے ذریعے ہمارا دفاع کرتے۔

پھر ذوالجناح پر سوار ہو کر فرمایا:

اَنَا ابْنُ عَلِیِّ الْخَیْرِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ

میں بنی ھاشم کے چشم و چراغ علی کا بیٹا ہوں۔

اور یہ رجز پڑھتے ہوئے فوج اشقیاء کے میمنہ پر حملہ آور ہوئے:

اَلْمَوْتُ خَیْرٌ مِنْ رُکُوْبِ الْعَارِ   وَالْعَارُ اَوْلٰی مِنْ دُخُوْلِ النَّارِ

موت، ننگ وعار سے بہتر ہے اور ننگ وعار، دوزخ سے بہتر ہے۔

پھر یہ رجز پڑھ کر یزیدی لشکر کے میسرہ پر حملہ آور ہوئے:

اَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیِ   اَحْمِیْ عَیَالَاتِ اَبِیْ

۱۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۱۹۔

۲۔ ابن اعثم، الفتوح، ج۵، ص۱۱۶۔

آلَیْتُ اَنْ لَا اَنْثَنِیْ اُمْضِیْ عَلٰی دِیْنِ النَّبِیْ[1]

میں حسین بن علی ہوں، میں اپنے والد ماجد کے خاندان کی حمایت کروں گا۔ اللہ کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ ہر گز سر تسلیم خم نہیں کروں گا اور دین پیغمبر علیہما السلام پر اپنی جان قربان کروں گا۔

امام علیہ السلام کے طفلِ شیر خوار کی شہادت

روز عاشورہ کی ایک مسلّم مصیبتِ عظمیٰ، امام حسین علیہ السلام کے شیر خوار فرزند کی شہادت ہے جنہیں لشکر ابن سعد کے کچھ سپاہیوں نے بے دردی سے شہید کر کے ناقابل معافی جرم کا ارتکاب کیا۔

اس طفل شیر خوار کی کیفیتِ شہادت بارے دو قول ہیں: پہلا یہ کہ اس طفل نے خیام میں امام علیہ السلام کی گود میں شہادت پائی۔ اکثر مورخین اور صاحبانِ مقتل نے تھوڑے فرق کے ساتھ یہی لکھا ہے۔[2] دوسرا قول یہ ہے کہ شہزادے نے میدان جنگ میں امام علیہ السلام کے ہاتھوں پر ظالم کے تیر سے جام شہادت نوش کیا۔ اب ہم دونوں اقوال کی بالترتیب وضاحت کرتے ہیں:

۱۔ یعقوبی اور فُضیل بن زُبیر کی روایت کے مطابق شہزادے کی شہادت درِ خیمہ پر ہوئی۔ اور شہزادہ اسی دن دنیا میں آیا تھا اور اسے تیر نے اپنا ہدف قرار دیا:

امام حسین علیہ السلام ذوالجناح پر سوار تھے اور اسی وقت شہزادہ دنیا میں آئے۔ انہیں امام علیہ السلام کے پاس لایا گیا؛ امام علیہ السلام نے بچے کے کان میں اذان کہی اور اپنی آغوش میں لیا اور اپنے لعاب دہن کے ساتھ بچے کے دہن مبارک میں گھٹی ڈالی اور اس کا نام "عبد اللہ" رکھا۔ اچانک حرملہ بن کاہل نے تیر چلایا اور شہزادہ شہید ہو گئے۔ امام حسین علیہ السلام نے گلو نازنین سے تیر نکالا اور اسے خون سے رنگین کیا اور فرمایا: اللہ کی قسم، تُو صالح کی ناقہ سے زیادہ عزیز ہے؛ محمد علیہما السلام اللہ کے نزدیک حضرت صالح علیہ السلام سے زیادہ عزیز ہیں۔ پھر امام علیہ السلام

۱۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۱۱۹، ۱۲۰۔

۲۔ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج۲، ص ۲۴۵؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۰۸؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۴۳؛ طبرسی، الاحتجاج، ج۲، ص ۱۰۱؛ فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین، ج۱، ص۱۸۸؛ ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص ۱۶۴؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص ۲۱۴؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۷۰۔

نے شہزادے کو لا کر اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کے لاشوں کے ساتھ رکھ دیا۔[1] امام حسین علیہ السلام نے چلو میں خون لیا اور آسمان کی طرف پھینکا اور ایک قطرہ واپس زمین پر نہیں آیا۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرتا تو عذاب نازل ہو جاتا۔[2]

بعض دوسرے مورخین نے ذکر کیا ہے کہ شہزادے کی شہادت درِ خیمہ پر ہوئی ہے:

طبری کہتے ہیں:

جب امام حسین علیہ السلام [خیام کے سامنے] بیٹھے تھے تو بچے کو جن کا نام عبد اللہ بن حسین تھا، آپ کے پاس لایا گیا؛ امام علیہ السلام نے آغوش میں لیا۔ ابو مخنف نے عُقبہ بن بشیر اسدی سے نقل کیا ہے: امام باقر علیہ السلام نے مجھے کہا: اے بنی اسد، ہمارا ایک خون آپ کی گردن پر ہے۔ میں نے کہا: اے ابو جعفر، آپ پر اللہ کی رحمت ہو، وہ خون کیا ہے اور میرا اس میں کیا گناہ ہے؟ فرمایا: امام حسین علیہ السلام کے پاس ایک بچے کو لایا گیا۔ امام علیہ السلام نے اسے اپنے دامن میں بیٹھایا۔ تمہارے قبیلہ بنی اسد کے ایک شخص نے اسے تیر مارا جس نے اس کی گردن کو ذبح کیا۔ امام حسین علیہ السلام نے اس کا خون چلو میں لیا اور جب ہاتھ خون سے لبریز ہو گئے تو زمین پر گرا دیا اور فرمایا:

رَبِّ اِنْ تَكُ حَبَسْتَ عَنَّا النَّصْرَ مِنَ السَّمَاءِ فَاجْعَلْ ذَالِكَ لِمَا هُوَ خَيْرٌ وَ انْتَقِمْ لَنَا مِنْ هٰؤُلَاءِ الظَّالِمِيْنَ[3]

اے اللہ، اگر تو نے آسمان سے ہماری نصرت کو روک دیا ہے تو اس سے بہتر ہماری مدد فرما اور ان ظالموں سے ہمارا انتقام لے۔

١۔ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج٢، ص٢٤٥۔

٢۔ فُضیل بن زُبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، ش٢، ١٤٠٦ق، تحقیق سید محمد رضا حسینی جلالی، ص١٥٠؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص٩٠۔

٣۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج٥، ص٤٤٨۔

عمار دُہنی نے امام باقر علیہ السلام سے یوں نقل کیا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کے دامن میں شہزادے کو تیر لگا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اے اللہ! ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ فرما، انہوں نے ہمیں دعوت دی کہ ہماری نصرت کریں گے؛ لیکن انہوں نے ہمیں قتل کیا ہے۔[1]

شیخ مفید اور طبرسی نے لکھا ہے: پھر امام حسین علیہ السلام خیام کے سامنے بیٹھ گئے اور کم سن بیٹے عبد اللہ کو لایا گیا؛ امام نے اسے اپنی آغوش میں لیا۔ اس وقت بنی اسد کے ایک شخص نے عبد اللہ کو تیر کا نشانہ بنایا اور اسے شہید کر دیا۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے شہزادے کا خون [چلو میں] لیا اور جب چلو لبریز ہو گیا تو زمین پر گرا کر فرمایا: یا اللہ! اگر تو نے آسمان سے ہماری نصرت کو روک دیا ہے تو اس سے بہتر ہماری مدد فرما اور ان ظالموں سے ہمارا انتقام لے۔ پھر شہزادے کو اٹھا کر شہدائے بنی ہاشم کے ساتھ رکھ دیا۔[2]

لیکن مورخین اور مقتل نگاروں کی ایک جماعت منجملہ ابن اعثم کوفی، خوارزمی، طبرسی اور سید بن طاووس نے شہزادے کی شہادت، امام حسین علیہ السلام کے وداع وقت ذکر کی ہے۔ اور یہ طبری، شیخ مفید اور امام باقر علیہ السلام کی روایت کے ساتھ قابل جمع ہے۔ انہوں لکھا ہے:

جب امام حسین علیہ السلام، جوانوں، دوستوں اور عزیزوں کی شہادت کا مشاہدہ کر چکے اور سارے اصحاب و اقارب جام شہادت نوش فرما چکے تو تنہا رہ گئے۔ آپ کے ساتھ دو افراد کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا؛ ایک امام زین العابدین علیہ السلام اور دوسرے طفل شیر خوار عبد اللہ تھے؛ لہذا ارادہ کیا کہ اپنی قربانی پیش کرنے کے لئے فوج کا سامنا کریں؛ آواز دی: کوئی ہے جو حرمِ رسول خدا کی نصرت کرے؟ کوئی خدا پرست ہے جو ہمارے بارے اللہ سے ڈرے؟ کوئی مددگار ہے جو اللہ [کی رحمت کا] امیدوار ہو کر ہماری مدد کرے؟ کوئی ہے جو ہمارے بارے اللہ [کی رحمت اور بخشش] کا امیدوار ہو؟ اس وقت مخدرات کے گریہ و ماتم کی صدائیں بلند ہوئیں۔ امام حسین علیہ السلام خیمہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: بچے کو لے آؤ میں اس سے وداع کر لوں۔

۱۔ سابقہ حوالہ، ص ۳۸۹؛ ابو الفرج عبد الرحمن بن جوزی، المنتظم فی تاریخ الملوک و الامم، ج۵، ص ۳۴۰؛ سبط بن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج۲، ص ۱۶۴؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص ۲۱۴۔

۲۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۰۸؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۴۳۔

شہزادے کو لایا گیا۔ امامؑ نے شہزادے کو بوسہ دیا اور فرمایا: ہلاکت ہے ان لوگوں پر، جن کے دشمن تیرے جد امجد (حضرت محمدﷺ) ہوں۔ ابھی تک شہزادہ، امام حسینؑ کی آغوش میں تھا کہ حرملہ بن کاہل اسدی نے تیر چلایا جس نے شہزادے کو بابا کی گود میں شہید کر دیا۔ امام حسینؑ نے اپنے دست مبارک نیچے رکھے۔ جب ہاتھ خون سے لبریز ہو گئے تو آسمان کی طرف پھینک کر فرمایا: اے اللہ! اگر تو نے آسمان سے ہماری نصرت کو روک دیا ہے تو اس سے بہتر ہماری مدد فرما۔ پھر امامؑ ذوالجناح سے اترے اور تلوار کے نیام سے قبر کھودی۔ شہزادے کے سارے بدن اطہر کو خون سے رنگین کیا، نماز جنازہ پڑھی اور دفن کر دیا۔[۲]

ایک اور روایت کے مطابق: امام حسینؑ درِ خیمہ پر تشریف لائے اور جناب زینب کبریٰؑ سے فرمایا: میرے کم سن بیٹے کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس سے الوداع کروں۔ بچے کو لیا اور اسے بوسہ دینا چاہا کہ حرملہ بن کاہل نے تیر کا نشانہ بنایا۔ تیر شہزادے کے گلوئے مبارک میں پیوست ہوا اور گلوئے نازنین کو چھید ڈالا۔ امام حسینؑ نے حضرت زینب عالیہؑ سے فرمایا: بچے کو لے لو۔ پھر شہزادے کے خون کو اپنے ہاتھوں میں لیا، ہاتھ خون سے بھر گئے اور آسمان کی طرف پھینک کر فرمایا: میرے اوپر جو (مصیبت) آئی ہے وہ آسان ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گرا۔[۳]

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ شہزادہ میدان جنگ میں سید الشہداؑ کے دست مبارک پر شہید ہوئے۔ اس قول کی سند صرف سبط بن جوزی کی روایت ہے۔ اس نے ہشام بن محمد کلبی (ابو مخنف کے شاگرد اور اس کی مقتل کے راوی) سے نقل کیا ہے:

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص۳۷۔

۲۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۱۵؛ طبرسی، الاحتجاج، ج۲، ص۱۰۱۔

۳۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۶۸، ۱۶۹۔

امام حسینؑ نے دیکھا کہ ایک بچہ ہے جو پیاس کی وجہ سے گریہ کر رہا ہے۔ امامؑ نے شہزادے کو ہاتھوں پر بلند کیا اور فرمایا: اے قوم! اگر مجھ پر رحم نہیں کرتے تو اس بچے پر رحم کرو۔ عمر سعد کے لشکر کے ایک فوجی نے تیر چلایا جس نے شہزادے کو شہید کر دیا۔ امام حسینؑ نے گریہ کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ فرما جنہوں نے ہمیں بلایا کہ ہماری نصرت کریں گے؛ لیکن ہمیں شہید کر دیا۔ اس وقت ایک ندائے آسمانی بلند ہوئی: اے حسین! اسے چھوڑ دو، جنت میں اسے دودھ پلانے والی (دائی) موجود ہے۔[1]

امام سجادؑ کا ارادہ جہاد

امام زین العابدینؑ خیمہ سے باہر تشریف لائے۔ آپ اتنے مریض تھے کہ تلوار اٹھانے کی طاقت نہیں تھی۔ جناب ام کلثومؑ نے پیچھے سے آواز دی: بیٹا! واپس آجائیں۔ فرمایا: پھوپھی اماں، مجھے جانے دو تاکہ میں فرزند رسول خداﷺ کی رکاب میں جہاد کروں۔ امام حسینؑ نے فرمایا: اے ام کلثوم، انہیں روک لو اور خیمہ میں واپس لے جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ زمین، ذریت محمدﷺ سے خالی ہو جائے۔[2]

سرکار امام حسینؑ کی جنگ اور نصرت طلبی

امام حسینؑ [طفل شیر خوار کو دفن کرنے کے بعد] اٹھے اور ذوالجناح پر سوار ہو کر فوج اشقیا کے سامنے تشریف لائے اور ایک خطبہ دیا[3]۔ پھر تلوار کو دست مبارک میں تھام کر یہ اشعار پڑھے:

أَنَا ابْنُ عَلِيِّ الْخَيْرِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ ... كَفَانِي بِهٰذَا مَفْخَرًا حِيْنَ أَفْخَرُ

وَ جَدِّيْ رَسُوْلُ اللهِ أَكْرَمُ مِنْ مَشٰى ... وَ نَحْنُ سِرَاجُ اللهِ فِيْ الْخَلْقِ يَزْهَرُ

وَ فَاطِمَةُ أُمِّيْ سُلَالَةُ أَحْمَدَ ... وَ عَمِّيْ يُدْعٰى ذَا الْجَنَاحَيْنِ جَعْفَرُ

۱۔ سبط بن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج ۲، ص ۱۶۴۔

۲۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۳۲۔

۳۔ ابن اعظم، کتاب الفتوح، ج ۵، ص ۱۱۶؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۱۹؛ علی بن عیسی اربلی، کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ، ج ۲، ص ۲۲۸، ۲۲۹۔

وَ فِيْنَا كِتَابُ اللهِ أُنْزِلَ صَادِقًا — وَ فِيْنَا الْهُدٰى وَ الْوَحْيُ وَ الْخَيْرُ يُذْكَرُ

وَ نَحْنُ أَمَانُ الْأَرْضِ لِلنَّاسِ كُلِّهِمْ — نَصُوْلُ بِهٰذَا فِيْ الْأَنَامِ وَ نَفْخَرُ

وَ نَحْنُ وُلَاةُ الْحَوْضِ نَسْقِيْ وُلَاتَنَا — بِكَأْسِ رَسُوْلِ اللهِ مَا لَيْسَ يُنْكَرُ

وَ شِيْعَتُنَا فِيْ النَّاسِ أَكْرَمُ شِيْعَةٍ — وَ مُبْغِضُنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَخْسَرُ[1]

میں، خاندانِ بنی ہاشم کے عالی مرتبت علیؑ کا بیٹا ہوں، اگر میں فخر کروں تو یہی فخر میرے لیے کافی ہے۔ میرے جد امجد رسول خداؐ تمام انسانوں سے افضل ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے روشن چراغ ہیں۔ ہماری ماں فاطمہ (سلام اللہ علیہا)، احمدِ (مرسلؐ) کی ذریت ہیں اور ہمارے چچا کو جعفر طیار کہا جاتا ہے۔ ہمارے خاندان میں اللہ تعالیٰ کی کتابِ برحق نازل ہوئی ہے اور خیر کی ہدایت اور وحی ہمارے ہی گھر میں ہے۔ ہم زمین پر لوگوں کے لیے امان ہیں۔ ہم (دشمن پر) حملہ آور ہوتے ہیں اور اس پر ہمیں فخر ہے۔ ہم حوض کوثر پر ولایت رکھتے ہیں اور ہم جام رسول خداؐ کے ذریعہ سیر اب کریں گے اور یہ بات ناقابل انکار ہے۔ ہمارے شیعہ، لوگوں میں باوقار ہیں اور ہمارے دشمن، روز قیامت، خسارے میں ہوں گے۔

ایک روایت کے مطابق امام حسینؑ نے اس وقت یہ اشعار کہے:

فَإِنْ تَكُنِ الدُّنْيَا تُعَدُّ نَفِيْسَةً — فَدَارُ ثَوَابِ اللّٰهِ أَعْلٰى وَ أَنْبَلُ

وَ إِنْ تَكُنِ الْأَبْدَانُ لِلْمَوْتِ أُنْشِئَتْ — فَقَتْلُ امْرِئٍ فِيْ اللهِ بِالسَّيْفِ أَفْضَلُ

وَ إِنْ تَكُنِ الْأَرْزَاقُ قِسْمًا مُقَدَّرًا — فَقِلَّةُ حِرْصِ الْمَرْءِ فِي الْكَسْبِ أَجْمَلُ

وَ إِنْ تَكُنِ الْأَمْوَالُ لِلتَّرْكِ جَمْعُهَا — فَمَا بَالُ مَتْرُوْكٍ بِهٖ الْمَرءُ يَبْخَلُ؟

سَأَمْضِيْ وَ مَا بِالْقَتْلِ عَارٌ عَلَى الْفَتٰى — إِذَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ يَمْضِيْ وَ يُقْتَلُ[2]

۱۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۱۶، ۱۱۷۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۳۲، ۳۳؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص ۸۸؛ اربلی، کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ، ج ۲، ص ۲۲۹ نے تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہ اشعار ذکر کئے ہیں۔

۲۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۳۳۔

اگر دنیا قیمتی اور ارزشمند ہے تو اجرِ خدا اس سے زیادہ بہتر اور ارزشمند ہے۔ اور اگر جسم، موت کے لیے خلق ہوئے ہیں تو پھر راہ خدا میں انسان کا شہید ہو جانا افضل ہے۔ اگر رزق تقسیم شدہ اور معین ہے تو پھر کسب و کار میں حرص کا کم ہونا اچھا ہے۔ اگر مال و دولت کا جمع کرنا اس کو ترک کرنے اور چھوڑ جانے کے مترادف ہے تو پھر انسان کو بخل نہیں کرنا چاہیے۔ میں چلا جاؤں گا اور جب شہادت، راہِ خدا میں آئے تو اس میں ننگ و عار نہیں ہے۔

پھر امام حسین علیہ السلام نے مبارز طلبی کی؛ دشمن کا جو بھی نامور اور مشہور سپاہی قریب آتا، آپ علیہ السلام اسے تہہ تیغ کر دیتے۔ آپ علیہ السلام نے دشمن کی کثیر جماعت کو جہنم واصل کیا۔[1] مالک بن نُسیر بدی کندی، امام علیہ السلام کے مقابلے میں آیا اور امام علیہ السلام کے سر پر تلوار کا وار کیا۔ تلوار، امام عالی مقام کے خُد کو چیرتی ہوئی فرق مبارک تک جا پہنچی۔ امام علیہ السلام کا سَر زخمی ہو گیا۔ خُد، خون سے لبریز ہو گئی۔ امام حسین علیہ السلام نے اسے فرمایا: تو ہرگز اس ہاتھ کے ساتھ کھا اور پی نہیں سکے گا۔ اللہ تعالیٰ تجھے ظالموں کے ساتھ محشور کرے۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے اپنی خُد اتار دی اور ایک اور ٹوپی پہن کر اس کے اوپر عمامہ باندھا۔ اس وقت امام عالی مقام تھک چکے تھے اور نقاہت طاری ہو چکی تھی۔[2]

امام حسین علیہ السلام نے عمامہ باندھنے کے بعد دائیں اور بائیں نگاہ دوڑائی، کوئی نہ تھا؛ پھر آسمان کی طرف سَر بلند کر کے فرمایا: یا اللہ، تو دیکھ رہا ہے کہ یہ لوگ تیرے نبی کے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔[3]

اب شمر بن ذی الجوشن ایک دستے کو لے کر آگے بڑھا۔ امام علیہ السلام نے ان کے ساتھ جنگ کی۔ وہ امام علیہ السلام اور خیام کے درمیان حائل ہو گئے اور خیام کی طرف گئے۔ خیام پر حملہ کرنا چاہتے تھے کہ امام حسین علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۳۳۔

۲۔ طبری م، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۴۸؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲، ص ۳۵۔

۳۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۰، ص ۲۲۶؛ ابن فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۸۹۔

وَيْحَكُمْ يَا شِيْعَةَ آلِ سُفْيَانَ! إِنْ لَمْ يَكُنْ دِيْنٌ وَكُنْتُمْ لَا تَخَافُوْنَ الْمَعَادَ فَكُوْنُوْا أَحْرَارًا فِيْ دُنْيَاكُمْ هٰذِهٖ، وَارْجِعُوْا إِلٰى أَحْسَابِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ أَعْرَابًا كَمَا تَزْعُمُوْنَ[۱]

ہلاکت ہو تم پر اے آل ابی سفیان کے اطاعت گذارو! اگر تم کسی دین کی پرواہ نہیں ہے اور قیامت سے بھی نہیں ڈرتے تو اس دنیا میں تو آزادی سے رہو۔ اور اگر تم اپنے آپ کو عرب سمجھتے ہو تو اپنی عربی غیرت کا لحاظ رکھو۔

شمر نے کہا: اے حسین، کیا کہہ رہے ہو؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: میں ادھر ہوں، تم سے جنگ کر رہا ہوں اور تم مجھ سے لڑ رہے ہو؛ عورتوں کا کیا قصور ہے؟ جب تک میں زندہ ہوں تم اپنے سرکش لشکر کو روک لو کہ وہ میرے اہل بیت کی بے حرمتی نہ کریں۔ شمر نے بلند آواز سے کہا: اس شخص کے خیام سے دور ہو جاؤ اور خود اس کے ساتھ جنگ کرو۔ مجھے اپنی جان کی قسم؛ یہ عظیم خاندان کا فرد ہے۔[۲] کوفیوں نے چاروں طرف سے آپ علیہ السلام پر حملہ کیا؛ ابو الجنوب جس کا اصلی نام عبد الرحمٰن جُعفی تھا، قشعم بن عمرو بن یزید جُعفی، صالح بن وہب یزنی، سنان بن انس نخعی، خولی بن یزید اصبحی، حملہ کرنے والوں میں شامل تھے۔ شمر نے انہیں امام حسین علیہ السلام پر حملہ کرنے پر اکسایا۔ ابو الجنوب اسلحہ سے لیس تھا۔ جب شمر اس کے پاس سے گزرا تو اسے کہا: اس پر حملہ کر۔ اس نے کہا: تو خود حملہ کیوں نہیں کرتا؟ شمر نے کہا: تم مجھے کہتے ہو؟ اس نے کہا: کیوں نہ کہوں؟ دونوں نے ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہا۔ ابو الجنوب ایک بہادر مرد تھا، اس نے شمر سے کہا: اللہ کی قسم؛ میرا جی چاہتا ہے نیزے سے تیری آنکھ پھوڑ دوں۔ شمر اس سے دور ہو گیا اور کہا: اگر میں تجھے کوئی نقصان پہنچا سکتا تو یقیناً پہنچاتا۔ پھر شمر اپنے پیادوں کو لے کر امام حسین علیہ السلام پر حملہ آور ہوا۔ امام علیہ السلام نے حملے کا جواب دیا۔ امام علیہ السلام ان پر حملہ کرتے اور انہیں ادھر اُدھر بکھیر دیتے تھے۔ آخر کار انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو گھیرے میں لیا۔[۳]

۱۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۱۷؛ ابن طاووس، الملهوف علی قتلی الطفوف، ص۱۷۱۔

۲۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۱۷۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۰؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص۴۰۷، ۴۰۸۔

عبد اللہ بن حسن علیہ السلام کی شہادت[1]

اسی اثنا میں عبد اللہ بن حسن جو ایک نوجوان تھے اور ان کا چہرہ مبارک چودھویں کے چاند کی طرح تھا، [2]خیام سے باہر آئے اور چچا حسین علیہ السلام کے پاس کھڑے ہو گئے۔ حضرت زینب علیہا السلام نے جا کر اسے روکنا چاہا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: بہن، اسے روک لو۔ عبد اللہ نے شدید پس و پیش کیا اور کہا: اللہ کی قسم، میں اپنے چچا سے جدا نہیں ہوں گا۔ ابجر بن کعب نے امام حسین علیہ السلام پر تلوار کا وار کیا۔ شہزادے نے کہا: يَا ابْنَ الْخَبِيثَةِ أَتَقْتُلُ عَمِّيْ؟ او بدکار عورت کا بیٹا، تو میرے چچا کو قتل کرنا چاہتا ہے؟۔ ابجر نے امام علیہ السلام کی طرف تلوار بلند کی، عبد اللہ نے ہاتھ سے روکنا چاہی۔ عبد اللہ کا ہاتھ تن سے جدا ہو کر لٹکنے لگا۔ شہزادے نے صدا دی: امی جان۔ امام حسین علیہ السلام نے شہزادے کو گود میں لیا اور فرمایا: بیٹا، اس مصیبت پر صبر کرو۔ اجر الٰہی کی امید رکھو۔ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے آباؤ اجداد، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ، علی بن ابی طالب، حمزہ، جعفر اور حسن بن علی علیہم السلام کے ساتھ ملائے گا۔[3] امام حسین علیہ السلام نے شہزادے کے دست مبارک کو آسمان کی طرف بلند کر کے کہا:

اَللّٰهُمَّ اَمْسِكْ عَنْهُمْ قَطْرَ السَّمَاءِ، وَ امْنَعْهُمْ بَرَكَاتِ الْاَرْضِ، اَللّٰهُمَّ فَاِنْ مَتَّعْتَهُمْ اِلٰى حِيْنٍ فَفَرِّقْهُمْ فِرَقًا، وَ اجْعَلْهُمْ طَرَائِقَ قِدَدًا، وَ لَا تُرْضِ عَنْهُمُ الْوُلَاةَ اَبَدًا، فَاِنَّهُمْ دَعَوْنَا لِيَنْصُرُوْنَا، فَعَدَوْا عَلَيْنَا فَقَتَلُوْنَا۔

اے اللہ، انہیں آسمان کی بارش اور زمین کی نعمات سے محروم رکھنا۔ [4]بار الٰہا، جب تک یہ زندہ ہیں ان میں تفرقہ اور جدائی ڈال دے اور انہیں دستوں میں تقسیم کر دے۔ اور ہمیشہ حکمران ان پر ناراض

۱۔ طبری نے ان کا نام ذکر نہیں کیا فقط ایک جوان سے تعبیر کیا ہے (تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۵۰، ۴۵۱)۔ شیخ مفید اور سید بن طاووس نے ان کا نام "عبد اللہ بن حسن" لکھا ہے (الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۷۳؛ الارشاد، ج۲، ص ۱۱۰)۔

۲۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص ۲۰۳۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۵۱؛ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص ۱۱۶؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۱۰؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۰۸؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص ۲۰۳۔

۴۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۵۱۔

رہیں کیونکہ انہوں نے ہمیں دعوت دی ہے کہ ہماری نصرت کریں گے لیکن انہوں نے ہمارے اوپر ستم ڈھائے ہیں اور ہمیں شہید کیا ہے۔[۱]

امام حسینؑ ان پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے اور جواب میں وہ بھی حملہ آور ہو رہے تھے۔ امامؑ پانی حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہر دفعہ امامؑ فرات کی طرف جانے کی کوشش کرتے، فوج اشقیا ان پر حملہ کر دیتی اور پانی تک جانے سے رکاوٹ بن جاتی۔ ایک ملعون ابو الجنوب جُعفی نے آپؑ کی پیشانی پر تیر مارا۔ امامؑ نے تیر نکال کر ایک طرف پھینک دیا؛ آپ کی چہرے اقدس اور ریش مبارک پر خون بہنے لگا۔ امام حسینؑ نے فرمایا: بارِالہا، انہیں ایک ایک کر کے عذاب میں مبتلا کر اور ان کی نسل قطع کر اور ان میں ایک بھی روئے زمین باقی نہ رہے۔ اور ہرگز انہیں معاف نہ کرنا۔ پھر غضبناک شیر کی طرح ان پر حملہ کیا؛ جو بھی سامنے آتا اسے زمین بوس کر دیتے۔[۲]

شجاعت حسینیؑ

امام حسینؑ شجاعانہ جنگ بھی کرتے تھے اور ساتھ ساتھ تیر اندازوں کے تیروں کا خیال بھی رکھتے تھے۔ یزیدی فوج پر مسلسل حملہ کر رہے تھے اور فرما رہے تھے: کیا تم میرے قتل پر ایک دوسرے کو اکسا رہے ہو؟ میرے بعد تم کسی انسان کو قتل نہیں کرو گے جس کے قتل پر مجھ سے زیادہ، اللہ تعالیٰ غضبناک ہو۔ اللہ کی قسم؛ مجھے امید ہے اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل و رسوا کر کے، مجھے کرامت عطا فرمائے گا؛ پھر اس انداز سے تم سے میرا انتقام لے گا کہ تمہیں سمجھ ہی نہ پاؤ گے۔ اللہ کی قسم؛ اگر تم نے مجھے قتل کیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک دوسرے سے لڑا دے گا اور (اس طرح) تمہارا خون بہائے گا۔ پھر تمہیں دردناک عذاب کا مزہ چکھائے گا۔[۳]

حُمید بن مسلم کہتا ہے:

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۵۱؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۱۰، ۱۱۱؛ طبرسی، اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ، ص ۲۴۴۔

۲۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۳۴۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۵۲؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۱۸؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۳۳، ۳۴۔

فَوَاللهِ مَا رَأَيْتُ مَكْثُورًا قَطُّ قَدْ قُتِلَ وَلَدُهُ وَأَهْلُ بَيْتِهِ وَأَصْحَابِهِ أَرْبَطَ جَأْشًا وَلَا أَمْضَى جِنَانًا مِنْهُ علیہ السلام إِنْ كَانَتِ الرِّجَالَةُ لِتَشُدَّ عَلَيْهِ فَيَشُدَّ عَلَيْهَا بِسَيْفِهِ فَتَنْكَشِفُ عَنْ يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ انْكِشَافَ الْمَعْزَى إِذَا شُدَّ فِيهَا الذِّئْبُ[1]

خدا کی قسم، میں نے کسی نرغہ اعدا میں گھرے ہوئے شخص کو نہیں دیکھا جس کا سارا گھرانہ آنکھوں کے سامنے قتل ہو گیا ہو۔ اور پھر حسین ایسا شجاع، ثابت قدم، مطمئن اور جری ہو۔ حالت یہ تھی کہ چاروں طرف سے آپ پر پیادے حملہ کرتے تھے؛ لیکن جب حسین علیہ السلام تلوار سونت کر ان پر جوابی حملہ کرتے تھے تو وہ اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے تھے جس طرح بھیڑیے کے حملہ کے وقت بکریاں بھاگ جاتی ہیں۔[2]

دوسری روایات میں بھی اس بات کی تائید ہوئی ہے۔ واقعہ کربلا کے عینی شواہد بھی اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں: کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کے بھائی، خاندان اور اصحاب قتل ہو گئے ہوں اور وہ تن تنہا رہ گیا ہو اور حسین علیہ السلام جیسا شجاع ہو۔ آپ علیہ السلام غضبناک شیر کی مانند (دشمن کے) سواروں کو ہلاک کرتے تھے۔ جو شخص ظلم جھیل لے لیکن (ظالم کے سامنے) سر تسلیم خم نہ کرے تو اس بارے کیا گمان کیا جا سکتا ہے؟! ایسا شخص کہ جس کے بھائیوں اور بھتیجوں کے ساتھ امان دینے اور قسمیں کھانے کے باوجود جنگ کی جائے۔ آپ وہ شخصیت تھے جنہوں نے عربوں کے لیے تسلیم نہ ہونے اور ذلت کو قبول نہ کرنے کو ایسا معمول بنا دیا تھا کہ آل زبیر، مہلب اور دوسرے لوگوں نے آپ کی پیروی کی۔[3]

۱۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۱۱؛ ابن فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۸۹؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۴۵؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۲۷۔

۲۔ اس عبارت کا ترجمہ، آیۃ اللہ شیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی کی کتاب "**سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین**" سے لیا گیا ہے۔

۳۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۱۵، ص ۲۷۴، ۲۷۵۔

امام حسینؑ، تقریباً تیس ہزار کی تعداد پر مشتمل فوج کے باجود، اُن پر تابڑ توڑ حملہ کرتے تھے اور انہیں ٹڈیوں کی طرح تتر بتر کر دیتے تھے اور وہ فرار کر جاتے تھے۔ پھر امام حسینؑ اپنے مرکز پر واپس تشریف لاتے تھے اور فرماتے: لاحول و لاقوّۃ الا باللہ العلی العظیم۔[1]

آپ مسلسل جنگ کر رہے تھے یہاں تک کہ دشمن کے ایک جم غفیر کو جہنم واصل کیا۔ عمر بن سعد نے اپنی فوج سے کہا: وائے ہو تم پر، تم جانتے ہو کہ کس سے جنگ کر رہے ہو؟ یہ شخص عرب کے سب سے بڑے جنگو کا بیٹا ہے؛ اس پر چاروں طرف سے حملہ کرو۔ تیر اندازوں اور نیزہ بازوں کے ایک بہت بڑے دستے نے آپ پر حملہ کر دیا۔[2]

دشمن کا ردِّ عمل

شمر (لعنۃ اللہ علیہ) نے امام عالی مقام کی دلیرانہ جنگ دیکھ کر سواروں حکم دیا کہ وہ تیر اندازوں کے پیچھے صف بنالیں اور تیر اندازوں کو تیر برسانے کا حکم دیا۔ اعدا نے امامؑ پر اس طرح تیروں کی بوچھاڑ کی کہ آپ کا بدن اطہر تیروں میں چھپ گیا۔ آپ بیٹھ گئے اور ظالموں نے آگے صف بنالی۔[3] عمر سعد، امام حسینؑ کے قریب ہوا۔ حضرت زینب عالیہؑ خیام سے باہر (ٹیلہ زینبیہ پر) تشریف لائیں اور فرمایا: اے کاش آسمان، زمین پر گر جاتا۔ اور پھر فرمایا:

وَيْحَكَ يَاعُمَرُ، أَيُقْتَلُ اَبُوعَبْدِاللّٰهِ وَاَنْتَ تَنْظُرُ اِلَيْهِ؟

افسوس ہے تجھ پر اے عمر سعد، تو دیکھ رہا ہے اور ابو عبد اللہ شہید کیے جا رہے ہیں؟

۱۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۷۱؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۷۲؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۵۰۔

۲۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۰۔

۳۔ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۱۱۱، ۱۱۲؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۴۵؛ ابن فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۸۹۔

روای کہتا ہے: گویا میں اب بھی عمر سعد کے چہرے پر آنسو جاری ہوتے دیکھ رہا ہوں۔ عمر سعد نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔[1] ثانی زہراؑ نے فرمایا: کیا تم میں کوئی بھی مسلمان نہیں؟! کسی نے جواب نہ دیا۔[2]

کربلا میں موجود سعد بن عبیدہ نامی ایک شخص کہتا ہے: ہمارے کوفی بزرگان ایک ٹیلے پر کھڑے تھے اور رو کر کہتے تھے: بارِ الٰہا، حسینؑ پر اپنی نصرت اور کامیابی نازل فرما۔ میں نے ان سے کہا: اے دشمنانِ خدا، تم نے ان کی مدد کیوں نہ کی؟![3]

امامؑ کی پانی تک پہنچنے کی کوشش

امام حسینؑ پیاس کی شدت کی وجہ سے نڈھال ہوگئے۔ فرات کے قریب گئے تا کہ پانی پی لیں۔ حصین بن تمیم (نمیر) نے تیر مارا جو آپ کے دہن اقدس پر لگا۔ امامؑ نے اپنا خون (ہاتھوں میں)لیا اور آسمان کی طرف اچھالا۔ پھر اللہ کی حمد و ثنا بجالائے اور پھر خون آسمان کی طرف اچھالا۔ پھر اللہ کی حمد وثنا بجالائے اور دستِ دعا بلند کر کے کہا:

اَللّٰھُمَّ اَحْصِھِمْ عَدَداً وَ اقْتُلْھُمْ بَدَداً وَلَاتَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنْھُمْ اَحَداً[4]

اے اللہ، ان کو نابود و ہلاک کر، اور ان میں سے کوئی بھی روئے زمین پر باقی نہ رہے۔

امام حسینؑ کی شہادت

امام حسینؑ نے اس قدر جنگ کی کہ آپ کا بدن اطہر زخموں سے چور چور ہو گیا۔ حالت یہ تھی کہ اب جنگ کرنے کی طاقت نہ رہی، تھوڑا سا آرام کرنے کے لیے اٹھے۔ اٹھے ہی تھے کہ ایک پتھر آپ کی پیشانی پر لگا۔ پیشانی سے خون جاری ہوا۔ لباس کے پہلو سے خون کو صاف کرنا چاہا کہ ایک زہر آلود تین

۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۵۲۔

۲۔ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۱۲۔

۳۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۲۴؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۳۹۲۔

۴۔ بلاذری، انساب الاشراف، ج۳، ص ۴۰۷؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۴۹؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۸، ص ۲۰۳۔

شعبہ تیر فراٹے لیتا ہوا آیا جو آپ علیہ السلام کے قلب نازنین میں پیوست ہوا۔ حسینِ مظلوم علیہ السلام نے فرمایا: بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ؛ پھر آسمان کی طرف سَر بلند کر کے کہا: یااللہ، یہ لوگ ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہیں جس کے علاوہ روئے زمین پر کوئی فرزند پیغمبر علیہم السلام نہیں ہے۔ پھر تیر کو پشت کی جانب سے کھینچا۔ خون جاری ہوا۔[1] امام علیہ السلام نے نیچے ہاتھ رکھا۔ جب چلو خون سے بھر گیا تو آسمان کی طرف پھینک دیا، مگر ایک قطرہ بھی واپس نہ آیا۔ دوبارہ ہاتھ رکھا۔ جب ہاتھ خون سے لبریز ہو گیا تو اس سے اپنے سَر اور داڑھی کو خضاب کیا اور فرمایا: اللہ کی قسم؛ میں اسی خون آلود حالت میں اپنے جد امجد محمد علیہم السلام سے ملاقات کروں گا۔ اور عرض کروں گا: ناناجان! مجھے فلاں اور فلاں نے شہید کیا ہے۔[2]

روایات کے مطابق، بہت زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ اگر کوفی چاہتے تو امام علیہ السلام کو شہید کر سکتے تھے؛ لیکن وہ ٹال مٹول کر رہے تھے اور امام علیہ السلام کو شہید کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ آپ علیہ السلام کا کام تمام کریں۔[3] اسی اثنا میں شمر نے فوج کو پکار کر کہا: تمہاری مائیں تمہارے غم میں بیٹھیں، کھڑے کیوں ہو؟ کس چیز کا انتظار ہے؟ وہ تیروں سے چھلنی ہیں، ان پر حملہ کرو۔ یہ حکم ملنا تھا کہ لعینوں نے چاروں طرف سے مظلوم پر حملہ کیا۔ آپ علیہ السلام تلواروں کے زخموں سے نڈھال ہو گئے۔ سب سے پہلے زُرعہ بن شریک تمیمی نے آپ علیہ السلام کے بائیں بازو پر وار کیا۔[4] عمرو بن طلحہ جُعفی نے بھی پشت سے امام علیہ السلام کے کندھے پر سخت ضرب ماری۔[5] سنان بن انس نے بھی سید الشہدا علیہ السلام کے گلوئے مبارک پر ایک تیر مارا۔ صالح بن وہب یزنی نے نیزے کا وار کیا۔ زخموں اور ضربتوں کی تاب نہ لاتے ہوئے امام علیہ السلام زین ذوالجناح سے فرشِ زمین پر تشریف لائے۔ پھر اٹھے اور بیٹھ گئے۔ گلوئے اطہر سے تیر نکالا اور دونوں ہاتھ گردن کے نیچے رکھے اور جب دونوں چلو خون سے لبریز ہو گئے تو اپنے سر اور داڑھی کو خون سے خضاب کر

۱۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۳۴؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۷۲۔

۲۔ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۳۴، ۵۳۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم الملوک، ج۵، ص ۴۵۲۔

۴۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص ۴۵۳؛ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۱۸؛ شیخ مفید، الارشاد، ج۲، ص ۱۱۲۔

۵۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص ۱۱۸؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ج۲، ص ۳۵۔

رہے تھے اور فرمارہے تھے: میں اسی حالت میں اللہ کی بارگاہ میں جاؤں گا (اور کہوں گا کہ) میرا حق غصب ہوا ہے۔[1] اس وقت اشقیا، امام علیہ السلام کے آس پاس سے دور ہوگئے۔ امام کی حالت یہ تھی کہ کبھی آپ منہ کے بل زمین پر گرتے اور کبھی اٹھتے تھے۔ اسی اثنا میں سنان بن انس قریب آیا اور نیزے کا ایک وار کیا۔ امام علیہ السلام زمین پر گر پڑے۔ سنان نے خولی بن یزید اصبحی سے کہا کہ امام کا سر تن سے جدا کرے۔ خولی یہ کام کرنا چاہتا تھا؛ لیکن اس کا بدن پر لرزہ طاری ہوگیا۔ سنان نے اسے کہا: اللہ تیرے بازو شل کرے اور بدن سے جدا کرے۔ اور پھر وہ ملعون خود گھوڑے سے اترا اور امام عالی مقام کا سر مبارک تن سے جدا کیا اور خولی کے حوالے کیا؛ حالانکہ امام علیہ السلام کے بدن اطہر پر پہلے بھی تلواروں کے زخم لگے ہوئے تھے۔[2]

سنان بن انس ایک بہادر شخص تھا، لیکن احمق اور ہلکے ذہن کا مالک بھی تھا۔[3] وہ ابن زیاد کے انعام کے لالچ میں اس تاک میں تھا کہ امام علیہ السلام کا سر مبارک حاصل کرے۔ امام صادق علیہ السلام سے منقول ابی مخنف کی روایت کے مطابق، اس خوف سے کہ کوئی دوسرا شخص امام علیہ السلام کا سر نہ لے جائے، جو شقی بھی امام علیہ السلام کے قریب آتا، سنان اس پر حملہ کرکے پیچھے ہٹا دیتا۔ بالآخر وہ ملعون، امام علیہ السلام کے پاس اترا اور آپ علیہ السلام کا گلوئے مبارک کاٹنا شروع کیا اور سر مطہر کو تن سے جدا کیا۔ اور خولی کے حوالے کیا۔[4]

شیخ صدوق رحمہ اللہ نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے:

"[جب اصحابِ حسین علیہ السلام شہید ہوگئے، تو] آپ علیہ السلام نے دائیں اور بائیں نگاہ دوڑائی، لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ پھر آسمان کی طرف سر بلند کرکے فرمایا: اے اللہ، تو دیکھ رہا ہے کہ تیرے رسول کے فرزند کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ بنی کلاب، امام اور پانی کے درمیان حائل ہوگئے۔ اسی اثنا میں ایک تیر فراٹے لیتا ہوا امام کی طرف آیا اور آپ کے گلوئے پاک میں پیوست ہوا۔ امام علیہ السلام گھوڑے سے زمین پر آئے۔ تیر کو کھینچا اور دور پھینک دیا؛ خون کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔ جب ہاتھ خون سے بھر گئے تو اپنے سر اور داڑھی

۱۔ ابن اعثم، کتاب الفتوح، ج۵، ص۱۱۸۔

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۳۔

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۴۔

۴۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۵، ص۴۵۳۔

پر ملا اور فرمایا: میں اسی خون ستم دیدہ اور خون سے آلودہ حالت میں اللہ سے ملاقات کروں گا۔ پھر بائیں رخسار کے بَل خاک کربلا پر گر پڑے۔ اللہ (اور رسول) کے دشمن، سنان بن انس ایادی، شمر بن ذی الجوشن اور کچھ دوسرے حرام زادے آگے بڑھے اور امام حسین علیہ السلام کے سرہانے کھڑے ہو گئے اور ایک دوسرے کو کہنے لگے: کس چیز کا انتظار ہے؟ اسے چھٹکارا دو (یعنی شہید کر دو)۔ سنان بن انس ایادی، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، نیچے اترا اور امام حسین علیہ السلام کی ریش مبارک سے پکڑا اور گلوئے مبارک پر تلوار سے وار کرنے لگا اور کہہ رہا تھا: اللہ کی قسم، تیرا سر، تن سے جدا کروں گا جبکہ جانتا ہوں کہ تو فرزند رسول خدا ہے اور ماں باپ کی جانب سے تمام لوگوں سے افضل ہے۔"[1]

ہلال بن نافع ملعون کی گفتگو

عمر سعد کے لشکر کا سپاہی ہلال بن نافع کہتا ہے: میں عمر بن سعد کی فوج میں کھڑا تھا کہ کسی نے آواز دی: اے امیر، خوشخبری دو؛ یہ شمر ہے جس نے حسین کو قتل کیا ہے۔ میں صفوں سے باہر آیا اور حسین کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ اس وقت حسین کی روح نکل رہی تھی۔ اللہ کی قسم، میں نے کبھی ایسے مظلوم کو نہیں دیکھا جو اپنے خون میں لت پت ہو، اور حسین سے زیادہ نورانی اور خوبصورت ہو۔ اس کے حُسن اور ہیبت نے مجھے قتل کرنے سے روک لیا۔ ایسی حالت میں وہ پانی مانگ رہے تھے۔ میں نے ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا: تم ہرگز پانی نہیں پی سکو گے یہاں تک کہ جہنم میں چلے جاؤ اور وہاں کا گندہ پانی پیو۔ حسین نے اسے کہا: نہیں [میں جہنم میں نہیں جاؤں گا اور نہ ہی وہاں کا گندہ پانی پیؤں گا]، بلکہ میں اپنے نانا رسول خدا علیہ السلام کی خدمت میں جاؤں گا اور ایسا خوشگوار پانی پیؤں گا جو کبھی بھی بدبودار نہ ہو گا۔ اور تم نے میرے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس کی رسول خدا علیہ السلام کی خدمت میں شکایت کروں گا۔[2]

۱۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۰، ص ۲۲۶۔

۲۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۷۷۔

ہلال بن نافع کہتا ہے: سارے سپاہی غصے ہو گئے گویا کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ نے رحم نہیں ڈالا۔ انہوں نے حسین کا سَر تن سے جدا کر دیا جبکہ وہ اس کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے۔ مجھے ان کی بے رحمی پر تعجب ہوا۔ میں نے ان سے کہا: میں اس کام میں کبھی تمہاری مدد نہیں کروں گا۔[1]

شہادتِ امام حسین علیہ السلام، ائمہ معصومین علیہم السلام کی روایات میں

شہادت امام حسین علیہ السلام کے باب میں ہم نے امام صادق علیہ السلام سے جو روایت نقل کی ہے اس کے علاوہ اور بھی روایات موجود ہیں جن میں سید الشہدا علیہ السلام کی شہادت اور جہاد کی کیفیت بیان ہوئی ہے۔ ہم ذیل میں ان کا تذکرہ کرتے ہیں:

امام سجاد علیہ السلام نے اسیری کے وقت، کوفیوں کے مجمع عام میں اس بارے فرمایا:

أَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ الْمَذْبُوحِ بِشَطِّ الْفُرَاتِ مِنْ غَيْرِ ذَحْلٍ وَ لَا تِرَاتٍ، أَنَا ابْنُ مَنِ انْتُهِكَ حَرِيمُهُ، وَ سُلِبَ نَعِيمُهُ، وَ انْتُهِبَ مَالُهُ، وَ سُبِيَ عِيَالُهُ، أَنَا ابْنُ مَنْ قُتِلَ صَبْرًا[2]

میں اس حسین کا بیٹا ہوں جسے فرات کے کنارے ذبح کیا گیا ہے جبکہ اس کی گردن پر نہ کسی کا خون تھا اور نہ ہی کسی کا قصاص اس کے ذمہ تھا۔ میں اس مظلوم کا بیٹا ہوں جس کی ہتکِ حُرمت کی گئی، جس کے اموال تاراج کیے گئے اور جس کا خاندان اسیر کیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے سختی سے قتل کیا گیا۔

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: جس دن حسین بن علی علیہ السلام کو شہید کیا گیا، میرے بابا (امام زین العابدین علیہ السلام) کے شکم میں درد تھا اور وہ خیمہ میں تھے۔ ابو عبد اللہ الحسین علیہ السلام کبھی لشکرِ دشمن کے دائیں جانب، کبھی بائیں جانب اور کبھی قلب لشکر پر حملہ آور ہوتے۔ ظالموں نے آپ کو اس انداز سے شہید کیا جس سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے منع کیا ہے۔ امام حسین علیہ السلام [زندگی کے آخری لحات میں جب اپنے دفاع پر قادر نہ تھے

۱۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۷۷۔

۲۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۴؛ طبرسی، الاحتجاج، ج ۲، ص ۱۱۷؛ ابن نما، مثیر الاحزان، ص ۸۹؛ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ۱۹۹۔

اور حرکت نہیں کر سکتے تھے] تلوار، نیزے، پتھر، لکڑی اور عصا سے شہید کیے گئے اور پھر ان پر گھوڑے دوڑائے گئے۔[1]

امام صادق علیہ السلام سے ایک اور روایت میں یوں نقل ہوا ہے:

جس وقت ظالموں نے حسین بن علی علیہ السلام پر تلوار کے وار کیے اور آپ زمین پر گرے تو انہوں نے آگے بڑھ مظلوم کا سر قلم کیا؛ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک منادی نے عرش پر ندا دی: اے سرگرداں امت! تم نے اپنے پیغمبر کے بعد ظلم کیا، اللہ تعالیٰ تمہیں عید فطر اور عید قربان (کی خوشی) نصیب نہ فرمائے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کی قسم، پھر انہیں عید نصیب نہیں ہوئی، اور کبھی نصیب نہیں ہو گی، یہاں تک کہ امام حسین علیہ السلام کے خون کا انتقام لینے والے (امام مہدی عجل اللہ فرجہ) قیام کریں۔[2]

حلبی نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے: جب امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے، دشمن کے لشکر میں کسی نے بلند آواز سے پکارا اور ان سے سختی سے کہا: میں کیسے فریاد نہ کروں جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کھڑے ہیں اور ایک بار زمین کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں پھر تمہاری طرف دیکھتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ اہل زمین کے لیے بد دعا نہ کر دیں اور سب ہلاک ہو جائیں۔ کوفہ کی فوج نے ایک دوسرے سے کہا: یہ دیوانہ ہے۔ حلبی کہتا ہے: میں نے کہا: میری جان تجھ پر فدا ہو، وہ ندا دینے والا کون تھا؟ فرمایا: میں نے جبرئیل کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا...۔[3]

امام حسین علیہ السلام کی آخری لمحات میں مناجات

بعض متاخر کتب میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے وقت، آپ کی کچھ دعائیں اور مناجات نقل ہوئی ہیں جو قدیمی کتب میں نقل نہیں ہوئیں ۔ لیکن امام سجاد علیہ السلام سے منقول ایک روایت میں آیا ہے: جس

۱۔ نخبۃ من الروۃ، الاصول الستۃ عشر من الاصول الاولیہ فی الروایات واحادیث اہل البیت، ص ۱۲۲؛ مجلسی، بحار الانوار، ۴۵، ص ۹۱۔

۲۔ شیخ صدوق، الامالی، مجلس ۳۱، ص ۲۳۲، ح ۵؛ ابن فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۹۳۔

۳۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، باب ۱۰۸، ص ۵۵۴؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۱۷۳۔

دن میرے بابا شہید ہوئے مجھے اپنے سینے سے لگایا، ان کے بدن اطہر سے خون جاری تھا، اور فرمایا: بیٹا! مجھ سے ایک دعا یاد کر لو جو ماں زہراء علیہا السلام نے مجھے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے ماں زہراء علیہا السلام کو اور جبرئیل نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو تعلیم دی تھی، جو ضرورت، مصیبت، غم، بلائے آسمانی، کسی اہم اور سخت کام کے وقت پڑھی جائے اور پھر فرمایا:

بِحَقِّ یٰسٓ وَ الْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ وَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ الْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ یَا مَنْ یَّقْدِرُ عَلٰی حَوَائِجِ السَّائِلِیْنَ یَا مَنْ یَّعْلَمُ مَا فِی الضَّمِیْرِ یَا مُنَفِّسُ عَنِ الْمَکْرُوْبِیْنَ یَا مُفَرِّجُ عَنِ الْمَغْمُوْمِیْنَ یَا رَاحِمَ الشَّیْخِ الْکَبِیْرِ یَا رَازِقَ الطِّفْلِ الصَّغِیْرِ یَا مَنْ لَا یَحْتَاجُ إِلَی التَّفْسِیْرِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ وَّ افْعَلْ بِیْ کَذَا وَ کَذَا[1]

بحق یس والقرآن الحکیم، بحق طٰہٰ و قرآن عظیم، اے وہ ذات جو نیاز مندوں کی حاجات پوری کرنے پر قادر ہے، اے وہ ذات جو دل کے بھید جانتا ہے، اے گرفتاروں کو چھٹکارا دینے والے، اے غمزدہ کو سکون عطا کرنے والے، اے بوڑھوں پر رحم کرنے والے، اے بچوں کو رزق عطا کرنے والے، اے وہ ذات جو کسی بیان کی محتاج نہیں ہے، محمد و آل محمد پر درود بھیج، اور میری فلاں اور فلاں مشکل حل کر دے۔

شیخ طوسی نے امام حسین علیہ السلام کی زندگی کی یہ آخری دعا نقل کی ہے:

أَللّٰهُمَّ مُتَعَالِی الْمَکَانِ، عَظِیْمُ الْجَبَرُوْتِ، شَدِیْدُ الْمِحَالِ، غَنِیٌّ عَنِ الْخَلَائِقِ، عَرِیْضُ الْکِبْرِیَاءِ، قَادِرٌ عَلٰی مَا تَشَاءُ، قَرِیْبُ الرَّحْمَةِ، صَادِقُ الْوَعْدِ، سَابِغُ النِّعْمَةِ، حَسَنُ الْبَلَاءِ، قَرِیْبٌ إِذَا دُعِیْتَ، مُحِیْطٌ بِمَا خَلَقْتَ، قَابِلُ التَّوْبَةِ لِمَنْ تَابَ إِلَیْكَ، قَادِرٌ عَلٰی مَا أَرَدْتَ، وَ مُدْرِكُ مَا طَلَبْتَ، وَ شَکُوْرٌ إِذَا شُکِرْتَ، وَ ذَکُوْرٌ إِذَا ذُکِرْتَ، أَدْعُوْكَ مُحْتَاجًا، وَ أَرْغَبُ إِلَیْكَ فَقِیْرًا، وَ أَفْزَعُ إِلَیْكَ خَائِفًا، وَ أَبْکِیْ إِلَیْكَ مَکْرُوْبًا، وَ أَسْتَعِیْنُ بِكَ ضَعِیْفًا، وَ أَتَوَکَّلُ عَلَیْكَ کَافِیًا، أُحْکُمْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ قَوْمِنَا، فَإِنَّهُمْ غَرُّوْنَا وَ خَدَعُوْنَا وَ خَذَلُوْنَا وَ غَدَرُوْا بِنَا وَ قَتَلُوْنَا وَ نَحْنُ عِتْرَةُ نَبِیِّكَ، وَ وُلْدُ حَبِیْبِكَ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ

۱۔ قطب الدین راوندی، الدعوات، ص ۵۴، ۵۵۔

الَّذِیْ اصْطَفَیْتَهُ بِالرِّسَالَةِ، وَائْتَمَنْتَهُ عَلٰی وَحْیِكَ، فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا فَرَجًا وَ مَخْرَجًا، بِرَحْمَتِكَ یَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔[۱]

اے خدائے متعال، اے عظیم شان و شوکت کے مالک، اے سخت انتقام لینے والے، اے وہ جو چاہے اس پر قادر ہے، تیری رحمت نزدیک ہے، تیرا وعدہ سچا ہے، تیری نعمت فراوان ہے، تیرا امتحان نیک ہے۔ جب تجھے پکارا جائے تو تُو نزدیک ہے، جس کو تو نے خلق کیا ہے اس پر تیرا قبضہ ہے، توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرنے والا ہے، تو جس چیز کا ارادہ کرے اس پر قادر ہے، جس کی طلب کرے اسے حاصل کر لیتا ہے، اگر تیرا شکر کیا جائے تو قبول کرتا ہے، اگر تجھے یاد کیا جائے تو تُو بھی یاد رکھتا ہے، تجھے پکارتا ہوں کیوں نیازمند ہوں، تیری ذات میں رغبت رکھتا ہوں کیوں کہ فقیر ہوں، خوف کی حالت میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، غم واندوہ کے ساتھ تیرے سامنے گریہ کرتا ہوں، تجھ سے مدد مانگتا ہوں کیونکہ میں ضعیف ہوں، تجھ پر توکل کرتا ہوں، میرے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ کر۔ انہوں نے ہمیں فریب دیا ہے، انہوں نے ہماری مدد نہیں کی ہے، انہوں نے ہمیں دھوکا دیا ہے، انہوں نے ہمیں قتل کیا ہے، ہم تیرے پیغمبر کی عترت ہیں، تیرے حبیب محمد بن عبد اللہؐ کی اولاد ہیں، جس کو تو نے رسالت کے لیے انتخاب کیا ہے، اور اسے امینِ وحی قرار دیا ہے۔ ہمارے امر میں ہمیں آسانی اور رہائی عطا فرما، اے ارحم الراحمین۔

شہادتِ امام حسینؑ کے بعد آخری دو اصحاب کی شہادت

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کے دو اصحاب شہید ہوئے۔ ان کے نام اور شہادت کا تذکرہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ سُوید بن عمرو بن ابی مطاع

سُوید، بزرگ اور نمازی شخص تھے۔ وہ شہادتِ امام حسینؑ سے پہلے میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے۔ شیر کی مانند جنگ کی۔ شدید مصائب کا سامنا کیا اور صبر سے کام لیا۔[۱] یہاں تک کہ بے ہوش کر شہداء

۱۔ شیخ طوسی، مصباح المتہجد و سلاح المتعبد، ص ۸۲۷، ۸۲۸؛ سید بن طاووس، اقبال الاعمال، ج ۳، ص ۳۰۴، ۳۰۵۔

کے درمیان گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو لوگوں کو کہتے ہوئے سنا: حسین علیہ السلام شہید ہو گئے ہیں۔ ان کی تلوار تو لے گئے تھے لیکن ان کے پاس ایک خنجر تھا۔ کچھ دیر خنجر کے ساتھ جنگ کی۔ عُروہ بن بطار تغلبی اور زید بن رُقاد جنبی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ یہ اصحاب میں سب سے آخری شہید ہیں۔[٢]

٢۔ ہَفہاف بن مُہَنَّد راسبی

ہفہاف بن مہند بصرہ کے رہنے والے تھے۔ جب قیامِ امام حسین علیہ السلام کی اطلاع ملی تو بصرہ سے امام علیہ السلام کی نصرت کے لیے چلے، لیکن کربلا پہنچے تو امام علیہ السلام شہید ہو چکے تھے؛ پس انہوں نے عمر سعد کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ تلوار نیام سے نکال کر کہا: اے سپاہیو! میں ہفہاف بن مہند ہوں؛ خاندان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کی تلاش میں ہوں۔

آپ نے بہادری سے جنگ کی اور کثیر جماعت کو جہنم واصل کیا۔ فوج اشقیاء نے آپ کا محاصرہ کیا اور بالآخر شہید کر ڈالا۔ ہفہاف کی شجاعت اور جنگ بارے امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی بعثت سے لے حضرت علی علیہ السلام کے بعد تک، اس جیسا جنگجو کسی نے نہیں دیکھا۔ انہوں نے دشمن کی بہت زیادہ تعداد کو جہنم واصل کیا، یہاں تک کہ پانچ افراد نے آپ کو گھیرے میں لیا اور شہید کر دیا۔[٣]

١۔ سید بن طاووس، الملہوف علی قتلی الطفوف، ص ١٦٥۔

٢۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۴۵۳۔

٣۔ فُضیل بن زبیر، تسمیۃ من قتل مع الحسین، فصلنامہ تراثنا، ش ٢، ١۴٠٦ اق، تحقیق سید محمد رضا حسینی جلالی، ص ١۵٦، ١۵٧۔

مصادر

قرآن

۱- ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع، **ترجمۃ الحسین ومقتلہ**، محقق: سید عبد العزیز طباطبائی، مؤسسہ آل البیت لاحیاء التراث، قم، ۱۴۰۸ ہجری قمری۔

۲- ابن ابی الحدید، **شرح نہج البلاغۃ**، محقق: محمد ابو الفضل ابراہیم، اشاعت دوم، منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمی مرعشی نجفی، قم، ۱۴۰۴ ہجری۔

۳- ابن ابی الحدید، **شرح نہج البلاغہ**، محقق: محمد ابو الفضل ابراہیم، اشاعت دوم، ناشر: مکتبہ آیۃ اللہ العظمی مرعشی نجفی، قم، ۱۴۰۴ ہجری۔

۴- ابن اثیر، علی بن محمد شیبانی جزری، **اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ**، بیروت، ۱۴۰۹ ہجری۔

۵- ابن اثیر، علی بن محمد شیبانی جزری، **البدایۃ والنہایۃ**، محقق: مکتب محقق التراث، شہر نامعلو، تاریخ نامعلوم۔

۶- ابن اثیر، علی بن محمد شیبانی جزری، **الکامل فی التاریخ**، تحقیق: مکتب التراث، اشاعت چہارم، دار اضیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۸ ہجری۔

۷- ابن اعثم، ابو محمد احمد بن اعثم، **کتاب الفتوح**، محقق: علی شیری، دار الاضواء، بیروت، ۱۴۱۱ ہجری۔

۸- ابن اعثم، ابو محمد احمد بن اعثم، **الفتوح**، ترجمہ محمد بن احمد مستوفی، تصحیح: طباطبائی مجد، انتشارات آموزش و پرورش انقلاب اسلامی، تہران، ۱۳۷۲ شمسی۔

۹- ابن اعثم، ابو محمد احمد بن اعثم، **کتاب الفتوح**، محقق محمد ابو الفضل، تاریخ نامعلوم، ناشر نامعلوم۔

۱۰- ابن العربی، العواصم من القواصم، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۱- ابن العماد، ابو الفلاح عبد الحی بن احمد، **شذرات الذہب فی اخبار من ذہب**، محقق محمود الارناؤوط، دار ابن کثیر، دمشق و بیروت، ۱۴۱۰ ہجری۔

۱۲- ابن تغری بردی، اتابکی، جمال الدین ابو المحاسن یوسف، **النجوم الزاہرۃ فی اخبار ملوک مصر و القاہرۃ**، وزارۃ الثقافۃ والارشاد القومی، قاہرہ، بی تاریخ۔

۱۳- ابن تیمیہ حرانی، منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعہ والقدریہ، مکتبہ الجمہوریہ و مکتبۃ الریاض الحدیثہ، قاہرہ وریاض، بی تاریخ۔

۱۴- ابن جوزی، ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد، کتاب الرد علی المتعصب العنید، محقق: محمد کاظم محمودی، ناشر ومقام نشر نامعلوم، ۱۴۰۳ہجری۔

۱۵- ابن جوزی، ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، محقق محمد عبدالقادر عطاو مصطفی عبدالقادر عطا، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ہجری۔

۱۶- ابن جوزی، ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد، تذکرۃ الخواص، ناشر، مقام وتاریخ نشر نامعلوم۔

۱۷- ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد، لسان المیزان، مطبعہ مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدر آباد دکن، ۱۳۳۰ہجری۔

۱۸- ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، محقق: عادل احمد عبدالموجود، علی محمد معوض، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ہجری۔

۱۹- ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد، فتح الباری، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۸ہجری۔

۲۰- ابن حزم اندلسی، جمہرۃ انساب العرب، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۳ہجری۔

۲۱- ابن حزم اندلسی، کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل، دار صادر، بیروت، بی تاریخ۔

۲۲- ابن خلدون، عبدالرحمان، تاریخ ابن خلدون، المسمی: کتاب العبر و دیوان البدا و الخبر، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ہجری۔

۲۳- ابن خلکان، شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، محقق: احسان عباس، دار صادر، بیروت، ۱۳۹۷ہجری۔

۲۴- ابن سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع، الطبقات الکبری (الطبقۃ الخامسۃ)، تصحیح محمد بن صامل سلمی، مکتبہ الصدیق، طائف، ۱۴۱۴ہجری۔

۲۵- ابن سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع، ترجمہ الحسین ومقتلہ، محقق: سید عبدالعزیز طباطبائی، مؤسسہ آل البیت لاحیاء التراث، قم، ۱۴۰۸ہجری۔

۲۶- ابن شُبَّہ، ابوزید عمر بن شبہ نمیری بصری، **تاریخ المدینۃ المنورۃ**، محقق: فہیم محمد شلتوت، دار الفکر، قم، ۱۳۶۸ شمسی۔

۲۷- ابن شعبہ حرانی، ابو محمد حسن بن علی بن حسین، تُحف العقول عن آل الرسول، محقق: علی اکبر غفاری، اشاعت دوم، مؤسسہ نشر اسلامی، قم، ۱۳۶۳ ہجری۔

۲۸- ابن شہر آشوب، ابو جعفر بن علی بن شہر آشوب سروی مازندرانی، **متشابہ القرآن و مختلفہ**، چاپخانہ کمپنی شرکت سہامی طبع کتاب، شہر نامعلوم، ۱۳۲۷ ہجری۔

۲۹- ابن شہر آشوب، ابو جعفر محمد بن علی بن شہر آشوب سروی مازندرانی، **مناقب آل ابی طالب**، محقق: یوسف البقاعی، انتشارات ذوی القربی، ہجری۔

۳۰- ابن شہر آشوب، ابو جعفر محمد بن علی بن شہر آشوب سروی مازندرانی، معالم العلما، ناشر نامعلوم، قم، تاریخ نامعلوم۔

۳۱- ابن صباغ مالکی، علی بن محمد بن احمد، **الفصول المہمۃ فی معرفۃ الائمۃ**، محقق: سامی الغریری، دار الحدیث، قم، ۱۴۲۲ ہجری۔

۳۲- ابن طولون، شمس الدین محمد، **الائمۃ الاثنی عشر**، محقق: صلاح الدین منجد، منشورات شریف رضی، قم، تاریخ نشر نامعلوم۔

۳۳- ابن عبد البر قرطبی، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر، **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب**، محقق علی محمد معوض، عادل احمد عبد الموجود، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ ہجری۔

۳۴- ابن عبد ربہ، احمد بن محمد بن عبد ربہ اندلسی، **العقد الفرید**، محقق: علی شیری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۹ ہجری۔

۳۵- ابن عساکر، ابو القاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ شافعی، **تبیین کذب المفتری**، محقق: احمد حجازی السقاء، درا الجبل، بیروت، ہجری۔

۳۶- ابن عساکر، ابو القاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ شافعی، **تاریخ مدینۃ دمشق الکبیر**، محقق: علی عاشور الجنوبی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ ہجری۔

۳۷-ابن عساکر، ابو القاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ شافعی، **ترجمۃ الامام الحسین من تاریخ مدینۃ دمشق**، محقق: محمد باقر محمودی، مؤسسہ المحمودی للطباعۃ والنشر، بیروت، ۱۳۹۸ ہجری۔

۳۸-ابن عِنَبَہ، جمال الدین احمد بن علی حسنی، **عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب**، انصاریان، قم، ۱۴۱۷ ہجری۔

۳۹- ابن قولویہ قمی، ابو القاسم جعفر بن محمد، **کامل الزیارات**، تحقیق: نشر الفقاہۃ، دار السرور، بیروت، ۱۴۱۸ ہجری۔

۴۰-ابن ماکولا، **اِکمال الکمال فی رفع الارتیاب**، مصحح جلد نمبر ۳: عبد الرحمن بن یحیی معلمی یمانی، مصحح جلد نمبر ۷: نایف عباس، دار الکتاب الاسلامی، قاہرہ، تاریخ نامعلوم۔

۴۱- ابن مندہ اصفہانی، ابو عبد اللہ، **جزء ترجمۃ الطبرانی**، ناشر، مقام اشاعت، تاریخ معلوم۔

۴۲-ابن منظور، **لسان العرب**، محقق: امین محمد عبد الوہاب و محمد صادق العبیدی، دار احیاء التراث العربی مؤسسہ التاریخ العربی، بیروت، ۱۴۱۶ ہجری۔

۴۳-ابن ندیم، احمد بن اسحاق، **کتاب الفہرست**، محقق رضا تجدد، تاریخ نامعلوم، تہران، ناشر نامعلوم۔

۴۴-ابن نما حلی، نجم الدین جعفر بن محمد، **مُثِیرُ الاَحزان**، تحقیق: مدرسۃ الامام المہدی، قم، اشاعت سوم، ۱۴۰۶ ہجری۔

۴۵-ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک بن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، محقق: مصطفی سقاء و ابراہیم آبیاری و شبلی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۵۵ ہجری۔

۴۶-ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک بن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، محقق: مصطفی سقاء و ابراہیم آبیاری و شبلی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۵۵ ہجری۔

۴۷-ابو الاعلی مودودی، **خلافت وملوکیت**، ناشر، تاریخ، مقام اشاعت نامعلوم۔

۴۸-ابو العباس عبد اللہ بن جعفر الحمیری، **قرب الاسناد**، منشورات المطبعہ الحیدریہ، نجف، ۱۳۶۹ ہجری۔

۴۹- ابو الفرج اصفہانی، **مقاتل الطالبین**، محقق: احمد صقر، دار احیاء الکتب العربیہ، قاہرہ، ۱۳۶۷ ہجری۔

۵۰- ابو الفرج اصفہانی، **الاغانی**، محقق: علی محمد بجاوی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، تاریخ نامعلوم۔

۵۱- ابو علی مِسکویہ، **تجارب الامم وتعاقب الہمم**، ناشر، تاریخ ومقام اشاعت نامعلوم۔

۵۲- ابو مخنف، **مقتل الحسین و مصرع اہل بیتہ و اصحابہ فی کربلا** (المعروف مقتل ابو مخنف)، انتشارات علمی، تہران، تاریخ نامعلوم۔
۵۳- ابو مخنف، **وقعۃ الطف**، مقدمہ و تحقیق: محمد ہادی یوسفی غروی، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلو۔
۵۴- آبی، منصور بن حسین، **نثر الدر فی المحاضرات**، محقق خالد عبد الغنی محفوظ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ہجری۔
۵۵- احمد بن حنبل، **المسند**، تصحیح محمد جمیل العطار، اشاعت دوم، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ ہجری۔
۵۶- احمد زمانی، **حقایق پنہان**، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلو۔
۵۷- اربلی، **کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ**، اشاعت دوم، دار الاضواء، بیروت، ۱۴۰۵ ہجری۔
۵۸- اربلی، علی بن عیسی، **کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ**، اشاعت دوم، دار الاضواء، بیروت، ۱۴۰۵ ہجری۔
۵۹- ازرقی، محمد بن عبد اللہ، **اخبار مکہ و ماجاء فیہا من الآثار**، محقق: رشدی صالح ملحس، منشورات شریف رضی، قم، ۱۴۱۱ ہجری۔
۶۰- اسفرینی، ابو اسحاق ابراہیم بن محمد شافعی اشعری، **نور العین فی مشہد الحسین**، مکتبۃ التعاون، بیروت، تاریخ اشاعت نامعلوم۔
۶۱- اسفندیاری، محمد، **کتاب شناسی تاریخی امام حسین**، وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، تہران، ۱۳۸۰ شمسی۔
۶۲- اشراقی، مرزا محمد، **الاربعین الحسینیہ**، اشاعت دوم، انتشارات اسوہ، تہران، ۱۳۷۹ شمسی۔
۶۳- اشعری قمی، سعد بن عبد اللہ، **کتاب المقالات و الفرق**، تصحیح محمد جواد مشکور، مؤسسہ مطبوعاتی عطائی، تہران، ۱۹۶۳ عیسوی۔
۶۴- افندی اصفہانی، مرزا عبد اللہ، **ریاض العلماء و حیاض الفضلاء**، محقق: سید احمد حسینی، مطبعہ الخیام، قم، ۱۴۰۱ ہجری۔
۶۵- آقا محمد جواد ارسطا، "**قیام امام حسین علیہ السلام میں بیعت اور وظیفہ الٰہی کا مقام**"، فصلنامہ حکومت اسلامی، سال ہفتم، تاریخ نامعلوم۔
۶۶- امیر علی، **تاریخ عرب و اسلام**، ترجمہ فخر داعی گیلانی، اشاعت سوم، انتشارات گنجینہ، تہران، ۱۳۶۶ شمسی۔

۶۷- امین، احمد، **فجر الاسلام**، گیارہویں اشاعت، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۷۵عیسوی،

۶۸- امین، حسن، **مستدرکات اعیان الشیعہ**، دار التعارف للمطبوعات، بیروت، ۱۴۱۵ہجری۔

۶۹- امین، سید محسن، **اعیان الشیعہ**، محقق: حسن امین، دار التعارف للمطبوعات، بیروت، ۱۴۰۳ ہجری۔

۷۰- امینی، عبد الحسین احمد، **الغدیر فی کتاب السنۃ و الادب**، چوتھی اشاعت، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۸شمسی۔

۷۱- امینی، عبد الحسین احمد، **سیرتنا و سنتنا**، اشاعت دوم، دار الغدیر للمطبوعات و دار الکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۱۲ہجری۔

۷۲- آیتی، محمد ابراہیم بیر جندی، **بررسی تاریخ عاشورا**، مقدمہ علی اکبر غفاری، کتابخانہ صدوق، تہران، ۱۳۷۴ شمسی۔

۷۳- آرین پور، یحیی، **از صبا تا نیما تاریخ ۱۵۰ سال ادب فارسی**، اشاعت چہارم، شرکت سہامی کتاب جیبی، تہران، ۲۵۳۵شاہنشاہی۔

۷۴- آقا بزرگ تہرانی، **الذریعہ الی تصانیف الشیعہ**، اشاعت سوم، دار الاضواء، بیروت، ۱۴۰۳ہجری۔

۷۵- آل یاسین، راضی، **صلح الحسن**علیہ السلام، اشاعت چہارم، منشورات ناصر خسرو، بیروت، ۱۳۹۹ہجری۔

۷۶- بحرانی، یوسف بن احمد، **الدُرَرُ النجفیۃ**، موسسہ آل البیت لاحیاء التراث، مقام و تاریخ نشر نا معلوم۔

۷۷- بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، **صحیح البخاری**، محقق: قاسم الشماعی الرفاعی، دار القلم، بیروت، ۱۴۰۷ہجری۔

۷۸- بُروکلمان، کارل، **تاریخ الادب العربی**، عربی میں ترجمہ: عبد الحلیم نجار، اشاعت دوم، دار الکتاب الاسلامی، قم، تاریخ نشر نا معلوم۔

۷۹- بروکلمان، کارل، **تاریخ الشعوب الاسلامیۃ**، عربی ترجمہ: نبیہ امین فارس و منیر البعلبکی، بارہویں اشاعت، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۹۳عیسوی۔

۸۰- بلاذری، احمد بن یحیی بن جابر، **انساب الاشراف**، محقق: سہیل ذکار، ریاض زرکلی، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ ہجری۔

۸۱- بلخی، مولانا جلال الدین محمد، **مثنوی معنوی**، تصحیح رینولد الین نیکلسون، اشاعت پنجم، انتشارات بہزاد، ۱۳۷۳ شمسی۔

۸۲- بلعمی، ابو علی محمد بن محمد، **تاریخ نامہ طبری**، تصحیح محمد روشن، سروش، تہران، ۱۳۷۷ شمسی۔

۸۳- بہبہانی، محمد باقر، **الدمعۃ الساکبہ**، مصحح: حسین اعلمی، مؤسسہ اعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۰۹ ہجری۔

۸۴- بیہقی، احمد بن حسین، **السنن الکبری**، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۶ ہجری۔

۸۵- پاشا بغدادی، اسماعیل، **ہدیۃ العارفین**، دار احیاء التراث العربی، بیروت، آفسٹ استنبول، ۱۹۵۱ عیسوی۔

۸۶- تستری، قاضی نور اللہ حسینی مرعشی، **احقاق الحق و ازہاق الباطل**، انتشارات اسلامیہ، تہران، ۱۳۹۳ ہجری۔

۸۷- تستری، شیخ جعفر، **الخصائص الحسینیہ**، چوتھی اشاعت، شریف رضی، قم، ۱۳۷۴ شمسی۔

۸۸- تمیمی مغربی، ابو حنفیہ نعمان بن محمد، **شرح الاخبار فی فضائل الائمۃ الاطہار**، محقق: سید محمد حسینی جلالی، مؤسسہ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۰۹ تا ۱۴۱۲ ہجری۔

۸۹- تمیمی مغربی، ابو حنیفہ نعمان بن محمد منصور، **دعائم الاسلام وذکر الحلال والحرام والقضایا والاحکام**، محقق: آصف بن علی اصغر فیضی، دار المعارف، قاہرہ، ۱۳۷۹ ہجری۔

۹۰- تمیمی، محمد بن حبان، **کتاب الثقات**، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۹۱- تنکابنی، میرزا محمد، **قصص العلما**، کتابفروشی علمیہ اسلامیہ، تہران، تاریخ نامعلوم۔

۹۲- ثقفی کوفی اصفہانی، ابو اسحاق ابراہیم بن محمد، **الغارات**، محقق: سید عبد الزہراء حسینی، دار الکتاب الاسلامی، قم، ۱۴۱۱ ہجری۔

۹۳- جاحظ، ابو عثمان عمر بن بحر، **البیان و التبیین**، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۶۸ عیسوی۔

۹۴- جاحظ، ابو عثمان عمر بن بحر، کتاب العثمانیۃ، محقق: عبد السلام محمد ہارون، دار الجبل، بیروت، تاریخ نامعلوم۔

۹۵- جبران مسعود، الرائد، **فرہنگ الفبائی عربی فارسی**، ترجمہ رضا انزابی نژاد، انتشارات آستان قدس رضوی، مشہد، ۱۳۷۴ شمسی۔

۹۶- جرداق، جورج، **الامام علی صوت العدالۃ الانسانیۃ**، منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، ۱۹۷۰ عیسوی۔

۹۷- جعفری، سید حسین محمد، **تشیع در مسیر تاریخ**، ترجمہ سید محمد تقی آیت اللّٰہی، بارہویں اشاعت، دفتر نشر و فرہنگ اسلامی، تہران، ۱۳۸۴شمسی۔

۹۸- جعفریان، رسول، **تاریخ تشیع در ایران از آغاز تا قرن دہم ہجری**، اشاعت سوم، انصاریان، قم، ۱۳۸۰ شمسی۔

۹۹- جعفریان، رسول، **نہضت عاشورا پر ایک نظر**، اشاعت دوم، انصاریان، قم، ۱۳۸۱ شمسی۔

۱۰۰- جعفریان، رسول، **مقالات تاریخی**، اشاعت دوم، نشر الہادی، قم، ۱۳۷۶ شمسی۔

۱۰۱- جعفریان، رسول، **تاریخ تحول دولت و خلافت**، اشاعت دوم، مرکز انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی، قم، ۱۳۷۷شمسی۔

۱۰۲- سیوطی، جلال الدین، **تاریخ الخلفاء**، محقق قاسم شماعی و محمد عثمانی، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۰۳- جلال الدین عبد الرحمن سیوطی، **بُغْیة الوُعاة فی طبقات اللّغویین و النُّحاة**، **محقق محمد ابو الفضل ابراهیم**، محقق: محمد ابو الفضل ابراہیم، مطبعہ عیسی البابی الحبی و شرکا، قاہرہ، ۱۳۸۴ہجری۔

۱۰۴- جواد علی، **المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام**، اشاعت دوم، دار العلم للملایین و مکتبۃ النہضۃ، بیروت، ۱۹۷۶عیسوی۔

۱۰۵- حاجی خلیفہ، المصطفی بن عبد اللہ، **کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون**، تصحیح محمد شریف الدین یالتقایا ورفعت بیگلہ الکلیسی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، تاریخ نامعلوم۔

۱۰۶- حافظ شیرازی، خواجہ شمس الدین محمد، **دیوان حافظ**، انتظام سید ابو القاسم انجوی شیرازی، اشاعت سوم، انتشارات جاویدان، ۱۳۵۸شمسی۔

۱۰۷- حاکم نیشاپوری، ابو عبد اللہ محمد بن محمد، **المستدرک علی الصحیحین**، محقق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۱ہجری۔

۱۰۸- حائری مازندرانی، محمد مہدی، **معالی السبطین فی احوال السبطین الامامین الحسن والحسین**، مطبعہ مصباحی، تبریز، تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۰۹- حُر عاملی، محمد بن حسن، **امل الآمل**، محقق: سید احمد حسینی، دار الکتاب الاسلامی، قم، ۱۳۶۲ شمسی۔

۱۱۰- حسن بن شعبہ حرانی، تُحف العقول عن آل الرسول علیہم السلام، محقق: علی اکبر غفاری، ناشر، مقام و تاریخ اشاعت نامعلوم۔

۱۱۱- حسین نورانی نژاد و دیگر مصنفین، **عاشورا در گزر بہ عصر سکولار**، (مجموعہ مقالات)، کویر، تہران، ۱۳۸۳ شمسی۔

۱۱۲- حسینی فیروز آبادی، سید مرتضی، **فضائل الخمسۃ من الصحاح الستۃ**، محقق: مجمع جہانی اہل البیت، قم، ۱۴۲۲ ہجری۔

۱۱۳- حسینی، محمد ابن ابی طالب، **تسلیۃ المجالس وزینۃ المجالس**، ناشر، تاریخ و مقام نشر نامعلوم۔

۱۱۴- حموی، یاقوت بن عبد اللہ، **معجم الادباء**، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۸ ہجری۔

۱۱۵- حمید بن احمد محلی، **الحدائق الوردیۃ فی مناقب الائمۃ الزیدیۃ**، محقق: مرتضی محطوری حسنی، مرکز بدر العلمی و الثقافی، صنعاء، ۱۴۲۳ ہجری۔

۱۱۶- خوارزمی، ابو المؤید الموفق بن احمد مکی، **المناقب**، محقق: مالک محمودی، اشاعت دوم، مؤسسہ نشر اسلامی، قم، ۱۴۱۴ ہجری۔

۱۱۷- خوارزمی، ابو المؤید الموفق بن احمد مکی، **مقتل الحسین**، محقق: محمد سماوی، مطبعۃ الزہراء، نجف، ۱۳۶۷ ہجری۔

۱۱۸- خوانساری موسوی، محمد باقر، **روضات الجنات فی احوال العلما و السادات**، محقق: اسد اللہ اسماعیلیان، مکتبہ اسماعیلیان، قم، ۱۳۹۱ ہجری۔

۱۱۹- خوانساری، موسی، محمد باقر، **روضات الجنات فی احوال العلما و السادات**، محقق: اسد اللہ اسماعیلیان، مکتبہ اسماعیلیان، قم، ۱۳۹۱ ہجری۔

۱۲۰- خوئی، سید ابو القاسم، **معجم رجال الحدیث و تفصیل طبقات الرواۃ**، اشاعت پنجم، مریز نشر الثقافۃ الاسلامیہ، ۱۴۱۳ ہجری۔

۱۲۱- دہخدا، علی اکبر، **لغت نامہ دہخدا**، زیر نظر محمد معین، دانشگاہ تہران، تہران، ۱۳۳۸ شمسی۔

۱۲۲- دولابی، ابو بشر محمد بن احمد، **الذریہ الطاہرہ**، محقق: سید محمد حسینی جلالی، مؤسسہ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۰۷ہجری۔

۱۲۳- دینوری، **الامامۃ والسیاسۃ** المعروف بتاریخ الخلفاء، محقق: علی شیری، انتشارات شریف رضی، قم، ۱۳۷۱ ہجری۔

۱۲۴- دینوری، ابو حنیفہ احمد بن داؤود، **الاخبار الطوال**، محقق: عصام محمد الحاج علی دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ہجری۔

۱۲۵- ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، **سیر اعلام النبلاء**، محقق: مصطفی عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۲۵ہجری۔

۱۲۶- ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، **میزان الاعتدال فی نقد الرجال**، محقق: علی محمد البجاوی، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۸۲ہجری۔

۱۲۷- ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، **تذکرۃ الحفاظ**، دار احیاء التراث العربی، بیروت، تاریخ نامعلوم۔

۱۲۸- رازی ابن بابویہ، منتجب الدین علی بن بابویہ، **فہرست منتجب الدین**، ناشر، مقام و تاریخ نامعلوم۔

۱۲۹- راوندی، قطب الدین، **الخرائج و الجرائح**، محقق: مؤسسہ الامام المہدی، مؤسسہ الامام المہدی، قم، ۱۴۰۹ہجری۔

۱۳۰- رشید رضا، محمد، **تفسیر المنار**، اشاعت دوم، دار المنار، مصر، ۱۳۷۲ہجری۔

۱۳۱- رفاعی، عبد الجبار، **معجم ما کُتب عن الرسول و اہل البیت**، وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، تہران، ۱۳۷۱شمسی۔

۱۳۲- روحی البعلبکی، **فرہنگ عربی فارسی المورد**، ترجمہ محمد مقدس، امیر کبیر، تہران، ۱۳۸۷شمسی۔

۱۳۳- ری شہری، محمد، **اہل البیت فی الکتاب والسنہ**، محقق: دار الحدیث، دار الحدیث، قم، ۱۳۷۵شمسی۔

۱۳۴- زاہدی قمی، مرزا ابو الفضل، **مقصد الحسین** علیہ السلام، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۳۵- زرگری نژاد، غلام حسین، **نہضت امام حسین** علیہ السلام **و قیام کربلا**، سمت، تہران، ۱۳۸۳شمسی۔

۱۳۶- زیدان، جرجی، **تاریخ التمدن الاسلامی**، دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، تاریخ نامعلوم۔

۱۳۷- سامانی، عمانی، **گنجینہ الاسرار**، انتظام: محمد علی مجاہدی، انتشارات اسوہ، قم، تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۳۸- سبحانی، جعفر، **شفاعت در قلمرو عقل، قرآن وحدیث**، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۵۴ شمسی۔

۱۳۹- سبحانی، جعفر، **کلیات فی علم الرجال**، اشاعت سوم، مؤسسہ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۱۴ ہجری۔

۱۴۰- سبکی، تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب بن علی، **الطبقات الشافعیۃ الکبری**، محقق: عبد الفتاح محمد حلو و محمود محمد طناحی، دار احیاء الکتب العربیہ، قاہرہ، تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۴۱- سپہر کاشانی، میرزا محمد تقی، **ناسخ التواریخ امام حسین**، نظر ثانی: محمد مہدی اشتہاردی، ناصر، قم، ۱۳۸۶ شمسی۔

۱۴۲- سروش اصفہانی، میرزا محمد علی خان، **دیوان سروش اصفہانی**، انتظام محمد جعفر محجوب، امیر کبیر، ۱۳۴۰ شمسی۔

۱۴۳- سزگین، فُؤاد، **تاریخ التراث العربی**، اعراب گذاری: محمود فہمی حجازی، اشاعت دوم، مکتبہ آیہ اللہ مرعشی نجفی، قم، ۱۴۱۲ ہجری۔

۱۴۴- سُلیم بن قیس ہلالی، **کتاب سلیم بن قیس ہلالی**، محقق: محمد باقر انصاری زنجانی، نشر الہادی، قم، ۱۳۷۱ شمسی۔

۱۴۵- سمعانی، ابو سعد عبد الکریم بن محمد، **الانساب**، محقق: عبد اللہ عمر البارودی، دار الجنان، بیروت، ۱۴۰۸ ہجری۔

۱۴۶- سید بن طاووس، علی بن موسی بن جعفر، **اقبال الاعمال**، محقق: جواد قیومی اصفہانی، دفتر تبلیغات اسلامی، قم، ۱۴۱۵ ہجری۔

۱۴۷- سید بن طاووس، علی بن موسی بن جعفر، **الملاحم و الفتن**، اشاعت دوم، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۲۳ ہجری۔

۱۴۸- سید بن طاووس، علی بن موسی بن جعفر، **الملہوف علی قتلی الطفوف**، محقق: فارس تبریزیان، دار الاسوہ للطباعۃ والنشر، ۱۴۱۴ ہجری۔

۱۴۹- سید کاظم موسوی بجنوردی اور بعض دیگر افراد، **دائرہ المعارف بزرگ اسلامی**، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۵۰- سیوطی، جلاالدین، **تاریخ الخلفاء**، محقق: قاسم شماعی و محمد عثمانی، دار القلم، بیروت، ۱۴۰۶ہجری۔

۱۵۱-شُبّر، سید عبداللہ، **جلاء العیون**، محقق: سید علی شبر، مطبعہ الحیدریہ، جنف، ۱۳۷۴ہجری۔

۱۵۲- شُبّر، جواد، **ادب الطف او شعراء الحسین**، دار المرتضی، بیروت، ۱۴۰۹ہجری۔

۱۵۳- شرف الدین، سید عبد الحسین موسوی، **المراجعات**، محقق: شیخ حسین راضی، مرکز نشر مجمع جہانی اہل بیت، قم، ۱۴۲۲ہجری۔

۱۵۴- شریف طباطبائی، مرزا محمد باقر، **اسرار شہادۃ آل اللہ**، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۵۵- شریف کاشانی، ملا حبیب اللہ، **تذکرۃ الشہدا**، ناشر، مقام، و تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۵۶- شریف مرتضی، ابو القاسم علی بن حسین موسوی، **تنزیہ الانبیاء و الائمہ**، محقق: فارس حسون کریم، بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۰شمسی۔

۱۵۷- شریف مرتضی، ابو القاسم علی بن حسین موسوی، **رسائل المرتضی**، محقق: سید احمد حسینی، دار القرآن الکریم، قم، ۱۴۰۵ہجری۔

۱۵۸- شمس الدین، محمد مہدی، **ارزیابی انقلاب امام حسین**، ترجمہ مہدی پیشوایی، مؤسسہ فرہنگی ہنری الست فردا، تہران، ۱۳۸۰شمسی۔

۱۵۹- شہید ثانی، زید الدین بن علی عاملی، **مسالک الافہام الی تنقیح شرایع الاسلام**، محقق: مؤسسہ معارف اسلامی، مؤسسہ معارف الاسلامیہ، قم، ۱۴۱۴ہجری۔

۱۶۰- شہیدی، سید جعفر، **قیام حسین**علیہ السلام، ناشر، مقام و تاریخ نامعلوم۔

۱۶۱-شہیدی، سید جعفر، **تاریخ تحلیلی اسلام**، انتشارات علمی و فرہنگی، تہران، ۱۳۸۳شمسی۔

۱۶۲- صافی، لطف اللہ، **حسین**علیہ السلام **شہید آگاہ و رہبر نجات بخش اسلام**، ناشر، مقام، تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۶۳- صالحی راد، حسن، **مجالس تعزیہ**، سروش، تہران، ۱۳۸۰شمسی۔

۱۶۴- صالحی شامی، محمد بن یوسف، **سُبل الهدیٰ والرشاد**، محقق: عادل احمد عبد الموجود اور علی محمد معوض، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ہجری۔

۱۶۵- صحتی سردرودی، محمد، **شهید فاتح در آئینه اندیشه**، دفتر نشر معارف، قم، ۱۳۸۱ شمسی۔

۱۶۶- صدوق، محمد بن علی بن حسین، **ثواب الاعمال وعقاب الاعمال**، تصحیح: علی اکبر غفاری، مکتبہ الصدوق، تہران، ۱۳۹۱ہجری۔

۱۶۷- صدوق، محمد بن علی بن حسین، **علل الشرائع**، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۰۸ہجری۔

۱۶۸- صدوق، محمد بن علی بن حسین، **الخصال**، تصحیح: علی اکبر غفاری، منشورات جامعہ مدرسین، قم، ۱۳۶۲ شمسی۔

۱۶۹- صدوق، محمد بن علی بن حسین، **من لایحضرہ الفقیہ**، مصحح: علی اکبر غفاری، جامعہ مدرسین، قم، تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۷۰- صدوق، محمد بن علی بن حسین، **الامالی**، محقق قسم الدراسات الاسلامیہ مؤسسہ البعثۃ، مجلس۔

۱۷۱- صدوق، محمد بن علی بن حسین، **عیون اخبار الرضا**، تصحیح: حسین اعلمی، باب، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۰۴ ہجری۔

۱۷۲- صدوق، محمد بن علی بن حسین، **کمال الدین وتمام النعمہ**، تصحیح: علی اکبر غفاری، مؤسسہ نشر اسلامی، قم، ۱۳۶۳شمسی۔

۱۷۳- صفار قمی، ابو جعفر محمد بن حسن بن فروخ، **بصائر الدرجات**، مصحح: محسن کوچہ باغی تبریزی، منشورات مکتبہ آیہ اللہ العظمی مرعشی نجفی، قم، ۱۴۰۴ہجری۔

۱۷۴- صفائی حائری، عباس، **تاریخ سید الشہدا**، محقق و نظر ثانی: مسجد جمکران، انتشارات مسجد مقدس جمکران، قم، ۱۳۷۹شمسی۔

۱۷۵- ضیائی، سید عبد الحمید، **نگرشی انتقادی تاریخ به ادبیات عاشورا**، نقد فرہنگ، تہران، ۱۳۸۱شمسی۔

۱۷۶- طباطبائی، سید عبد العزیز، **اہل البیت فی المکتبۃ العربیۃ**، مؤسسہ آل البیت لاحیاء التراث، قم، ۱۴۱۷ہجری۔

۱۷۷- طباطبائی، سید عبد العزیز طباطبائی، **اہل البیت فی المکتبۃ العربیۃ**، مؤسسہ آل البیت لاحیاء التراث، قم، ۱۴۱۷ ہجری۔

۱۷۸- طبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد، **المعجم الکبیر**، محقق: حمدی عبد المجید سلفی، اشاعت دوم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۴ ہجری۔

۱۷۹- طبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد، **المعجم الکبیر**، محقق: حمدی عبد المجید سلفی، اشاعت دوم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۴ ہجری۔

۱۸۰- طبرسی، ابو منصور احمد بن علی، **الاحتجاج**، محقق: ابراہیم بہادری و محمد ہادی بہ، اشاعت دوم، انتشارات اسوہ، ۱۴۱۶ ہجری۔

۱۸۱- طبرسی، ابو علی فضل بن حسن، **اعلام الوری باعلام الہدی**، مصحح: علی اکبر غفاری، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۹۹ ہجری۔

۱۸۲- طبرسی، ابو منصور، **الاحتجاج**، محقق: ابراہیم بہادری و محمد ہادی بہ، اشاعت دوم، انتشارات اسوہ، ۱۴۱۶ ہجری۔

۱۸۳- طبری (امامی)، ابو جعفر محمد بن جریر **دلائل الامامۃ**، اشاعت سوم، منشورات الرضی، قم، ۱۳۶۳ شمسی۔

۱۸۴- طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، **تاریخ الامم والملوک**، محقق: محمد ابو الفضل ابراہیم، روائع التراث العربی، بیروت، تاریخ نشر نامعلوم۔

۱۸۵- طبری، احمد بن عبد اللہ، **ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ**، مکتبہ القدوسی، قاہرہ، ۱۳۵۶ ہجری۔

۱۸۶- طبری، عماد الدین بن حسن بن علی بن محمد، **کامل بہائی**، مؤسسہ طبع و نشر، قم، ۱۳۳۴ شمسی۔

۱۸۷- طریحی، فخر الدین، **مجمع البحرین**، محقق: سید احمد حسینی، اشاعت دوم، مرتضوی، تہران، ۱۳۶۲ شمسی۔

۱۸۸- طریحی، فخر الدین، **المنتخب**، مصحح: فضال علی، مؤسسہ اعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۲۴ ہجری۔

۱۸۹- طریحی، فخر الدین، **مجمع البحرین**، محقق: سید احمد حسینی، اشاعت دوم، مرتضوی، تہران، ۱۳۶۲ شمسی۔

۱۹۰- طٰہٰ حسین، **انقلاب بزرگ علی و دو فرزند بزرگوارش**، ترجمہ احمد آرام، اشاعت دوم، انتشارات علمی، ۱۳۶۳ شمسی۔

۱۹۱- طوسی، ابوحمزہ، **الثاقب فی المناقب**، ناشر، مقام و تاریخ اشاعت نامعلوم۔

۱۹۲- طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن بن علی، **تہذیب الاحکام**، مصحح: علی اکبر غفاری، نشر صدوق، تہران، ۱۳۷۶ شمسی۔

۱۹۳- طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن بن علی، **اختیار معرفۃ الرجال**، مصحح: حسن مصطفوی، دانشگاہ مفید، مشہد، ۱۳۴۸ شمسی۔

۱۹۴- طوسی، ابوجعفر محمد بن حسن بن علی، **الامالی**، محقق: قسم الدراسات الاسلامیہ مؤسسہ البعثۃ، دار الثقافہ، قم، ۱۴۱۴ ہجری۔

۱۹۵- طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن بن علی، **تلخیص الشافی**، محقق: سید حسین بحر العلوم، اشاعت دوم، مطبعہ الآداب، نجف، ۱۳۸۳ ہجری۔

۱۹۶- طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن بن علی، **کتاب الغیبۃ**، محقق: عباد اللہ تہرانی و علی احمد ناصح، مؤسسہ المعارف الاسلامیہ، قم، ۱۴۱۱ ہجری۔

۱۹۷- طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن بن علی، **مصباح المتہجد و سلاح المتعبد**، مؤسسہ فقہ الشیعہ، بیروت، ۱۴۱۱ ہجری۔

۱۹۸- طوسی، ابوجعفر محمد بن حسن بن علی، **الفہرست**، محقق: جواد قیومی، نشر الفقاہہ، ۱۴۱۷ ہجری۔

۱۹۹- طوسی، ابوجعفر محمد بن حسن بن علی، **رجال الطوسی**، محقق: جواد قیومی اصفہانی، مؤسسہ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۱۵ ہجری۔

۲۰۰- عسکری، سید مرتضی، **معالم المدرستین**، اشاعت دوم، مؤسسہ البعثۃ، تہران، ۱۴۰۸ ہجری۔

۲۰۱- عسکری، سید مرتضی، **عبد اللہ بن سبا و اساطیر اخری**، اشاعت پنجم، دار الزہراء، بیروت، ۱۴۰۳ ہجری۔

۲۰۲- عطوان، حسین، **الفرق الاسلامیہ فی بلاد الشام فی العصر الاموی**، دار الجبل، ۱۹۸۶ عیسوی۔

۲۰۳- علامہ حلی، ابو منصور حسن بن یوسف بن علی بن مطہر، **منتہی المطلب**، مقابلہ حسن پیشنماز، حاج احمد، تبریز، ۱۳۳۳ ہجری۔

۲۰۴- علامہ حلی، ابو منصور حسن بن یوسف بن علی بن مطہر، **ایضاح الاشتباہ**، محقق: شیخ محمد حسون، جامعہ مدرسین، قم، ۱۴۱۱ہجری۔

۲۰۵- علامہ حلی، ابو منصور حسن بن یوسف بن علی بن مطہر، **تذکرۃ الفقہاء**، مکتبہ رضویہ الاحیاء الآثار الجعفریہ، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۰۶- علایلی، عبد اللہ، **الامام الحسین**، منشورات شریف رضی، قم، ۱۳۷۴شمسی۔

۲۰۷- علوی حضرمی، محمد بن عقیل، **النصائح الکافیۃ لمن یتولی معاویہ** "معاویہ کے پرستاروں کو نصیحت" ترجمہ: عزیز اللہ عطاردی، انتشارات عطارد، تہران، ۱۳۷۳شمسی۔

۲۰۸- فاروق عمر و ملیحہ رحمۃ اللہ و مفید محمد نوری، **النظم الاسلامیۃ**، دار الحکمت، بغداد، ۱۹۸۷عیسوی۔

۲۰۹- فاضل دربندی، ملا آقا شیروانی حائری، **اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات**، محقق: محمد جمعہ بادی و عباس ملاعطیہ جمری، شرکۃ المصطفی للخدمات الثقافیۃ، منامہ، ۱۴۱۵ ہجری۔

۲۱۰- فرحی، سید علی، **بررسی و محقق پیرامون نہضت حسینی**، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، ۱۳۷۵شمسی۔

۲۱۱- فُضَیْل بن زبیر، **تسمیۃ مَنْ قُتِلَ مع الحسین علیہ السلام من وُلْدِہ و اخوتہ و اہل بیتہ و شیعتہ**، محقق سید محمد رضا حسینی جلالی، تراثنا، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۱۲- قاآنی شیرازی، میرزا حبیب اللہ، **دیوان حکیم قاآنی شیرازی**، تصحیح محمد جعفر مجحوب، امیر کبیر، تہران، ۱۳۶۶شمسی۔

۲۱۳- قاضی عبد الجبار، ابو الحسن، **المغنی فی ابواب التوحید و العدل**، محقق: توفیق الطویل و سعید زاید، وزارۃ الثقافہ والارشاد القومی، مصر، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۱۴- قاضی طباطبائی، سید محمد علی، **تحقیق دربارہ اولین اربعین حضرت سید الشہداء**، اشاعت سوم، بنیاد علمی و فرہنگی شہید آیۃ اللہ قاضی طباطبائی، قم، ۱۳۶۸شمسی۔

۲۱۵ - قبانجی، سید حسن، **مسند الامام علی** علیہ السلام، محقق: طاہر اسلامی، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۱۶- قرشی، باقر شریف، **حیاۃ الامام الحسن بن علی**، دار البلاغہ، بیروت، ۱۴۱۳ہجری۔

۲۱۷- قزوینی، سید رضی بن نبی، **تظلم الزہراء من اہراق دماء آل العباء**، منشورات مکتبہ الحیدریہ، نجف، ۱۳۸۵ ہجری۔

۲۱۸- قفطی، جمال الدین ابو الحسن علی بن یوسف، **اِنباہُ الرُّواۃ علی نباہ النُّحاۃ**، محقق: محمد ابو الفضل ابراہیم، دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ۱۳۷۴ ہجری۔

۲۱۹- قمی، شیخ عباس، **الفوائد الرضویۃ فی احوال علما المذہب الجعفریہ**، کتابخانہ مرکزی، تہران، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۲۰- قمی، شیخ عباس، **الکنی والالقاب**، مقدمہ: محمد ہادی امینی، مکتبہ الصدر، تہران، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۲۱- قمی، شیخ عباس، **مفاتیح الجنان**، ترجمہ مہدی الٰہی قمشہ ای، انتشارات علمی، تہران، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۲۲- قمی، شیخ عباس، **منتہی الآمال**، محقق: ناصر باقری بید ہندی انتشارات دلیل، قم، ۱۳۷۹ شمسی۔

۲۲۳- قمی، شیخ عباس، ترجمہ **نفس المہموم**، مترجم: میرزا ابو الحسن شعرانی، ہجرت، قم، ۱۳۷۱ شمسی۔

۲۲۴- قمی، شیخ عباس، **سفینۃ البحار**، چاپ دوم، دار الاسوہ للطباعہ والنشر، تہران، ۱۴۱۶ ہجری۔

۲۲۵- قنبری، بخش علی، **فلسفہ عاشورا از دید گاہ اندیشمندان مسلمان جہان**، اشاعت کمپنی و نشر جہانی سازمان تبلیغات اسلامی، تہران، ۱۳۷۹ شمسی۔

۲۲۶- قندوزی حنفی، سلیمان بن ابراہیم، **ینابیع المودۃ لذوی القربی**، محقق: سید علی جمال اشرف حسینی، دار الاسوہ للطباعہ والنشر، ۱۴۱۶ ہجری۔

۲۲۷- کاشفی، ملا حسین واعظ، **روضۃ الشہدا**، تصحیح محمد رمضانی، کتاب فروشی اسلامیہ، تہران، ۱۳۴۱ شمسی۔

۲۲۸- کتبی، محمد بن شاکر بن محمد، **وفات الوفیات**، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۲۹- کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، **الفروع من الکافی**، مصحح: علی اکبر غفاری، اشاعت دوم، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۲ شمسی۔

۲۳۰- کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، **الاصول من الکافی**، محقق: علی اکبر غفاری، مصحح: نجم الدین عاملی، مکتبہ الاسلامیہ، تہران، ۱۳۸۸ ہجری۔

۲۳۱- کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، **الروضۃ من الکافی**، مصحح: علی اکبر غفاری، اشاعت چہارم، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۲ شمسی۔

۲۳۲- کمیت بن زید اسدی، **الروضۃ المختار**، جمع آوری: صالح علی صالح، منشورات مکتبہ الحیدریہ، نجف، ۱۴۰۸ ہجری۔

۲۳۳- کوفی، محمد بن سلیمان، **مناقب الامام امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب**، محقق: محمد باقر محمودی، مجمع احیاء الثقافہ الاسلامیہ، قم، ۱۴۱۲ ہجری۔

۲۳۴- گل محمدی، حسن، **عاشوراو شعر فارسی**، انتشارات اطلس، تہران، ۱۳۶۶ شمسی۔

۲۳۵- لکھنوی ہندی، ابو الحسنات محمد بن عبد الحی، **الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ**، تصحیح: محمد بدر الدین ابو فراس، دار المعرفہ، بیروت، تاریخ نامعلوم۔

۲۳۶- مامقانی، عبد اللہ، **تنقیح المقال فی علم الرجال**، انتشارات جہان، تہران، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۳۷- مبرد، ابو العباس محمد بن یزید، **الکامل فی اللغۃ و الادب**، محقق: عبد الحمید ہنداوی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ ہجری۔

۲۳۸- متقی ہندی، علاء الدین متقی بن حسان الدین، **کنز العمال**، مصحح: صفوۃ السقاء، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۹ ہجری۔

۲۳۹- مجلسی، محمد باقر، **جلاء العیون**، انتشارات رشیدی، تہران، ۱۳۶۲ شمسی۔

۲۴۰- مجلسی، محمد باقر، **بحار الانوار**، اشاعت دوم، مؤسسہ الوفاء، بیروت، ۱۴۰۳ ہجری۔

۲۴۱- مجلسی، محمد باقر، **مرآۃ العقول فی شرح اخبار الرسول**، مصحح: سید ہاشم رسولی، اشاعت سوم، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۷۰ شمسی۔

۲۴۲- محتشم، علی، **دیوان مولانا محتشم کاشانی**، بنگاہ مطبوعاتی برادران محتشم، تاریخ نامعلوم۔

۲۴۳- محمد بن ابی طالب حسینی، **تسلیۃ المجالس وزینۃ المجالس**، محقق: فارس تبریزیان و حسون کریم، مقام، ناشر و تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۴۴- محمود بن سلیمان کفوی، **اعلام الاخبار من فقہا مذہب النّعمان**، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۴۵- محمودی، محمد باقر، **عبرات المصطفین فی مقتل الحسین**، مجمع احیاء الثقافہ الاسلامیہ، قم، ۱۴۱۵ ہجری۔

۲۴۶- مدرس، میرزا محمد علی، **ریحانۃ الادب**، چاپخانہ شرکت سہامی طبع کتاب، تہران، ۱۳۲۸ شمسی۔

۲۴۷- مدنی شیرازی حسینی، علی خان، **الدرجات الرفیعہ فی طبقات الشیعہ**، مقدمہ: سید محمد صادق بحر العلوم، منشورات مکتبہ بصیرتی، قم، ۱۳۹۷ ہجری۔

۲۴۸- مرزا حسن صفی علی شاہ، زبدۃ الاسرار، ناشر، مقام و تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۴۹- مروزی، ابو عمران موسیٰ بن ابراہیم، **مسند الامام موسیٰ بن جعفر**، مقدمہ و تعلیق: محمد حسین حسینی جلالی، اشاعت چہارم، دار الاضواء، بیروت، ۱۴۰۶ ہجری۔

۲۵۰- مِزّی، جمال الدین ابو الحجاج یوسف، **تہذیب الکمال فی اسماء الرجال**، محقق: بشار عواد معروف، اشاعت پنجم، مؤسسہ الرسالت، بیروت، ۱۴۱۵ ہجری۔

۲۵۱- مسعودی، ابو الحسن بن علی، **مروج الذہب و معادن الجوہر**، محقق: محمد محی الدین عبد الحمید، چوتھی اشاعت، السعادۃ، قاہرہ، ۱۳۸۴ ہجری۔

۲۵۲- مسعودی، ابو الحسن بن علی، **اثبات الوصیہ للامام علی ابن ابی طالب**، مؤسسہ انصاریان، قم، ۱۴۱۷ ہجری۔

۲۵۳- مسلم نیشابوری، ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری نیشابوری، **صحیح مسلم**، محقق: احمد عمر ہاشم و موسیٰ شاہین لاشین، موسسہ عز الدین للطباعۃ والنشر، بیروت ۱۴۰۷ ہجری۔

۲۵۴- مشاور، خانبابا، **فہرست کتابہای چاپی فارسی**، اشاعت دوم، چاپخانہ ارژنگ، تہران، ۱۳۵۳ شمسی۔

۲۵۵- مصطفی آزادیان، **آموزہ نجات از دیدگاہ علامہ طباطبائی**، مؤسسہ آموزشی و پژوہشی امام خمینی، قم، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۵۶- مطہری، مرتضی، **انسان و سرنوشت**، انتشارات صدرا، قم، ۱۳۸۰ شمسی۔

۲۵۷- مطہری، مرتضی، **حماسہ حسینی**، ایڈیشن ۲۱، انتشارات صدرا، قم، ۱۳۷۳ شمسی۔

۲۵۸- معتمد الدولہ، فرہاد میرزا، **قَمقام زَخّار و صَمصام بتّار**، مقدمہ عماد زادہ، مصحح: محرمی زندی، کتابفروشی اسلامیہ، تہران، ۱۳۷۷ شمسی۔

۲۵۹- معلوف، لُویَس، **المنجد فی اللغة**، اسماعیلیان، قم، ۱۳۶۲ شمسی۔

۲۶۰- مفید، ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان العکبری، **الاختصاص**، مصحح و محقق: علی اکبر غفاری، المؤتمر العالمی لالفیہ الشیخ المفید، ۱۴۱۳ ہجری۔

۲۶۱- مفید، ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان العکبری، **الارشاد**، محقق: موسسہ اہل البیت، قم، المؤتمر العالمی لالفیہ الشیخ المفید، ۱۴۱۳ ہجری۔

۲۶۲- مفید، ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان العکبری، **الامالی**، محقق: حسین استاد ولی و علی اکبر غفاری، جامعہ مدرسین، قم، ۱۴۰۳ ہجری۔

۲۶۳- مفید، ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان العکبری، **الجمل**، محقق: سید علی میر شریفی، مکتب الاعلام الاسلامی، قم، ۱۴۱۳ شمسی۔

۲۶۴- مفید، ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان العکبری، **مسار الشیعہ**، محقق: شیخ مہدی نجف، المؤتمر العالمی لالفیہ الشیخ المفید، ۱۴۱۳ ہجری۔

۲۶۵- مفید، ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان العکبری، **المسائل العکبریہ**، محقق: علی اکبر الٰہی خراسانی، المؤتمر العالمی لالفیہ الشیخ المفید، ۱۴۱۳ ہجری۔

۲۶۶- مقالہ: امیر جوان آراستہ، **قاضی نُعمان و مذہب او**، ناشر، مقام و تاریخ نشر نا معلوم۔

۲۶۷- مقالہ: رنجبر، محسن، **خلفاء کی فتوحات سے متعلق حضرت علی علیہ السلام کا موقف**، سہ ماہی: تاریخ در آینہ پژوہش، شمارہ دوم، ۱۳۸۲ شمسی۔

۲۶۸- مقریزی، ابو العباس احمد بن علی بن قادر العبیدی، **النزاع والتخاصم فیما بین بنی امیہ و بنی ہاشم**، مقدمہ سید محمد بحر العلوم، منشورات مکتبہ الحیدریہ، نجف، ۱۳۸۶ ہجری۔

۲۶۹- مقریزی، ابو العباس احمد بن علی بن قادر العبیدی، **المواعظ و الاعتبار، المعروف بالخطط المقریزیة**، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ ہجری۔

۲۷۰- منزوی، احمد، **فہرست وارہ کتابہای فارسی**، اشاعت دوم، دائرة المعارف بزرگ اسلامی، تہران، ۱۳۸۲ شمسی۔

۲۷۱- منقری، نصر بن مزاحم، **وقعۃ الصفین**، محقق: عبد السلام محمد ہارون، اشاعت دوم، موسسہ العربیہ الحدیثہ للطبع والنشر والتوزیع، قاہرہ، ۱۳۸۲ ہجری۔

۲۷۲- موحدی، عبد اللہ، **ملا حبیب اللہ شریف کاشانی فقیہ فرزانہ**، دفتر تبلیغات اسلامی، قم، ۱۳۷۶ شمسی۔

۲۷۳- میرزا حسین نوری طبرسی، **مستدرک الوسائل و مستنبط المسائل**، محقق: موسسہ آل البیت لاحیاء التراث، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۷۴- میشل، توماس، **کلام مسیحی**، ترجمہ حسین توفیقی، مرکز مطالعات و تحقیقات ادیان و مذاہب، قم، ۱۳۷۳ شمسی۔

۲۷۵- نجاشی، احمد بن علی، **رجال النجاشی**، محقق: سید موسی شبیری زنجانی، اشاعت پنجم، موسسہ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۱۶ ہجری۔

۲۷۶- نجفی، محمد حسن، جواہر الکلام فی شرح شرایع الاسلام، ساتویں اشاعت، دار احیاء التراث العربی، بیروت، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۷۷- نراقی، مہدی، **مُحرِق القلوب**، اشاعت سنگی، ناشر، مقام و تاریخ نامعلوم۔

۲۷۸- نوری طبرسی، میرزا حسین، **لولو و مرجان**، اشاعت دوم، انتشارات فراہانی، ۱۳۶۴ شمسی۔

۲۷۹- نویری، شہاب الدین احمد، **نہایۃ الارب فی فنون الادب**، مترجم: محمود مہدی دامغانی، امیر کبیر، تہران، ۱۳۶۴ شمسی۔

۲۸۰- واعظ خیابانی تبریزی، **وقایع الایام فی تتمۃ محرم الحرام**، محقق: محمد الوانسار خوئی، انتشارات غرفہ الاسلام، قم، ۱۳۸۶ شمسی۔

۲۸۱- واقدی، محمد بن عمر بن واقد، **کتاب المغازی**، محقق: مارسدن جونس، اشاعت سوم، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۰۹ ہجری۔

۲۸۲- یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، **تاریخ الیعقوبی**، دار صادر، بیروت، تاریخ نشر نامعلوم۔

۲۸۳- یوسفی غروی، محمد ہادی، **موسوعۃ التاریخ الاسلامی**، مجمع الفکر الاسلامی، قم، ۱۴۲۹ ہجری۔